تحفۂ شیعیت

از علامه ڈاکٹر عبد اللہ الجمیلي

ترجمہ وتعلیق واضافات از
آغا سید دلدار حشر کاشمیری

فہرست

پہلا باب

ملک اور امامت یہودیوں اور رافضیوں کی ایک نظر

تیسرا باب

محبت ونفرت اور اپنے نفس کی تقدیس میں یہودی رافضی بے اعتدالی

باب چہارم

یہود اور روافض کا اپنے مخالفین کے متعلق موقف

❀❀❀❀

مقدمہ

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لا شَرِيْكَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسانٍ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا، أَمَّا بَعْدُ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾

(آل عمران: ۱۰۲)

''مومنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔''

اور فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَنِسَاءً وَاتَّقُواْ اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً﴾ (النساء: ۱)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اوّل) اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر اُن دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے اور اللہ سے، جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور ناطہ توڑنے سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيْداً ٥ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيماً﴾

(الاحزاب : ۷۰۔۷۱)

''مومنو! اللہ سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو۔ وہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک بڑی مراد پائے گا۔''

انسانیت پر ایک دور ایسا گزر چکا ہے جب وہ اندھیر ظلمتوں اور گمراہیوں کے بے کنار صحراء؛ اور جہالتوں کی وادیوں میں بھٹک رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک پھیلا ہوا تھا، اور اس کے علاوہ غیروں کو اپنا معبود سمجھا جا رہا تھا۔ اخلاقی بے راہ روی عام تھی۔ اس زمانے میں لوگوں کی تین اقسام تھیں:

پہلی قسم:......ان میں سے ایک قسم کے لوگ محرف اور تبدیل شدہ کتابوں والے تھے۔ ان میں سوائے تحریف شدہ جملوں محرف اور مسخ شدہ عبارات کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا۔ انہوں اپنے دین کے بدلے بہت ہی تھوڑا مول لیا؛ اور کتاب اللہ کو اپنے بڑوں اور وڈیروں کی تعلیمات سے بدل دیا۔ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دوستی کو شیطان کی دوستی اور ولایت سے بدل ڈالا۔ اس سے ان ہدایت اور حق کی توفیق جاتے رہے، اور رسوائی وذلالت ہی ان کا مقدر رہی۔ یہ حال اللہ کے غضب کی مستحق قوموں صلیب کے پجاریوں یہود ونصاری کا رہا ہے۔

دوسری قسم:......زنادقہ اور ملاحدہ تھے؛ جو نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے، نہ ہی اس کے فرشتوں پر اور نہ ہی اس کی کتابوں پر اور نہ ہی اسکے رسولوں پر۔ اور نہ ہی مبداء اور معاد پر ان کا کوئی ایمان تھا؛ نہ ہی جنت اور جہنم پر۔ اور نہ ہی ان کے نزدیک اس کائنات کا کوئی رب ہے جو اس نظام کو چلا رہا ہے۔ بلکہ ربوبیت کے افعال کواکب (ستاروں) اور افلاک کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ حال صابی زندیقوں اور ملحد فلسفیوں کا ہے۔

تیسری قسم:...... اندھی بت پرستی اور جاہلیت کی ہے۔ جن کا کام ڈاکہ زنی، رہزنی، چور بازاری؛ جنگ وجدال اور لڑائی جھگڑوں، لوگوں کے حقوق غصب کرنے پر ہے۔ ان لوگوں میں طرح طرح کی فحاشیاں پھیل چکی ہیں، جیسا کہ زنا، شراب نوشی، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا وغیرہ۔

جب کہ وہ عبادت ان بتوں کی کیا کرتے تھے جنہیں وہ پتھر اور لکڑ سے خود ہی تراشتے تھے۔ مختلف

انواع کی قربات سے ان کا تقرب حاصل کرتے تھے۔اور ہر قسم کی عبادت صرف انہی کے لیے کیا کرتے تھے،اور پریشانیوں اور مشکلات میں ان ہی کی پناہ طلب کرتے تھے۔

یہ حال جزیرۂ عرب کا تھا۔باقی بت پرست اقوام کا حال بھی ان سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔

اس بد بختی، شقاوت، گمراہی، جہالت اور نحوست سے نجات دینے کے لیے اس امت پر رحمت و شفقت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم محمد ﷺ کو مبعوث کیا؛ جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والے اور روشن چراغ تھے۔انہوں نے لوگوں کو صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی۔اور شرک اور بت پرستی سے نجات باہر نکالا۔انہیں عدل و انصاف کا حکم دیا؛ مکارم اخلاق کی ترغیب دی۔انہیں سچ بات کہنے؛ امانت ادا کرنے ؛صلہ رحمی؛ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔فحاشی،جھوٹ، یتیم کا مال کھانے،اور کسی جی کو- جسے اللہ تعالیٰ نے قتل کرنا حرام ٹھہرایا ہو- ناحق قتل کرنے سے منع کیا۔خیر کا کوئی راستہ ایسا نہیں رہا جس کی طرف آپ ﷺ نے رہنمائی نہ کی ہو،اور برائی کا کوئی راستہ ایسا نہیں تھا جس سے آپ ﷺ نے ڈرایا نہ ہو۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی وجہ سے گمراہی سے ہدایت دی؛ اندھوں کو بصیرت دی۔آپ ﷺ پر اپنے دین کو مکمل کیا اور اپنی نعمت کو پورا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس وقت تک نہیں اٹھایا جب تک کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوگئے۔اور لوگ اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوئے ؛ اور توحید کے جھنڈے تلے امن واستقرار کی نعمت سے بہرہ ور ہونے لگے۔

جب آپ ﷺ اپنے رفیق اعلی سے جا ملے تو تمام امور کی زمام کار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی۔آپ صحابہ کرام اس بات کے سب سے زیادہ حق دار تھے۔ان میں سب سے بڑھ کر علم والے،حلیم مزاج،حکیم و دانا تھے۔اور نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے امور کے متحمل ہونے میں سب سے زیادہ قوی تھے۔

دیکھیے یہ آنکھوں سے شبہ زائل ہوتا اور دلوں سے گمراہی ختم ہوتی ہے ؛ کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد لوگ آپ ﷺ کی وفات میں اختلاف کرنے لگے ؛ یہاں تک کہ کبار صحابۂ کرام ان میں سر فہرست حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں،کو اس حادثہ نے دیوانہ کر دیا؛اور ان پر یہ واقعہ بہت ہی گراں گزرا۔ابتداء میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کی موت کی تصدیق نہیں کی۔اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی کے بعد ابو

بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دخل اندازی؛ جس سے یہ فتنہ ختم ہوا؛ نہ ہوتی تو قریب تھا کہ فتنہ برپا ہوجاتا۔ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں کھڑے ہوئے خطبہ دینے لگے؛ یہ ایک بہت ہی نازک اور دشوار موقع تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمانے لگے:

''آگاہ ہوجایئے! تم میں سے جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا، تو محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا، تو بے شک اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور پھر آپ نے یاددہانی کے لیے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىَ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللّهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِي اللّهُ الشَّاكِرِينَ﴾(آل عمران ١٤٤)

''اور محمد (ﷺ) تو صرف (اللہ کے) پیغمبر ہیں اُن سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہوگزرے ہیں بھلا اگر یہ فوت ہوجائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ (یعنی مرتد ہو جاؤ) گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو (بڑا) ثواب دے گا۔'' [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اور اللہ کی قسم! گویا لوگوں نے اس آیت کے نازل ہونے کو جانا ہی نہیں تھا، یہاں تک کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس دن اسے تلاوت کیا.....'' [2]

ہاں! ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اس امت کی زمام کار سنبھالنے کے زیادہ حقدار تھے۔

اس لیے صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ پر اجماع ہوگیا۔ اور ان کے لیے کوئی راہ ہی باقی نہ تھی کہ آپ کے بارے میں اختلاف کرتے۔ سو انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت کی؛ اور آپ رضی اللہ عنہ کے اپنے امام اور قائد ہونے پر راضی ہوگئے۔ اور آپ کے اردگرد مددگاروں اور

---

[1] امام بخاری نے یہ حدیث اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ کتاب فضائل الصحابة باب قول النبی ﷺ: لو کنت متخذاً خلیلاً ح ٣٦٦٨؛ فتح الباری ١٩/٧۔

[2] ابن ھشام: السیرة النبویة ١٥١٤/٤۔

ناصرین کی صورت میں جمع ہوگئے۔ آپ رضی اللہ عنہ ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر گامزن ہوئے؛ انہیں قریب کیا اوران کی اصلاح کی۔سنت پر چلتے رہے،کوئی بدعت ایجاد نہیں کی۔آپ رضی اللہ عنہ لوگوں میں سب سے زیادہ سنت پر چلنے والے تھے۔اس لیے جب ارتداد کا فتنہ پیدا ہوا؛ تو آپ رضی اللہ عنہ نے بہت سختی سے اس کا انکار کیا؛ اور لشکر منظم کیے؛ اور مرتدین کے قتال کا حکم دیا۔اور جب عمر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوات کے بارے میں آپ سے بات چیت کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! اگر وہ مجھ سے ایک رسی بھی روکیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ادا کیا کرتے تھے؛ تو میں اس کے روکنے پر بھی ان سے قتال کروں گا۔''[1]

خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت سے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں اس فتنہ کا قلع قمع کیا؛ اوراس شر کی آگ کو بجھا دیا۔

ایسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی رعیت کیساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر چلتے رہے۔آپ کے دور میں لوگ عیش وراحت کی زندگی بسر کرتے رہے۔لوگ بھی آپ سے ٹوٹ کرمحبت کرتے رہے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے ان کوبھی اپنے پاس بلالیا، اور وہ ان سے راضی تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کی وصیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے کی تھی۔اس بارے میں آپ نے ایک تحریر لکھی تھی جس میں انہوں نے اپنے بعد عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کے لیے مسلمانوں کو وصیت کی تھی۔

آپ کے بعد لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جمع ہوگئے، اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے خلیفہ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ان کی بیعت کی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے سابقین کی راہ پر چلتے ہوئے یہ سفر جاری رکھا۔اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا؛ اورامت کے ساتھ جہاد کیا۔آپ نے لشکر منظم کیے،شہر آباد کیے، اوراسلام کا جھنڈا بلند کیا،جس سے کفراور طاغوت کے ملک ختم ہوئے۔اوراسلامی حدود آپ کے دور میں پھیل گئی؛ اوراللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر جوشہراور ملک فتح کیے،اس سے مسلمانوں کی عزت میں اضافہ ہوا۔

---

[1] رواه البخاری (٧٢٨٤- ٧٢٨٥) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة باب اقتداء النبي ﷺ۔ فتح الباری ج (١٣/ ٢٥٠)۔

جب اسلامی تلواروں نے کفر اور سرکشی کے میناروں کو زمین بوس کیا؛ تو اسلام کے دشمنوں میں یہ سکت نہیں تھی کہ اس سیل رواں کے سامنے ٹک سکیں۔ انہوں نے اسلام پر دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اپنے ملکوں اور مذاہب سے مدد لی۔مگر ان معرکہ خیز جنگوں کے بعد بہت جلد ہی انہیں احساس ہوگیا کہ ان میں اس بات کی طاقت نہیں ہے کہ وہ تیر وتلوار سے اسلام کا مقابلہ کرسکیں۔

سوانہوں نے اسلام کے خلاف جنگ کے لیے ایک نئی چال چلی۔ وہ چال مکر اور دھوکہ بازی؛ اور مسلمانوں کی صفوں میں فتنہ پیدا کرنے کی تھی۔

اس موقع پر اسلام کے خلاف ان کی مکاریاں، اور سازشیں بہت ہی بڑھ گئیں۔ ہر پلان نے اپنی خباثت اور مکر کے مطابق عمل کیا۔

مجوسی حاسدین نے ابولؤلؤ مجوسی ملعون کو کھڑا کیا تاکہ وہ اسلام کے خلاف پہلی سازش کو عملی جامہ پہنائے؛ جس کے نتیجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی۔ جب اس بد بخت معلون ابولؤلؤ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زہر آلود خنجر سے زخمی کردیا تھا۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے۔آپ کے بعد امور خلافت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئے۔آپ مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ بنے۔آپ بھی مسلمانوں کے معاملات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کی سنت پر عمل کرتے ہوئے نبھاتے رہے۔ ایک زمانہ تک لوگ ان ہی نعمتوں سے مالا مال ہوتے رہے جو آپ سے پہلے شیخین کے عہد مبارک میں عدل وانصاف، امن وامان اور ذہنی سکون وسلامتی کی نعمتیں میسر تھیں۔

یہاں تک کہ یہود نے اپنے یہودی اسلاف بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع، اور اہل خیبر کا بدلہ لینے کی ٹھان لی۔اور یہ ایسا فتنہ پیدا کرنا تھا جو مسلمانوں کی وحدت کا پارہ پارہ کردے۔ اور ان کے عقیدہ کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دے۔ مکار عبداللہ بن سبأ یہودی اس خبیث مہم کو سرانجام دینے کے لیے یہودیت کی جانب سے نامزد انسان تھا۔ کیونکہ یہودیت اس خبیث انسان کی چالاکیوں، مکاریوں اور دھوکہ بازیوں سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس کا مکر وخبث وہ دو عظیم بدبختی کی صفات تھیں جن کی وجہ سے اسے اسلامی حکومت کے گڑھ میں ایک بڑا فتنہ برپا کرنے کے قابل بنادیا تھا۔ یہ بد بخت یہودی اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلامی شہروں میں گھومنے لگا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اظہار کرتا۔ اور لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے نامزد عمال کے خلاف ابھارتا۔ مسلمان عوام میں اپنے افکار اور یہودی مبادیات پھیلاتا۔

اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصی رسول اللہ ﷺ ہونے کا قول ایجاد کیا۔ یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امت کے خلیفہ اور آپ ﷺ کے وصی ہیں۔ اور یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان سے پہلے دونوں خلفاء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حق غصب کرلیا تھا۔ تو یہ لازم ہے کہ اہل حق کو ان کا حق لوٹایا جائے۔ پھر اس نے نبی کریم ﷺ کی رجعت کا قول گھڑا۔ اور کہنے لگا: ''بہت ہی تعجب کی بات ہے اس آدمی کے لیے جو حضرت عیسی علیہ السلام کے رجوع کا عقیدہ تو رکھتا ہے مگر محمد ﷺ کے رجوع کا عقیدہ نہیں رکھتا۔

ابن سبأ اسی حال میں مسلمانوں کے شہروں میں گھومتا رہا۔ تا کہ وہ لوگوں میں اپنے افکار اور گمراہیوں کو پھیلائے۔ اور جن لوگوں کو اس نے اپنی تاویلات سے گمراہ کرلیا تھا ان سے خط وکتابت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا فتنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مسلح انقلاب کی صورت میں اپنے انجام کو پہنچا۔ اس کی چنگاریاں تین شہروں سے بھڑکیں: مصر، کوفہ، اور بصرہ۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس سرکش؛ باغی اور ظالم گروہ کے ہاتھوں انتہائی مظلومیت کی حالت میں شہید کردیے گئے۔

اس کے بعد کہ امور خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوگئی؛ اور مسلمانوں نے اپنے چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے ان کی بیعت کرلی؛ تو عبد اللہ بن سبأ اپنے پیروکاروں کو، اور جو اس کی دعوت سے دھوکہ کھا بیٹھے تھے، کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کی دعوت دینی شروع کردی۔

اس کا گمان یہ تھا کہ یہ ولایت اس وقت تک پوری نہیں ہوسکتی جب تک ان کے دشمنوں سے برأت کا اظہار نہ کرلیا جائے۔ اور یہ دشمن اس کی نظر میں سابقہ خلفاء راشدین تھے۔ سو ابن سبأ بد بخت ملعون وہ پہلا شخص تھا جس نے اسلام میں ابو بکر وعمر وعثمان اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے برأت کا اظہار کیا۔ جیسا کہ بڑے بڑے پرانے رافضی علماء جیسے اشعری، قمی، کشی، اور نوبختی اور متأخرین میں سے مامقانی نے بالنص کہا ہے۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں یہ نص نقل کی ہے:

''حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے اہل علم کی ایک جماعت نے حکایت نقل کی ہے کہ:
بے شک عبد اللہ بن سبأ یہودی تھا؛ اس نے اسلام کا اظہار کیا، اور حضرت علی سے ولایت کا عقیدہ رچایا۔ جب وہ یہودی تھا تو حضرت موسی علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون کے وصی ہونے کا

کہتا تھا۔ اور اپنے اسلام میں نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اسی طرح کی بات کہنے لگا۔ یہ سب سے پہلا انسان تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے فرض ہونے کا قول مشہور کیا۔ اور ان کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کیا، اور آپ کے مخالفین کا پول کھولا۔ اس لیے شیعہ کے مخالفین یہ بات کہتے ہیں کہ: ''رافضیت کی اصل یہودیت سے نکلتی ہے'' ❶

اس طرح ابن سبأ اپنے متبعین میں پھیلائے ہوئے عقیدہ ء وصیت، رجعت، صحابہ سے برأت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹوں کی شان میں غلو کی وجہ سے ایک ایسے فرقہ کی جڑیں گاڑنے میں کامیاب ہو گیا جس کے مبادیات اور افکار اسلامی لباس میں یہودیت سے نکلتے تھے۔ پھر اس فرقہ کو اسی بد بخت کی طرف منسوب کرتے ہوئے "سبئیہ" کہا گیا۔

پھر فرقہ سبیئہ کے بعد جو بھی شیعہ فرقے آئے، وہ بھی اسی سبائی فکر پر چلتے رہے۔ ہر ایک اپنی قدر کے مطابق گمراہ اور اسلام سے دور رہا۔ اس طرح سبائی فکر سے سب سے زیادہ متاثر اور یہودی سوچ وفکر کا مالک فرقہ ((رافضہ)) تھا۔

اس لیے علماء میں یہ مشہور ہے کہ رافضیت کی اصل عبداللہ بن سبأ یہودی کی ایجاد کردہ بدعت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''اہل علم نے یہ بات ذکر کی ہے کہ بے شک رفض کا مبداء عبداللہ بن سبأ زندیق تھا۔ اس نے اسلام کا اظہار کیا اور یہودیت کو چھپائے رکھا۔ اس نے اسلام میں ایسے بگاڑ پیدا کرنا شروع کیے جیسے پولس عیسائی نے؛ جو کہ اصل میں یہودی تھا، (اس نے) عیسائیوں میں بگاڑ پیدا کرنے کے لیے کیا تھا۔'' ❷

رافضیوں کا بہت بڑے پیمانے پر یہودیت سے متأثر ہونا علمائے سلف نے محسوس کیا؛ تو انہوں نے اس کی صراحت کی۔ اور بہت سارے امور میں یہودیت اور رافضیت میں جو بہت بڑی مشابہت پائی جاتی ہے، اسے بیان کیا۔

سب سے پہلے جس نے اس جانب متنبہ کیا وہ جلیل القدر امام اور مشہور بزرگ تابعی عامر بن شراحیل

---

❶ المقالات والفرق ص ۲۱؛ رجال الکشي ص ۷۱؛ وفرق الشیعة ص ۲۲؛ وتنقیح المقال ۱۸٤/۲۔

❷ مجموع الفتاوی ٤۸۳/۲۸۔

شعبی تھے؛ جولوگوں میں سے ان کے متعلق سب سے زیادہ معلومات رکھنے والے تھے۔

ابن شاہین نے مالک بن مغول سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ''مجھ سے شعبی نے کہا: اے مالک ! ہم نے رافضہ کا ذکر کیا؛ اگر میں چاہوں کہ وہ مجھے اپنی گردنیں غلامی میں پیش کریں، اور میرے گھر کو سونے سے بھر دیں، اور میں ان کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک جھوٹ بولوں، تو وہ ایسا کر گزریں گے۔لیکن اللہ کی قسم ! میں کبھی بھی حضرت علی پر جھوٹ نہیں بولوں گا۔اے مالک ! میں خواہشات (ہواپرستی) تمام کی تمام پڑھی ؛مگر میں نے رافضیوں سے بیوقوف کسی کونہیں پایا۔اگر یہ جانوروں میں سے ہوتے تو گدھے ہوتے، اور اگر پرندوں میں سے ہوتے تو کوّے ہوتے۔ پھر فرمایا: ''میں تمہیں گمراہ کرنے والی ہواپرستی سے خبر دار کرتا ہوں، اوران میں سب سے بڑھ کر برے رافضی ہیں۔ بے شک یہ اس امت کے یہودی ہیں۔ یہ اسلام سے ایسے نفرت رکھتے ہیں جیسے یہودیت نصرانیت سے نفرت رکھتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور ثواب کی امید پر اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔لیکن اہل اسلام سے بیزاری اوران پر سرکشی کرتے ہوئے اسلام میں داخل ہوئے۔انہیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلایا تھا۔اورانہیں شہروں سے نکال دیا تھا۔ ان ہی میں سے عبد اللہ بن سبأ تھا جسے ساباط کی طرف ملک بدر کیا تھا۔اورعبد اللہ بن سباب کو حارز کی طرف ملک بدر کیا۔ اور ابو الکروس کو بھی۔ کیونکہ رافضیت کا فتنہ یہودیت کا فتنہ ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ: ''شاہی صرف آلِ داؤد میں ہی ہوسکتی ہے۔ جب کہ رافضی کہتے ہیں: ''ملک صرف آل علی بن ابی طالب میں ہی ہوسکتا ہے۔

یہودی کہتے ہیں: جہاد اس وقت تک نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ مسیح منتظر نکلے، اور آسمان سے آواز لگانے والا آواز لگائے۔ جب کہ رافضی کہتے ہیں: ''جہاد فی سبیل اللہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ مہدی منتظر کا خروج ہو؛ اور آسمان سے اس کے اسباب نازل ہوں۔ یہودی نماز مغرب میں تاخیر کرتے ہیں یہاں تک ستارے آپس میں مل جائیں۔ رافضی بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ یہودی تین طلاق کومعتبرنہیں سمجھتے۔ رافضی بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ یہود کے ہاں عورتوں کی عدت نہیں ہے۔ ایسے ہی رافضہ کے ہاں بھی۔ یہودی ہر مسلمان کے خون کوحلال سمجھتے ہیں، رافضی بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ یہودیوں نے تورات میں تحریف کی ؛ رافضیوں نے قرآن میں تحریف کی۔ یہودی جبریل امین سے دشمنی رکھتے ہیں ؛ اور کہتے یہ ملائکہ میں سے ہمارا دشمن ہے۔ جب کہ رافضی یہ بات کہتے ہیں کہ: ''جبریل علیہ السلام نے وحی میں غلطی کی؛

حضرت علی بن ابو طالب کو چھوڑ کر محمد ﷺ کے پاس چلا گیا۔ یہودی اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے، ایسے ہی رافضی بھی۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی رافضیوں پر دو وجہ سے فضیلت ہے۔ یہودیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ تو کہنے لگے: ''موسی علیہ السلام کے ساتھی ہیں۔ اور نصاری سے پوچھا کہ تمہاری ملت میں سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ تو کہنے لگے: ''عیسی علیہ السلام کے ساتھی ہیں۔'' رافضیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں سب سے برے لوگ کون ہیں؟ تو کہنے لگے: ''محمد کے ساتھی ہیں۔'' [1]

اور رافضیوں کی یہودیوں سے مشابہت کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتب میں کئی مواقع پر ذکر کیا ہے۔ ان ہی میں سے آپ کا یہ قول بھی ہے:

''یہ بہت سارے امور میں یہودیوں سے مشابہت رکھتے ہیں، خاص طور پر سامری یہودیوں کے ساتھ۔ کیونکہ یہ ان سے سب اصناف یہود سے بڑھ کر مشابہت رکھتے ہیں۔ ان سے کسی متعین شخص یا بطن کے متعلق دعویٰ امامت میں مشابہت رکھتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ ہر اس شخص کی تکذیب کرنے میں، جو حق لے کر آئے اور انہیں اس حق کی دعوت دے۔ ایسے ہی نفس پرستی میں؛ اور کلمات کو اپنی جگہ پر تحریف کرنے میں؛ افطار اور نمازِ مغرب کی تاخیر میں، اور غیروں کے ذبیحہ کو حرام کرنے میں (یہودی اور رافضی آپس میں بالکل مشابہ ہیں)۔''

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "الرد علی الرافضة "میں وہ جملہ امور ذکر کیے ہیں جن رافضی یہودیوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اور ایسے ہی شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ سے بھی " تحفۂ اثنا عشریہ " میں یہی منصوص ہے۔

عبداللہ قصیمی نے اپنی کتاب " الصراع بين الإسلام والوثنيه " میں یہودیوں اور رافضیوں کے مابین بہت سی مشابہات کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ بہت سے معاصر اہل قلم اور بعض مستشرقین نے رافضیوں کی یہودیوں سے مشابہت ذکر کی ہیں۔ [2]

---

[1] ابن عبد ربه: العقد الفريد: ٢/٢٤٩؛ وانظر اللالكائی: شرح أصول اعتقاد أهل السنة ج ٤ ص ١٤٦١-١٤٦٣۔ و ابن تيمية: منهاج السنة: ١/٢٣-٢٧۔

[2] ان علماء کے اقوال جاننے کے لیے اس کتاب کے مدخل میں دوسری فصل کی پانچویں بحث ملاحظہ کریں۔

میں بھی مناسب سمجھا کہ اس موضوع پر کچھ لکھ کر اپنا حصہ بھی ڈالوں؛ جس چیز کو علماء نے مجمل بیان کیا ہے، اس کی تفصیل بیان کروں۔ اور جس کو مختصر ذکر کیا ہے، اسے شرح وبسط سے بیان کروں؛ مبہم چیز کی شرح کروں؛ اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے اس کی توثیق کروں۔

اس مقصد کے لیے ایک علیحدہ کتاب لکھوں۔ جس میں اس کے متفرقات کو جمع کیا جائے۔ جس سے دوریاں ختم کی جائیں مسائل کی باریکیوں اور غرائب کو ہر اس انسان کے لیے کھولا جائے جو حقیقت کا متلاشی ہو۔

اس کے پیش کرنے میں عبارت کی وضاحت اور اسلوب کی سہولت کا بھی لحاظ رکھا جائے۔ اور اس کے ساتھ علمی بحث کے منہج پر چلا جائے تاکہ قارئین بغیر کسی مشقت وتنگی کے بہت بڑا فائدہ حاصل کرسکیں۔

اور میں نے اس کا نام رکھا ہے:"بذل المجهود في مشابهة الرافضة باليهود۔"

اس کتاب کے لکھنے کے لیے میں ایک خاص ڈھنگ پر چلا ہوں، جسے میں نے خود ایجاد کیا ہے۔ اس کا خلاصہ ان نقاط کی صورت میں پیش کیا جارہا ہے۔

اولاً:...... میں اس بحث میں یہود اور رافضہ کے عقائد میں مشابہت ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اور باقی امور میں مشابہت کے ذکر سے اعراض کیا ہے۔ اور وہ عقائد بھی نہیں بیان کیا جن رافضیوں کے علاوہ دوسرے فرقے بھی یہودیوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔

ثانیاً:...... میں نے اس بات کا پکا التزام کیا ہے کہ کوئی عقیدہ بھی ان یہود اور روافض کی طرف اس وقت تک نہ منسوب کروں جب تک کہ ان کی اصلی کتابوں سے اس کی توثیق نہ ہوجائے اور دلیل نہ مل جائے۔

ثالثاً:...... میں نے بقدر استطاعت اس بات کی کوشش کی ہے کہ معاصرین یہود اور روافض کے ان کے اسلاف سے موروثی عقائد کو ثابت کروں، اور یہ کہ معاصرین یہود اور روافض ابھی تک اس عقیدہ پر مضبوطی سے قائم ہیں۔ اس کے لیے مجھے جو ان کے معاصرین کے اقوال ملے ہیں ذکر کردیے۔

رابعاً:...... میں نے یہودیوں اور رافضیوں کے عقائد پیش کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ ان دونوں میں مشترکہ عقیدہ ایک فصل میں بیان کروں، ایسی فصل چار مباحث پر مشتمل ہوتی ہے:

پہلی مبحث یہودی عقیدہ کے ساتھ خاص ہے۔ ایک مبحث رافضی عقیدہ کے بیان کے لیے خاص

ہوگی۔تیسری فصل میں دونوں کے عقائد میں موازنہ کیا جاتا ہے۔پھر چوتھی مبحث میں ان دونوں کے عقائد پر رد کیا گیا ہے۔میرا یہ منہج تمام عقائد کے پیش کرنے میں رہا ہے۔

خامساً: ...... یہودی اور رافضی عقائد جو میں نے ذکر کیے ہیں؛ ان کے رد میں میں حتی الامکان قرآن وسنت سے اور عقلی دلائل سے استدلال کیا ہے؛ اور اس کے ساتھ ہی میں نے ان پر رد کرتے ہوئے ان کی کتب میں ان کے عقائد میں تناقض بیان کرنے کا التزام بھی کیا ہے۔

میں نے صرف ایک وصیت کے عقیدہ میں یہودیوں پر رد نہیں کیا؛ اس کے کئی اسباب ہیں؛ جنہیں میں نے اس موقع پر ذکر کر دیا ہے۔

سادساً:...... میں ایک خاص ملحق تیار کی ہے؛ جس میں ان رافضی مصادر اور مراجع کی توثیق ہے جن پر میں نے اس کتاب میں ان کے اقوال نقل کرنے میں اعتماد کیا ہے۔یہ اس طرح کہ میں نے ان کے علماء اور محققین کے اقوال اور ان کتب کی تعریف وثناء ذکر کی ہے؛ جس سے ان کتابوں کی ان کی طرف نسبت کے درست ہونے کی تصدیق کرتی ہیں۔اور یہ کہ یہی ان کے ہاں معتمد اور متداول کتب ہیں، جن پر ان کا خاص بھروسہ ہے۔

❀❀❀❀

کتاب کا تعریفی خاکہ

میں نے اس کتاب کو مقدمہ، مدخل کتاب، اور چار ابواب اور خاتمہ پر تقسیم کیا ہے۔

مقدمہ میں شیعیت اور یہودیوں کے ساتھ ان کے تعلق پر ایک نظر ڈالی ہے۔ اور اس کتاب میں اپنے طریقہ کار اور بحث کا خاکہ بیان کیا ہے۔

مدخل میں یہودیوں اور رافضیوں کی تعارف اور رافضیت کی تأسیس میں یہودی کردار کو بیان کیا ہے۔ اس کو میں نے دو فصلوں میں تقسیم کیا ہے:

پہلی فصل : یہود کے تعارف کے متعلق ہے۔ یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث:...... یہود کا تعارف

دوسری بحث:...... یہود کے مشہور فرقے

تیسری بحث:...... یہودیوں کی اسلام دشمنی کی بعض مثالیں۔ اس بحث میں یہودی شرارتوں کو میں نے تین مراحل میں تقسیم کیا ہے:

پہلا مرحلہ:......شروع میں دعوت اسلام روکنے کی کوششیں اور ان کے اسلوب۔

دوسرا مرحلہ:.......رسول اللہ ﷺ کے دور میں یہود اور مسلمانوں میں مسلح تصادم۔

تیسرا مرحلہ:.......وفات رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی مکاریاں اور شرارتیں۔ اس مرحلہ میں میں نے مختلف اوقات میں تین یہودی شرارتوں کا ذکر کیا ہے:

پہلی شرارت:......صحابہ کرام کے زمانہ میں وہ عظیم فتنہ جو قتل حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر ختم ہوا۔

دوسری شرارت:......عصور وسطی (درمیانی زمانہ) میں میمون قداح کا فتنہ اور فرقہ باطنیہ کی ایجاد۔

ثالثاً:......اس زمانہ میں ماسونی یہودیوں کے ہاتھوں خلافت عثمانیہ کا خاتمہ:

چوتھی بحث:...... میں میں نے یہودیوں کے تشریعی مصادر کے متعلق بیان کیا ہے؛ اس کا تعارف عہد عتیق اور تلمود سے کروایا ہے۔

دوسري فصل : میں رافضیوں کا تعارف اور ان کی ایجاد میں یہودی کردار بیان کیا ہے، اس میں پانچ مباحث ہیں:

پہلی بحث:...... رافضیوں کا تعارف

دوسری بحث:...... رافضیوں کے مشہور فرقوں کے بیان میں ہے۔

تیسری بحث :...... عبداللہ بن، اسکی حقیقت، اور اس کے وجود کے منکریں پر رد میں ہے۔ اس میں میں نے عبداللہ بن سبأ کی حقیقت کو ثابت کیا ہے۔ اور اس بحث کا خلاصہ یہ اخذ کیا ہے کہ متقدمین علماء میں سے کسی نے ابن سبأ کا انکار نہیں کیا۔ نہ ہی اہل سنت نے اور نہ ہی شیعہ نے۔ اور یہ کہ جنہوں نے ابن سبا کا انکار کیا ہے وہ بعض معاصر شیعہ اور بعض مستشرقین ہیں۔

چوتھی بحث:...... میں رافضیوں کی ایجاد میں عبداللہ بن سباء یہودی کے کردار سے متعلق بحث کی ہے۔

پانچویں بحث:...... میں میں نے رافضیوں کی یہودیوں سے مشابہت سے متعلق بحث کی ہے، اس میں علماء کے اقوال نقل کیے ہیں۔

پهلا باب:...... ملک اور امامت پر یہودیوں اور رافضیوں کی ایک نظر: اس میں چار فصول ہیں:

پهلي فصل: یہودیوں اور رافضیوں کے ہاں وصیت کا عقیدہ؛ یہ چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث:...... یہود کے ہاں وصیت

دوسری بحث:...... رافضیوں کے ہاں وصیت

تیسری بحث:...... یہودی اور رافضی عقیدۂ وصیت میں وجوہ مشابہت

چوتھی بحث:...... رافضیوں کے عقیدہ وصیت پر رد

دوسري فصل: یہودیوں کا بادشاہت آل داؤد اور رافضیوں کا امامت حضرت حسین کی آل میں محدود ومحصور کرنا: یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث:...... یہودیوں کا بادشاہت آل داؤد میں محصور کرنا

دوسری بحث:......رافضیوں کا امامت آل حسین میں محدود ومحصور کرنا:

تیسری بحث:...... یہودی اور رافضی عقیدہ میں وجوہِ مشابہت

چوتھی بحث:......آل داؤد میں بادشاہی کے محصور کرنے میں یہودیوں پر اور امامت کے اولادِ حسین میں محصور کرنے پر رافضیوں پر رد۔

تیسری فصل: یہودیوں میں مسیح منتظر اور رافضیوں میں مہدی منتظر کا عقیدہ؛ یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث:......مسیح منتظر کا یہودی عقیدہ

دوسری بحث:......رافضیوں کے ہاں مہدی منتظر

تیسری بحث:......مسیح اور مہدی کے عقیدہ میں رافضی اور یہودی مشابہت

چوتھی بحث:......مسیح منتظر کے متعلق یہودی اور مہدی منتظر کے متعلق رافضی عقیدہ پر رد

چوتھی فصل: یہود اور روافض کے ہاں عقیدۂ رجعت۔ یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث:...... یہودیوں کے ہاں عقیدۂ رجعت

دوسری بحث:......روافض کے ہاں عقیدۂ رجعت

تیسری بحث:......عقیدۂ رجعت میں رافضی یہودی مشابہت کی وجوہات

چوتھی بحث:...... یہودی رافضی عقیدۂ رجعت کا ابطال

دوسرا باب:......اللہ تعالیٰ پر یہودی رافضی افتراء۔اس کو میں نے دوفصلوں میں تقسیم کیا ہے:

پہلی فصل: یہودکی اللہ کی طرف ندامت اور رافضیوں کی بداء کی نسبت؛اس میں چار مباحث ہیں:

پہلی بحث:...... یہود کے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف ندامت کی نسبت

دوسری بحث:......اللہ کی طرف بداء کی نسبت رافضی مذہب میں

تیسری بحث:...... یہودی اور رافضی عقیدہ میں مشابہت کی وجوہات:

چوتھی بحث:......اللہ کی طرف ''حزن،ندامت اور بداء کی نسبت کا ابطال

دوسری فصل : کتب اللہ میں یہودی اور رافضی تحریف ؛ یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے :
پہلی بحث:......عہد عتیق میں یہودی تحریف
دوسری بحث:......رافضی عقیدۂ میں تحریف قرآن۔
تیسری بحث:...... یہود و رافضہ میں کتب اللہ میں تحریف میں وجوہِ مشابہت
چوتھی بحث:......تحریفِ قرآن کے رافضی دعوی پر رد

تیسرا باب: محبت ونفرت اور اپنے نفس کی تقدیس میں یہودی رافضی بے اعتدالی ؛ اس میں دو فصلیں ہیں :

پهلي فصل: محبت ونفرت میں یہودی رافضی عدمِ اعتدال: یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے:
پہلی بحث:......بعض انبیاء اور حاخاموں کے متعلق یہودی غلو اور بعض دوسروں پر طعن
دوسری بحث:......رافضیوں کا آئمہ میں غلو اور صحابہ پر طعن
تیسری بحث:......دونوں عقیدوں میں وجوہِ مشابہت
چوتھی بحث:...... یہود اور روافض کے انبیاء وصالحین میں غلو اور طعن پر رد

دوسری فصل : یہود اور روافض کی اپنے نفس کی تقدیس
پہلی بحث:...... یہود کی اپنے نفس کی تقدیس
دوسری بحث:......روافض کی اپنے نفس کی تقدیس
تیسری بحث:...... یہود اور روافض کی اپنے نفس کی تقدیس میں وجوہ مشابہت
چوتھی بحث:...... یہود اور روافض کی اپنے نفس کی تقدیس کے دعوی پر رد

چوتھا باب :...... یہود اور روافض کا اپنے مخالفین کے متعلق موقف : اس میں تین فصلیں ہیں :

پهلی فصل : یہود و روافض کی غیروں کی تکفیر اور انکے مال وخون کا استحلال ؛ اس میں چار مباحث ہیں :
پہلی بحث:...... یہود کی غیروں کی تکفیر اور انکے مال وخون کا استحلال
دوسری بحث:......روافض کی غیروں کی تکفیر اور انکے مال وخون کا استحلال

تیسری بحث:...... یہود و روافض کی غیروں کی تکفیر اور انکے مال وخون کے استحلال میں وجوہِ مشابہت

چوتھی بحث:...... یہود و روافض کی غیروں کی تکفیر اور انکے مال وخون کا استحلال جاننے پر رد

دوسری فصل: یہود و روافض کا اپنے علاوہ سب کو حقیر جاننا۔ اس میں چار مباحث ہیں:

پہلی بحث:...... یہود کا اپنے علاوہ سب کو حقیر جاننا

دوسری بحث:...... روافض کا اپنے علاوہ سب کو حقیر جاننا

تیسری بحث:...... یہود و روافض کے اس نظریۂ حقارت میں وجوہ مشابہت

چوتھی بحث:...... یہود کے غیروں کو حقیر جاننے کے گمان پر رد

تیسری فصل : اپنے مخالفین کے ساتھ یہودی نفاق اور رافضی تقیہ: اس میں چار مباحث ہیں:

پہلی بحث:...... یہودیوں میں نفاق

دوسری بحث:...... رافضیوں میں تقیہ

تیسری بحث:...... تقیہ اور نفاق کے استعمال میں وجوہِ مشابہت

چوتھی بحث:...... غیروں کے ساتھ یہودی نفاق اور رافضی تقیہ پر رد

پھر میں نے اس بحث کو خاتمہ پر مکمل کیا ہے، اس میں میں نے اس بحث کے نتائج کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عمل نے میرا بہت زیادہ وقت اور محنت لی ہے۔ اور ہر دم میری یہ حرص رہی ہے کہ اس موضوع کو اس کا حق دینے میں کوئی کمی نہ کروں؛ اور نہ ہی کوئی چیز بعد کے لیے ذخیرہ کر کے رکھوں۔ اس بحث میں میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے حق کا متلاشی رہا ہوں۔ جیسے بھی ہو، اور جو بھی اسے پیش کرنے والا ہو۔ اس میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو حکم بناتے ہوئے؛ یہود اور رافضہ پر اپنے تمام تر حکم لگانے میں ہر قسم کی خواہش نفس کی پیروی سے دور رہا ہوں۔ اس سارے عمل میں میرے سامنے یہ منہج الٰہی رہا ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾

(المائدہ: ۸)

''اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو (بلکہ) انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے۔''

اگر میں ان مقررہ قواعد اور پابندیوں کو نبھانے کی توفیق سے مالا مال ہوا ہوں، تو یہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے ہے جن کا نہ ہی شمار ممکن ہے، اور نہ ہی شکر ادا کیا جاسکتا ہے۔ اگر مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں نے اجتہاد کیا ہے؛ جس میں سہو اور غلطی کا اندیشہ ہے۔ اور میں حق بات کی طرف رجوع کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ ان شاءاللہ۔

آخر میں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اپنے فضل سے میرے اس عمل کو قبول فرمالے۔ اور اسے خالص اپنی رضا کے لیے بنا دے۔ اور اسے میرے لیے اپنے پاس ذخیرہ بنالے:

﴿ إِنَّ رَبِّىْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴾ (یوسف: ۱۰۰)

''بے شک میرا رب جو چاہتا ہے تدبیر سے کرتا ہے۔ وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔''

وصلى الله تعالىٰ على نبينا

محمد وعلى آله و صحبه وبارك وسلم عليه

❀❀❀❀

مدخل

یہودیت اور رافضیت کا تعارف
اور رافضی تاسیس میں یہودی کردار

اس میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل: یہودیوں کا تعارف

دوسری فصل: رافضیوں کا تعارف، اور ان کی تأسیس میں یہودی کردار

پهلي فصل :

یہود کا تعارف

یہ چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث: ان کا تعارف
دوسری بحث: ان کے مشہور فرقے
تیسری بحث: یہودیوں کی اسلام دشمنی پر تاریخی نظر
چوتھی بحث: یہودیوں کے ہاں تشریعی مصادر

پهلی فصل:

یہود کا تعارف

پہلی بحث:...... یہود کا تعارف

اہل لغت اور مفسرین کی رائے کلمہ ''یہود'' کے اصل میں؛ جس سے یہ مشتق ہے؛اور یہود کے اس اسم سے سبب تسمیہ میں مختلف ہیں۔

ان میں سے بعض کا کہنا ہے: ''یہ کلمہ (هاد) سے مشتق ہے؛اس کا معنی ہے رجوع کرنے والا۔ یہ نام اس وقت رکھا گیا جب انہوں نے بچھڑے کی پوجا سے توبہ کی۔اور کہنے لگے:

﴿إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ﴾ (اعراف ١٥٦) ''بے شک ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔''

یعنی ہم نے توبہ کی اور رجوع کیا۔ یہ مفسرین کی ایک جماعت سے روایت کیا گیا ہے۔ ❶

اسے شہرستانی نے الملل والنحل میں ذکر کیا ہے۔ ❷

بعض کہتے ہیں: کلمہ یہود کی اصل ''تہوّد'' سے ہے۔اس سے مراد کمزور نرم، اور باریک آواز کو کہتے ہیں۔اور یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ یہ تورات کو لے سے پڑھا کرتے تھے۔ ❸

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ: یہود کا نام یہود (یهوذا) کی نسبت سے پڑا۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا۔عربوں نے اس لفظ میں ذال کو دال سے بدل دیا تو یہوذ سے یہود ہوگیا۔اورنسب کے ارادہ سے اس پر الف اور لام داخل کیے گئے تو " اليهود " ہوگیا۔ ❹

حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان حتمی طور پر یہ بنی اسرائیل ''یہودی'' نام کے اطلاق کی تاریخ اور سبب

---

❶ انظر : الأزهري تهذيب اللغة ٧٨٣/٦؛ وابن منظور : لسان العرب ٤٥١/٤؛ والزبيدي: تاج العروس ٥٤٨/٢؛ وأمين خولي: تاريخ الملل والنحل : ٣/٢۔

❷ الملل و النحل ٢١٠/٢ .

❸ انظر : ابن منظور : لسان العرب ٤٥٢/٤؛ وأمين خولي: تاريخ الملل والنحل : ٣/٢۔

❹ انظر: جواد على : تاريخ العرب قبل الإسلام٩٤/٦۔ ابن منظور : لسان العرب ٤٥٢/٤۔

متعین نہیں کرسکتا؛ کیونکہ اس پر نہ ہی اللہ کی کتاب اور نہ ہی سنت میں کوئی دلیل موجود ہے۔ یہ ساری اجتہادی باتیں ہیں۔ اورلغوی قیاس آرائیاں ہیں جو حجت نہیں ہوسکتیں۔

سوائے اس کے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن میں کلمہ ''یہود'' کے استعمال کا اطلاق ان لوگوں پر اس وقت ہوا ہے جب یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور صحیح دین سے منحرف ہو چکے تھے۔ [1]

یہ اس لیے ہے کہ قرآن کریم میں یہودی نام کا اطلاق ان لوگوں پر بطور مدح کے نہیں کیا گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نیک اولاد کی طرف ان کی نسبت کے جھوٹے مزاعم پر رد کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالأَسْبَاطَ كَانُواْ هُوداً أَوْ نَصَارَى قُلْ أَأَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّهُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَتَمَ شَهَادَةً عِندَهُ مِنَ اللّهِ وَمَا اللّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ (البقرہ: ۱۴۰)

''(اے یہود و نصاریٰ) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ (اے محمد ﷺ! ان سے) کہو کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی شہادت (یعنی اس گواہی) کو جو اس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے چھپائے اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے۔''

دوسری بحث:...... یہود کے مشہور فرقے

یہودی بہت پہلے زمانے سے ہی مذہبی اور سیاسی طور پر ٹوٹ پھوٹ اور افتراق و تفریق کا شکار ہوکر بہت سے فرقوں میں بٹ چکے تھے۔ جن کی تعداد ستر سے زیادہ ہے۔ ہمارے لیے یہاں پر ان فرقوں کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے درمیان واقع ہونے والے دینی اور سیاسی اختلاف کو ذکر کرنا

---

[1] اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو دین اسلام کی دعوت کے لیے بھیجا تھا' وہ خود کو مسلمان کہتے تھے اور ان کے ماننے والے بھی مسلمان کہلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَذَا﴾ (الحج ۷۸) ''یہی تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے، اسی نے تمہیں پہلے بھی مسلم ہونے کے خطاب سے نوازا اور اب بھی،،۔ اس کے متعلق مزید جاننے کے لیے دیکھو: محاسن اسلام؛ از شفیق الرحمٰن (مترجم)

مقصود ہے۔ یہاں پر فقط چند مشہور فرقوں کا مختصر تعارف کروایا جائے گا۔

ا۔سامری:

سامری فلسطین کے شمال میں واقع ایک علاقہ کی طرف منسوب ہیں۔ کیونکہ یہ جماعت یہیں پر پیدا ہوئی اور یہیں پر پروان چڑھی۔ اوران کی سرگرمیاں یہیں پر مرکوز رہیں۔ ❶

اصل ایجاد:

یہ آشوریوں سے کے ہم نوا ہیں۔ بلکہ اکثر سامری آشوری قبائل سے تعلق رکھتے ہے۔ ❷ انہیں بابل کے بادشاہ نے یہاں بھیجا تھا کہ وہ فلسطین میں ان یہودیوں کی جگہ سکونت اختیار کریں جنہیں قید کر کے بابل لے جایا گیا تھا۔

باہر سے آنے والی آشوری یہاں پر قید سے بچ جانے والے یہود سے گھل مل گئے۔ اور انہوں نے یہودی مذہب اختیار کرلیا۔ اسی لیے سامری فرقہ کی اکثریت غیر بنی اسرائیل تھے۔ یہود ان لوگوں سے ایسا معاملہ کرتے تھے کہ یہ ان سے قدر و منزلت میں کم (اچھوت/کم ذات) ہیں۔

جب قیدی یہودی واپس لوٹے تو انہیں نے سامریوں کے یہودی اعتقاد اور شعائر کے خلاف طریقہ کا انکار کیا، اور انہیں بت پرستی کی طرف منسوب کرنے لگے۔ ❸

سامریہ فرقہ کا قبلہ ''غریزیم'' نامی ایک پہاڑ ہے، جو بیت المقدس اور نابلس کے درمیان واقع ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داوٗد علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ بیت المقدس کو نابلس کے پہاڑ پر تعمیر کریں۔ یہی وہ طور ہے جس پر موسی علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا۔ ❹

---

❶ "أضواء على اليهوديه من خلال مصادرها۔"...... ''یہودیت پر ایک نظران کے مصادر کی روشنی میں۔'' ڈاکٹر محمد احمد دیاب عبدالحافظ ص ۱۶۳۔

❷ یہ لوگ آشور سے نسبت رکھتے ہیں جو کہ سام بن نوح علیہ السلام کا دوسرا بیٹا تھا۔ اس کے نام کا اطلاق قبائل آشور اور بلاد آشور پر ہوتا ہے۔ آشور دریائے دجلہ کے انتہائی بالائی حصہ پر واقع ہے۔ اس کا دار الحکومت نینوی کا شہر تھا جو کہ دریا کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ القاموس الموجز لکتاب المقدس ص ٥٦۔

❸ "أضواء على اليهوديه من خلال مصادرها۔"...... ''یہودیت پر ایک نظران کے مصادر کی روشنی میں۔'' ڈاکٹر محمد أحمد دیاب عبدالحافظ ص ۱۶۳۔

❹ انظر : الشهرستاني : الملل والنحل ۲۱۹/۱۔

سامریہ سارے یہود- جو کہ بیت المقدس کو قبلہ مان کر اس طرف رخ کرتے ہیں - کو چھوڑ کر اس پہاڑ کو قبلہ مانتے اور اس کی طرف رخ کرتے ہیں۔ ❶

سامرہ کی ایک علیحدہ ہی تورات ہے، جو اس تورات سے مختلف ہے جو سارے یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے۔❷ وہ صرف ان پانچ اسفار پر ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں؛ اور سفر یوشع ؛ سفر قضاۃ۔ ان کے علاوہ باقی تمام اسفار، عہد قدیم اور اسفار تلمود کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے ہاں معتمد اسفار بہت سی نصوص ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ہاں معتمد اسفار کی نصوص سے مختلف ہیں۔ ❸

سامری اور عبرانی تورات کی نصوص کے مابین اختلاف کی بعض مثالوں کا ذکر ''یہودیوں کی تورات میں تحریف'' کے بیان میں آئے گا۔

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہر وہ نبوت جو بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ اور یوشع علیہ السلام کے واقع ہوئی ہے؛ ان کے ہاں وہ غلط ہے۔ اس لیے وہ حضرت شمعون؛ و داؤد، سلیمان، و اِشیعا اور یسع، اور الیاس ؛ عاموص؛ حبقوق؛ زکریا، اِرمیا علیہم السلام اور دوسرے انبیاء کا انکار کرتے ہیں۔ اور بعثت پر مطلق ایمان نہیں رکھتے۔ یہ لوگ شام کے علاقوں میں رہ رہے ہیں، وہاں سے نکلنے کو حلال نہیں سمجھتے۔ ❹

۲۔صدوقی:

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کے کاہن اعظم صادوق کی طرف نسبت کی وجہ سے صدوقی کہلاتے ہیں۔ یا انہیں اس نام کے کسی اور کاہن کی طرف منسوب ہیں جس کا وجود تین سو برس قبل مسیح تھا۔ ❺

سب یہودیوں میں سے صرف یہی لوگ کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اللہ ان کی ان باتوں سے بہت ہی بلند ہے۔

یہ لوگ آخرت کے دن پر اور دوبارہ اٹھنے پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جنت و جہنم اور حساب کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ بدکار کی سزا اور نیک و کار کو بھلائی اس دنیا کی زندگی میں ہی مل

❶ ابن حزم: الفصل في الملل والأهواء والنحل ١/١٧٧۔

❷ الاسفار المقدسة في الأديان السابقة لدكتور علی بن عبد الواحد وافی ص ٦٦۔

❸ انظر: الفصل ١/١٧٨۔ ❹ د/احمد شلبی: اليهودية ص ٢٢١۔

❺ ابن حزم: الفصل: ١/١٧٨۔

❻ انظر: د/عبد الواحد وافی: الأسفار المقدسة ص ٦٤۔والدكتور أحمد شلبی: اليهودية ص ٢٢٢۔

جاتی ہے۔ ❶

صدوقی فرقہ کے لوگ زبانی تعلیمات (تلمود) کا انکار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ تورات کو بھی نہیں مانتے۔ ❷ اور اس بات کا بھی اعتقاد نہیں رکھتے کہ یہ مطلقاً مقدس ہے۔ ایسے ہی ملائکہ اور شیاطین کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ قضاء وقدر پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ اور آزادیء اختیار پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ افعال انسان کی تخلیق ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کی۔ ایسے ہی وہ مسیح منتظر کا بھی انکار کرتے ہیں اور ان کا انتظار نہیں کرتے۔

صدوقیون چڑھائی -انقلاب برپا -کرنے والی حرکات میں اشتراک کی طرف بھی مائل نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی ایسی امیدوں کی طرف رجحان رکھتے ہیں جن میں عنف اور سختی ہو۔ ہر حال میں موجود قوانین کے احترام کا میلان رکھتے ہیں؛ جب تک (ان قوانین میں) یہودیوں کے احترام کا پہلو کسی بھی طرح موجود ہو۔ سوا اپنی یہودیت کے اعتراف اور خاص امتیازات کے ساتھ یہ حاکم قوتوں پر اکتفار کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ امر واقعی کو قبول کر لینا ہی حکمت ہے۔ ❸

۳۔ فریسون (ربانی):

لغت میں فریسیون عبرانی کلمے ''فروشیم'' ❹ سے مأخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے:

'' جدا کیے گئے، توڑے گئے۔ اس وجہ سے وہ ایک حد تک مسلمانوں کے فرقہ معتزلہ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ان پر اس نام کا اطلاق ان کے دشمنوں نے کیا ہے۔ اس وجہ سے وہ اس نام کو ناپسند کرتے ہیں اور خود کو (الاحبار) علماء اور (اخوۃ فی اللہ) ؛ فی سبیل اللہ بھائی اور (ربانیین) اہل اللہ کہتے ہیں۔'' ❺

---

❶ یہاں پر تورات سے مقصود عہد قدیم کے اسفار کا مجموعہ ہے۔ جب کہ موسیٰ علیہ السلام کے پانچ اسفار پر تمام یہودی امتوں کا اجماع ہے۔

❷ والدکتور أحمد شلبی : الیهودية ص ۲۲۲۔

❸ "أضواء علی الیهودیه من خلال مصادرها۔"...... ''یہودیت پر ایک نظر ان کے مصادر کی روشنی میں۔'' ڈاکٹر محمد أحمد دیاب عبدالحافظ ص ۱۶۵۔

❹ د/ أحمد شلبی : الیهودية : ص ۲۱۸۔

❺ د/ علی عبد الواحد : الأسفار المقدسة ص۶۳۔ وعمر عنایت : العقائد : ص ۸۱۔

فریسین فرقہ یہودیوں کے فرقوں میں سے اہم ترین فرقہ ہے۔ یہ اپنی ماضی کی تاریخ اور دور حاضر میں تعداد کے لحاظ سے کثرت میں ہیں۔عقیدہ کے لحاظ سے اس فرقہ کے اہم امتیازات دو باتوں میں ہیں:

۱۔ یہ تمام اسفار قدیم کا اعتراف کرتے ہیں۔اور وہ زبانی احادیث جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں اور تلمود کے اسفار کا اعتراف کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے فقہاء (جن پر ربانیین کا اطلاق کیا جاتا ہے) ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تلمود کے اسفار تالیف کیے ہیں۔

ربانیوں تورات اور تلمود کی تعلیمات پر بہت سختی سے پابند اور ان کا احترام کرنے والے ہیں۔تلمود کے متعلق یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ یہ بھی وحی ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی،مگر لکھی نہیں گئی تھی۔ اور یہ ان تمام لوگوں پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں جو تلمود کی تعلیمات پر حرفاً اور معنیً عمل نہیں کرتے۔

۲۔ یہ لوگ رجعت پر ایمان رکھتے ہیں۔ان کا عقیدہ ہے کہ صالحین مردے اس زمین میں دوبارہ اٹھائے جائیں گے تا کہ وہ مسیح منتظر کے ملک میں شریک ہوں۔جس کے بارے میں گمان رکھتے ہیں کہ: وہ آئے گا تا کہ لوگوں کو بچائے اور انہیں یہودی دین میں داخل کرے۔ [1]

فریسیون کی سوچ فکری تھی؛ غارت گری اور چڑھائی کی سوچ نہیں تھی۔انہوں نے کبھی بھی سختی اور عنف کی راہ نہیں اپنائی۔انہوں نے اپنی تمام تر کوششیں تورات کی تفسیر اور تعلیق میں لگا دیں۔

فریسیون بنی اسرائیل سے چاہتے تھے کہ وہ اس پرانے بنی اسرائیلی عقیدہ پر مضبوطی سے قائم رہیں؛ جو سقوط فلسطین سے پہلے ان کے باپ دادا کا عقیدہ تھا۔

یہ ان انبیاء سے برسرِ پیکار رہتے تھے جو ان کی قید کے زمانہ میں یا اس کے بعد مبعوث ہوئے۔ یہ ان سے پہلے انبیاء کی شریعت پر متمسک رہتے؛ اور اسے نافذ کرنے میں تشدد سے کام لیتے۔اور وہ عادات و تقالید کے پابند تھے۔

۴۔عنانی (قراءون):

ایک آدمی کی طرف منسوب ہیں، جسے: عنان بن داؤد [2] کہا جاتا ہے۔ جو آٹھویں میلادی صدی میں یہودِ بغداد کے ایک بڑے عالم تھے۔ [3]

---

[1] د/ أحمد شلبی : الیھودیة : ص ۲۱۹۔ [2] عنان بن داؤد بن سلیمان علیه السلام۔

[3] "أضواء علی الیھودیه من خلال مصادرھا۔"...... ''یہودیت پر ایک نظر ان کے مصادر کی روشنی میں۔'' ڈاکٹر محمد أحمد دیاب عبد الحافظ ص ۱۶۵۔

یہ لوگ عہد قدیم کے علاوہ کسی کتاب کو مقدس نہیں مانتے، اور نہ ہی ان کے ہاں زبانی روایات ہیں۔اور ایسے ہی وہ تلمود کو بھی نہیں مانتے۔ ❶

یہ سنیچر کے دن اور عید کے بارے میں تمام یہود سے اختلاف کرتے ہیں۔پرندے؛ ہرن، مچھلی، ٹڈی دل کھانے سے منع کرتے ہیں، اور جانور کو گدی سے ذبح کرتے ہیں۔جناب حضرت عیسی علیہ السلام کی ان کے مواعظ وارشادات میں تصدیق کرتے ہیں۔اور کہتے ہیں:

> ''انہوں نے تورات کی مخالفت ہرگز کی ہی نہیں، بلکہ اس کا اعتراف کیا ہے، اور اسے برقرار رکھا ہے۔اور لوگوں کو اس کی دعوت دی ہے۔اور وہ ان بنی اسرائیل میں سے ہے جو تورات سے عبادت کرتے ہیں۔اور موسی علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرتے ہیں۔صرف یہ کہ یہ لوگ حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت ورسالت کا اقرار نہیں کرتے۔'' ❷

۵۔کتبہ:

کتبہ یا نساخ (لکھنے والے یا نقل کرنے والے)۔اور بعض اوقات ان پر حکماء اور سرداروں کا اطلاق بھی کیا جاتا ہے۔ان میں سے کسی ایک کو بلاتے وقت ''اب (باپ)'' کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔یہ یہودیوں کا ایک مجموعہ ہی جن کی بنیادی ذمہ داری شریعت کو لکھنا ہے۔اور ان کی ڈیوٹی وعظ ونصیحت کرنا ہے۔یہ بھی فریسیون میں سے تھے۔اسفار تلمود کا اعتراف کرتے ہیں، اور عبادات اور معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔صدوقیون کے برعکس جو صرف پانچ اسفار پر ایمان لاتے ہیں۔'' ❸

۶-مقاربہ اور یوذعانیہ:

ان کی نسبت یوذعان بن ہمدان سے ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے اس کا نام یہوذا تھا۔یہ زہد اور کثرت سے نماز پڑھنے کی ترغیب دیتا تھا۔گوشت اور اٹھائی ہوئی چیز سے منع کرتا تھا۔

اس سے منقول تعلیمات میں ''داعی'' کی تعظیم بھی ہے۔اس کا گمان یہ تھا کہ تورات کے لیے ظاہر اور

---

❶ "أضواء علی الیهودیه من خلال مصادرها۔"...... ''یہودیت پر ایک نظر ان کے مصادر کی روشنی میں۔'' ڈاکٹر محمد احمد دیاب عبد الحافظ ص ۱۶۷۔

❷ الشهرستاني في الملل والنحل ۱/۲۱۵۔

❸ "أضواء علی الیهودیه من خلال مصادرها۔"...... ''یہودیت پر ایک نظر ان کے مصادر کی روشنی میں۔'' ڈاکٹر محمد أحمد دیاب عبد الحافظ ص ۱۶۷۔

باطن ہے۔ اس میں تنزیل بھی ہے اور تأویل بھی۔ اس نے اپنی تأویلات سے عام یہود کی مخالفت کی۔ ایسے ہی تشبیہ دینے میں بھی مخالفت کی۔ یہ قدر کی طرف مائل تھا، اور یہ بات ثابت کی کہ فعل حقیقت میں انسان کی تخلیق ہے۔ ثواب وسزا خود ہی مقرر کیے؛ اور ان میں تشدد سے کام لیا۔'' [1]

یہ یہودیوں کے بعض مشہور فرقے اور ان کے اہم مبادیات تھے۔ ان میں سے ہر ایک سے دوسرے فرقے نکلے۔ جن کا ذکر کرنے کی جگہ یہ نہیں ہے۔

تیسری بحث: ...... یہودیوں کی اسلام دشمنی پر ایک تاریخی نظر

بے شک یہودیوں کی اسلام دشمنی بہت پرانی ہے۔ یہ اسلام کے ساتھ اس روز سے ہی لگی چلی آ رہی ہے جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ زمانے اور صدیاں گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے اس دور تک جاری ہے۔

اس طویل تاریخ اور اسلام کو ختم کرنے کے یہودی اسالیب کو دیکھتے ہوئے یہ بات بہت ہی مشکل معلوم ہو رہی ہے کہ اس جیسے موضوع کو ان صفحات میں بیان کر دیا جائے۔ میں نے مناسب جانا کہ اس موضوع کو تین نقاط میں مختصر کر دوں۔ ان میں سے ہر نقطہ ان مراحل میں سے ایک مرحلہ کی تصویر پیش کرتا ہے جن سے یہود مسلم کشمکش گزری ہے۔ وہ مراحل یہ ہیں:

پہلا مرحلہ: ...... دعوت اسلام روکنے کی کوششیں اور ان کے اسلوب۔

دوسرا مرحلہ: ...... رسول اللہ ﷺ کے دور میں یہود اور مسلمانوں میں مسلح تصادم۔

تیسرا مرحلہ: ...... وفات رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی مکاریاں و چالبازیاں۔

پہلا مرحلہ: دعوت اسلام روکنے کی کوششیں اور ان کے اسلوب:

یہود نبی کریم ﷺ کے مبعوث ہونے کی بشارتیں دیا کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ کیساتھ مل عربوں پر فتح پانے کی دعا کیا کرتے تھے۔ اس پر دلیل ابن اسحق کا یہ قول ہے:

''مجھ سے عاصم بن عمرو نے اپنی قوم کے افراد سے بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: جو چیز اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ ہمارے اسلام لانے اور ہدایت پانے کا سبب بنی وہ یہ ہے کہ: ہم

---

[1] الشهرستاني في الملل والنحل ١/٢١٥۔

یہود کے لوگوں سے سنا کرتے تھے- ہم اہل شرک اور بت پرست تھے ؛اور وہ اہل کتاب تھے ؛ ان کے پاس وہ علم تھا جو ہمارے پاس نہیں تھا؛ ہمارے اور ان کے درمیان ہمیشہ شر انگیزی رہتی تھی- ۔جب ہم ان پر کچھ غلبہ حاصل کر لیتے تو وہ کہا کرتے تھے: ''بے شک اب ایک نبی کے مبعوث ہونے کا زمانہ قریب ہے ؛ ہم اس کے ساتھ مل کر تمہیں عاد وثمود کی طرح قتل کریں گے۔

ہم ان سے اکثر یہ بات سنا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا؛اور انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی؛ تو ہم نے ان کی دعوت قبول کی۔ہم نے اس چیز کو پہچان لیا جس سے وہ ہمیں ڈرایا کرتے تھے۔ ہم نے ان پر سبقت حاصل کی۔ہم ایمان لے آئے اور انہوں نے انکار کیا۔ ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی ہیں:

﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُواْ مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُواْ فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُواْ كَفَرُواْ بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّه عَلَى الْكَافِرِيْنَ﴾ (البقرہ: ۸۹)

''اور جب اللہ کے ہاں سے اُن کے پاس کتاب آئی جو اُن کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے۔اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے۔تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب اُن کے پاس آ پہنچی تو اُس سے کافر ہو گئے پس کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔''

[ابن اسحاق کہتے ہیں]:دونوں کتاب والوں [یہود و نصاری] کے پادری اور درویش رسول اللہ ﷺ کے متعلق ان کی بعثت سے قبل بھی بہت خوب جانتے تھے؛ اور اس زمانے کے متعلق بھی جس میں عرب میں آپ ﷺ کا انتظار کرتے تھے۔ اس لیے کہ جو صفات وہ اپنی کتب میں لکھی ہوئی پاتے تھے؛ اور جو ان میں آپ ﷺ کا نام ثابت ہے۔اور جو اللہ تعالیٰ نے ان سے آپ ﷺ کی اتباع کا عہد ان کے انبیاء کے زمانہ میں اور ان کی کتابوں میں لیا تھا۔اور وہ اہل شرک میں سے بت پرستوں کو خبر دیتے کہ دین ابراہیم لے کر مبعوث ہونے والے نبی کا نام احمد ہوگا۔ایسے ہی یہ اپنے انبیاء کے عہد میں اور

اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰاةِ وَالْإِنْجِيْلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ أُنْزِلَ مَعَهٗ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الاعراف: ١٥٧)

'' وہ جو (محمد ﷺ) رسول (اللہ) کی، جو نبی اُمی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھہراتے ہیں اور اُن پر سے بوجھ اور طوق جو اُن (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کیساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی، وہی مراد پانے والے ہیں۔'' [1]

متوقع تو یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ یہودیوں میں اپنی سند اور مدد پاتے۔ اور یہود سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لانے والے اور آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والے ہوتے۔ اور وہ آپ ﷺ کے ساتھ [تحریف سے پہلے] دینی بنیادوں میں وحدت کی بنا پر آپ ﷺ کے ارد گرد جمع ہو جاتے۔ اور جن کثیر تعداد میں مختلف تقریرات پر قرآن مشتمل ہے کہ یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔'' [2]

لیکن یہود نے تمام توقعات کو الٹ دیا، اور تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ یہود مسلمانوں کے خلاف دشمنی پر اُڑ گئے۔ اور اسلام سے اس وقت سے جنگ شروع کر دی جب سے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ ہجرت کی؛ اور اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت و توحید اور اس کی دعوت کا مرکز بنایا۔

یہود یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ نیا دین ہمارے مدِ مقابل ہے، اور قریب ہے کہ یہ ہمارے نفوذ کو ختم کر دے،

---

[1] ابن اسحاق: السیرۃ ص ٨٤۔

[2] أنظر: جواد علی: تاریخ العرب قبل الإسلام ١٢٥/٦۔

اور اس دینی قیادت کو چھین لے جس کے وہ دعویدار تھے۔

یہ لوگ محمد ﷺ کو ناپسند کرنے لگے، اور آپ ﷺ کو اور آپ کے دین اور متبعین کو حسد؛ بغض، جلن، اور دشمنی کی نظر سے دیکھنے لگے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو ان کی دین اسلام سے دشمنی کھل کر سامنے آ گئی۔

اب یہود رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشیں کرنے لگے، اور اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لانے لگے۔

کتب سیرت میں دعوت اسلام کا قلع قمع کرنے کے لیے ان کی بہت سی مکاریوں اور سازشوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان سازشوں کی گنتی کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ لیکن میں یہاں پر ان چند اہم وسائل کے ذکر پر اقتصار کروں گا جو یہود نے اسلام کے خلاف جنگ کے اس مرحلہ میں اختیار کیے۔

اقتصادی ناکہ بندی:

مسلمان مدینہ کے پہلے عہد میں سخت تنگی کا شکار تھے۔ مہاجر فقراء تھے، جن کے پاس کوئی مال نہیں تھا۔ ان میں سے جو مال و وسعت والا تھا اس نے اپنا مال مکہ میں چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنی جان بچا کر یہاں آ گیا۔ انصار میں سے جن لوگوں نے (اس وقت تک) اسلام قبول کیا تھا؛ ان کے پاس بھی مال کی کثرت و وسعت نہیں تھی۔

یہودیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سازش کی کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے دور رکھنے کے لیے ان کا اقتصادی بائیکاٹ کیا جائے۔ [1]

یہودی رؤساء نے مسلمانوں کی مالی مدد کو یکسر مسترد کر دیا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہودی رؤساء کے پاس کچھ مال قرض لینے کے لیے بھیجا؛ تاکہ اس سے اپنے معاملات نمٹا سکیں۔ ان کو یہ وصیت تھی کہ اپنے کلام میں کوئی توڑ (یا کمزوری) نہ آنے دیں۔ اور اگر وہ لوگ اس بات کو نہ مانیں تو انہیں کوئی تکلیف نہ دی جائے۔

جب ابو بکر رضی اللہ عنہ ''بیت المدارس'' - یہودیوں کے عبادت خانے - میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ یہود ان میں سے ایک آدمی کے پاس جمع ہو گئے۔ جس کا نام ''فنحاص'' تھا، اور وہ بنی قینقاع کا سردار تھا۔ یہ ان

[1] انظر: عفیف طبارہ: یہود في القرآن ص (۲۳)۔

کے علماء اور درویشوں میں سے تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور درویش تھا جس کا نام ''اشیع'' تھا۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے آنے کا مقصد پیش کیا، اور اس کو رسول اللہ ﷺ کا خط پیش کیا۔ جب خط ختم کیا تو کہنے لگا، تمہارا رب اس بات کا محتاج ہوگیا ہے کہ ہم اس کی مدد کریں۔'' ❶

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے کہا: جب اس نے اس وحی کے نازل ہونے کے بارے میں سنا:

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (البقرہ: ٢٤٥)

''کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے کہ وہ اسکے بدلے اُس کو کئی گنا زیادہ دے گا اور اللہ ہی (روزی کو) تنگ اور کشادہ کرتا ہے اور تم اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔''

اے محمد (ﷺ)! کیا آپ کا رب فقیر ہوگیا ہے کہ بندوں سے قرض مانگتا ہے؟ ❷ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ﴾

(آل عمران: ١٨١)

''اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم امیر ہیں، یہ جو کہتے ہیں ہم اُس کو لکھ لیں گے اور پیغمبروں کو جو یہ ناحق قتل کرتے رہے ہیں اُس کو بھی (قلمبند کر رکھیں گے) اور (قیامت کے روز) کہیں گے کہ عذاب (آتش) سوزاں کے مزے چکھتے رہو۔''

یہود اسی حد تک نہیں رکے۔ بلکہ انہوں نے وہ قرض، امانات، اور ساز وسامان جن کا ادا کرنا ان پر واجب تھا؛ اسلام قبول کرنے والوں سے روک لیا۔ اس دعوی کے ساتھ کہ ان کا یہ حق اسلام قبول کرنے سے پہلے تھا، اب کوئی حق نہیں ہے۔ اور اس نئے دین میں داخل ہونے سے ان کا حق ختم ہوگیا ہے۔ ❸

قرآن نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے، فرمایا:

---

❶ أنظر: جواد علی: تاریخ العرب قبل الإسلام ١٣٢/٦۔

❷ ابن کثیر: التفسیر: ٤٤٣/١۔

❸ انظر: عفیف طبارہ: یہود في القرآن ص (٢٤)۔

﴿وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لاَّ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِماً ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُواْ لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾

(آل عمران: ۷۵)

''اور اہل کتاب میں سے کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اُس کے پاس (روپوں کا) ڈھیر رکھ دو تو تم کو (فورا) واپس دے دے اور کوئی اس طرح کا ہے کہ اگر اُس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو جب تک اُس کے سر پر ہر وقت کھڑے نہ رہو تمہیں دے ہی نہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ امیوں کے بارے میں ہم سے مواخذہ نہیں ہوگا۔''

۲۔ دشمنی اور نفرت کو ہوا دینا:

یہود نے اسلام کو مٹانے کے لیے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا کہ اہل مدینہ کے قبائل اوس اور خزرج کے دلوں میں ایامِ جاہلیت کی بل کھاتی ہوئی پرانی دشمنیوں اور نفرتوں کو ہوا دینا شروع کی۔ اس مقصد کی بار آوری کے لیے انہوں مسلمان ہونے والے اپنے پرانے ایامِ جاہلیت کے حلفاء اور پڑوسیوں سے کام لیا۔ تاکہ ان کی پشت پناہی اور آڑ میں فتنہ برپا کرسکیں جس کی تکلیف ان ہی کو ہو۔ بعض نئے مسلمان ہونے والے لوگ ان کی چالوں کا شکار ہوگئے۔ کیونکہ یہ ایام جاہلیت میں یہود سے بڑے مطمئن تھے۔ وہ یہ سمجھ نہیں سکے کہ ان مکاریوں کے پیچھے کس آگ کو ہوا دی جاری ہے۔ اور اس کے نتائج ان کی ذات کے لیے اور اس نئے دین کے لیے؛ جو انہوں نے اختیار کیا ہے؛ کس قدر خطرناک ہوسکتے ہیں۔ ❶

اس کی دلیل ابن ہشام کی نقل کردہ روایت ہے کہ:

''شاس بن قیس جو کہ بوڑھا اور بہت بڑا کافر تھا؛ مسلمانوں کے خلاف بہت سخت کینہ اور حسد رکھتا تھا❷ (اس) کا گزر - اوس اور خزرج میں سے - کچھ اصحابِ رسول اللہ ﷺ کی مجلس پر ہوا۔ وہ اکٹھے بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ وہ اسلام کی وجہ سے ان کی آپس میں دوستی اور پیارو

---

❶ أنظر: جواد علی: تاریخ العرب قبل الإسلام ۱۳۲/٦۔

❷ اس بوڑھے یہودی کا وصف بیان کرنے کے لیے روایت میں ''عسا'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور ''عسا'' کا معنی = ہے: اشتد وقوی؛ یرید أنه تمكن في كفره فصعب إخراجه منه۔ الفيروز آبادي القاموس المحيط ؛٤/٣٦٢۔

محبت دیکھ جل بھن گیا؛ اس سے پہلے کہ ایامِ جاہلیت میں ان کی آپس میں دشمنی ہوا کرتی تھی۔اس نے کہا: ''یہ بنوقیلہ [1] کے رؤساء اس ملک میں جمع ہوئے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب یہ سردار اکٹھے ہوگئے تو ان کے ساتھ ہمارا کوئی چارہ کارنہیں ہوگا۔پھر اس نے اپنے پاس موجود ایک یہودی نوجوان کوحکم دیا؛ اور کہا: ''ان کے پاس چلے جاؤ۔ اور ان کے ساتھ بیٹھو، پھر انہیں یوم بعاث اور اس سے پہلے کی جنگوں کی یاد دلاؤ۔ اور بعض اشعار جو یہ لوگ کہا کرتے تھے،ان کے سامنے پڑھو۔-یوم بعاث وہ جنگ ہے جس میں اوس اور خزرج کی لڑائی ہوئی تھی؛اور اس میں اوس نے خزرج پر فتح پائی تھی-۔اس نے ایسا ہی کیا۔اس پر لوگ آپس میں تو تو میں میں کرنے لگے۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتاتے ہوئے لڑ پڑے۔ دو نوں قبیلوں سے دو آدمیوں نے چھلانگیں لگائیں اور آپس میں ایک دوسرے پر الزام دھرنے لگے۔ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:

''اگر تم چاہتے ہو تو ہم آج تمہارا قرض چکا دیتے ہیں۔دونوں فریق غصے سے بھر گئے تھے۔ اور ایک دوسرے کا چیلنج قبول کرکے اسلحہ کے لیے آوازیں دینے لگے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی؛ تو آپ ﷺ ان کی طرف نکلے۔آپ ﷺ کے ساتھ کچھ مہاجر صحابہ بھی تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ کا خوف کرو۔کیا تم جاہلیت کی طرف دعوت دیتے ہو اور میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو اسلام کی طرف ہدایت دی ہے۔ اور اس وجہ سے تمہیں عزت بخشی؛ اور جاہلیت کے تمام امور تم سے منقطع کردیے۔ اور اس کی وجہ سے تمہیں کفر سے نجات دی،اور تمہارے دلوں کے درمیان محبت ڈال دی۔''

لوگ سمجھ گئے کہ یہ ایک شیطانی وسوسہ اور دشمن کی چال ہے۔پھر رونے لگے، اور اوس اور خزرج آپس میں گلے ملنے لگے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بات ماننے والے فرمانبرداروں کی طرح چلے

---

[1] بنو قيلة : بطن من الأزد من كهلان من القحطانية؛ وهم الأوس والخزرج۔ القلقشندي نهاية الأرب في معرفة إنسان العرب : ٤٠٤۔

گئے۔تو اللہ تعالیٰ نے شاس بن قیس اوراس کی چال کے متعلق یہ آیت نازل کی:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ شَهِيدٌ عَلَى مَا تَعْمَلُونَ٥ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجاً وَّأَنْتُمْ شُهَدَاءُ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ (آل عمران : ٩٨-٩٩)

''کہو کہ اے اہلِ کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کیوں کفر کرتے ہواور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ کہو کہ اے اہلِ کتاب! تم مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے کیوں روکتے ہو؟ اور باوجودیکہ تم اس سے واقف ہو، اس میں کجی نکالتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔'' [1]

مسلمانوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا:

یہودیوں نے مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کو کمزور کرنے؛ اور اسلام پر ان کے یقین کو متزلزل کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس کے لیے انہوں نے دلوں میں شکوک پیدا کرنے شروع کیے۔ اور ان کو اس بات کا یقین دلانے لگے کہ اسلام میں تورات کی تحریف شدہ تعلیمات کے علاوہ کچھ بھی نہیں؛ اور قرآن تناقض سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے بعض احکام آپس میں ایک دوسرے کو ختم کرتے ہیں۔ اس طرح اور بد گمانیاں اور طعن پھیلانے لگے، اور ان کے ساتھ ملنے جلنے والے مسلمانوں کو دوبارہ کفر کی دعوت دینے لگے؛ [2] اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَدَّت طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ (آل عمران : ٦٩)

''اہل کتاب کا ایک گروہ اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ وہ تم کو گمراہ کر دیں مگر یہ اپنے آپ کے علاوہ کسی کو گمراہ نہیں کر رہے اور وہ نہیں جانتے''

مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے کی یہودی سازشوں کا ذکر علامہ ابن ہشام رحمہ اللہ نے اپنی سیرت کی کتاب میں بھی کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

---

[1] سيرة ابن هشام : ٢/ ٥٨٨۔

[2] أنظر : جواد علی : تاريخ العرب قبل الإسلام ١٣٤/٦۔

''سکین اور عدی بن زید کہنے لگے : اے محمد (ﷺ)! ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی بھی بشر پر کچھ نازل کیا ہو۔ ❶ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴾ (النساء : ۱٦۳)

''(اے محمد ﷺ!) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی اور ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کی طرف بھی ہم نے وحی بھیجی تھی اور داؤد کو ہم نے زبور بھی عنایت کی تھی۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس سازش پر عمل کرنے کا پروگرام انہوں نے تیار کیا تھا۔ تا کہ لوگوں میں سے کمزور ایمان والوں کے دلوں میں حق کو باطل کیساتھ ملا کر شکوک وشبہات پیدا کریں۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ صبح کے وقت اسلام کا اعلان کردو، اور مسلمانوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھتے۔ اور جب دن ختم ہونے والا ہوتا تو اپنے دین کی طرف پلٹ جاتے۔

ایسا اس لیے کرتے تا کہ جاہل لوگ کہیں کہ یہ لوگ کوئی تناقض پانے پر؛ اور مسلمانوں کے دین میں عیب ملنے پر اس دین کو چھوڑ گئے ہیں۔'' ❷

مسلمانوں کی جاسوسی کرنا:

بعض مؤرخین نے یہودیوں کی ایک جماعت کے نام ذکر کیے ہیں، جو اسلام میں داخل ہوئے؛ لیکن وہ حقیقت میں منافق تھے۔ ان کے اسلام کا اظہار مسلمانوں کی جاسوسی کرنا تھا؛ تا کہ وہ یہود اور ان کے حلیف مشرکین کو ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارادوں سے باخبر رکھ سکیں۔ ❸ اور وہ بعض مسلمانوں کے پاس صرف خبریں چرانے کی غرض سے بیٹھا کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ارادہ ہوتا تھا

---

❶ سیرۃ ابن ھشام : ۲/ ۵۹٦۔ ❷ تفسیر ابن کثیر ۱/۲۷۳۔

❸ ابن ہشام نے ان میں بعض کے نام بھی لیے ہیں؛ مثلاً: سعید بن حنیف؛ زید بن اللصیت؛ نعمان بن أوفی بن عمرو؛ وعثمان بن أوفی؛ ورافع بن حریملہ وغیرہ۔ سیرۃ ابن ھشام ٦/۱۳۵۔

کہ وہ کمزور مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرسکیں۔ اور تاکہ اوس اورخزرج میں سے جو لوگ ان کے ڈھنگ پر چلنے والے ہیں، ان کے ساتھ رابطے رکھ سکیں۔ ❶

یہ منافقین مسجد میں حاضر ہوتے ؛ اور مسلمانوں کی باتیں سنتے۔ پھر ان کا ٹھٹھہ اڑاتے اور ان کے دین کا مذاق کرتے۔ ایک دن ان میں سے کچھ لوگ مسجد میں جمع ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا کہ یہ آپس میں مل بیٹھے ہوئے پست آواز میں آپس میں کھسر پھسر کررہے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا، اور انہیں سختی سے مسجد سے باہر نکال دیا گیا۔ ❷

اس فتنہ کے آثار کے ابطال کے لیے وحی نازل ہوئی جس میں یہود سے تعلقات رکھنے اور ان کی طرف سے مطمئن رہنے کی نہی وارد ہوئی ؛ اور مسلمانوں کے ان سے تعلقات ختم کرنے اور ان کے شر سے بچتے رہنے کا حکم تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالاً وَدُّواْ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاء مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ o هَاأَنتُمْ أُوْلاء تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُواْ آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْاْ عَضُّواْ عَلَيْكُمُ الأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُواْ بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللّهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾

(آل عمران: ۱۱۸-۱۱۹)

''مومنو! کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا رازداں نہ بنانا یہ لوگ تمہاری خرابی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے، اُن کی زبانوں سے تو دُشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) اُن کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔ دیکھو تم ایسے (صاف دل) لوگ ہو کہ اُن لوگوں سے دوستی رکھتے ہو حالانکہ وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے اور تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو (اور وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے) اور

---

❶ أنظر: جواد علی: تاریخ العرب قبل الإسلام ۱۳۵/۶۔

❷ انظر: سیرۃ ابن ھشام: ۵۵۷/۲۔

جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ (اُن سے) کہہ دو کہ (بدبختو) غصے میں مر جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔''

اس آیت نے یہودیوں کے باطن کی گرھیں کھول کر رکھ دیں۔ اوران کیساتھ رابطوں اور تعلقات کی وجہ سے ملنے والی تکالیف کی بنا پر ان کے بارے میں نرم گوشوں کو ختم کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فتنہ برپا کرنے کی کوشش:

یہودیوں کی اسلام دشمن سازشوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فتنہ برپا کرنے، اور آپ پر اثر انداز ہونے کی کوشش بھی ہے۔ ابن ہشام نے ابن اسحٰق سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

'' کعب بن اسد اور ابن صلوبا؛ عبد اللہ بن صوری؛ اور وشاس بن قیس آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے:'' ہمیں محمد کے پاس جانا چاہیے؛ شاید کہ ہم اسے آزمائش میں ڈال سکیں، کیونکہ وہ بشر ہے؛ (بھول سکتا ہے، اور دھوکہ میں آ سکتا ہے)۔ وہ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

'' اے محمد (ﷺ)! آپ جانتے ہیں ہم یہودیوں کے بڑے علماء اور سردار اور بڑے لوگ ہیں۔ اگر ہم نے آپ کی اطاعت کی تو یہود آپ کی اطاعت کرنے لگیں گے۔ اور وہ ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔ بے شک ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ایک جھگڑا چل رہا ہے۔ کیا ہم وہ مقدمہ آپ کے پاس فیصلہ کے لیے پیش کریں۔ تو آپ ﷺ ان کے خلاف ہمارے حق میں فیصلہ کر دیں؛ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے؛ اور آپ ﷺ کی تصدیق کریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کا انکار کیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ وَلاَ تَتَّبِعْ أَهْوَاءهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللّهُ إِلَيْكَ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيراً مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ﴾ (المائده: ٤٩)

''اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ) جو (حکم) اللہ نے نازل فرمایا ہے اُسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اور ان سے بچتے رہنا کہ کسی حکم سے جو اللہ نے

تم پر نازل فرمایا ہے یہ کہیں تمہیں بہکا نہ دیں اگر یہ نہ مانیں تو جان لو کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے اور اکثر لوگ تو نافرمان ہیں۔'' ❶

رسول اللہ ﷺ کی بیدار مغز و چوکنا کے سامنے یہودی سازش کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اور ایسے تمام سابقہ یہودی سازشیں بھی ناکامی و ہزیمت کا شکار ہوئیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی چالوں کو ان کے ہی گلوں کا پھندا بنادیا، جس سے اسلام کے خلاف ان کے بغض و حسد میں مزید اضافہ ہو گیا۔ لیکن ان ساری باتوں سے اسلام کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے؛ اس لیے کہ اللہ اپنے اس نور کو ان کی ناپسندیدگی سے باوجود پورا کرنا چاہتے تھے۔

دوسرا مرحلہ:......رسول اللہ ﷺ کے دور میں یہود اور مسلمانوں میں مسلح تصادم:

یہودیوں نے صرف منافقت، فتنہ انگیزی، اور سازشوں پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اسلام کے خلاف کھلم کھلی دشمنی کا اعلان کرتے ہوئے مشرکین مکہ سے جا ملے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں عہد توڑنے تک کی مہلت دی (کہ وہ عہد کو ظاہری طور پر توڑیں تو اسلام بھی ان تمام مواثیق سے برأت کا اظہار کرے)۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ یہودیوں کے ساتھ عسکری میدان میں مقابلہ کی ضرورت ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان یہودیوں کو سبق سکھانے کے لیے؛ جو دعوتِ اسلام کے انتشار میں سنگِ راہ ہیں؛ کئی جنگی منصوبے پاس کیے؛ ان میں سے اہم ترین یہ ہیں:

اولاً:...... بنی قینقاع کی جلاوطنی۔ ثانیاً: بنی نضیر کی جلاوطنی۔

ثالثاً:......غزوہ بنی قریظہ: رابعاً: فتح خیبر:

تاریخ اور سیرت کی کتابوں کی روشنی میں ان اہم واقعات کی تفصیل یہ ہے:

اولاً: بنی قینقاع کی جلاوطنی:

مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان سب سے پہلا معرکہ بنو قینقاع کا معرکہ ہے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیے گئے عہد توڑنے والے سب سے پہلے لوگ

---

❶ انظر: سیرۃ ابن ھشام ٢/ ٦٠١۔

بنوقینقاع کے یہودی تھے۔ یہ معرکہ بدر اور احد کے درمیانی عرصہ میں پیش آیا۔ ❶

علامہ طبری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ: بنوقینقاع کے رسول اللہ ﷺ نے غزوہ شوال سن ۲ ہجری میں کیا۔ ❷

بنو قینقاع کے گھر مدینہ شہر کے اندر مسلمانوں کی بستیوں کے درمیان میں واقع تھے۔ اس وجہ دوسرے یہود کے برعکس ان کے ساتھ پہلے پہل معرکہ ہونا ایک متوقع معاملہ تھا۔

اس کی چنگاری یہاں سے بھڑکی کہ رسول اللہ تک خبر پہنچی کہ بنوقینقاع ان کے خلاف سازشوں میں مشغول ہیں، اور وہ مدینہ میں کوئی فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ کو ان کے مسلمانوں کے درمیان موجود واقعی اندیشہ محسوس ہوا۔ ❸

سو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے، اور انہیں بنی قینقاع کے بازار میں جمع کیا؛ اور فرمایا:

> ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آئے جیسا کہ قریش مکہ کے ساتھ پیش آیا۔ اور اسلام لے آؤ؛ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ یہ تم اپنی کتابوں میں پاتے ہو؛ اور اس کا اللہ تعالیٰ نے تم سے عہد لیا ہے۔''

اس پر یہود کہنے لگے:

> ''اے محمد (ﷺ)! آپ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی آپ کی قوم ہیں؟ یہ بات آپ کو دھوکہ میں نہ رکھے کہ آپ کا ٹکراؤ ایک ایسی قوم سے ہوا ہے جنہیں جنگ سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ تو آپ کو ان پر غلبہ کا موقع مل گیا؛ اور اللہ کی قسم! اگر ہم آپ سے جنگ کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مردانِ میدان ہیں۔'' ❹

پھر رسول اللہ ﷺ لشکر لے کر ان کی طرف روانہ ہوئے؛ اور ان کے قلعوں میں ان کا محاصرہ

---

❶ انظر: سیرة ابن هشام ۲/ ۸۰۹۔ سیرة ابن اسحق ۳۱٤۔

❷ انظر: تاريخ الطبري ۲/ ٤۸۰۔

❸ أنظر: جواد علی: تاريخ العرب قبل الإسلام ۱۳٥/٦۔

❹ انظر: سیرة ابن اسحق ۳۱۳۔

کرلیا۔ پندرہ دن تک بہت سخت محاصرہ رہا۔ ان میں سے کوئی بھی باہر نہ نکلتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم پر قلعوں سے نیچے اتر آئے؛ اور انہیں باندھ دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول کھڑا ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کی سفارش کی۔ ❶ رسول اللہ ﷺ نے یہ قیدی اسے ہبہ کردیے۔ ان کی رسیاں کھول دی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی جلاوطنی کا حکم دے دیا۔ ان کے اموال کو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں مسلمانوں کو دے دیا۔ ❷

ثانیاً: بنی نضیر کی جلاوطنی:

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام میں سے چالیس بہترین قسم کے لوگوں کو قبائل نجد کو دین اسلام کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا۔ یہ لوگ حافظ قرآن تھے۔ جب یہ مدینہ طیبہ سے چار دن کے فاصلہ پر بئر معونہ ❸ پر پہنچے؛ تو بنی سلیم کے یہودیوں نے ان مسلمانوں پر دھاوا بول دیا۔ انہیں انتہائی مظلومیت کی حالت میں غدر اور ظلم کے ساتھ قتل کیا۔ ان میں سے سوائے ایک آدمی عمرو بن امیہ ضمری ❹ کے؛ کوئی نہ بچ سکا۔

واپس آتے ہوئے انہوں نے راستے میں بنی عامر کے دو آمیوں کو قتل کردیا۔ بنو عامر اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان عہد و پیمان تھا جس کا علم عمرو بن امیہ کو نہ تھا۔'' ❺

رسول اللہ ﷺ بنی عامر کے ان مقتولوں کی دیت ادا کرنے کے لیے؛ جنہیں عمرو بن امیہ نے قتل کردیا تھا؛ حسب عہد بنی نضیر کے پاس گئے تاکہ وہ کچھ مدد کریں۔ جب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگے: ٹھیک ہے ابا القاسم! جیسے آپ چاہتے ہیں، ہم ایسے ہی آپ کی مدد کرتے ہیں۔ پھر وہ

❶ بنوقینقاع جاہلیت میں خزرج کے حلیف تھے۔ اس پرانے عہدِ جاہلیت کے حلف کی وجہ سے عبداللہ بن ابی نے ان سفارش کی۔ انظر: سیرۃ ابن اسحق ۳۱٤۔

❷ غنیمت کی یہ قسم اس کا درست قرآنی نام ''فے'' ہے؛ یعنی وہ مال جو بغیر جنگ کے حاصل ہو؛ اور غنیمت وہ مال ہے جو لڑائی کے بعد حاصل ہوا سے عرف عام کے اعتبار سے غنیمت کہا گیا ہے۔ دیکھو: تاریخ الأمم والملوك للطبری ۲/ ٤٨٠-٤٨١۔

❸ ابن اسحق فرماتے ہیں: بئر معونہ بنی عامر اور بنی سلیم کی بستیوں کے درمیان واقع ہے۔ یہ دونوں بستیاں اس کے قریب واقع ہیں۔ بس یہ کنواں بنی سلیم کی طرف زیادہ قریب ہے۔ معجم البلدان ۱/ ۳۰۲۔

❹ عمرو بن امیہ بن خویلد بن عبداللہ مشہور صحابی ہیں؛ حضرت امیر معاویہ -رضی اللہ عنہم- کے دور خلافت میں انتقال ہوا۔ تقریب التهذيب ص٤١٨۔

❺ انظر: ابن هشام: السيرة النبوية ۳/ ۹۸۷۔

ایک جگہ پر علیحدہ جمع ہوئے؛ اور آپس میں کہنے لگے: ''تم اس آدمی کو اپنی حالت پر کبھی بھی نہ پاؤ گے؛ رسول اللہ ﷺ ان کے گھروں کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔

تم میں کون آدمی ایسا ہے جو اس گھر کی چھت پر چڑھ جائے اور وہاں سے یہ چٹان گرادے، اور آدمی سے ہمیں نجات دلا دے۔

عمرو بن جحش بن کعب اس کام کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔اور کہا: یہ کام میرے ذمہ ہے؛ اور وہ گھر کی چھت پر چڑھ گیا تاکہ آپ پر چکی گرا سکے۔ رسول اللہ ﷺ وہاں پر اپنے کچھ صحابہ کیساتھ بیٹھے ہوئے تھے؛ جن میں ابوبکر وعمر اور علی بھی تھے۔رضی اللہ عنہم۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس آسمانوں سے ان کے ارادوں کی بابت خبر آ گئی۔ آپ ﷺ کھڑے ہوگئے اور مدینہ کی طرف واپس چل دیے۔ جب صحابہ نے آپ ﷺ کے واپس آنے میں دیر محسوس کی تو وہ بھی اٹھے اور آپ ﷺ کی تلاش میں چل پڑے۔ راستہ میں مدینہ سے آتے ہوئے ایک آدمی سے آپ ﷺ کے بارے میں پوچھا؛ تو اس نے کہا کہ:'' میں نے آپ ﷺ کو مدینہ میں (شہر کے اندر) دیکھا ہے۔

صحابہ کرام سیدھا رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ ﷺ نے انہیں یہودی سازش و غدر کی خبر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کیساتھ جنگ کے لیے تیاری اور کوچ کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ [1] مدینہ کا نظام عبداللہ بن ام مکتوم کے سپرد کیا۔ پھر لوگوں کو لے کر نکلے۔ یہ واقع ربیع الاول کا ہے۔

یہودی قلعہ بند ہوگئے۔رسول اللہ ﷺ نے (قلعوں اور حصار کے درمیان حائل) کھجوریں کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہلا بھیجا کہ ہمیں جانوں کی امان بخشتے ہوئے جلاوطن کر دیا جائے؛ اور انہیں اسلحہ اور مال سے اونٹ ساتھ لاد کر لے جانے کی اجازت دی جائے۔رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی کیا۔(اور انہیں اس کی اجازت دیدی)۔

انہوں نے اپنا وہ مال ساتھ لے لیا جو اونٹ اٹھا سکتے تھے۔ان میں سے کوئی ایک اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں سے اکھاڑتا۔اور اسے اونٹ کی پیٹھ پر لاد دیتا؛ اور اسے لے کر چل پڑتا۔ یہ لوگ خیبر کی طرف نکل

[1] انظر : ابن كثير : السيرة النبوية ٣/١٤٥-١٤٦۔

گئے ؛ اور ان میں سے بعض شام چلے گئے ۔ ❶

ثالثاً: غزوہ بنی قریظہ :

بنی قریظہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان عہد و میثاق تھے۔لیکن غزوہ احزاب کے موقع پر انہوں نے یہ تمام عہد و پیمان توڑ دیے ؛ اور انہوں نے اپنی بھائیوں بنی نضیر کے ساتھ حصہ ڈالتے ہوئے قریش، غطفان اور دوسرے قبائل عرب کو مسلمانوں کے جنگ کے لیے تیار کیا۔ جب غزوہ احزاب مشرکین کی ہزیمت کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچ گیا؛ اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر ایسی آندھی بھیجی جو جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے، اور ہانڈیاں الٹ گئیں ؛ اور ملائکہ کا لشکر جو انہیں ہلا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ نصرت مکمل ہوگئی۔اور مشرکین اور دوسرے گروہ متفرق ہو گئے ۔ ❷

اس وقت رسول اللہ ﷺ اور مسلمان مدینہ میں اپنے گھروں کو واپس لوٹے ،اور اسلحہ رکھا۔ جب نماز ظہر کا وقت تھا تو جبرئیل امین علیہ السلام استبرق کا عمامہ باندھے ہوئے ؛ خچر پر سوار ہو کر ؛ جس پر ریشم کا بچھونا تھا ؛ رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے ؛ اور کہا : '' یارسول اللہ ﷺ ! کیا آپ ﷺ نے اسلحہ رکھ دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ تو جبرئیل امین نے کہا: مگر ملائکہ نے اپنا اسلحہ ابھی تک نہیں رکھا ؛ اور میں صرف اس قوم کی تلاش میں واپس آیا ہوں ۔ اے محمد (ﷺ) ! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ بنی قریظہ کی طرف کوچ کرو۔ میں بھی ان ہی کی طرف جا رہا ہوں، اور انہیں ڈگمگانے والا ہوں ۔ رسول اللہ ﷺ نے منادی کرنے والے کو حکم دیا ؛ اس نے لوگوں میں آواز لگائی ؛ آپ ﷺ نے فرمایا:

((من كان سامعاً مطيعاً فلا يصلين العصر إلا في بني قريظة .)) ❸

'' جو کوئی بات سننے والا اور ماننے والا ہو اسے چاہیے کہ نماز عصر نہ پڑھے مگر بنو قریظہ پہنچ کر۔''

اس دوران آپ ﷺ نے مدینہ پر ابن ام مکتوم کو امیر بنایا۔

رسول اللہ ﷺ نے پچیس دن تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔ یہاں تک کہ اس محاصرہ نے انہیں گھٹنے

---

❶ انظر : ابن هشام : السيرة النبوية ٣/٩٩٤-٩٩٥ـ

❷ انظر : مختصر سيرة رسول ﷺ للشيخ محمد بن عبد الوهاب ص ١٢٨ـ

❸ انظر : ابن هشام : السيرة النبوية ٣/١٠٤٤-١٠٤٥ـ

ٹیکنے پر مجبور کر دیا؛ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آدمی بھیجا کہ ابولبابہ بن عبدالمنذر ❶ کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے۔-وہ پہلے اوس کے حلیف تھے-تا کہ وہ ان سے اپنے بارے میں مشورہ کرسکیں۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھیج دیا۔ یہودیوں نے آپ سے پوچھا:''آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے حکم پر قلعوں سے نیچے اتر جائیں؟(تو ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟)

انہوں نے کہا: ہاں رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اتر جایئے۔

جب صبح کو وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر قلعوں سے اترے؛ تو اوس نے کہا:''یا رسول اللہ ﷺ! یہ ہمارے خزرج کے خلاف ہمارے مددگار تھے۔ ہمارے بھائیوں کے مددگاروں کے ساتھ جو سلوک آپ ﷺ نے کیا ہے، وہ آپ جانتے ہی ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:''اے اوس کے لوگو! کیا تم یہ بات پسند کروگے کہ ان کے بارے میں تم میں سے ہی ایک آدمی فیصلہ کرے۔کہنے لگے: یارسول اللہ! کیوں نہیں۔آپ نے فرمایا:''بس یہ معاملہ سعد بن معاذ کے فیصلہ پر ہے۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مرد قتل کردیے جائیں۔اور مال تقسیم کردیے جائیں۔اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے۔'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا:''بے شک آپ نے ان کے بارے میں سات آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔پھر انہیں وہاں سے اتار کر مدینہ میں بند کردیا گیا۔

پھر رسول اللہ ﷺ بازار کی طرف نکلے؛ اور وہاں پر خندقیں کھودوائیں، اور ان خندقوں میں وہاں پر ان کی گردنیں ماری گئیں۔ ❷

رابعاً: فتح خیبر:

یہودیوں کی مدینہ سے جلا وطنی کے بعد خیبر بہت سے اسلام دشمنی رکھنے والے یہودیوں کی پناہ گاہ بن گیا تھا۔ وہ ہمیشہ مسلمانوں پر گردش ایام کے منتظر رہتے تھے۔اور قبلہ غطفان کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ

---

❶ آپ کا نام بشیر تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رفاعۃ نام تھا۔مشہور صحابی ہیں' نقباء میں سے ایک تھے۔حضرت علی -رضی اللہ عنہما- کی خلافت تک زندہ رہے۔تقریب التھذیب ص ٦٦٩۔

❷انظر : ابن هشام : السيرة النبوية ١٠٤٨/٣۔و ابن كثير : السيرة النبوية ٢٣٢/٣-٢٣٣۔

کے لیے سازشیں کیا کرتے تھے۔

بس رسول اللہ ﷺ نے ان کے شر سے امان پانے اور ان کے شر سے راحت حاصل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ حدیبیہ سے واپس آ کر آپ ﷺ ایک مہینہ یا اس سے بھی کم وقت ہی مدینہ میں رہے ہوں گے کہ آپ ﷺ نے لوگوں میں خیبر کی طرف کوچ کرنے کا اعلان کروادیا۔ ❶

رسول اللہ ﷺ رات کے وقت خیبر پہنچے۔ آپ ﷺ نے رات گزاری؛ اور پھر صبح ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہیں خیبر کے کچھ زمیندار وغیرہ ملے؛ جو اپنے کھیتوں کی طرف نکلے تھے۔ وہ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی کہنے لگے:

''محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھ لشکر۔ وہ بھاگتے ہوئے واپس پلٹے۔ آپ ﷺ نے نعرہ لگایا: ''اللہ اکبر! خیبر خراب ہوگیا؛ جب ہم کسی قوم کی زمین پر اترتے ہیں تو ان کی صبح بری ہوتی ہے۔'' ❷

پھر رسول اللہ ﷺ ان کا ایک ایک قلع فتح کرنے لگے؛ اور ان کے اموال کو قبضہ میں لینے لگے۔ یہاں تک کہ جب انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہوگیا تو انہوں نے جان کی امان پانے کے لیے جلاوطن ہونا منظور کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔'' ❸

معرکہ خیبر کی انتہاء کے ساتھ ہی جزیرہ ءعرب سے یہودی اثر ونفوذ ختم ہوگیا۔ اس کے بعد جزیرہ عرب کی سیاست میں ان کا کوئی قابل ذکر کردار نہ رہا۔

تیسرا مرحلہ:......وفاتِ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی مکاریاں و چالبازیاں:

یہودیوں کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہوگیا تھا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے درمیان موجود ہیں؛ ان میں اسلام سے آنکھیں چار کرنے کی ہرگز کوئی طاقت نہیں ہے۔ آپ ﷺ مسلمانوں کو یہودیوں کی ہر چال سے باخبر کردیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے کئی بار یہود کی مکاریوں کو طشت از بام کرکے رسوا کیا تھا۔

---

❶ انظر: الندوي: السيرة النبوية ٣٥٣۔

❷ انظر: ابن كثير: السيرة النبوية ٣/٣٤٨۔

❸ انظر: ابن هشام: السيرة النبوية ٣/١١٦٥۔

اور ایسے ہی بعض اوقات وحی نازل ہوتی، اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی اور مسلمانوں کے لیے بھی یہود سے بچ کر رہنے کی تنبیہ ہوتی۔

جب رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے ؛ تو یہود نے بھانپ لیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اسلام کے خلاف دوبارہ نئے سرے سے چالیں چلی جائیں۔انہوں نے مسلمانوں کو اپنے دین سے پھیرنے ؛ اور ان کے مابین فتنہ پیدا کرنے کے لیے سازشوں کا جال بچھانا شروع کیا۔

اس مرحلہ میں یہودیوں کی سازشیں پہلے مرحلہ کی نسبت بہت ہی زیادہ باریک بینی سے تیار کی گئی تھیں۔ جس سے ان کے بعض خبیث خواب بعض وجوہات کی بنا پر شرمندہ تعبیر ہوئے، ان [اسباب] میں سے :

۱۔ مسلمانوں سے رسول اللہ ﷺ کا غائب ہو جانا۔

۲۔ یہودیوں کا سابقہ سازشوں سے سبق حاصل کرنا، جس کی وجہ سے ان کا مکر اور خباثت اور بڑھ گئے تھے۔

۳۔ بعض یہودیوں کا سازشیں کرنے اور مسلمانوں کی جاسوسی کرنے کے لیے مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو جانا۔

اسلام کے خلاف یہودی سازشوں کی تاریخ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے آج تک چلی آ رہی ہے۔ان کا احاطہ ایک یا دو جلدوں میں ہونا غیر یقینی ہے۔

میں نے مناسب سمجھا کہ اس مرحلہ میں تین اہم یہودی سازشیں ذکر کرنے پر اکتفاء کروں:

اولاً :......فتنہ قتل حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

ثانیاً:......میمون قداح کا فتنہ اور فرقہ باطنیہ کی ایجاد

ثالثاً ......: ماسونی یہودیوں کے ہاتھوں خلافت عثمانیہ کا خاتمہ : اس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں پیدا ہونے والا تفرقہ۔

یہودیوں کی اتنی ڈھیر ساری سازشوں میں سے ان تین کو اختیار کرنے کی دو وجوہات ہیں :

پہلی وجہ:......ان کے نتیجہ میں جو بہت بڑا شر و فساد پیدا ہوئے اور مسلمان گروہوں میں بٹ گئے۔

دوسری وجہ:...... یہ سازشیں مختلف ادوار میں ہوتی رہی ؛ جناب صحابہ کرام کے دور میں ؛ پھر درمیانی دور میں، اور اب ہمارے اس دورِ حاضر میں۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر زمانے میں یہودیوں

کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں جاری وساری رہی ہیں۔ یہ کسی ایک خاص زمانے تک محدود نہیں رہیں۔

ذیل میں ان مذکورہ حادثات کی تفصیل دی جارہی ہے:

فتنہ قتل حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ:

یہ وہ جو خلیفہ راشد جناب حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر اپنے انجام کو پہنچا۔

سب سے پہلی سازش جو یہودیوں نے فجرِ اسلام کے چمک جانے کے بعد برپا کی؛ وہ بڑا خطرناک فتنہ تھا جو خلیفہ راشد عثمان بن عفان ذوالنورین کے دور میں پیدا ہوا۔

جس کا بڑا سازش کنندہ خباثت اور شر سے بھرا ہوا مکار؛ فتنہ پھیلانے کے تمام امکانات سے لیس بدبخت شخص کا نام عبداللہ بن سباء تھا؛ جو ابن سوداء کے نام سے بھی مشہور ہے۔

اس آدمی کا اور اس کی اسلام کے خلاف سازشوں کا قصہ بڑا مشہور ہے۔ جیسے بڑے بڑے کبار مؤرخین نے ذکر کیا ہے، جیسے: طبری، ابن کثیر؛ ابن اثیر؛ اور ابن خلدون وغیرہ۔

مؤرخین نے ابن سباء کے متعلق جو کچھ نقل کیا ہے؛ اس کا خلاصہ یہ ہے:

> ''بے شک وہ اہل صنعاء کا یہودی تھا؛ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں منافقت کے طور پر اسلام قبول کیا۔ پھر وہ اسلامی شہروں میں گھوم کر لوگوں کو گمراہ کرنے لگا۔ یہ سفر اس نے حجاز سے شروع کیا۔ پھر کوفہ گیا؛ پھر وہاں سے شام گیا؛ وہاں اس کی خواہش پوری نہ ہوئی تو مصر کی طرف نکل گیا۔ اس نے ان لوگوں میں رجعت کا قول پیش کیا؛ لوگ اس میں کلام کرنے لگے۔ پھر ان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے وصیت کا قول گھڑ لیا۔ اور کہنے لگا: ہزار نبی تھے؛ اور ہر نبی کیساتھ اس کا وصی ہوا کرتا تھا۔ اور علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔

پھر کہنے لگا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الأنبیاء ہیں، اور علی رضی اللہ عنہ خاتم الأوصیاء ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو نافذ نہ کیا۔ اور وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالب آ گیا؛ اور اس امت کے امور اپنے ہاتھ میں لے لیے۔

پھر اس کے بعد ان سے کہنے لگا: ''بے شک عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت پر ناحق قبضہ کیا ہے۔ اور یہ -حضرت علی رضی اللہ عنہ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔

لوگو! اس معاملہ میں اٹھ کھڑے ہو؛ اور حرکت میں آجاؤ۔ اور اپنے امراء-حکمرانوں- پر کھلم کھلا طعن کرو۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اظہار کرو، اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرو اور انہیں یہ معاملہ سمجھاؤ۔ اس نے اپنے داعی روانہ کیے۔ اور جن لوگوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا؛ ان سے خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ رکھا، اور خفیہ طور پر اپنی یہ دعوت جاری رکھی۔ یہاں تک کہ وہ لوگ کافی پھیل گئے؛ اور وہ بات چاہتے تھے جس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ اور وہ بات چھپاتے تھے جس کا اعلان نہیں کرتے تھے۔

یہاں تک کہ یہ خبریں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچیں؛ انہوں نے مسلمانوں سے اس معاملے میں مشورہ کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ مختلف شہروں کی خبریں معلوم کرنے کے لیے افراد روانہ کیے جائیں۔ سو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی کیا۔ جب یہ نمائندے واپس آئے اور انہوں نے رپورٹ دی کہ انہیں کوئی ایسی چیز محسوس نہیں ہوئی۔ نہ ہی بڑے-طبقہ کے-مسلمانوں نے اور نہ ہی عوام الناس کوئی ایسی خبر دی ہے۔ اور امراء لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے کام لے رہے ہیں۔ اور ان کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان شہروں کی طرف خطوط لکھے؛ اور ان سے اس بات کا ذکر کیا جو خبریں؛ اور امراء پر طعن ان تک پہنچا تھا۔ ان خطوط میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرماتے ہیں:

> ''بے شک میں ہر موسم حج میں اپنے عمال کو جمع کرتا ہوں۔ اور جب سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ میرے ہاتھ میں آیا ہے؛ امت خاموش ہے -گویا کہ ان پر مسلط کر دیا گیا ہے-۔ نہ ہی مجھ تک کوئی طلب پہنچتی ہے، اور نہ ہی میرے عمال کے پاس؛ مگر میں اس کی طلب پوری کرتا ہوں۔'' میرا اور میرے عیال کا کوئی حق رعایا سے پہلے نہیں ہے۔ مگر جو چیز ان کے لیے چھوڑ دی گئی ہو۔ اہل مدینہ نے میرے پاس شکایت پہنچائی ہے کہ کچھ لوگ گالیاں دیتے ہیں، اور کچھ دوسرے مارتے بھی ہیں۔
>
> اے انسان جو چھپ کر مارا گیا ہے، یا چھپ کر گالی دی گئی ہے؛ اسے چاہیے کہ وہ موسم حج میں ہمارے پاس آئے۔ اور وہ اپنا حق لے لے، خواہ وہ حق مجھ پر ہو، یا میرے عمال پر؛ یا پھر انہیں معاف کر دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو بہترین بدلہ دیتے ہیں۔

جب یہ خط شہروں میں پڑھ کر سنایا گیا؛ تو لوگ رونے لگے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعائیں کرنے لگے۔'' ❶

ابن سباء اور اس کے فتنہ گر ساتھی اس شفقت و حکمت سے بھرپور سیاست پر راضی نہ ہوئے۔ اس لیے کہ ابن سباء نہ ہی اصلاح چاہتا تھا اور نہ ہی وہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔ اس کے دل میں تو ایک خاص ہدف تھا......جس کے لیے وہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر کام کر رہا تھا......

خلیفہ راشد جناب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا یہ موقف اس خبیث یہودی کے اہداف سے ٹکراتا تھا۔ اس لیے اس نے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام سے لوگوں کو جھوٹے خط لکھنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ جن میں لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے امراء کے خلاف بھڑکایا جاتا۔ یہی نہیں بلکہ خود خلیفہ کی طرف سے لوگوں کو جھوٹے خط لکھے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ: انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے ایک جھوٹا خط لکھا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی سازش تھی۔ جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی نفی کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

> ''مجھے اس ذات کی قسم! جس پر ایمان لانے والے ایمان لائے، اور کافروں نے اس کا انکار کیا؛ میں نے ان کی طرف سفید کاغذ پر ایک کالا حرف بھی نہیں لکھا۔ جب سے میں اپنی اس جگہ پر بیٹھی ہوں۔''

انظر : ابن کثیر : البدایة والنهایة ۷/۱۷۵۔

ایسے باغیوں نے تہمت لگائی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھے ہیں کہ وہ مدینہ آئیں۔ انہوں نے قسم اُٹھا کر انکار کیا؛ فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں نے تمہاری طرف کوئی خط نہیں لکھا۔'' ❷

اس بد بخت معلوس یہودی کی سازشیں مدینہ منورہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مسلح بغات کی صورت میں انجام کو پہنچیں۔

---

❶ انظر : التاریخ الطبری ٤/٣٤؛ وابن کثیر البدایة والنهایة ٧/ ١٦٧؛ وابن الأثیر : الکامل في التاریخ ٣/ ٧٧؛ وابن خلدون : التاریخ ٢/١٠٣٤

❷ التاریخ : خلیفة بن خیاط ص ١٦٩۔

۳۵ ہجری میں یہ سبائی تحریک اپنے بام عروج پر پہنچ گئے ہو اور اس انقلاب کے داخلی خفیہ عناصر مکمل ہو گئے۔ سبائیوں نے کوفہ، بصرہ اور مصر میں آپس میں خط و کتابت کے ذریعہ گہرا رابطہ رکھا۔ اور آپ میں وعدہ کیا کہ اس کے انقلاب کے لیے ان کے دستے مدینہ روانہ ہوں گے۔

ان بلوائیوں نے مدینہ منورہ کا گھیراؤ کر لیا؛ اور کئی باتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلوائیوں سے بہت نرمی سے پیش آئے اور ان کے سوالوں کا جواب دیا۔ مسلمان سمجھ گئے کہ یہ شر پھیلانے والے لوگ ہیں، انہوں نے خلیفہ کو ان کے قتل کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مشورہ کو نہ مانا اور ان شر پسندوں کو چھوڑ دیا۔ وہ واپس لوٹ گئے، اور اسی سال شوال میں آنے کی دھمکی دے کر گئے تا کہ وہ حجاج کے روپ میں آ کر شب خون مار سکیں۔' ❶

جب مقرر شدہ وقت آ گیا تو بلوائی مدینہ کی طرف نکلے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ان کے گھر میں محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ آخرِ ذی القعدہ سے لے کر اُٹھارہ ذی الحجہ جمعہ کے دن تم جاری رہا۔

اس سے ایک دن پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس موجود مہاجرین اور انصار جو تقریباً سات سو کی تعداد میں تھے؛ جن میں عبد اللہ بن زبیر؛ عبد اللہ بن عمر؛ حسن و حسین؛ مروان؛ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے -اور آپ کی حفاظت وحمایت کے لیے جمع تھے؛ ان- ؛ سے کہا: میں ہر اس انسان کو قسم دیتا ہوں جس پر میرا کوئی حق ہے کہ وہ اپنا ہاتھ روک لے، اور اپنے گھر چلا جائے۔ اور اپنے غلاموں سے کہا: ''جو اپنی تلوار کو نیام میں رکھ لے وہ آزاد ہے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا تھا، جو ان کی اجل کے قریب ہونے پر دلالت کرتا تھا۔ تو انہوں نے اللہ سے اس کے وعدہ کی امید پر اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا تھا۔

اس کے بعد بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ بہت سخت کر دیا؛ اور آپ سے پانی روک دیا، اور آپ کو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے بھی نہیں نکلنے دیا۔ پھر گھر کی دیواریں پھلانگ کر اندر گھس گئے اور انہیں قتل کر دیا۔ اس وقت اللہ کی کتاب آپ کے سامنے تھی، آپ تلاوت فرما رہے تھے۔ ❷

ایسے یہ یہودی سازش ظلم اور سرکشی کی تمام مثالوں کا ریکارڈ توڑتے ہوئے؛ ایک خبیث اور مکار لعنتی

---

❶ انظر: ابن الأثير: الكامل في التاريخ ۳/۸۵۔

❷ انظر: ابن كثير: البداية والنهاية ۷/ ۱۸۱۔

یہودی کے ہاتھوں، جو کہ مسلمانوں کی صفوں میں تفرقہ پیدا کرنے کے لیے اور اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا؛ اس بد بخت کے ہاتھوں تیسرے خلیفہ راشد جناب حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل پر اپنے اختتام کو پہنچی۔

ثانیاً: میمون قداح کا فتنہ اور فرقہ باطنیہ کی ایجاد:

یہ بھی اسلام کے خلاف یہودی سازشوں کی کڑی ہے۔ سبائیت کی چنگاری ابھی تک نہیں بجھی۔ یہاں تک کہ یہود نے ایک دوسری سازش تیار کر لی، جس کی قیادت ایک دوسرا یہودی کر رہا تھا۔ جس کا ظہور ۲۷۶ میں کوفہ میں ہوا۔ اس یہودی کا نام لیا جاتا ہے: ''میمون القداح''❶

اس طرح اس نے اسلام میں ایک سب سے خبیث فرقہ ایجاد کیا جسے فرقہ باطنیہ کہا جاتا ہے۔ یہ یہودی بھی منافق تھا اسلام کا اظہار کرتا تھا، اور یہودیت کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھتا تھا۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اور اصحاب مقالات اور فرق نے حکایت نقل کی ہے کہ جن لوگوں نے فرقہ باطنیہ کی بنیاد رکھی؛ وہ پوری ایک جماعت تھی، جن میں میمون بن دیصان المعروف قداح بھی تھا۔ یہ جعفر بن محمد الصادق کا غلام تھا۔ یہ ''اُھواز'' کا باشندہ تھا۔ اور ان میں سے محمد بن الحسین الملقب ''دندان'' بھی تھا۔ یہ سارے میمون بن دیصان القداح کے ساتھ عرق کی ایک جیل میں اکٹھے ہوئے، اور مذہب باطنیہ کی بنیاد رکھی۔''❷

محققین کی مطابق میمون بن دیصان القداح یہودی تھا، اور یہودیت کے لیے انتہائی متعصب تھا۔ یہودیوں کے بڑے علماء میں سے تھا؛ علم نجوم اور فلسفہ کا ماہر تھا۔ اصول مذاہب اور ادیان کی بھی اس کو کافی معلومات حاصل تھیں۔''❸

باطنیہ کی دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''یہ لوگ علوی خاندان کی بزرگی کا اظہار کرتے ہیں، اور انہیں امامت کے حقدار مانتے ہیں۔

---

❶ انظر: محمد بن مالك بن أبي الفضائل: كشف أسرار الباطنية ص ١٧۔

❷ الفرق بين الفرق ص ٢٨٢۔

❸ أنظر: محمد بن مالك بن أبي الفضائل: كشف أسرار الباطنية ص ١٧۔

اور ایسے خیالات گھڑ کے پیش کرتے ہیں جو اسلامی اصولوں کے بالکل خلاف ہیں۔جس میں تمام تر حقائق سے خالی اسلام کا صرف نام ہوتا ہے۔اور قرآن و حدیث پر مشتمل شریعت کی نصوص قبول کرنے ؛اور اسلام کے واجبات او رارکان قبول کرنے کا اظہار کرتے ہیں۔-لیکن-: ہر ایک آیت کی اپنی مرضی کے مطابق تفسیر کرتے ہیں، اور ہر ایک حدیث نبوی میں تأویل کرتے ہیں۔''

ان کا کہنا ہے:

''قرآن وسنت کی نصوص اور اسلامی احکام کے ظاہر اور باطن ہے۔ ماہر اور ذہین انسان وہ لوگ ہیں جو اس کے باطن کو لیتے ہیں ؛ اور غبی اور غافل قسم کے لوگ وہ ہیں جو الفاظ کے ظواہر کو لیتے ہیں۔ پھر انہوں نے شریعت کے ارکان میں سے ہر ایک رکن ؛ اور قرآن وحدیث میں وارد ہونے والے لفظ کی تأویل کی ؛ جس کے نتیجہ میں ان کے نصیب میں ہمیشہ گمراہی ہی رہی۔

ان کا گمان یہ ہے کہ نماز کا معنی ہے:''امام سے محبت رکھنا ؛ اور حج سے مراد امام کی زیارت کرنا ہے، اور روزہ سے مراد: امام کے راز افشاں کرنے سے باز رہنا ہے، نہ کہ کھانا کھانے سے رکنا۔اس کے علاوہ اوراس طرح کی فاسد تأویلات کرتے ہیں۔''❶

غزالی صاحب کہتے ہیں:

''ان کے ظاہر سے تأویل کرنے کے بارے میں کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ جب مخلوق خدا کو قرآن وسنت سے دور کرنے میں عاجز آ گئے تو اسے مراد حقیقت سے اپنی طرف سے من گھڑت کہاوتوں میں تبدیل کرنا شروع کر دیا۔اس کا مقصد شریعت کے ساتھ محبت کے اظہار میں اس کو باطل کرنا ہے۔اگر وہ کھل کر اس کے انکار کی صراحت کرتے، اور اس کو صاف طور پر جھٹلاتے، اور اس کی موالات-محبت و دوستی- کا اظہار نہ کرتے تو سب سے پہلے قتل کیے جانے والے لوگوں میں یہی ہوتے۔''❷

❶ أنظر: الغزالی: فضائح الباطنية ص ٥٥-٥٧؛ ومحمد بن حسن الديلمی: بيان مذاهب الباطنية و بطلانه ص ٤٥-٤٦۔

❷أنظر: الغزالی: فضائح الباطنية ص ٥٥۔

یہودیوں کی یہ تاثیر سے بھرپور سازش جاری رہی۔ جس کے مختلف انداز اور طریقہ کار تھے۔ لیکن ان کی غایت اور ہدف ایک ہی تھا۔

سو شریر قسم کے فاسق و فاجر اور فساد پھیلانے والے اور دھوکہ کھائے ہوئے جاہل لوگ ان کا ساتھ دیتے رہے۔ ان کے فرقے اور نام بڑھتے رہے۔ اس تحریک کے داعیان اس بات تک پہنچ گئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ملائکہ، اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں اور آخرت کے دن کے بارے میں لوگوں کو ملحد بنادیں۔ اور تمام اسلامی فرائض جیسے: نماز، روزہ؛ اور زکواۃ کے ساقط کر دینے کا عقیدہ رکھیں۔ اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے تمام محرمات کو مباح قرار دیا۔ اور بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کو جائز قرار دیا۔ اور اسلام کی تمام تعلیمات کے بارے میں منسوخ ہونے کا دعویٰ کرنے لگے۔ یہی نہیں بلکہ تمام انسانی اقدار کو منسوخ کہنے لگے؛ خواہ وہ جس قسم کے بھی ہوں۔

زمین میں فساد پھیلانا ان کا شیوہ بن گیا؛ اور ہر نیک چلن اور صالح حکمران؛ اہل علم و سلطان، اور بڑے انسان کے قتل کی تدبیریں کرنے لگے۔ اور پرامن لوگوں پر شبِ خون مارنا ان کا معمول بن گیا۔ سو یہ لوگ قتل و غارت کرتے ہیں، اور لوگوں کے اموال ہتھیا لیتے ہیں، اور فواحش کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور اسلامی شہروں پر حملہ آور لشکروں کی مدد کرتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ اسلامی حکومت کو گرانے اور اسے کمزور کرنے کے لیے ہر قسم کا تعاون کرتے ہیں۔

یہ سب کچھ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر؛ کفر اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی شدید دشمنی اور بغض و حسد کو اپنے سینے میں چھپائے ہوئے کرتے ہیں۔

یہ اپنی ان خفیہ سازشوں کی وجہ سے کئی اسلامی ممالک کی معیشت کو کمزور کرنے اور ان ممالک کو دیگر ہر طرح سے پس ماندہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔'' [1]

(ان تمام باتوں سے ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی اسلامی ملک مادی طور پر کمزور ہوگا تو وہ اپنے آپ کو سنبھالا دینے کی کوشش کرے گا، پھر یہی لوگ دوسرے روپ میں سامنے آ کر قرضوں کی پیش کشیں کرتے ہیں، اور جب قرض لیا جاتا ہے تو پھر ایسی شراط اور اتنا سود لگا دیتے ہیں کہ اس لعنت کے بوجھ سے چھٹکارا پانا مشکل ہوجاتا ہے-مترجم-)

---

[1] انظر: عبد الرحمن حبكنة الميداني: مكائد يهودية عبر التاريخ ص ١٥٩۔

ثالثاً:...... ماسونی یہودیوں کے ہاتھوں خلافت عثمانیہ کا خاتمہ: ❶

اوراس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں پیدا ہونے والا تفرقہ۔

یہودیوں نے یہ بات اچھی طرح جان لی تھی کہ مسلمانوں کی قوت کا مصدر خلافت اسلامیہ کے کے سائے میں ایک قیادت کے نیچے جمع ہونا ہے۔اس لیے انہوں نے خلفاء راشدین کے دور سے ہی خلافت اسلامیہ کوختم کرنے کا پکا ارادہ کرلیا تھا۔ یہاں تک کہ عثمانی خلافت کے دور میں ان کی خواہش پوری ہوگئی۔

خلافت عثمانیہ کے خلاف یہودی سازشیں سلطان مراد ثانی ❷ کے دور میں شروع ہوئیں۔اوراس کے بعد سلطان عظیم محمد الفاتح ❸ کے دور میں ؛ جسے اس کے یہودی طبیب یعقوب پاشا نے دھوکہ سے زہر دے

---

❶ خلافت عثمانیہ کی بھی دوسری کئی حکومتوں کی طرح کئی ایک خامیاں بھی تھیں اورخوبیاں بھی۔ان کی خوبیوں میں سے یہ تھا کہ خلافت عثمانیہ میں پوری امت اسلامیہ ایک ہی قیادت کے جھنڈے تلے جمع تھے۔اوراپنے آخری دور میں کمزور ہونے کے باوجود خلافت سے اس کے دشمنان یہود اور نصاری خوفزدہ رہتے تھے۔اوراس خلافت کی خامیوں میں سے ایک بڑی خامی یہ تھی کی صوفیت پرستی اور بدعات کی بے جا و بےموقع حمایت نے اس جسم خلافت کو دیمک زدہ کردیا تھا۔ نہ صرف یہ؛ بلکہ آخری کچھ خلفاء بھی محض صوفی طریق کار کے پابند اور متوالے تھے۔ جب کسی قوم میں صوفیت پروان چڑھتی ہے تو ان میں انتظامی صلاحیتیں اور دیگر امور بہت کمزور ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ یہ دومختلف مزاج ہیں۔خلافتِ عثمانیہ کوعصر رواں میں یہودی سازشیں بیان کرنے کے لیے ہم نے بطورمثال اس لیے اختیار کیا ہے کہ اس خلافت کے سقوط سے مسلمانوں کی وحدت کا شیرازہ بکھر گیا۔اور چھوٹے چھوٹے ممالک اور نظاموں اورگروہوں میں بٹ کر رہ گئے۔جس پر ہر غیرت مند مسلمان کو افسوس ہورہا ہے۔اگرچہ ہم موجودہ دور میں ان خلفاء کی اندھی تقدیس اور بزرگی نہیں بیان کرتے۔اس لیے کہ ان کے اصل منہج اسلام سے ہٹ جانے اورصوفیت اختیار کرنے کی وجہ سے کئی ایک برائیاں پیدا ہوگئیں تھیں' اور ہمارا یہ بھی ایمان و یقین ہے کہ یہودیوں کے ان پر مسلط ہونے کی ایک وجہ ان کی یہی عقائد کی کمزوریاں تھے۔

❶ لطان مراد خان عثمانی بن محمد خان ۸۳۴ہجری میں مسند خلافت پر متمکن ہوا۔اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال تھی۔اس کے عہد میں ملک میں انقلاب برپا ہوا۔اس کی جگہ پراس کا بیٹا محمد خان الفاتح ۱۴ سال کی عمر میں اس کا نائب بنا۔اس نے خودروم کی سرزمین پر عثمانی لشکر کی قیادت کی؛ یہاں تک کہ ان کا قلع قمع کردیا؛ اوراللہ تعالیٰ نے اسے فتح وکامرانی سے نوازا۔۴۹ سال کی عمر میں انتقال ہوا 'ان کا دورخلافت ۳۱ سال رہا۔سید عبد المؤمن أکرم : أضواء علی تاریخ توران (ترکستان)' ص ۱۷۱۔

❷ مراد خان عثمانی کے بعد اس کا بیٹا سلطان عظیم محمد الفاتح ۸۵۵ہجری میں تخت نشین ہوا۔اس وقت اس کی عمر ۲۲ سال تھی۔اس نے پچاس دن تک استنبول کا محاصرہ کیا۔ پھر ۸۵۷ہجری میں فتح حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ سات زبانوں میں گفتگو کرتا تھا۔ انجینیر نگ کا ماہر تھا۔۵۳ سال کی عمر میں انتقال ہوا؛ اور جامع استنبول میں تدفین ہوئی۔ان کا عرصہ حکومت ۳۱ سال رع۔ہا۔سید عبدالمؤمن أکرم : أضواء علی تاریخ توران (ترکستان)' ص ۱۷۱۔

دیا تھا۔اور یہ بھی ثابت ہے کہ سلطان سلیمان قانونی ❶ اور اس کے چھوٹے چھوٹے پوتے ''نور بانو'' یہودی عورت کی سازشوں کا شکار ہوئے۔ یہودیوں کی یہ سازشیں اور حکومتی اداروں میں ان کی یہ افراتفری مچانا چارسوسال سے زیادہ مسلسل جاری رہے، یہاں تک کہ ان کا خاتمہ کمال اتاترک ❷ کے ہاتھوں خلافت عثمانیہ کے خاتمہ پر ہوا۔

یہودیوں نے خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے لیے ان قوتوں سے کام لیا:

ا۔ ڈونمہ یہودی:

ان لوگوں نے اسپانیا سے آنے کے بعد اسلام کا اظہار کیا۔اور عثمانی حکومت کے مختلف مناصب میں داخل ہوگئے۔ یہاں تک کہ وہ حکومت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوگئے جس سے ان کے لیے تخریب کاریاں کرنا، اور خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے لیے راہ ہموار کرنا آسان ہوگیا۔

ان مشہور ڈونمی یہودیوں میں سے مدحت پاشا❸ اور کمال اتاترک وہ دو افراد ہیں جن کا خلافت عثمانیہ ختم کرنے میں بہت بڑا ہاتھ ہے۔

---

❶ سلطان سلیمان قانونی بن سلیم ۹۲۶ ہجری میں عرشِ حکومت پر متمکن ہوا۔اس وقت اس کی عمر ۲۶ سال تھی۔اسے نے ملک کے قوانین ارو نظام وضع کیا' اسی لیے اسے سلیمان قانونی بھی کہا جاتا ہے۔۷۴ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔اس کی حکومت ۴۸ سال رہی۔سید عبد المؤمن أكرم : أضواء علی تاريخ توران (تركستان)' ص ۱۷۱۔

❷ مصطفیٰ کمال ۱۲۹۹ ہجری میں یونان کے علاقہ سلانیک میں پیدا ہوا۔ یہ اصل میں ایک ترکی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔اور ایک حکومت ملازم علی رضا کا بیٹا تھا؛ جس کے متعلق کمال نے خود ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔:'' وہ ایک گمراہ افکار والا انسان تھا۔اور ہمیشہ دین دار لوگوں سے نبرد آزما رہتا تھا۔اور مغرب سے سرایت کرکے آنے والے افکار کی حمایت کرتا رہتا تھا۔ یہ ایک مترجم کی حیثیت سے ملٹری ٹرینگ اسکول میں بھرتی ہوا' اور آخر کار عثمانی فوج کا برگیڈئیر بن گیا؛ پھر اسے ترقی ہوتی رہی حتی کہ اسے ۱۳۳۷ ہجری میں فلسطین میں آرمی جنزل تعینات کیا گیا۔ اسی کے ہاتھوں پر خلافت عثمانیہ کا سقوط ہوا۔ پھر اسے ماسونی یہودیوں کی مدد سے ۱۳۴۱ ہجری میں سلطنت عثمانیہ کے سقوط کے بعد جمہوریہ ترکیہ کا صدر بنادیا گیا۔ڈ/ علی حسنين ؛ تاريخ الدولة العثمانية : ص۳٦۳-۳٦٥۔ انظر : عبد الله تل : " الأفعى اليهودية في معاقل الإسلام" ص ۷٥۔

❸ مدحت پاشا؛ یا أحمد مدحت بن حاجی حافظ اشرف آفندی؛ عربی زبان اچھی طرح جانتا تھا۔اسے ۱۲۸٦ھ سے ۱۲۸۸ھ تک بغداد میں گورنر مقرر کیا گیا۔ پھر اسے معزول کرکے آستانہ پر بلایا گیا۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ میں اسے صدارت عظمی کے منصب پر فائز کردیا گیا۔ جہاں سے اس نے ۱۲۹۳ ہجری کے آخر میں عثمانی دستور جاری کیا۔ مدحت اور سلطان عبد الحمید عثمان کے نظریات ملک کی سیاست کے بارے میں یکساں نہ تھے۔ دیکھیں: االأعلام؛ زرکلی ۷/ ۱۹۵۔ مدحت پاشا اور مصطفیٰ کمال کا شمار مشہور ڈونمی یہودیوں میں ہوتا ہے۔جو کہ'' ماسونی مجلس کانگرس'' کے ممبر تھے۔یہی وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھوں خلافتِ عثمانیہ کا سقوط ہوا۔ انظر : عبد الله تل : " الأفعى اليهودية في معاقل الإسلام" ص ۷٦۔

۲۔اسلام کے خلاف حسد رکھنے والی مغربی عیسائیت:

یہودیوں نے عیسائیت کی اسلام دشمنی اور حسد کوغنیمت سمجھتے ہوئے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور انہوں نے کئی یورپی ممالک سے معاہدے کرر کھے تھے، جیسے کہ: بلغاریہ، رومانیہ، نمساء، فرانس؛ روس؛ یونان؛ اِٹلی وغیرہ۔ان معاہدوں کا مقصد عثمانی حکومت کے خلاف جنگ کرنا تھا۔ اور انہیں امن واستقرار سے محروم رکھنا تھا۔

۳۔بیہودہ اور جھوٹا پروپیگنڈہ:

جس کی وجہ سے خلافت عثمانیہ کی انتہائی بھیانک اور خطرناک تصویر لوگوں کے سامنے پیش کی گئی۔ یہودیوں نے ترک مسلمانوں کے خلاف انتہائی بیہودہ اور شرمناک پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا تھا کہ یہ لوگ سخت دل اور وحشی ہیں۔ جو ہر دم فساد اور افراتفری مچاتے رہتے ہیں۔ مکار یہودی مدحت پاشا نے اسے خطرناک صورت میں پیش کیا۔ جسے یہودی اپنا ہیرو مانتے ہیں، اور اسے ''ابواحرار'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔اس نے یورپی صحافت کو اس کام پر لگایا، یہاں تک کہ پورے عالم میں یہ پروپیگنڈہ پھیل گیا۔[1]

۴۔خفیہ تنظیمیں:

یہودیوں نے خلافت عثمانیہ ختم کرنے کے لیے خفیہ جماعتوں کی بنیاد رکھی اور انہیں تیار کیا۔ خاص طور پر ماسونی یہودی جو صیہونیت کے اہداف کے لیے کام کرتے ہیں۔

ماسونی یہودیوں نے مسلمانوں کی ہر جنس کو اس کی قومیت کی طرف بلانا شروع کیا۔ ترکی میں انہوں نے ''ترکی نوجوانوں'' کی ایک جماعت بنائی۔ جو لوگوں کو ترک قومیت کی طرف بلاتے تھے۔ اور اس کے مقابلہ میں عرب علاقوں میں ایک ''ینگ عرب'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ جس نے لوگوں کو عرب قومیت کی طرف بلانا شروع کیا۔ قومیت کی طرف دعوت کے ان مقاصد کی تکمیل کے لیے انہوں نے عرب عیسائی مفکرین کی خدمات حاصل کیں۔[2] اس طرح یہودیوں کے لیے یہ بات ممکن ہوگئی کہ وہ مسلمانوں کے درمیان تفریق اور گروہ بندی کا بیج بوسکیں۔ اس طرح ہر ایک گروہ اپنی قومیت کی دعوت دینے لگا، اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو بھلا بیٹھے:

---

[1] انظر: عبد الله تل: "الأفعى اليهودية في معاقل الإسلام" ص ٧٦-٧٨۔

[2] محمد الزعبی: الماسونیة فی العراء: ص ١٤٧؛ خالد محمد الحاج: الکشاف الفرید: ٣٧٥/١۔

﴿يَآَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ ط﴾ (الحجرات : ١٣)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو جان پہچان سکو۔ بے شک تم سے اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔

ایسے جب یہودی عثمانی خلافت کے ساتھ چپک گئے تو عالم اِسلامی کے مختلف حصوں میں ان کے پیدا کردہ فتنوں اور لوگوں کی نفرت اور مظاہروں اور بغاوتوں کی آگ بجھانے سے خلافت عثمانیہ عاجز آ گئی۔

جب خلافت عثمانیہ قرضوں کے بوجھ تلے دب گئی تو یہودیوں نے سلطان عبدالحمید ثانی [1] کے ساتھ مذاکرات کے لیے آدمی بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ تا کہ وہ فلسطین میں یہودیوں کے لیے خاص امتیازی رعائتیں دینے کے بدلے رشوت پیش کرے۔ ہرٹلز صیہونی تحریک کا لیڈر ؛ اس وقت اس وفد کی سربراہی کررہا تھا جو سلطان عبدالحمید سے ملنے اور اس کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرنے گیا۔ اور اپنے مطالبات پیش کیے، اور ان کے مقابلہ میں بہت بڑی مالی پیش کش کی۔ لیکن سلطان عبدالحمید رحمہ اللہ نے دوٹوک جواب دیا، اوران سے کہا: ''جب میری حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گی تو اس دن تم اسے بغیر قیمت کے لے لینا؛ لیکن جب تک میں زندہ ہوں، اگر میرے بدن کے ٹکڑے کردیے جائے تو یہ میرے لیے اس بات سے آسان ہوگا کہ فلسطین کو میری شاہی سے علیحدہ کرلیا جائے؛ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔'' [2]

اس وقت یہودیوں نے سلطان عبدالحمید کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ سلطان نظامِ حکومت چلانے کے قابل نہیں ہے۔ یہودیوں کی خفیہ تنظیمیں مسلسل اپنے کام میں لگی رہیں، اور یہ سارے لوگ مل کر سازشوں کا جال بنتے رہے۔ اور خلافت کے خاتمہ کے لیے سازشیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ

---

[1] سلطان عبدالحمید ثانی ۱۲۹۳ ہجری میں عرش پر بیٹھا۔ اس وقت اس کی عمر ۳۸ برس تھی۔ اسے دیمک زدہ خلافتِ عثمانیہ ورثہ میں ملی جو قرضوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔ اس کی حکومت ۳۱ سال رہی۔ یہاں تک کہ اسے معزول کرکے اس کی جگہ اس کے بھائی سلطان رشاد خان کو عرش پر بٹھایا گیا۔ سید عبدالمؤمن اُکرم: اُضواء علی تاریخ توران (ترکستان) ص ۱۷۱۔

[2] انظر: عبد الرحمن حبنكة الميداني : مكائد يهودية عبر التاريخ ص ٢٥١۔

وہ اس بات پر قادر ہوگئے کہ سلطان عبد الحمید ثانی کو (مارچ ۱۹۰۹ء میں) اس کے منصب سے معزول کرسکیں۔ اوراس کی جگہ سلطان محمد خامس ❶ کو علامتی طور پر خلیفہ بنادیا گیا۔ ❷

جب یہودی سلطان عبدالحمید کو معزول کرنے میں کامیاب ہوگئے ؛ جو کہ ماسونی پلاننگ اوران کے مقاصد کے سامنے ایک سخت دیوار تھا؛ تو انہوں نے مصطفیٰ کمال اتاترک کی تعریفیں بیان کرنا شروع کردیں۔ یہ کہ سلطان عبدالحمید کے بعد حکومتی باگ ودوڑ سنبھالنے کے لیے بہترین آدمی ہے۔ جب فضاء اتاترک کے حق میں ہموار ہوگئی ؛ اور وہ بابائے ترک بن گیا ؛ تو اس ترتیب وار یہودی پلاننگ کے نفاذ اور خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے لیے کام شروع کردیا۔

یکم نومبر ۱۹۲۲ء کو اتاترک نے سلطنت کا خاتمہ کردیا، اور خلافت کو باقی رکھا۔

۱۸ نومبر ۱۹۲۲ء کو وحید الدین محمد السادس ❸ کو معزول کردیا۔

اگست ۱۹۲۳ء میں ''عوامی جمہوری پارٹی'' کی بنیاد رکھی جس کے زیادہ تر نواب اور ذمہ دار ڈونمی اور ماسونی یہودی تھے۔

۲۰ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو ترک جمہوریہ کا اعلان کیا گیا، جس کا صدر مصطفیٰ کمال کو چنا گیا۔

۲ مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت کو بھی ختم کردیا گیا۔ جو ایک زمانے سے اسلام دشمنوں کے سینہ میں ایک خنجر کی طرح چبھ رہی تھی۔ ❹

اس طرح یہودیوں کے خواب شرمندہ ٔتعبیر ہوئے اور انہوں نے ایک خلافت کو جمہوریت میں بدل دیا۔ جس کا صدر اسلام کے لبادہ میں ایک یہودی تھا۔

---

❶ سلطان محمد خامس محمد رشاد خان ۱۳۲۴ ہجری میں تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ۶۵ سال تھی۔ اس کے دور میں ترکوں اور انگریزوں کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں۔ ۱۹۳۴ء میں اس کے بعد محمد سادس تخت نشین ہوا۔ عبدالمؤمن اکرم: أضواء علی تاریخ توران (ترکستان)' ص ۲۰٤۔

❷ حقيقة اليهود و مطامع الصيهوينة" محمد نمر خطيب ص ٤٥-٤٦۔

❸ سلطان وحید الدین اس کے دور حکومت میں ۱۹۳۴ء میں انقرہ میں ترک پارلیمنٹ نے سلاطین عثمانیہ کی حکومت کے خاتمے کا اعلان کیا' اور ترک جمہوریت کا اعلان کیا گیا جس کا صدر مصطفیٰ کمال اتاترک کو بنایا گیا۔ عبد المؤمن أكرم : أضواء على تاريخ توران (تركستان)' ص ٢٠٥۔

❹ انظر : عبد الله تل : " الأفعى اليهودية في معاقل الإسلام" ص ٧٦-٧٨۔

جب یہود نے ترکوں سے اسلام کی وہ پوشاک چھین لی جس کی وجہ سے اسے عزت واکرام اور بڑائی ملے تھے۔ اب عالمی سطح پر ترکی کا کوئی وزن نہ رہا۔ اور بہت سارے کافر ممالک کے ان پر مسلط ہوجانے ؛ اور انہیں اقتصادی اور عسکری طور پر کمزور کردینے کے بعد وہ بہت سارے معاملات میں مغرب کے تابع ہوکر رہ گئے۔

اس پر وہ کمزوریاں اور برائیاں اور بڑھتی ہوئی بد امنی و بے چینی مستزاد ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت سے دور ہوجانے کے نتیجہ میں ملتی ہیں۔

چوتھی بحث:...... یہودیوں کے تشریعی مصادر

یہود اپنی شریعت اور احکام میں دو بنیادی مصادر پر اعتبار کرتے ہیں، اور یہود کے ہاں ان دونوں مصادر ان میں وارد تعلیمات وتشریعات کو یہودیوں کے ہاں ہر طرح کا احترام اور تقدیس حاصل ہے۔ اور وہ دو مصدر یہ ہیں :

۱۔عہد قدیم ۲۔تلمود

آنے والے صفحات میں ان دو میں سے ہر ایک کی تفصیل دی جارہی ہے :

اولاً:......عہد قدیم :

عیسائی لوگ یہودی اسفار پر ''پرانا عہد نامہ'' (العهد القديم) کے نام کا اطلاق کرتے ہیں۔ تاکہ ان کے درمیان اور جن پر عیسائی اعتماد کرتے ہیں، ان اسفار کے درمیان فرق ہوجائے، ان اسفار کو عیسائی ''نیا عہد نامہ'' (العهد الجديد) کے نام کا اطلاق کرتے ہیں۔

یہاں پر ان دونوں اسفار میں لفظ ''عہد'' (عہد نامہ) سے مراد میثاق اور وعدہ ہے۔ یعنی یہ دونوں مجموعے ان وعدوں کے ترجمان ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے لیے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ میں ہیں۔ ان میں سے پہلا عہد نامہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے میثاق کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور دوسرا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور کے نئے میثاق کی ترجمانی کرتا ہے۔ [1] اور ہمارے لیے یہاں پر مقصود ''پرانا عہد نامہ'' عہد قدیم ہی ہے۔

---

[1] علی عبد الواحد وفی : الأسفار المقدسه : ص ۱۲۔

اور اس کی تعریف یوں بھی ممکن ہے کہ: ''عہد قدیم یہودی علمی اسفار کا نام ہے۔''❶

عہد قدیم پر ''تورات'' کا اطلاق کرنا (انہیں تورات) کہنا غلط ہے۔ اس لیے کہ عہد قدیم کی انتالیس کتابیں ہیں۔ اور ان سب کو تورات کہنا بہت بڑی غلطی ہوگی۔ اس لیے کہ تورات تو عہد قدیم کا ایک جز ہے۔

عہدِ قدیم کے اسفار:......عہد قدیم کے اسفار کی تعداد (۳۹) سفر ہیں، انہیں چار قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

پہلی قسم: تورات......تورات عبرانی لفظ ہے، جس کے معانی ہیں: ''تعلیم اور شریعت''❷

تورات پانچ اسفار پر مشتمل ہے۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

ا۔سفر تکوین	۲۔سفر الخروج
۳۔سفر التثنیہ	۴۔سفر اللاویین
۵۔سفر العدد (گنتی)❸	

دوسری قسم: تاریخی اسفار...... یہ بارہ اسفار ہیں۔ جو بلاد کنعانین پر بنی اسرائیل کے غلبہ؛ اور فلسطین میں ان کے استقرار کے بعد کی تاریخ پیش کرتے ہیں۔ اور ان کے قاضیوں اور بادشاہوں کی تاریخ کی تفصیل بھی ہے، اور ان کے ساتھ پیش آنے والے اہم حادثات کی تاریخ بھی۔ وہ یہ اسفار ہیں:

ا۔سفر یشوع	۲۔القضاۃ۔
۳۔راعوث	۴۔صموئیل اول
۵۔صموئیل ثانی	۶۔الملوک الأول
۷۔الملوک الثانی	۸۔اخبار ایام اول
۹۔اخبار ایام ثانی	۱۰۔عزراء

❶ احمد شلبی : الیھودیہ : ص ۲۳۰۔

❷ علامہ رحمة الله ہندی 'إظهار الحق ص ۷۹۔

❸ د/ علی عبدالواحد وافی : الأسفار المقدسة ص ۱۳۔ احمد عبد الغفور عطار : الیھودیة و الصیھونیة ص ۸۷۔

۱۱۔نحمیا ۱۲۔أستیر

تیسری قسم:نغموں کے اسفار...... یہ اسفار نغموں اور شعروشاعری پر مشتمل ہیں۔ یہ نغمے ہیں، اوران میں سے اکثر میں دینی مواعظ ہیں جنہیں شعری انداز میں انتہائی بلیغ اسلوب میں لکھا گیا ہے۔ یہ پانچ سفر ہیں:

۱۔سفرایوب ۲۔المزامیر

۳۔الامثال ۴۔الجامعۃ

۵۔الاناشید۔

چوتھی قسم: اسفارِانبیاء...... یہ مجموعی طور پر سترہ اسفار ہیں:

۱۔أشیعا ۲۔أرمیا ۳۔ارمیہ کے مرثیے

۴۔حزقیال ۵۔دانیال ۶۔ہوشع

۷۔یوئیل ۸۔عاموس ۹۔عوبدیا

۱۰۔یونان ۱۱۔میخا ۱۲۔ناحوم

۱۳۔حبقوق ۱۴۔صفنیاء ۱۵۔حجي

۱۶۔زکریا ۱۷۔ملاخي [1]

اسفار کے اس مجموعہ پر پروٹسٹ چرچ والے اعتماد کرتے ہیں۔ جب کہ کیتھولک چرچ ان کے ساتھ سات مزید اسفار کا اضافہ کرتے ہیں:

۱۔سفرطوبیا ۲۔یہودیت

۳۔حکمت ۴۔یسوع بن سیراخ

۵۔باروخ ۶۔المکابیین الأول

۷۔المکابیین الثاني [2]

---

[1] علامہ رحمۃ اللہ ہندی : إظهار الحق ص: ۷۹۔ د/ علی عبدالواحد وافی : الأسفار المقدسة ص ۱۳- ۱۵۔ احمد عبد الغفور عطار : اليهودية و الصيهونية ص ۸۷-۸۸۔

[2] د/ علی عبدالواحد وافی : الأسفار المقدسة ص ۲۰۔

یہودیوں کے ہاں خفیہ اسفار

عہد قدیم کے اسفار کے ساتھ ساتھ یہودیوں کے ہاں دوسرے قدیم اسفار بھی پائے جاتے ہیں؛ جنہیں یہود نے عہدِ قدیم کے اسفار میں داخل نہیں کیا۔ ان کے وہ ''خفیہ اسفار'' کا نام استعمال کرتے ہیں۔ ان کے بڑے علماء نے اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ ان اسفار کو چھپائے رکھنا واجب ہے۔ اور یہ جائز نہیں ہے کہ جمہور اس کتاب کو دیکھ پائیں۔''❶

اسفارِ عہدِ قدیم کے محتویات

عہد قدیم کے اسفار اپنے موضوعات میں مختلف ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سِفر میں ایک خاص موضوع بیان کیا گیا ہے جو اسے باقی موضوعات سے جدا اور ممتاز کرتا ہے۔ اب میں ان میں سے ہر ایک سِفر اور اس کے موضوع کے بارے میں کچھ بیان کروں گا۔:

سفر تکوین

یہ سِفر کائنات کی تخلیق؛ اور پہلے انسان (حضرت آدم علیہ السلام) کی پیدائش؛ اور اس غلطی کے بیان پر مشتمل ہے جس کا ارتکاب حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا تھا۔ پھر آپ کی زندگی اور اولاد؛ حضرت نوح علیہ اسلام کا طوفان، اور اس کے بعد قوموں کی پیدائش؛ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کے قصوں پر مشتمل ہے، جو آخر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ پر ختم ہوتا ہے۔

سفر الخروج

اس کا نام ''سفر خروج'' اس لیے ہے کہ یہ بنی اسرئیل کے مصر سے نکالے جانے کے قصہ پر مشتمل ہے۔ اس سفر میں حضرت یوسف علیہ السلام سے بعد کے قصے ہیں۔ اور ان مشکلات کا ذکر ہے جو فرعونیوں کی طرف سے پیش آئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور اور ان کے ساتھ مصر سے خروج کا بیان ہے۔ اس میں ان دس وصیتوں کا بھی بیان ہے جن کے بارے میں ان کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسی علیہ السلام کو دیے تھے۔

سفر العدد

اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کی اولاد اور وادی سیناء کے صحراء میں ان (کے بھٹکنے) کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

---

❶ د/ علی عبدالواحد وافی : الأسفار المقدسة ص ٢٠۔

سفر التثنیہ

اس کا معنی ہے دہرانا اور تکرار کرنا تاکہ تعلیم اور تشریعات پختہ ہوجائیں۔ان میں ان دس وصیتوں کو دوبارہ سے پیش کیا گیا ہے۔ اور ایسے ہی اس میں کھانوں کے بارے میں، اور قضاء کے نظام اور بنی اسرائیل کی حکومت کے بارے میں کلام دھرایا گیا ہے۔ اور اس میں یوشف بن نون علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ ہونے کا بھی ذکر ہے۔اس سفر کا خاتمہ حضرت موسی علیہ السلام کی وفات کی خبر پر خاتمہ ہوتا ہے۔'' ❶

سفر یشوع

یہودیوں کے ہاں تورات کے بعد اس سفر کی منزلت دوسرے درجہ کی ہے۔اس سفر کو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام - جو کہ حضرت موسی علیہ السلام کے خادم تھے، اور ان کے بعد ان کے خلیفہ بنے - کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔اس میں حضرت یشوع علیہ السلام کی فلسطین کے ساتھ جنگ؛ اور ان پر کامیابی حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ اور فتح کردہ شہروں کے نظم ونسق اور ان کے بنی اسرائیل کے اسباط میں تقسیم کیے جانے کا بیان ہے۔اس کے آخر میں حضرت یوشع علیہ السلام کی موت اور ان کے دفن ہونے کی خبر ہے۔

سفر القضاۃ

اس سفر کی منزلت یہودیوں کے ہاں تیسرے درجہ پر ہے۔جس میں بنی اسرائیل کے قاضی صاحبان کا بیان ہے۔

سفر راعوث

اس سفر میں حضرت داؤد علیہ السلام کے نسب نامہ کا بیان ہے۔اس سفر میں ''موآب'' کی ایک عورت کا قصہ بھی ہے جس کا نام ہے: '' راعوث۔''اسی کے نام سے یہ سفر بھی موسوم ہے۔اس عورت نے ایک یہودی شخص سے شادی کر لی تھی جس کا نام تھا:'' بوعز۔'' جس سے '' عوبید'' پیدا ہوئے۔جن کے بارے میں یہ گمان ہے کہ یہی حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔

صموئیل اور ملوک کے دو دو سفر

ان چار اسفار میں بنی اسرائیل کے بادشاہوں: شاول جو کہ پہلا بادشاہ ہے؛ اس کے بیٹے اشبوشب

❶ د/ علی عبدالواحد وافی : الأسفار المقدسة ص ۱۳۔د / احمد شلبی : الیهودیة : ص ۲۳۳ - ۲۳٤۔

اور داؤد، اور اَبشالوم بن داؤد؛ اور سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اور اس کتاب میں بنی اسرائیل کا ملک تقسیم ہو جانے کے بعد دوسرے دور کے بادشاہوں کا بھی ذکر ہے۔

سفر اخبار ایام اول و ثانی:

یہ دونوں اسفار بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اسفار اور بنی اسرائیل کے بادشاہوں کے اسفار سے مختلف نہیں ہیں۔ پہلے سفر میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا ذکر ہے۔ اور ان بادشاہوں کا ذکر ہے جو ''بلاد اُدوم'' پر بنی اسرائیل سے پہلے بادشاہ رہے۔ ❶

اور اس کے اصحاح دوم کی ابتداء بنی اسرائیل کے اجداد سے شروع ہوتی ہے، اور پوتوں وغیرہ (اولاد) کا بیان حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد تک؛ پوری تفصیل سے کرتی ہے۔ عمومی طور پر اس سفر کا اکثر مواد اسفار تورات اور اسفار ملوک سے لیا گیا ہے۔

سفر عزراء و نحمیاء:

ان دونوں اسفار کا شمار سفر اخبار کے تکملہ کے طور پر ہوتا ہے۔ ان چاروں اسفار کا مجموعہ ایک علیحدہ اور جداگانہ سلسلہ ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عزراء تک کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

سفر استیر:

اس میں ایک یہودی عورت کا قصہ بیان کیا گیا ہے جس کا نام ''استیر'' تھا۔ جس سے فارس کے بادشاہ نے شادی کر لی۔ پھر یہ عورت اپنے چچا زاد بھائی جس کا نام ''مردخائی'' تھا؛ کی مدد سے بادشاہ کے وزیر؛ جو کہ یہودیوں کو ناپسند کرتا تھا، کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اور اس سفر میں یہودی عورتوں کی رہنمائی کی گئی ہے کہ وہ اپنے حسن و جمال کو بنی اسرائیل کی خدمت کے لیے ایک وسیلہ کے طور پر استعمال کریں۔

سفر ایوب

اس میں حضرت ایوب علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائشوں کا قصہ ہے۔ سفر ایوب کا شمار ادبی اسفار میں ہوتا ہے۔

---

❶ علامه رحمة الله هندی: إظهار الحق ص: ۷۹۔

سفر المزامیر

اس سفر کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں گانوں کا ایک مجموعہ ہے، جنہیں ساز پر گا کر پڑھا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض مزامیر یہودوں کے ہاں دینی طبلے ہیں۔ اور بعض کا تعلق ان کی عیدوں سے ہے۔ ان میں سے اکثر مزامیر کی نسبت حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف ہے۔ اور بعض کی نسبت حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف ہے۔ اور کچھ دوسروں کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے۔

اسفار سلیمان (امثال - جامعہ - اناشید -):

ان اسفار کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ سفر امثال میں مثالوں کا ایک مجموعہ ہے۔ جن کے مابین کوئی ربط اور تعلق نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ان کا کسی ایک مؤلف کی طرف منسوب کرنا بعید از قیاس ہے۔

سفر جامعہ میں شعر واشعار جیسا کہ کلام ہے، جنہیں حکمت بھرے اشعار بھی کہا جاتا ہے۔

سفر اناشید میں نغمے اور گانے ہیں، جو یہودی ''عید الفصح'' کے دن گاتے ہیں۔ [1]

اسفار انبیاء:

اس سفر کے محتویات تقریباً تقریباً متشابہ ہیں۔ اس میں کبھی بنی اسرائیل کے اپنے معبودوں کے ساتھ سلوک کا ذکر ہے، اور کبھی انہیں اس سلوک کے نتیجہ میں اس جیسے ہی شر سے ڈرایا جاتا ہے۔ اور بعض میں ان کی حکومت گر جانے کی خبر ہے۔ اور بعض میں بیرونی طاقتوں کے سامنے جھک جانے کی ترغیب ہے۔ ان اسفار کی انبیاء علیہم السلام کی طرف نسبت کچھ واضح نہیں ہے۔ [2]

اسفار عہد قدیم کی تاریخ کتابت

ان اسفار کے لکھے جانے کی تاریخ متعین طور پر نہیں جانی جاسکتی۔ معاصر محققین میں سے بعض نے ''لغت اور ان اسفار کے اسلوبِ کتابت؛ اس وقت کے سیاسی اور معاشرتی'' کی مدد سے ان اسفار کے

---

[1] دیکھو: اظہار الحق ص ۹۶؛ از رحمت اللہ ہندی۔ ڈ/ احمد شلبی : الیھودیہ : ص ۲۳۵؛ سھیل دیب : التوراۃ تاریخھا و غایتھا : ص ۴۵۔

[2] د/ احمد شلبی : الیھودیہ : ص ۲۴۴۔

لکھے جانے کی متعین تاریخ جاننے کی کوشش کی ہے۔ان تمام باتوں کا خلاصہ بذیل صورت میں نکلتا ہے:

وہ اسفار جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں؛ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ایک لمبے عرصہ کے بعد لکھے گئے ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ راجح قول کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تیرہ سو، یا چودہ سو سال پہلے کا ہے۔ جب کہ سفر خروج اور سفر تکوین کا اکثر حصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے نوسو سال پہلے لکھا گیا ہے۔

سفر تثنیہ میلاد مسیح سے ساتویں صدی پہلے کے آخر میں لکھا گیا ہے۔ اور سفر عدد اور سفر اللاویین چوتھی اور پانچویں صدی قبل میلاد میں لکھے گئے ہیں۔

ان جدید تحقیقات کی روشنی میں محققین اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ عہدِ قدیم کے باقی اسفار کی دوسری قسم کا زمانہ تصنیف نویں صدی قبل میلاد کے نصفِ آخر سے چھٹی صدی قبل میلاد تک ہے۔ یہ قسم ان اسفار پر مشتمل ہے:

یوشع؛ القضاۃ؛ صموئیل؛ الملوک؛ الأمثال؛ الأناشید؛ اسفار انبیاء کا اکثر حصہ۔

جب کا ان اسفار کی دوسری قسم کا زمانۂ تالیف چھٹی صدی قبل ہجری سے لے کر چوتھی صدی قبل ہجری تک ہے۔ یہ بذیل اسفار پر مشتمل ہے: یونان، ذکریا؛ اور کچھ سفر دانیال میں سے بھی اس میں شامل ہے۔ [1]

ثانیاً: تلمود:

تلمود کا لفظ ''لامود'' سے نکالا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں تعلیم۔ تلمود سے مراد ہے: دینی تعلیمات اور یہودیوں کے ہاں آداب کی کتاب۔ [2]

یہ دو اہم اجزاء پر مشتمل ہے: مشناۃ اور جمارا:

مشناۃ:

یہ اصلی متن ہے۔ اور اس کی تالیف کا زمانہ ۱۹۰ - ۲۰۰ م کا ہے؛ جب حاخام ''یہوذا ہاناسی'' - جسے مقدس حاخام کہا جاتا ہے - نے تعلیمات اور یہودی تاریخ کی مبدیات جمع کیں۔ [3]

---

[1] د/ علی عبدالواحد وافی : الأسفار المقدسة ص ۱۳۔ [2] آئی۔ بی۔ برانایٹس : فضح تلمود ص ۲۱۔

[3] یہوذا ہاناسی حاخام مقدس؛ - اسے شہزادہ بھی کہا جاتا ہے -؛ یہودیوں کا سب سے بڑا عالم تھا۔ اس نے ۱۹۰ - ۲۰۰ م میں ''مشناۃ'' جمع کی۔ دیکھو: ظفر الإسلام خان : التلمود تاریخه وتعلیمه ص : ۹۸۔

جسے اس نے فرقہ ''فریسیین'' کی طرف منسوب کیا ہے۔اوراس کا نام اس نے ''مشناۃ'' رکھا،جس کا عبرانی زبان میں معنی ہے:''معرفت اور قانون'' ❶

جمارا:

جمارا ''مشناۃ'' کی شرح ہے۔(یہ دوشرحیں ہیں):

۱۔ جمارا یروشلم (یافلسطین): یہ ان مناقشات کی ڈائری (فائل) ہے جو فلسطینی حاخاموں کے درمیان ہوئے تا کہ وہ مشناۃ کی شرح کے اصول طے کرسکیں۔اوراس کی تاریخ ۴۰۰ سال قبل میلادی ہے۔

۲۔ جمارا بابل: یہ بھی ایسے ہی علماء بابل کے مناقشات کی فائل ہے، جوانہوں نے مشناۃ کی تاریخ پر آپس میں گفتگو اور تبادلہ خیال کیا ہے،اس کی تاریخ ۵۰۰ سال قبل میلادی ہے۔ ❷

اس طرح سے ''مشناۃ'' اپنی شرح (جمارا یروشلم کے ساتھ) تلمود یروشلم کہلاتی ہے۔اور اپنی بابلی شرح کے ساتھ تملود بابل کہلاتی ہے۔ ❸

مشناۃ کے مباحث:

مشناۃ چھ مباحث پر مشتمل ہے؛جنہیں ''سیداُدیم'' کہا جاتا ہے،جس کا معنی ہے: ''احکام۔''ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔زیراعیم (البذور/ دانے):

یہ فصل دانے ؛ پھلوں ؛ جڑی بوٹیوں اور درختوں کے مباحث پر مشتمل ہے۔اور پھلوں اور دانوں وغیرہ کے گھریلو اور عمومی استعمال کے کار بھی بتائے گئے ہیں۔یہ فصل گیارہ کتابچوں پر مشتمل ہے۔

۲۔موئید:(مقررہ دن):

یہ عیدوں کے متعلق خاص ہے۔اور ہفتہ وار عیدوں میں ان اوقات کے متعلق بحث ہے جن میں ان دنوں کو شروع کرنا اور ختم کرنا واجب ہے۔اس کے علاوہ ماہانہ عیدوں کے بارے میں بھی گفتگو کی گئی ہے۔ یہ بارہ کتابچوں پر مشتمل ہے۔

---

❶ دیکھو:ظفر الإسلام خان : التلمود تاريخه وتعليمه ص : ۹۸۔ محمد صبرى : التلمود شريعة بنى اسرائيل ص ۸۔

❷ ڈ/ صابر طعيمة : الأسفار المقدسة قبل الإسلام ص : ۴۳۔

❸ دیکھو:ظفر الإسلام خان : التلمود تاريخه وتعليمه ص : ۱۲۔

۳۔نشیم : (عورت):

یہ خواتین سے متعلق خاص ہے۔جس میں شادی سے متعلق اور طلاق یافتہ عورتوں کے احکام ہیں۔ اورعورتوں سے متعلق دیگر تمام اوامر ونواہی اس میں پائے جاتے ہیں۔ یہ سات رسائل پر مشتمل ہے۔

۴۔نزیکین : (تکالیف):

یہ ضرر پہنچے اوراس کے معاوضہ سے متعلق خاص ہے۔اوراس میں ان امور سے متعلق بحث ہیں جن سے انسان یا حیوان کوضرر پہنچتا ہے۔ پھران کے لیے سزائیں اور معاوضہ جات مقرر کیے گئے ہیں۔ یہ دس رسائل پر مشتمل ہے۔

۵۔کواداشیم (مقدس چیزیں):

اس میں قربت کے امور، نماز اور دیگر ساری عبادات سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ یہ گیارہ رسائل پر مشتمل ہے۔

۶۔توہروث (طہارت):

اس میں طہارت اور نجاست کے قوانین سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ یہ بھی گیارہ رسائل پر مشتمل ہے۔ان رسائل کی مجموعی ۶۳ ہیں جو چوبیس فصول پر مشتمل ہے۔ [1]

یہود کے ہاں تلمود کی تقدیس :

دنیا کے ہر کونے کے یہودی تلمود کی تعلیمات کے ساتھ متمسک ہیں۔ اور اسے اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ کتاب تصور کرتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات مدون شدہ حالت میں جبل طور پر موسی علیہ السلام کو عطا کی تھی ؛ مگر تلمود بھی اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے،مگر زبانی۔ یہود اسی پر اکتفا نہیں کرتے ؛ بلکہ تلمود کو تورات سے بڑھ کر مقام دیتے ہیں۔

تلمود میں ہے :

''جس نے تورات پڑھی اس نے فضیلت کا کام کیا،مگراس پر بدلے کا مستحق نہیں ہے۔اور جس نے مشناۃ پڑھی، اس نے فضیلت والا کام کیا، اوراس پر بدلے کا مستحق بھی ہے۔اور

---

[1] آئی۔ بی۔ برانایٹس : فضح التلمود ص۲٦ –۲۷۔ ڈ/ صابر طعیمه : الأسفار المقدسة قبل الإسلام ص ٤٣–٤٤؛ احمد عبد الغفور عطار : اليهودية والصيهونية ص ۱۰۷۔

جس نے جمارا پڑھی اس نے بہت بڑی فضیلت کا کام کیا۔''

اور اس میں یہ بھی ہے:

''جو کوئی حاخامات کے اقوال کو حقیر جانے وہ موت کا مستحق ہے۔ یہ اس کے سوا ہے جو کوئی تورات کے اقوال کو حقیر جانے۔ اور اس انسان کے لیے کوئی نجات نہیں ہے جو تلمود کی تعلیمات کو ترک کردے؛ اور تورات میں مشغول ہوجائے۔ اس لیے کہ تلمود کے علماء کے اقوال اس شریعت سے افضل ہیں جو موسی علیہ السلام لے کر آئے ہیں۔''

تلمود کا ایک ''بشائی'' نامی عالم کہتا ہے: جو انسان جمارا چھوڑ کر تورات اور مشناۃ کی تدریس میں مشغول رہتا ہے، اس کے ساتھ میل جول رکھنا جائز نہیں ہے۔''

اور تلمود میں ہے: ''بے شک تورات پانی سے مشابہ ہے؛ اور مشناۃ کی مشابہت نبیذ سے ہے، اور جمارا کی مشابہت خوشبودار نبیذ سے ہے۔''[1]

سو یہود کے ہاں تلمود کی یہ منزلت اور درجہ ہے۔ وہ اسے مقدس کتاب شمار کرتے ہیں، اور یہ کہ تلمود تورات سے افضل ہے۔ یہ سب اس لیے کرتے ہیں کہ تلمود انہیں اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ کی منتخب کردہ پیاری اور چہیتی قوم ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور اس کے بیٹے ہیں۔ اور ان کا عنصر اللہ تعالیٰ کا عنصر ہے، اور یہودیوں کے علاوہ جتنے بھی لوگ ہیں، تلمود کا ان کے بارے میں تصور یہ ہے کہ وہ لوگ انسانی حیوانات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ انسانی صورت اس لیے عطا کی ہے تا کہ وہ یہود کی خدمت کریں۔ اس وجہ سے تلمود ان کے علاوہ باقی لوگوں کو دھوکہ دینے اور ان کی چوری کرنے کو مباح قرار دیتی ہے، اور اسے فعل کو تلمود میں "امميين" کا نام دیا گیا ہے۔

جب تلمود میں اس طرح کی فاسد مبادیات ہیں، تو اس بات میں کوئی تعجب یا اچھوتا پن نہیں ہے کہ یہود اس کی تقدیس کریں۔ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں اسے اپنے لیے منہج بنالیں۔ اس لیے کہ یہودیوں کی طبیعت میں اس طرح کی فاسد مبادیات ہی ہیں۔ ان کا ایک حاخام کہتا ہے:

''یہودی تلمود کے سبب سے باقی ہیں، جب کہ تلمود یہودیوں میں باقی ہے۔''[2]

---

[1] ڈ/ روهلنك : الكنز المرصود في قواعد التلمود ص ٤٤-٤٥۔

[2] التلمود شريعة بني اسرائيل : ص ١٢۔

دوسری فصل :

رافضیوں کا تعارف

اوران کی ایجاد میں یہودی کردار

یہ فصل پانچ مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث: رافضیوں کا تعارف

دوسری بحث: رافضیوں کے مشہور فرقے :

تیسری بحث: عبداللہ بن، اسکی حقیقت، اوراس کے وجود کے منکر پر رد

چوتھی بحث: رافضیوں کی ایجاد میں عبداللہ بن سباء یہودی کا کردار

پانچویں بحث: رافضیوں کی یہودیوں سے مشابہت

پہلی بحث:......رافضیوں کا تعارف

رافضہ کا معنی: لغت میں " رَفَضَ يَرْفَضُ رَفْضاً" کا معنی ہے ترک کرنا۔ ❶

اور اصطلاح میں: " وہ لوگ جو شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو ترک کرتے ہے، اور ان سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر سب وشتم کرتے ہیں، اوران کی شان میں تنقیص کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بعض بدعتی فرقوں اور ان کے اقوال کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک رافضہ بھی ہیں، ان کے متعلق فرماتے ہیں:

"یہی وہ لوگ ہیں جو اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ اوران پر سب وشتم کرتے ہیں، اوران کی شان میں تنقیص کرتے ہیں۔" ❷

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا:" رافضہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:
"وہ لوگ ہیں جو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتے ہیں۔" ❸

ابن عبدربہ عقد الفرید میں "الرافضہ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"انہیں رافضہ کہا گیا ہے؛ اس لیے کہ یہ لوگ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو ترک کرتے ہیں۔" ان کے علاوہ جتنے بھی بدعتی فرقے ہیں ان میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ اور شیعہ ان سے کم ہیں؛ شیعہ وہ لوگ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے دوستی و محبت رکھتے ہیں۔" ❹

---

❶ فيروز آبادى : القاموس المحيط : ٢/ ٣٣٢ : مادة (رفض)
❷ قاضى ابو يعلى : طبقات الحنابله : ١/ ٣٣۔
❸ ابن تيميه : الصارم المسلول على شاتم الرسول ص ٥٦٧۔
❹ ابن تيميه : الصارم المسلول على شاتم الرسول ص ٢/٢٤٥۔

رافضہ بذات خود اپنے اور اپنے مخالفین کے درمیان تفریق کرتے ہیں، اور اپنے مخالفین کو ناصبی کہتے ہیں؛ اس کی وجہ شیخین کی ولایت اور ان کی امامت کی صحت کا اعتقاد'' ہے۔ جس انسان ایہ عقیدہ -ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کا- ہو وہ رافضیوں کے ہاں ناصبی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور ان سے جو برأت کا اظہار کرے وہ رافضی کہلاتا ہے۔

حسین الدرازی ❶ اپنی سند سے محمد بن علی بن موسی سے روایت کرتے ہیں؛ وہ فرماتے ہیں:

'' میں نے علی بن محمد علیہ السلام کو ناصبیوں کے متعلق خط لکھا؛ کیا یہ اپنے امتحان میں سرکش اور طاغوت ☆ کو مقدم کرنے اور ان کی امامت کے درست ہونے کے اعتقاد سے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ''جس کا یہ مذہب ہو، وہ ناصبی عقیدہ پر ہے۔'' ❷

یہاں پر اس بات کی تاکید ہو جاتی ہے کہ رافضی ہر وہ شخص ہے جو حضرات شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر تبرأ کریں اور اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہے۔ اور اس میں وہ لوگ پہلے درجہ میں شامل ہیں جن کا گمان یہ ہے کہ صحابہ کرام اسلام سے مرتد ہو گئے تھے؛ اور پھر اس نظریہ کے تحت ان پر کفر کا فتوی لگایا۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

رافضیوں پر اس اسم کا اطلاق کب ہوا؟ اور سبب تسمیہ:

جمہور محققین اور بحث و تلاش کرنے والوں کی رائے یہ ہے کہ ان کا نام رافضی رکھے جانے کا زمانہ زید بن علی کا زمانہ ہے، جب انہوں نے ۱۲۱ ہجری میں ہشام بن عبد الملک بن مروان کے خلاف خروج کیا۔ ❸

اور اس وقت ان کے ایک لشکری نے جناب حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر طعن و تشنیع شروع کی۔

---

❶ ابوالحسن علی الہادی بن محمد الجواد بن علی الرضا؛ حسن عسکری کے نام سے جانا جاتا ہے۔ امامیہ کے ہاں بارہ اماموں میں سے ایک ہیں۔ تیرہ رجب اتوار کے دن؛ ۲۱۳ اور کہا گیا ہے کہ ۲۱۴ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور پیر کے روز ۲۵ جمادی الآخر ۲۵۴ ہجری میں انتقال ہوا۔ دیکھو: ابن خلکان : وفیات الأعیان ۳/ ٤٢٤-٤٢٥۔

☆ شیعہ لوگ سرکش اور طاغوت سے مراد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو لیتے ہیں، نعوذ باللہ من ذلك۔

❷ محمد آل عصفور الدرازی البحرانی : المحاسن النفسانیة في مسائل الخراسانیه ص ١٤٥۔

❸ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' زید بن علی نے ہشام کی خلافت کے آخری دور میں ۱۲۱ یا ۱۲۲ ہجری میں خروج کیا تھا۔'' منهاج السنة ١/ ٣٥؛ تحقیق رشاد سالم۔

انہوں نے اس حرکت سے منع بھی کیا؛ مگر وہ لوگ باز نہ آئے۔

ابوالحسن الأشعری فرماتے ہیں:

''زید بن علی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی سب صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھتے تھے۔ اور ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کو جائز سمجھتے تھے۔ جب وہ کوفہ میں اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ نکلے جنہوں نے ان کی بیعت کی تھی؛ تو انہوں نے سنا کہ ان میں سے بعض جناب حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر طعن کر رہے ہیں۔ انہوں نے جوک اس کا انکار کیا، تو جن لوگوں نے آپ کی بیعت کی تھی آپ سے علیحدہ ہو گئے۔ تو آپ نے ان سے کہا: ''رفضتمونی۔'' ''تم نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔''

سو کہا گیا ہے کہ زید بن علی کے اس قول: "رفضتمونی"...... ''تم نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔'' کی وجہ سے ان کا نام رافضہ پڑ گیا۔ ❶

امام رازی کہتے ہیں:

''بے شک ان کا نام رافضہ اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ زید بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ہشام بن عبد الملک کے خلاف خروج کیا؛ تو ان کے لشکر نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر طعن کرنا شروع کیا۔ انہوں نے اس حرکت سے منع کیا، انہوں نے حضرت زید کا ساتھ چھوڑ دیا؛ آپ کے ساتھ دو سو سوار باقی رہ گئے۔ تو زید بن علی نے ان سے کہا: ''رفضتمونی۔'' ''تم نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔'' تو کہنے لگے: ''ہاں۔'' تو ان کا یہی نام پڑ گیا۔ - یعنی رافضی۔'' ❷

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اسلام میں سب سے پہلے رافضہ کا لفظ اس وقت معروف ہوا جب دوسری صدی ہجری کے شروع میں زید بن علی نے خروج کیا۔ تو آپ سے ابو بکر و عمر کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے ان دونوں حضرات سے محبت و عقیدت کا اظہار کیا، تو لوگوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا، یہیں سے ان کا نام رافضہ پڑ گیا۔'' ❸

---

❶ مقالات الإسلاميين ١/ ١٣٧۔ ❷ اعتقادات فرق المسلمين و المشركين ص ٥٢۔

❸ مجموع الفتاوى ١٣/ ٣٦۔

اور فرماتے ہیں: ''زید کے خروج کے زمانہ میں شیعہ رافضہ اور زیدیہ میں تقسیم ہوگئے؛ اس لیے کہ جب آپ سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ان کے لیے رحم کی دعا کی۔ تو لوگ ان کا ساتھ چھوڑ گئے، آپ نے فرمایا: ''رفضتمونی۔'' ''تم نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔'' ان کے حضرت زید بن علی کا ساتھ چھوڑ دینے کی وجہ سے ان کا نام رافضی پڑ گیا۔ اور جن لوگوں نے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا انہیں زیدیہ کہا جانے لگا۔'' ❶

اس نام پر رافضیوں کا موقف:

رافضی اس نام کی وجہ سے دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں: ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ ''رافضہ'' مذموم صفت ہے۔ اور ان کا یہ نام ان کے مخالفین اور دشمنوں نے رکھا ہے۔

سماعۃ بن مہران کہتے ہیں: ''صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: ''لوگوں میں سب سے برے کون ہیں؟ میں نے کہا: ''ہم ہیں اس لیے کہ لوگ ہمیں کفار اور رافضی کہتے ہیں۔ تو انہوں نے میری جانب دیکھا، اور فرمایا: ''اس وقت کیا عالم ہوگا جب تم لوگوں کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا، اور انہیں جہنم کی طرف؛ وہ تم لوگوں کو دیکھیں گے اور کہیں گے:

﴿وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ﴾ (ص: ٦٢)

''اور کہیں گے کیا سبب ہے کہ (یہاں) ہم ان شخصوں کو نہیں دیکھتے جن کو بُروں میں شمار کرتے تھے۔'' ❷

محسن امین کہتا ہے: ''رافضہ ایک لقب ہے، جو ان لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت میں مقدم رکھتے ہیں۔ اکثر یہ لفظ بطور انتقام تشفی کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور جب عصبیت کی ہوا اٹھی تو اس نام کا اطلاق شیعہ تک ہی نہیں رہا؛ بلکہ انتقام کی آگ نے انہیں اس بات پر مجبور کیا کہ اس بارے میں محبین اہل بیت اور ان سے موالات رکھنے والے جن کے متعلق وصیت ہے، اور جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقلین میں سے ایک قرار دیا ہے؛ اور ان کے ساتھ تمسک رکھنے والا گمراہ نہیں ہوگا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات گھڑی جائیں۔ جملہ مؤلفات میں یہ بات منتشر ہے کہ یہ لقب - رافضہ - زید بن علی

---

❶ منهاج السنة ١/ ٨۔

❷ علي بن يونس العاملي النباطي: الصراط المستقيم إلى مستحقي التقديم ٣/ ٧٦۔

بن حسین علیہ السلام کے زمانے میں پڑا؛ جب کوفہ میں ان سے شیخین کے بارے میں پوچھا گیا؛ تو انہوں نے کہا: ''وہ دونوں میرے دادا کے ساتھی ہیں، اور قبر میں ان کے ساتھ لیٹے ہوئے ہیں، اور اس سے مشابہ کچھ باتیں کیں۔ تو لوگوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا؛ تو اس وجہ سے ان کا یہی نام - رافضہ - پڑ گیا۔ اور یہ بات کوئی بعید نہیں ہے کہ یہ بھی گھڑی ہوئی بات ہو۔'' ❶

جب کہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ ان کا نام رافضہ اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ نباطی کی کتاب "الصراط المستقیم إلی مستحقی التقدیم" میں ہے:

''بے شک ابو بصیر نے صادق علیہ السلام ❷ سے کہا: ''لوگ ہمیں رافضہ کا نام دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! لوگ تمہیں یہ نام نہیں دیتے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا یہ نام رکھا ہے۔ بے شک بنی اسرائیل کے ستر بہترین انسان حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی پر ایمان لائے؛ تو ان کا نام رافضہ رکھا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی، یہ نام تورات میں ان کے لیے لکھ دے، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ذخیرہ کر رکھا یہاں تک کہ تم لوگ اس راہ پر چلو۔'' ❸

جو بات ان کے اس نام پر فخر کرنے کو ظاہر کرتی ہے وہ نباطی کا ذکر کردہ قصہ ہے۔ وہ کہتا ہے:

''عمار الدھنی ❹ نے ابن ابی لیلی ❺ کے ہاں گواہی دی۔

انہوں نے کہا: ہم آپ کی گواہی قبول نہیں کریں گے، اس لیے کہ آپ رافضی ہیں، ، تو -عمار-

---

❶ أعیان الشیعة ۱/ ۲۰-۲۱۔

❷ ابو عبداللہ جعفر الصادق بن محمد بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔ امامیہ کے نزدیک بارہ اماموں میں سے ایک ہیں۔ اور ساداتِ اہل بیت میں سے تھے۔ اپنی گفتگو میں کھرے پن کی وجہ سے صادق کا لقب ملا۔ آپ کے فضائل تذکرہ کرنے سے زیادہ ہیں۔ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے، اور شوال ۱۴۸ ہجری میں وفات پائی۔ ابن خلکان: وفیات الأعیان ۱/ ۳۲۷۔

❸ علی بن یونس العاملی النباطی: الصراط المستقیم إلی مستحقی التقدیم ۳/ ۷٦۔

❹ عمار بن معاویہ الدہنی؛ ابو معاویہ البجلی؛ ابن حجر نے کہا ہے: ''سچا ہے، شیعیت کی باتیں کہتا ہے۔ تقریب ص ۴۰۸۔

❺ محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی اور ابی لیلی کا نام یسار تھا۔ جو احیحہ بن جلاح کی اولاد میں سے ہے۔ بنی امیہ کے قاضی رہے، اور بنی عباس کے بھی۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پہلے اپنی رائے سے فتوی دیا کرتے تھے۔ ۱۴۸ ہجری میں انتقال ہوا۔ ابو جعفر منصور کے ہاں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز ہوئے۔ ابن الندیم الفھرست ص ۲۸٦۔

روپڑے۔ انہوں-ابن ابی لیلی - نے کہا: کیا تم روتے ہو، رافضیت سے برأت کا اظہار کرتے ہو کہ ہمارے بھائیوں میں سے ہو جاؤ'' -عمار- نے کہا: ''بے شک میں اس بات پر روتا ہوں کہ آپ نے مجھے ایک ایسے عالی مقام کی طرف منسوب کیا ہے جس کا اہل میں نہیں ہوں، اور میں تمہارے اس اتنے بڑے جھوٹ کی وجہ سے رورہا ہوں کہ تم نے میرے نام سے ہٹ کر مجھے دوسرا نام دیا ہے۔''❶

ایک اور رافضی کا کہنا ہے: ''عقد امامت ایمان میں شامل ہے۔ اور رافضیت ایسا پکا دین ہے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے۔ علی کے دشمنوں سے دشمنی رکھنے میں نہ ہی کوئی گناہ ہے اور نہ ہی کوئی حرج۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے شرف سے سرفراز کیا کہ میں ان کے بندوں میں سے ہوں، اور ان کی محبت میرے خون اور گوشت میں ملی ہوئی ہے۔ ولاء اور براء کے دین کے علاوہ کوئی چیز اس کے بدلہ میں نہیں چاہیے۔ اور نہ ہی سے ہٹ کر کسی اور راہ پر زندگی بھر چلوں گا۔❷

دوسری بحث:......رافضیوں کے مشہور فرقے

اصحاب الفِرق اور مقالات نے رافضی فرقوں کے بارے میں بہت اختلاف کیا ہے۔ اور اس کا سبب بعض لوگوں کے ہاں رافضیت کے مفہوم میں وسعت ہے۔ وہ اس نام کے تحت تمام شیعہ فرقوں کو شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ بغدادی نے کیا ہے۔ انہوں نے رافضہ کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ زیدیہ ۲۔ امامیہ ۳۔ کیسانیہ ۴۔ اور غالی

پھر ان میں سے ہر ایک فرقہ کے نیچے بہت سارے فرقے ذکر کیے ہیں۔❸ اور اسفرائینی نے بھی ایسے ہی کیا ہے۔❹ اور امام رازی نے بھی۔❺

صرف یہ کہ ان دونوں نے غالی فرقہ کو رافضیوں میں شمار نہیں کیا۔

دوسری جانب بعض اُصحاب الفرق اور مقالات اس تقسیم کو نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ سابقہ فرقے

---

❶ علی بن یونس العاملی النباطی: الصراط المستقیم إلی مستحقی التقدیم ۳/ ۷٦۔

❷ الصراط المستقیم إلی مستحقی التقدیم ۳/ ۷۳۔

❸ دیکھو: الفرق بین الفِرق ص ۲۱-۲۳۔

❹ دیکھو: التبصیر في الدین ص ۲۷۔

❺ دیکھو: اعتقادات فرق المسلمین المشرکین ص ۵۲۔

شیعہ فرقے ہیں۔ یہ رافضی یا امامی نہیں ہیں۔ جیسا کہ ان کے بارے میں بعض نے کہا ہے کہ یہ بھی ان ہی فرقوں میں سے ایک فرقہ ہیں۔ ان لوگوں میں سے شہرستانی ❶ اور اشعری ❷ بھی ہیں۔ صرف یہ کہ شہرستانی نے کیسانیہ کو رافضی فرقوں میں شمار کیا ہے۔

میری رائے کے مطابق زیدیہ، غالی اور کیسانیہ رافضی فرقوں میں سے نہیں ہیں۔ زید بن علی کے زمانہ میں شیعہ دو قسموں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک فرقہ کا نام رافضہ رکھا گیا، اس لیے کہ انھوں نے ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہ سے محبت و ولایت کے مسئلہ پر زید بن علی کو چھوڑ کر ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔

دوسرا فرقہ زیدیہ: یہی وہ لوگ ہیں جو امام زید کے مذہب پر باقی رہے۔ اور ہم نے اس کی تفصیل سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس بنا پر زیدیہ کو کیسے رافضہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ❸

غالی:

یہ رافضیوں سے پہلے بھی معروف تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں غلو کیا، اور ان کے متعلق ربوبیت کا دعوی کرنے لگے۔ ❹

اور ان کے ایسے عقائد ہیں جو انہیں بالکل ہی اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے آئمہ میں حلول کر گیا تھا۔ اور بعض کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کے چہرہ کے علاوہ باقی اعضاء ختم ہو چکے ہیں یا نہیں ہیں۔ اور ان میں سے بہت سے لوگوں کا اپنے ائمہ کے معبود ہونے کا دعوی کرنا۔ اور اس کے علاوہ بھی ان کے بہت سارے فاسد عقائد ہیں۔ ❺

انہیں شیعہ اور سنی '' فرق اور مقالات کے لکھنے والوں نے کافر قرار دیا ہے، اور ان کا شمار مسلمانوں میں نہیں کیا۔ ❻ یہ لوگ رافضی نہیں ہیں؛ اگر چہ رافضی ان کے بعض عقائد سے متأثر ہیں۔

کیسانیہ:

یہ لوگ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے غلام کیسان کے پیروکار ہیں۔ کیسان نے

---

❶ الملل والنحل ۱/ ۱۴۷۔ ❷ مقالات الاسلامیین ۱/ ۶۵-۹۱۔

❸ مقالات الاسلامیین ۱/ ۱۳۷۔ ❹ مقالات الاسلامیین ۱/ ۶۶۔

❺ دیکھو: اعتقادات فرق المسلمین المشرکین ص ۷۵۔ الملل والنحل ۱/ ۶۶۔

❻ دیکھو: البغدادی: الفرق بین الفرق ۲۳؛ ۲۳۳۔ نعمة الله الجزائری الأنوار النعمانیه ۲/ ۲۴۳۔

محمد [1] بن (علی) الحنفیہ کے ہاتھوں تعلیم پائی۔

کیسانیہ کا کہنا ہے کہ: ''بے شک امامت محمد بن الحنفیہ کا حق ہے۔'' [2]

اس وجہ سے وہ رافضی اجماع کے خلاف ہیں، جس کے مطابق امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حسن اور حسین، اور علی بن حسین [3] کا حق ہے۔ پھر علی بن حسین کے بعد امام کے متعلق ان میں اختلاف ہے۔

شہرستانی کہتے ہیں: ''امامیہ فرقہ کے لوگ حسن؛ حسین، اور علی ابن الحسین کے بعد امام کے متعین ہونے کے بارے میں ایک رائے پر متفق نہیں ہیں۔'' [4]

شہرستانی کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ رافضہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ان تین کی امامت پر اجماع ہے۔ پھر ان کے بعد امام کے متعین ہونے میں ان کے مابین اختلاف واقع ہوا ہے۔ اس کے لیے ایک اور بڑے رافضی عالم کی تحریر بھی گواہی دیتی ہے کہ رافضیوں کا اس مسئلہ پر اجماع ہے؛ وہ کہتا ہے: ''امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خاص کر بنی ہاشم میں ہوگی۔ پھر ان میں سے بھی علی، اور حسن اور حسین میں اور ان کے بعد قیامت تک کے لیے ان کی آل میں ہوگی۔'' [5]

جب کہ کیسانیہ فرقہ والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد امامت ان کے بیٹے محمد بن (علی [6]) الحنفیہ کے لیے مانتے ہیں۔

---

[1] ابوالقاسم محمد بن علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ، المعروف محمد بن الحنفیہ ؛ اس کی ماں کا نام الحنفیہ بنت خولہ بنت جعفر بن قیس بن سلمہ ہے۔ فرقہ کیسانیہ ان کی امامت کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اور ان کا عقیدہ ہے کہ ان کے امام ''رضوی،، پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں۔ ابن خلکان : وفیات الأعیان (۱۷۲/٤)۔

[2] دیکھو: نوبختی : فرق الشیعة : ص ٢٦۔ الشهرستانی : الملل و النحل ١/ ١٤٧۔

[3] ابوالحسن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہا المعروف بزین العابدین ؛ امامیہ کے ہاں اثنا عشریہ آئمہ میں سے ایک ہیں۔ اور بڑے تابعین میں سے ہیں۔ ان کے فضائل اعداد وشمار سے زیادہ ہیں۔ ۳۸ ہجری میں پیدا ہوئے ؛ اور ۹۴ ہجری میں وفات پائی۔ دیکھو : ابن خلکان : وفیات الأعیان (۳/۲٦٦-٢٦٩)۔

[4] الملل و النحل ١/ ١٦٥۔

[5] المفید : أوائل المقالات ص ٤٤۔

[6] محمد بن حنفیہ کا اصل نسب محمد بن علی بن ابو طالب ہے۔ انہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے شیعہ نے محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور کیا' اور بڑے بڑے اہلِ سنت بھی اس دھوکہ کا شکار ہوگئے۔ حالانکہ دنیا بھر میں کوئی ایک انسان بھی ایسا نہیں ہے جو یہ بات نہ جانتا ہو کہ نسب والد کی طرف سے چلتا ہے' والدہ کی طرف سے نہیں ؛ اور والدہ کی طرف نسبت سوائے حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام کے کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ ازمترجم۔

میں نے کیسانیہ فرقہ کے اقوال کی اس کثرت کے باوجود جانچ پڑتال کی۔ میں نے یہی پایا کہ وہ امامت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ کے لیے مانتے ہیں۔ ان میں سے سوائے ایک فرقہ کے کوئی بھی حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہ کی امامت کو نہیں مانتا۔ یہ فرقہ بھی ان دونوں کے بعد امامت محمد بن الحنفیہ کے لیے ہی مانتا ہے۔ ان کے نزدیک علی بن الحسین کی امامت نہیں ہے۔ خواہ جو بھی ہو، یہ لوگ اپنے اہم ترین اصولوں میں رافضی اجماع کے مخالف ہیں۔ ایسے ہی کیسانیہ اور رافضیہ کا آپس میں بہت سے مسائل میں اختلاف ہے۔ ان میں سے کچھ کا ذکر شہرستانی نے کیا ہے؛ وہ کہتے ہیں:

''ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ دین کسی آدمی کی اطاعت کا نام ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے اس قول (عقیدہ) کی وجہ سے ارکان شریعت جیسے نماز؛ روزہ؛ زکواۃ اور حج میں؛ اور ان کے علاوہ باقی امور کو افراد پر تأویل کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں کا قیامت کے بارے میں عقیدہ بہت ہی کمزور ہو گیا۔''[1]

جب کہ رافضہ کا ایسا عقیدہ نہیں ہے۔ یہ بات اس پر دلیل ہے کہ کیسانیہ رافضی فرقوں میں سے نہیں ہیں۔ واللہ أعلم۔

اس طرح ہم شہرستانی کے قول کو دوسرے فرق اور مقالات والوں پر ترجیح دے سکتے ہیں۔ کہ اس نے ان فرقوں ک ورافضیو ں میں شمار نہیں کیا۔ بلکہ شیعہ کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ کیسانیہ ۲۔ زیدیہ ۳۔ امامیہ ۴۔ غالی

۵۔ اور اسماعیلیہ

پھر ان میں سے ہر ایک فرقہ کی قسمیں علیحدہ علیحدہ ذکر کی ہیں۔ اس لیے میں رافضیوں کی تقسیم کے لیے شہرستانی کے قول پر اعتماد کرتا ہوں۔ شہرستانی نے امامیہ اور رافضہ کو سات قسموں میں تقسیم کیا ہے:

پہلا:...... باقریہ، جعفریہ، واقفہ:

محمد الباقر[2] بن علی بن زین العابدین کے پیروکار ہیں۔ اور ان کا بیٹا جعفر الصادق ہے۔

---

[1] الملل و النحل ١/ ١٤٧۔

[2] ابوجعفر محمد بن زین العابدین علی ابن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم؛ باقر کے لقب سے معروف ہوئے۔ امامیہ عقیدہ کے مطابق اثنا عشریہ کے آئمہ میں سے ایک امام ہیں۔ یہی جعفر الصادق کے والد ہیں۔ امام باقر، بڑے عالم، اور رہنما ⇦⇦⇦

جس کے امام ہونے کا کہتے ہیں۔ اور ان کے والد زین العابدین کے امام ہونے کا بھی کہتے ہیں۔ بس یہ کہ ان میں سے بعض لوگوں نے ان میں سے ایک کے امام ہونے کے بارے میں مذہب اختیار کیا ہے۔ اور امامت کو ان کی اولاد میں منتقل نہیں کیا۔ اور بعض نے امامت کا سلسلہ ان کی اولاد کے لیے بھی جاری رکھا ہے۔ اس لیے کہ شیعہ میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے امام باقر پر پہنچ کر توقف (خاموشی) اختیار کرتے ہوئے امام باقر کے لوٹ کر آنے کا کہا ہے۔ جیسا کہ ابوعبداللہ جعفر بن محمد الصادق کی امامت ماننے والوں نے ان کے لوٹ کر آنے کا کہا ہے۔

دوسرا:......ناوُوسیہ:

یہ ایک ناوُوس نامی آدمی کے پیروکار ہیں۔ ❶

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ''ناوُوس ❷'' نامی گاؤں کی طرف منسوب ہیں۔

ان کا عقیدہ ہے کہ امام صادق ابھی تک زندہ ہیں۔ اور انہیں موت نہیں آئی۔ اور اس وقت تک ہرگز موت نہیں آئے گی جب تک کہ وہ ظاہر ہوں، اور ان کا مذہب غالب آ جائے۔ اور وہی قائم اور مہدی ہیں۔ انہوں نے امام سے روایت کی ہے: ''اگر تم دیکھو کہ میرا سر پہاڑ سے تم لوگوں کی جانب لڑھکا دیا جائے، تب بھی میری موت کا یقین نہ کرو؛ اس لیے کہ میں ہی تمہارا تلوار والا ساتھی ہوں''۔

تیسرا:......افطحیہ

ان کا کہنا ہے کہ امامت الصادق کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ الافطح میں منتقل ہوگئی تھی۔ یہ اسماعیل کا سگا بھائی ہے۔ اور اس کی ماں فاطمہ بنت الحسین بن الحسن بن علی ہیں۔ اور امام صادق کی اولاد میں سے سب سے بڑی عمر کے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ امام نے کہا ہے کہ: امامت ان کے بعد ان کے بڑے

⇐⇐⇐ انسان تھے۔ آپ کو باقر اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ نے علم میں بہت ہی وسعت حاصل کی۔ بروز منگل تین صفر ۵۷ ہجری میں پیدا ہوئے؛ اور ربیع الآخر کے آخر میں ۱۱۳ ہجری میں انتقال ہوا۔ انہیں مدینہ منتقل کر کے بقیع میں دفن کیا گیا۔ وفیات الأعیان: ابن خلکان (۴/۱۷۴)۔

❶ اس کا نام عجلان بن ناوُوس ہے۔ اہل بصرہ میں سے تھا۔ مقالات اسلامیین (۱/ ۱۰۰)۔

❷ یہ ہمدان کے قریب ایک گاؤں ہے۔ ابن فقیہ نے اس کا ذکر کیا ہے، اور اس کے بارے میں فارسیوں کا خرافات سے بھرپور قصہ بھی نقل کیا ہے۔ اس کے بعد کہا ہے: یہ گاؤں ابھی تک اسی نام سے مشہور و موجود ہے۔ معجم البلدان: یاقوت الحموی (۵/۲۵۴)۔

بیٹے میں ہوگی۔

اور یہ کہ امام نے کہا ہے: ''امام وہ ہوگا جو میری جگہ پر بیٹھے گا۔'' اور یہی ان کے جگہ پر بیٹھے تھے۔ اورعبداللہ اپنے والد کی وفات کے بعد ستر دن ہی زندہ رہے، پھر ان کا انتقال ہوگیا اور اپنے پیچھے کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی۔

چوتھا:......شمیطیہ:

یہ لوگ یحی بن اشمیط کے پیروکار ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ:''بے شک-امام-جعفر نے کہا ہے:"إن صاحبكم إسمه إسم نبيكم۔"......''بے شک تمہارے ساتھی کا نام تمہارے نبی کا نام ہوگا۔''

اور ان کے والد رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تھا:''اگر تمہارے گھر بچہ پیدا ہو اور اس کا نام میرے نام پر رکھو، تو اس کے بعد اس کا بیٹا محمد امام ہوگا۔''

پانچواں: اسماعیلیہ واقفہ

ان کا کہنا ہے: جعفر کے بعد امام اسماعیل ہے؛ اس پر ان کی تمام اولاد نے اتفاق کیا ہے۔صرف یہ کہ ان کے والد کی زندگی میں ہی ان کی وفات کی وجہ سے ان میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ:''آپ نہیں مرے۔'' بلکہ انہوں نے خلفاء بنی عباس کے خوف سے تقیہ کرتے ہوئے موت کا اظہار کیا ہے۔انہوں نے ایک اجتماع بھی منعقد کیا ہے جس پر مدینہ کے گورنر منصور کو گواہ بنایا ہے۔

چھٹا:......موسویہ مفضلیہ:

یہ لوگ موسیٰ بن جعفر [1] کے امام ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں ان کے امام ہونے کے بارے میں نام کیساتھ نص موجود ہے۔صادق رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:''سابعکم قائمکم''۔''تمہارا ساتواں تمہارا قائم ہوگا۔'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ:''صاحبکم قائمکم۔''''تمہارا ساتھی تمہارا قائم ہوگا۔''انہیں صاحبِ تورات بھی کہا جاتا ہے۔پھر جب موسیٰ بن جعفر کا انتقال ہوگیا؛ تو ان میں سے بعض نے ان کی موت کے بارے میں توقف اختیار کیا؛ اور کہنے لگے:''ہمیں پتہ نہیں ہے کہ وہ مر گئے ہیں یا نہیں مرے۔'' انہیں

---

[1] ابوالحسن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر؛ امامیہ کے نزدیک بارہ اماموں میں سے ایک ہیں۔ان کے کئی نادر قسم کے قصے ہیں۔آپ کی پیدائش بروز منگل ۱۲۹ ہجری میں پیدا ہوئے؛ اور ۲۵ رجب ۱۸۳ ہجری میں انتقال ہوا۔دیکھو: ابن خلکان: وفيات الأعيان (٥/ ٣٠٨)۔

''ممطورہ''(بارش میں بھیگے کتے) کہا جاتا ہے۔ان کا یہ نام علی بن اسماعیل نے رکھا ہے۔انہوں نے ان سے کہا تھا :''تم تو صرف بارش میں بھیگے ہوئے کتے ہو''۔ان میں سے بعض نے ان کی موت کے بارے میں قطعی یقین سے کہا کہ وہ مر گئے ہیں،ان کا نام''قطعیہ'' پڑ گیا۔اوران میں سے بعض نے موت کے بارے میں توقف کیا اور کہنے لگے: آپ مرے نہیں ہیں، بلکہ غائب ہوگئے ہیں،اورعنقریب خروج کریں گے۔انہیں''واقفہ'' کہا جاتا ہے۔

ساتواں:......اثنا عشریہ:

جن لوگوں نے موسی الکاظم بن جعفر الصادق کی موت کے قطعی (دوٹوک اور یقینی) ہونے کا کہا؛ انہیں ''قطعیہ'' کہا جانے لگا۔ انہوں نے امامت کا سلسلہ اس کے بعد اس کی اولاد میں چلایا؛ اور کہنے لگے :'' موسی کاظم کے بعد امام اس کا بیٹا علی رضا ❶ ہوگا، اس کے بعد محمد تقی الجواد ❷ ہوگا۔ پھر ان کے بعد ان کا بیٹا علی بن محمد تقی امام ہوگا۔ اور اس کے بعد حسن عسکری ہوگا ❸ ؛ اور اس کے بعد اس کا بیٹا محمد القائم ❹ ہوگا، جس کا انتظار کیا جارہا ہے، اور جس کے بارے میں کہا جاتا ہے، جو اسے دیکھے گا خوش بخت ہوگا۔ یہ بارہواں امام ہے۔ ❺

❶ ابوالحسن علی رضا بن موسی الکاظم۔شیعہ امامیہ کے اعتقاد کے مطابق یہ انکے بارہ اماموں میں سے ایک ہے۔ مامون نے ان کی شادی اپنی بیٹی ام حبیب سے کردی تھی۔ انکی پیدائش مدینہ میں ۱۵۳ ہجری کے کچھ ماہ گزرنے کے بعد جمعہ کے دن ہوئی۔ اور ۲۰۲ ہجری میں صفر کے آخر میں مدینہ میں ہی وفات ہوئی۔ابن خلکان : وفیات الأعیان ٥/ ٣٠٨۔

❷ ابوجعفر محمد بن علی رضا، امامیہ شیعہ کے اماموں میں سے ایک امام۔ایک وفد کیساتھ خلیفہ معتصم کے پاس بغداد تشریف لائے ؛ ان کے ساتھ ان کو بیوی ام الفضل بنت مامون بھی تھی۔ وہیں پر وفات پائی۔ان کی بیوی کو اس کے چچا معتصم کے پاس اس کے قصر میں لے جایا گیا۔آپ کی پیدائش ۵ رمضان ۱۹۵ ہجری میں ہوئی تھی۔اور وفات ۵ ذوالحجہ ۲۲۰ ہجری میں ہوئی۔دیکھو : ابن خلکان : وفیات الأعیان (٤/ ١٧٥)۔

❸ ابومحمد الحسن بن علی بن محمد بن علی بن موسی الرضا؛ امامیہ شیعہ کے اعتقاد کے مطابق اثنا عشریہ کے آئمہ میں سے ایک امام ہیں۔ یہ غار میں چھپے ہوئے امام منتظر کے والد ہیں۔ اور انہیں عسکری کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ان کے والد علی کو بھی اسی نسبت سے جانا جاتا ہے۔آپ ۲۳۱ ہجری میں جمعرات کے دن پیدا ہوئے۔اور بروز بدھ ماہ ربیع الاول کی آٹھ تاریخ کو ۲۶۰ ہجری میں انتقال ہوا۔ان کے بارے میں کہا جاتا ہے: جوانہیں دیکھے گا خوش نصیب ہوگا''۔دیکھو : ابن خلکان : وفیات الأعیان (٢/ ٩٤)۔

❹ ابوالقاسم محمد بن حسن العسکری امامیہ کے اعتقاد کے مطابق اثنا عشریہ کے بارہویں امام۔ جو''الحجۃ'' کے نام سے معروف ہیں۔ان کے بارے میں شیعہ کا گمان ہے کہ ان کا انتظار کیا جارہا ہے۔ اور یہی قائم اور مہدی ہے۔ اور ان کے ہاں غار والا امام یہی ہے۔ دیکھو: ابن خلکان : وفیات الأعیان (٤/ ١٧٦)۔حقیقت میں اس مہدی کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، جس کی وضاحت آنے والے صفحات ''رافضیوں کے ہاں وجودِ مہدی کی حقیقت'' میں ہوگی ؛ اور وہاں پر ان کے اس دعوی کا پرزور رد کیا جائے گا۔

❺ أنظر : الملل والنحل : ١/ ١٦٥- ١٦٩۔

رافضیوں کے یہ فرقے شہرستانی نے ذکر کیے ہیں۔ پھر ان سے دوسرے فرقے بھی نکلے ہیں، جن کے بارے میں لکھنے والے دوسرے علماء نے تفصیل سے لکھا ہے۔ یہاں پر ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔اس لیے کہ شہرستانی کے ذکر کردہ فرقے باقی تمام فرقوں کی اصل بنیاد ہیں۔

تیسری بحث:......عبداللہ بن سباء کی حقیقت اور اس کے وجود کے منکرین پر ردّ

مؤرخین، قلم کاروں اور اہلِ فرِق مقالہ نگاروں نے عبداللہ سبأ کی شخصیت، اس کے وجود؛ اس کے شہر اور قبیلہ کے بارے میں اختلاف نقل کیا ہے۔

بعض نے ابن سبأ کو ''حمیر'' [1] کی طرف منسوب کیا ہے ا۔ ابن حزم کہتے ہیں:

''اور غالی فرقوں کی دوسری قسم ؛ جو غیر اللہ کو بھی معبود مانتے ہیں؛ ان میں سب سے پہلی جماعت عبداللہ بن سبأ حمیری کے ساتھی ہیں۔'' [2]

جب کہ بلاذری؛ اور قمی اشعری ابن سباء کو قبیلہ ہمدان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ [3]

بلاذری کے نزدیک یہ عبداللہ بن وہب ہمدانی ہے۔ [4]

جب کہ اشعری قمی کے نزدیک یہ عبداللہ بن وہب الراسبی الہمدانی ہے۔ اشعری قمی کہتا ہے:

''یہ فرقہ اس کان سبئیہ پڑ گیا ہے۔ یہ عبداللہ بن وہب الراسبی الہمدانی کے ساتھی ہیں۔'' [5]

عبدالقاہر بغدادی کی رائے یہ ہے کہ ابن سباء اہل حیرہ میں سے تھا۔ وہ کہتا ہے:

---

[1] حمیر ایک قبیلہ ہے جو حمیر بن غوث بن سعد بن عوف بن عدی بن مالک بن زید بن سدد بن حمیر بن سبأ اصغر بن لہیعۃ بن حمیر بن سبأ بن یشجب – یہ حمیر اکبر ہے– ؛ اور حمیر غوث چھوٹا حمیر ہے' ان کے ٹھکانے یمن میں ہیں۔ اور حمیر غربی صنعاء کے علاقہ میں ہے۔ دیکھو: معجم البلدان ' یاقوت حموی ٢/٣٠٦۔

[2] الفصل في الملل والأهواء ٥/٤٦۔

[3] ہمدان قحطانی قبیلہ کی شاخ کہلان سے ہے۔ یہ بنو ہمدان بن مالک بن زید بن أوسلہ بن ربیعہ بن الخیار بن مالک بن زید بن کہلان سے ہیں۔ ان لوگوں کا ٹھکانہ مشرقی یمن میں تھا۔ معجم قبائل العرب : لرضاء کحالة ٣/١٢٢٥۔

[4] انساب الأشراف ٥/٢٤٠۔

[5] المقالات والفرق ص ٢٠۔

''بے شک عبداللہ بن سباء سبئیہ کی ان کے اقوال میں مدد کرتا تھا۔ یہ اصل میں یہ اہل حیرہ کا یہودی تھا۔ پھر اس نے اسلام کا اظہار کیا۔'' ❶

ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ابن سبأ رومی تھا۔ وہ کہتے ہیں:

''اور اس کی اصل رومی تھی۔ پھر اس نے اسلام کا اظہار کیا؛ اور کئی ایک قولی اور فعلی بدعات ایجاد کیں، اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے۔'' ❷

جب کہ علامہ طبری اور ابن عساکر کا کہنا ہے:

''ابن سباء اہل صنعاء کا یہودی تھا میں سے تھا۔'' ❸

اور ابن عساکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابن سباء جس کی طرف سبائی تحریک منسوب کی جاتی ہے؛ یہ اہل یمن کے غالی قسم کے شیعوں میں سے تھا۔'' ❹

اور میری نظر میں زیادہ راجح رائے یہ ہے کہ ابن سباء اہل یمن میں سے تھا۔ اس لیے کہ بہت سارے علماء اس کا علاقہ یمن ہی کو قرار دیتے ہیں۔ اگر ہم ان سابقہ اقوال میں غور کریں گے تو پتہ چلے گا کہ اس قول میں اور ابن سبأ کے قبیلہ حمیر کی طرف؛ اور دوسرے قول میں قبیلہ ہمدان کی منسوب ہونے میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں یمنی قبیلے ہیں۔ اور ابن سبأ کے یمنی ہونے میں خطیب بغدادی کے علاوہ کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ انہوں نے اسے حیرہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور ان کیساتھ ابن کثیر نے اختلاف کرتے ہوئے اسے روم کی طرف منسوب کیا ہے۔

خطیب بغدادی کو ابن سوداء اور ابن سباء میں مغالطہ ہوگیا ہے۔ وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ دو شخص ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ''اور شعبی نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سوداء سبائیت کی مدد کرتا تھا؛ - پھر وہ اس کے بارے میں اور اس کے حضرت علی کے بارے میں مقالات نقل کرتے ہیں۔ - یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں: ''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابن سبأ کے قتل سے اور ابن سوداء کے قتل سے فتنہ کا خوف محسوس ہوا جس کا اندیشہ

❶ الفرق بین الفرق ص ۳۲۵۔ ❷ البدایة و النهایة ۷/ ۱۹۰۔
❸ تاریخ الطبری ٤/ ۳٤۰۔
❹ تاریخ مدینه دمشق ص ۱٦٥۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو تھا؛ توانہوں نے ان دونوں کو مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا۔ وہاں پر لوگ ان دونوں کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہوئے۔ [1]

اور جس نے یہ کہا ہے کہ عبداللہ بن سوداء اہل حیرہ میں سے تھا؛ انہوں نے ابن سباء کا ذکر ہی نہیں چھیڑا۔ اس لیے ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ ہم دوٹوک طور پر کہہ سکیں کہ بغدادی نے اس مشہور ابن سباء کو جس کا تذکرہ ''فِرق'' کی کتابوں میں ملتا ہے، اور جو سبائیت کا مؤسس ہے، اسے حیرہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ شاید کہ ان کا کسی اور شخص کا قصد ہو۔ جو چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کا قصد عبداللہ بن سباء کے علاوہ کوئی شخص تھا، وہ یہ ہے کہ: وہ عبداللہ بن سوداء کے متعلق لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ''(وہ سبائیت کی ان کے اقوال پر مدد کرتا تھا)''۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہوئی کہ یہ ابن سبأ سبائیت کے موجد کے علاوہ کوئی اور ہے۔

رہا مسئلہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا؛ ہمارے علم کے مطابق علماء میں سے کسی ایک نے بھی ابن سباء کو روم کی طرف منسوب کرنے میں ابن کثیر کی موافقت نہیں کی۔ لہذا یہ قول ان باقی اقوال کا معارض نہیں ہوسکتا جو تاریخ اور فرق کی باتوں مشہور قول نقل کیا گیا ہے کہ ابن سبأ یمنی الاصل تھا۔ [2]

تو اس بنا پر یہ بات راجح ہوتی ہے کہ ابن سباء یمن سے تھا۔ اگر چہ میں دوٹوک الفاظ میں اس کے قبیلہ کا تعین نہیں کرسکتا؛ اس لیے کہ اس کے قبیلہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ اور ان پر شافی دلائل میسر نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

مؤرخین اور ''فرقوں پر لکھنے والے'' مقالات نگاروں نے ابن سباء اس کے باپ کی طرف منسوب ہونے میں بھی اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے بعض ابن سباء کو (حرب) کی طرف منسوب کرتے ہیں، جیسا کہ جاحظ کا قول ہے۔ اس نے زحر بن قیس سے نقل کیا ہے؛ وہ کہتا ہے: ''میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مارنے کے بعد مدائن گیا، وہاں میری ملاقات ابن سوداء سے ہوئی؛ یہی ابن حرب ہے۔'' [3]

---

[1] الفرق بین الفرق ص ۲۳۵۔

[2] البدایہ والنہایہ کے بعض نسخوں میں ''رومیاً'' کے بجائے ''ذمیاً'' کا لفظ آیا ہے۔ دیکھو: البدایہ والنہایہ طبع دوم (۱۷۳/۷) یقیناً اصل میں یہ کلمہ ''ذمیاً'' ہی ہے؛ اور نسخ کرنے والے کی غلطی سے ''رومیاً'' ہوگیا ہے۔ ابن سبأ کے ذمی ہونے میں کسی کو شک نہیں ہے۔ اس طرح ابن کثیر کے حوالے سے پیدا ہونے والا اعتراض خود بخود ختم ہوگیا۔

[3] البیان والتبیین ۸۱/۳۔

جب کہ اکثر اہل علم ابن سباء کو اس کے باپ "سباء" کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وہ اسے عبد اللہ بن سباء ہی کہتے ہیں۔ ان میں سے: ابن قتیبہ ❶؛ طبری ❷؛ ابوالحسن الأشعری ❸؛ شہرستانی ❹؛ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ❺؛ اور شیعہ میں سے: الناشیء الاکبر ❻؛ اشعری قمی ❼؛ اور نوبختی ❽؛ شامل ہیں۔

جب ابن سباء کا ماں کی طرف سے نسب؛ وہ حبشن ماں سے تھا۔ ❾

اسی لیے بعض علماء اسے ابن سوداء بھی کہتے ہیں۔ جیسے جاحظ نے البیان والتبیین ۲/ ۸ میں لکھا ہے۔ اور طبری نے تاریخ میں ۴/۳۴۰ پر؛ اور ذہبی نے تاریخ اسلام میں ۲/۱۲۲ پر؛ اور مقریزی نے اپنی مخطط میں ۲/ ۳۵۶ پر لکھا ہے۔

ابن سباء کے ماں کی طرف منسوب ہونے نے بعض علماء کے ہاں کئی اشکالات پیدا کیے۔ انہوں نے گمان کیا کہ ابن سوداء ابن سباء کے علاوہ کوئی اور دوسرا ہے۔ جیسا کہ بغدادی کے بارے میں ابھی گزر چکا ہے۔ ایسا ہی اشکال اسفرائینی کے لیے بھی پیدا ہوا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ابن سوداء نے ابن سباء کی وفات کے بعد اس کے اقوال کی موافقت کی۔" ❿

ابن سبا کے تعین میں اختلاف

ابن سباء کی نسبت میں علماء کرام کے درمیان اختلاف ہونا کوئی غریب معاملہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ عبد اللہ بن سباء نے اپنی اصلیت کو اپنے معاصرین پر مکمل طور پر چھپا کر رکھا تھا۔ نہ ہی اس کے نام کا پتہ چلتا تھا اور نہ ہی شہر کا۔ اس لیے کہ وہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہوا؛ اسلام کا نام استعمال کرنا تو صرف ایک مکارانہ چال تھی۔ تا کہ وہ مسلمانوں کو اپنی سازشوں کا شکار کر سکے۔

یہی وجہ ہے کہ بصرہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر عبد اللہ بن عامر نے جب اس سے پوچھا تم کون

---

❶ دیکھو: المعارف ص ٦٢٢۔
❷ دیکھو: تاریخ الطبری : ٤/ ٣٤٠۔
❸ دیکھو: مقالات الاسلاميين ١/ ٨٦۔
❹ دیکھو: الملل والنحل ١/١٧٤۔
❺ دیکھو: مجموع الفتاوى ٢٨/٤٨٣۔
❻ دیکھو: مذاهب الاسلاميين ٢/٤٣۔
❼ دیکھو: المقالات والفرق ص ٢٠۔
❽ دیکھو: فرق الشيعه ص ٢٢۔
❾ دیکھو: حبيب البغدادى المحبر ص ٣٠٨۔
❿ التبصره فى الدين ص ١٢٤۔

ہو؟ تو وہ کہنے لگا: ''بے شک وہ اہل کتاب کا ایک آدمی ہے؛ جو اسلام قبول کرنے میں اور آپ کا پڑوسی بن کر رہنے میں رغبت رکھتا ہے۔'' ❶

میری رائے کے مطابق یہ مکمل طور پر اسرار میں جو ابن سباء نے اپنے نفس کے اختیار کر لیا تھا، یہی ایک بہت بڑا سبب ہے کہ تاریخ نگار اور محقق علماء کرام میں اس کی نسبت میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ اور یہ بھی کوئی مستبعد بات نہیں ہے کہ ابن سباء نے وہ تمام نام استعمال کیے ہوں جو مؤرخین نے ذکر کیے ہیں۔ بلکہ اس نے اپنے ان جرائم کو پردہ میں رکھنے کے لیے بعض دوسرے نام بھی استعمال کیے ہوں گے؛ جو اس نے اسلامی ریاست میں اپنی مکاریوں سے انجام دیے تھے۔

ابن سبا اور مسلمانوں میں اس کا خروج:

تاریخ الطبری؛ ابن اثیر اور ان کے علاوہ دوسری کتب تاریخ میں ہے:

''ابن سباء اہل صنعاء کا یہودی تھا۔ اس نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام قبول کیا۔ پھر وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے ارادہ سے مختلف شہروں میں گھومنے لگا۔ اس حجاز سے اپنا سفر شروع کیا؛ پھر بصرہ گیا، وہاں سے کوفہ گیا؛ پھر شام گیا۔ لیکن وہ کوئی فتنہ بپا کرنے پر قادر نہ ہوسکا۔ پھر وہ مصر گیا، اور وہاں اپنا ٹھکانہ بنالیا۔ اور اہل مصر کے لیے اس نے وصیت اور رجعت کے عقیدے گھڑے۔ مصریوں نے اس سے یہ عقیدے قبول کیے۔ اور وہاں پر اس کے لیے وہ مددگار لوگ پیدا ہوگئے جنہیں اس نے اپنی فاسد آراء سے گمراہ کیا تھا۔ ❷

ابن سباء کی خبریں اور جو کچھ بدعات اس نے دین میں پیدا کیں، اور لوگوں میں اپنی فاسد آراء پھیلائیں؛ جن سے اس نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا؛ کتب تاریخ اور فرق میں اہل سنت اور رافضی علماء نے نقل کی ہیں۔ یہ موقع ابن سباء کے پھیلائے ہوئے عقائد بیان کرنے کا نہیں، وہ مکمل تفصیل آگے آرہی ہے؛ إن شاء اللہ- ابھی ہم اسے مؤخر کررہے ہیں۔

یہاں پر صرف ایک نص ابن سباء کے وجود اور مسلمانوں میں اس کے یہ فاسد عقائد پھیلانے میں اس کے کردار کے متعلق پیش کی جارہی ہے۔ یہ نص بھی ہم رافضی علماء کی کتابوں سے ہی پیش کریں گے۔

---

❶ تاریخ طبری ٤/٣٢٦-٣٢٧۔

❷ دیکھو: تاریخ الطبری ٤/٣٤٠؛ والکامل فی التاریخ ٣/٧٧؛ البدایہ والنهایه ٧/١٦٧ ۔

تا کہ ابن سباء کے وجود کی شہرت کا علم اہل سنت اور رافضی -دونوں طبقہ کے- علماء کی کتابوں سے ہو جائے۔

تیسری صدی ہجری کا مشہور رافضی عالم نوبختی کہتا ہے:

''علی علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے علماء کی ایک جماعت نے حکایت نقل کی ہے کہ:''ابن سباء یہودی تھا، اس نے اسلام قبول کیا، اور علی علیہ السلام سے دوستی (ولایت علی) کر لی۔ جب وہ یہودی تھا تو یوشع بن نون [علیہ السلام] کے متعلق کہا کرتا؛ کہ موسیٰ کے بعد انہی کی طرح [نبی] ہیں۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی علیہ السلام [رضی اللہ عنہ] کی امامت فرض ہونے کے متعلق قول گھڑ کر مشہور کیا۔ اور ان کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کیا۔ اور ان کے مخالفین کا پردہ چاک کیا۔ بس یہیں سے شیعہ مخالفین نے کہا ہے کہ:''رافضیت کی اصل یہودیت سے مأخوذ ہے۔'' [1]

ابن سباء کے وجود کے منکرین:

بعض معاصر شیعہ؛ اور بعض اہل سنت کی طرف نسبت رکھنے والے نئے لکھاری؛ اور مستشرقین کا ایک گروہ ابن سباء کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔

مؤرخین اور اصحاب مقالات؛ اور ان کے علاوہ دیگر محققین نے جو کچھ اخبار اور روایات میں ابن سباء اور اسلامی ریاست کے ابتدائی دور میں اس کے تاریخی کردار اور فرقہ سبائیت کی ایجاد میں اس کے کردار کے متعلق لکھا ہے؛ یہ فقط مختلف قسم کی روایات اور خبریں ہیں، جنہیں شیعہ دشمنوں نے گھڑ لیا ہے۔ تا کہ وہ ان کی کردار کشی کر سکیں، اور ان کے مذہب کو یہودیت کی طرف منسوب کر سکیں۔ ان کا خیال ہے کہ ابن سباء فقط ایک افسانوی [تصوراتی] شخصیت ہے۔ جس کا کوئی تاریخی وجود نہیں ہے۔ آنے والے صفحات میں چندان مقالہ نگاروں، اور کالم نویس لوگوں کا بیان ہوگا جو ابن سباء کے وجود کے منکر ہیں۔

اولاً:......شیعہ میں ابن سباء کے وجود کے منکرین

ا۔محمد حسین کاشف الغطاء:

عراقی شیعہ عالم محمد حسین کاشف الغطاء ابن سباء کے وجود کے انکار کی طرف میلان رکھتا ہے۔ اس کی

[1] فرق الشیعة ص ۲۲۔

رائے یہ ہے کہ عبداللہ بن سباء صرف ایک خرافات ہے، جو قصہ گوؤں نے اموی اور عباسی دور میں گھڑ لیا۔ لیکن عجیب وغریب معاملہ یہ ہے کہ یہ بات اس نے اس اعتراف کے بعد کہی ہے کہ: ''قدیم شیعہ کتابوں نے ابن سبأ کے حالات زندگی بیان کیے ہیں، اور وہ اس پر لعنت کرتی ہیں۔''

وہ کہتا ہے: ''رہا عبداللہ ابن سباء جسے شیعہ کے ساتھ چپکایا جاتا ہے، یا شیعہ اس کے ساتھ چپکائے جاتے ہیں، یہ تمام کتب شیعہ اس پر اپنی طرف سے لعنت کرتی ہیں، اور اس سے برأت کا اظہار کرتی ہیں۔ اور سب سے ہلکا کلمہ جو شیعہ کتب اس کے بارے میں کہتی ہیں، اور اس کے حالاتِ زندگی بیان کرتے ہوئے اس پر اکتفاء کیا جاتا ہے، اس کا نام لیتے ہوئے ایسے کہا جاتا ہے: ''عبداللہ بن سبأ کا نام لینے کے بجائے میں اس پر لعنت کرتا ہوں۔'' دیکھیے ''رجال ابوعلی وغیرہ۔'' اس بنیاد پر یہ بات کچھ بعید نہیں ہے کہ قائل کی رائے یہ ہو کہ عبداللہ بن سبأ اور اس جیسے لوگ؛ خرافات باتیں ہیں، جنہیں قصہ گو، اور رات کو مجلس لگانے والے لوگوں نے گھڑ لیا ہے۔ کیونکہ عباسی اور اموی دور میں عیاشی اور نعمت کوشی اپنے عروج پر تھیں؛ اور جب بھی عیش پرستی بڑھ جاتی ہے؛ اور لہو ولعب کے اسباب متوفر ہوتے ہیں، تو باتیں گھڑنے اور ان کو رواج دینے کے لیے میدان کھل جاتے ہیں۔ [1]

۲۔ مرتضیٰ عسکری:

شیعہ میں سب سے زیادہ عبداللہ بن سباء کے بارے میں سب سے زیادہ جوش و جذبہ اور حمیت رکھنے والا یہی شخص ہے۔ اس کا خیال ہے کہ عبداللہ بن سبأ ایک کہانی ہے جسے سیف بن عمر نے گھڑ لیا، اور وہیں سے طبری نے اخذ کیا ہے۔

اور اس نے عبداللہ بن سباء کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھی، اور اس کا نام رکھا: ((عبداللہ بن سبأ وأساطیر أخری))۔ [[عبداللہ بن سباء اور دوسری کہانیاں]]۔ اس کتاب کی دو جلدیں ہیں۔ پہلی جلد کے ۳۴۰ صفحے ہیں، اور دوسری جلد کے ۴۲۶ صفحات ہیں، درمیانی حجم کے۔

وہ پہلی جلد میں عبداللہ بن سباء کے متعلق بیان کرتا ہے کہ یہ ایک گھڑی ہوئی کہانی ہے۔ پھر وہ اپنے گمان کے مطابق اس کہانی کے گھڑے جانے کی حقیقت بیان کرتا ہے۔

اس نے بعض نئے مسلمان اور مستشرق کاتبین سے عبداللہ بن سبأ کے متعلق نقل کرتے ہوئے قصہ لکھا

---

[1] اصل الشيعة و أصولها ص ٤٠-٤١۔

ہے۔اور یہ گمان کیا ہے کہ ان تمام نے یہ کہانی طبری سے نقل کی ہے،خواہ انہوں نے اس کی صراحت کی ہے یا نہیں۔اور کہا ہے کہ طبری نے یہ کہانی سیف بن عمر سے لی ہے۔اسے عسکری ان لوگوں میں شمار کرتا ہے جنھوں نے یہ کہانی گھڑی ہے۔

پھر وہ اس جزء میں بیان کرتا ہے:''سیف بن عمر کی کتب اور اس کی احادیث کی قیمت کے بارے میں۔'' اور اس بحث کا خلاصہ یہ پیش کیا ہے کہ سیف بن عمر کی روایات نا قابل قبول ہیں۔اور یہ کہ سیف بن عمر نے بہت ساری وہ روایات گھڑی ہیں جو اس سے تاریخ اسلامی کے اہم مصادر میں نقل کی گئی ہیں۔اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے میں اس کا بہت بڑا اثر تھا۔پھر بعض ان تاریخی واقعات کو بطور شہادت کے پیش کرتا ہے جن کے بارے میں اس کا گمان یہ ہے سیف نے ان کے بہت سارے حقائق میں تحریف کرتے ہوئے انہیں بدل ڈالا ہے۔ان واقعات میں سے''حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی'' اور'' مرتدین کے ساتھ جنگیں'' اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل'' اور''جنگ جمل'' کے واقعات ہیں۔یہ جلد ان چودہ تاریخی واقعات کے بیان پر ختم ہوتی ہے جن کے بارے میں عسکری کا گمان ہے کہ انہیں سیف بن عمر تبدیل کیا ہے،اور حقائق کو مسخ کیا ہے۔

جب کہ دوسری جلد:......اس جلد میں سیف بن عمر پر مزید تہمتیں رکھتے ہوئے چلّا تا ہے۔اور ان دو اسباب و وجوہات کا ذکر کرتا ہے جن کی وجہ سے سیف بن عمر نے بہت سارے واقعات گھڑے ہیں۔[وہ دوسبب یہ ہیں]:

پہلا سبب:......قبائلی تعصب اور عدنانیوں کی بزرگ و برتری سمجھنا۔ان کی نشر واشاعت،پھر وہ یمنی قحطانیوں کی ان کیساتھ چپقلش ذکر کرتا ہے اور ان کے عیب بیان کرتا ہے۔

دوسرا سبب:......اس کی زندیقیت نے اسے تاریخ اسلامی میں تشویش بر پا کرنے اور اس کے حقائق مسخ کرنے پر برانگیختہ کیا۔اس لیے اس نے بہت سارے ناموں کو خلط ملط کر دیا،اور ان کے واقعات واخبار بدل دیے؛ ان تاریخی حادثات کی تاریخیں اور سال بدل دیے۔اسی نے کہانیاں گھڑیں،حقائق کو بدلا؛اور بہت ساری خرافات کو مسلمانوں کے عقائد میں داخل کر دیا۔

پھر اس نے ایک خاص''فصل''ان شیعہ اور سنی محدثین کے بارے میں لکھی ہے جو عبداللہ بن سبأ کا ذکر کرتے ہیں۔اور اس فصل کا نام رکھا ہے:''عبداللہ بن سبأ فی کتاب أہل الحدیث۔''

''عبداللہ بن سبأ اہل حدیث کی کتابوں میں۔''

اس فصل کو شیعہ کتب میں آنے والی روایات سے شروع کرتے ہوئے وہ پانچ روایات سند کیساتھ ذکر کی ہیں جو کہ معروف کتاب: ''معرفۃ اخبار الرجال'' جو کہ ''رجال الکشی'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے؛ میں موجود ہیں۔ پھر ان روایات پر رد کیا ہے؛ اور کہا ہے کہ یہ اخبار سیف بن عمر کی روایات سے ہی چنی گئی ہیں۔ اور شیعہ کتب میں یہ روایات موجود ہونے کی علت یہ پیش کی ہے کہ انہوں نے یہ روایات رجال الکشی سے لی ہیں۔ پھر اس کے بعد ''کشی'' پر اور اس کی کتاب پر طعن کیا ہے۔ اور اس کا کہنا یہ ہے کہ ''کشی'' کی کتاب ان کے علماء کے ہاں غیر معتمد ہے۔ یا تو اس کتاب والے کی روایات ساقط (نا قابل اعتبار) ہیں، اور ان میں کثرت سے غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔'' [1]

پھر اس نے اہل سنت کی کتابوں میں موجود عبداللہ بن سبأ کے متعلق روایات ذکر کی ہیں، اور پھر انہیں صرف کمزور ہی نہیں کہا بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ یہ جھوٹ ہیں۔ بلکہ اہلِ سنت کے آئمہ حدیث کا اس بات پر ٹھٹھہ اڑانے لگا کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں ایسی روایات نقل کی ہیں

پھر عسکری نے اس طرح کی ایک اور فصل قائم کی ہے؛ جس میں اس نے ''فِرق'' اور مقالات نگاروں سے ابن سبأ ء کے متعلق روایات نقل کی ہیں؛ اس فصل کا نام رکھا ہے:" عبـد الله بن سبأ في كتب المقالات۔ "

جیسے اس نے کتب احادیث میں ابن سبأ کے متعلق وارد ہونے والی روایات کو جھٹلایا تھا؛ ایسے ہی ''فرق اور مقالات'' کی کتابوں میں وارد ہونے والی روایات کو جھٹلانے میں جھجھک یا شرم محسوس نہیں کی۔

پھر اس کے بعد ایک فصل قائم کی ہے (حـقيـقة ابن سبأو السبئية) [ابن سباء اور سبائیت کی حقیقت]

اس میں عسکری ابن سباء کے وجود کا ہی انکار کرتا ہے۔ یہی اس کتاب کے لکھے جانے کا اصل ہدف ہے۔ وہ کہتا ہے: سبائیت کو سباء بن یشجب، یمنی قبائل کی اولاد کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے یہ نام دیا جاتا ہے۔ صحاح میں حدیث کے راویوں کی بہت بڑی تعداد کو یہ لقب ملا، اور وہ اسی لقب سے بلاد مغرب

[1] "رجال الكشی" کو باقی جن شیعہ علماء نے ثقہ کہا اور معتمد علیہ مانا ہے' اس کے بارے میں آخر میں "ملحق بتوثيق مصادر الرافضه" ایک خاص باب ہے' وہاں دیکھ لیں۔

اور یمن میں تیسری صدی ہجری کے وسط تک مشہور ہوئے۔

پھر بڑھتے بڑھتے یہ ایک طعنہ بن گیا، جس سے بعض شیعانِ علی؛ اور مختار کے ان ساتھیوں پر طعن کیا جاتا جو اس سبائیت کے قبیلہ سے تھے۔ پھر ان قبائل سے شیعانِ علی پر اس نام کا اطلاق کیا جانے لگا۔ پھر سیف بن عمر سبائیت کی کہانی گھڑ لی، اور وہاں سے طبری نے اس روایت کو لیا۔ اور طبری سے باقی مؤرخین نے لیا۔

پھر یہ کہانی لوگوں کی زبان پر چڑھ گئی اور عام ہوتی گئی۔اور لوگوں کی زبانوں سے " الـمـلـل و النحل " اور ''مقالات'' پر لکھنے والوں نے یہ روایات لے لیں۔

آخر کار سبائیت ایک مذہبی فرقہ کی حیثیت سے مشہور ہوگئی؛ اور قبائل سباء کی طرف اس کے منسوب ہونے کو بھلا دیا گیا۔ جب کہ ابن سباء تو عبد اللہ بن وہب سبئی نہروان میں خوارج کا سردار ہے۔ اور ابن سوداء ایک مذاق ہے، یہ اس کا ٹھٹھہ اڑایا جاتا ہے جس کی ماں کالی ہو۔

ان کہانیوں کا جال؛ جن کا ابھی روایات میں ذکر گزرا؛ تین ناموں سے بنتا ہے:

۱۔ عبداللہ بن سبأ۔

۲۔ عبداللہ بن سوداء۔

۳۔ السبیئة والسبائیة (سبیئت اور سبائیت)۔

۳۔ محمد جواد مغنیہ:

یہ ان معاصر شیعہ علماء اور لوگوں میں سے ہے جو ابن سباء کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ محمد جواج مغنیہ نے عسکری کی کتاب ''عبداللہ بن سبأ وأساطیر أخری'' کا مقدمہ لکھا ہے۔ اس مقدمہ میں اس نے عبد اللہ بن سباء کے متعلق اپنے موقف کا اظہار کیا ہے۔ اس کی رائے یہ ہے کہ ابن سباء ایک افسانوی اور خیالی شخصیت ہے جسے سیف بن عمر نے کردار کے طور پر گھڑا ہے۔ وہ کہتا ہے: ''اس سیف نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایسے صحابہ گھڑ لیے تھے جن کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اور ایسے اس نے اپنی طرف کچھ تابعین اور ان کے دوسرے لوگ ایجاد کر لیے تھے۔ ایسے نے ان کی زبانی جھوٹی احادیث اور اخبار گھڑنی شروع کیں۔ ان ہی میں سے ایک نامور کردار جس کی شخصیت کو بھی گھڑا، اور نام کو بھی اور اس کے کردار بھی گھڑے اور ان کو آپس میں جوڑا؛ وہ کردار ہے افسانوی شخصیت ''عبداللہ بن سباء'' کا۔ اسی پر ہر اس شخص

نے جس نے شیعہ کی طرف نسبت کی ؛ جنہیں حقیقت کا کوئی علم نہیں ہے۔ وہ اس کے بارے میں جہالت و غلطی ؛ منافقت اور بہتان تراشی سے کلام کرنے لگے۔ ❶

۴-۵: ڈاکٹر علی الوردی اور ڈاکٹر کامل مصطفیٰ شیبی :

یہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے عبداللہ بن سباء کے وجود کا انکار کیا ہے۔ ڈاکٹر علی الوردی نے اپنی کتاب " وعاظ السلاطین " میں یہ انکار کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نظریات سے ڈاکٹر کامل شیبی بھی اپنی کتاب "الصلة بين التصوف والتشيع "میں متأثر نظر آتے ہیں۔

وردی کہتا ہے :

'' مجھے رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ ابن سباء کی کہانی میں اول سے آخر تک بڑے مضبوط ربط ، دل کش تصویر پیش کی گئی ہے۔'' ❷

وردی اور اس کی اتباع میں شیبی ان دونوں نے کوشش کی ہے کہ ابن سباء اصل میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی یہ ناکام کوشش اصل میں ابن سبأ کی شخصیت میں علت پیدا کرنے کے لیے کی گئی ہے، جس کا ذکر تاریخی اور فرق کے مصادر میں آیا ہے۔ اور یہ دونوں اس کے وجود کا انکار کر رہے ہیں۔

شیبی کہتا ہے :

'' ڈاکٹر علی وردی کے پاس وہ دلائل موجود ہیں کہ یہ دونوں آدمی (عمار بن یاسر اور عبداللہ بن سباء) ایک ہی شخص ہیں، ان دلائل میں سے :

۱۔ ابن سباء کو ابن سوداء کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ کیسے عمار کی کنیت بھی ابن سوداء تھی۔

۲۔ وہ یمانی باپ سے تھا۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ سباء کی اولاد میں سے تھا۔ پس ہر یمانی کو ابن سباء کہنا درست ہوا۔

۳۔ اور اس کے علاوہ عمار حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت ہی محبت کرتے تھے۔ اور ان کے لیے دعاء کرتے رہتے ؛ اور جگہ پر لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی دعوت دیتے۔

---

❶ مقدمه " عبدالله بن سبأ و أساطير أخرى" بقلم : محمد جواد مغنيه ۱/ ۱۲۔

❷ وعاظ السلاطين ص ۲۷۳ نقلاً عن سليمان العودة : عبد الله بن سبأ ص ۹۰۔

۴۔ عمار بن یاسر حضرت عثمان -رضی اللہ عنہما- کے دور میں مصر گئے ؛ اور لوگوں کو ابھارنے لگے ...... یہ خبر ابن سباء کے بارے میں اس مشہور خبر کے مشابہ ہے کہ اس نے مصر کو اپنا ٹھکانہ بنایا: اور اپنی دعوت کا مرکز'' فسطاط'' -ایک علاقہ کا نام ہے-کو بنایا ؛ اور وہاں سے اپنے انصار کے ساتھ مراسلت شروع کی۔ ❶

ان کے علاوہ اور بھی ایسی خرافات ہیں جن سے ہم ورق کالا نہیں کرنا چاہتے۔ اتنا ہی کافی ہے۔

٦۔عبداللہ بن الفیاض:

عبداللہ بن سباء کے وجود کے منکرین کے ساتھ عبداللہ بن فیاض بھی شریک ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ: کیا ابن سباء واقعی حقیقت میں موجود تھا؟ یا کہ اس کی شخصیت ایک خیالی تصور ہے۔ پھر وہ خود ہی جواب دیتا ہے، اور کہتا ہے: ''یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ابن سباء حقیقت سے زیادہ تصور کے قریب ہے۔ اور اگر فرض کیجیے کہ اس کا کوئی کردار تھا؛ تو اس کے کردار میں دینی اور سیاسی اسباب کی وجہ سے بہت زیادہ مبالغہ کیا گیا ہے۔

ثانیاً:...... غیر شیعہ نئے اہل قلم میں وجودِ ابن سباء کے منکرین

ا۔طہ حسین:

طہ حسین ان نئے اہل قلم میں سر فہرست ہے جو ابن سباء کے وجود میں شک ہی نہیں کرتے، بلکہ سرے سے اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ طہ اپنی کتاب ''الفتنۃ الکبری'' میں کہتا ہے:

'' مجھے اس بات کا شدت سے خیال آتا ہے کہ جو لوگ ابن سباء کے معاملے کو اس حد تک بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں، وہ اپنے نفس پر تاریخ پر بہت بڑا ظلم کرتے ہیں۔ سب سے پہلی چیز جو ہم محسوس کرتے ہیں کہ وہ اہم تاریخی مصادر جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ بیان کرتے ہیں، ان میں ابن سباء کا کوئی ذکر ہی نہیں ملتا۔'' ❷

طہ حسین اپنی کتاب ''علی و بنوہ'' -علی اور اس کے بیٹے - میں کھل کر ابن سباء کے وجود کا انکار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

---

❶ د/کامل الشیبی : الصلة بين التصوف و بين الشيعه ص ٩٥۔

❷ الفتنة الكبرى ص ١٢٣۔

''سب سے کم جو چیز اس پر دلالت کرتی ہے، وہ مؤرخین کا جنگ صفین میں ''سبیئہ'' اور عبداللہ بن سوداء کے ذکر سے اعراض کرنا ہے۔ یہ کہ سبائیت اور اس کا موجد عبداللہ بن سوداء بے شک یہ بہ تکلف گھڑے ہوئے ہیں۔ انہیں بعد کے دور میں اس وقت گھڑا گیا جب شیعہ اور دوسرے مسلمان فرقوں کے درمیان جھگڑے چل رہے تھے۔ شیعہ مخالف دوسروں فرقوں کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس طرح اس مذہب کی بنیادوں میں یہودی عنصر داخل کر دیں؛ تاکہ ان کے خلاف سازش کرنا اوران پر تنقید کرنا مؤثر ہوجائے۔'' ❶

۲۔ڈاکٹر علی النشار:

وجودِ ابن سباء کے انکار کرنے میں اور اسے وہمی شخصیت قرار دینے میں طہ حسین کے بعد ڈاکٹر علی النشار کا نمبر آتا ہے۔

تاریخی مصادر اور شیعہ وسنی محققین کی تحریروں سے نقول جمع کرنے کے بعد کہتا ہے:

''اس بات کا احتمال ہے کہ عبداللہ بن سباء کی شخصیت ایک گھڑی ہوئی شخصیت ہو، یا ابن یاسر کی شخصیت کا رمز ہو۔ ...... اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ عبداللہ بن سباء فقط عمار بن یاسر کے نام سے پھوٹی ہوئی [تصوراتی] شخصیت ہو۔'' ❷

اور ایسے ہی کہتا ہے: ''یہ اس سے بھی باریک معنی میں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ: ''بے شک یہ بات ہی راجح ہوسکتی ہے کہ عبداللہ بن سباء عمار بن یاسر ہی ہو۔ اور یہ بھی راجح ہے کہ نواصب نے عمار بن یاسر پر وہ تمام آراء گھڑ لیں، جنہیں وہ جانتے بھی نہیں تھے۔ اور نہ ہی انہوں نے ہرگز یہ کہا ہے۔'' ❸

اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ نشار کہ منہ سے یہ باتیں نکلیں، اس لیے کہ وہ شیعہ-قلم کار- ڈاکٹر وردی سے-جس نے سب سے پہلے ابن سباء کے وجود کا انکار کیا؛ اور یہ دعوی کیا کہ ابن سباء عمار بن یاسر ہی ہے-بہت ہی زیادہ متأثر ہے۔

یہ نشار ہے، جو علی وردی اور اس کے افکار پر اپنے تعجب کا اظہار کر رہا ہے، وہ کہتا ہے:

---

❶ علی وبنوه ص ۹۰۔

❷ نشأة الفكر الفلسفي في الإسلام ۲/۳۹۔

❸ نشأة الفكر الفلسفي في الإسلام ۲/۳۹۔

''مگر معاصر بڑا شیعہ کاتب استاذ ڈاکٹر علی الوردی ہمارے لیے عبد اللہ بن سباء کے قصہ کی ایک نادر اور محققانہ تحلیل پیش کرتے ہیں۔'' ❶

۳۔ڈاکٹر حامد حفنی داؤد:

جن شیعہ اہل قلم نے عبد اللہ بن سباء کی شخصیت کا انکار کیا ہے، ان کی تحریروں سے متأثر ہونے والوں میں سے ایک ڈاکٹر حامد حفنی داؤد بھی ہے۔ اس نے کتاب ''عبد اللہ بن سباء و أساطیر أخری'' کے مصری طبع کا مقدمہ لکھا ہے۔ جس میں اس نے اس کتاب اور اس کے مؤلف پر اپنے تعجب کا اظہار کیا ہے؛ وہ کہتا ہے:

''اور آخر میں جو بات مجھے خوش کن معلوم ہو رہی ہے۔ میں اس جلیل کتاب پر اور اس کے مصنف علامہ محقق مرتضی عسکری پر اپنے تعجب کا اظہار کروں۔'' ❷

وہ ابن سباء کے بارے میں اپنی رائے واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''شاید کے سب سے بڑی تاریخی غلطی جو ان باحثین سے ہوئی، اور جس معاملہ کی حقیقت ان پر پوشیدہ رہی اور وہ اس کو سمجھ نہ سکے؛ اور نہ ہی اس کا ادراک کر سکے؛ وہ جھوٹی روایات ہیں جو انہوں نے شیعہ علماء پر افتراء باندھ لی ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے جملہ جھوٹی حکایات میں سے ایک قصہ عبد اللہ بن سباء کا بھی گھڑ کر شیعہ پر تھوپ دیا ہے۔'' ❸

ثالثاً:...... مستشرقین میں ابن سباء کے وجود کے منکرین

ا۔جرمن مستشرق: اِسرائیل فرید لینڈر: ❹

اسرائیل فرید لنڈر کا شمار ان پہلے پہل کے مستشرقین میں ہوتا ہے جنہوں نے عبد اللہ بن سباء کے

---

❶ نشأة الفکر الفلسفي في الإسلام ۲/۳۸-۳۹۔

❷ مقدمہ کتاب: "عبد الله بن سباء و أساطير أخرى" بقلم ڈاکٹر حامد حفنی ص ۲۱۔

❸ ایضاً ص ۲۱۔

❹ جرمن مستشرق ہے۔ اس نے فرق اور ادیان کا بڑے اہتمام سے مطالعہ کیا ہے۔ اس کی تألیفات میں سے: "حسن الطالع في الإسلام"؛ "اليهودية"؛ اليهودية في الجزيرةالعربية "- " مذاهب الشيعة "- اور مجلة آشوریہ میں عبد اللہ بن سباء پر ایک تحقیقی مقالہ ہے۔ نجيب العقيقي: المستشرقون ۳/۹۹۵۔

مسئلہ پر پورے اہتمام سے توجہ دی۔ اور مجلۃ آشوریہ ❶ میں عبد اللہ بن سباء پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا۔ جو کہ اسی صفحات سے زیادہ ہے۔ جس میں اس نے اسلامی مصادر سے اپنی تحقیق پیش کی ہے۔ اس نے ابن سباء کا قضیہ پیش کرتے ہوئے ان میں بعض مصادر میں نقل کی جانے والی ابن سباء کے متعلق روایات کی جانچ پڑتال کی ہے۔ ❷

پھر اس نے تعلیق لگاتے ہوئے کہا ہے:

''بے شک یہ قضیہ اپنی وافر تاریخی خبروں کے باوجود یہ روایت آپس میں متناقض ہیں اس طرح سے ان کے درمیان جمع و تطبیق ممکن نہیں۔ یہ بات ملاحظہ کی جاسکتی ہے کہ سب سے پہلے: طبری کی روایات کے مطابق عبد اللہ بن سبا کا عقیدہ سب سے پہلے نبی ﷺ سے متعلق ہے۔ جب کہ شہرستانی اور بغدادی کے مطابق اس کا عقیدہ صرف اکیلے علی بن ابی طالب -رضی اللہ عنہ- سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسے ہی وہ آراء جو ابن سباء کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، ان کا آپس میں بہت سخت اختلاف ہے۔ اور اس کا وہ بڑا سیاسی کردار جو طبری اس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ جب کہ دوسرے دو مصادر نے اس سے پوری طرح غفلت برتی ہے۔ شہرستانی صرف ابن سباء ہی کے بارے میں بیان کرتا ہے؛ جب کہ طبری کہتا ہے: ''ابن سباء ہی ابن سوداء ہے۔ جب کہ بغدادی ان دونوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے: ''یہ دو مختلف شخص ہیں۔''

اور طبری کے مطابق ابن سباء صنعاء سے تعلق رکھتا ہے۔ جب کہ بغدادی کے مطابق وہ ''حمیر'' کا باشندہ ہے۔ ❸

ایسے فرید لینڈر اپنی تحقیق کے آخر میں خلاصہ کے طور پر ابن سباء کے انکار پر ختم کرتا ہے۔ وہ ان اسلامی مصادر کا؛ جن میں ابن سباء کا تذکرہ ملتا ہے؛ تقابلی جائزہ لینے کے بعد کہتا ہے:

''اس لیے کہ بے شک ابن سباء کچھ بھی نہیں ہے، سوائے اس کے کہ سیف کے دل میں کوئی

---

❶ یہ مجلّہ جرمن میں جرمنی زبان میں شائع ہوتا تھا۔ اور فریدلنڈر کا مضمون ابن سباء کے متعلق ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۰ شائع ہوا ہے۔ دیکھو: سلیمان بن حمد العودة کی تحقیق: " عبد الله بن سبأ و أثره في إحداث الفتنة في صدر الإسلام "ص ٦٥۔

❷ سلیمان العودة : عبد الله بن سبأ ؛٦٥۔

❸ مذاهب اسلامیین : بدوی: ۲/۲۱-۲۲۔

معاملہ ہے؛ جس سے وہ صحابہ پر سے فتنہ کے الزام کا خاتمہ چاہتا ہے۔ اور وہ کہنا چاہتا ہے کہ:

بے شک یہ فتنہ یہودیت سے اسلام میں سرائیت کر آیا ہے۔'' ❶

۲۔ اٹلین مستشرق: کایٹانی: (۱۹۲۶ء): ❷

یہ ان مستشرقین میں سے ہے جو سیف بن عمر کی روایات کا انکار کرتے ہیں، اور اس میں تنقید کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے: ''ان روایات کا بودا پن صاف اس کی کئی وجوہات سے ظاہر ہے:

اس نے کہا ہے کہ قدیم اور موثوق مصادر حضرت عثمان رضی اللہ کے دور میں عبداللہ بن سباء کے وجود سے لاعلمی برت رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ:

مدنی درس گاہ، اور شامی اور مصری الاصل روایات حضرت عثمان کے دور میں فتنہ برپا کرنے کو سیاسی؛ اِداری؛ اور اقتصادی رنگ دیتی ہیں بغیر اس کے کہ کوئی دینی بنیاد ذکر کی جائے۔ جیسے کہ یہ بات بھی کایٹانی کے نزدیک مستبعد ہے کہ اس تاریخی دور میں عرب فاتحین کے ہاں اس طرح کا عبداللہ بن سباء کی طرف منسوب یہ دینی اضطراب پیدا ہو۔ بلکہ وہ اسے بالکل محال جانتا ہے۔

عمومی طور پر ابن سباء کے متعلق کایٹانی کے موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ: وہ اس بات کا انکار کرتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ابن سباء کا کوئی ایسا دینی کردار ہو؛ جو سیف بن عمر نے اس کی طرف مسلمانوں کے درمیان فاسد عقائد پھیلانے، اور سبائی فرقہ ایجاد کرنے کے بارے میں منسوب کیا ہے۔ اور یہ بات بعید نہیں ہے کہ وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں کوئی عبداللہ بن سباء نام کا کوئی آدمی ہو، جو سیاسی رنگ کو اچھالنا چاہتا ہو۔ سوائے اس کے کہ اس کی طرف جو دینی کردار منسوب کیا جاتا ہے وہ اصل میں ایک عوامی خیال۔ لوک کہانی۔ سا ہے۔ جس کی تاریخ بنی عباس کے عہد میں ملتی ہے۔ وہ کہتا ہے:

''اس جیسی سازشوں کی صحیح تفسیر یہ ہی کی جاسکتی ہے کہ یہ بنی عباس کے دور میں پیش آنے والا ایک حادثہ ہے۔ لیکن یہ اس دور کے احوال کے برعکس ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انصار علی میں کوئی سیاسی عنصر

---

❶ فرید لیندر: المجلة الآشورية ۱۹۰۹ء؛ ص: ۳۰۵۔ بواسطۂ سلیمان عوده ''عبد الله بن سبأ'' ٦٥۔

❷ اٹلین مستشرق ہے۔ روم میں پیدا ہوا؛ اور وہیں یونیورسٹی سے فراغت پائی۔ اس نے سات زبانیں سیکھیں؛ ان میں فارسی اور عربی بھی ہے۔ کایٹانی اپنی تألیفات کی وجہ سے عربی تاریخ کا سب سے بڑا مستشرق مانا جاتا ہے۔ اس کی کتابوں میں: ''نمو الشخصية الإسلامية'' اور ''انتشار الإسلام و تطور الحضارة'' اور ''حوليات الإسلام'' ہیں۔ دیکھو: نجيب العقيقی: المستشرقون ۱/۳۷۲۔

اس دور میں (۳۶ سے ۴۰ ہجری تک) میں ایسا رہا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بن سباء یا ابن سوداء یکدم ہی ایک لوک کہانی سے دینی عنصر میں بدل گیا ہو۔ اور سبائی آراء پوری صدی ہی پروان چڑھتی رہی ہوں، جیسا کہ ۳۵ سے ۴۰ ہجری تک اس کی تاریخ لوٹتی ہے۔ اس میں کچھ تھوڑی سی ہنگامہ خیز تاریخی سبقت ہونا بھی ممکن ہے۔'' ❶

ان کے علاوہ اور بھی مستشرقین ہیں جو ابن سباء کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ جیسے انگریز مستشرق ''برنارڈ لوئس'' اپنی کتاب: "أصول الإسماعيلية" میں؛ اور اٹیلین مستشرق لیفی ڈیلا فیڈا'' جس نے ابن سباء کے یہودی ہونے کا انکار کیا ہے۔ ❷

ابن سباء کے وجود کے منکرین کے دلائل پر نقد ورد

وجودِ عبداللہ بن سباء کے منکرین کے اقوال نقل کرنے کے بعد ہم نے ان کی وہ دلیلیں بھی پیش کر دیں، جن پر ان کا اعتماد ہے۔ اب ان کے مذہب کے بارے میں یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی دلیلیں قریب قریب بذیل امور میں منحصر ہیں:

اول:...... وہ کہتے ہیں کہ ابن سباء کی اخبار عوام میں طبری کے ذریعہ سے مشہور ہوئی ہیں۔ اور طبری نے سیف بن عمر التیمی سے یہ روایات اخذ کی ہیں۔ بس سیف بن عمر ابن سباء کی تاریخ کا واحد مصدر ہے۔ اور سیف بن عمر جھوٹا ہے۔ جب کہ علماء جرح وتعدیل نے اسے ضعیف کہا ہے۔

دوم:...... ابن سباء کا اصل میں کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ حقیقت میں یہ عمار بن یاسر کی شخصیت کے لیے رمز اختیار کیا گیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کو ابن سوداء کہا جاتا تھا۔

سوم:...... مؤرخین کا جنگ صفین میں ابن سباء کا ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

چہارم:...... حقیقت میں ابن سباء کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایک خیالی/ افسانوی شخصیت ہے؛

---

❶ ماحو ليات الإسلام الجزء الثامن: نقلاً عن عبد الرحمن بدوی: مذاهب الاسلاميين ۲/ ۴۳۔

❷ ان دونوں کے اقوال دیکھنے کے لیے عبدالرحمٰن بدوی کی کتاب: مذاهب الاسلاميين ۲/ ۲۹؛ اور سلیمان عودہ کی عبد الله بن سباء: ص ۶۷-۷۲؛ کا مطالعہ کریں۔

جسے دشمنان شیعہ نے گھڑ لیا ہے۔ جس کا مقصد ان کے دین میں طعن کرنا اور انہیں ایک یہودی کی طرف منسوب کرنا ہے۔

جواب اور ردّ

پہلی دلیل پر رد:

ان کی یہ دلیل دو مقدموں پر مشتمل ہے:

مقدمہ اول:...... یہ کہ طبری ہی وہ مصدر ہے جس سے لوگوں نے ابن سباء کی خبریں نقل کی ہیں۔ اور طبری نے یہ روایات سیف بن عمر سے لی ہیں، جو ابن سباء کی خبروں کا اکیلا مصدر ہے۔

مقدمہ دوم:...... یہ کہ سیف بن عمر ضعیف ہے، علماء جرح وتعدیل نے اسے ضعیف کہا ہے۔

مقدمہ اول پر ردّ:

ان کا یہ کہنا بالکل باطل ہے۔ اس لیے کہ سیف بن عمر سے روایات لینے میں طبری اکیلا نہیں ہے، اس کے ساتھ اور لوگ بھی ہیں جو سیف بن عمر سے روایات نقل کر رہے ہیں۔ -طبری کے علاوہ - باقی لوگوں کی اسناد یہ ہیں:

ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ ہجری) کی طرف سے:

انہوں نے طبری کی سند سے ہٹ کر سیف بن عمر سے ابن سباء اور سبائیت کی روایات نقل کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

((أخبـرنا ابو القاسم السمر قندی أنا أبو الحسين بن ناقور ؛ أنا أبو طاهر الـمـخلص ، نا احمد بن عبد الله بن سيف أنا السري بن يحى أنا شعيب بـن ابـراهيم انا سيف بن عمر عن عبد الله بن المغيرة العبدى ؛ عن رجل مـن عبـد الـقيـس ، قال : " لما رأى ابن سوداء السبابة و ما يطعنون على عليٍّ في سيرته ، قام فقال : إذا كثر الخاطئون ؛ وتمر د الجائرون ؛ و أرادو ا إزالة الـكتـاب عـن الـذنوب من المسلمين فانتهز عناد الحكم الذي قد عرف فضله و علمه فأغمد لسانك ، فلست كمن يتردد في الضلال ؛ هذا

الـخـطيـب السـحسـح من الخطب ؛ ليس لنا من مالهم شيء؛ غلبنا عليه الكتاب ، يعني اصحاب عائشة .)) ❶

محمد بن یحیی مالقی (متوفی ۷۴۱ہجری) کی طرف سے:

انہوں نے اپنی کتاب " التمهيد والبيان في مقتل عثمان بن عفان " کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے: بے شک یہ واقع خود سیف بن عمر کی تالیف کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

'' یہ کتاب اس میں میں امام شہید کے قتل کا واقع نقل کرتا ہوں.....'' میں وہ واقعات ذکر کرتا ہوں جن کو علماء اور مؤرخین نے اپنی کتابوں اور تاریخ میں لکھا ہے؛ جیسے کہ......؛ اور "کتاب الفتوح " سیف بن عمر تمیمی کی۔'' ❷

سو مالقی تو کہہ رہا ہے کہ وہ برراہ راست سیف بن عمر کی کتاب سے روایت کو اخذ کر رہے ہیں۔ اور اس کتاب کی روایات میں سے عبداللہ بن سباء کے بارے میں یہ بھی ہے:

''اور سن ۳۳ ہجری میں ایک جماعت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سرگرم ہوگئی ......۔'' وہ ایک جماعت تھے۔ جن میں مالک بن اشتر، اُسود بن یزید؛ عبد اللہ بن سباء المعروف ابن سوداء ہے۔'' ❸

امام ذہبی (متوفی ۷۴۸ہجری) کی سند سے:

امام ذہبی نے اپنی کتاب (تاریخ اسلام) میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے ابن سباء کے بارے میں حدیث ذکر کی ہے؛ جسے وہ سیف بن عمر سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:'' کہا سیف بن عمر، نے وہ عطیہ سے روایت کرتا ہے وہ یزید الفقعسي سے: - وہ کہتا ہے۔'' جب ابن سوداء مصر کی طرف نکلا تو وہ کنانہ بن بشر کا مہمان بنا۔'' ❹

اور جو چیز ہمارے سامنے بطور دلیل کے آتی ہے، وہ یہ کہ یہ روایت امام ذہبی نے براہ راست سیف

---

❶ تاريخ مدينة دمشق (مخطوط) ورقه ١٦٧ـ

❷ "التمهيد والبيان في مقتل عثمان بن عفان" نقلاً عن مرتضى عسكرى ؛ عبد الله بن سباء و أساطير أخرى ٦٧/١ـ

❸ " التمهيد والبيان في مقتل عثمان بن عفان " نقلاً عن كتاب : " عبد الله بن سباء وأثره في إحداث الفتنة في صدر الإسلام : سليمان عودة ص ٥٦ـ

❹ تاريخ الإسلام ٢/ ١٢٢ - ١٢٣ـ

بن عمر کی کتاب سے لی ہے؛ طبری کی سند سے نہیں ہے، اس کی دو وجوہات ہیں:

اول:...... یہ روایت طبری میں موجود ہی نہیں ہے۔

دوم:...... امام ذہبی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں ان مصادر کا ذکر کیا ہے جن سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''میں نے اس کتاب کی تألیف میں بہت ساری کتابوں اور ان کے موادکو دیکھا، ان میں دلائل نبوت بیہقی کی ......اورسیف بن عمر کی ''الفتوح'' بھی شامل ہیں۔'' ❶

سو یہ تین اسناد ہمارے لیے اس بات کی دلیل ہیں کہ ابن سباء کی روایت سیف بن عمر سے روایت کرنے میں طبری اکیلا نہیں ہے؛ اور نہ ہی وہ ان خبروں کا صرف ایک ہی مصدر ہے۔ بلکہ سیف بن عمر سے روایت کرنے میں اس کے ساتھ ابن عساکر، مالقی اور ذہبی شامل ہیں۔

رہا ان کا یہ دعوی کہ سیف بن عمر ابن سباء کی خبروں کا وحید مصدر ہے۔ یہ بات غلط ہے۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اس کے علاوہ بھی روایات نقل کی ہیں، جو دوسری اسناد کے ساتھ ہیں۔ جن سے ابن سباء کا وجود ثابت ہوتا ہے، اور وہ دوسری روایات کو یقینی بناتی ہیں۔

''ابن عساکر نے عمار الدھنی سے روایت کیا ہے؛ وہ کہتا ہے: ''میں نے سنا ابوطفیل کہہ رہا تھا: ''میں نے مسیّب کو دیکھا، وہ اسے پکڑ کر لایا - یعنی ابن سوداء کو- واور حضرت علی رضی اللہ عنہ منبر پر تھے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اس کا کیا معاملہ ہے؟ تو - پکڑ کر لانے والے نے - کہا: ''یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولتا ہے۔'' ❷

اور یزید بن وہب کی سند سے بھی حضرت علی سے روایت کیا ہے؛ -انہوں نے -فرمایا: ''میرا اور اس کالے -ابن سباء- کا کیا تعلق ہے۔''

دوسری سند بھی یزید بن وہب کی جناب سلمہ سے ہے۔ وہ ''شعبہ'' سے روایت کرتے ہیں؛ -امام شعبہ نے- فرمایا: ''حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ میرا اس کالے سے کیا تعلق ہے جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔'' ❸

---

❶ تاریخ الإسلام ۱/ ۱٤ - ۱٥۔ ❷ تاریخ مدینہ دمشق (القسم المخطوط) ورقہ ۱٦۷۔
❸ المصدر السابق۔

یہ روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ سیف بن عمر ابن سباء کی روایات نقل کرنے میں بالکل اکیلا نہیں ہے۔ بلکہ اس علاوہ کئی ثقہ راویوں نے بھی اس کی خبریں روایت کی ہیں۔ جو منکرین کے دعوی کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہیں؛ جس پر یہ مقدمہ قائم ہے۔

سلیمان عودہ صاحب لکھتے ہیں: میں نے یہ روایات ان کی اسناد کے ساتھ امام ناصر الدین الالبانی - رحمہ اللہ - کے پاس بھیجیں۔ تاکہ ان کا مطالعہ وتحقیق کی جائے؛ سوانہوں نے ان کو صحیح؛ حسن، اور صحیح لغیرہ کے مطابق مرتب کیا۔'' ❶ -یعنی یہ روایات اس مرتبہ کی ہیں، ان میں کوئی ضعیف روایت نہیں ہے-''

مقدمہ دوم پر رد:

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ ''سیف-بن عمر-ضعیف ہے۔'' اور اسے علماء جرح وتعدیل نے ضعیف کہا ہے۔ سیف بن عمر کے بارے میں علماء جرح وتعدیل کی طرف رجوع کرنے سے ہمیں یہ نتیجہ ملتا ہے:

امام نسائی کہتے ہیں: ''سیف بن عمر ضعیف ہے۔'' ❷

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیف بن عمر الضبی الأسدی، اور اسے تمیمی برجمی بھی کہا جاتا ہے؛ اور سعدی کوفی بھی کہا جاتا ہے؛ یہ "الفتوح" اور "الردة" اور ان کے علاوہ دیگر کتابوں کا مصنف بھی ہے۔ یہ بھی واقدی کی طرح ہے؛ ہشام بن عروہ، عبید اللہ بن عمر اور جابر الجعفی اور بہت ساری مجہول خلقت سے بھی روایت کرتا ہے۔ وہ بڑا جانکار مؤرخ تھا۔

عباس بن یحی کہتے ہیں: ضعیف ہے۔ مطین نے یحی سے روایت کیا ہے کہ: ''اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔'' ابوداؤد نے کہا ہے: ''کسی قابل ہی نہیں ہے۔''

ابوحاتم نے کہا ہے: ''متروک'' ہے۔

ابن حبان نے کہا ہے: اس پر ''زندیق'' ہونے کی تہمت لگائی گئی ہے۔

ابن عدی نے کہا ہے: ''عام طور پر اس کی احادیث منکر ہوتی ہیں۔'' ❸

ابن حجر نے کہا ہے: ''حدیث میں تو ضعیف ہے؛ لیکن تاریخ بیان کرنے میں بہت ہی عمدہ ہے۔''

---

❶ عبد الله بن سباء وأثره في إحداث الفتنة في صدر الإسلام: سليمان عودة ص ٥٦۔

❷ الضعفاء و المتروكين: ص: ٢٩٣۔

❸ ميزان الاعتدال ٢/٢٥٥۔

اور ابن حبان کی طرف سے زندیق ہونے کی تہمت کے بارے میں کہتے ہیں: ''ابن حبان نے اس کے بارے بہت ہی فحش - بری - بات کہی ہے۔''❶

سو علماء جرح وتعدیل کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ سیف - بن عمر - حدیث میں ضعیف ہے؛ اور تاریخ میں اس کی روایت فقط مقبول ہی نہیں بلکہ بہت عمدہ ہے۔ جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ یہاں سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیف بن عمر کی سند سے روایت ہونے والی تاریخی اخبار محدثین کے ہاں مقبول ہیں۔ اسی لیے انہیں علماء ومحدثین اور دوسرے لوگوں کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔ اور ابن سباء کے بارے میں سیف بن عمر کی روایات پر اپنی کتابوں میں اعتماد کیا ہے۔

ابن حجر نے ابن عساکر سے ابن سباء کے بارے میں روایات نقل کرنے کے بعد کہا ہے:

''عبداللہ بن سباء کی خبریں تاریخ میں بہت ہی مشہور ہیں۔''❷

حقیقت میں ابن حجر رحمہ اللہ نے ان روایات کے مشہور ہونے کی تصریح کی ہے؛ اور انہی روایات میں سے سیف بن عمر کی روایات بھی ہیں۔

ذہبی نے اپنی کتاب ''تاریخ الاسلام'' کے مصادر میں کتاب الفتوح کو بھی جگہ دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''میں نے اس تألیف کے لیے بہت ساری مصنفات میں سے مطالعہ کیا اور ان کا مواد دیکھا - جیسے - دلائل النبوۃ بیہقی کی، اور السیرۃ ابن اسحاق کی؛ اور الفتوح سیف بن عمر کی۔''❸

دوسری دلیل پر رد:

رہا عبداللہ بن سباء کے وجود کے منکرین کی دوسری دلیل پر رد: یعنی ان کا یہ گمان کہ ابن سباء کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ بس یہ تو صرف عبداللہ بن عباس کی شخصیت سے رمز ہے۔ اس دلیل کے رد میں ہم کہتے ہیں: یہ دلیل بالکل باطل ہے، اور اس سے اعتراض کرنے والے کی جہالت صاف ظاہر معلوم ہوتی ہے۔ اور اس دلیل کا باطل ہونا کئی وجوہات کی بنا پر جانا جاسکتا ہے:

پہلی وجہ:......جن مؤرخین نے ابن سباء کا ذکر کیا ہے، انہوں نے اس کی شخصیت کا وجود بھی ثابت کیا ہے۔ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اس سے بالکل علیحدہ مستقل شخصیت ہے۔

---

❶ تقریب التهذیب : ص ۲٦۲۔ ❷ لسان المیزان ۳/ ۲۹۰۔

❸ تاریخ الطبری ٤/۳٤۰۔

یہ تاریخ طبری ان قدیم تاریخی مصادر میں سے ہے جنہوں نے ابن سباء کا ذکر کرتے ہوئے اسی ضمن میں اس کی خبریں، اور حضرت عثمان کے عہد میں خفیہ کرتوت اور سازشیں ذکر کی ہیں۔ جیسے کہ مسلمانوں میں فاسد عقائد پھیلانے، اور شہروں میں لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور امراء کے خلاف بھڑکانے کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے ذکر کیا ہے: ''جب ابن سباء اور اس کے فتنہ پھیلانے کی خبریں آنے لگیں تو حضرت عثمان نے لوگوں کے حال جاننے کے لیے اپنے نمائندے شہروں میں بھیجے۔

محمد بن مسلمہ کو کوفہ؛ اور عمار کو مصر اور عبداللہ بن عمر کو شام کی طرف بھیجا۔'' ❶

اور یہی بات ابن کثیر ❷ اور ابن اُثیر ❸ نے بھی کہی ہے۔

سو طبری؛ ابن کثیر اور ابن اثیر تینوں دو مختلف شخصیتیں ثابت کر رہے ہیں: عبداللہ بن سباء کی شخصیت اور حضرت عمار بن یاسر کی شخصیت۔ ایسے ہی ابن خلدون نے بھی یہی ثابت کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''بے شک عبد اللہ بن سباء المعروف ابن سوداء؛ یہودی تھا؛ اس نے اسلام قبول کیا، اور حضرت عثمان کی خلافت میں ہجرت کی۔ لیکن اس نے اپنے اسلام کو اچھی طرح ثابت نہیں کیا۔ ......آگے فرماتے ہیں: اس کے ساتھ خالد بن ملجم؛ اور سودان بن حمران؛ اور کنانہ بن بشر بھی تھے۔ انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ کو مدینہ جانے سے روکا تھا۔'' ❹

یہ کبار مؤرخین دو شخصیتیں ثابت کر رہے ہیں: ایک ابن سباء جس کی ساری سرگرمیاں مسلمانوں میں فساد پیدا کرنے؛ اور لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف بھڑکانے کے لیے تھیں۔

اور دوسری شخصیت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن سباء کے اس فساد کے بعد لوگوں کے احوال جاننے کے لیے مصر بھیجا تھا۔

پھر کسی عاقل سے اس بات کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ اب بھی یہی کہے کہ یہ دونوں ایک ہی شخصیت ہیں۔

دوسری وجہ: ......شیعہ کے ہاں جرح و تعدیل اور ثقہ رجال کی کتابیں اس قول کو رد کرتی ہیں۔ اس لیے کہ ان کی کتابوں نے عمار بن یاسر کے حالاتِ زندگی حضرت امیر المؤمنین کے ساتھیوں میں کیا ہے۔

---

❶ تاریخ الطبری ٤/ ٣٤٠۔
❷ البدایة والنهایة ٧/ ١٦٧۔
❸ الکامل فی التاریخ ٣/ ٧٧۔
❹ تاریخ ابن خلدون : ٢/ ١٠٣٤۔

اور اس کے راوی ''ارکان اربعہ'' [1] کے راوی ہیں۔

اور ایسے ہی انہوں نے عبداللہ بن سباء کے حالات زندگی بھی نقل کیے ہیں۔ اور اس ان مواصفات سے ذکر کیا ہے:

''بے شک وہ زندیق اور ملعون تھا۔ اور امیر المؤمنین پر جھوٹ بولا کرتا تھا۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم ان دونوں سوانح حیات کو جمع کریں؟'' [2] (دو علیحدہ علیحدہ آدمیوں کو ایک ہی مان لیں)۔

تیسری وجہ: ...... جو کچھ بھی وردی، شیبی اور ان کے علاوہ دوسروں نے ذکر کیا ہے؛ وہ دلائل جن کی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ ابن سباء ہی عمار بن یاسر تھا۔ یہ دلائل غیر صحیح اور باطل ہیں۔

۱۔ ان دونوں کا یہ کہنا کہ: ''ابن سباء کو ابن سودا کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، اور ایسے عمار بن یاسر کی کنیت بھی ابن سوداء ہے۔ صرف کنیت میں اتحاد ہونا - اس شرط پر کہ عمار بن یاسر کی یہ کنیت ثابت بھی ہو جائے -؛ اس بات پر دلالت نہ کرتا کہ یہ دونوں ایک ہی شخص ہیں۔ اور اگر ڈاکٹر وردی اور جن لوگوں نے ان کے رائے سے دھوکہ کھایا ہے، یہ لوگ کتبِ تراجم (حالات زندگی پر لکھی ہوئی کتابیں) کی طرف رجوع کرتے تو انہیں پتہ چلتا کہ کتنے ہی لوگ ہیں جو ناموں میں اور کنیت میں مشابہ ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے علماء و مؤرخین کو مشابہ اسماء اور کنی -کنیت- میں مستقل کتابیں لکھنا پڑیں۔ [3]

۲۔ ایسے ہی ان کا یہ کہنا کہ: ''عمار بن یاسر یمنی تھے۔'' تو کیا ہر یمنی کے لیے ہم یہ کہیں گے کہ وہ ابن سباء ہے؛ ایسا کرنا درست ہوگا؟

یہ بات سرے سے ہی غلط ہے۔ سباء تو یمن کے وسیع تر علاقے کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ یاقوت -حموی- نے کہا ہے: سباء یمن کی سرزمین میں ہے۔ جس کا شہر مآرب ہے۔ اس کے اور صنعاء کے درمیان

---

[1] ارکان اربعہ '' رافضہ کے ہاں یہ ہیں: عمار بن یاسر؛ حذیفہ بن یمان؛ سلمان فارسی؛ اور جندب بن جنادۃ ہیں۔ فرق الشیعۃ: نو بختی: ص ۱۸۔

[2] ڈاکٹر سعدی الهاشمی: " ابن سباء حقیقة لا خیال " ص ۲۱۔

[3] صرف یہی نہیں، بلکہ بسا اوقات، نام کنیت، والد اور دادا کا نام تک مشابہ ہوتے ہیں۔

تین دن کا فاصلہ ہے۔تو یہ بات کسی طرح جائز نہیں ہے کہ ہر یمنی کو سباء کی طرف منسوب کیا جائے۔اور اس کا عکس درست ہے۔

۳۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ:''بے شک عمار بن یاسر حضرت علی-رضی اللہ عنہما- سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔اور ان کے لیے دعاء کیا کرتے ؛ ان کی اتباع کی طرف دعوت دیتے ؛ اور لوگوں کو آپ بیعت پر ابھارتے۔

یہ بات تو صرف حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔سارے صحابہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کیا کرتے تھے۔اور یہ سب لوگ آپس میں اللہ کے لیے محبت کرنے والے تھے۔اور صحابہ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

یہاں پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اور ابن سباء کے غلو میں فرق ہے۔ابن سباء وہ شخص ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:''آپ ہی ہیں،آپ ہی ہیں۔''اور یہ وہ انسان ہے جب اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی ؛ وہ اس وقت مدائن میں تھا؛ تو اس نے اس کی تصدیق ہی نہیں کی۔ابن سباء ہی وہ شخص ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرنے کے بعد دوبارہ اس دنیا میں آنے کا عقیدہ گھڑ لیا۔یہ کہاں اور وہ کہاں؟

۴۔رہا یہ الزام کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مصر گئے اور لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکایا۔یہ تاریخی کتابوں میں منقول واقعہ میں تحریف ہے۔اور حقائق کو الٹایا جا رہا ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ ہی ان سے نمٹ لے گا۔حالانکہ جناب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اس لیے مصر نہیں گئے تھے کہ وہ لوگوں کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکائیں ؛ بلکہ انہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے مصر اس وقت بھیجا تھا جب ان کے پاس لوگوں میں ابن سباء کے فساد پھیلانے کی خبریں پہنچیں۔

اس بارے میں طبری،ابن کثیر؛ ابن اثیر؛ اور دوسرے مؤرخین کی روایات کچھ پہلے گزری ہیں۔

ابن سباء کے منکرین کی تیسری دلیل پر رد:

ان کی دلیل یہ ہے کہ مؤرخین کا جنگ صفین میں ابن سباء کے ذکر سے اعراض کرنا اس کے عدم وجود کی دلیل ہے۔اس میں ابن سباء کے عدم وجود پر کوئی دلیل نہیں ہے۔مؤرخین نے ان حادثات میں پیش آنے والے ہر- چھوٹے بڑے -معاملے کا اپنی کتابوں میں بیان کرنے کا التزام نہیں کیا۔اگر فرض کر لیا

جائے کہ ابن سباء نے جنگ صفین میں شرکت کی ہے۔ یا فرض کریں کہ اس نے اس جنگ میں شرکت نہیں کی۔ کیا یہ ابن سباء کے عدمِ وجود کی دلیل بن سکتی ہے کہ اس طرح اس تاریخ کا انکار کر دیا جائے جس میں مؤرخین نے ابن سباء کے وجود کو ثابت کیا ہے۔ اور اس کا وہ کردار جو اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فتنہ پیدا کرنے کے لیے ادا کیا ہے، اس کا انکار کر دیا جائے۔'' میرا ایمان ہے کہ یہ بات اتنی قوی نہیں ہے کہ اسے شیعہ وسنی محققین ومؤرخین نے جو واقعہ تواتر کے ساتھ ثابت کیا ہے؛ اس پر قوت حاصل ہو،-اور کو بنیاد بنا کر اہم ترین متفق علیہ تاریخی واقعات کا انکار کر دیا جائے-۔

ابن سباء کے منکرین کی چوتھی دلیل پر رد:

ان کا یہ گمان کہ ابن سباء کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں تھا؛ بلکہ وہ ایک وہمی - افسانوی - شخصیت ہے؛ جسے شیعہ کے دشمنوں نے گھڑ لیا ہے تا کہ وہ اس کے یہودیت کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے شیعہ پر تنقید کر سکیں۔

ان سے کہا جائے گا؛ بے شک اس دعوے پر حجت نہیں قائم ہو سکتی۔ جس طرح آپ یہ دعوی کرتے ہیں، ایسے ہی کوئی دوسرا اٹھ کر کچھ اور دعوی بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اعتبار تو حجت اور دلیل کا ہوتا ہے۔

جب کہ ابن سباء کی شخصیت ایک حقیقت ہے جسے شیعہ اور اہل سنت محققین اور مؤرخین نے ثابت کیا ہے۔ پرانے لوگوں میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔ آج تک اہلِ سنت اور شیعہ میں سے انصاف پسند؛ اور مستشرقین کی ایک بڑی جماعت اس کے وجود کو ثابت کرتی ہے۔

میں ذیل میں ان مشاہیر لوگوں کا ذکر کروں گا جو اہل سنت اور اہل تشیع کے پرانے اور عصر حاضر کے علماء ابن سباء کے وجود کو ثابت کرتے ہیں۔ اور ایسے ہی ان مستشرقین کا بھی ذکر کروں گا جنہوں نے ابن سباء کے وجود اور قدیم اور جدید دور میں علماء کی درمیان اس کی شہرت کو ثابت کیا ہے۔

وجودِ ابن سباء کے قائل غیر شیعہ

۱۔ ابن الحبیب البغدادی (۲۴۵ ہجری):

انہوں نے ابن سباء کا ذکر کیا ہے، اور اسے حبشنوں کے بیٹوں میں سے شمار کیا ہے۔ [1]

[1] المحبر ص: ۳۰۸

۲۔الجاحظ (۲۵۵ہجری):

جاحظ نے زحر بن قیس سے روایت نقل کی ہے جس میں ابن سباء کا ذکر آیا ہے؛ اور کہا: -یعنی زحر بن قیس نے۔ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مارے جانے کے بعد مدائن گیا؛ وہاں پر میری ملاقات ابن سوداء سے ہوئی؛ یہی ابن حرب ہے۔ ❶

۳۔ابن قتیبہ (۲۷۶ہجری):

ابن قتیبہ نے سبائیت کا ذکر کیا ہے؛ اور اس بات کی خبر دی ہے کہ اسے ابن سباء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور کہا ہے:

''سبائیت رافضیوں میں سے ہیں؛ جنہیں عبد اللہ بن سباء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ سب سے پہلا انسان ہے جس نے رافضیوں میں سے کفر کیا؛ اور کہا: علی رب العالمین ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو آگ سے جلا ڈالا۔'' ❷

۴۔الطبری (۳۱۰ہجری)۔

انہوں نے ابن سباء کا پورا طویل قصہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فتنے بھڑکانے کے واقعات نقل کیے ہیں۔ جن کا ذکر اس کتاب میں پہلے گزر چکا ہے۔ وہاں دوبارہ دیکھ لیا جائے۔

۵۔ابن عبدربہ (۳۲۸ہجری):

انہوں نے ابن سباء اور سبائیوں کا قصہ نقل کیا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کیا، اور کہنے لگے: ''وہی ہمارا خالق اللہ ہے۔'' اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے بہت بلند ہے۔ ❸

۶۔ابوالحسن الاشعری (۳۳۰ہجری):

انہوں نے سبائیت کا تذکرہ کیا ہے، اور کہا ہے:

''یہ عبد اللہ بن سباء کے ساتھی ہیں؛ جن کا گمان ہے بے شک علی رضی اللہ عنہ نہیں مرے، اور دنیا کی طرف لوٹ کر آئیں گے۔'' اور یہ بھی تذکرہ ملتا ہے کہ ابن سباء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''بے شک آپ ہی ہیں؛ آپ ہی ہیں۔'' ❹

---

❶ البیان و التبین ۳/ ۸۱۔ ❷ المعارف ص ۶۲۲۔ ❸ العقد الفرید ۲/۲٤٥۔

❹ مقالات الاسلامیین ۱/۸٦۔

۷۔ابن حبان (۳۳۵ ہجری):

انہوں نے اپنی کتاب "المجروحین" میں دوجگہ پرابن سباء کا تذکرہ کیا ہے۔جابر بن یزید الجعفی کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

''سبائی تھا؛عبداللہ بن سباء کے ساتھیوں میں سے تھا۔''❶

اورمحمد بن سائب کلبی کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

''اورکلبی سبائی تھا؛عبداللہ بن سباء کے ساتھیوں میں سے تھا۔''❷

۸۔مطہر بن طاہر المقدسی (۳۵۵ ہجری):

انہوں نے سبائیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے:''انہیں طیارہ(اڑنے والے) بھی کہا گیا ہے، اس لیے کہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم مرتے نہیں، اوران کی موت۔فلس نامی۔کچھ پرندے ہیں۔اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں مرے، وہ بادلوں میں زندہ ہیں۔

اور جب کڑک سنتے ہیں تو کہتے ہیں:''حضرت علی کوغصہ آ گیا ہے۔''

اور کہا ہے:''عبداللہ بن سباء نے کہا۔جب اسے حضرت علی کے قتل کی خبر پہنچی۔:اگر تم علی رضی اللہ عنہ کا دماغ بھی میرے پاس ستر برتنوں میں رکھ کر لے آؤ، تب بھی میں ان کی موت کی تصدیق کرنے والا نہیں؛ یہاں تک کہ وہ عربوں کواپنی لاٹھی سے ہانک نہ لیں۔''❸

۹۔الملطی (۳۷۷ ہجری):

انہوں نے سبائیت کے بارے میں بیان کیا ہے،اور پھر کہا ہے:

''یہ عبداللہ بن سباء کے ساتھی ہیں جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا تھا:

''بے شک آپ ہی ہیں؛ آپ ہی ہیں۔''۔حضرت علی نے۔کہا:''میں کون ہوں؟ کہنے لگے:

''آپ ہی خالق اور باری ہیں۔''❹

۱۰۔البغدادی (۴۲۱ ہجری):

انہوں نے سبائی فرقہ کوخارج از اسلام شمار کیا ہے؛ پھر کہا ہے:

---

❶ المجروحین ۱/۲۰۸۔ ❷ المجروحین ۲/۲۵۳۔

❸ البدء و التاریخ ۵/۱۲۹۔ ❹ التنبیه و الرد علی أهل الأهواء والبدع ص ۱۸۔

''عبداللہ بن سباء کے پیروکار ہیں؛ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کیا؛ اور یہ گمان کرنے لگا کہ حضرت علی نبی تھے؛ پھر یہ غلو اور بڑھا، اور کہنے لگا: بے شک علی ہی معبود برحق ہے۔'' ❶

۱۱۔ابن حزم اندلسی (۴۵۶ ہجری):

مقالات شیعہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے ابن سباء کا تذکرہ کیا ہے۔فرماتے ہیں:

''سبائی؛ عبد اللہ بن سباء الحمیر ی یہودی کے ساتھی کہنے لگے: '' بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں مرے، وہ بادلوں میں زندہ ہیں۔ اور کہا ہے: ''عبد اللہ بن سباء نے کہا - جب اسے حضرت علی کے قتل کی خبر پہنچی -: اگر تم علی کا دماغ بھی میرے پاس ستر برتنوں میں رکھ کر لے آؤ، تب بھی میں ان کی موت کی تصدیق کرنے والا نہیں۔'' ❷

۱۲۔الاسفرائنی (۴۷۱ ہجری):

انہوں نے سبائیت کے بارے میں بیان کیا ہے؛ اور فرمایا ہے:

'' بے شک یہ عبد اللہ بن سباء کے ساتھی ہیں،،۔اور کہا گیا ہے کہ: بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن سباء کو قلعہ مدائن کی طرف جلا وطن کر دیا''۔ اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا تو اس نے کہنا شروع کر دیا: ''علی نہ ہی قتل ہوئے ہیں، اور نہ ہی مرے ہیں۔'' ❸

۱۳۔الشہرستانی (۵۴۸ ہجری):

انہوں نے سبائیوں کا ذکر کیا ہے، اور فرمایا ہے:

''یہ عبداللہ بن سباء کے ساتھی ہیں جس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا تھا:

''بے شک آپ ہی ہیں؛ آپ ہی ہیں۔''یعنی آپ ہی معبود برحق ہیں۔'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا۔'' ❹

۱۴۔السمعانی (۵۶۸ ہجری):

انہوں نے عبداللہ بن سباء کا ذکر کیا ہے، اور فرمایا ہے:

''بے شک وہ رافضیوں میں سے تھا۔ اور ایک جماعت ان میں سے اسی کی طرف منسوب کی

---

❶ الفرق بین الفرق ص: ۲۳۳۔
❷ الفصل فی الملل و الأهواء و النحل ٥/ ٣٦۔
❸ التبصیر فی الدین ۱۲۳۔
❹ الملل و النحل ۱/ ۱۷٤۔

جاتی ہے۔ انہیں ''سبائی'' کہا جاتا ہے۔ اور عبداللہ بن سباء ہی وہ شخص ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

''بے شک آپ ہی معبود برحق ہیں۔'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے مدائن کی طرف جلا وطن کر دیا۔''❶

۱۵۔ ابن عساکر (۵۷۱ ہجری):

انہوں نے عبداللہ بن سباء کے بارے میں کئی روایت ذکر کی ہیں۔ ان میں سے بعض سیف بن عمر کی سند سے ہیں۔ اور بعض سیف کے علاوہ دوسری اسناد سے ہیں۔ اور ان میں بعض روایات کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔❷

۱۶۔ نشوان الحمیری (۵۷۳ ہجری):

انہوں نے سبائیت اور ابن سباء کا ذکر کیا ہے؛ فرماتے ہیں:

''سبائی - عبداللہ بن سباء اور جس نے اس کی بات کو اپنایا - کہنے لگے: ''بے شک علی رضی اللہ عنہ نہیں مرے، اور نہ ہی مریں گے یہاں تک کہ زمین عدل سے ایسے بھر جائے جیسے ظلم سے بھر چکی ہے۔''❸

۱۷۔ فخر الدین الرازی (۶۰۶ ہجری):

غالی فرقوں کے بارے میں بیان کرتے ہوئے ان میں (سبائی فرقہ) کا ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا ہے:

''یہ عبداللہ بن سباء کے پیروکار ہیں۔ اور یہ - ابن سباء - گمان کرتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی معبود برحق (إلہ) ہیں۔''❹

۱۸۔ ابن الأثیر (۶۳۰ ہجری):

انہوں نے طبری سے بعض روایات عبداللہ بن سباء کے بارے میں نقل کی ہیں، اور ان کی سندیں

---

❶ الأنساب ۷/٤٦۔

❷ دیکھو: تاریخ دمشق ؛ اور اسی کتاب کے صفحات......

❸ الحور العین ص: ١٥٤ ۔ نقلاً عن سلیمان العودة ؛ عبدالله بن سباء و اثره فے احداث الفتنة ص ٥٧۔

❹ اعتقادات فرق المسلمین و المشرکین ص: ٥٧۔

حذف کردی ہیں۔ ❶

۱۹۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ہجری):

اپنی کتابوں میں کئی جگہ ابن سباء کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ: یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے رافضی مذہب کی بدعت ایجاد کی۔ اور رافضیت کی اصل منافقین اور زندیقوں سے نکلتی ہے۔ اس لیے کہ بے شک- یہ قول- ابن سباء زندیق نے ایجاد کرلیا تھا۔ اور حضرت علی کی شان میں امامت اور اس پر نص کے دعوی سے غلو کا اظہار کیا۔'' ❷

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ''اہل علم نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ بے شک رافضیت کا مبداء عبداللہ بن سباء زندیق ہے۔'' ❸

۲۰۔ المالقی (۷۴۱ہجری):

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا قصہ بیان کرتے ہوئے عبداللہ بن سباء کا ذکر کیا ہے؛ فرمایا:

''اور سن تینتیس ہجری میں ایک جماعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سرگرم ہوگئی۔ یہ ایک پورا گروہ تھا؛ جن میں مالک الأشتر؛ اسود بن یزید؛ اور عبداللہ بن سباء المعروف ابن سوداء شامل ہیں۔'' ❹

۲۱۔ الذہبی (۷۴۸ہجری):

علامہ موصوف رحمہ اللہ نے عبداللہ بن سباء کے حالات زندگی تحریر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''وہ غالی قسم کا گمراہ شیعہ تھا؛ جو لوگوں کو گمراہ کرتا تھا؛ یہ بات ''المغنی فی الضعفاء'' ❺ میں لکھی گئی ہے۔ اور میزان الاعتدال میں کہا ہے: ''عبداللہ بن سباء غالی قسم کے گمراہ زندیقوں میں سے تھا، جو لوگوں کو گمراہ کرتا ہے؛ میرے خیال کے مطابق علی رضی اللہ عنہ نے اسے ہی آگ سے جلایا تھا۔'' ❻

---

❶ الکامل فی التاریخ ۳/ ۷۷، و ما بعدھا۔ ❷ مجموع الفتاوی : ۴/۴۳۵۔

❸ مجموع الفتاوی : ۴/۴۸۳۔

❹ التمهيد و البيان فی مقتل عثمان رضی اللہ عنہ؛ ص ۵۴۔ نقلاً عن سليمان العودة ؛ عبدالله بن سباء و اثره فی احداث الفتنة ص ۵۶۔

❺ المغنی فی الضعفاء ۱/۲۳۹۔ ❻ ميزان الاعتدال ۲/ ۴۲۶۔

۲۲۔الصفدی (۷۶۴ہجری):

انہوں نے الوافی بالوفیات میں ابن سباء کے حالات زندگی نقل کیے ہیں؛ اور کہا ہے:

''بے شک آپ ہی معبود برحق ہیں۔'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں مدائن کی طرف جلا وطن کردیا۔'' [1]

۲۳۔ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ہجری):

انہوں نے ابن سباء اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے میں اس کے کردار کا ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''سیف بن عمر نے ذکر کیا ہے کہ: ''بے شک لوگوں کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا سبب ایک آدمی ہے جسے عبداللہ بن سباء کہا جاتا ہے، یہ یہودی تھا جس نے اسلام کا اظہار کیا......'' [2]

۲۴۔الشاطبی (۷۹۰ہجری):

انہوں نے سبائیت کی بدعت (عبداللہ بن سباء کے ساتھیوں) کا ذکر کیا ہے، اور کہا ہے: یہ اعتقادی بدعت ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے الہ کے وجود سے متعلق ہے۔'' [3]

۲۵۔ابن ابی العز الحنفی (۷۹۲ہجری):

انہوں نے شرح عقیدہ طحاویہ میں ذکر کیا ہے کہ: ''بے شک عبداللہ بن سباء نے اسلام کا اظہار کیا؛ وہ تو صرف یہ چاہتا تھا کہ دین اسلام کو خراب کرے؛ جیسا کہ پولس نے عیسائیت میں کیا تھا۔'' [4]

۲۶۔الجرجانی (۸۱۶ہجری):

انہوں نے سبائیت کا ذکر کیا ہے؛ اور فرمایا ہے:

''عبداللہ بن سباء کے ساتھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ''بے شک آپ ہی معبود برحق ہیں۔'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں مدائن کی طرف جلا وطن کردیا۔ اور ابن سباء نے کہا:

---

[1] الوافی بالوفیات (مخطوط ۱۷/ ۱۰)۔نقلاً عن سلیمان العودة ؛ عبداللہ بن سباء و اثرہ فے احداث الفتنة ص ۵۷۔

[2] البدایة النهایة ۷/۱۶۷۔ [3] الاعتصام ۲/۱۹۷۔

[4] أنظر : شرح العقیدة الطحاویة ص : ۵۷۸۔

''بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں مرے۔ اور ابن ملجم نے شیطان کو قتل کیا ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا روپ دھارے ہوئے تھا۔''❶

۲۷۔ المقریزی (۸۱۶ ہجری):

علامہ مقریزی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور جو کچھ حادثات ان کے دور میں پیش آئے؛ ان کے بارے میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ان -حضرت علی- رضی اللہ عنہ کے دور میں عبداللہ بن وہب بن سباء المعروف ابن سوداء کھڑا ہوا، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت علی کے لیے امامت کی وصیت کا قول ایجاد کیا؛ اور یہ کہ حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور اس امت کے خلیفہ ہیں۔ اور اس حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا میں دوبارہ لوٹ کر آنے کا قول ایجاد کیا۔''❷

۲۸۔ ابن حجر (۸۵۲ ہجری):

حافظ صاحب رحمہ اللہ نے ابن عساکر سے ابن سباء کی حکایات نقل کی ہیں، اور پھر کہا ہے:

''عبداللہ بن سباء کی خبریں تاریخ میں اتنی مشہور ہیں؛ مگر -حدیث میں- اس کی کوئی روایت نہیں ہے۔ اور اس کے پیروکار ہیں جنہیں سبائیہ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی خلافت کے دور میں انہیں آگ سے جلایا تھا۔''❸

۲۹۔ السفارینی (۱۱۸۸ ہجری):

شیعہ فرقوں کے ضمن میں سبائیت کا ذکر کیا ہے؛ اور فرمایا ہے:

''یہ عبداللہ بن سباء کے پیروکار ہیں، جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''بے شک آپ ہی معبود برحق ہیں۔

یہ بات کہنے والے جو لوگ پکڑے گئے، ان کے لیے خندقیں کھود کر آگ سے جلایا گیا۔❹

---

❶ تعریفات ص ۱۰۳۔
❷ الخطط ۲/۳۵٦۔
❸ لسان المیزان: ۳/۲۹۰۔
❹ لوامع الأنوار ۱/۸۰۔

۳۰۔عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی (۱۲۳۹ہجری):

شیعہ فرقوں کے ضمن میں اپنے کلام میں فرماتے ہیں:

''پہلا فرقہ: سبائی ہیں؛ عبداللہ بن سباء کے ساتھی۔ جنہوں نے کہا تھا کہ: بے شک حضرت علی ہی معبود برحق ہیں۔ جب امیر المؤمنین کرم اللہ وجہہ شہید ہوگئے تو عبداللہ بن سباء گمان کرنے لگا کہ: ''بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں مرے۔ اور ابن ملجم نے شیطان کو قتل کیا ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا روپ دھارے ہوئے تھا۔ اور یہ کہ حضرت علی بادلوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ کڑک آپ کی آواز اور بجلی آپ کا کوڑا ہے۔''[1]

جدید دور کے محققین

حقیقت تو یہ ہے کہ ابن سباء کے وجود کو معاصر علماء اور محققین نے بھی ثابت کیا ہے۔ ان میں سے چند کا ذکر کرتا ہوں، اور ان پہلے -علماء کے- ساتھ ان کا اضافہ کرتا ہوں جو ابن سباء کے وجود کو ثابت کرنے والے ہیں۔

۳۱۔خیر الدین الزرکلی:

انہوں نے اپنی کتاب" الأعلام "میں عبداللہ بن سباء کے حالات زندگی لکھیں؛ اور کہا ہے:

عبداللہ بن سباء طائفہء سبیہ -سبائیت- کا سردار اور کرتا دھرتا ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الہ -معبود- ہونے کا کہتا تھا۔ اصل میں یمن کا باشندہ تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ یہودی تھا؛ اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔''[2]

۳۲۔عبداللہ القصیمی:

انہوں ابن سباء کو اپنی کتاب" الصـراع بين الاسلام و الوثنية " میں کئی ایک جگہ پر ذکر کیا ہے۔ گمراہ فرقوں اور لوگوں کو گمراہ کرنے اور دھوکہ دینے کے لیے ان کی ایجاد کردہ بدعات اور گمراہیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

[1] مختصر التحفة الاثنا عشريه ص ۱۰۔

[2] الأعلام ٤ / ٨٨۔

''اوران لوگوں میں سب سے مشہور جولوگوں کو باور کراتے تھے کہ وہ اسلام لائے ہیں، تا کہ لوگوں کو اسلام سے نکال سکیں؛ -ان میں- ایک دھوکہ باز اور مکار انسان صنعاء کے یہود میں سے ایک خبیث یہودی تھا، جسے عبداللہ بن سباء کہا جا تا تھا۔ اور شیعہ فرقوں میں اس کے ہمنوا سبائیت کے نام سے جانے جاتے تھے۔'' ❶

سبائیت کا غلو اور حضرت علی کے متعلق ان کے اس دعوی کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ رب ہیں، کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''اس گمراہی کا بیج بونے والا؛ اور اس معاملہ کو اٹھانے والا عبداللہ بن سباء تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے بلایا تھا تا کہ اسے بہت سخت عذاب دیں۔ لیکن وہ بد بخت ہر وقت بہت ہی چوکنا رہتا تھا۔ اس لیے وہ یہ علاقہ ہی چھوڑ کر بھاگ گیا۔'' ❷

۳۳۔عبدالرحمٰن بدوی:

انہوں نے اپنی کتاب '' مـذاهـب اسلاميين '' میں عبداللہ بن سباء کے قضیہ کا مناقشہ کیا ہے۔ انہوں نے اس عنوان سے کہ:

((كيف وصل التأثير اليهودي والمسيحي إلى الإسلام .))

''اسلام تک یہودی اور عیسائی اثرات کیسے پہنچے۔''

وہ اقوال ذکر کیے ہیں، جو علامہ طبری اور دوسرے مؤرخین نے عبداللہ بن سباء کے بارے میں ذکر کیے ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں: ان مواقع سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ:

۱۔ بے شک عبداللہ بن سباء ہی اصل میں ابن سوداء بھی ہے۔ کیونکہ اس کی ماں سوداء - رنگ میں کالی - ہے۔

۲۔ اور یہ کہ وہ اہل صنعاء کا یہودی تھا۔

۳۔ اور یہ کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام قبول کیا تھا۔

۴۔ اور بے شک یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ پیدا کیا، اور مصر، عراق، شام، اور حجاز میں گھوم کر لوگوں کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف ابھارتا رہا۔

---

❶ الصراع بین الاسلام و الوثنية ۹/۱۔

❷ الصراع بین الاسلام و الوثنية ۱۱/۱۔

۵۔ بے شک یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہونے کا کہا؛ اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ زمین پر دوبارہ لوٹ کر آئیں گے۔ پھر انہوں وجودِ ابن سباء کے منکرین مستشرقین پر رد کیا ہے۔ اس کے بعد سبائیوں کے عقائد کے بیان میں؛ اس عنوان کے تحت: "مـاهـي مبـادي السبئية" ...... سبائی فرقہ کے مبادیات کیا ہیں؟ کہا ہے: ''تو اس طرح عبد اللہ بن سباء سیاسی تبدیلیوں میں بڑا اہم اور مضبوط کردار تھا: جو اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازشوں سے شروع کیا، اور پھر آپ کو قتل کیا گیا۔ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے معرکہ کے ساتھ ختم ہوا، تا کہ آپ کی خلافت قائم رہے۔ سو اس آدمی کے مذہب کی حقیقت کیا ہوگی۔'' ❶

پھر انہوں نے اصحاب الفرق والمقالات سے وہ عقائد نقل کیے ہیں جو ابن سباء نے ایجاد کر لیے تھے۔

۳۴۔ الشیخ سلیمان بن حمد العودۃ:

((عبد الله بن سبأ و أثره في إحداث الفتنة في صدر الإسلام .))

''عبداللہ بن سباء اور اسلام کے ابتدائی دور میں فتنہ برپا کرنے میں اس کے اثرات۔''

یہ اس علمی مقالے کا نام ہے جو شیخ سلیمان العودۃ نے ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ میں پیش کیا ہے۔ شیخ سلیمان حفظہ اللہ نے اپنے مقالہ کی دوسری فصل ابن سباء کی حقیقت ثابت کرنے کے لیے خاص کی ہے۔

پھر انہوں نے ابن سباء کی اصل، اس کی نشأۃ؛ عہدِ عثمان میں مسلمانوں میں اس کے ظہور؛ اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے؛ اور ان کی صفوں میں فتنہ پیدا کرنے کے لیے مختلف شہروں میں اس کی گردش کے بارے میں علماء کے اقوال نقل کیے ہیں۔

انہوں نے ابن سباء کے بارے میں پرانے اور نئے دور کے شیعہ اور اہل سنت علماء اور محققین کے اقوال پیش کیے ہیں، اور پھر اس کے بارے میں مستشرق علماء کے اقوال بھی پیش کیے ہیں۔

پھر انہوں نے ان اقوال پر تنقید و تحقیق کرتے ہوئے وجودِ ابن سباء کے منکرین پر رد کیا ہے۔ اور اپنے کلام کو اس بات پر ختم کیا ہے:

❶ مذاهب اسلاميين ۲/ ۳٦-۳۷۔

''اس تمام-تحقیق وتنقید سے- جو پہلے گزر چکی ہے؛ میں بطور خلاصہ اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ:'' بے شک عبداللہ بن سباء واقعی ایک تاریخی شخصیت ہے۔ اور اس کے انکار؛ یا اس کے وجود میں شک کے لیے باحثین یا علمی مقالے لکھنے والوں میں سے کسی کے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔''❶

۳۵۔ڈاکٹر سعدی الہاشمی:

اس نے ایک علمی تحقیقی بحث ان لوگوں کے رد پر لکھی ہے جو ابن سباء کے وجود کے منکر ہیں۔ اس کا نام رکھا ہے: (ابن سباء حقیقۃ لا خیال)۔ اپنی بحث کے شروع میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

''محدثین، اہل جرح وتعدیل، مؤرخین، اور فرق ومقالات پر کتابیں لکھنے والوں، ملل ونحل پر لکھنے والوں، طبقات اور ادب میں لکھنے والوں اور بعض خاص فنون میں کتابیں لکھنے والوں کا عبداللہ بن سباء کی شخصیت کے وجود پر اجماع ہے۔''❷

پھر مستشرقین میں سے بعض ان لوگوں کا ذکر کیا ہے، جو ابن سباء کے وجود کے منکر ہیں۔ اور مستشرقین کے ان پیروکاروں کا جو ان کی آراء وافکار سے متأثر ہیں؛ جیسے طہٰ حسین؛ ڈاکٹر محمد کامل حسین؛ اور ڈاکٹر حامد حفنی محمود اور ان کے علاوہ دیگر لوگ۔

پھر اس کے بعد ان معاصر شیعہ لوگوں کا ذکر کیا ہے جو ابن سباء کا انکار کرنے لگے ہیں۔ اور ان کے اقوال ذکر کرتے ہوئے ان پر رد بھی کیا ہے۔ پھر شیعہ کے ہاں ثقہ کتب؛ جن میں ابن سباء کے وجود کا اثبات ہے؛ کے ایک مجموعہ سے دلائل نقل کیے ہیں-جن سے ابن سباء کا وجود ثابت کیا ہے۔ یہ معاصر شیعہ میں سے ہر اس انسان پر الزاماً ثبوت ہے، جو ابن سباء کے وجود کا انکار کرتا ہے۔

ڈاکٹر سعدی سبائیت کے ان بعض عقائد کو ذکر کرنے بعد، جنہیں ابن سباء نے گھڑ لیا تھا؛ جیسے عصمت کا عقیدہ؛ اور وصیت کا قول؛ اور علی رضی اللہ عنہ کے دشمنان سے برأت کا قول؛ اور آپ کے الہ ہونے کا قول؛ اور ساتھ ہی خود شیعہ کی کتب سے ان عقائد پر دلائل بھی ذکر کیے ہیں۔ اپنی بحث کو ختم کیا ہے۔ یہ ابن سباء کی شخصیت کی حقیقت کو پختہ اور یقینی بناتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''اور ان نقول اور واضح نصوص؛ جو ان ہی لوگوں کی کتب سے نقل کی گئی ہیں؛ ہمارے لیے

---

❶ "عبد الله بن سبأ و أثره في إحداث الفتنة في صدر الإسلام "ص ١١٠۔

❷ ابن سباء حقيقة لا خيال: ص ٥۔

ابن سباء یہودی کی شخصیت کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔'' اور شیعہ میں سے جن لوگوں نے اس پر طعن کیا ہے، یقیناً اس نے اپنی ان کتابوں پر طعن کیا ہے جنہوں نے ان کے ہاں اس یہودی -ابن سباء- پر ان کے آئمہ معصومین کی لعنتیں نقل کی ہیں۔

یہ بات نہ ہی جائز ہوسکتی ہے، اور نہ ہی اس کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ ان آئمہ معصومین سے کسی مجہول شخص پر لعنتیں نکلیں۔ جیسا کہ ان لوگوں کے ہاں یہ بھی جائز نہیں کہ معصوم کی بات کو جھٹلایا جائے۔'' ❶

شیعہ علماء میں وجود ابن سباء کو ثابت کرنے والے

۱۔ الناشیء الاکبر (۲۹۳ ہجری):

ناشی اکبر نے عبداللہ بن سباء کا ذکر فرقہ سبائیہ کے ضمن میں کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''ایسا فرقہ ہے جن کا گمان یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام زندہ ہیں، ابھی تک مرے نہیں۔ اور ان کی موت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک وہ عربوں کو اپنی لاٹھی سے ہانک نہ لیں۔ یہی لوگ سبائی ہیں؛ جو عبد اللہ بن سباء کے ساتھی ہیں؛ عبد اللہ بن سباء یمن سے اہل صنعاء کا یہودی انسان تھا۔'' ❷

۲۔ الاشعری القمی (۳۰۱ ہجری):

اپنی کتاب ''المقالات والفرق'' میں سبائیت اور ابن سباء کے بارے میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''یہ فرقہ جس کا نام سبائیت پڑ گیا ہے؛ عبد اللہ بن سباء کے ساتھی ہیں۔ یہ شخص ''عبداللہ بن وہب الراسبی الہمدانی'' ہے۔ اور اس کے ساتھ اس مسئلہ میں عبد اللہ بن حرسی اور ابن سوداء نے مدد کی۔ یہ دونوں اجلہ صحابہ میں سے ہیں۔ یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان -رضی اللہ عنہم- پر طعن کیا؛ اور صحابہ سے برأت کا اظہار کیا۔'' ❸

---

❶ ابن سباء حقیقة لا خیال: ص ٥۔

❷ اصول النحل نقلاً عن عبد الرحمن بدوی: مذاهب اسلامیین ٢/٤٣۔

❸ المقالات والفرق ص: ٢٠۔

۳۔النوبختی (تیسری صدی ہجری کا بڑا عالم):

جو فتنے ابن سباء نے ایجاد کیے، ان کے بارے میں بیان کرتا ہے؛ جیسا کہ علی بن ابی طالب کی امامت فرض ہونے کا قول۔ پھر وہ کہتا ہے: ''علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک جماعت سے حکایت نقل کی گئی ہے کہ عبداللہ بن سباء یہودی تھا، پھر اس نے اسلام قبول کیا۔ اور حضرت علی سے دوستی کر لی۔ جب وہ یہودی تھا تو کہا کرتا تھا کہ یوشع بن نون موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے وصی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی شان میں ایسی ہی بات کہنے لگا۔''[1]

۴۔الکشی (۳۶۹ ہجری):

اس نے عبداللہ بن سباء کا ذکر کیا ہے۔ اور پانچ روایات اپنے آئمہ تک سند کے ساتھ روایت کی ہیں جن میں ابن سباء سے برأت؛ اس پر لعنت اور اس کی مذمت ہے۔ ان میں سے:

ابی جعفر سے جو روایت کیا گیا ہے: بے شک انہوں نے فرمایا: ''عبداللہ بن سباء نبوت کا دعویدار تھا۔ اور وہ گمان رکھتا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام اس بارے میں اس کا الہ ومعبود برحق ہے۔

یہ بات امیر المؤمنین علیہ السلام تک پہنچی۔ تو اسے بلا کر پوچھا؛ اس نے اس بات کا اقرار کرتے ہوئے کہا:

''ہاں! آپ وہی الہ ہیں۔ اور یہ بات مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ بے شک آپ ہی اللہ، معبود برحق ہیں۔'' اور بے شک میں نبی ہوں۔''

تو امیر المؤمنین نے اس سے کہا: ''تمہارے لیے بربادی ہو، تمہیں شیطان نے مسخر کر لیا ہے۔ تیرے ماں تجھ پر روئے، اپنے اس قول سے رجوع کر لے؛ اور توبہ کر۔ مگر اس نے انکار کیا؛ تو اسے قید کر دیا۔ اور اسے توبہ کرنے کے لیے تین دن کی مہلت دی۔ مگر اس نے توبہ نہ کی۔ تو حضرت علی نے اسے آگ سے جلوایا۔ اور فرمانے لگے: ''شیطان نے اسے گمراہ کر دیا ہے، اس کے پاس آ کر یہ باتیں سکھاتا ہے، اور اس کے دل میں یہ باتیں ڈالتا ہے۔

ابو عبداللہ سے روایت ہے: وہ کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ عبداللہ بن سباء پر لعنت کرے؛ اس نے امیر المؤمنین علیہ السلام میں ربوبیت کا دعوی کیا۔ اور اللہ کی قسم! امیر المؤمنین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے تھے۔'' اس انسان کے لیے ہلاکت ہو جس نے ہم پر جھوٹ باندھا۔ بے شک

[1] فرق الشیعة ص: ۲۲۔

لوگ ہمارے متعلق وہ باتیں کہتے ہیں جو ہم خود اپنے متعلق نہیں کہتے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان سے برأت کا اظہار کرتے ہیں ؛ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔'' ❶

۵۔الصدوق (۳۸۱ ہجری):

اس نے دعاء کی کیفیت کے بارہ میں ایک حدیث لائی ہے،جس میں ابن سباء کا ذکر ہے۔ وہ باب (التعقیب) میں،کتاب (من لا یحضرہ الفقیه؛ روایت نمبر ۹۵۵) میں کہتا ہے:

''اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے کہا:'' جب تم میں سے کوئی ایک اپنی نماز سے فارغ ہو،تو وہ اپنے ہاتھ دعاء کے لیے اٹھائے۔''

تو عبداللہ بن سباء نے کہا:'' اے امیر المؤمنین ! کیا اللہ تعالیٰ ہر جگہ پر موجود نہیں ہے۔ کہا: کیوں نہیں۔تو (ابن سباء) کہنے لگا:'' پھر آسمانوں کی طرف ہاتھ کیوں اٹھائے جائیں۔تو (حضرت علی نے)فرمایا:'' کیا تم یہ آیات نہیں پڑھتے :

﴿ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴾ (الذاریات : ۲۲)

''اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے۔''

تو رزق کہاں سے طلب کیا جاتا ہے؛ سوائے اس کی جگہ کے۔ اور رزق کی جگہ آسمانوں میں ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔'' ❷

اس روایت کو طویل روایات کے ضمن میں کتاب (الخصال) میں بھی ذکر کی ہے۔ ❸

۶۔ابن أبی الحدید (۶۵۶ ہجری):

اس نے ذکر کیا ہے کہ ابن سباء وہ پہلا آدمی تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں غلو کیا۔ وہ کہتا ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں سب سے پہلے جس نے غلو کا اظہار کیا ؛وہ عبد اللہ بن سباء ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے کہ یہ ان کے سامنے کھڑا ہو گیا، اور کہنے لگا : تو ہی ہے تو ہی ہے۔''اور اسے بار بار دہرانے لگا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:'' تیرے لیے بربادی

---

❶ رجال الکشی : ص : ۷۱-۷۰۔ ❷ من لا یحضرہ الفقیه ۲۲۹/۱۔
❸ الخصال : ص ۶۲۸۔

ہو! میں کون ہوں؟ کہنے لگا: ''تو ہی معبود برحق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑنے کا حکم دیا۔ سوا سے کچھ لوگوں نے گرفتار کیا گیا؛ اور اس کے ساتھ ان لوگوں کو بھی گرفتار کیا گیا جو اس کے مذہب وعقیدہ پر تھے۔''❶

۷۔ نعمت اللہ الجزائری (۱۱۱۲ ہجری):

نعمت اللہ الجزائری اپنی کتاب أنوار نعمانیہ میں کہتا ہے:

''عبد اللہ بن سباء نے علی علیہ السلام سے کہا: ''آپ ہی معبود برحق ہیں۔'' تو حضرت علی علیہ السلام نے اسے مدائن کی طرف ملک بدر کردیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ یہودی تھا۔ اس نے اسلام قبول کیا۔ وہ اپنی یہودیت کی زندگی میں یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے ایسے ہی کہا کرتا تھا جیسے اس نے علی علیہ السلام کے بارے میں کہا.....''❷

۸۔ الماماقانی (۱۳۵۱ ہجری):

مقامانی نے اپنی کتاب " تنقیح المقال " میں عبد اللہ بن سباء کے حالات زندگی بیان کیے ہیں۔ اور اس نے کہا ہے کہ: ''اس کے حالات -کتاب- " من لا یحضره الفقیه " کے باب "التعقیب " میں اور "باب : أصحاب أمیر المؤمنین " میں بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

اور اس کے بارے میں صدوق کا قول بھی نقل کیا ہے کہ:

''عبد اللہ بن سباء وہ آدمی ہے جو کفر کی طرف لوٹ گیا؛ اور غلو کا اظہار کرنے لگا۔'' اور کہا ہے:

''وہ لعنتی بڑا غالی تھا۔ امیر المؤمنین نے اسے آگ سے جلایا تھا۔ وہ یہ گمان کرتا تھا کہ علی ہی الہ ہے، اور علی ہی نبی ہے۔''❸

پھر اس کے بعد اس نے ''کشی'' کی روایات عبد اللہ بن سباء کے بارے میں نقل کی ہیں۔

۹۔ محمد حسین المظفری (۱۳۶۹ ہجری):

محمد حسین المظفری ان معاصرین شیعہ میں سے ہے جو ابن سباء کے وجود کا انکار نہیں کرتے۔ اگرچہ وہ ابن سباء کیساتھ شیعہ کسی بھی قسم کے تعلق کی نفی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

---

❶ شرح نهج البلاغة ٥/٥۔ ❷ الأنوار النعمانية ٢/٢٣٤۔

❸ تنقيح المقال في علم الرجال ٢/١٨٣-١٨٤۔

''رہی بعض کاتبین کی رائے کہ شیعہ مذہب کی اصل عبد اللہ بن سباء، المعروف ابن سوداء کی ایجاد کردہ بدعت ہے؛ یہ ایک وہم ہے۔ اور ان کی اس مذہب کے بارے میں کم معرفت [کی وجہ سے] ہے۔ جس نے شیعہ کے ہاں اس انسان کی منزلت ؛ اور ان کی اس سے، اور اس کے اقوال و افعال سے برأت کو جانا ہو؛ اور بغیر کسی اختلاف کے اس کی شخصیت میں شیعہ علماء کے طعن کو جانا ہو؛ تو وہ اس قول کی صحت اور علمی منزلت کو سمجھ سکتا ہے۔''[1]

وجود ابن سبا کو ثابت کرنے والے مستشرقین

ا۔ فان فلوٹن (۱۸۶۲-۱۹۰۳ میلادی): [2]

اس کی رائے یہ ہے کہ فرقہ سبائیہ کو عبد اللہ بن سباء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''اور سبائی عبد اللہ بن سباء کے مددگار ہیں، جو ایامِ عثمان [رضی اللہ عنہ] سے ہی حضرت علی [رضی اللہ عنہ] کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتا تھا۔ [یہ سبائی لوگ] سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کچھ حصہ علی [رضی اللہ عنہ] کے جسد میں اور پھر ان کے بعد ان کے خلفاء کے جسد میں آ گیا تھا......''[3]

۲۔ جولیوس فلھاوزن: (۱۹۱۸م): [4]

اس نے سبائیت سے متعلق بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ بے شک اسے ابن سباء کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور یہ کہ ایرانیوں سے زیادہ شیعہ عقائد یہودیوں کے قریب ہے۔ وہ کہتا ہے:

---

[1] تاریخ الشیعة ص ۱۰۔

[2] یہ ان لوگوں میں سے ایک ہے جنہوں نے اسلامی فتوحات کی تاریخ اور عباسی اور اموی خلافت ک تاریخ کا مطالعہ کیا۔ اس کے علمی بقایاجات میں سے: ''الفتح العربی وبعض العقائد في عصر الأمويين۔'' اور ایسے ہی اس نے تاریخ طبری' حکومتِ عباسیہ؛ اور خراسان کی تاریخ پر تحقیق بھی کی ہے۔

[3] السيادة العربية والشيعة والإسرائيليات في عهدِ بنى أمية '' ص ۸۰۔

[4] جرمن مستشرق ہے؛ اس نے مشرقی زبانوں کی تعلیم حاصل کی۔ اس کی اہم کتابوں میں سے: ''تاريخ اليهود والتمهيد للتاريخ الإسلامی''۔ یہ شخص ۱۸۸۷م سے تاریخ طبری پر تحقیق کرنے میں مشغول ہوا؛ اس نے تمام راویوں کی شخصیات کو جرح وتعدیل کے لحاظ سے جانا۔ اس نے ''الخوارج و الشيعة '' اور '' تاريخ الدولة العربية '' کے نام سے بھی دو کتابیں لکھی ہیں؛ دونوں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوا اور 1918 میں انتقال کر گیا۔ نجيب العقيقي : المستشرقون : ۳/ ۹۰۶-۹۰۷۔

''اور سبائیت کی تاریخ ایجاد حضرت علی اور حسین [رضی اللہ عنہما] کے دور کی ہے؛ اور اسے عبداللہ بن سباء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کے اجنبی نام سے واضح ہے؛ ایسے ہی یہ یمنی تھا؛ اور شہر صنعاء کا رہنے والا تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ یہودی تھا؛ اسی وجہ سے فرقۂ سبائیہ کی اصل یہودی ہونے کے قول کو تقویت دیتا ہے۔ اور مسلمان یہودی کا اطلاق اس پر کرتے ہیں جو واقع الحال کے مطابق نہ ہو۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب جسے ابن سباء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، کہ یہ شخص اس فرقہ کا مؤسس ہے؛ اور اس کا مرجع یہودی ہونا اس کے ایرانی المرجع ہونے سے زیادہ اقرب ہے۔''❶

۳۔ گولڈ ٹسیہر: (۱۹۲۱م):❷

اس نے ابن سباء کے وجود کو ثابت کیا ہے، اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ: ''حضرت علی کی الوہیت میں غرق ہونے والا، اور ان کی شان میں غلو کرنے کا عقیدہ عبداللہ بن سباء کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس کے کلام کی نص یہ ہے:

''بے شک مہدیت کی فکر، جس کی وجہ سے امامت کا نظریہ نکلا؛ اور جس کی نشانیاں ''رجعت'' -کے عقیدہ- میں ظاہر ہوتی ہیں؛ مناسب ہے کہ ہم ان سب پر نظر ثانی کریں؛ اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں: یہ یہودی اور نصرانی مؤثرات میں سے ہے۔ جیسا کہ ''حضرت علی کی الوہیت میں غرق'' -ہونے- کا عقیدہ ابتداء میں عبداللہ بن سباء نے گھڑا تھا؛ ایک ایسی سوسائٹی میں نئی طرح پیش کیا گیا جو بالکل پاک وصاف سوسائٹی تھی؛ اور جس میں ابھی تک آریہ افکار نہیں پہنچے تھے۔''❸

---

❶ الخوارج والشیعة ۱۷۱۔

❷ یہ مستشرق سوریا گیا' وہاں سے مصر گیا؛ اور محمد عبدہ سے ملاقات کی: اسکے علمی بقایاجات میں سے: "الأساطیر عند الیهود وأداة الجدل عند الشیعة" اور "العقیدة والشریعة فی الإسلام۔" مترجم: نجیب العقیقی: المستشرقون: ۳/ ۹۰۶-۹۰۷۔

❸ "العقیدة والشریعة فی الإسلام "ص ۲۰۵۔

۴۔ رینولڈ نکلس: (۱۹۴۵م):❶

یہ اپنی کتاب "تاریخ الأدب العربی "میں کہتا ہے:

''اورعبداللہ بن سباء جس نے سبائی گروہ کی بنیاد رکھی ؛ یمن کے رہنے والوں میں سے تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ یہودی تھا۔عثمان کے زمانہ میں اسلام لایا ؛ اور اپنی دعوت پھیلاتے ہوئے شہروں میں گھومنے لگا.....''❷

اور (عقیدہ ابن سباء) کے عنوان میں لکھتا ہے:

''وہ کہا کرتا تھا:'' حقیقت میں یہ بہت ہی عجیب بات ہے کہ جو بھی انسان حضرت عیسی علیہ السلام کے اس دنیا کی زندگی میں لوٹ کر آنے کا عقیدہ رکھتا ہو؛ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لوٹ کر آنے کا عقیدہ نہ رکھے جس کی نص قرآن میں موجود ہے۔'' چہ جائے کہ ہزار نبیوں کے ہزار وصی ہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی علی ہے۔محمد آخرالأنبیاء ہے، اور علی آخرالاوصیاء ہے۔''❸

۵۔ ڈاویٹ ایم. رونلڈسن:

یہ مستشرق شیعہ فرقہ کی ایجاد میں عبداللہ بن سباء کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اس بات پر انتہائی پرانی روایات دلالت کرتی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلافت کا دعوی، ان کے ساتھیوں اور ان کے شیعہ کا فقط ایک سیاسی مقاصد پر مشتمل نقطۂ نظر ہی نہیں تھا، بلکہ یہ ان کے لیے حق الٰہی تھا۔ یہ اسلامی تاریخ کی طرف منسوب یدِطولی رکھنے والی ایک خفیہ شخصیت کی تعلیمات اور اس کی دسیسہ کاریوں کا نتیجہ- اس دعوت کا-ظہور و انتشار تھا۔''

اور وہ کہتا ہے:

''عثمان کے زمانہ میں ایک گھومنے پھرنے والا داعی ظاہر ہوا؛ جس کا نام عبداللہ بن سباء تھا؛ اس نے بلادِ اسلامیہ کے طول وعرض کے سفر کاٹے؛ وہ مسلمانوں میں فساد پیدا کرنا چاہتا تھا؛

❶ قدیم لٹریچر کا بڑا ماہر تھا۔عربی اور فارسی زبانیں سیکھیں، اور ہندوستان کی لغات پر عبور حاصل کیا۔ اس کی کتابوں میں سے: "التصوف الإسلامي" ہے۔اوراس نے ایک کتاب لکھی ہے:" الأدب العربي في ضوء التاريخ السياسي والعمراني للعرب و الإسلام "۔نجیب العقیقی: المستشرقون: ۲/ ۵۲۵-۵۲۶۔

❷عقیدة الشیعة ص ۸۵؛ نقلاً عن مرتضی عسکری: عبد الله بن سباء و أساطير أخرى ۱/ ۶۱۔

❸عقیدة الشیعة ص ۸۵؛ نقلاً عن مرتضی عسکری: عبد الله بن سباء و أساطير أخرى ۱/ ۶۱۔

جیسا کہ طبری نے کہا ہے۔'' [1]

یہ قدیم اہل سنت وشیعہ محدثین، ومحققین علماء کے اقوال ہیں؛ اور مستشرقین کے اقوال ہیں، جو ان کی تائید کرتے ہیں؛ اور ابن سباء کے وجود کی حقیقت کو ثابت کرتے ہیں۔ اور فرقۂ سبائیت کی تأسیس میں اس کا کردار بیان کرتے ہیں۔ علماء کی ان منقولات اور شہادات کے بعد کسی ایک کے لیے وجودِ ابن سباء کے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اس لیے کہ عاقل اس بات کا تصور نہیں کرسکتا کہ یہ علماء؛ زمانے اور اوقات کے اختلاف کے باوجود؛ اور ملکوں اور شہروں کے اختلاف؛ اور عقائد و مذہب اختلاف کے باوجود؛ اور ان کے علوم وفنون میں اختلاف ہوتے ہوئے بھی یہ سارے عبداللہ بن سباء کے من گھڑت قصے کو برابر-اتفاق سے- بیان کریں۔

سو آج کل کے شیعہ منکرین اور ان کے ڈھنگ پر رواں مستشرقین؛ اور ان کی کشتی میں سوار ہونے والے معاصر مؤلفین کے لیے؛ جو کہ عبداللہ بن سباء کے وجود کا انکار کرتے ہیں؛ اب کچھ باقی نہیں رہ جاتا سوائے اس کے کہ وہ اس کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا اعتراف کرلیں۔

چوتھی بحث:......رافضیوں کی ایجاد میں عبداللہ بن سباء یہودی کا کردار

پہلی فصل میں مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی سازشیں بیان کرتے ہوئے میں اس سازش کا بیان کرچکا ہوں جس کی قیادت عبداللہ بن سباء کررہا تھا۔ جس کی انجام حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتلِ ناحق پر ہوا۔ اس وقت اس ساری فتنہ آمیز سیاسی چال کے پیچھے عبداللہ بن سباء کی منصوبہ بندی شامل تھی۔

اس بحث میں دور دراز کے مسلمان عوام میں کو سے دور کرنے کے لیے دینی اعتبار سے عبداللہ بن سباء کے برپا کیے ہوئے فتنہ کو بیان کیا جائے گا۔

اس خبیث یہودی نے سادہ لوح مسلمان عوام الناس کو-اسلام کے لبادہ میں- بعض یہودی افکار و خیالات کی دعوت دی، جس سے بہت سے لوگ دھوکہ میں آگئے۔ اس نے اپنی اس دعوت کو اہل بیت سے محبت اور ان سے دوستی اور ان کے دشمنوں سے اظہارِ برأت کے غلاف میں پیش کیا۔ اس وجہ سے ایسے دیہاتی عوام اور نئے مسلمان دھوکہ میں آگئے جن کے دلوں میں اسلام داخل نہیں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ یہ

[1] تاریخ الأدب العربی ؛ ص ۲۱۵؛ بواسطة مرتضی عسکری : عبد الله بن سباء و أساطیر أخری ۱/ ٦١۔

لوگ ایک دینی فرقہ بن گئے جن کا عقیدہ صحیح اسلامی عقیدہ کے سراسر خلاف تھا۔ جن کے افکار اور نظریات کی اصل بنیاد یہودی مذہب پر تھی۔ یہ فرقہ اپنے مؤسس اور ایجاد کنندہ عبداللہ ابن سباء کی طرف منسوب ہوا۔ اس فرقہ پر ''سبائیت'' کا اطلاق ہوا جس سے رافضی فرقہ نکلا؛ جن کے اصول وعقائد اور مبادیات بالکل ایک ہی تھے۔ جو ابن سباء یہودی کے پیش کردہ افکار اور نظریات سے متأثر تھے۔ اسی وجہ سے یہ بات علماء- شیعہ اور اہل سنت- کے درمیان ہمیشہ مشہور رہی کہ عبداللہ بن سباء پہلا شخص ہے جس نے رافضیت کی بنیاد رکھی؛ اور یہ کہ رافضیت کی اصل جڑیں یہودیت سے نکلتی ہیں۔

مجموع الفتاوی میں شیخ اسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فرمان ہے:

''اور اہل علم نے یہ بات ذکر کی ہے کہ رافضیت کی ابتداء عبداللہ بن سباء زندیق سے ہوئی۔ سو اس نے اسلام کا اظہار کیا۔ اور یہودیت کو چھپائے رکھا۔ اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کی۔ جس طرح پولس عیسائی نے- جو کہ یہودی تھا- عیسائی مذہب کو مٹانے کی کوشش کی۔''❶

اور ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''...... بے شک وہ انسان جس نے رافضیت کی ابتداء کی، وہ ایک یہودی تھا جو اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا۔ اور جاہل لوگوں میں اس نے اپنی مکاریاں پھیلائیں۔ جن کی وجہ سے ایمان کے اصولوں میں قدرح کرتا تھا۔ اس لیے رافضیت، منافقت اور زندیقیت کے بڑے دروازوں میں سے ایک تھی۔''❷

نیز آپ فرماتے ہیں:

'' رافضیت کی اصل- جڑ- منافقین اور زندیقوں سے نکلتی ہے۔ بے شک اسے ابن سباء زندیق نے ایجاد کیا؛ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں، ان کی امامت اور اس کے بارے میں واضح نصوص ہونے کے دعوی سے غلو کا اظہار کرنے لگا، اور ان کے معصوم ہونے کا دعوی کیا۔ اس لیے جب اس کی بنیاد ہی نفاق پر تھے تو بعض سلف رحمہ اللہ نے فرمایا: ''حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کی محبت ایمان ہے، اور ان سے عداوت نفاق ہے۔'' اور بنی ہاشم سے محبت

---

❶ مجموع الفتاوی: ۲۸/ ۴۸۳۔

❷ مجموع الفتاوی: ٤/ ٤٢٨۔

ایمان ہے، اوران سے بغض نفاق ہے۔'' ❶

ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ شرح العقیدۃ الطحاویۃ میں فرماتے ہیں:

''بے شک رافضیت کی بنیادیں ایک منافق زندیق نے رکھی ہیں۔ جس کا مقصد دین اسلام کو ختم کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر تنقید کرنا تھا۔ جیسا کہ علماء کرام نے بیان کیا ہے۔ اس لیے کہ جب عبداللہ بن سباء نے اسلام کا اظہار کیا؛ تو اپنی خباثت اور مکر کی بنا پر اس کا ارادہ دین اسلام ختم کرنے کا تھا۔ جیسے کہ پولس - یہودی - نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ اس نے اپنا عبادت گزار ہونا ظاہر کیا۔ پھر لوگوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے لگا، حتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی سازش کی، جس کے نتیجہ میں آپ قتل ہوئے ......'' ❷

جدید تحقیق نے بھی یہ بات ثابت کردی ہے کہ رافضیت کی اصل بنیاد یہودیت پر ہے۔ اور اس کا ایجاد کرنے والا ایک مکار اور خبیث یہودی تھا۔ جس کا ارادہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے عقیدہ میں فساد پیدا کرے۔ اور انہیں صحیح دین سے منحرف کردے۔

عبداللہ القصیمی - رافضیت کا - حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''اور اس گمراہی کے بیج بونے والا، اور اس کا بیڑا اٹھانے والا عبداللہ بن سباء ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے طلب کیا تھا تا کہ اسے بہت سخت سزا دیں۔ لیکن یہ - بدبخت - کوّے سے زیادہ چوکنا رہتا تھا۔ وہ وہاں سے بھاگ گیا اور وہ علاقہ ہی چھوڑ دیا۔ اس کا بھاگنا اس خطرناک سازش کو ترک کرنا اور شکست تسلیم کرنا نہیں تھا، بلکہ وہ اپنے ان افکار کو مسلمانوں کو گمراہ کرنے، اور فتنہ پیدا کرنے، اور اپنے پلان کو انجام تک پہنچانے کے لیے تھا تا کہ وہ اس کے لیے یہ ملامت وعار اور عذاب نار قیامت تک باقی رہے۔''

اس انسان کے دعوے اور بدعات ہر طرف پھیل گئے۔ اور ان اس کی بھیانک اور خطرناک آوازیں اسلامی مملکت میں گونجنے لگیں، جس کے سامنے دل اور کان ڈھل گئے۔ اور دل اور کان اس کے لیے جھک گئے۔ اور جن مونہوں کو اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے لیے پیدا کیا تھا، ان پر یہ آوازیں بار بار حرکت کرنے

---

❶ مجموع الفتاوی : ٤/ ٤٣٥۔

❷ شرح العقیدۃ الطحاویۃ (ص ٥٧٨)۔

لگیں۔ اور کئی دوسری زبانیں بھی ان کو بیان کرنے لگیں۔ آوازوں کا یہ تکرار بڑھتا گیا یہاں تک کہ ان دلوں میں گھر کر گیا جو اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکے۔ اور یہی بازگشت ان کا عقیدہ میں شامل ہوگئی۔ یہاں تک کہ یہ ایسا مضبوط عقیدہ بن گیا جس کے لیے خون بہایا گیا۔ اور ان لوگوں نے اہل بیت اور اصحاب سے دشمنی رکھنی شروع کردی؛ یہاں تک کہ بعد میں یہی لوگ شیعی مذہب سے معروف ہوئے اور یہ شیعہ عقیدہ ٹھہرا۔'' ❶

احمد امین کا کہنا ہے کہ: '' بے شک شیعہ عقائد کئی ایک ادیان سے مل کر بنے ہیں، جن میں یہودیت اور عیسائیت اور رزردشتی ❷ شامل ہیں۔ ان لوگوں نے اس کی طرف دعوت اس لیے دی کہ یہ سب اسلام دشمنی پر؛ اور اس کے خلاف حسد وحقد میں ایک تھے۔ سب نے اہل بیت سے محبت کے پردہ کی آڑ میں اپنے عزائم کو پورا کیا۔''

نیز وہ کہتے ہیں: '' حق بات تو یہ ہے کہ شیعیت ہر اس انسان کے لیے پناہ گاہ تھی جو اسلام کے لبادہ میں اسلام سے دشمنی اور بغض رکھتا ہو؛ یا یہودیت، عیسائیت، زردشتیت اور ہندومت میں سے اپنے باپ دادا کی تعلیمات کو اسلام میں داخل کرنا چاہتا ہو۔ اور جو کوئی اپنے علاقوں میں اسلامی مملکت کے خلاف بغاوت کھڑی کرنا چاہتا ہو۔ یہ سارے لوگ اہلِ بیت کی محبت کو آڑ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس کے پیچھے اپنی جو بھی خواہشات ہوتیں، ان کو رائج کرتے اور ہوا دیتے۔ شیعہ مذہب میں یہودیت کا ظہور رجعت کے قول میں ہوا۔ اور شیعہ نے اس بات کا بھی دعوی کیا کہ آگ ان پر حرام ہے، سوائے بہت ہی تھوڑی کے۔ اور یہودیوں نے بھی یہی کہا تھا: '' ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن۔'' ❸

جب کہ علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ ان لوگوں کی کتابوں اپنی لمبی تحقیق کے بعد؛ جس کی وجہ سے

---

❶ الصراع بين الوثنية و الإسلام ١/ ١١۔

❷ زردشت: ایک فارسی مذہب ہے۔ جو زردشت بن یوشب کی طرف منسوب ہے۔ زردشت آذربائجان میں ٦٦٠ قبل میلاد پیدا ہوئے۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ نور اور ظلمت دو متضاد اصل ہیں۔ اور یہی دونوں عالم کی ایجاد کے لیے ایک مبداء ہیں۔ ان کے آپس میں ملنے سے یہ ترکیب ظہور پذیر ہوئی۔ اور یہ صورتیں مختلف ترکیبوں کے نتیجہ میں سامنے آئیں۔ اور باری تعالیٰ نور اور ظلمت کا پیدا کرنے والا ہے۔ دیکھو: الملل و النحل شهرستاني (١/٢٣٧)؛ ڈاکٹر علی عبدالواحد الوافي: الأسفار المقدسة في الأديان السابقة (ص: ١٥٠)۔

❸ فجر الإسلام (ص: ٢٧٦-٢٧٧)۔

رافضہ اور ان کے متعلق ان کے تجربہ میں اضافہ ہوا؛ اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ ان لوگوں کا عقیدہ عبد اللہ بن سباء کے واسطہ سے یہودی اساسیات پر قائم ہے۔ فرماتے ہیں:

''رہا امامیہ کا مذہب اور اثنا عشری عقیدہ، یہ تو صرف ان بنیادوں پر قائم ہے جن کا اساس جرائم پیشہ یہودیوں نے عبداللہ بن سباء صنعانی یمنی - جو کہ ابن سوداء کے نام سے مشہور ہے- کے ذریعہ رکھی تھی۔'' ❶

اہلِ سنت و الجماعت کی کتابوں میں موجود ان منقولات سے یہ بات یقینی ہوگئی کہ: ''بے شک رافضیت کی بنیاد عبداللہ بن سلام یہودی نے رکھی تھی۔ اور یہ کہ رافضیت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس بات کا بڑے شیعہ علماء اور مؤرخین نے اعتراف کیا ہے۔ الکشی ایک مشہور شیعہ مؤرخ اور حالاتِ زندگی کے ماہر ہیں، جس کا شمار چوتھی صدی کے علماء میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے مذہب کے بعض علماء سے یہ نص نقل کرتا ہے؛ وہ کہتا ہے: ''بعض اہل علم نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ: بے شک عبد اللہ بن سباء یہودی تھا؛ اس نے اسلام کا اظہار کیا، اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعوی کرنے لگا۔ اور جب وہ یہودی تھا تو یوشع بن نون کے متعلق غلو کرتے ہوئے کہا کرتا تھا: ''وہ موسی علیہ السلام کے وصی ہیں''۔ اور اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہنے لگا۔ یہی وہ پہلا انسان ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے فرض ہونے کا قول ایجاد کیا۔ اور ان کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کیا۔ اور ان کے مخالفین کا پردہ چاک کیا، اور انہیں کافر قرار دیا۔ سو اس بنیاد پر شیعہ کے مخالفین کہتے ہیں کہ: ''شیعیت اور رافضیت کی اصل یہودیت سے مأخوذ ہے۔'' ❷

یہ عبارت رافضی علماء کے ہاں مشہور ہے، جسے ان کے علماء نقل کرتے چلے آئے ہیں۔ ان کی معتمد اور ثقہ کتابوں میں سے کئی ایک میں اس کا ذکر آیا ہے۔

-شیعہ عالم- اشعری قمی نے "المقالات و الفرق" ❸ میں سے ذکر کیا ہے، اور نوبختی نے "فرق الشیعة" ❹ میں ذکر کیا ہے، اور مامقانی نے "تنقیح المقال" ❺ میں اس کا ذکر کیا ہے۔''

---

❶ الشیعة والسنة (ص: ٢٩)۔ ❷ رجال الكشي ص: ٧١۔ ❸ "المقالات و الفرق" ٢١-٢٢۔
❹ "فرق الشيعة" ص ٢٢۔ ❺ "تنقيح المقال" ٢/ ١٨٤۔

یہ رافضیوں کے بڑے علماء اور مؤرخین ابن سباء کا یہودی ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ بات مانتے ہیں کہ جب تک وہ یہودی تھا حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے وصیِ موسیٰ علیہ السلام ہونے کا کہا کرتا تھا۔ اور اپنے اسلام کے اظہار کر دور میں یہی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہنے لگا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ اور یہ کہ یہی وہ پہلا انسان ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امام ہونے کا نعرہ بلند کیا اور ان کے مخالفین سے برأت کا اظہار کیا۔

پھر اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ: ''اسی وجہ سے رافضیت کو یہودیت کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔'' رافضیوں کے ان بڑے علماء نے جس بات کا اعتراف کیا ہے، ہم اسے یہاں پر درج کرر ہے ہیں۔ یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ رافضیت یہودیت سے ماخوذ ہے۔ اسے قبول کرنا رافضیوں میں سے ہر انسان پر لازم ہے جو معاصرین رافضی علماء اس میں شک کرر ہے ہیں۔ اور جو نئے قلم کاروں کی باتوں سے متأثر ہیں۔

جیسا کہ اہل سنت اور اہل تشیع کی کتب سے یہ بات ثابت ہے کہ رافضیت کی اصل عبد اللہ بن سباء- یہودی -کے واسطہ سے یہودیت سے ماخوذ ہے۔ ایسے ہی مستشرقین کی کتابیں بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ چنانچہ جرمن مستشرق گیلیس فل ہاوزن کہتا ہے:

سبائیت کی ایجاد کا زمانہ حضرت علی اور حضرت حسن -رضی اللہ عنہما- کا زمانہ ہے۔ اور جیسا کہ اس کے اچھنبے نام سے ظاہر ہے۔ سو بے شک یہ آدمی یمنی تھا، وہاں کے دار الحکومت صنعاء سے تعلق رکھتا تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: وہ یہودی تھا۔ یہی اس قول کی اصل ہے کہ ''فرقہء سبائیہ کی بنیاد یہودی نے رکھی ہے۔'' اور مسلمان ہر اس انسان پر یہودی کا اطلاق کرتے ہیں جو حقیقت میں یہودی نہ بھی ہو۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب جو کہ عبد اللہ بن سباء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، بے شک وہی اس کا بانی ہے؛ یقیناً اس انسان کی بنیاد یہودی تھی، یہ ایرانی المرجع ہونے سے زیادہ قریب تر ہے۔''[1]

جب کہ ایک اور مستشرق اُوگنوس گولڈ ٹھیسر کی رائے یہ ہے کہ: یقیناً رافضیوں کے ہاں مہدیت کی سوچ؛ اور رجعت کا عقیدہ یہودیت اور عیسائیت سے متأثر ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو عبد اللہ بن سباء یہودی کی ایجاد ہے۔ وہ کہتا ہے:

[1] الخوارج والشیعة ص ۱۷۰- ۱۷۱۔

'' مہدیت کی سوچ ؛ جس کی وجہ سے امامت کا نظریہ ایجاد کرنا پڑا، اور جس کے اہم ترین عقائد میں سے رجعت - کا عقیدہ ہے -، یہ بہت مناسب ہے کہ ہم ان سب کو -جیسا کہ ہماری تحقیق ہے - ؛ یہودی اور عیسائی اثرات کی طرف منسوب کریں۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت میں فنا ہونے کا عقیدہ جوکہ ابتداء میں عبداللہ بن سباء یہودی کی ایجاد ہے؛ ایسے خالص نئے ''سامی'' معاشرہ میں پیدا ہوا - اور پروان چڑھا - جس میں ابھی تک آریہ افکار سرائیت نہیں کر پائے تھے۔'' ❶

یہ تمام اہل سنت، شیعہ اور مستشرق علماء کے اقوال اس بات کی تائید وتاکید کرتے ہیں کہ:

'' رافضیت کی اصل یہودیت سے ماخوذ ہے، اور اس کا ایجاد کنندہ اور اس بدعت کو پیدا کرنے والا عبداللہ بن سباء یہودی ہے۔ رافضیت کے یہودیت سے مأخوذ ہونے پر کئی ایک دلائل اور بھی ہیں، -ان میں سے۔

اول:...... وہ عقائد جن میں رافضی اسلام کی طرف منسوب باقی سارے فرقوں سے جدا ہیں، جیسا کہ وصیت کا عقیدہ، اور رجعت، بداء، اور تقیہ؛ اور جس کو وہ اپنے آئمہ کی شان میں غلو سے تعبیر کرتے ہیں، ان کی اسلام میں کوئی اصل نہیں ہے۔ بلکہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؛ اور اجماع امت اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ عقائد باطل ہیں، اور اسلام ان سے بری ہے۔ جیسا کہ ان عقائد پر رد کرتے ہوئے عنقریب ہم واضح کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

رہی یہ بات کہ رافضی اپنے عقائد کے صحیح ہونے پر جن دلائل سے استدلال کرتے ہیں ؛ وہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے:

۱۔ یا تو جس دلیل سے وہ استدلال کررہے ہیں وہ صحیح ہوگی، لیکن اس میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں ہے۔ (بلکہ وہ اسے موڑ توڑ کر اپنے مطلب کی بات نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۲۔ یا تو وہ دلیل ہی موضوع ہوگی جس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ ان کے دلائل اکثر طور پر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ جب انہوں نے اپنے عقائد پر دلیل کے لیے شریعت میں کچھ بھی نہ پایا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اور حضرت علی اور ان کے بیٹوں کی زبانی حدیثیں گھڑنی شروع

❶ العقيدة والشريعه في الإسلام ص ۲۰۵۔

کردیں تا کہ ان سے اپنے فاسد عقائد کے دلائل پیدا کرسکیں۔

اسی لیے یہ بات اہل علم کے درمیان مشہور ومعروف رہی ہے کہ رافضی اسلام کی طرف منسوب فرقوں میں سب سے بڑھ کر جھوٹے ہیں۔ اس بنا پر انہوں نے روافض سے حدیث نہیں روایت کی؛ بلکہ ہمیشہ عوام الناس کو ان کے جھوٹ سے خبر دار کرتے رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نقل، روایت اور اسناد کے ماہرین علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رافضی سب سے بڑھ کر جھوٹے لوگ ہیں۔ اور ان میں جھوٹ کی لت بہت پرانی ہے۔ اس لیے آئمہ اسلام کثرت سے جھوٹ کو ان کے امتیازی وصف کے طور پر جانتے تھے۔

امام ابو حاتم الرازی ❶ فرماتے ہیں: میں نے سنا یونس بن عبد الاعلی کہہ رہے تھے: اشہب بن عبد العزیز نے کہا: امام مالک سے رافضیوں کے متعلق سوال کیا گیا؛ تو آپ نے فرمایا: ''ان سے حدیث نہ روایت کرنا اور نہ ہی ان سے بات کرنا؛ اس لیے کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔''

ابو حاتم کہتے ہیں: ہم سے حرملہ ❷ نے بیان کیا؛ وہ کہتے ہیں: میں نے سنا -امام- شافعی فرما رہے تھے: ''میں نہیں جانتا کہ رافضیوں سے بڑھ کر کوئی جھوٹی گواہی دینے والا ہو۔

مؤمل بن اھاب کہتے ہیں: ''میں نے یزید بن ہارون کو کہتے سنا کہ: ''ہر بدعتی سے حدیث لکھی جاسکتی ہے، اگر وہ اپنے بدعت کی دعوت دینے والا نہ ہو؛ سوائے رافضہ کے۔ اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔''

محمد بن سعید اصفہانی کہتے ہیں: میں نے سنا امام شریک ❸ کہہ رہے تھے:

''میں جس انسان سے بھی ملتا ہوں اس سے علم کی بات لے لیتا ہوں، سوائے رافضیوں کے؛

---

❶ محمد بن ادریس بن المنذر الحنظلی، أبو حاتم، الحافظ الکبیر، قال الخطیب: کان أحد الأئمہ الحفاظ الثبات۔ حفاظ اور ثبات آئمہ اسلام میں سے ایک تھے؛ علم میں بڑے مشہور تھے، آپ کی فضیلتوں کا ہمیشہ تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ۲۷۷ ہجری میں انتقال ہوا آپ کی پیدائش ۱۹۵ ہجری میں ہوئی تھی۔ تهذیب التهذیب (۹/ ۴۰)۔

❷ حرملہ بن یحی بن عبد الله بن حرملہ بن عمران التجیبی، أبو حفص المصری، ۱۶۶ ہجری میں پیدا ہوئے؛ اور ۲۴۴ ہجری میں وفات پائی؛ تهذیب التهذیب (۴/ ۲۲۹)۔

❸ شریك بن عبد الله بن ابو شریك نخعی؛ عبد الله الكوفی القاضی؛ ۹۰ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۷ ہجری میں وفات پائی؛ تهذیب التهذیب (۴/ ۳۳۵)۔

اس لیے کہ وہ خود ہی جھوٹی حدیثیں گھڑتے ہیں، اور پھر انہیں دین بنا لیتے ہیں۔''

ابو معاویہ ❶ کہتے ہیں: میں نے اعمش سے سنا ہے، وہ کہہ رہے تھے کہ:

''میں نے لوگوں کو انہیں جھوٹا کہتے ہوئے ہی پایا ہے۔''❷

ثانیاً:......رافضیوں کے وہ عقائد جن میں وہ تمام اسلامی فرقوں اور گروہوں سے جدا اور الگ ہیں، - وہ عقائد- ان میں یہودیوں سے منتقل ہوئے ہیں۔ میں نے ان عقائد کا بغور مطالعہ کیا؛ تو معلوم ہوا کہ یا تو یہ خالص یہودی عقائد ہیں، یا ان کی اصل یہودیوں سے لی گئی ہے۔ یہ بات ہم انشاء اللہ یہود اور روافض کے عقائد میں تقابل کے دوران بیان کریں گے۔ (آگے تقابل آ رہا ہے)۔

ثالثاً:......شیعہ اور سنی علماء کی تصریح کہ سب سے پہلے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کیا ؛ اور اس رجعت اور وصیت کے عقیدے ایجاد کیے وہ عبد اللہ بن سباء یہودی ہے۔ ہم اس سے پہلے اشعری قمی ؛کشی ؛ نوبختی ؛ اور مامقانی کی عبارتوں سے نصوص نقل کی ہیں ؛ جن میں اس بات کا اعتراف ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصی ہونے ؛ اور ان کی امامت کے فرض ہونے کے قول کا اظہار کرنے والا عبد اللہ بن سباء ہے۔ اسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کیا، اور آپ کے مخالفین سے برأت کا اظہار کیا۔

شہرستانی نے ذکر کیا ہے کہ: بے شک ابن سباء وہ پہلا آدمی ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امام ہونے کا قول ایجاد کیا۔ اور اسی سے غالیوں کی مختلف اصناف پھوٹیں۔ آپ سبائیت کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ پہلا فرقہ ہیں جنہوں نے توقف، رجعت اور غیبت کا عقیدہ بنایا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد آئمہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک جز کے تناسخ ہو جانے کا کہنے لگے۔''❸

اور مقریزی کا کہنا ہے کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ابن سباء نے حضرت علی کے وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا

---

❶ ابو معاویہ؛ محمد بن خازم التیمی السعدی؛ مولاہم' أبو معاویۃ الضریر الکوفی؛ امام نسائی نے انہیں ثقہ کہا ہے: ۱۱۳ ہجری میں انتقال ہوا۔ تهذيب التهذيب (۹/ ۱۹۲)۔

❷ منهاج السنة النبوية (۱/ ۵۹-۶۰)۔ ❸ الملل النحل (۱/ ۱۷٤)۔

قول ایجاد کیا۔ اور ان کے مرنے کے بعد ان کے دوبارہ اس دنیا کی زندگی میں لوٹ کر آنے کا کہنے لگا۔'' ❶

جب ہم یہ بات جان گئے کہ یہ عقائد- جن کے بارے میں علماء کرام نے تائید و تاکید کی ہے کہ اسلام میں ان کا سب سے پہلا مؤسس ابن سباء یہودی ہے-؛ تو ہمیں اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان رافضی عقائد کا کتنا وزن ہے؟ بلکہ یہی وہ اساس جس پر رافضیوں نے اپنے عقائد کی بنیاد رکھی ہے۔ اور دوسری بات جو معلوم ہوتی وہ رافضیوں کی ایجاد میں یہودیوں کا بڑا اہم اور مرکزی کردار ہے۔

چہارم: عبد اللہ بن سباء کی اپنے متعلق صراحت کہ اس نے وصیت کا عقیدہ تورات سے لیا ہے۔ بغدادی نے شعبی ❷ سے نقل کیا ہے: بے شک ابن سوداء نے اہل کوفہ سے بیان کیا کہ:

''اس نے تورات میں پایا ہے کہ ہر نبی کے لیے ایک وصی ہوتا ہے؛ اور یہ کہ علی رضی اللہ عنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں؛ اور یہ کہ یقیناً آپ تمام اوصیاء سے بہتر ہیں۔ جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے بہتر ہیں۔'' ❸

اپنی اس بحث کے یہ دلائل اور سابقہ نقول جو ہم نے بعض علماء اہل سنت اور شیعہ سے ذکر کی ہیں، اور بعض مستشرقین کی گواہیاں نقل کی ہیں، کہ: رافضیت کی ایجاد میں عبد اللہ بن سباء کا کردار'' اپنے موضوع پر یہ کافی و شافی دلائل ہیں۔ اور یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ رافضیت اصل میں یہودیت سے ماخوذ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس توفیق پر وہ حمد و ثنا کا مستحق ہے۔ الحمد للہ۔

پانچویں بحث:......روافض کی یہود سے مشابہت

رافضیوں کی یہودیوں سے مشابہت بہت سارے عقیدہ پہلوؤں، فقہی احکام و مسائل؛ اور مذہب کے امور میں ہے۔ اور ان دونوں کے مابین اتنی بڑی سطح پر مشابہت کا ہونا کوئی عجیب بھی نہیں ہے۔ اس

❶ خطط المقریزی (المواعظ و الاعتبار)؛(۲/ ۳۵٦)۔

❷ ابو عمرو عامر بن شراحیل بن عبد بن ذی کبار؛ کوفی، جلیل القدر تابعی اور بہت بڑے عالم ہیں۔ زہری کہتے ہیں: علماء چار ہیں: سعید ابن مسیّب مدینہ میں؛ شعبی کوفہ میں؛ حسن بصری، بصرہ میں، اور مکحول شام میں۔ آپ کو پانچ سو صحابہ کرام کی صحبت و ملاقات حاصل ہوئی۔ سن ۱۷ ہجری میں کوفہ میں پیدا ہوئے، اور ۱۰۴ ہجری میں وہیں پر وفات پائی۔ وفیات الأعیان ۳/ ۱۲۔

❸ الفرق بین الفرق ص ۲۳۵۔

لیے کہ رافضیت کی بنیاد شروع دن سے ہی یہودیت کے عقائد ومبادیات سے پڑی ہے۔

رافضیوں کا یہودیوں سے متأثر ہونا کسی بھی ایسے انسان پر مخفی نہیں ہے جو جسے ان کے مبادیات اور عقائد کا علم ہے۔خواہے یہ علم اسے ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور لین دین کرنے کی وجہ سے حاصل ہوا ہو یا ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے۔خاص کر قدیم کتابوں کا مطالعہ۔

ہمارے سلف صالحین -رحمہم اللہ- لوگوں میں سے سب سے زیادہ ان کو جاننے والے تھے۔ جب انہوں نے اس حقیقت کا ادراک کیا تو پوری صراحت کے ساتھ رافضیت کی یہودیت کے ساتھ عقائد میں مشابہت کو بیان کیا؛ اور لوگوں کو ان سے خبر دار کیا۔

سب سے پہلے ان کے بارے میں خبر دار کرنے والے امام عامر بن شراحیل شعبی ہیں۔آپ کوفہ میں ہی پیدا ہوئے، پلے بڑھے اور وفات پائی۔ان کا ساری زندگی ان -رافضہ- کے ساتھ میل جول اور تعلق رہا ہے۔اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

'' آپ لوگوں میں سب سے زیادہ ان-شیعہ و روافض - کے بارے میں جاننے والے تھے۔''[1]

ابن عبدربہ نے ''العقد الفرید'' میں مالک بن مغول سے روایت کیا ہے؛ وہ کہتے ہیں:

''شعبی نے مجھ سے کہا: ''اے مالک! ہم نے رافضہ کا تذکرہ کیا۔اگر میں چاہوں کہ وہ اپنی گردنیں غلام بنا کر میرے سامنے پیش کر دیں، اور میرے گھر کو سونے سے بھر دیں، اور میں جناب سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ایک ہی جھوٹ بولوں،تو وہ ایسا کرگزریں گے۔'' مگر اللہ کی قسم! میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ ہرگز نہیں بولوں گا۔''اے مالک! میں نے تمام بدعتی فرقوں کا مطالعہ کیا ہے، رافضہ سے بڑھ کر بیوقوف کسی کو نہیں پایا۔اگر یہ لوگ چوپائے ہوتے تو گدھے ہوتے؛ اور اگر پرندوں میں ہوتے تو کوّے ہوتے۔''

پھر فرمایا: ''میں تمہیں گمراہ کرنے والی ہوا پرستی سے ڈراتا ہوں، اور ان سب سے بری گمراہی -اور پرستی- رافضیت ہے۔ بے شک یہ اس امت کے یہودی ہیں، اسلام سے ایسے ہی بغض رکھتے ہیں جیسے یہودی عیسائیت سے بغض رکھتے ہیں۔ اور انہوں نے اللہ کی رضامندی

[1] منهاج السنة ١/ ٢٢۔

حاصل کرنے کے لیے اسلام قبول نہیں کیا، لیکن اہل اسلام پر غصہ ٹھنڈا کرنے اور ان پر سرکشی کرنے کے لیے۔ انہیں حضرت علی بن اَبی طالب رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلایا تھا۔ اور انہیں مختلف علاقوں میں جلاوطن کیا۔ ان ہی میں سے عبد اللہ بن سباء بھی تھا جسے ساباط کی طرف جلا وطن کیا۔ اور عبد اللہ بن سباب کو حازر کی طرف؛ اور ایسے ہی ابو الکروس کے ساتھ بھی ہوا۔ اس لیے رافضی آزمائشیں بھی یہودی آزمائشیں ہیں۔☆ -اور عقائد بھی ایسے ہی ہیں؛ مثلاً۔

۱۔ یہودی کہتے ہیں کہ بادشاہی صرف آلِ داؤ میں ہی ہوسکتی ہے۔ اور رافضی کہتے ہیں: کہ خلافت- اور امامت- صرف آل علی بن ابی طالب میں ہی ہوسکتی ہے۔

۲۔ یہودی کہتے ہیں کہ: جہاد اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک مسیح منتظر نہ آجائے۔ رافضی کہتے ہیں: جہاد اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک مہدی منتظر نہ آجائے؛ اور آسمان سے اس کے اسباب نہ نازل ہو جائیں۔

۳۔ یہودی نمازِ مغرب میں تأخیر کرتے ہیں یہاں تک کہ ستارے آپس میں مل جائیں۔ رافضی بھی ایسے ہی -نماز مغرب- میں تاخیر کرتے ہیں۔

۴۔ یہودی تین طلاق کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتے۔ ایسے رافضی بھی کرتے ہیں۔

۵۔ اور یہودی عورتوں کی عدت کا نظریہ نہیں رکھتے۔ رافضی بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔

۶۔ یہودی ہر مسلمان کا خون بہانا حلال سمجھتے ہیں۔ رافضی بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

۷۔ یہودیوں نے تورات میں تحریف کی۔ رافضیوں نے قرآن میں تحریف کی۔

۸۔ یہود جبریل سے بغض رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: یہ ملائکہ میں سے ہمارا دشمن ہے۔ ایسے ہی رافضہ بھی کہتے ہیں کہ: ''جبریل نے غلط کیا وحی لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا گیا، اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔''

۹۔ یہودی اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے۔ رافضی بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔

یہود و نصاری کو رافضیوں پر دو وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ یہودیوں سے پوچھا گیا: تمہاری ملت کے سب سے بہترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی۔''

☆ یہاں سے یہودی رافضی مشابہت کو نمبر وار ذکر کیا جائے گا۔

اور عیسائیوں سے پوچھا گیا: تمہاری ملت کے سب سے بہترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ''حضرت عیسی عَلَیْہِ السَّلَام کے ساتھی۔'' رافضیوں سے پوچھا گیا: تمہاری ملت کے سب سے بدترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ''حضرت محمد ﷺ کے ساتھی۔''

انہیں ان -اصحاب محمد ﷺ- کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا، تو انہوں نے -استغفار کے بجائے- سب وشتم کیا۔ سو یہ برہنہ تلوار قیامت تک ان پر لٹکتی رہے گی۔ ان کے قدم قیامت تک جم نہیں پائیں گے۔ اور نہ ہی ان کا جھنڈا بلند ہوگا۔ اور نہ ہی ان کا ایک بات پر اجتماع ہوسکتا ہے۔ ان کی دعوت راندی ہوئی ہے۔ ان کا کلمہ مختلف ہے۔ اور ان کے جمگھٹ میں بھی تفریق ہے۔ جب بھی یہ جنگ کی آگ بھڑکانے کی کوشش کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس آگ کو بجھا دیتے ہیں۔'' [1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنہ میں ایسا ہی کلام نقل فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''ابو عاصم خشیش بن اصرم نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے، یہ روایت ابو عمرو الطلمنکی نے اپنی کتاب 'و الأصول' میں نقل کی ہے؛ ابو عاصم کہتے ہیں: ہم سے احمد بن محمد اور عبدالوارث بن ابراہیم نے بیان کیا -وہ کہتے ہیں: ہم سے سندی بن سلیمان الفارسی نے بیان کیا؛ ان سے عبداللہ بن جعفر الرقی نے بیان کیا؛ وہ عبدالرحمٰن بن مالک بن مغول سے نقل کرتے ہیں: وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''میں نے عامر شعبی سے کہا: ''آپ کو ان لوگوں سے کس چیز نے موڑا، جب کہ آپ ان ہی میں سے تھے، اور ان کے بڑے سردار تھے؟''

تو انہوں نے فرمایا: ''میں نے دیکھا کہ وہ ایسے نصوص کو کاٹ کر لیتے ہیں جن کا کوئی منہ سرا ہی نہیں ہوتا۔ پھر مجھ سے کہا: ''اے مالک! اگر میں چاہوں کہ وہ اپنی گردنیں غلام بنا کر میرے سامنے پیش کر دیں، اور میرے گھر کو سونے سے بھر دیں، یا وہ میرے گھر کا حج کریں، اور میں جناب سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ایک ہی جھوٹ بولوں، تو وہ ایسا کر گزریں گے۔'' مگر اللہ کی قسم! میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ ہرگز نہیں بولوں گا۔'' اے مالک! میں نے تمام بدعتی فرقوں کا مطالعہ کیا ہے، رافضہ سے بڑھ کر بیوقوف کسی کو نہیں

[1] العقد الفرید' ابن عبد ربہ (۲/ ۲۴۹-۲۵۰)۔

پایا۔ اگر یہ لوگ چوپائے ہوتے تو گدھے ہوتے؛ اور اگر پرندوں میں ہوتے تو کوّے ہوتے۔''

اے مالک! یہ لوگ دین اسلام میں رغبت اور اللہ کی رضا مندی کے حصول اور اس کے خوف کی وجہ سے مسلمان نہیں بنے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب ہے۔ اور ان کی اسلام پر سرکشی اور بغاوت۔ یہ چاہتے ہیں کہ دین اسلام کو ایسے بگاڑ دیں جیسے پولس بن یشوع -یہودی بادشاہ- نے عیسائیت کو بگاڑا تھا۔

ان کی نماز ان کے کانوں سے اوپر تجاوز نہیں کرتیں۔ انہیں حضرت علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلایا تھا۔ اور ان میں سے کچھ کو مختلف علاقوں میں جلا وطن کیا۔ ان ہی میں سے عبداللہ بن سباء؛ صنعاء کا یہودی بھی تھا جسے ساباط کی طرف جلا وطن کیا۔ اور ایسے ہی ابوبکر الکروس کو جابیہ کی طرف جلا وطن کیا۔ اور ان میں سے ایک قوم کو آگ سے جلا دیا؛ -یہ وہ لوگ تھے- جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو کہنے لگے: '' آپ وہی ہیں۔ حضرت علی نے کہا: میں کون ہوں؟ تو کہنے لگے: آپ ہی ہمارے رب ہیں۔'' -حضرت علی رضی اللہ عنہ - نے آگ جلانے کا حکم دیا۔ جب شعلے بھڑکنے لگے؛ تو حکم دیا کہ انہیں آگ میں ڈال دیا۔ ان ہی کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

'' جب میں نے برائی کو حد سے بڑھا ہوا دیکھا تو میں نے آگ جلائی، اور انہیں اس میں جلا دیا۔''

اس لیے رافضی آزمائشیں بھی یہودی آزمائشیں ہیں۔ یہودی کہتے ہیں کہ بادشاہی صرف آل داوٗ میں ہی ہوسکتی ہے۔ اور رافضی کہتے ہیں: کہ امامت صرف آل علی بن ابی طالب میں ہی ہوسکتی ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ: جہاد اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک مسیح دجال نہ آجائے؛ اور آسمانوں سے تلوار نازل ہو۔ رافضی کہتے ہیں: جہاد اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک آل محمد سے رضا نہ آجائے؛ اور آسمان سے ایک آواز لگانے والا آواز نہ لگائے کہ: اس کی اتباع کرو۔

۱۰۔ یہودی کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے ہم پر ایک دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ رافضی بھی ایسے ہی کہتے ہیں۔

۱۱۔ یہودی نمازِ مغرب میں تأخیر کرتے ہیں حتیٰ کہ ستارے آپس میں مل جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' میری امت اس وقت تک اسلام پر رہے گی جب تک وہ نمازِ مغرب

میں یہودیوں سے برابری کرتے ہوئے ستارے آپس میں ملنے تک تاخیر نہ کردیں۔'' ❶

۱۲۔ ایسے ہی رافضہ اور یہودی جب نماز پڑھتے ہیں تو قبلہ سے تھوڑا سا ہٹ کر پڑھتے ہیں۔

۱۳۔ اسی طرح رافضی اور یہودی دونوں ہی نماز میں حرکت کرتے رہتے ہیں۔

۱۴۔ اور دونوں ہی نماز میں اپنا کپڑا لٹکائے رکھتے ہیں۔ مجھے نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک ایسے شخص پر ہوا جس نے اپنا کپڑا لٹکایا ہوا تھا۔ تو آپ نے اسے نرمی سے کپڑا اوپر کرنے کو کہا۔'' ❷

۱۵۔ یہود نماز فجر میں ـ مٹی یا لکڑی کی بنی ہوئی ـ ٹکیا پر سجدہ کرتے ہیں۔ اور رافضہ بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔

۱۶۔ یہود خالص سلام نہیں کرتے بلکہ وہ کہتے ہیں: " السام علیکم " یعنی تم پر موت ہو۔ رافضہ بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ یہودیوں نے تورات میں تحریف کی؛ رافضیوں نے قرآن میں تحریف کی۔ یہودی جبریل علیہ السلام سے دشمنی رکھتے ہیں؛ ایسے ہی رافضی بھی کہتے ہیں کہ جبریل نے وحی اتارنے میں غلطی کی۔

۱۷۔ یہودی لوگوں کا مال حلال سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے بارے میں خبر دی ہے؛ فرمایا:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ﴾ (آل عمران: ۷۵)

''یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ امیوں کے بارے میں ہم سے مواخذہ نہیں ہوگا۔''

ایسے رافضی بھی ہر مسلمان کا مال حلال سمجھتے ہیں۔

۱۸۔ یہودی لوگوں کو دھوکہ دینا حلال سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی رافضی بھی کرتے ہیں۔ یہودی تین طلاق کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتے؛ بس ہر حیض پر ایک طلاق شمار کرتے ہیں۔ ایسے ہی رافضی بھی کرتے ہیں۔

---

❶ رواہ أبو داؤد فی کتاب الصلاۃ ' باب : وقت المغرب (۱/۲۹۱)؛ اس میں ''یہودیوں سے برابری کا ذکر نہیں۔ اور ابن ماجہ نے اسے کتاب الصلاۃ ' باب: وقت المغرب (۱/ ۲۲۵) میں ذکر کیا ہے۔ اور اسے امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے؛ اور کہا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ کی شرائط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ذہبی نے بھی اسے صحیح کہا ہے (۱/۱۹۱)۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح ابن ماجہ (۱/ ۱۱٤) میں' اور مشکاۃ (۱/ ۱۹۳) میں صحیح کہا ہے۔

❷ میں نے یہ حدیث تلاش کی' مگر نہیں مل سکی۔ محقق محمد رشاد سالم کا کہنا ہے کہ یہ حدیث نہیں مل سکی۔ البتہ اس مفہوم میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔ سنن ابی داؤد ' کتاب الصلاۃ باب : ماجاء في السدل في الصلاۃ ؛ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ 'أن النبی ﷺ : نھی عن السدل في الصلاۃ؛ و أن یغطي الرجل فاہ۔'' ''بے شک رسول اللہ ﷺ نے نماز کپڑا لٹکانے سے اور منہ کو ڈھانکنے سے منع کیا''۔ حاشیہ منہاج السنۃ ۱/ ۳۱۔

۱۹۔ اور یہودی عورتوں کے مہر کا نظریہ نہیں رکھتے؛ بلکہ وہ اپنی عورتوں سے متعہ ہی کرتے ہیں۔ رافضی بھی ایسے ہی متعہ کو حلال سمجھتے ہیں۔

۲۰۔ یہودی باندیوں سے عزل کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ رافضہ بھی ایسے ہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

۲۱۔ یہود ''جری'' اور ''مرماہی'' -[مچھلی کی قسم] - کو حرام سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی رافضہ بھی سمجھتے ہیں۔

۲۲۔ یہودیوں نے خرگوش کو اور ''تلی'' کو حرام قرار دیا؛ رافضہ نے بھی ایسے ہی کیا۔

۲۳۔ یہودی موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ رافضہ بھی ایسے ہی نظریہ رکھتے ہیں۔

۲۴۔ یہود قبر میں لحد نہیں بناتے۔ رافضی بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ جب کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے لحد بنائی گئی تھی۔

۲۵۔ یہودی اپنے مردوں کو - قبر میں - تازہ گیلی مٹی میں رکھتے ہیں، ایسے ہی رافضہ بھی کرتے ہیں۔

پھر انہوں نے مجھ سے کہا:

''اے مالک! یہود و نصاریٰ کو رافضیوں پر دو وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ یہودیوں سے پوچھا گیا: تمہاری ملت کے سب سے بہترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی۔'' اور عیسائیوں سے پوچھا گیا: تمہاری ملت کے سب سے بہترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی۔'' رافضیوں سے پوچھا گیا: تمہاری ملت کے سب سے بدترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ''حضرت محمد ﷺ کے ساتھی'' اس سے مراد طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کو لیتے ہیں۔

انہیں ان - اصحاب محمد ﷺ - کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا، تو انہوں نے - استغفار کے بجائے - سب و شتم کیا۔ سو یہ برہنہ تلوار قیامت تک ان پر لٹکتی رہے گی۔ ان کے قدم قیامت تک جم نہیں پائیں گے۔ اور نہ ہی ان کا جھنڈا بلند ہوگا۔ اور نہ ہی ان کا ایک بات پر اجتماع ہوسکتا ہے۔ ان کی دعوت راندی ہوئی ہے۔ ان کا کلمہ مختلف ہے۔ اور ان کے جمگھٹ میں بھی تفریق ہے۔ جب بھی یہ جنگ کی آگ بھڑکانے کی کوشش کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس آگ کو بجھا دیتے ہیں۔''[1]

[1] منہاج السنۃ النبویۃ (۱/ ۲۸-۳۴)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ یہ نص ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''یہ اثر عبدالرحمٰن بن مالک بن مغول سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ اور اس کی اور بھی اسناد ہیں جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ اور بعض میں دوسری بعض روایات سے کچھ زیادہ بھی ہے۔ لیکن عبد الرحمٰن بن مالک بن مغول ضعیف ہے۔ اور امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا ان لوگوں کی مذمت کرنا دوسری اسناد سے ثابت ہے۔''[1]

یہ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی وہ امور ہیں جن میں روافض کی یہودیوں سے مشابہت ذکر کی گئی ہے۔ اور ان کے علاوہ دوسرے علماء نے ان کے علاوہ بھی وجوہات ذکر کی ہیں۔

ان علماء میں سے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے؛ جنہوں نے اپنی کتاب ''الرد علی الرافضة'' میں عنوان: ''مطلب: مشابهتهم اليهود'' میں ذکر کیا ہے۔

ان -رافضیوں- کی برائیوں میں سے ان کی یہودیوں کے ساتھ اور یہودیوں کی ان کے ساتھ مشابہت ہے۔

۲۶۔ اور یہ کہ یہ لوگ یہودیوں کا مقابلہ کرتے ہیں، جنہوں پاک دامن بی بی حضرت مریم رضی اللہ عنہا پر بہتان دھرا تھا۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک دامن بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان دھرتے ہیں۔ اس وجہ سے ان سے ایمان سلب کر لیا گیا۔ ☆

۲۷۔ اور یہودیوں کے ساتھ اس قول میں بھی مشابہت رکھتے ہیں کہ وہ -یہود- کہتے ہیں:

''بے شک دینا بنت یعقوب علیہ السلام -گھر سے- نکلی تو وہ کنواری تھی۔ ایک مشرک نے اس کی بکارت کو زائل کر دیا۔''

یہ -شیعہ- کہتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو غصب کر لیا۔''

۲۸۔ تاج پہننا جو کہ یہودیوں کا لباس ہے، -[اس کس مشابہ ایک کٹورہ نما سا رافضیوں کے سر پر ہوتا ہے]-

---

[1] المصدر السابق (١/ ٣٤)۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ پر اب بھی وہی تہمت دھرنے والا جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بری قرار دیا ہے؛ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس لیے کہ وہ اللہ کی بات کو رد کر رہا ہے۔

۲۹۔ اور داڑھی کاٹنا یا منڈوانا اور مونچھیں بڑی بڑی رکھنا یہ یہودیوں اور انکے بھائیوں کا دین ہے جو کافر ہیں؛[اور رافضی بھی داڑھیاں کٹواتے، منڈواتے اور مونچھیں بڑھاتے ہیں]۔

۳۰۔ اور ان مشابہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہودیوں کو خنزیروں اور بندوں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا تھا۔ اور یہ بات نقل کی گئی ہے کہ ایسے واقعات بعض رافضیوں کے ساتھ مدینہ منورہ اور دوسرے علاقوں میں بھی پیش آئے ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ان کی شکلیں اور چہرے موت کے وقت بگڑ جاتے ہیں۔'' واللہ اعلم۔

۳۱۔ ان مشابہات میں سے نماز باجماعت اور جمعہ کا ترک کرنا ہے۔ یہ لوگ بھی اکیلے ہی نماز پڑھتے ہیں-باجماعت نماز شاذ و نادر ہی کہیں ہوتی ہے-

۳۲۔ اور ایک مشابہت امام کے پیچھے آمین کا نہ کہنا ہے، اس لیے کہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ اس سے-یعنی آمین کہنے سے-نماز باطل ہوجاتی ہے-

۳۳۔ ان تشابہات میں سے ایک آپس میں سلام کا ترک کرنا ہے۔ اگر وہ سلام کریں گے بھی تو سنت کے خلاف کریں گے۔

۳۴۔ ان ہی میں سے ایک کوئی کام کر کے نماز کو ختم کر دینا ہے، جس میں وہ نماز کے فرض سلام کو پورا نہیں کرتے۔ بغیر سلام کے نماز توڑ دیتے ہیں۔ بلکہ اپنے ہاتھ اٹھا کر رانوں پر مارتے ہیں؛ جیسے کہ شریر ٹٹو کرتے ہیں۔

۳۵۔ ایک اور مشابہت اہل اسلام سے عداوت اور دشمنی رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہودیوں کے متعلق خبر دی ہے:

﴿ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُواْ الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُواْ ﴾

(المائدہ: ۸۲)

''(اے پیغمبر!) آپ دیکھیں گے کہ مومنوں کیساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں۔''

ایسے ہی رافضی بھی اہل سنت والجماعت سے بہت ہی سخت دشمنی رکھتے ہیں؛ یہاں تک کہ انہیں نجس شمار کرتے ہیں۔ اس میں بھی وہ یہودیوں سے مشابہ ہیں، اور جو کوئی اس نہج پر چلے وہ بھی ان میں سے ہی

ہے۔اور جس انسان کا ان سے میل جول ہو، وہ اس چیز کا انکار نہیں کرسکتا۔

۳۶۔ ان ہی مشابہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بیوی اور اس کی پھوپھی ، بیوی اور اس کی خالہ کو اکٹھے نکاح میں رکھنا جائز سمجھتے ہیں۔اس میں بھی یہ لوگ یہودیوں سے مشابہ ہیں؛ اس لیے کہ یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو بہنوں سے اکٹھا نکاح جائز تھا۔

۳۷۔ ان مشابہات میں سے ایک: ان کا یہ کہنا ہے کہ جو کوئی ان سے دشمنی رکھے گا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ایسی ہی بات یہود اور نصاری نے کہی تھی کہ:

﴿وَقَالُواْ لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُوداً أَوْ نَصَارَى﴾ (البقرہ: ۱۱۱)

''اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔''

۳۸۔ ان متاشبہات میں سے ایک حیوانی مجسمے بنانا ہے۔ جیسے یہودی اور عیسائی کرتے ہیں۔ حالانکہ ذی روح چیزوں کی تصاویر بنانے پر بہت سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ بخاری شریف اور دوسری کتابوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لعن الله المصورين .)) [1]

''تصویریں بنانے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ مصور کو قیامت کے دن حکم دیں گے کہ اپنی تخلیق کردہ تصویر میں روح پھونکے، اور وہ ہرگز روح نہیں پھونک سکے گا۔'' [2]

اور ملائکہ ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں ذی روح کی تصاویر ہوں۔

۳۹۔ ان میں ایک: آئمہ [مسلمان حکمران] کی نصرت سے پیچھے رہنا ہے۔جیسا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت زید- بن حسین - کے ساتھ کیا۔

اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے؛ اہل بیت سے محبت کے کتنے بڑے دعوے کرتے ہیں، اور ان کی نصرت

---

[1] صحیح بخاری ' کتاب الطلاق ' باب : مهر البغي و النكاح الفاسد ' ح: (۵۳۴۷)۔

[2] رواہ البخاری کتاب البیوع 'باب : بيع التصاوير التي ليس فيها روح ؛ وما يكره من ذلك ؛ (ح: ۲۲۲۵)۔

کے وقت کتنے بزدل ثابت ہوتے ہیں۔ یہود نے بھی تو اپنے نبی موسیٰ سے یہی کہا تھا:

﴿ فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ (المائدہ: ۲٤)

''تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔''

ایک مشابہت یہ بھی ہے کہ ان کی شکلیں بگاڑی گئی ہیں۔ یہ روایات میں آیا ہے کہ اس امت میں بھی تقدیر کو جھٹلانے والوں کی شکلیں بگڑیں گی، اور زمین میں دھنسنے کے واقعات پیش آئیں گے۔ اور یہ لوگ تقدیر کو جھٹلاتے ہیں؛ اس وجہ سے کئی بار بلادِ عجم میں ان کے ساتھ زمین میں دھنسنے کے وافعات پیش آچکے ہیں۔

۴۰۔ ایک مشابہت یہ بھی ہے کہ یہود پر ذلت اور رسوائی مسلط کردی گئی ہے ؛ بھلے وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔ ان پر بھی ذلت مسلط ہے۔ یہاں تک کہ اس ذلت اور خوف کے مارے انہوں تقیہ کا عقیدہ ایجاد کیا۔

۴۱۔ ان مشابہات میں سے ایک یہ ہے کہ یہود تورات کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔ ایسے یہ لوگ بھی اپنے ہاتھوں سے جھوٹ لکھتے ہیں، اور کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے؛ اور اس طرح رسول اللہ ﷺ پر اور اہل بیت پر جھوٹ بولتے ہیں۔

اور علماء میں سے بعض نے یہود اور روافض کے مابین مشابہت ذکر کی ہے۔ (عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ) نے مختصر تحفہ اثناعشریہ میں یہودی رافضی مشابہت کی بعض وہ وجوہات ذکر کی ہیں جو علماء امام شعبی رحمہ اللہ سے نقل کرتے چلے آئے ہیں۔

معاصر مؤلفین نے بھی اس حقیقت کی تصدیق کی ہے کہ یہودیوں اور رافضیوں کی مشابہت ان کی اکثر کتابوں میں بیان کی گئی ہے۔ عبداللہ القصیمی نے اپنی کتاب: " الصراع بين الاسلام و الوثنيه " میں ایک مستقل اور علیحدہ باب قائم کیا ہے: " شبـه الشيـعة باليهـود " یعنی: ''شیعہ کی یہودیوں سے مشابہت۔'' اس عنوان کے تحت وہ لکھتا ہے:

''کئی اطراف اور وجوہات کی بنا پر شیعہ یہودیوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اور اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں ہے۔ پس بے شک شیعہ مذہب کی بنیاد جیسا کہ ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ اس کے مؤسسین یہودی ہیں۔ انہوں نے دن رات اس مذہب کی طرف دعوت دی۔

یہاں تک کہ ان کا قیام عمل میں آیا اور باقی تمام اقوام اور ملتوں سے علیحدہ ملت بن گئے۔ جو اپنے امتیازات کی وجہ سے باقی تمام لوگوں کے مخالف تھے۔''❶

پھر اس کے بعد قصیمی نے یہودی اور رافضی عقائد میں مقارنہ کیا ہے؛ جو ان دونوں گروہوں کے عقائد میں بہت بڑی مشابہت پر دلالت کرتا ہے۔ اسکا کہنا ہے کہ: '' رافضی بہت سی وجوہات کی بنا پر یہودیوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ان میں سے:

۴۲۔ یہ کہ شیعہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بداء کا کہتے ہیں؛ اور یہودی بھی ایسے ہی کہتے ہیں۔

۴۳۔ اور ان میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ کے مخلوق سے مشابہ ہونے کا کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو غم لاحق ہوتا ہے۔ اللہ روتا ہے، اور اس میں کمی اور نقص پیش آتا ہے؛ اور وہ تھک جاتا ہے۔ شیعہ بھی ایسے ہی کہتے ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ کے لیے نقص والی اور مخلوقات کی صفات بیان کرتے ہیں۔ یہودی جبریل امین سے دشمنی اور بغض رکھتے ہیں؛ اور کہتے یہ ملائکہ میں سے ہمارا دشمن ہے۔ ایسے ہی رافضی بھی ان کی شان میں قدح کرتے اور بغض رکھتے ہیں؛ اس لیے کہ شیعہ اس بات کا عقدہ رکھتے ہیں کہ: ''جبریل علیہ السلام نے وحی میں غلطی کی؛ انہیں حضرت علی بن ابو طالب کی طرف بھیجا گیا تھا؛ وہ غلطی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا گیا۔

۴۴۔ یہ کہ ان دونوں گروہوں پر اللہ تعالیٰ نے ذلت اور رسوائی مسلط کر دی ہے۔ یہود کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے۔ اور اسے اپنی کتاب میں لکھ لیا ہے۔ اور ساڑھے چودہ سو سال سے یہ خبر بالکل واضح صاف، صریح اور کھلی ہوئی روشن ہے۔

اس دن سے لے کر آج تک یہودی ذلت اور رسوائی کا سامنا کر رہے ہیں۔ نہ ہی ان کا کوئی سہارا ہے اور نہ ہی ان کا کوئی ملک ہے۔ ایسے ہی شیعہ نے مختلف زمانوں میں جبراً اپنا نظام قائم کرنے کی کوشش کی؛ اور اپنا غلبہ اور حکومت قائم کرنے کے لیے اٹھے؛ اور اہل حکومت سے حکومت چھیننا چاہی۔ مختلف اوقات میں اس کا بہت تھوڑا اصلہ بھی پایا کہ ایک مختصر وقت کے لیے لوگ ان کی طاقت کے سامنے سرنگوں ہوئے، اور کچھ دیر کے لیے ان کا حکم چلتا رہا؛ مگر پھر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ لیکن یہ لوگ ہر دور میں ذلیل و رسوا ہی رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی اپنی حکومتوں کے دور میں بھی معاملہ ایسے ہی رہا۔

❶ الصراع بین الاسلام و الوثینه ۱/۴۹۲۔

۴۵۔ یہ کہ یہود کلمات -تورات- کو اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں ؛ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے متعلق خبری دی ہے؛ فرمایا:

﴿مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُواْ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ﴾ (النساء: ٤٦)

''اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے، وہ کلمات کو اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں۔''

ایسے ہی رافضہ بھی قرآن میں تحریف کرتے ہیں۔

۴۶۔ یہودی اور رافضی دونوں ہی محبت اور بغض رکھنے میں عدل سے کام نہیں لیتے۔ اور نہ ہی دوستی اور دشمنی میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ بلکہ دونوں فرقے ان امور میں ظالم اور حد سے گزرنے والے ہیں۔

۴۷۔ یہودی مسلمانوں کے مال اور خون کو حلال سمجھتے ہیں ؛ اور ان کا مال ہتھیانے کے لیے ہر قسم کے وسائل کے استعمال کو جائز سمجھتے ہیں ؛ جیسے کہ دھوکہ بازی ؛ سود ؛ فحاشی ؛ اغوا کاری ؛ ملاوٹ اور دیگر کوئی بھی ذریعہ جو اس باب میں کارگر ثابت ہوسکتا ہو۔ ایسے ہی رافضی بھی تمام اہلِ سنت کے اموال اور خون کو حلال سمجھتے ہیں ؛ اور اس کے لیے تمام وسائل اختیار کرتے ہیں۔

جیسے کہ دھوکہ بازی ؛ اغواء کاری، ملاوٹ ؛ حیلہ بازی ؛ غدر اور ان کے علاوہ جو بھی ذریعہ کارگر ثابت ہو سکے۔

۴۸۔ ایک مشابہت یہ بھی ہے کہ یہودی قبروں کے بڑے عاشق اور دلدادہ ہیں۔ اور ان کے لیے نثار ہوئے جاتے ہیں ؛ اور ان میں غلو کرتے ہوئے فتنہ برپا کرنے کے لیے انہیں مساجد بنا لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''[1]

ایسے ہی رافضی بھی قبروں اور درگاہوں میں یہود سے بڑھ کر غلو کرتے ہیں، اور انہیں عبادت گاہیں اور مساجد بنا لیتے ہیں۔ اور ان قبروں سے ایسے ہی عشق رکھتے ہیں جیسے یہود؛ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اور رافضی ان درگاہوں کی طرف حج کے لیے دور دراز سے ایسے آتے ہیں جیسے مسلمان بیت اللہ کی زیارت

[1] راوہ البخاری فی کتاب الجنائز؛باب : ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور

کے لیے آتے ہیں۔

۴۹۔ اور یہ کہ یہود اپنے علماء اور درویشوں کی شان میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ عبادت کی حد تک پہنچ جاتے ہیں؛ اور انہیں الہ -معبود- بنا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اتَّخَذُوٓاْ أَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَٰنَهُمۡ أَرۡبَابٗا مِّن دُونِ ٱللَّهِ﴾ (التوبہ: ۳۱)

''انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا معبود بنا لیا۔''

ایسے ہی رافضہ بھی اپنے آئمہ کی شان میں غلو کرتے ہوئے انہیں معبود بنا لیتے ہیں، اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ اور ان کی اتنی تقدیس کرتے ہیں کہ انہیں بشریت اور مخلوق کے مرتبہ سے اوپر کا مقام دیتے ہیں۔

۵۰۔ اور یہ کہ یہود اور ان کے علاوہ نصاریٰ وغیرہ ان کے دین اور ماثورات -دینی روایات- کے لیے جنہیں وہ اپنے انبیاءِ کرام سے بیان کرتے ہیں، ان کی نہ ہی کوئی صحیح سند ہے اور نہ ہی ضعیف۔ اور نہ ہی جن لوگوں سے روایات نقل کرتے ہیں ان کے حالات زندگی کی کوئی صحیح اور مستند کتاب ہے جس کی سند متصل ہو، جس سے دینی روایات کے راویوں کی علمی اور اخلاقی حالت معلوم ہو سکے۔

ایسے ہی رافضہ کے عقائد اور مفردات؛ جن کی بنا پر وہ اہل سنت والجماعت سے علیحدہ ہوئے، اور ان -عقائد- کو اپنے لیے خاص کر لیا؛ یہاں تک کہ باقی تمام فرقوں سے علیحدہ اور مستقل فرقہ بن گئے؛ نہ ہی اس کی کوئی صحیح سند ہے، اور نہ ہی متصل اور مقبول روایت۔ نہ ہی ان روایات کے نقل کرنے والے راویوں -جن سے یہ خصائص اور مفردات نقل کی جا رہی ہیں، کے حالاتِ زندگی پر کوئی مستند کتاب ہے، جس سے ان کا علمی مرتبہ اور دینی اور اخلاقی حالت معلوم ہو سکے۔

۵۱۔ ایک مشابہت یہ ہے کہ یہود تقیہ کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حق بات کو چھپاتے اور باطل کی موافقت کرتے ہیں۔ رافضی بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں؛ اور اس میں حد سے گزر جاتے ہیں۔ اور تقیہ کے بارے میں ان کے ہاں عجیب وغریب قسم کی روایات ہیں۔''[1]

معاصر علماء میں جن لوگوں نے یہودی رافضی مشابہت ذکر کی ہے، ان میں شیخ عبد الوہاب خلیل الرحمٰن نے ابو حامد الطّوسی کی کتاب ''الرد علی الرافضہ'' کے مقدمہ میں رافضیوں کی یہود سے مشابہات کی

[1] الصراع بین الاسلام و الوثنیہ: (۱/ ۱۹٤ - ۵۰۳)۔

بعض وجوہات ذکر کی ہیں۔اور اس میں انہوں قصیمی کی روایات پر اعتماد کیا ہے۔ ❶

علماء کرام نے یہود اور روافض میں مشابہت کی جو وجوہات ذکر کی ہیں، ان کی تائید میں رافضہ کے بعض وہ عقائد ذکر کروں گا جن میں وہ یہودیوں سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔اور اس کے لیے میں ان میں ہر ایک کا عقیدہ ان کی معتمد کتابوں سے ثابت کروں گا۔ پھر ان دونوں عقیدوں کا تقابلی جائزہ لوں گا؛ تاکہ دونوں گروہوں میں مشابہت کی وجوہات واضح ہو جائیں۔

اس موضوع کو ان شاء اللہ میں اس کتاب میں یہودیوں اور رافضیوں کے فقہی مسائل میں مشابہت میں بھی پیش کروں گا۔اور وہ امور بھی ذکر کروں گا جن میں رافضی یہودیوں سے مشابہت رکھتے ہیں، مگر دوسرے اسلامی فرقوں سے ہٹ کے یہ معاملہ صرف ان کے ساتھ خاص نہیں ہے۔اور میں نے جس منہج پر چلنے کا وعدہ کیا ہے، اس کا پورا پورا التزام کروں گا۔

❀❀❀❀

---

❶ دیکھو: مقدمہ (ص ۱۱۰ – ۱۱۲)۔

پہلا باب:

ملک اور امامت یہودیوں اور رافضیوں کی ایک نظر

یہ باب چار فصول پر مشتمل ہے:

پہلی فصل: یہودیوں اور رافضیوں کے ہاں وصیت کا عقیدہ

دوسری فصل: یہودیوں کا بادشاہت آل داؤد اور رافضیوں کا امامت حضرت حسینؓ کی آل میں محدود و محصور کرنا:

تیسری فصل: یہودیوں میں مسیح منتظر اور رافضیوں میں مہدی منتظر کا عقیدہ

فصل چہارم: یہود اور روافض کے ہاں عقیدۂ رجعت

پہلی فصل :

یہودیوں اور رافضیوں کے ہاں وصیت کا عقیدہ

یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث:...... یہود کے ہاں وصیت

دوسری بحث:......رافضیوں کے ہاں وصیت

تیسری بحث:...... یہودی اور رافضی عقیدۂ وصیت میں وجوہ مشابہت

چوتھی بحث:......رافضیوں کے عقیدہ وصیت پر رد

پہلی بحث:...... یہود کے ہاں وصیت

یہودیوں کا خیال ہے کہ نبی کے بعد ایک وصی ہونا چاہیے جو ان کی جگہ لے، اور ان کے بعد وعظ و ارشاد کا کام کرے۔ تورات اور دوسری کتابوں- یہودی اسفار- میں اس بارے میں کئی ایک نصوص وارد ہوئی ہیں؛ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے طلب کیا تھا کہ وہ اپنے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کو اپنا وصی مقرر کریں۔ تا کہ وہ ان کے بعد بنی اسرائیل کے مرشد اور رہنما بنیں۔ سفر عدد (گنتی کا سفر) میں یوں آیا ہے:

''رب نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہتے ہوئے کلام کیا: : چاہیے کہ تمام بشر کی روحوں کے رب کو چاہیے کہ وہ ایسے آدمی کو وکیل بنائے جو ایک جماعت پر بڑا ہو۔ جن کے سامنے وہ داخل ہو، اور ان کے سامنے خارج ہو۔ اور نہیں نکالے اور داخل کرے۔ تا کہ جماعت کا رب ان بھیڑوں کی طرح نہ ہو جائے جن کا کوئی چرواہا ہی نہیں۔

تو رب نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ''یوشع بن نون کو لیجیے، وہ ایسا آدمی ہے، جس میں روح ہے۔ اور اپنا ہاتھ اس پر رکھیے؛ اور اسے کاہن عازار اور تمام لوگوں کے سامنے کھڑا کریں؛ اور ان سب لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ان کو اپنا وصی بنائیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے ایسے ہی کیا، جیسے رب نے حکم دیا تھا۔ انہوں نے یوشع بن نون کو اپنے ساتھ لیا، اور انہیں عازار کاہن، اور تمام لوگوں کے سامنے کھڑا کیا۔ اور اپنا ہاتھ ان پر رکھا؛ اور انہیں ویسے ہی وصیت کی جیسا کہ رب تعالیٰ نے انہیں وصیت کرنے کا کہا تھا۔'' [1]

یہ عبارت واضح طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد وصی مقرر کرنے کی ضرورت کی تاکید کرتی ہے۔ یہ بات تین چیزوں سے معلوم ہوسکتی ہے:

اول:...... اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کی موت سے قبل وصی متعین کرنے کی طلب۔

---

[1] اصحاح ۲۷؛ فقرہ (۱۵- ۲۳)۔

دوم:...... جو بات اس منصب کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار موسیٰ علیہ السلام کو نہیں دیا، اور نہ ہی بنی اسرائیل کو کہ وہ اپنے لیے وصی کو منتخب کریں۔ بلکہ خود اسکے بارے میں تعین کیا، اور اس کا نام لیا، اور وہ ہیں: یوشع بن نون۔

سوم:......اللہ تعالیٰ کا اس قوم کو جس میں وصی نہ ہو ان بکریوں سے تشبیہ دینا جن کا کوئی چرواہا یا نگہبان نہ ہو۔ یہ وصی مقرر کرنے کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

ایک دوسری نص میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون کو وصی مقرر کرنا چاہا تو اس کے لیے ان سے براہ راست کلام کیا۔(نص یوں وارد ہوئی ہے):

''موسیٰ کے رب نے کہا: ''یہ تمہارے دن قریب آچکے ہیں کہ مر جاؤ گے۔-لہذا- یوشع بن نون کو اجتماع والے خیمہ میں بلاؤ تاکہ میں اسے وصی مقرر کروں۔ سو موسیٰ اور یوشع دونوں چل پڑے اور خیمہ میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خیمے کے ایک ستون میں بادل دکھائے۔ بادلوں کا یہ ستون خیمہ کے دروازہ پر رک گیا۔ اور رب نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: '' ہاں اب تم اپنے آباء کے ساتھ سونے والے ہو؛ میں یوشع بن نون کو وصی مقرر کرتا ہوں۔ اور فرمایا کہ: ''اپنی کمر کس لو؛ اس لیے کہ آپ ہی بنی اسرائیل کو لے کر اس سرزمین میں داخل ہوں گے جو میں نے ان کے لیے تقسیم کر دی ہے۔ اور میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔''[1]

یہ نص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یوشع بن نون کو وصی مقرر کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے براہِ راست یوشع بن نون کو مخاطب کیا ہے۔

سفر یشوع میں بھی ایسی عبارات ہیں، جو اس کی تائید کرتی ہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد خطاب کیا تھا۔ (روایت میں ہے):

''موسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد رب کا بندہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد ان کے خادم یوشع بن نون سے خطاب کیا؛ اور فرمایا: ''میرا بندہ موسیٰ انتقال کر گیا ہے؛ اب تم کھڑے ہو جاؤ اور اس اردن کو عبور کرو۔''[2]

---

[1] التثنیه' اصحاح ۳۱' فقرات (١٤ - ٢٣)۔

[2] اصحاح اول فقرہ (۱)۔

سو اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کے وصی یوشع بن نون سے ہم کلام ہونا اور خطاب کرنا ہمارے لیے اس عظیم منزلت کو واضح کرتا ہے جو یہودی اسفار میں وصی کو دی گئی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا ایک ایسی عظیم منزلت ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان اہلِ عصر لوگوں میں سے صرف حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کو خاص کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَالَ يَا مُوسَى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ﴾ (الاعراف: ۱٤٤)

''(اللہ نے) فرمایا کہ موسیٰ! میں نے تمہیں اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے تو جو میں نے تمہیں عطا کیا ہے اُسے پکڑ رکھو اور (میرا) شکر بجالاؤ۔''

حضرت یوشع بن نون کی یہودیوں کے ہاں عظیم منزلت پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ ان کے اسفار میں وارد ہونے والی روایات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ان کے ہاتھ پر بیت المقدس [فلسطین] کو فتح کیا جائے گا، اور بنی اسرائیل میں اس زمین کی تقسیم کا کام بھی انہیں ہی سونپا جائے گا۔ سفر یشوع میں اللہ تعالیٰ کا حضرت یشوع علیہ السلام سے خطاب نقل کیا گیا ہے:

''اب کھڑے ہو جاؤ اور اردن کو عبور کرو۔ تم اور یہ تمام قوم اس طرف - جاؤ - جو میں انہیں دینے والا ہوں - یعنی بنی اسرائیل کو -۔ ہر وہ جگہ جس کو تمہارے پاؤں کی پیٹ چھوئیں گے وہ میں تمہیں دیتا ہوں۔ جیسے میں نے موسیٰ سے بریہ اور لبنان میں بات کی؛ یہ بڑی نہر نہرِ فرات تک اور حثیون کی ساری زمین، اور اور مغرب کی طرف بڑے سمندر تک تمہارا ہیج ہوگا۔ تمہارے سامنے کوئی انسان کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ تمہاری زندگی کے تمام دن میں تمہارے ساتھ ایسے ہی رہوں گا جیسے موسیٰ کے ساتھ تھا۔ نہ ہی تیرا ساتھ چھوڑوں گا، اور نہ ہی تجھ سے غفلت برتوں گا؛ اپنی کمر کس لیجیے، اور بہادری دیکھائیے۔ اس لیے کہ آپ اس قوم میں وہ زمین تقسیم کریں گے جس کا میں نے ان کے آباء سے وعدہ کر رکھا ہے کہ میں انہیں دوں گا۔''[1]

سفر یشوع میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یشوع کو بنی اسرائیل کے دلوں میں بہت بڑی ہیبت عطا کی تھی، جس طرح کی ہیبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی تھی۔ (نصِ عبارت یوں ہے):

[1] اصحاح ۳، فقرہ ۷۔

''رب نے یشوع سے کہا: '' آج سے میں تمام بنی اسرائیل کی نظروں میں تجھے بڑا کرتا ہوں۔ تا کہ وہ جان لیں جیسے میں موسیٰ کے ساتھ تھا ایسے ہی تمہارے ساتھ ہوں۔''] دوسری نص میں ہے: اس دن سے اللہ تعالیٰ نے یشوع کو بنی اسرائیل کی نظروں میں بڑا کر دیا، اور وہ اس سے ایسے ہی خوف محسوس کرنے لگے، جس طرح موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی پوری زندگی کیا کرتے تھے۔'' ❶

یہودیوں جو بڑی بڑی کرامات حضرت یشوع کی طرف منسوب کرتے ہیں، ان میں سے ایک کرامت جو سفر یشوع میں بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یشوع کے طلب کرنے پر سورج اور چاند کی حرکت کو روک لیا تھا۔ (نص عبارت یوں ہے):

''جس وقت اللہ تعالیٰ نے اموریوں سے بنی اسرائیل کے سامنے ہتھیار ڈلوا دیے، یشوع نے رب سے کلام کیا؛ اور بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے کہا:

''اے سورج! جبعون ❷ -شہر- پر ٹھہر جا؛ اور اے چاند! وادی اَیلون ❸ پر رک جا۔ بس سورج ٹھہر گیا، اور چاند رک گیا۔ یہاں تک کہ قوم کے لوگوں نے اپنے دشمنوں سے انتقام لے لیا۔ کیا یہ سفر یاسر میں مکتوب نہیں ہے؟ سورج آدھے آسمان میں کھڑا ہو گیا؛ اور تقریباً ایک دن کے برابر غروب نہیں ہوا۔'' ❹

یہ نص اس بات کو متضمن ہے کہ سورج اور چاند یشوع کے لیے رک گئے تھے۔ سورج کے ٹھہر جانے اور رو کے جانے کا ثبوت ہماری شریعت میں بھی ہے۔ جس پر سنت دلالت کرتی ہے۔ ❺

---

❶ سفر یشوع 'اصحاح ٤ ؛ فقرہ ١٤۔

❷ حویین کے چار بڑے شہروں میں سے ایک شہر جبعون ہے۔ جو یروشلم سے شمال کی طرف پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔ القاموس الموجز لکتاب المقدس ص: ١٧٨۔

❸ لاویین کا شہر ہے' جس میں اموری رہتے تھے۔ آج کل اس کا نام'' یالو'' ہے' یہ اب چھوٹا سا گاؤں ہے' جو یروشلم سے چودہ میل کے فاصلہ پر مغرب میں واقع ہے۔ القاموس الموجز لکتاب المقدس ص: ٧٤۔

❹ اصحاح ١٠ ؛ فقرات (١٢- ١٤)۔

❺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سورج کو بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی پر روک دیا تھا''۔ دیکھو: بخاری' ح: (٣١٢٤)۔ مسلم' ح: (١٧٤٧)۔

رہا چاند کا رک جانا، تو ہم نہ ہی اس کی تصدیق کرتے ہیں، اور نہ ہی اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمیں نبی کریم ﷺ ہمیں تعلیم دی ہے کہ جس چیز کے بارے میں ہماری شریعت میں کچھ بھی وارد نہ ہوا ہو، اس کے بارے میں توقف کرتے ہیں۔

جب ہمیں چاند کے رک جانے کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملا تو اب توقف کرنا واجب ہوگیا ہے۔ واللہ اعلم۔

یہود کی کتابوں سے وصیت اور وصی کے بارے میں یہ نصوص نقل کرنے کے بعد یہ بات ممکن ہوگئی ہے کہ ہم وصی اور وصیت کے بارے میں یہودی نظریہ کے نتائج اخذ کریں۔ جن کا خلاصہ ان نقاط میں پیش کیا جاسکتا ہے:

۱۔ یہودیوں کے ہاں وصی کے متعین کیے جانے کا وجوب۔
۲۔ اللہ تعالیٰ نے خود وصی کو متعین کرنے کا عمل سرانجام دیا۔
۳۔ یہودیوں کے ہاں وصی کی بہت بڑی منزلت ہے جو نبی کی منزلت کے برابر ہے۔
۴۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ وصی کی طرف ایسے ہی وحی نازل کریں جیسے نبی کی طرف وحی نازل کی جاتی ہے۔
۵۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض ان معجزات سے وصی کی تائید کریں جن معجزات سے نبی کی تائید کی جاتی ہے۔

دوسری بحث: ......رافضیوں کے ہاں وصیت

رافضہ کے ہاں وصیت کا عقیدہ بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ رافضیوں کے ہاں امامت کی منزلت کی وضاحت کردی جائے۔ اس لیے کہ ان کے ہاں امامت اور وصیت کے عقیدہ کا آپس میں بہت بڑا ربط ہے۔

امامت کی منزلت رافضہ کے ہاں ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ اور انسان کا ایمان اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا جب تک وہ اس پر ایمان نہ رکھ لے۔

اصول کافی میں ابوجعفر علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے، انہوں نے فرمایا:

''اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے: نماز، زکواۃ، روزہ، حج، ولایت۔ اور جس طرح ولایت کی دعوت دی گئی ہے اس طرح کسی چیز کی دعوت نہیں دی گئی۔'' [1]

بلکہ امامت ان کے ہاں سارے ارکانِ اسلام پر مقدم ہے۔ جیسا کہ کلینی نے ابوجعفر سے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا ہے:

''اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے: نماز، زکواۃ، روزہ، حج، ولایت۔ زرارہ کہتے ہیں: میں نے کہا: ان میں سے کون سی چیز افضل ہے؟ فرمایا: ''ولایت'' [2]

ان کے ہاں تو جس نے باقی ارکان اسلام مکمل کر لیے مگر ولایت پر ایمان نہیں رکھا؛ بے شک یہ باقی اعمال اسے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے، اور قیامت کے دن اسے اللہ کے عذاب سے نجات نہیں دلا سکیں گے۔ صدوق نے ابوحمزہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہم سے علی بن الحسین نے کہا:

''–زمین کا–کون سا کونا افضل ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول اور اس کے رسول کا بیٹا ہی جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ: حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کی جگہ زمین کا سب سے افضل ترین ٹکڑا ہے۔ اگر کسی انسان کو اتنی عمر مل جائے جتنی عمر حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام کو ان کی قوم میں ملی تھی؛ نو سو پچاس سال؛ دن کو روزہ رکھے اور رات کو اس جگہ پر قیام کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ وہ ہماری ولایت کے بغیر ہو، اسے ان چیزوں سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوگا۔'' [3]

ان میں سے بعض نے امام کی شان میں اتنا مبالغہ کیا کہ وہ یہ گمان کرنے لگے کہ: ''زمین کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ امام کے بغیر قائم رہے۔ اور اگر یہ ایک گھنٹہ بھی امام کے بغیر رہے، تو اپنے رہنے والوں کے ساتھ دھنس جائے۔''

صفار نے اپنی کتاب بصائر الدرجات میں ایک پورا باب اس معنی میں نقل کیا ہے؛ جس کا اس نے عنوان قائم کیا ہے: "باب إن الأرض لا تبقى بغير إمام؛ و لو بقيت لساخت۔"

---

[1] اصول الکافی: للکلینی (۱۸/۲)۔

[2] سابق مصدر۔

[3] ثواب الأعمال و عقاب الأعمال (ص۲۴۳)۔

''باب:'' بے شک زمین امام کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی۔ اگر باقی رہے گی تو - پگھل کر - دھنس جائے گی۔''

پھر اس میں روایات نقل کی ہیں۔ ان ہی - روایات میں سے - ہے: ابو جعفر سے روایت کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اگر امام کو زمین سے ایک گھنٹے کے لیے بھی اٹھا لیا جائے تو یہ اپنے رہنے والوں کے ساتھ ایسے دھنس جائے، جیسے سمندر اپنے رہنے والوں کے ساتھ موجیں مارتا ہے۔'' ❶

ابو عبداللہ سے روایت کیا گیا ہے، ان سے پوچھا گیا:

''کیا زمین امام کے بغیر قائم رہ سکتی ہے؟ تو انہوں نے کہا: اگر زمین امام کے بغیر باقی رہے تو دھنس جائے۔'' ❷

رافضیوں کے ہاں امامت کی یہ منزلت اور دین میں اتنا بڑا اور عظیم مقام ہے۔ جیسا کہ اس پر وہ روایات بھی دلالت کرتی ہیں جو ان کے قدیم اور اہم مصادر میں آئی ہیں۔

رہی نئی کتابیں؛ سو محمد رضا المظفر نے اپنے عقائد کی صراحت اپنی کتاب: (عقائد الإمامیۃ) میں کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

''ہم اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ امامت دین کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے۔ جس پر اعتقاد رکھے بغیر ایمان پورا نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی اس میں آباء؛ اہل اور تربیت کرنے والوں کی تقلید جائز ہے؛ خواہ وہ جتنے بھی بڑے ہوں۔ بلکہ اس میں تأمل کرنا بھی ایسے ہی واجب ہے جیسے توحید اور نبوت میں۔'' ❸

ا۔ وصی اور وصیت میں عقائد کا خلاصہ:

وصی اور وصیت کے بارے میں ان کے عقائد کا خلاصہ بذیل نقاط میں پیش کیا جاسکتا ہے:

ا۔ ان کا یہ اعتقاد کہ نبی کریم ﷺ کے بعد وصی حضرت علی بن ابو طالب ہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے

---

❶ بصائر الدرجات ص ۵۰۸ ۔ دلائل الامامۃ ص ۲۳۰ ۔

❷ بصائر الدرجات ص ۵۰۸ ۔

❸ عقائد الإمامیہ ص ۱۰۲ ۔

انہیں- اس منصب کے لیے- چن لیا تھا۔اس لیے :

رافضی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بعد وصی حضرت علی بن ابوطالب ہیں۔اور یہ کہ حضرت علی کو اس منصب کے لیے چننا نبی کریم ﷺ کی جانب سے نہیں تھا، بلکہ یہ اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا کہ اس نے انہیں- اس منصب کے لیے- چن لیا تھا۔ بصائر درجات میں ہے؛ ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں :

''نبی کریم ﷺ کو ایک سو بیس بار آسمان کی معراج ہوئی۔ان میں سے کوئی بار بھی ایسی نہ تھی جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت اور ان کے بعد آئمہ کی ولایت کے بارے میں دوسرے فرائض سے بڑھ کر وصیت نہ کی ہو۔''[1]

صدوق نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے اور علی بن ابی طالب کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔اور سات آسمانوں کے اوپر سے میری بیٹی کی ان سے شادی کی۔اور اس پر اپنے ملائکہ مقربین کو گواہ بنایا۔اور انہیں میرے لیے وصی اور خلیفہ بنایا؛ سو علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔اس سے محبت کرنے والا میرا محبّ ہے، اور اس سے بغض رکھنے والا مجھ سے بغض رکھنے والا ہے۔ اور بے شک ملائکہ ان کی محبت کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرتے ہیں۔''[2]

اور محمد بن محمد الموسوی الکاظمی القزوینی -بڑے معاصر شیعہ علماء میں سے ایک ہے- اپنی کتاب "أصل الشیعة و فروعها" میں کہتا ہے:

''شیعہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امامت واجب ہے، تا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد دین کے امور ضائع نہ ہوں۔اور اس بات کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ امامت نوبت کی طرح ایک الٰہی منصب ہے۔بس -فرق صرف اتنا ہے کہ- نبی کی طرف وحی ہوتی ہے؛ اور امام کی طرف وحی نہیں آتی۔اور یہ بھی کہتے ہیں کہ: ''جیسے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بندوں میں سے اپنی نبوت کے لیے چن لیتا ہے، اور اس کی دعوت کی تصدیق کے لیے

---

1. بصائر الدرجات : الصفار ۹۹۔
2. أمالی : للصدوق (ص ۱۰۸)۔

معجزات سے اس کی تائید کرتا ہے؛ ایسے ہی جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے امامت کے لیے چن لیتا ہے۔ اور اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے بعد لوگوں کے لیے وصی کو مقرر کر دیں۔''❶

اور مظفر - ایک معاصر عالم - اپنا عقیدہ بیان کرنے کے بعد کہتا ہے:

'' اور اس بنیاد پر امامت نبوت کا استمرار ہے؛ اور وہ دلیل جو انبیاء اور مرسلین کے مبعوث ہونے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے؛ وہی دلیل رسول اللہ ﷺ کے بعد امام نصب کرنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ: '' امامت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کی زبانی یا اس سے پہلے کے امام کی زبانی منصوص ہونے پر ہی ثابت ہوسکتی ہے؛ یہ لوگوں کے اختیار یا چن لینے سے نہیں ہوتی۔''❷

کاشف الغطاء رافضیہ کے نزدیک امامت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

'' بے شک امامت سے ان کی مراد اس کا الٰہی منصب ہونا ہے؛ جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اپنے سابق علم کی بنیاد پر اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ نبی کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اور اللہ نبی کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنی امت کو اس امام کے بارے میں بتائیں اور اس کی اتباع کا حکم دیں۔ اور وہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد لوگوں کے لیے امام مقرر کریں۔''❸

۲۔ اللہ تعالیٰ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کا عقیدہ:

شیخ مفید حمران بن اعین سے روایت کرتا ہے، - انہوں نے - کہا:

'' میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے کہا: '' مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام سے سرگوشی کی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں؛ ان دونوں کے درمیان سرگوشی طائف میں ہوئی ہے، اور ان کے درمیان جبریل بھی نازل ہوئے تھے۔''❹

❶ اصل الشیعه و فروعها (ص ۲۸)۔ ❷ عقائد الإمامیه (ص : ۱۰۳)۔
❸ أصل الشیعة و أصولها ص: ٦٥۔
❹ الاختصاص (ص : ۳۲۷)۔

اور ایسے محمد بن مسلمہ سے روایت کیا گیا ہے؛ کہا:

''میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے کہا: ''بے شک سلمہ بن کہیل حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں بہت سی چیزیں روایت کرتا ہے۔ انہوں نے کہا: اور وہ کیا کہتا ہے؟ میں نے کہا: اس نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ: ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ وہ ایک دن حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ خلوت میں چلے گئے۔ آپ کے صحابہ میں سے ایک آدمی نے کہا: ''عجیب بات ہے کہ ہم اتنی سخت میں ہیں، اور آپ آج بھی اس نوجوان سے سرگوشیاں کررہے ہیں۔ -یہ سن کر- رسول اللہ نے فرمایا: میں اس سے سرگوشی نہیں کررہا تھا، بے شک وہ رب سے سرگوشیاں کررہا تھا۔ تو ابوعبداللہ نے کہا: ''یہ بات تو آپس میں ایک دوسرے سے معروف ہیں۔''❶

اور وہ نبی کریم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت علی سے سرگوشی کی: طائف کے دن؛ عقبہ کے دن؛ تبوک کے دن اور خیبر کے دن۔''❷

یہ روایات ان کے اس عقیدہ پر دلالت کرتی ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت علی سے سرگوشی کی۔'' یہ اللہ تعالیٰ پر ایک کھلم کھلا اور واضح جھوٹ ہے، جس پر اللہ تعالیٰ ان سے بدلہ لے گا۔

۳۔ اوصیاء پر وحی نازل ہونے کا عقیدہ:

گزشتہ پیرائے میں ہم ان -شیعہ و روافض- کا یہ اعتقاد بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رضی اللہ عنہ سے سرگوشی کی۔ ان کے گمان کے مطابق یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص کر لیا تھا؛ اوصیاء میں سے کسی کو یہ مقام نصیب نہیں ہوا۔ یہ -سرگوشی- وحی سے ہٹ کر ایک چیز ہے۔ جب کہ وحی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام اوصیاء کی طرف وحی نازل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی کے لیے اور تائید کے لیے فرشتوں کو نازل کرتے ہیں۔ بصائر الدرجات میں ہے:

---

❶ المفید فی الاختصاص (ص: ۳۲۷)۔

❷ المفید فی الاختصاص (ص: ۳۲۸)۔

''ابوجعفر، باقر عَلَیہِ السَّلام سے روایت کیا گیا ہے؛ آپ نے فرمایا: ''بے شک اوصیاء الہامی باتیں کرنے والے ہوتے ہیں۔ جن کی طرف روح القدس الہام کرتا ہے، مگر وہ اسے دیکھ نہیں سکتے۔ اور حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے سامنے روح القدس پیش ہوتے تھے؛ جن سے آپ سوال کیا کرتے۔ تو آپ کو اپنے دل میں احساس ہوتا کہ انہوں نے درست جواب پالیا ہے، تو پھر آپ -لوگوں کو- اس کی خبر دیتے، تو ایسے ہی ہوتا جیسے آپ نے فرمایا تھا۔'' ❶

سماعہ بن مہران سے ایک دوسری روایت میں ہے، آپ نے فرمایا:

''میں نے ابوعبداللہ عَلَیہِ السَّلام سے سنا، وہ فرما رہے تھے: ''بے شک روح جبریل اور میکائیل سے بھی بڑی مخلوق ہے؛ جو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ تھی؛ آپ کی رہنمائی کرتی، اور راہ راست پر لاتی۔ اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد وہ اوصیاء کے ساتھ ہے۔'' ❷

اور ابوعبداللہ سے ہی روایت کیا گیا ہے؛ آپ نے فرمایا:

''بے شک ہم میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے کانوں میں بات ڈالی جاتی ہے۔ اور ہم میں ایسے بھی ہیں جو رات کو خواب دیکھتے ہیں۔ اور ہم میں ایسے بھی ہیں جو زنجیر کی طرح کی آواز سنتے ہیں؛ جب اسے تطشت میں ڈالا جائے۔'' ❸

۴۔ آئمہ کے منزلتِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ہونے کا عقیدہ:

کافی میں محمد بن مسلمہ سے روایت کیا گیا ہے، فرمایا: میں نے ابوعبداللہ عَلَیہِ السَّلام سے سنا، وہ فرما رہے تھے:

''آئمہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی منزلت پر ہوتے ہیں۔ بس فرق یہ ہے کہ یہ خود نبی نہیں ہوتے۔ اور ان کے لیے ایسے عورتیں حلال نہیں ہوتیں جیسے انبیاء کے لیے حلال ہوتی ہیں۔☆ رہے ان کے علاوہ باقی امور تو ان میں وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی منزلت پر ہوتے ہیں۔'' ❹

بحار الانوار میں علی بن زید سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں: ہم عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا کے پاس باہم فضائل

---

❶ الصغار : بصائر الدرجات (ص : ٤٧٣)۔
❷ الصفار : بصائر الدرجات (ص : ٤٧٦)۔
❸ الصفار : بصائر الدرجات (ص : ٢٥٢)۔ محمد باقر المجلسی : بحار الأنوار : (٢٦ / ٥٥)۔
☆ اسی لیے متعہ کا عقیدہ اختیار کیا ہے۔
❹ الکلینی فی أصول الکافی (١ / ٢٧٠)۔

بیان کررہے تھے۔ہم کہتے تھے کہ-افضل لوگ رسول اللہ ﷺ کے بعد-حضراتِ ابوبکر وعمر وعثمان ہیں، -رضی اللہ عنہم اجمعین -۔اوران کی طرف سے کہنے والا کہتا تھا: فلاں فلاں افضل ہیں۔تو ایک آدمی نے ان سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن !علی کے بارے میں کیا رائے ہے۔تو فرمایا:

''وہ تو اہلِ بیت میں سے ہیں؛ ان پر کسی بھی آدمی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔علی علیہ السلام اپنے مقام ومرتبہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾

(الطور : ۲۱)

''اور جولوگ ایمان لائے اوران کی اولاد بھی (راہِ) ایمان میں ان کے پیچھے چلی ہم ان کی اولاد کو بھی ان (کے درجے) تک پہنچادیں گے۔''

تو فاطمہ نبی کی اولاد میں سے ہے، وہ بھی اس منزلت میں آپ کے ساتھ ہے، اور علی علیہ السلام فاطمہ کے ساتھ ہیں۔''❶

اورصدوق کہتا ہے:

''ہمارے مخالفین اس بارے میں ہم سے جس چیز میں جھگڑا کرتے ہیں وہ اس سے لاعلم ہیں۔اگر وہ عقل اور بصیرت، تدبر وتفکر رکھنے والے اور عناد ترک کرنے والے ہوتے ؛ اور اپنے بڑوں سے تعصب کو ختم کرنے والے ہوتے ؛ جوکہ ان کے اسلاف میں رہا ہے؛ تو وہ اس بات کو جان لیتے کہ ہر وہ بات جو انبیاء کے لیے جائز ہے وہی آئمہ کے حق میں لازم اور واجب ہے۔ بالکل قدم کے ساتھ قدم اور کندھے کے ساتھ کندھے کی طرح۔''❷

ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب:'' مناقب آل ابی طالب '' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے ایک حدیث، اس عنوان کے تحت لائی ہے :''فصل : حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نبی ﷺ کے برابر ہونے کے بیان میں۔'' -حدیث یہ ہے۔

''نبی کریم ﷺ کے پاس ایک کتاب ہے؛ اور علی رضی اللہ عنہ کے پاس تلوار اور قلم۔اور نبی ﷺ

---

❶ محمد باقر المجلسی : بحار الأنوار : (۲٦ / ۵۵)۔

❷ کمال الدین و تمام النعمة (ص: ۲۳)۔

کے دو معجزے بہت بڑے ہیں، اللہ تعالیٰ کا کلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار''۔ نبی کریم ﷺ کے شق قمر -چاند ٹکڑے ہونے- کا معجزہ ہے، اور حضرت علی کے لیے نہروان توڑنے کا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر ایمان لانے کو واجب کیا ہے، فرمایا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ﴾ (آل عمران : ۸۱)

''-وہ وقت یاد کرو- جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا۔''

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِن﴾ (الزخرف : ٤٥)

''اوران سے پوچھیں جنہیں ہم نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات امام الانبیاء بنایا، اور سہاگ رات اور غدیر کی رات وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام الأوصیاء بنایا۔ نبی کریم ﷺ براق پر سوار ہوئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے کندھوں پر چڑھے۔''❶

ان کے بیوقوفوں اور احمقوں کی روایات میں سے یہ بات بھی ہم تک پہنچی ہے کہ: ان کے بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق کا اختیار اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفویض کیا تھا۔ اصبغ بن نباتہ نے روایت کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک نمائندہ بھیجا، اور کہا: '' واپس چلی جاؤ؛ ورنہ میں ایسا کلام کروں گا جس سے تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بری ہو جاؤ گی۔

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: '' تم جاؤ، اور اس سے کہو، امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ آپ کو یہ پیغام دے رہے ہیں، : اس اللہ کی قسم جو دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے اور روح کو پیدا کرنے والا ہے، اگر تم ابھی ابھی یہاں سے کوچ نہ کرگئی تو میں تجھ پر وہ بھیجوں گا جس کو تم جانتی ہو۔ جب حسن رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کا پیغام پہنچادیا؛ تو آپ کھڑی ہوگئیں، پھر کہنے لگیں: '' مجھے لے چلو؛ ان سے ایک عورت نے کہا: '' آپ کے پاس ابن عباس رضی اللہ عنہ آئے؛ جو کہ بنی ہاشم کے شیخ ہیں؛ اور انہوں نے آپ کے ساتھ گفتگو کی،

❶ مناقب آل ابی طالب(۳/ ۲٦۰)۔

اور غصہ میں واپس چلے گئے۔ مگر آپ کے پاس ایک نوجوان آیا اور آپ نے ہتھیار ڈال دیے۔ تو [حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا] فرمانے لگیں:

''یہ نوجوان رسول اللہ ﷺ کا نواسہ ہے۔ اور جو کوئی رسول اللہ ﷺ کو دیکھنا چاہے، اسے چاہیے کہ وہ اس نوجوان کو دیکھے۔ یہ نوجوان میرے پاس ایسا پیغام لے کر آیا ہے جسے میں جانتی ہوں۔- اس عورت نے - کہا: ''میں تم پر رسول اللہ ﷺ کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرتی ہوں کہ مجھے وہ پیغام بتاؤ جو یہ نوجوان لے کر آیا ہے۔ تو آپ فرمانے لگیں: بے شک رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد اپنی عورتوں کو طلاق کا اختیار علی کے ہاتھ میں دیا ہے۔ پس جس کو وہ دنیا میں طلاق دیدیں گے، اسے آخرت میں جدائی ہی نصیب ہوگی۔'' [1]

ان لوگوں کا وصیت اور صاحبِ وصیت کے بارے میں یہ عقیدہ ہے۔ جیسا کہ ان کی جانب سے آئمہ معصومین کی طرف منسوب روایات میں آیا ہے۔ اور جو ان کی اہم کتب - مصادر - میں ثابت شدہ ہے۔

یہ اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے وصی ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس منصب کے لیے سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے چنا گیا ہے۔ اور یہ کہ نبی کریم ﷺ کو ایک سو بیس بار معراج نصیب ہوئی؛ اور ہر بار اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آئمہ کی ولایت کی وصیت کرتے رہے۔

اور اس بات کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ: ''بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد آئمہ کی منزلت رسول اللہ ﷺ کے برابر ہے۔ اور وہ ہر چیز میں نبی ﷺ سے مماثلت رکھتے ہیں سوائے عورتوں کی تعداد کے۔

رہا جو مسئلہ کاظمی - ایک معاصر شیعہ عالم - نے ذکر کیا ہے کہ:

''امامت بالکل نبوت ہی کی طرح ہے، سوائے وحی کے۔'' اسے تقیہ پر محمول کیا جائے گا۔ اس لیے کہ سابقہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ: ''یہ - شیعہ/ رافضی - لوگ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ: ''امام کی طرف ایسے ہی وحی کی جاتی ہے جیسے نبی کی طرف وحی کی جاتی ہے۔''

کاظمی کے قول کو اگر تقیہ پر محمول نہ بھی کیا جائے تو بھی ان نصوص کے سامنے؛ جو کہ ان کی اساسی

[1] فضل بن شاذان : الإيضاح (ص: ٣٨ کا حاشیہ)۔

کتابوں میں وارد ہوئی ہیں، اس کے قول کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی [بلکہ مذہب کے لحاظ سے اسے شاذ کہا جائے گا؛ اس لیے کہ یہ مذہب کے تمام لوگوں کی مخالفت کررہا ہے]۔

-ان کے مذہب کے- علماء اس عقیدہ صدیوں سے قبول کرتے چلے آئے ہیں۔ اور اس کی کسی روایت پر انہوں نے کوئی جرح وتنقید کی؛ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس عقیدہ کو تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔

تیسری بحث:....... یہودی اور رافضی عقیدۂ وصیت میں وجوہ مشابہت

یہودیوں اور رافضیوں کے ہاں وصیت کا عقیدہ بیان کرنے کے بعد ہمارے لیے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان دونوں عقیدہ میں بہت بڑی مشابہت ہے۔ اور یہ مشابہت کئی لحاظ سے ہے:

اول: نام میں مشابہت:

رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں کے امور نبھانے کے لیے آپ ﷺ کے خلیفہ پر وصی لقب کا اطلاق کرنا عام مسلمانوں کے ہاں معروف نہیں ہے۔ یہ بات تو معلوم شدہ ہے کہ جناب حضرتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں کے خلیفہ بنے، اور ان کے امور کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لی۔ اور باتفاقِ صحابہ آپ کو خلیفہء رسول اللہ ﷺ کہا جاتا تھا۔ ان میں سے کسی ایک سے بھی یہ منقول نہیں ہے کہ آپ کو وصی کہا گیا ہو۔ یہاں تک جن لوگوں نے کہا کہ آپ کی خلافت نص سے ثابت ہے۔ [1]

پھر آپ کے بعد جناب حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو خلیفہ بنانے کے لیے وصیت کی تھی۔ مگر آپ کو ''وصی'' کا لقب نہیں ملا؛ بلکہ خلیفۂ خلیفۂ رسول کا لقب ملا۔ اس کے بعد آپ کو بطورِ اختصار امیر المؤمنین کہا جانے لگا۔ پھر یہ لقب جناب حضرتِ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ملا۔'' [2]

مسلمانوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں رہا جس نے خلفاء اربعہ میں سے کسی ایک پر لقب ''وصی'' کا اطلاق کیا ہو۔ سوائے ابن سباء کی باتوں کے اور وہ لوگ جو اس کے دھوکہ میں آگئے؛ جب اس نے اسلام

---

[1] [انہوں نے بھی آپ کو وصی نہیں کہا ؛ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر رسول اللہ یہ بتا سکتے ہیں کہ میرے بعد خلیفہ ابو بکر اور عمر ہوں گے' جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے۔ اگر وصی کا کوئی مقام ومرتبہ اسلام میں ہوتا تو آپ ضرور بتا کر جاتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اور مؤمنین اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ وہ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) پر اختلاف کریں''۔ مصنف ۱۱۹۹؛ بخاری ٥٦٦٦؛ مسلم ٢٣٨٧؛ مختصر الشريعه ٢٧١؛ مترجم]

[2] الصواعق المحرقة في الرد على أهل البدع والزندقة: ابن حجر الهثمی ص (٩٠)۔ الأذكار: النووی (٣٢١)۔

میں وصیت کا قول ایجاد کیا؛ اور یہ گمان کرنے لگا کہ جنابِ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔اوراس بدعت کے انتشار کی ابتداء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں-اس وقت-شروع ہوئی -جب عبداللہ بن سباء کی سرگرمیوں نے زور پکڑا۔''

اس سے ہمارے لیے یہ بات واضح ہوگئی کہ لقب ''وصی'' اصل میں یہودیوں کا عقیدہ ہے؛ جوابن سباء کے واسطہ سے رافضیوں میں منتقل ہوا ہے۔

دوم: وجوب وصی پر اتفاق:

یہودی اور رافضی نبی کے بعد وصی مقرر کرنے کے وجوب پر متفق ہیں۔ یہودیوں نے وصی سے خالی امت کو ان بکریوں سے تشبیہ دی ہے جن کا کوئی چرواہا نہ ہو۔اور رافضی یہ کہنے لگے کہ: ''اگر زمین ایک گھڑی بھی امام کے بغیر رہے تو دھنس جائے۔ دونوں باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ وصی مقرر کرنا واجب ہے۔ اورلوگ اس سے مستغنی نہیں ہوسکتے۔

سوم: وصی کے تعین پر اتفاق:

یہودی اور رافضی دونوں ہی اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی وصی کو متعین کرتے ہیں۔اور نبی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے بعد وصی کو خود چن لے۔ یہود کی نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ یشوع کو اپنے بعد اپنا وصی مقرر کریں۔اور رافضی روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس بات کا حکم دیا تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا وصی چن لیں۔اورحضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کا تعین سات آسمانوں کے اوپر سے ہوا ہے۔

چہارم: وصی سے ہم کلامی:

ان کا آپس میں اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اوصیاء سے کلام کرتے ہیں،اوران کی طرف وحی نازل کرتے ہیں۔ یہودیوں کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی بار یشوع کو مخاطب کیا۔اور رافضی یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کئی بار اور کئی جگہوں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشیاں کی؛جیسا کہ ان کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔

پنجم: وصی کی منزلت:

یہودی اور رافضی دونوں ہی وصی کو نبی کے مرتبہ پر سمجھتے ہیں۔ یہودی اسفار میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے یشوع سے کہا: '''' رب نے یشوع سے کہا: '' آج سے میں تمام بنی اسرائیل کی نظروں میں تجھے بڑا کرتا ہوں۔ تا کہ وہ جان لیں جیسے میں موسیٰ کے ساتھ تھا ایسے ہی تمہارے ساتھ ہوں۔'' دوسری روایت میں ہے: ''وہ اس سے ایسے ہی ہیبت کھانے لگے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہیبت تھی۔''

اور رافضی گمان کرتے ہیں کہ آئمہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منزلت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت کے برابر ہے۔ اوران دونوں کا ایک ہی درجہ ہے جیسا کہ سابقہ روایات سے ظاہر ہے۔

ششم: وقوفِ شمس وقمر پر اتفاق:

یہودیوں اور رافضیوں کے اتفاقات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو یشوع کے لیے روک لیا تھا۔ واضح رہے کہ صرف سورج کا روکا جانا حدیث میں ثابت ہے، چاند کے متعلق کوئی روایت نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہاں پر مقصود اس معاملہ میں رافضیوں کی یہود سے مشابہت کو بیان کرنا ہے [اس لیے اتنے پر ہی اکتفاء کیا جائے گا]۔ اور ایسے ہی رافضی یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے واپس لوٹا دیا تھا۔

سوانہوں نے باقر سے، اس نے اپنے باپ سے، اس نے اس کے دادا حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ جویریہ -حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک- سے ایک لمبی حدیث روایت کرتے ہیں: ''امیر المؤمنین علیہ السلام ارض بابل کے ایک حصہ کی طرف چلے۔ اور فرمایا:

> ''اے جویریہ! پانی لاؤ۔ میں نے پانی کا برتن آپ کی جانب بڑھایا۔ آپ نے وضو کیا، پھر فرمایا: اے جویریہ! آذان دو۔ میں نے کہا: ''اے امیر المؤمنین! ابھی نماز عشاء کا وقت نہیں ہوا۔ فرمایا: ''عصر کے لیے آذان دو۔ میں نے اپنے جی میں کہا: ''کیا میں عصر کے لیے آذان دوں، اور سورج غروب ہو چکا ہے۔ لیکن پھر کہا: ''مجھ پر بات کو ماننا واجب ہے؛ سو میں نے آذان دیدی۔ تو آپ نے فرمایا: ''اقامت کہو۔ ابھی میں اقامت کہہ رہا تھا کہ آپ کے ہونٹ کلام کرتے ہوئے حرکت میں آ گئے؛ گویا کہ پرندہ کچھ کہہ رہا ہو۔ میں اس میں سے کچھ بھی نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اچانک سورج اپنی روشنی کے ساتھ پلٹ آیا۔ یہاں تک کہ عصر کی جگہ پر درمیان میں رک گیا۔ پھر حضرت علی علیہ السلام کھڑے ہو گئے، اور تکبیر کہی۔ ہم نے بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو سورج ایسے ڈھل گیا

جیسے طشت میں چراغ ہو؛ اور غائب ہوگیا؛ اور ستارے آپس میں مل گئے۔ پھر آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے کمزور یقین والے! اب عشاء کی آذان دو۔'' [1]

اس عقیدہ میں یہودیوں اور رافضیوں مشابہت کی یہ وجوہات ہیں۔ اس وجہ سے یہ کوئی اچھنبی بات نہیں ہے کہ ان دونوں کے درمیان بہت بڑا اتفاق و اتحاد ہو۔ سوعبد اللہ بن سباء نے ہی رافضی مذہب ایجاد کیا اور اس کی بنیاد رکھی؛ اور اس کی طرف دعوت دی۔ اور جو کمزور ایمان والے لوگ اس کے دھوکہ میں آ گئے، ان میں یہ عقائد پھیلانے لگا۔ ابن سباء پہلا آدمی تھا جس نے اس عقیدہ کو اچھالا، اور یہ گمان کرنے لگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے وصی ہیں۔ ابن سباء نے خود اس کی صراحت کی ہے، کہ اس نے یہ عقیدہ کسی اسلامی مصدر سے نہیں لیا، بلکہ تورات سے لیا ہے۔

شیعہ اور اہل سنت علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ: ابن سباء نے سب سے پہلے اسلام میں عقیدہ وصیت کی بدعت پیدا کی۔ اور جب وہ یہودی تھا تب بھی وہ اس عقیدہ کا یشوع بن نون کے لیے پرچار کیا کرتا تھا۔ امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عبداللہ بن سباء اہل صنعاء کا یہودی تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلام کا اظہار کیا، اور پھر لوگوں کو گمراہ کرتے ہوئے شہروں میں گھومنے لگا، ...... پھر کہنے لگا: ایک ہزار نبی تھے، اور ہر نبی کے لیے ایک وصی ہوا کرتا تھا۔ اور علی رضی اللہ عنہ محمد ﷺ کے وصی ہیں۔ پھر کہنے لگا: '' محمد ﷺ خاتم الأنبیاء ہیں، اور علی رضی اللہ عنہ خاتم الأوصیاء۔ پھر اس کے بعد کہنے لگا: ''اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو محمد ﷺ کی وصیت کو نافذ نہ کرے، اور علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کرتے ہوئے امت کا معاملہ ان کے ہاتھ سے چھین لے۔'' [2]

---

[1] عیون المعجزات : حسین عبد الوهاب (٧-٨)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سورج کے لوٹائے جانے کی حدیث بعض اہل سنت محدثین نے بھی نقل کی ہے۔ اور یہ کہ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور آپ کی دعاء سے پیش آیا' حضرت علی کے لیے سورج لوٹایا گیا' یہاں تک کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی۔'' اور دوسری روایت کے مطابق یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کا ہے۔ لیکن یہ فقط روایت ہے۔ جو کہ صحیح نہیں ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں: یہ من گھڑت روایت ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ''اس کی کوئی اصل ہی نہیں۔'' ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے موضوع کہا ہے۔ منهاج السنة ٨/ ١٦٥۔ بعض اہل علم نے کہا ہے: نبی کریم ﷺ سورج کا لوٹنا صحیح ہے۔ لیکن اس معاملے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

[2] تاریخ الطبری : (٤/ ٣٤٠)۔

خطیب بغدادی نے امام شعبی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے: ''بے شک عبد اللہ بن سباء نے اہل کوفہ سے بیان کیا کہ:

''اس نے تورات میں پایا ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے؛ اور بے شک علی رضی اللہ عنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ اور آپ تمام اوصیاء میں سب سے بہتر ہیں، جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء میں سب سے افضل ہیں۔'' [1]

شہرستانی نے ذکر کیا ہے کہ: بے شک ابن سباء وہ پہلا آدمی ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصی ہونے پر نص کا قول ایجاد کیا۔ اور ابن سباء کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

''-اس کے بارے میں - گمان کیا جاتا ہے کہ یہ یہودی تھا، اور مسلمان ہوگیا۔ وہ اپنی یہودیت میں کہا کرتا تھا کہ یشوع بن نون موسی علیہ السلام کے وصی ہیں؛ جیسا کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعد میں کہا۔ اس نے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا قول ایجاد کیا۔ اور اسی سے غالیوں کی مختلف اصناف پھوٹیں۔'' [2]

اور مقریزی کا کہنا ہے کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ابن سباء نے حضرت علی کے وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا قول ایجاد کیا۔ سو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور امت پر آپ کے خلیفہ ہیں؛ یہ بات نص سے ثابت ہے۔'' [3]

اور روافض کے علماء اور محققین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ابن سباء -یہودی- وہ پہلا انسان ہے جس نے یہ بات کی گھڑی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہونے کا قول ایجاد کیا۔''

-معروف شیعہ عالم- نوبختی کہتا ہے:

پھر وہ کہتا ہے: ''علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک جماعت سے حکایت نقل کی گئی ہے کہ عبد اللہ بن سباء یہودی تھا، پھر اس نے اسلام قبول کیا۔ اور حضرت علی سے دوستی کر لی۔ جب وہ یہودی تھا تو کہا

---

1. الفرق بين الفرق ص: (٢٣٥)
2. الملل والنحل (١/ ١٧٤)۔
3. خطط المقريزي (٢/ ٣٥٦)۔

کرتا تھا کہ یوشع بن نون موسی علیہ السلام کے بعد ان کے وصی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی شان میں ایسی ہی بات کہنے لگا۔''

یہ پہلا انسان ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے فرض ہونے کا کہا؛ اوران کے اعداء سے برأت کا اظہار کیا۔ اوران کے مخالفین کا پردہ چاک کیا۔ اسی وجہ سے شیعہ مخالفین کہتے ہیں: ''بے شک شیعہ کی اصل یہودیوں سے ماخوذ ہے۔''❶

کشی - جو کہ ان کے ہاں رکن الاسلام کے لقب سے معروف ہے - نے اپنی کتاب معرفۃ أخبار الرجال❷ میں بھی ایسے ہی ذکر کیا ہے اور مامقانی نے تنقیح المقال❸ میں یہی لکھا ہے۔

ابن مرتضی بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ عبداللہ بن سباء سب سے پہلے امامت کے منصوص ہونے اور بارہ اماموں کا قول ایجاد کیے۔❹

اور نعمت اللہ الجزائری کہتا ہے:

> ''عبداللہ بن سباء نے علی علیہ السلام سے کہا: ''آپ ہی معبود برحق ہیں۔'' تو حضرت علی علیہ السلام نے اسے مدائن کی طرف ملک بدر کردیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ یہودی تھا۔ اس نے اسلام قبول کیا۔ وہ اپنی یہودیت کی زندگی میں یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے ایسے ہی کہا کرتا تھا جیسے اس نے علی علیہ السلام کے بارے میں کہا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: یہ پہلا انسان ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے واجب ہونے کا قول ایجاد کیا؛ اوراسی سے غالیوں کی مختلف اصناف پھوٹیں۔''❺

محققین اہل سنت والجماعت کے اقوال اور کبار علماء رافضہ کے اعترافات نقل کرنے کے بعد کہ:

''عبداللہ بن سباء نے ہی اسلام میں سب سے پہلے وصیت کا قول ایجاد کیا؛ اور پھر خود ابن سباء کا اعتراف کہ اس نے یہ عقیدہ تورات سے اخذ کیا ہے، اور اس نے تورات میں پایا ہے کہ ایک ہزار نبی تھے اوران

---

❶ فرق الشیعه (۲۲)۔ ❷ معرفة أخبار الرجال ص ۷۱۔

❸ تنقیح المقال (۲/ ۱۸۴)۔

❹ سلیمان العودة: عبد الله بن سباء و أثره فی إحداث الفتن فی صدر الإسلام ص(۶۱)۔

❺ الأنوار النعمانية ۲/۲۳۴۔

میں سے ہر نبی کے لیے وصی ہوا کرتا تھا، اور اس کے ساتھ ہی وہ سابقہ وجوہات جو ہم نے اس عقیدہ میں رافضیوں کی یہودیوں سے مشابہت میں ذکر کی ہیں؛ یہ تمام باتیں اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ یہ عقیدہء وصیت خالص یہودی عقیدہ ہے۔ جو عبداللہ بن سباء یہودی کے واسطہ سے رافضیوں میں منتقل ہوگیا۔

چوتھی بحث:......رافضیوں کے عقیدہ وصیت پر رد

رافضیوں کا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شان میں مبالغہ کرنا، اور ان کی بابت اتنا غلو کرنا کہ ان کی طرف اللہ تعالیٰ سے سرگوشیاں اور ہم کلامی منسوب کیں، اور یہ کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت پر ہیں، اور ملائکہ کا آپ کی تائید کرنا؛ سورج کا آپ کے لیے لوٹایا جانا؛ یہ تمام فاسد عقائد ان کے اس عقیدہ کے تحت پروان چڑھے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ: جب ان لوگوں نے دیکھا کہ عام مسلمان اس عقیدہ کا انکار کر رہے ہیں، تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں روایات گھڑیں۔ اور آپ کی طرف یہ جھوٹ منسوب کیا جسے عقل تسلیم ہی نہیں کرتی۔ ایسے انہوں نے اپنے عقیدہ کی تائید کرنے کے لیے کیا۔ اور لوگوں کو اس بات پر قانع کرنا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں، اور باقی لوگوں سے خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔

اسی لیے رد کا محور و مرکز بھی یہی پہلو ہوگا؛ یعنی: اس بات کی نفی کہ: ''حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی نہیں ہیں؛ اور عقیدہ وصیت کا باطل ہونا ثابت کرنا؛ جس کو میں دوسرے رافضی عقائد کی نسب ناگ کا سر خیال کرتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصی نہ ہونے پر کئی دلائل ہیں؛ ان میں سے:

اول:......صحیح احادیث سے رد:

صحیح اور صریح احادیث اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی نہیں ہیں۔ ان احادیث میں سے،

بخاری اور مسلم کی حدیث جسے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کچھ لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا: آؤ ایک کتاب لاؤ، میں تمہارے لیے لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہوں گے۔ تو بعض افراد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تکلیف کا

غلبہ ہے۔ اورتمہارے پاس قرآن موجود ہے ؛ ہمارے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ تواہل بیت آپس میں اختلاف کرنے لگے۔اوران کا آپس میں جھگڑا ہوگیا۔ان میں سے کوئی کہتا: لے آؤ تا کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ لکھ دیں ؛ اس کے بعدتم گمراہ نہیں ہوں گے۔ اور میں سے کوئی اس کے علاوہ کچھ اور کہتا۔ جب ان کی آپس میں چپقلش زیادہ ہوگئی ؛اوراختلاف بڑھ گیا،تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھڑے ہوجاؤ۔''

عبداللہ کہتے ہیں: ابن عباس فرمایا کرتے تھے:

''مصیبت ہے پوری طرح مصیبت اس انسان کے لیے جو رسول اللہ ﷺ کے درمیان اور یہ کتاب –وصیت– لکھنے کے حائل ہوا، اپنے اختلاف کی وجہ سے اورشور وشرابہ کرنے کی وجہ سے۔'' ❶

یہ صریح روایت اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات کے وقت تک کسی کے لیے وصیت نہیں کی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مذکورہ جملہ نہ کہتے۔

اس کی تائید میں صحیحین میں طلحہ بن مسرف رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

''میں نے عبداللہ بن ابی اوفی سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی تھی؟ انہوں نے کہا:''نہیں۔'' میں نے کہا:''لوگوں پر وصیت کیسے لازم کی گئی، یا انہیں وصیت کا حکم دیا گیا؟ فرمایا:''کتاب اللہ سے وصیت کی گئی۔'' ❷

جیسا کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی یہ بات ثابت آپ نے فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ نے کوئی دینار و درہم اور نہ ہی اونٹ اور بکری چھوڑے، اور (اسی لیے) آپ نے وصیت بھی نہیں۔'' ❸

---

❶ رواه البخاري كتاب المغازي ' باب: مرض النبي ﷺ ووفاته ؛ ح(٤٤٣٢)۔ مسلم كتاب الوصية' باب : ترك الوصية لمن ليس له شيء يوصى فيه ' ح(٢٢)۔

❷ البخاري ' كتاب الوصايا؛ باب : وصية الرجل مكتوب عنده ؛ ح: (٢٧٤٠)۔ مسلم كتاب الوصية' باب : ترك الوصية لمن ليس له شيء يوصى فيه ' ح(١٦)۔

❸ اس حدیث میں ایک اعتراض کیا جواب دیا جارہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خود وصیت نہیں کی تو لوگوں پر وصیت کیسے لازم کی گئی' جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ:''کسی مسلمان کو لائق نہیں ہے کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو' جس کے لیے ⇦⇦⇦

امام بخاری اور مسلم نے اسود بن یزید سے روایت کیا ہے؛ وہ فرماتے ہیں کہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق وصیت کا ذکر کیا گیا؛ تو آپ نے فرمایا:

"آپ ﷺ نے کب انہیں وصی بنایا؟ میں آپ ﷺ کو سینے سے لگائے ہوئے بیٹھی تھی؛ -یا آپ ﷺ میری گود میں تھے-؛ اتنے میں آپ ﷺ نے طشت منگایا؛ پھر آپ ﷺ میری گود میں گر پڑے اور مجھے خبر نہ ہوئی کہ آپ ﷺ انتقال فرما گئے ہیں، پھر آپ ﷺ نے علی کو کب وصی بنایا؟" ❶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ صراحت ووضاحت کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد علی رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت نہیں کی ؛ یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کا کوئی وصی نہیں ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں ہوا، اگر رحمت عالم ﷺ نے کوئی ایسی وصیت کی ہوتی ؛ تو آپ لوگوں میں سب سے زیادہ اس کی جاننے والی ہوتیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ خود جنابِ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں لوگوں سے علیحدہ کسی چیز میں خاص نہیں کیا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے ابوطفیل کی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے تمام لوگوں کو چھوڑ کر ہمیں کسی چیز میں خاص نہیں کیا؛ سوائے اس کے

⇦⇦⇦ وہ وصیت کرنا چاہے؛ وہ دوراتیں گزارے، اوراس کے پاس وصیت لکھی ہوئی نہ ہو"۔ مسلم کتاب الوصیة ؛ باب وصیة الرجل مکتوب عندہ ؛ ح: (٤٢٠٤)۔ جب کہ خود نبی کریم ﷺ نے کوئی وصیت (اپنے مال کے بارے میں) نہیں کی۔ حالانکہ آپ کی زمین خیبر اور فدک میں تھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو وصیت کی تھی وہ کتاب اللہ پر عمل ہے۔ اور خود وصیت اس لیے ترک کی کہ نبی کا مال وراثت نہیں ہوتا، بلکہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی تمام جائداد وقف کر دی تھی۔ جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ: "شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصی ہونے کا جو ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور نہ ہی کسی فرد کے لیے خاص وصیت کسی ایک صحیح حدیث میں ثابت ہے۔ البتہ بعض احادیث میں یہ وصیت ضرور موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہود اور نصاری کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ اور سفارت کے لیے آنے والوں کی ایسی ہی خاطر کرو، جیسے میں کیا کرتا تھا" (تاکہ دوسری قوموں کو اسلام میں رغبت پیدا ہو)۔ مسلم (٤٢٣٢)۔ مسلم کتاب الوصیة، باب : ترك الوصية لمن ليس له شيء يوصى فيه، ح(٤٢٢٩)۔ أبو داؤد، ح: ٢٨٦٣؛ سنن نسائی، ح: ٣٦٢٣۔

❶ البخاری، کتاب الوصایا؛ باب : وصية الرجل مكتوب عنده ؛ ح: (٢٧٤١)۔ مسلم کتاب الوصية، باب : ترك الوصية لمن ليس له شيء يوصى فيه، ح(١٩)۔ أبو داؤد، ح: ٢٨٦٣؛ سنن نسائی، ح: ٣٦٢٣۔

جو میری تلوار کی اس نیام میں ہے۔'' پھر آپ نے ایک تحریر نکالی، اس میں لکھا ہوا تھا:

''اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے، جو کوئی غیر اللہ کے لیے ذبح کرے۔'' ❶

اور وہ قوی دلائل جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عدم وصی ہونے پر دلالت کرتے ہیں، ان میں سے ایک بخاری کی روایت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''بے شک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر آئے؛ یہ اس مرض کا واقعہ ہے میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا؛ لوگوں نے کہا: اے ابوالحسن! آج صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟۔ انہوں نے کہا: ''الحمد اللہ! آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہے۔ پھر حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: ''خدا کی قسم تین دن کے بعد تم غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوجاؤ گے؛ اور خدا کی قسم! مجھے ایسے آثار نظر آرہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض سے صحت یاب نہیں ہوسکیں گے۔ موت کے وقت مجھے بنو مطلب کے چہروں کی خوب شناخت ہے۔ اب ہمیں آپ کے پاس چلنا چاہیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کس کو ملے گی؟ اگر ہم اس کے مستحق ہیں، تو ہمیں معلوم ہوجائے گا؛ اور اگر کوئی دوسرا مستحق ہے تو بھی معلوم ہوجائے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممکن ہے ہمارے متعلق اپنے خلیفہ کو کچھ وصیتیں کردیں۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! اگر ہم نے اس وقت آپ سے اس کے متعلق پوچھ لیا اور آپ نے انکار کردیا؛ تو پھر لوگ ہمیں ہمیشہ کے لیے اس سے محروم کردیں گے۔ میں تو ہرگز اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی نہیں پوچھوں گا۔'' ❷

ڈاکٹر علی بن ناصر الفقیہی کہتے ہیں:

''کیا یہ نص رافضہ کے جھوٹ پر رد کرنے کے لیے کافی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کی وصیت کی تھی۔''

[اس میں رافضہ کا جھوٹ کئی باتوں سے ظاہر ہے]:

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الأضاحي، باب: تحريم الذبح لغير الله، ولعن فاعله، ح(٤٥)۔

❷ رواه البخاری كتاب المغازي، باب: مرض النبي ﷺ ووفاته؛ ح(٤٤٤٧)۔

اول:......خلافت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ سے سوال کرنے سے رک جانا۔

دوم:...... یہ واقعہ اس دن کا ہے جس میں رسول اللہ کی وفات ہوئی۔

سوم :......اگر ایسی کوئی نص اس سے پہلے ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہہ دیتے کہ میں ایسی چیز کے بارے میں پوچھوں جس کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہے۔ اورانہوں نے میرے لیے خلافت کی وصیت کر دی ہے۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ دلیل ان کے منصوص ہونے کے خودساختہ دعوی پر رد کے لیے ایک مضبوط اور دوٹوک دلیل ہے۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود کہا تھا:

''اللہ کی قسم ! اگر ہم نے اس وقت آپ سے اس کے متعلق پوچھ لیا اور آپ نے انکار کر دیا؛ تو پھر لوگ ہمیں ہمیشہ کے لیے اس سے محروم کر دیں گے۔''

یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو نافذ کرنے کے کتنے ہی حریص تھے؛ اور سنت پر کتنے کار بند تھے۔ اور اس میں ان رافضہ پر بھی رد ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے وہ نص چھپا دی تھی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کا حقِ خلافت روک لیا'' [1]

دوم:...... عقلی رد:

عقلی دلائل اور براہین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصیِ رسول نہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نص نہ ہونے کے دلائل میں سے ایک وہ دلیل ہے جسے امام جوینی نے رافضیوں پر رد کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں:''جب صحابہ کرام سقیفہ والے دن اپنا بڑا مقرر کرنے اور خلیفہ متعین کرنے کے لیے جمع ہوئے ؛ تو آراء مختلف ہوگئیں۔ اور لوگوں کی خواہشات متفرق ہوگئیں۔ اور لوگوں کے عزائم سامنے آنے لگے۔ لوگ ایک مشکل وقت میں تھے۔ اور ایسی پناہ گاہ کی ضرورت تھی جس کے سائے میں پناہ لی جائے۔ اور عقد امر - تشکیل حکومت - میں اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

اور اہم معاملات اس کے سپرد کیے جائیں۔ سو بیعت کرنے والے ہاتھ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر متفق ہو گئے۔ حق دار نے اپنے حق کو لے لیا۔ اور لوگوں نے راحت پائی۔ اور بدگمانیاں ختم ہوگئیں۔ اگر اس

[1] كتاب الإمامة والرد على الرافضة ' لأبى نعيم أصفهانى ' تحقيق : ناصر الفقهى ص(٢٣٧-٢٣٨)۔

موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی معاملات سونپے جاتے ؛ اور اللہ تعالیٰ کی قسم ! وہ اس کام کے اہل، اور پسندیدہ تھے ؛ تو پھر بھی باتیں بنانے والے لوگ یہی بات کہتے : ''تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اندھیروں میں بھٹک رہے ہو؟۔ اور ہلاکت میں پڑ رہے ہو؟ اور اونچے نیچے؛ اور متفرق اور جمع میں متردد ہو رہے ہو؟ اور صاحب شرع کو چھوڑ رہے ہو۔'' ❶

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی نصوص کے سب سے زیادہ کاربند تھے۔ میں اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دو اہم موقف پیش کروں گا ؛ جو ان کے احترام سنت، اور نصوص کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی دلیل ہیں۔

اول:...... جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پھیل گئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہوش اڑ گئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق ان کا آپس میں بہت سخت اختلاف ہوگیا۔ ان میں سے بعض کہتے تھے : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا ہے۔ اور بعض کہتے تھے : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی موت نہیں آسکتی۔ ان کا آپس میں یہ اختلاف بہت ہی بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے : '' اللہ کی قسم ! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو موت نہیں آئی ؛ بلکہ آپ اپنے رب کے پاس ایسے ہی گئے ہیں، جیسے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام اپنے رب کے پاس گئے تھے۔ اللہ کی قسم ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے ہی واپس آئیں گے جیسے موسیٰ بن عمران واپس آئے تھے۔ اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے جو یہ بات کہتے ہیں کہ:'' بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا ہے۔'' ❷

ایسے موقع پر جناب سیدنا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ - بڑی عظمت اور ہمت والی ہستی - تشریف لاتے ہیں ؛ اور انتہائی ثابت قدمی کے ساتھ لوگوں میں اعلان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما چکے ہیں۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد دلایا:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىَ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللّهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِي اللّهُ الشَّاكِرِينَ﴾ (آل عمران : ١٤٤)

---

❶ غياث الأمم فی اثبات الظلم ص (٢٥-٢٧)۔

❷ دیکھو:ابن هشام : السيرة ٤/ ١٥١٣۔

''اور محمد (ﷺ) تو صرف (اللہ کے) پیغمبر ہیں اُن سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں بھلا اگر یہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ (یعنی مرتد ہو جاؤ) گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو (بڑا) ثواب دے گا۔''

جیسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ؛ جن کے غصہ کا یہ عالم تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تلاوت سنی تو اپنے موقف سے فوراً رجوع کر لیا۔ اور دوسرے صحابہ نے بھی اس نص کی طرف رجوع کر لیا۔ باوجود اس کے کہ یہ حادثہ ان کے دلوں میں ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔ مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانتے ہوئے نصوص کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

دوم:...... جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے، اور خلیفہ کے تعین کرنے میں ہر ایک کے نقطہء نظر میں اختلاف ہونے لگا، یہاں تک کہ انصار نے مہاجرین سے کہا: ''ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے۔ اور حباب بن منذر نے اپنی تلوار کھینچ لی ؛ اور کہا:

''میں وہ شخص ہوں جسے ایسے احوال سے نمٹنے کا تجربہ ہے، اور ایسے مواقع پر میری رائے سے مشکلات حل کی جاتی ہیں۔ کون ہے جو میرا سامنا کر سکے؟ قیس بن سعد اپنے باپ کی حمایت میں کھڑے ہو گئے۔ حتی کہ عمر بن خطاب نے بھی اس معاملہ میں جو کہا، سو کہا۔'' [1]

اس انتہائی سخت مشکل وقت میں، اور پر آشوب لمحہ میں جب کہ ہر طرف سے غصہ اپنی انتہاء کو پہنچا ہوا تھا ؛ جناب حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی حدیث سے حجت پیش کی ؛ - کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔

((الأئمة من القريش .)) [2]

''حکمران قریش میں سے ہوں گے۔''

اس وقت سانسیں ٹھہر گئیں۔ اور تمام لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے سامنے سر جھکا لیا۔ اور سب نے کہا: ہم نے سن لیا اور مان لیا۔ اور تمام لوگوں نے جنابِ حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت

---

[1] مقالات الاسلامیین : ابو الحسن الاشعری (۱/ ۴۱)۔

[2] رواہ الامام احمد فی المسند (۳/ ۱۹۲)، قال ابن حجر : اسنادہ جید۔

کی۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے یہ عظیم مواقف سونے کے پانے سے لکھنے کے قابل ہیں۔ جو سنت ونصوص کے لیے ان کے احترام؛ نصوص کے ساتھ تمسک پر؛ اورنصوص کے سامنے رائے کے باطل ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

ان میں رافضہ پر بہت بڑا اور کھلا ہوا رد ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر نصوص چھپانے اور ان کی مخالفت کرنے کا الزام دھرتے ہیں۔

اور عقلی دلائل میں سے؛ جو علی رضی اللہ عنہ کے عدمِ وصی ہونے پر دلالت کرتے ہیں، یہ بھی ہے کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا، اور پھر ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے مقرر کردہ شوری میں شریک ہونا؛ جس کے نتیجہ میں حضرت رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، اور پھر آپ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا۔

یہ مؤقف دو باتوں سے خالی نہیں:

اول:...... یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی نص نہیں پائی جاتی جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کی وصیت ہو۔اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی بیعت کی جو اس امر کے ان سے زیادہ حق دار تھے؛ اور جن کی بیعت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہوگیا تھا۔

دوم: یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر ہونے کی وصیت کی ہو؛ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کو نہ مانا، اور جا کر دوسروں کی بیعت کر لی۔

اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں طعن لازم آتا ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کی وصیت کریں؛ لیکن وہ اسے نا اہل لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیں۔اس سے سابقہ تین خلفاء پر بھی طعن لازم آتا ہے کہ انہوں نے کیسے وہ معاملہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا، وہ جس کے اہل نہ تھے؛ اور-اس طرح -انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی۔

سو یہ دلیل ہے کہ پہلی بات درست ہے۔اور صحابہ کرام کے ساتھ یہی مناسب ہے۔اس لیے کہ اس سے حضرت علی اور دوسرے صحابہ-تینوں خلفاء- کی شان میں طعن وغیرہ کی وہ باتیں لازم نہیں آتیں جو دوسری صورت میں لازم آتی ہیں۔

سوم: خلافت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نصوص:

- سابقہ معاملہ کے برعکس- کئی دلائل ایسے ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کی طرف رہنمائی کی ہے۔

بہت سی صحیح احادیث ایسی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کے بعد خلیفہ ابوبکر صدیق ہوں گے-رضی اللہ عنہ -۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، آپ فرماتی ہیں:

''ہائے- تکلیف سے- میرا سر پھٹنے لگا؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر ایسا ہوگیا اور میں زندہ ہوا تو تمہارے لیے استغفار کروں گا۔ اور بخشش کی دعا مانگوں گا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے افسوس! میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری موت چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہوگیا تو آپ دن کے آخر میں دوسری شادی کرلیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ میں اپنے سر کی شکایت کررہا ہوں؛ میں نے یہ خیال کیا تھا -یا ارادہ کیا تھا- کہ میں ابوبکر اور اس کے بیٹے کو بلا بھیجوں؛ ان کے -خلیفہ بنانے کے- لیے عہد لے لوں، تاکہ کوئی کہنے والا، یا تمنا کرنے والا اس کی تمنا نہ کرے۔ پھر میں نے کہا: اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہونے دیں گے، اور مومنین بھی اس کا دفاع کریں گے؛ یا مومنین ایسے نہیں ہونے دیں گے، اور اللہ تعالیٰ اس کا دفاع کریں گے۔''[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کی حالت میں فرمایا:

''ابوبکر اور اس کے بیٹے کو میرے پاس بلاؤ، تاکہ میں تحریر لکھ دوں، میں اس بات کا اندیشہ محسوس کرتا ہوں کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے، یا کہنے والا کہے کہ میں زیادہ حق دار ہوں۔ اللہ اور مؤمنین ابوبکر کے علاوہ سب کا انکار کرتے ہیں۔''[2]

ابوملیکہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، آپ سے پوچھا گیا تھا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد کسی کو خلیفہ بناتے، تو وہ کون ہوتا؟ تو -اماں عائشہ رضی اللہ عنہا- نے فرمایا:

---

[1] صحیح البخاری کتاب الأحکام، باب: الاستخلاف، ح: ۷۲۱۷۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب: من فضائل ابی بکر الصدیق ح: ۱۱۔

''ابوبکر کو خلیفہ بناتے۔''ان سے کہا گیا، پھر ابوبکر کے بعد کس کو بناتے؟ فرمانے لگیں: عمر کو۔ کہا گیا: جناب عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کس کو بناتے؟ فرمایا: ''ابوعبیدہ عامر بن الجراح کو۔'' آپ نے اتنا ہی بیان کیا۔ ❶

محمد بن جبیر بن مطعم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی، اور کسی معاملہ میں آپ سے بات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اس عورت نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ دیکھتے ہیں کہ اگر میں آئندہ سال آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو؟ -گویا کہ وہ عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس آنا۔'' ❷

مذکورہ بالا روایات، اور ان کے علاوہ دوسری روایات جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، اس بات کی دلیل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنانے کی وصیت نہیں کی۔ اور نہ ہی کسی دوسرے صحابی کے لیے کوئی وصیت کی ہے۔ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے لیے وصیت کرنے والے ہوتے تو ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت کرتے، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول اس پر دلالت کرتا ہے، جب آپ سے پوچھا گیا:

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد کسی کو خلیفہ بناتے، تو وہ کون ہوتا؟ تو -اماں عائشہ رضی اللہ عنہا- نے فرمایا: ''ابوبکر کو خلیفہ بناتے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے کوئی وصیت نہیں کی۔ بلکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ سابقہ روایات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے پر نص ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام میں سے کسی ایک نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے بارے میں واضح اور صراحت کیساتھ یہ کہا ہو- کہ میرے

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب: من فضائل ابی بکر الصدیق ح: ۹۔

❷ صحیح البخاری کتاب الأحکام، باب: الاستخلاف، ح: ۷۲۲۰۔ و مسلم، کتاب الفضائل، باب: من فضائل ابی بکر الصدیق ح: ۱۰۔

بعد خلیفہ ہوگا - نہ ہی علی رضی اللہ عنہ اور نہ ہی عباس رضی اللہ عنہ اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی کے بارے میں۔ اور نہ ہی اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دعوی کیا اور نہ ہی عباس رضی اللہ عنہ نے۔ اور نہ ہی ان کے محبین میں سے کسی ایک نے ان کے لیے خلافت کا دعوی کیا۔ اور نہ ہی اس مسئلہ پر کوئی نص موجود ہے۔ بلکہ صحابہ میں سے کسی ایک نے یہ دعوی بھی نہیں کیا کہ قریش میں کوئی ایسا بھی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اس کا زیادہ حق دار ہے؛ اور نہ ہی بنی ہاشم میں سے اور نہ ہی غیر بنی ہاشم میں سے۔ یہ ساری باتیں احادیث پر عمل کرنے والے اور احادیث و آثار اور سنن کے جاننے والے علماء کرام خوب جانتے ہیں۔ اور ان کے ہاں یہ بات اضطراری طور پر معلوم ہے۔'' ❶

ان دلائل کی روشنی روافض کے دعویٔ وصیت پر رد مکمل ہوگیا۔ جب کہ یہود کے یشوع بن نون کے وصیٔ موسی علیہ السلام ہونے پر رد کو میں نے ذکر نہیں کیا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں:

اول :...... ہمارے پاس اس بات کے لیے سرِ دست کافی وسائل نہیں ہیں جن سے اس مسئلہ کی نفی کی جائے، یا اسے ثابت کیا جائے، اور وہ تمام کچھ جو محققین نے لکھا ہے وہ یہودی اسفار سے اخذ کیا ہے۔

دوم:...... موسی علیہ السلام کا یشوع کے لیے وصیت کرنا شرعاً ممتنع نہیں ہے۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے۔ لیکن مسئلہ اس کے ثابت ہونے کا ہے۔

سوم :...... یشوع بن نون کے موسی علیہ السلام کے وصی ہونے سے عقیدہ میں وہ فساد نہیں آتا، جو رافضی عقیدہ کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہونے کے عقیدہ سے لازم آتا ہے۔

اس وجہ سے میں نے یہود پر رد کرنے سے -عمداً- روگردانی کی ہے۔ واللہ اعلم۔

❀❀❀❀

---

❶ منہاج السنۃ ۱/ ۵۱۹۔

دوسری فصل :

یہودیوں کا بادشاہت آل داؤد میں اور رافضیوں کا امامت آل حضرت حسین میں محصور کرنا:

یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث: یہودیوں کا بادشاہت آل داؤد میں محصور کرنا

دوسری بحث: رافضیوں کا امامت آل حسین رضی اللہ عنہ میں محدود و محصور کرنا:

تیسری بحث: یہودیوں اور رافضیوں میں بادشاہی اور امامت کی ایک مخصوص طائفہ میں محصور کرنے میں مشابہت

چوتھی بحث: آل داؤد میں بادشاہی کے محصور کرنے میں یہودیوں پر اور امامت کے اولاد حسین رضی اللہ عنہ میں محصور کرنے پر رافضیوں پر رد۔

پہلی بحث:...... یہودیوں کا بادشاہت آل داؤد میں محصور کرنا

حضرت داؤد علیہ السلام کا شمار شاول (طالوت) کے بعد بنی اسرائیل کے دوسرے بادشاہ کے طور پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ملک اور نبوت کو جمع کیا تھا۔ یہ واقعہ جالوت - فلسطینی لشکر کے انتہائی جابر کمانڈر - کے قتل کے بعد کا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ﴾

(البقرہ: ۲۵۱)

''داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور اللہ نے اُس کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔''

جالوت کو قتل کرنے کا حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ سفر صموئیل اول اصحاح سترہ میں آیا ہے۔ (اس میں جو وارد ہوا ہے) کچھ میں یہاں پر وارد کر رہا ہوں:

''شاول اور بنی اسرائیل کے لوگ جمع ہوئے، اور وادی ءبطم میں پڑاؤ ڈالا۔ اور جنگ کے لیے فلسطینیوں کے چیدہ چیدہ لوگوں کا چناؤ کیا۔ فلسطینین یہاں ایک سے ایک پہاڑ پر تھے۔ اور اسرائیل دوسری جانب پہاڑ پر تھے۔ اور ان دونوں کے درمیان وادی حائل تھی۔ فلسطینین کے لشکر سے ایک بہادر مقابلے کے لیے للکارتا ہوا نکلا؛ اس کا نام جلیات تھا؛ علاقہ ''جت'' [فلسطین کا ایک شہر] سے تعلق رکھتا تھا۔ جس کا قد چھ ہاتھ اور ایک بالشت تھا۔ اور اس کے سر پر پیتل کا خود تھا۔ اس نے ایک - مچھلی نما - درہ پہن رکھی تھی؛ اس درہ کا وزن ۷۵۰۰۰ (پچھتر ہزار) گرام تھا۔ اور پیتل کے جراب - حفاظتی لباس - اس کی ٹانگوں پر تھا۔ اور پیتل کا ایک چھوٹا نیزہ اس کے کندھوں کے درمیان تھا۔ اور آپ کے نیزوں کا رنگ نساج کے کپڑے کی طرح تھا۔ اور اس نیزے کے چھ سو دانت - پھل - نئے تھے۔ اور تیر اٹھانے والا آپ کے آگے آگے چل رہا تھا۔ آپ نے کھڑے ہو کر بنی اسرائیل کی صفوں میں آواز لگائی: '' تم

کیوں نکلے ہو؟ تا کہ جنگ کے لیے صف بندی کرو۔ میں تو فلسطینی ہوں، اور تم شاول کے غلام ہو۔ تم اپنے میں سے ایک آدمی چن لو جو میرے مقابلے میں آگے بڑھے۔ اگر وہ قدرت پا گیا کہ وہ مجھ سے لڑے اور جنگ کرے؛ تو ہم تمہارے غلام بن جائیں گے۔ اور اگر میں اس پر قدرت پا گیا اور اسے قتل کر ڈالا تو تم ہمارے غلام بن جاؤ گے اور ہماری خدمت کرو گے۔ اور فلسطینی چالیس روز سے صبح و شام آگے بڑھتا، اور کھڑا ہو جاتا ......تو داؤد نے شاول سے کہا: کسی کا دل اس سبب سے پست نہ ہو۔ آپ کا غلام جائے گا اور اس فلسطینی سے جنگ کرے گا۔ تو شاول نے داؤد سے کہا: ''تم اس بات کی طاقت نہیں رکھتے کہ جا کر اس فلسطینی سے جنگ کرو۔ آپ ابھی بالکل نوجوان ہیں۔ اور وہ بچپن سے منجھا ہوا جنگجو ہے۔ اور جب فلسطینی کھڑا ہو گیا، اور داؤد سے ملاقات کے لیے آگے بڑھا۔ داؤد نے جلدی کی، اور اچھل کر فلسطینی کی طرف بڑھے۔ داؤد نے اپنا ہاتھ اس کے- تیروں والے- تھیلے کی طرف بڑھایا اور اس سے ایک پتھر نکالا۔ پھر غلیل سے اس کے ماتھے میں دے مارا؛ وہ پتھر فلسطینی کے ماتھے میں گھس گیا۔ وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا؛ داؤد علیہ السلام فلسطینی سے پتھر اور تیر دان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور انہوں نے فلسطینی کو مارا اور قتل کر دیا۔'' ❶

پھر اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام مشہور ہو گئے۔ اور بنی اسرائیل نے آپ کی منزلت اور فضیلت کو پہچان لیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم اور حکمت عطا کیے۔ ان کے دور میں بنی اسرائیل نے عیش و آرام کی پرسکون اور امن و استقرار والی زندگی گزاری۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلاً يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ٥ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

(سباء: ۱۰۔۱۱)

''اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی اے پہاڑو! ان کیساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (اُن کا مسخر کر دیا) اور اُن کے لیے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا۔۱۰۔ کہ کشادہ زر ہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو اور نیک عمل کرو، جو عمل تم کرتے ہو میں اُن کو دیکھنے والا ہوں۔'' ❷

---

❶ صموئیل اول: اصحاح: ۱۷۔ ❷ الفصل: ۱/ ۲۹۱-۲۹۴۔

جب داؤد علیہ السلام کا انتقال ہوا تو اپنے پیچھے اپنے بیٹے سلیمان علیہ السلام کو چھوڑا۔ سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا عرصہ داؤد علیہ السلام کی حکومت کا تسلسل اور ایک لمبا زمانہ تھا۔ سلیمان علیہ السلام بھی اپنے والد داؤد علیہ السلام کی طرح صفاتِ ایمانیہ سے متصف تھے۔ انہوں نے اپنی حکومت کو ان صفات سے متصف کیا، جن سے ان کے والد کی حکومت جانی جاتی تھی۔ جیسے کہ۔

عدل وانصاف؛ استقرار وترقی۔ ان کے دور میں بھی بنی اسرائیل ایسے ہی نعمتوں سے مالا مال رہے جیسے ان کے والد کے دور میں اللہ کی پھیلی ہوئی نعمتوں میں تھے۔ جب سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہوگیا تو بنی اسرائیل اپنے کفر کی وجہ سے پیچھے چلے گئے۔ اور ایک لمبا زمانہ اسی کفر اور بت پرستی پر گزارا۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ: ''مملکت یہوذا'' کے بسنے والے اکثر کافر تھے۔

باقی دس گروہوں کے بادشاہ سارے کے سارے کافر اور بت پرست تھے۔ ابن حزم کہتے ہیں:

''باقی دس گروہ؛ان میں کوئی ایک بھی؛ یا اس سے زیادہ مؤمن نہیں تھا۔ بلکہ سارے کے سارے اعلانیہ بت پرستی کرنے والے تھے۔ انبیاء کو دھمکیاں دینے والے اور بیت المقدس کی راہ میں رکاوٹ تھے۔ ان میں کوئی بھی نبی ایسا نہیں تھا یا تو وہ قتل کیا گیا، یا پھر وہ قوم کو چھوڑ کر چلا گیا، یا اسے ڈرایا اور خوف زدہ کیا گیا۔'' [1]

ان کی زندگی میں یہ اللہ کی سنت رہی کہ ان سے یہ نعمتیں زائل ہوگئیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے امن کو خوف سے اور عزت کو ذلت سے بدل دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَداً مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُواْ يَصْنَعُونَ﴾ (النحل: ۱۱۲)

''اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔''

یہودی اپنے اسی حال پر کفر اور عناد میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بابل کے بادشاہ بخت نصر کو مسلط

[1] الفصل ۱/ ۲۹۴۔

کر دیا۔ اس نے قدس شہر کو تباہ کر دیا؛ اور ہیکل کو مٹا ڈالا؛ اور یہاں کے اکثر باشندوں کو غلام بنالیا؛ ایک مدت تک یہودی بابلی بادشاہ کی غلامی میں رہے یہاں تک کہ ایک فارسی بادشاہ نے انہیں واپس بیت المقدس جانے کی اجازت دی۔ ❶

جب یہود نے فلسطین میں استقرار حاصل کر لیا تو سلیمان اور داؤد علیہما السلام کے دور حکومت کے اپنے سنہرے زمانے کے خواب دیکھنے لگے؛ کہ جن ناز ونعمتوں وہ پل رہے تھے؛ اور انہیں جو عزت اور قوت حاصل تھی۔ پھر یہ لوگ گمان کرنے لگے کہ یہ سب کچھ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی وجہ سے تھا۔ اس وجہ سے وہ یہ کہنے لگے کہ بادشاہی آل داؤد میں ہی رہے گی۔ جو کہ ان کی عزت اور بزرگی انہیں واپس دلائے گا۔ سو یہی وہ زمانہ ہیں جس میں یہودی اسفار کی تدوین کی گئی۔ جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف یہ بات منسوب کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ: ''بنو اسرائیل کے عرش پر آل داؤد میں سے ایک آدمی ابد تک کے لیے رہے گا۔ ایسا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی خوابوں کو شرعی رنگ میں رنگ دیں تا کہ انہیں عزت واحترام اور پذیرائی حاصل ہو۔ اس طرح ان کے ہاں اس عقیدہ کی ابتداء ہوئی کہ: '' شاہی ہمیشہ ہمیشہ آل داؤد علیہ السلام میں رہے گی۔ پھر ان روایات کو یہودی آج کے دن تک نقل کرتے چلے آرہے ہیں؛ اور اس بات کا خواب دیکھ رہے ہیں کہ ھیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کیا جائے، اور بنی اسرائیل کے عرش پر آل داؤد میں سے کوئی آدمی متمکن ہو۔

اب کچھ وہ نصوص ذکر کی جارہی ہیں جنہیں یہودیوں نے اپنے اسفار میں ذکر کیا ہے، اور ان میں اس عقیدہ کی طرف دعوت ہے:

سفر حزقیال میں ہے، جسے انہوں نے اللہ کی طرف منسوب کیا ہے؛ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''سن لو! میں تمام امتوں میں سے بنی اسرائیل کو خبر دیتا ہوں جو اس کی طرف گئے؛ اور انہیں ہر کونے سے جمع کیا، اور انہیں ان کی سرزمین میں لے کر آیا، اور انہیں زمین میں اسرائیل کے پہاڑوں پر ایک امت کر دیا۔ ان تمام پر ایک ہی بادشاہ ہوگا۔ اور میرا بندہ داؤد ان پر بادشاہ ہوگا۔ اور ان تمام کے لیے ایک ہی نگہبان ہوگا۔ وہ میرے احکام کے مطابق چلیں گے اور میرے فرائض کی حفاظت کریں گے؛ اور ان پر عمل کریں گے۔ اور اس زمین پر رہیں گے جو

❶ الیهود نشأتهم و عقیدتهم : زکی شنودة ص ۱۴۳-۱۶۰۔

میں نے اپنے بندے یعقوب علیہ السلام کو عطا کی تھی۔ وہ سرزمین جس پر تمہارے باپ دادا رہے۔ وہ بھی اسی سرزمین پر رہیں گے، اور ان کے بیٹے بھی اور ان کے بیٹوں کے بیٹے بھی، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ اور میرا بندہ داؤد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان پر سردار ہوگا۔'' ❶

اس نص سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی تفریق ؛ اور زمین میں بکھر جانے کے بعد لکھی گئی ہے۔ اس پر یہ عبارت دلالت کرتی ہے: ''اور انہیں ہر کونے سے جمع کیا؛ اور انہیں ان کی سرزمین میں لے کر آیا، اور انہیں زمین میں اسرائیل کے پہاڑوں پر ایک امت کر دیا۔''

بنی اسرائیل میں یہ تفریق اور ٹوٹ پھوٹ بابلی قید سے واپس آنے کے بعد ہی پیدا ہوئی۔ یہ ایک اور دلیل ہے کہ یہ نص اس زمانے کے بعد لکھی گئی ہے، اور یہ اس بات کی بھی تائید ہے جو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ یہ عقیدہ ان عقائد میں سے ہے جو بنی اسرائیل کی بابلی قید سے واپس آنے کے بعد بدعات ایجاد کیں۔

یہودی کتابوں سے اس عقیدہ پر دلائل:

یہودی کتابوں میں وارد اس عقیدہ کے دلائل میں سے ہے سفرِ اِرمیاء کی عبارات ہیں۔ (نصِ عبارت یہ ہے):

''اس لیے کہ رب نے ایسے ہی کہا ہے کہ: داؤد علیہ السلام کے لیے یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوگا کہ کوئی انسان بیتِ بنی اسرائیل کی کرسی پر بیٹھے۔'' ❷

اور سفر ملوک اول (بادشاہوں کا پہلا سفر) میں ہے:

''داؤد کی نسل، اس کے گھر اور اس کی کرسی کے لیے ابد تک کے لیے رب کی طرف سے سلامتی ہوگی۔'' ❸

اور سفر ملوک اول میں ہی ہے:

''سلیمان کا ملک مبارک ہوگا؛ اور داؤد کی کرسی اللہ تعالیٰ کے سامنے ابد تک کے لیے ثابت رہے گی۔'' ❹

---

❶ اصحاح ۳۷، فقرات ۲۱-۲۵۔
❷ اصحاح ۳۳، فقرہ ۱۷۔
❸ اصحاح ۲؛ فقرہ ۲۳۔
❹ اصحاح ۲؛ فقرہ ٤٥۔

اور یہودیوں کا اس عقیدہ کے ساتھ تعلق وتمسک اس درجہ کو پہنچا کہ وہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ملک ہمیشہ ہمیشہ داؤد علیہ السلام کی نسل میں رہیگا، بھلے وہ کفار ہی کیوں نہ ہوں۔ سفر مزامیر میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں داؤد کو اپنا بندہ پایا۔ ایک مقدس تیل کے ساتھ میں نے اس پر ہاتھ پھیرا۔ اور میں اس کی نسل کو ابد تک رکھوں گا۔ اور اس کی کرسی -حکومت- آسمان کے دنوں کی طرح رہے گی۔ اگر چہ اس کے بیٹے میں شریعت کو چھوڑ دیں اور میرے احکام پر عمل پیرا نہ ہوں۔ اگر چہ وہ میرے فرائض کو توڑ ہی ڈالیں۔ اور میری وصیتوں کی حفاظت نہ بھی کریں۔ میں لاٹھی سے ان کی نافرمانیاں گم کر دوں گا؛ اور مار سے ان کے گناہ۔ رہی میری رحمت، تو اس سے کبھی بھی نہیں چھینوں گا۔ اور اپنی امانت کی وجہ سے کبھی اس پر جھوٹ بھی نہیں بولوں گا۔ اور نہ ہی اپنا عہد توڑوں گا، اور ان ہی اپنے لبوں سے نکلنے والے الفاظ کو بدلوں گا۔ ایک بار تو میں نے اپنے تقدس کی قسم اٹھائی ہے کہ میں داؤد سے کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اور اس کی نسل قیامت تک رہے گی۔ اور اس کی کرسی میرے سامنے سورج کی طرح ہے۔''[1]

یہودیوں کا داؤد علیہ السلام کی نسل میں بادشاہی کے استمرار کی دعوت اور دعوی، اس میں داؤد علیہ السلام کی نسل سے محبت کا عامل نہیں، بلکہ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کی عزت اور بزرگی کا راز حضرت داؤد اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہما السلام کے دور میں، کسی ایسے سبب کی وجہ سے ہے، جو ان دونوں کی ذات سے متعلق ہے۔ پس اس وجہ سے وہ شاہی اور امامت کے لیے داؤد علیہ السلام کی نسل کی طرف بلانے لگے؛ اگر چہ وہ فاسق اور فاجر ہی کیوں نہ ہوں۔ اور بھولے ہوئے اور عزت کے حقیقی سبب سے غافل ہی کیوں نہ ہوں۔ اور وہ -سبب- ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان، اور اس کی شریعت کا التزام۔ جس سے اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام متمتع ہو رہے تھے۔

اور یہود آج کے دن تک اس عقیدہ پر ایکان رکھتے ہیں، اور اسرائیلی عرش کے لوٹنے اور آل داؤد میں سے کسی کے حاکم بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔

صیہونی سکالرز کے پروٹوکولز میں آیا ہے:

---

[1] المزمور ۸۹؛ فقرات ۲۰- ۳۶۔

''اور اب میں اس اسلوب سے علاج کروں گا جس سے داؤد کا ملک مضبوط ہو، تا کہ وہ مضبوط ہو اور آخرت کے دن تک قائم رہے۔'' ❶

پھر کاتب اس کے بعد کہتا ہے:

'' بے شک داؤد علیہ السلام کی نسل سے بہت سے ممبر واپس آئے گے، اور وہ بادشاہوں کی اور ان کے خلفاء کی تربیت کریں گے۔ وہ جنہیں حق وراثت سے منتخب نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہ اپنے خاص مواہب [صلاحیتوں] کی وجہ سے- اس منزل تک پہنچے ہیں-'' ❷

یہودی اس داؤدی بادشاہی کے لیے شرط یہ رکھتے ہیں کہ وہ ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر کرے۔ اور تابوت کو- اپنے ساتھ- اٹھالائے۔ اسی وجہ سے یہودیوں نے ایک بہت بڑی اور سب سے خطرناک تنظیم کی بنیاد رکھی ہے۔ جسے تاریخ نے رقم کیا ہے۔ جو پوری راز داری سے کام کرتی ہے؛ تا کہ دنیا ء کی بادشاہوں کو ختم کرے۔ اور ہیکل سلیمان کی تعمیر- کے لیے کام کرے-۔حتی کہ انہوں نے اس تنظیم کے لیے نام بھی ایسا اختیار کیا ہے جو اپنے ھدف کو ظاہر کرتا ہے؛ -یعنی انہوں نے - اس کا نام رکھا ہے: "جمیعة البنائین الأحرار۔ " (فری میسنز)۔

اسے ماسونیہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ ❸

یہودی اس بات کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ بے شک ان کی حکومت کے قائم ہونے اور اس کے باقی رہنے میں ہیکل کی تعمیر کا بہت بڑا اثر ہے۔ ول ڈیورانٹ کہتا ہے:

''اس یہودی جنگ میں ہیکل کی تعمیر کو اہم واقع سمجھا جار ہا ہے۔ یہ صرف ان کی محبت کا گھر ہی نہیں ہے کہ کافی ہو؛ بلکہ وہ یہودیوں کا ایک روحانی مرکز بھی ہے۔ اور ان کے ملک کا دار الحکومت بھی۔ اور ان کی وراثت کے منتقل ہونے کا وسیلہ بھی۔ اور ان کی ایسی یادگار ہے، جو زمین کی پیٹھ پر ان کے اس لمبے عرصے کی در بدری کو ان کے سامنے پیش کرتی ہے۔ یقیناً اس ہیکل کی زمین پر یہودی دین کی رفعت میں ایک شان تھی؛ - جو ان ادیان میں سے علیحدہ ہو کر نکلا تھا - جو متعدد معبودوں پر یقین رکھتے تھے؛ راسخ عقیدہ والا نرم مزاج دین۔'' ❹

---

❶ پرو ٹوکول ٢٤ ص ٢١٠۔ ❷ پرو ٹوکول ٢٤ ص ٢١٠۔

❸ الماسونیہ العراء، محمد علی الزغیبی ص ٦٧۔ ❹ قصة الحضارة ٢/ ٣٣٨۔

اس بنا پر یہودی اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے مزعوم بادشاہ کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کرے۔

اس عقیدہ کی جڑیں یہودی اسفار میں ملتی ہیں۔ان اسفار میں ہے کہ:''بے شک اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام پر شرط رکھی تھی کہ ان کی نسل ہیکل بنانے کی ذمہ داری نبھائے گی۔تاکہ انہیں بنی اسرائیل کے عرش پر ابد تک کے لیے قائم رکھا جائے۔

سفر صموئیل دوم میں آیا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے ان الفاظ میں خطاب کیا:

''جب تو اپنے دن پورے کر لے، اور اپنے آباء کے ساتھ لیٹ جائے، میں تیرے بعد تیری نسل کو اس جگہ کھڑا کروں گا جو تیری اولاد سے آئے گی۔اور میں ان کے ملک کو ثابت رکھوں گا، وہ میرے نام کا گھر تعمیر کریں گے۔اور میں ان کی شاہی کی کرسی ہمیشہ کے لیے قائم رکھوں گا۔''❶

اس ہیکل کو تعمیر کرتے کا مقصد تابوت کو اس میں حفاظت سے رکھنا ہے۔اس لیے وہ گمان کرتے ہیں کہ جب سلیمان علیہ السلام کے دور میں ہیکل کی تعمیر مکمل ہوگئی؛ تو سلیمان علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے شیوخ کو جمع کیا؛ اور انہوں نے تابوت کو ہیکل میں اس کے لیے تیار کردہ محراب میں رکھا۔[اس کے متعلق یہودی اسفار میں یوں آیا ہے]:

''اس وقت سلیمان علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے مشائخ کو جمع کیا؛ ہر نسل کے سردار، اور ان کے آباء کے سردار بنی اسرائیل میں سے؛ ملک سلیمان میں یروشلم میں؛ تاکہ وہ رب کے عہد کے مطابق داؤد کے شہر سے تابوت کو لے کر چڑھیں۔کاہنوں نے عہدِ رب کے تابوت کو اس کی جگہ پر بیت-المقدس کے-محراب میں قدس الاقداس میں رکھا۔''❷

یہودیوں کے ہاں اس عظیم تابوت کی بہت بڑی اہمیت ہے۔وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ کسی بھی جنگ میں جب وہ اپنے ساتھ اس تابوت کو اٹھاتے ہیں تو ان کے سامنے سے ان کے دشمن بھاگ جاتے ہیں، اور فتح و نصرت ان کا مقدر ہوتی ہے۔❸

---

❶ اصحاح ۷؛ فقرہ ۱۲-۱۳۔ ❷ سفر الملوك الأول ؛ الإصحاح الثامن ' فقرات (۱-٦)۔

❸ سفر صموئیل اول اصحاح ٤؛ فقرات : (۱-۷)۔

جب یہودیوں کے دلوں میں اس تابوت کی یہ عظمت تھی ؛ اوران کے دشمنوں کے ساتھ جنگوں میں اس کی یہ -مزعوم- تاثیر تھی ؛ اس لیے یہود نے یہ واجب کر دیا کہ جو بنی اسرائیل کے عرش پر متمکن ہوگا وہ اس تابوت کو اپنے ساتھ رکھے تا کہ وہ اس کی وجہ سے اپنے دشمنوں پر فتح پا سکے۔

دوسری بحث :......رافضیوں کا امامت آل حسین رضی اللہ عنہ میں محدود ومحصور کرنا

امامیہ رافضی اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد جناب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے امامت کی وصیت کی تھی۔ جو پھران کے بعد ان کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ میں منتقل ہوگئی۔ پھر حسن کے بعد حسین -رضی اللہ عنہما- کے حصہ میں آئی۔ پھر حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ مہدی منتظر پر آ کر ختم ہوگئی ؛ جسے ان کے ہاں بارہواں امام تصور کیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں اماموں کی تعداد بارہ ہے۔ اور اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امامت کے بارے میں وضاحت کے ساتھ کہا ہے؛[یعنی امامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نص کیساتھ ثابت ہے]۔

اور پھران میں سے ہر ایک امام اپنے بعد آنے والے کے لیے وصیت کرتا رہا ہے۔ اوراس بات کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ امامت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی اولاد میں محصور ہو کر رہ گئی ہے، قیامت تک ان سے باہر نہیں جاسکتی۔

ان کا یہ اعتقاد کہ امامت بارہ اماموں میں ہی محصور ہے، اس کے لیے ان کے پاس بہت سی -من گھڑت- روایات ہیں۔ان میں سے بعض کو''اربلی'' نے روایت کیا ہے۔[ان میں سے]۔:

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے بعد امام بارہ ہوں گے۔ان میں سے پہلا امام اے علی آپ ہوں گے۔اور آخری وہ امام ہوگا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ زمین کے مشرق ومغرب کو فتح کرے گا۔'' [1]

صدوق نے زرارہ بن اعین سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں : میں نے ابوجعفر علیہ السلام سے سنا، وہ فرمارہے تھے:

''ہم بارہ امام ہیں۔ ان میں حسن اور حسین -رضی اللہ عنہما- بھی ہیں۔ پھر اس کے بعد آئمہ حسین کی

[1] كشف الغمة : ۲/ ۵۰۷۔

اولاد میں ہی آئیں گے۔''❶

امامیہ رافضی اماموں کی اس تعداد کے بنی اسرائیل کے گروہ کی تعداد کے موافق ہونے کی یہ علت پیش کرتے ہیں؛ جو کہ یہود کے ساتھ مشابہت میں ان کے شغف پر دلالت کرتی ہے؛ یہاں تک کہ صدوق نے اپنی کتاب میں ائمہ کی تعداد میں بنی اسرائیل سے ان کی موافقت ظاہر کرنے کے لیے علیحدہ ایک عنوان قائم کیا ہے، اور کہا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بارہ گروہ نکالے اور حسن اور حسین کی اولاد سے بارہ گروہ نکالے۔''

اس عنوان کے تحت اس نے یہ روایت نقل کی ہے:

'' علی بن موسی بن جعفر سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل یعنی یعقوب بن اسحق بن ابراہیم سے بارہ گروہ [اسباط] پیدا کیے۔ اور ان میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ چلایا۔ اور حسن و حسین بن امیر المؤمنین علیہ السلام؛ - کے ہاں - فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ اسباط [آئمہ] پیدا کیے۔''❷

اور اربلی ائمہ کی تعداد کے اس عدد میں محصور ہونے کی علت پیش کرتے ہوئے کئی وجوہات ذکر کی ہیں؛ وہ کہتا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے:

﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْباً﴾

(المائدة: ١٢)

''اور اللہ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا اور اُن میں ہم نے بارہ سردار مقرر کیے۔''

اس حکم کے مطابق قائمین کی تعداد بارہ مقرر کی۔ اور اس امت میں بھی قائمین کی تعداد بارہ ہوگی۔ نیز وہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمِن قَوْمِ مُوسَى أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ○ وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطاً أُمَماً﴾ (الاعراف ١٥٩-١٦٠)

❶ الخصال: ص ٤٧٨۔

❷ الخصال: ص ٤٦٥-٤٦٦۔

''اور قومِ موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کا راستہ بتاتے اور اُسی کیساتھ انصاف کرتے ہیں۔ اور ہم نے ان کو (یعنی بنی اسرائیل کو) الگ الگ کر کے بارہ قبیلے (اور) بڑی بڑی جماعتیں بنا دیا۔''

سو اللہ تعالیٰ نے حق کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے اسباطِ [بنی اسرائیل] کو اس عدد میں محدود کیا، اور آئمہ کی بھی یہی تعداد مقرر کی۔''❶

محترم قارئین! ان لوگوں کو دیکھیے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی کریم ﷺ کی سنت کو چھوڑ کر کیسے سابقہ شریعتوں کے باطل امور پر قیاس کرتے ہیں۔ جو یا تو اس شریعت سے منسوخ ہو چکے ہیں ؛ یا وہ اصل میں ہی باطل ہیں [یعنی ان شریعتوں کے مبتدعین نے انہیں گھڑ لیا ہے، ورنہ ان کی کوئی اصل نہیں ہے]۔ پھر وہ اپنے دین کی بنیاد انہی قیاسات پر کھڑی کرتے ہیں۔ یہ صرف ان کی یہود سے شدید محبت ؛ اور ملتِ اسلامیہ سے شدید بغض کی وجہ سے ہے۔

رہا ان کا یہ عقیدہ کہ امامت نصوص سے ثابت ہے ؛ سو وہ اپنی ان روایات کو ظلم اور جھوٹ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی طرف اور اہل بیت اطہار کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

صدوق نے جابر بن زید الجعفی سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں : میں نے جابر بن عبداللہ الأنصاری کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ پر یہ آیت نازل کی :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَطِيْعُواْ اللّهَ وَأَطِيْعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ﴾

''مومنو! اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں اُن کی بھی۔''

میں نے کہا : یارسول اللہ ﷺ ! ہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پہچان لیا ؛ بتائیے کہ اولی الأمر (صاحبِ حکومت) کون ہیں ؟ جن کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ آپ کی اطاعت کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

''اے جابر! وہ میرے بعد کے میرے خلفاء ہیں۔ اور میرے بعد کے آئمہ ہدیٰ (ہدایت کی طرف رہنمائی کرنے والے) ہیں۔ ان میں سب سے پہلے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ہیں ؛ اور

❶ كشف الغمة : ١/ ٥٤-٥٥۔

پھر حسن اور پھر حسین -رضی اللہ عنہما- ۔ پھر علی بن الحسین ؛ پھر محمد بن علی جو کہ تورات میں باقر کے نام سے معروف ہیں۔اے جابر! تم اسے پاؤ گے ؛ اور جب ان سے تمہاری ملاقات ہوتو انہیں میری طرف سے سلام پہنچانا۔ پھر اس کے بعد صادق،جعفر بن محمد ہوگا؛ اور پھر موسیٰ بن جعفر؛ پھر علی بن موسیٰ، پھر محمد بن علی پھر علی بن محمد ؛ پھر حسن بن علی ؛ یہی وہ انسان ہے جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ زمین کے مشرق و مغرب کو فتح کریں گے۔'' ❶

اس طرح یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ان کے ان ائمہ کی امامت کے متعلق نبی کریم ﷺ سے منصوص ہے، [یعنی آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے]۔اور پھر ان میں سے ہر امام نے اپنے بعد آنے والے کے لیے حکم دیا ہے۔

ان کا ایک معاصر عالم محمد رضا المظفر کہتا ہے:

''ہم اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ بارہ آئمہ جن کے لیے امامت کی سچی صفات ہیں، وہ منصوص علیہ احکام شریعت میں ہمارا مرجع ہیں۔ یہ تمام اپنے ناموں کیساتھ نبی کریم ﷺ سے منصوص ہیں۔ پھر ان میں ہر اپنے والے سے پہلے آنے والے کے لیے بھی آنے والی ترتیب کے مطابق نص ثابت ہے۔'' ❷ [پھر اس کے بعد مذکورہ بالا ترتیب کو ذکر کیا]۔

رہا ان کہ یہ اعتقاد کہ امامت حضرتِ حسین کی اولاد میں ہی محصور رہی گی، اور قیامت تک ان سے باہر نہیں جائے گی ؛ اس کے لیے بھی ان کے ہاں ائمہ معصومین کی طرف منسوب روایات ہیں ؛ اور ان کے مشہور علماء کے اقوال بھی ہیں ؛ جو ان کے اہم مصادر و مراجع میں وارد ہوئے ہیں ؛ جنہیں ان کے ہاں معتبر سمجھا جاتا ہے۔

کتاب علل الشرائع اور دوسری کتابوں میں آیا ہے:

''ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: بے شک آپ نے فرمایا:'' بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے ساتھ اور جو کچھ آپ کو ملے گا- کیساتھ - خاص کیا ہے۔اور پھر حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اسی پر باقی رکھا۔ پھر ان کے

---

❶ كشف الغمة في معرفة الأئمة : ٢/ ٥٠٩۔

❷ عقائد الإمامية ص ١٣۔

بعد وصیت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ہے جن سے یہ حسین رضی اللہ عنہ کو ملی ؛ حتی کہ یہ معاملہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچ گیا، اوراپنے سابقین کی طرح اس میں کوئی جھگڑا کرنے والانہیں تھا، پھر اس کے حقدار علی بن حسین رضی اللہ عنہ بنے ؛اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَأُوْلُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللَّهِ﴾ (الاحزاب : ٦)

''اور رشتہ دار آپس میں کتاب اللہ کی رُو سے مسلمانوں اور مہاجروں سے ایک دوسرے (کے ترکے) کے زیادہ حقدار ہیں۔''

حضرت علی بن الحسین کے بعد یہ امامت صرف ان کی اولاد میں ہی ہوگی ؛ اور پھر ان کی اولاد میں۔''[1]

کافی اور دوسری کتابوں میں عبد الرحیم بن روح القصیر سے روایت ہے،وہ ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں ؛انہوں نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق ان سے پوچھا:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُوْلُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللَّهِ﴾ (الاحزاب : ٦)

''پیغمبر مومنوں پر اُن کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں اور رشتہ دار آپس میں کتاب اللہ کی رُو سے مسلمانوں اور مہاجروں سے ایک دوسرے (کے ترکے) کے زیادہ حقدار ہیں۔''

کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی ؟ فرمایا: یا امارت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔اور یہ آیت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی اولاد میں جاری وساری رہی۔سو ہم اس معاملہ کے مؤمنین مہاجرین وانصار سے زیادہ حق دار ہیں۔ میں نے کہا : کیا جعفر کی اولاد کا بھی اس میں کوئی حصہ ہے؟ فرمایا:نہیں۔ میں نے پوچھا: کیا عباس کی اولاد کا اس میں کوئی حصہ ہے؟ فرمایا:''نہیں۔'' پھر کہتا ہے کہ:'' میں نے ان پر بنی عبد المطلب کی تمام شاخیں گنی۔ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا:نہیں۔مگر میں حسن علیہ السلام کی اولاد کو بھول گیا۔ پھر اس کے بعد میں ان کے پاس گیا اور کہا: کیا حسن علیہ السلام کی اولاد کا اس میں کوئی حصہ ہے؟ تو انہوں نے

[1] الصدوق ص ٢٠٧۔ والمجلسي في بحار الأنوار ٢٥/ ٢٥٨۔

کہا: ''نہیں۔'' پھر کہا: اے عبد الرحیم! اللہ کی قسم! کسی بھی محمدی کا ہمارے علاوہ اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔''❶

یہ دونوں روایتیں ان کے اس عقیدہ پر دلالت کرتی ہیں کہ امامت علی بن حسین کے بعد ان کی اولاد میں محصور ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور میں نہ جائے گی۔ اس بارے میں ان کے پاس بہت سی روایات ہیں، جن کو ہم اختصار کے لیے ترک کرتے ہیں۔

رہے ان کے علماء کے اقوال، وہ بھی اسی چیز پر دلالت کرتے ہیں جس پر ان کی روایات دلالت کرتی ہیں۔ ان کے شیخ ''مفید'' نے اس پر ان کے علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امامت نبی کریم ﷺ کے بعد خاص بنی ہاشم میں ہی ہوگی۔ پھر ان کے بعد علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم اجمعین میں، پھر ان کے بعد حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں؛ حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد کو چھوڑ کر؛ یہاں تک کہ آخری زمانہ آجاتا ہے۔ اور معتزلہ اور دوسرے فرقے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، ان کا اجماع اس کے خلاف ہے۔''❷

رافضہ امامت کو حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد چھوڑ کر حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں چلانے/ ماننے میں یہودی کاہنوں سے مشابہت رکھتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ: ''کہانت صرف ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہوگی؛ اور اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی اولاد کو اس سے محروم جانتے ہیں۔''

صدوق نے ہشام بن سالم سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''میں نے صادق جعفر بن محمد علیہما السلام سے کہا: ''کیا حسن افضل ہیں یا حسین - رضی اللہ عنہما -؟ تو کہنے لگے: حسن، حسین سے افضل ہیں۔ کہتا ہے: پھر میں نے کہا: ''تو پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد کو چھوڑ کر امامت حسین کی اولاد میں کیونکر ہوئی؟ تو انہوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند آئی کہ حضرت ہارون اور موسیٰ علیہ السلام کی سنت کو حسن اور حسین میں جاری کریں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ یہ دونوں - موسیٰ اور ہارون علیہما السلام - نبوت میں

---

❶ الکلینی ۱/۲۸۸۔ والصدوق : علل الشرائع ص ۲۰۷؛ والمجلسي : بحار الأنوار ۲۵/۲۵٦.

❷ أوائل المقالات ص: ٤٤۔ یہاں پر دوسرے فرقوں سے مصنف کا اشارہ خوارج، زیدیہ، مرجئہ اور اصحاب الحدیث کی طرف ہے۔ مصنف نے انہیں امامت کا ذکر کرتے ہوئے شروع میں بیان کیا ہے، اور امامیہ فرقہ سے ان کی مخالفت بھی ذکر کی ہے۔ دیکھو: اوئل المقالات ص ٤٣۔

شریک تھے؛ جیسے کہ حسن اور حسین امامت میں شریک ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ہارون علیہ السلام کی اولاد میں کر دیا، موسی علیہ السلام کی اولاد میں نہیں۔ اگرچہ موسی ہارون علیہما السلام سے افضل ہی تھے۔"❶

ایسے ہی یہ لوگ بنی اسرائیل کی مشابہت سے اپنے عقیدہ پر دلائل پیش کرتے ہیں۔ اور وہ جس چیز کو گھڑ لیتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس میں سے- یہ بھی ہے کہ۔ نصوص تورات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے کاہنوں کو بنی اسرائیل میں اولادِ ہارون میں ہی پیدا کیا، موسی علیہ السلام کی اولاد میں نہیں۔

سفر خروج میں ہے:

"اللہ تعالیٰ نے یہ کہتے ہوئے موسی علیہ السلام سے خطاب کیا: "اور اپنے بھائی ہارون اور اس کے بیٹوں کو سارے بنی اسرائیل میں سے اپنے قریب کر؛ تاکہ وہ میرے لیے کہانت کا کام کریں۔"❷

رافضی اپنے آئمہ کی امامت کے درست ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلحہ اٹھانے سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ سوان میں سے جس نے ہتھیار اٹھائے وہ امام قرار پایا۔ اس میں بھی وہ یہود سے مشابہت رکھتے ہیں؛ جو اپنے بادشاہوں کے لیے شرط لگاتے ہیں کہ وہ تابوت کو اٹھائے رہیں، انہوں نے بھی اسی چیز کا اقرار کیا۔

کلینی کے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے، بے شک ان کا کہنا ہے:

"بے شک ہم میں اسلحہ اٹھانا ایسے ہی ہے جیسے بنی اسرائیل میں تابوت اٹھانا ہے۔ سو بنی اسرائیل میں جس گھر کے دروازے پر تابوت پایا جاتا؛ انہیں نبوت دی جاتی۔ سو ہم میں جس کے پاس اسلحہ چلا گیا اسے امامت سے نوازا گیا۔"❸

اور ابوعبداللہ ہی سے روایت کیا گیا ہے؛ وہ کہتے ہیں:

"بے شک ہم میں اسلحہ کی مثال بنی اسرائیل میں تابوت کی مانند ہے۔ جہاں بھی تابوت چلا

---

❶ كمال الدين و تمام المنة ص ٣١٦۔ المجلسي : بحار الأنوار ٢٥/ ٢٤٩۔

❷ اصحاح ٢٨؛ فقره ١۔

❸ أصول الكافي ١/ ٢٣٨۔

جاتا، شاہی ان کے پاس ہوتی۔ سو ہم میں بھی جہاں تلوار جائے گی، اس کے ساتھ ہی علم بھی جائے گا۔''❶

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں امامت کو محصور کرنے کے لیے رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے۔ اور اس عقیدہ سے متعلق بعض دوسرے پہلو ہیں۔ جیسا کہ اس پر ان ہی لوگوں کی ثقہ اور قابل اعتماد کتابیں دلالت کرتی ہیں۔ اس عقیدہ کے کئی ایک پہلوؤں میں رافضیوں کا یہودیوں سے متأثر ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے خود بھی اپنے اس عقیدہ میں یہودیوں سے مشابہت ظاہر کرتے ہوئے کوئی شرم و حیاء محسوس نہیں کی۔ بلکہ الٹا وہ اپنے ان عقائد میں کتاب و سنت کو چھوڑ کر یہودیوں کی موافقت سے استدلال کرنے لگے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یافتہ راہ کو چھوڑ دیا۔ اس طرح وہ مروڑے ہوئے الفاظ میں کھلم کھلا اسلام سے برأت اور یہودیوں سے موافقت کا اظہار کر رہے ہیں۔

تیسری بحث:...... یہودیوں اور رافضیوں میں بادشاہی اور امامت کی ایک مخصوص طائفہ میں محصور کرنے میں مشابہت

اس کے بعد کہ یہودیوں کا نظریۂ بادشاہی، اور بادشاہوں کے لیے ان کی شرط کہ داؤد علیہ السلام ہی کی نسل ہوں؛ اور یہ بات بھی جائز نہیں ہے کہ قیامت تک بادشاہی آلِ داؤد سے باہر جائے؛ یہ ان کے اس گمان کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے وعدہ کیا ہے کہ قیامت تک ان کی اولاد ہی بنی اسرائیل کے عرش پر رہے گی؛ یہ تمام امور بیان ہو چکے۔

اور رافضیوں کا نظریہء امامت بھی بیان ہو چکا؛ اور ان کا یہ اعتقاد بھی کہ امامت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہی رہے گی، قیامت تک ان سے باہر نہیں جائے گی۔ اس کے بعد اب وقت آ گیا ہے کہ ان دونوں عقیدوں کا تقابلی جائزہ لیا جائے۔

حقیقت میں رافضیوں کا اس عقیدہ میں یہودیوں سے متأثر ہونا؛ اور اپنے آئمہ کے متعلق بعض وہ شرائط لگانا -[جو یہود نے اپنے بادشاہوں کی متعلق لگائی ہیں بہت ہی واضح ہے اور کسی تقابل کا محتاج نہیں،

❶ أصول الكافي ۱/ ۲۳۸۔

اس لیے کہ رافضی] - خود تسلیم کرتے ہیں کہ [یہ یہودی عقائد کی طرح ہیں] ؛ جیسا کہ سابقہ نصوص میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

ان دونوں فریقوں کے درمیان مشابہت کو بذیل نقاط میں بیان کیا جا سکتا ہے :

اول ...... یہودی **ملک** [بادشاہی] کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں محصور کرتے ہیں، اور یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ قیامت تک ان کے علاوہ کسی دوسرے کو [بنی اسرائیل کی] بادشاہی نہیں مل سکتی۔ ان کے اسفار میں یہی بات لکھی ہوئی ہے کہ :

''اس لیے کہ رب نے ایسے ہی کہا ہے کہ : داؤد علیہ السلام کے لیے یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوگا کہ کوئی انسان بیتِ بنی اسرائیل کی کرسی پر بیٹھے۔''

اور امامیہ رافضی امامت کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں محصور کرتے ہیں ؛ اور یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ قیامت تک امامت ان سے باہر نہیں جا سکتی۔ [جیسا کہ ان کی کتابوں میں ہیں] :

[شیعہ عالم شیخ] مفید کہتا ہے : ''امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خاص بنی ہاشم میں ہی ہوگی۔ پھر ان کے بعد علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم اجمعین میں، پھر ان کے بعد حسین کی اولاد میں ؛ حسن رضی اللہ عنہما کی اولاد کو چھوڑ کر ؛ یہاں تک کہ آخری زمانہ آجاتا ہے۔''

دوم...... رافضہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد کو چھوڑ کر امامت کو صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں محصور کرنے کی علت یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی سنت ہے۔ جیسے کہ کہانت کا سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ کر حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں چل نکلا۔ باوجود اس کے کہ موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام سے افضل ہیں۔ ایسے ہی امامت کا سلسلہ حضرت حسن کو چھوڑ کر حضرت حسین - رضی اللہ عنہما - کی اولاد میں چل پڑا : حالانکہ حضرتِ حسن حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں۔ یہ ان کے اور یہودیوں کے درمیان ایک واضح مشابہت ہے۔ جس میں وہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع مسلمین سے کھلم کھلا اعراض و روگردانی کر رہے ہیں۔

سوم ...... یہودی اپنے بادشاہوں کے لیے شرط لگاتے ہیں کہ وہ ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کریں۔ اور یہ کہ وہ عہدِ رب کے تابوت کو اپنے ساتھ اٹھائیں۔ اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے شرط لگائی تھی کہ ان کی نسل ہیکل سلیمانی تعمیر کرے گی تا کہ ان میں بادشاہی باقی رہے۔ اور ان سے -

اللہ تعالیٰ نے - یہ کہا تھا:

''جب تو اپنے دن پورے کرلے، اور اپنے آباء کے ساتھ لیٹ جائے، میں تیرے بعد تیری نسل کو اس جگہ کھڑا کروں گا جو تیری اولاد سے آئے گی۔ اور میں ان کے ملک کو ثابت رکھوں گا، وہ میرے نام کا گھر تعمیر کریں گے۔ اور میں ان کی شاہی کی کرسی ہمیشہ کے لیے قائم رکھوں گا۔''

رافضی اپنے آئمہ کی امامت کے درست ہونے پر رسول اللہ ﷺ کا اسلحہ اٹھانے سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اور وہ اپنے اس اسلحہ کو بنی اسرائیل کے تابوت سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے، بے شک انہوں نے کہا ہے:

''بے شک ہم میں اسلحہ اٹھانا ایسے ہی ہے جیسے بنی اسرائیل میں تابوت اٹھانا ہے۔ سو بنی اسرائیل میں جس گھر کے دروازے پر تابوت پایا جاتا؛ انہیں نبوت دی جاتی۔ سو ہم میں جس کے پاس اسلحہ چلا گیا اسے امامت سے نوازا گیا۔''

چھـــارم ......اس عقیدہ میں یہودیوں اور رافضیوں میں مشابہت میں یہ بھی ہے کہ ایک بہت لمبے زمانہ سے شاہی کا آلِ داؤد سے منقطع ہوجانا۔ جس کے متعلق یہودی یہ گمان کرتے ہیں کہ آلِ داؤد سے شاہی کبھی منقطع نہیں ہوگی۔

ایسے رافضیوں میں آلِ حسین سے امامت کا منقطع ہوجانا۔ بلکہ نہ ہی حضرت حسین اور نہ ہی ان کی اولاد میں سے کوئی کسی ایک دن کے لیے بھی مسلمانوں کا امیر یا امام بنا۔

یہ ان دلائل میں سے ایک ہے جو یہودیوں اور رافضیوں کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ و افتراء باندھنے پر دلالت کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ بادشاہی آلِ داؤد میں اور امامت آلِ حسین میں ہی رہے گی۔ اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان سے کوئی ایسا وعدہ کیا ہوتا تو وہ ضرور اسے پورا کرتا۔ اللہ کبھی اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَعْدَ اللَّهِ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الروم: ٦)

''(یہ) اللہ کا وعدہ (ہے) اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

پنجم......امامیہ رافضی آئمہ کی تعداد بارہ میں محصور ہونے پر بنی اسرائیل کے گروہ سے استدلال کرتے ہیں۔اربلی کہتا ہے:''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے:

﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْباً﴾

(المائدہ: ۱۲)

''اوراللہ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا اوراُن میں ہم نے بارہ سردار مقرر کیے۔''

اس حکم کے مطابق قائمین کی تعداد بارہ مقرر کی۔اوراس امت میں بھی قائمین کی تعداد بارہ ہوگی۔''

یہ اس عقیدہ میں رافضیوں اور یہودیوں میں مشابہت کی وجوہات ہیں۔ان میں سے بعض کا استنباط میں نے فریقین کی نصوص کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے کیا ہے۔اور بعض کے متعلق رافضیوں نے خود صراحت کی ہے کہ وہ اس میں یہودی کی اقتداء کررہے ہیں۔اس لیے کہ وہ خود اعلانیہ اس بات کی صراحت کرتے ہیں؛اور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق:

((من تشبه بقوم فهو منهم .))[1]

''جوکسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان ہی میں سے ہوتا ہے۔''

اگر ایسا نہ ہوتو یہودی اسفار سے مشابہت کے کون سے معانی باقی رہ جاتے ہیں۔اور جسے یہودی تحریف،تغیر اور تبدیل کی وجہ سے دوسروں سے پہلے جانتے ہیں۔اور پھر ان کا نصوص قرآن سے روگردانی کرنا،جس کی تبدیل وتحریف سے حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے؛جس کو دوست اور دشمن سبھی جانتے ہیں؛کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؛تو ان کی اس حرکت کے کیا معانی ہیں سوائے اس کے کہ وہ خودکو یہودی دین کی طرف منسوب کرتے ہیں اور مسلمانوں کے دین سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔

چوتھی بحث:......آل داؤد میں بادشاہی کے محصور کرنے میں یہودیوں پر اورامامت کے اولاد حسین رضی اللہ عنہ میں محصور کرنے پر رافضیوں پر ردّ

یہودیوں اور رافضیوں کے ملک اور امامت کے محصور ہونے کا دعوی باطل ہونے پر کسی ایک دلائل

[1] رواه أبو داؤد؛ في كتاب اللباس؛ باب: لبس الشهرة؛ ح: ۳۵۳۰۔ وأحمد في مسنده ۲/ ۵۰ ۔ قال شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله إسناده جيد۔ إقتضاء الصراط المستقيم ص ۸۲۔و صححه الألباني في صحيح الجامع الصغير ۶۱۴۹۔

ہیں۔ان میں سے ؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۵)

''اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمین وراثت میں دینے کے لیے''صلاح''یعنی نیک وکاری کو شرط قرار دیا ہے۔اسے کسی طائفہ یا گروہ وجنس میں منحصر نہیں کیا ؛ جیسا کہ یہودی اور رافضی کہتے ہیں۔سو یہ آیت یہودیوں کا دعوی باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ شاہی قیامت تک آل داؤد میں ہی رہے گی ؛ بھلے وہ نافرمان ہی کیوں نہ ہوں۔اور رافضیوں کے پر بھی اس آیت میں رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امامت کسی بھی صورت میں آل حسین رضی اللہ عنہ سے باہر نہیں جائے گی۔ان کے دعوی کے باطل ہونے پر یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے،فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ (البقرہ: ۱۲۴)

''اور جب اللہ نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔انہوں نے کہا کہ (اے اللہ) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنانا؛ تو اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ ہمارا اقرار ظالموں کے لئے نہیں ہوا کرتا۔''

یہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اللہ سے مانگتے ہیں کہ امامت ان کی اولاد میں ہو،اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آتا ہے:

﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾

''ہمارا اقرار ظالموں کے لئے نہیں ہوا کرتا۔''

ابن کثیر امام مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے؛ فرمایا:

''میرے لیے کوئی ظالم امام نہیں ہوگا۔'' اور دوسری روایت میں ہے:'' میں کسی ظالم کو امام نہیں بناؤں گا جس کی اقتدی کی جائے۔اور ان ہی سے ﴿ وَمِن ذُرِّيَّتِي ﴾ کی تفسیر میں

منقول ہے: تو فرمایا: ''رہا جوکوئی ان میں سے نیک ہوگا، میں اسے امام بناؤں گا جس کی اقتداء کی جائے۔ اور رہا جوکوئی ظالم ہوگا، تو ایسے نہیں ہوگا، اور نہ ہی کوئی خاص نعمت اس کے لیے ہوگی۔'' [1]

ان معانی میں بہت سی آیات ہیں۔ ان ہی میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ﴾

(النور: ٥٥)

''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ﴾ (القصص: ٥)

''اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کردیے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک کا) وارث کریں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾

(السجدة: ٢٤)

''اور اُن میں سے ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے جب وہ صبر کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔''

یہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امامت ایمان؛ تقویٰ اور اصلاح سے حاصل ہوسکتی ہے، وراثت سے نہیں جیسے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا خیال ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر ١/ ١٦٧۔

اس پر سب سے بہترین دلیل نبی کریم ﷺ کے بعد خلافت کا معاملہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے صحابہ میں ودیعت کیا۔ پہلے یہ امانت جناب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔ پھر عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارِ خلافت کو اپنے کندھوں پر اٹھایا؛ اور پھر عثمان بن عفان، ذوالنورین غنی رضی اللہ عنہ نے اس ذمہ داری کو قبول کیا۔ پھر شیرِ خدا، داماد رسول ﷺ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر لیا۔ خلافت میں ان کی ترتیب اللہ کے ہاں ان کی فضیلت اور منزلت کے حساب سے تھی۔''❶

اگر خلافت وراثت کے ذریعہ ہوتی تو آپ ﷺ کے بعد اپنی قرابت کی وجہ سے اس کے سب سے زیادہ حق دار جناب حضرتِ علی رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

رافضیوں کا دعوی اور مذہب باطل ہونے پر سنت میں بھی کافی دلائل موجود ہیں کہ امامت کبھی اولادِ حسین سے باہر نہیں جائے گی۔ امام مسلم نے جابر بن سمرہ سے روایت کیا ہے؛ وہ کہتے ہیں:

''میں اپنے والد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے:

((إن هذا الأمر لا ينقضي حتى يمضي فيهم اثنا عشر خليفة ؛ قال: ثم تكلم بكلام خفي عليَّ ، قال: فقلت لأبي: ما قال ؟ قال: كلهم من قريش .))❷

---

❶ شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الحنفي ص ٥٧٠۔

❷ صحيح مسلم 'كتاب الإمارة'باب: الناس تبع لقريش والخلافة في قريش ح: ٣٤٨١۔

اس حدیث سے کچھ ایسا اشکال ہوسکتا ہے کہ بارہ خلفاء سے مراد بارہ امام ہوں گے۔ حالانکہ دوسری حدیث میں ہے کہ: ''میرے بعد خلافت تیس سال تک ہوگی''۔ ان تیس سالوں میں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سمیت پانچ خلیفہ گزرے ہیں۔ تو اس کل جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں خلافت سے مراد خلافتِ نبوت ہے۔ اور بارہ خلفاء سے مراد عام خلافت ہے۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ: خلفاء تو بارہ سے زیادہ گزرے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ: بارہ کا عدد حصر کے لیے نہیں؛ بلکہ بارہ خلیفہ تو ہوں گے' اور اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ کا ہونا اس حدیث کے کچھ بھی خلاف نہ ہوگا۔ تیسرا یہ کہ ان بارہ خلفاء کے دور میں بدعات اور شرکیات کی تائید نہ ہو' اور فرقوں کی تائید حکومتی سطح پر نہ ہو' اور کام منہج نبوت کے مطابق چلتا رہے۔ پھر اس کے بعد ایسے خلفاء آئیں جو بدعات اور شرکیات میں مبتلا بھی ہوں' اور ان کی تائید پوری قوت کے ساتھ کریں' جیسا کہ بنو عباس کے وسطی دور میں ہوا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہوسکتا ہے کہ مسلمان مختلف بارہ حکومتوں میں بٹ جائیں' اور ہر حکومت کا سربراہ قریشی ہوگا۔ جیسے صحیح مسلم ہی کی دوسری حدیث میں ہے: ''یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو' یا تم پر بارہ خلیفہ ہوں' اور وہ سب قریشی ہوں گے۔ (شاید یہ واقع بھی قیامت کے قریب ہوگا کہ بارہ خلیفہ مسلمانوں کی بارہ ٹکڑیوں پر ہوں)۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بھی فرماتے سنا کہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کسری کے سفید محل کو فتح کرے گی۔......''۔ مسلم ح: ٤٧١١۔ یہی امت کے گروہ بھی اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔

''یہ خلافت تمام نہ ہوگی یہاں تک کہ مسلمانوں میں بارہ خلیفہ نہ ہولیں۔ پھر آپ نے آہستہ سے کچھ فرمایا۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا: آنحضرت کیا فرمایا؟ -کہا- فرمایا: یہ سب قریش میں ہوں گے۔''

اس حدیث کا رافضہ اقرار بھی کرتے ہیں اور اسے اپنی کتابوں میں روایت بھی کرتے ہیں۔ ❶

ردّ کی وجوہات:

اس حدیث میں رافضہ پر رد کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ :...... یہ کہ نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے۔اوران میں سے ایک بھی حضرتِ حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے نہیں تھا؛ جن کی امامت کا دعوی رافضی کرتے ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں بارہ عادل خلفاء کے وجود پر دلالت ہے۔ یہ شیعہ اثنا عشریہ کے امام نہیں ہیں۔اس لیے کہ ان کے آئمہ میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کے لیے امارت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ جب کہ یہ -خلفاء- لوگ قریش میں سے تھے؛ جو ایک دوسرے کے بعد پے در پے حاکم بنے، اور لوگوں میں عدل کے ساتھ فیصلے کرتے رہے۔ان کی بشارت سابقہ کتابوں میں بھی وارد ہوئی ہے۔ پھر ان کے لیے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ یہ لوگ پے در پے آئیں، بلکہ ان کا وجود یکبارگی (یعنی پے در پے) بھی ہوسکتا ہے، اورآگے پیچھے بھی۔ ان میں سے چار عہدِ ولایت سے آئے، یعنی ابو بکر وعمر وعثمان اور علی -رضی اللہ عنہم-۔ پھر وقفہ ہوا، پھر اللہ جس کو چاہے گا، لے آئے گا۔ اور اس وقت میں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ان ہی میں سے ایک امام مہدی ہوں گے جن کا نام نبی کریم ﷺ کے نام کے موافق ہوگا، اور کنیت کنیت کے موافق۔'' ❷

دوسری وجہ :...... نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ آئمہ قریش میں سے ہوں گے۔[یہ نہیں فرمایا کہ اولادِ حسین میں سے ہی ہوں گے]۔حسین کی اولاد تو قریش کا ایک جزء ہیں۔تو یہ دلیل ہے کہ

---

❶ کشف الغمة لمعرفة الأئمة ۱/۵۷۔ ❷ تفسیر ابن کثیر ۳/ ۳۰۱۔

امامت ان میں ہی محصور نہیں ہے۔

واقع حال بھی یہود کے دعوی ''باشاہی صرف آلِ داؤد میں ہی ہوسکتی ہے''؛ کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ اور رافضی دعوی پر بھی رد اور اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے جو امامت کو صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہی محدود کرتے ہیں۔

داؤد علیہ السلام کی حکومت ایک بڑا لمبا زمانہ ہوا ختم ہوچکی۔ یہ اس وقت ہوا جب ان کی مملکت کا سقوط بخت نصر بابلی بادشاہ کے ہاتھوں ہوا۔ جب وہ ان کے ملک کے دار الحکومت یروشلم پر غالب آ گیا۔ اس نے شہر کے دیواریں گرادیں، ہیکل کو جلا دیا؛ اور وہاں کے باشندوں کا قتل عام کیا۔ اور جو بچ گئے ان کو قیدی بنا کر بابل لے گیا۔

یہودی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ بخت نصر کے ہاتھوں ان کے ملک کے سقوط کا یہ قصہ سفر ارمیاء کے اصحاح (۳۹) انتالیس میں یوں آیا ہے:

''نویں سال جب یروشلم کا اقتدار مملکت یہوذا کے بادشاہ صدقیا[1] نے سنبھالا؛ تو دسویں مہینہ میں بابل کا بادشاہ بخت نصر اپنی تمام فوج کے ساتھ آیا، اور یروشلم کا محاصرہ کرلیا۔ اور صدقیا کے اقتدار کے گیارہویں سال چوتھے مہینہ کی نو تاریخ کو شہر فتح ہوگیا؛ اور بابل کے بادشاہ کے تمام سردار شہر میں داخل ہوگئے۔ اور درمیانی دروازے کے پاس جا بیٹھے۔ جب یہوذا کے بادشاہ صدقیا نے انہیں دیکھا؛ اور تمام جنگی نوجوان بھاگ چکے تھے؛ وہ راتوں رات شہر سے نکل گئے۔ ......انہوں نے کلدانیوں کے لشکر کو ان کے پیچھے دوڑایا؛ اریحاء[2] کی گھاٹیوں میں صدقیا پکڑا گیا۔ انہوں نے اسے گرفتار کرکے حماہ کے علاقہ اربلہ میں بخت ناصر بابلی بادشاہ کے سامنے پیش کیا؛ اس نے اس کے ساتھ کلام کیا، اور اس کے متعلق فیصلہ کیا کہ اسے

---

[1] یہ مملکت یہوذا کا آخری بادشاہ ہے۔ ۵۹۹-۵۸۸ ق م؛ میں بادشاہ تھا۔ اس نے بخت نصر سے خیانت نہ کرنے کے وعدہ کے بعد اس کے خلاف سرکشی کی۔ بخت نصر نے ہی یہویاکین کی گرفتاری کے بعد اسے یروشلم کا اقتدار سونپا تھا۔ جب بخت نصر یروشلم پر غالب آ گیا تو اس نے اسے کے بیٹے اس کے سامنے قتل کیے۔ پھر اس کی آنکھیں نکال دیں' اور اسے گرفتار کرکے بابل لے گیا ۔القاموس الموجز لکتاب المقدس ص ٤١٦۔

[2] اریحاء عبرانی کلمہ ہے۔ یہ موجودہ اردن میں واقع ہے۔ اسے جبارین کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسکا نام اریحاء بن مالک بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام کے نام پر پڑا ہے۔ معجم البلدان ١/ ١٦٥۔

قتل کیا جائے۔ بابلی بادشاہ نے صدقیا کی اولاد کو اپنی آنکھوں کے سامنے اربلہ کے مقام پر قتل کیا، اور باقی مملکت یہوذا کے بڑے لوگوں کو بھی قتل کیا گیا۔'' ❶

اس سے یہودیوں کے اس دعوی کا بطلان ثابت ہوتا ہے جس کے مطابق ملک ہمیشہ آل داؤد میں ہی رہے گا؛ جیسا کہ ان کی کتابوں میں آیا ہے۔ اور ابن حزم نے بھی ان پر رد کرتے ہوئے یہی بات لکھی ہے، اور ان کے اس جھوٹ کو ثابت کیا ہے۔ (جیسے کہ وہ کہتے ہیں): کہا:

'' پھر موسی عَلَیْہِ السَّلام کا ذکر ہوا کہ انہوں نے یہوذا سے کہا کہ: '' یہ لاٹھی ہمیشہ یہوذا میں ہی رہے گی؛ کبھی منقطع نہیں ہوگی؛ اور نہ ہی اس کی نسل سے قیادت ختم ہوگی۔ یہاں تک کہ میرے پاس وہ مبعوث آجائے جو تمام امتوں کی امید [کا مرکز] ہے۔'' ❷

یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ یقیناً یہوذا کی اولاد سے وہ لاٹھی چلی گئی۔ اور اس کی نسل سے قیادت بھی ختم ہوچکی۔ اور وہ مبعوث بھی نہیں آیا جس کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ یہوذا کی اولاد سے شاہی کا خاتمہ بخت نصر کے زمانہ میں ہوا۔ جو کہ کچھ کم و بیش پندرہ سو سال تک رہی۔ یعنی زربائیل بن صلنائیل کا زمانہ۔ حکومت منقطع رہی -۔[ابن حزم کہتے ہیں] میں نے اس بارے میں ان کے سب سے بڑے مناظر اور عالم اُشموال بن یوسف اللاوی؛ کاتب، المعروف ابن نغرال سے ۴۰۴ میں گفتگو کی۔ اس نے مجھ سے کہا: آج تک جالوتوں ❸ کے سردار داؤد عَلَیْہِ السَّلام کی اولاد میں ہی آتے رہے ہیں اور وہی یہوذا کی اولاد ہیں۔ یہی تو قیادت، حکومت اور سرداری ہے۔ میں نے کہا: یہ غلط ہے، اس لیے کہ جالوت کا سردار

---

❶ فقرات ۱-۷۔

❷ یہ ایک لاٹھی ہوتی تھی جسے بادشاہ استعمال کرتے؛ اور جب عوام سے خطاب کرنا ہوتا تو اس سے اشارہ کیا کرتے؛ القاموس المحیط ۲/ ۲۰؛ "لفظ: المخصرۃ۔"

❸ ایک لقب ہے؛ جس کا اطلاق یہودی اپنے اس بڑے ذمہ دار پر کرتے ہیں جو ان کے دینی اور معاشرتی امور کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ جالوت کی سربراہی کی تاریخ بابلی قید کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ جب یہودیوں نے عراق میں استقرار پکڑا تو انہوں نے اپنے دینی امور ایک دینی شخصیت کے سپرد کردیے؛ جس کے ذریعہ سے وہ فرات میں پھیلے ہوئے یہودیوں کی تنظیم سازی ممکن ہوتی۔ اس پر "ریشِ جالوت" کے لقب کا اطلاق کیا گیا۔ اس کا معنی ہے: '' کیمونٹی کا سربراہ'' عربوں نے لفظ کو بگاڑ دیا۔ دیکھو: احمد حجازی سقه کی کتاب: نقدِ تورات ص ٤٦۔

کسی یہودی یا غیر یہودی پر حکم نافذ نہیں کرسکتا؛ یہ تو صرف ایک ایسا نام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ نہ ہی اس کی کوئی قیادت ہے اور نہ ہی اس کے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔''

ایسے ہی رافضیوں کا معاملہ ہے۔ ان کی امامت حضرتِ حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے منقطع ہو چکی ہے؛ بلکہ وہ کبھی بھی ایک دن کے لیے امام یا ملک سربراہ نہیں بنے۔ بس ان کی یہ سپنوں کی امامت یہودیوں کے ہاں جالوتوں کے سردار بادشاہ کی طرح ہے۔ ❶

❀❀❀❀

❶ الفصل : ١/٢٤٥۔

تیسری فصل :

یہودیوں میں مسیح منتظر اور رافضیوں میں مہدی منتظر کا عقیدہ

یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث: مسیح منتظر کا یہودی عقیدہ:

دوسری بحث: رافضیوں کے ہاں مہدی منتظر:

تیسری بحث: مسیح اور مہدی کے عقیدہ میں رافضی اور یہودی مشابہت

چوتھی بحث: مسیح منتظر کے متعلق یہودی اور مہدی منتظر کے متعلق رافضی عقیدہ پر ردّ

پہلی بحث:......مسیح منتظر کا یہودی عقیدہ

یہود آل داؤد میں سے ایک شخص کے خروج کا انتظار کررہے ہیں جو تمام عالم پر حکومت کرے گا؛ اور یہودیوں کو ان کی عزت اور بزرگی واپس دلائے گا، باقی تمام قوموں کو غلام بنائے گا اور انہیں یہود کی خدمت کے لیے مسخر کردے گا۔ اور- ان کے گمان کے مطابق- اس آخری زمانے میں آنے والے انسان پر ''مسیح منتظر'' کا اطلاق کرتے ہیں۔ مسیح منتظر کے متعلق بشارت یہود کے مقدس اسفار میں کئی جگہوں پر آئی ہیں۔ ان میں سے سِفر زکریا میں یہ بشارت ہے:

''اے بنت صیہون! بہت زیادہ خوش ہوجاؤ؛ اے بنت یروشلم! تم چلاؤ؛ یہ تمہارا بادشاہ ہے جو تمہاری طرف آرہا ہے۔ وہ عادل اور منصور ہوگا؛ امانت دار اور گدھے پر اور خچر پر سواری کرے گا۔ اور تمام امتوں میں سلامتی کی بات کرے گا۔ اس کی حکومت سمندروں اور نہروں میں زمین کی آخری حدوں تک ہوگی۔'' ❶

اور سفر اشعیا میں مسیح کے متعلق یہ حکایت آئی ہے:

''مجھ پر سید الرب کی روح ہے۔ اس لیے کہ رب نے مجھ پر ہاتھ پھیرا ہے تاکہ مساکین کو بشارت دوں؛ اور مجھے میرے رب نے بھیجا ہے تاکہ میں ٹوٹے دل والوں کو تقویت دوں۔ اور غلاموں کو آزادی کا پیغام سناؤں؛ قیدیوں کو رہائی کی نوید دوں۔ تاکہ میں رب کی مقبول سنت کا چرچا کروں، اور اپنے الٰہ کے انتقام والے دن کی بشارت دو۔ اور ہر رونے والے کی تعزیت کروں۔'' ❷

اور تلمود میں ایسے آیا ہے:

''بے شک ملک کا نظام بنی اسرائیل میں لوٹائے گا۔ پھر قومیں ان کی خدمت کریں گی، اور

---

❶ الإصحاح فقرتا ۹-۱۰۔

❷ الإصحاح الحادی والستون فقرتا ۱-۲۔

ممالک ان کے سامنے سرنگوں ہوجائیں گے۔ اس وقت ہر اٹھائیس سولوگوں کا مالک ہوگا۔ اور تین سودس ہیرواس کے حکم کے تابع ہوں گے۔'' ❶

اورتلمود میں ہی یہ بھی ہے:

''اور یہود اس دن کے انتظار میں باقی اقوام کے ساتھ معرکہ آراء جنگوں میں گزر کریں گے۔اور پھرعنقریب حقیقی مسیح آئے گا۔ ❷ اوراس منتظر کی مدد حاصل ہوگی۔اس وقت مسیح تمام لوگوں کے ہدیے قبول کرے گا،اور مسیحیوں کے ہدیے رد کردے گا۔'' ❸

یہودیوں کے ہاں اس عقیدہ کے وجود کی تاکید ان کے عظیم امام سموائیل بن یحیی مغربی ❹ نے کی ہے۔جس کواللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف ہدایت دی۔اس نے یہودیوں کے رد پرایک کتاب لکھی اوراس کا نام رکھا:'' إفحام اليهود۔'' اس میں لکھا ہے:

''یہودایک ایسے قائم کا انتظار کررہے ہیں جونبی داؤد کی آل میں سے آئے گا۔ جب وہ دعا سے اپنے ہونٹوں کوحرکت دیگا تو تمام امتیں مر جائیں گی۔اور یہود کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہے گا۔اور یہ کہ یہ منتظر- ان کے گمان کے مطابق - وہ مسیح ہے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔'' ❺

یہاں تک کہ اس نے کہا ہے کہ:

''ایسے ہی وہ اس بات کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ: بے شک یہ منتظر جب آئے گا تو ان سب کو القدس میں جمع کرے گا اوران کے لیے ایک ملک ہوگا؛ باقی عالم ان کے علاوہ لوگوں سے

---

❶ بولس حنا مسعد همجية التعاليم الصيهونية ص ٥٧۔

❷ ان کا کہنا حقیقی مسیح ؛اس میں مسیح ابن مریم سے احتراز ہے۔وہ ان کوگندا مسیح شمار کرتے ہیں-نعوذ باللہ- جب کہ حقیقی مسیح وہ ہے جس کا وہ انتظار کررہے ہیں۔

❸ د/روهلنج :الكنز المرصود في قواعد تلمود ص ٦٥۔

❹ امام سموائیل بن یحیٰ بن عباس مغربی ؛علوم ریاضیات کا فاضل اور طب کا بڑا ماہر تھا۔اس کا اصلی تعلق بلاد مغرب سے تھا۔یہ بہت بڑا یہودی تھا' پھراسلام قبول کرلیا۔اوراچھا مسلمان ثابت ہوا۔اس نے یہودیوں کے عیب ظاہر کرنے اورتورات میں ان میں کے جھوٹے دعوؤں کا بھانڈا پھوڑنے کے لیے ایک کتاب لکھی۔سن ٥٧٠ھ میں مراغہ شہر میں نوجوانی کی عمر میں وفات پائی۔دیکھو: عيون الأنباء في طبقات الأطبائص ٤٧١۔

❺ افحام اليهود ٢٥.

خالی ہوجائے گا۔اور موت ان سے ایک لمبی مدت تک روکی رہے گی۔''[1]

مسیح منتظر کا عقیدہ صرف پرانے یہودیوں تک محصر نہیں ہے، بلکہ اس دور کے یہودی بھی مسیح منتظر کے خروج کے خواب دیکھ رہے ہیں، اور پورے صبر کیساتھ اس کا انتظار کر رہے ہیں۔

پروٹوکول میں یہودی حکماء نے لکھا ہے:

''بے شک ہمارا ملک اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہوگا؛ اور آسمانوں سے اس کی مدد کی جائے گی۔ تا کہ ان تمام افکار کو مٹا کر رکھ دے جن سے ان نفوس کو دھوکہ دیا جا رہا ہے جن کا کوئی عقل نہیں ہے۔اس وقت ہم اس بات پر قادر ہوں گے کہ ہم تمام امتوں میں آواز لگائیں: اللہ کے لیے نماز پڑھو، اور رکوع کرو؛ اس بادشاہ کے سامنے جو ازلی تقدیر کی آیت اٹھائے ہے؛ اور وہ جس کی ذات کی قیادت اللہ تعالیٰ کر رہے ہیں۔اس کی ذات کے بغیر کوئی دوسرا اس بات پر قادر نہیں ہوگا کہ وہ انسانیت کو ہر قسم کے گناہوں سے آزاد کر سکے۔''[2]

ان نصوص سے یہودیوں کے ہاں اس عقیدہ کے راسخ اور پختہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔اور اس کے ساتھ ہی ہمارے لیے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ پرانے اور آج کے دور کے یہود اس عقیدہ پر برابر قائم ہیں۔

رہی اس مسیح کی صفات ؛ اور حکومت میں اس کا طریقہ کار؛ اور جو تغیرات اس کے دور میں واقع ہوں گے؛ اور اس کے زمانے میں عالم کا جو حال ہوجائے گا؛ یہودی اسفار میں ان سب کو بیان کیا گیا ہے۔لیکن یہ غیر منظّم اور غیر مرتب طریقہ سے ہے۔جیسا کہ ان اسفار کی تالیف کا طریقہ ہے۔میں اس بات کی کوشش کروں گا کہ اس تصور کی بعض چیدہ چیدہ نصوص آپ کے سامنے رکھی جائیں تا کہ یہودیوں کا مسیح کے متعلق تصور واضح ہوجائے۔اور جو حادثات اس کے زمانے میں پیش آئیں گے۔

مسیح کے معانی:

یہودی اسفار میں مسیح کا معنی ہے: جسے مقدس تیل سے مسح (مالش) کیا گیا ہو۔ ہر وہ بادشاہ جو اسرائیلی عرش پر بیٹھے، اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے یہ تیل ملا جائے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت حاصل کر سکے۔

---

[1] سابقه مصدر ص ۲۷۔

[2] پروٹو کول نمبر تئیس ص ۲۰۹-۲۱۰۔

یہ تیل بنانے کی ایک خاص ترکیب ہے۔-ان کے گمان کے مطابق -سب سے پہلے اس تیل کا بنانے والے موسیٰ عَلَیۡہِ السَّلَام ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کا حکم دیا کہ یہ تیل تیار کیا جائے ؛ اور جناب ہارون عَلَیۡہِ السَّلَام اور ان کے بیٹوں کو ملا جائے تا کہ وہ اس تیل کی برکت سے ماہر (کاہن) ہو جائیں۔'' [1]

مسیح منتظر کا نام مسیح ان معنوں میں رکھا گیا ہے۔اس دعویٰ کو جو چیز پختہ کرتی ہے، وہ جناب مسیح کا اپنے متعلق بیان ہے، وہ کہتے ہیں:

''مجھ پر سید الرب کی روح ہے۔ اس لیے کہ رب نے مجھ پر (مسح کیا) ہاتھ پھیرا ہے تا کہ مساکین کو بشارت دوں......'' [2]

مسیح کے زمانے میں کیا تغیرات ہوں گے؟

رہا یہ معاملہ کے اس مسیح کے دور میں کیا تغیرات واقع ہوں گے؟ اور کیا حادثات پیش آئیں گے؟ ان (میں سے بعض) کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

متفرق یہودیوں کا جمع ہونا:

یہودی اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب مسیح کا خروج ہوگا تمام زمین پر بکھرے ہوئے یہودیوں کو جمع کرے گا۔ اور ان سے ایک بہت بڑا لشکر منظّم کرے گا جن کا ٹھکانہ ارض مقدس میں یروشلم کے پہاڑ ہوں گے۔

سفر اشعیاء میں ہے:

''اور تمہارے بھائی ہر امت سے حاضر ہوں گے۔ انہیں رب کے لیے گھوڑوں، اونٹوں اور دوسری سواریوں، خچروں پر سوار کر کے یروشلم کے مقدس پہاڑ کی طرف لایا جائے گا۔'' [3]

اور اسی میں یہ بھی آیا ہے کہ:

'' اور دن یہ ہوگا کہ سردار اپنے دوسرے ہاتھ کو لوٹائے گا تا کہ باقی قوموں سے فارغ ہو جائے ؛ اور نکالے گئے یہودیوں کو جمع کرے گا۔ اور زمین کی چاروں جہات سے متفرق

---

[1] سفر الخروج الإصحاح ۳۰؛فقرات(۲۲-۳۲)۔

[2] الإصحاح الحادی والستون فقره۱۔

[3] سفر اشعیاء اصحاح ٦٦ فقره ۲۰۔

یہودیوں کو آپس میں ملائے گا۔'' ❶

ایک دوسرے موقع پر-ان کے گمان کے مطابق - اللہ تعالیٰ صیہون سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

''اٹھ اور روشن ہو جا؛ بے شک تیرے بیٹے آئے ہیں ؛ اور تیرے رب کی بزرگی تجھ پر کرنیں ڈال رہی ہے۔ اپنے آنکھیں اٹھا؛ اپنے گرد ونواح کی طرف (نظر دوڑا)۔اور تو دیکھ کہ وہ سب جمع ہو گئے ہیں۔ وہ تیرے پاس آئے ہیں۔ تیرے بیٹے بہت دور سے آئے ہیں۔ تیری بیٹیوں کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔'' ❷

یہ اجتماع زندوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ یہ یہود کے مردوں کو بھی شامل ہے، اللہ تعالیٰ ان کو زندہ کرے گا اور انہیں ان کی قبروں سے نکالے گا؛ تا کہ وہ بھی اس یہودی لشکر میں شامل ہوں جس کی قیادت مسیح کر رہے ہوں گے۔اس دن کے بارے میں-ان کے گمان کے مطابق - اللہ تعالیٰ کے کلام میں آیا ہے:

''میں یہوذا کے گھر کو مضبوط کروں گا، اور یوسف کے گھر کو خالص کروں گا؛ اور انہیں واپس لوٹاؤں گا۔ اس لیے کہ میں نے ان پر رحمت کر دی ہے۔ اور انہیں جمع کروں گا؛ اس لیے کہ میں نے ان کا فدیہ دیدیا ہے۔ یہ وہ بھی ایسے ہی بڑھیں گے جیسے وہ بڑھے ہیں۔ میں انہیں لوگوں میں کاشت کروں گا (پھیلا دوں گا)۔ وہ مجھے دور دراز زمینوں میں یاد کریں گے۔اور وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ زندہ رہیں گے،اور لوٹ کر آئیں گے۔'' ❸

سفر حزقیال میں مسیح کے آنے پر اللہ تعالیٰ کے مرودوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کا تفصیلی ذکر آیا ہے:

''ایسے ہی سید رب نے فرمایا ہے: اے چاروں ہواؤں کی روح! آ؛ اور ان مقتولین پر اٹھ؛ تا کہ یہ زندہ ہوں۔سو ایسے ہی خبر دے جیسے میں نے حکم دیا ہے۔سو ان میں روح داخل ہو گئی؛ اور وہ زندہ ہو گئے؛ اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ایک بہت بڑا لشکر ہے۔ پھر مجھ سے کہا: اے ابن آدم! یہ ہڈیاں سب اسرائیل کے گھر کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ہماری ہڈیاں بوسیدہ

---

❶ اصحاح ١١ فقرہ ١١-١٢۔

❷ سفر اشعیا اصحاح ٦٠ فقرات (١-٤)۔

❸ سفر ذکریا اصحاح ١٠-فقرات (٦-٩)۔

ہوگئیں، اور امیدیں ختم ہوچکی۔ اوران کی خبریں ہم سے منقطع ہوگئیں۔ اوران سے کہہ دے:

''ایسے السید الرب نے کہا ہے:'' ہاں! میں یہ تمہاری قبریں کھولتا ہوں۔ اور میں تمہیں تمہاری قبروں سے اٹھاتا ہوں۔ اے میری قوم! میں تمہیں ضرور اسرائیل کی سرزمین پر واپس لاؤں گا۔'' ❶

صرف یہی نہیں ؛ بلکہ بنی اسرئیل کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد کے پورا ہونے میں سے کہ: بنی اسرائیل کے علاوہ باقی گنہگاروں کے جثوں کو قبروں سے نکالا جائے گا تاکہ وہ ان کے عذاب کا مشاہدہ کرسکیں۔'' سفر اشعیاء میں ہے:

وہ نکالے جائیں گے، اور لوگوں کے جثّے دیکھیں گے جنہوں نے میری نافرمانی کی۔ کیونکہ ان کا جراثیم نہیں مرے گا اور ان کی آگ نہیں بجھے گی۔ وہ اس وقت ہر جسم والے کے لیے نشان عبرت ہوں گے۔'' ❶

تمام امتوں کا یہودیوں کیساتھ بدسلوکی پر محاسبہ، پھر یہودیوں سے ان کی جلا وطنی:

اس کے بعد جب مسیح تمام یہود کو زمین کے ہر کونے سے جمع کرلے گا؛ ان دوسری قوموں کو جمع کرے گا جنہوں نے یہود پر ظلم کیا ہے۔ ان پر مقدمہ چلائے گا اور ان سے ہر اس فعل کا بدلہ لے گا جو انہوں نے یہود کے ساتھ کیا ہے۔ سفر یوئیل میں ہے:

''اس لیے کہ بے شک ہوذا ان دنوں میں ؛ اور اس وقت جب اس نے یہوذا اور یروشلم کو قیدی بنانے کا ارادہ کیا؛ تمام امتوں کو جمع کیا، اور انہیں وادی یہوشا فاط ❷ میں اتارا۔ میں وہاں ان پر اپنی قوم اور میراث کے بارے میں عدالت قائم کروں گا؛ اور ان بنی اسرائیل کے بارے میں جنہیں تمام امتوں کے درمیان سے ختم کیا گیا۔'' ❸

اوراسی (سفر یوئیل) میں یہ بھی ہے:

---

❶ اصحاح ٦٦ فقرہ ٢٤۔

❷ یہوشا فاط: بادشاہ اساَ کا بیٹا اور اس کے بعد مملکت یہوذا کے عرش پر اس کا خلیفہ تھا۔ اس نام کا معنی عربی میں ہے (الرب الدیان)۔ یعنی بدلہ دینے والا رب۔ اس وادی کا نام اسی بادشاہ کے نام سے لیا گیا ہے۔ اس وجہ سے یہ وادی کی یہود کے ہاں بڑی مقدس ہے۔ قاموس الکتاب ص ٧٥٥-٧٥٦۔

❸ اصحاح ٣ فقرات ١-٢۔

''جلدی کرو، اور آؤ؛ اے ہر کونے سے ساری امتو! وہاں پر جمع ہوجاؤ۔ اے رب! اتر؛ تیرے ہیرو اٹھ رہے ہیں، اور تمام امتیں وادی یہوشافاط کی طرف چڑھی آرہی ہیں؛ اس لیے کہ بے شک میں وہاں پر بیٹھونگا؛ تاکہ ہر کونے کی تمام امتوں کے درمیان فیصلہ کروں۔''❶

اس عدالت کے نتیجہ کو سفر زکریا میں واضح کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس دن دو تہائی عالم کو قتل کردیا جائے گا۔اور زمین کے ہر کونے میں رب کہہ رہا ہوگا، ان میں سے دو تہائی کو کاٹ دیا جائے گا وہ مر جائیں گے۔اور ان میں سے ایک تہائی اس زمین میں باقی بچیں گے۔''❷

اور تلمود کی تعلیمات اس کو مزید پختہ کرتی ہیں:

''اس سے پہلے کہ یہود باقی امتوں پر آخری حکومت کریں؛ یہ لازم ہے کہ پاؤں اور پنڈلی پر ایک جنگ قائم ہو، جو دو تہائی عالم کو ختم کردے۔ اور یہود سات سال تک وہ اسلحہ جلاتے رہیں گے جو انہوں نے باقی امتوں سے حاصل کیا ہوگا۔''❸

اس وقت یہود باقی عالم پر مسلط ہوجائیں گے، اور باقی امتوں کے رہ جانے والے لوگوں کو اپنا غلام بنالیں گے۔سو یہ ان کے خدمت گزار ہوں گے؛ اور ان کی بکریوں کے چرواہے ہوں گے۔

''اجنبی لوگ کھڑے رہیں گے؛ اور تمہاری بکریاں چرائیں گے۔ وہ پردیسیوں کی اولاد تمہاری کھیتی کریں گے، اور تمہارے نوکر ہوں گے۔ جب کہ تمہیں ''کہنۃ الرب'' کہا جائے گا۔ اور تمہارا نام ''ہمارے اِلٰہ کے خادم'' تم تمام امتوں کے مال کھاؤ گے۔ اور تم ان کی بزرگی و کرامت پر حکم چلاؤ گے۔''❹

سفر اشعیاء میں ہے: اللہ تعالیٰ صہیون کو ان الفاظ میں پکاریں گے:

''بنو غریب تمہاری دیواریں بنائیں گے؛ اور ان کے بادشاہ تمہاری خدمت کریں گے۔اس لیے کہ میں نے اپنے غصہ سے تمہیں مارا ہے، اور اپنی رضا مندی سے تم پر رحمت کی ہے۔ اور

---

❶ اصحاح۳ فقرات ۱۱-۱۲۔

❷ سفر زکریا اصحاح ۱۳-فقرہ ۸۔

❸ د/ روھلنج: الکنز المرصود ص ٦٥۔

❹ سفر اشعیاء اصحاح ٦١-فقرہ ٥-٦۔

تمہارے سامنے دروازے ہمیشہ کھولے جائیں گے۔ رات دن کبھی بند نہیں ہوں گے۔ تا کہ تمہارے پاس تمام امتوں کی غنیمت لائی جائے ؛ اور ان کے بادشاہ تمہاری طرف چلائے جائیں گے۔ اس لیے کہ وہ امت اور وہ حکومت جو تمہاری خدمت نہیں کریں گے، انہیں ختم کر دیا جائے گا۔ خرابہ تمام امتوں کو خراب کرے گا۔ لبنان کی بزرگی تمہاری طرف لائی جائے گی۔ اور جنہوں نے تجھے جھڑکا ہے، ان کے بیٹے سرنگوں ہوکر تمہاری طرف چلے آئیں گے۔ اور وہ تمام لوگ جنہوں نے تیری اہانت کی ہے، وہ تیرے قدموں میں سجدہ کریں گے۔ اور تیرے لیے رب کے شہر قدس اسرائیل کو تمہارے لیے چھوڑ دیں گے۔'' ❶

مسیح کے زمانہ میں کائنات کی تبدیلی:

مسیح منتظر کے زمانے میں کائنات میں بہت بڑی تبدیلی واقع ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مسیح سے پہلے موجود زمین وآسمان کے علاوہ اور زمین وآسمان پیدا کریں گے۔ ایسے ہی سورج اور چاند چلے جائیں گے، اوران کا نور ختم ہو جائے گا۔

سفر اشیعاء میں آیا ہے:

''رب نے کہا: '' بے شک جیسا کہ آسمان بھی نیا ہے، اور زمین بھی نئی ہے ؛ اور میں ان کا بنانے والا ہوں ؛ یہ میرے سامنے ثابت -قائم- رہیں گے ؛ رب کہے گا: '' ایسے ہی تمہاری نسل اور تمہارا نام قائم رہے گا۔'' ❷

اس میں یہ روایت بھی ہے:

'' سورج کے بعد دن میں تمہارے لیے کوئی روشنی نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی چاند چمکتے ہوئے تیرے لیے نورانی ہوگا۔ بلکہ تیرا رب تیرے لیے ابدی نور ہوگا، اور تیرا معبود تیرا تیل ہوگا۔'' ❸

سفر یوئیل میں ہے:

''سورج اندھیرے میں بدل جائے گا۔ اور چاند خون میں ؛ اس سے پہلے کہ ربِ عظیم کے

---

❶ اصحاح ٦٠ فقرہ ٣١۔ ❷ اصحاح ٦٦ فقرہ ٢٢۔
❸ اصحاح ٦٠، فقرہ ١٩۔

خوف کا دن آئے۔''❶

یہ بات تو طبعی طور پر معلوم شدہ ہے سورج اور چاند کے جانے سے رات اوردن ختم ہوجائیں گے۔جیسا کہ سفر ذکریا میں آیا ہے:

'' اور وہ دن ایسا ہوگا کہ کوئی نور نہیں ہوگا، اس دن ستارے قبضہ میں لے لیے جائیں گے۔وہ ایک ہی دن ہوگا جو رب کے لیے معروف ہے۔اور رات بھی نہیں ہوگی ؛ بلکہ ایسا نور ہوگا جس سے شام کے وقت کا گمان ہوگا۔''❷

مسیح منتظر کے دور میں یہودی اجسام کی تبدیلی اور درازی ءعمر:

جیسا کہ کائنات تبدیل ہوگی، ایسے ہی یہود بھی تبدیل ہوجائیں گے تا کہ کائنات کے ساتھ ساتھ چل سکیں۔اور یہودیوں کے لیے جو تبدیلی واقع ہوگی؛ اس میں سے - ان کے گمان کے مطابق - : ان کی عمریں بڑی ہوجائیں گی۔وہ کئی صدیوں تک زندہ رہیں گے۔ایسے ہی ان کے اجسام بھی بدل جائیں گے؛ اس وقت ایک یہودی کا قد دوسو گز کا ہوجائیگا۔تلمود میں ہے:

'' بے شک اس وقت کے انسانوں کی زندگی کئی صدیاں لمبی ہوگی۔بچہ سو سال کی عمر میں مرے گا؛ اور مرد کی قامت دوسو ہاتھ ہوگی۔''❸

[مال ونعمت کی کثرت]:

''مسیح کے عہد میں یہودیوں میں خیرات بڑھ جائے گی۔ پہاڑوں سے دودھ اور شہد کے چشمے رواں ہوں گے؛اور زمیں اونی کپڑے اور تیار کھانے اگلے گی۔''

سفر یوئیل میں آیا ہے:

'' اور اس دن میں یہ ہوگا کہ بے شک پہاڑوں سے پھلوں کا رس بہے گا، اور آبشاروں سے دودھ۔اور یہوذا کے تمام چشموں سے پانی بہہ پڑے گا۔''❹

سفر اِشیعاء میں ہے:

---

❶ اصحاح ۲ ' فقرہ ۳۱۔ ❷ اصحاح ۱٤ فقرہ ٦- ۷۔

❸ ظفر الاسلام خان : التلمود ' تاریخه وتعالیمه ص ٦٠۔

❹ اصحاح ۳ ' فقرہ ۱۸۔

''اور تیرا رب تجھ پر، اور تیری قوم پر، اور تیرے گھر پر ایسے دن لائے گا جیسے دن ''افرایم'' کے یہوذا -ملکِ عاشور- سے اعتزال کے وقت سے اب تک نہیں آئے ہوں گے۔اس دن ایسا ہوگا کہ مصر کے آخری کونے کو مکھی کے لیے خالی کرے گا؛ اور اس شہد کی مکھی کے لیے جوارضِ آشور میں ہے؛ سووہ آئے گی۔اور یہ سب ایک وادی میں اتریں گی اس دن انسان ایک بچھڑے اور دو میمنوں -بکری کے بچے- کو پالے گا؛ اور اس وقت ان کی اکثر صناعت گری دودھ ہوگی؛ اور مکھن کھائے گا؛ بے شک جو بھی زمین میں رہے گا وہ مکھن اور شہد کھائے گا۔''[1]

یہودیوں کے ان پراگندہ خوابوں کے بیان میں تلمود بھی باقی اسفار کے ساتھ شریک ہے۔تلمود میں آیا ہے:

''جب مسیح آئے گا اس وقت زمین فطیر- ایک قسم کا کھانا- اور اُون کے کپڑے اُگلے گی؛ اور گندم جس کا دانہ بڑے بیل کے گردے کے برابر ہوگا اس دن ہر یہودی کے لیے دو ہزار آٹھ سو غلام ہوں گے جو اس کی خدمت میں لگے ہوں گے۔''[2]

مسیح منتظر کی مدتِ حکومت:

مسیح کے زمین پر باقی رہنے کی مدت میں یہودی حاخاموں میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ: وہ چالیس سال تک زمین پر رہے گا۔اور بعض کہتے ہیں: ستر سال تک۔اور بعض کہتے تین نسلوں کی عمر تک۔اور بعض کہتے کہ کائنات کے پیدا کیے جانے سے لے کر ان کے آنے تک کی مدت وہ زمین پر رہیں گے۔اور بعض حاخاموں کی رائے یہ ہے کہ ان کی حکومت ہزاروں سال رہے گی۔''[3]

مسیح منتظر کا حکومتی طریقۂ کار:

مسیح کی حکومت کا طریق کار یہ ہوگا کہ وہ جیسے سنے گا، یا دیکھے گا؛ اس کے مطابق لوگوں میں فیصلے نہیں کرے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں ایسی قدرت دیگا کہ وہ گواہی کی طرف رجوع کیے بغیر لوگوں کے درمیان

---

[1] اصحاح۷؛ فقرات ۱۷-۲۲۔

[2] ڈاکٹر روهلنك : الكنزالمرصود ص ٦٤؛ و اسرائيل و تلمود ص ٦٧۔

[3] ظفر الاسلام خان : التلمود' تاريخه وتعاليمه ص ٦٠۔

عدل کے ساتھ فیصلے کریں گے۔ مسیح کے اوصاف میں آیا ہے:

''اس میں رب کی روح حلول کر جائے گی جو کہ حکمت اور دانش کی روح ہے؛ مشورہ اور قوت کی روح؛ معرفت اور اللہ کے خوف کی روح؛ اور اس کی لذت رب کے خوف میں ہوگی۔ سو وہ اپنی آنکھوں کے دیکھے ہوئے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا؛ اور نہ ہی اپنے کانوں سے سنے ہوئے کے مطابق فیصلہ کرے گا؛ بلکہ وہ مسکینوں کے ساتھ عدل کا فیصلہ کرے گا، اور زمین کے رہنے والوں کے ساتھ انصاف کا فیصلہ کرے گا۔'' ❶

یہود کے ہاں یہ مسیح کی چند ایک صفات ہیں۔ اور جو کچھ واقعات - یہودی گمان کے مطابق - ان کے دور میں پیش آئیں گے۔ اس کے علاوہ بھی یہ موضوع بہت ہی وسیع ہے۔ جس کا احاطہ کرنے اور گہرائیوں میں جانے کے لیے اس طرح کی کتابوں کے صفحات کافی نہیں ہو سکتے۔

دوسری بحث:......رافضیوں کے ہاں مہدی منتظر

رافضیوں کے کھلے ہوئے اور نمایاں عقائد میں سے؛ جس سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں، ایک مہدی منتظر کا عقیدہ ہے۔ اس مہدی منتظر سے امامیہ شیعہ کی مراد: ''محمد بن الحسن العسکری'' ہیں؛ جنکو وہ اپنا بارہواں امام مانتے ہیں۔ اور ان پر ''الحجۃ'' لقب کا اطلاق بھی کرتے ہیں۔ اور انہیں ''القائم'' بھی کہتے ہیں۔ ❷

ان کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ مذکورہ مزعوم - امام ۲۵۵ ہجری میں پیدا ہوئے اور " سُرَّ مَنْ رأى " ❸ نامی شہر کے ایک غار میں، ۲۶۵ ہجری میں غائب ہو گئے۔ اب شیعہ لوگ آخری زمانے میں ان کے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ تا کہ وہ ان کے دشمنوں سے ان کا بدلہ لے، اور اُن کے خلاف اِن کی مدد کرے۔ ❹ آج تک رافضی اس غار کی زیارت کو جاتے ہیں، اور انہیں باہر آنے کے لیے پکارتے ہیں۔ ❺

❶ سفر اشیعاء اصحاح ۲۱، فقرہ ۲-۳۔

❷ دیکھیں: المفيد: الإرشاد ص ٣٦٣۔ الأربلي: كشف الغمة ٢/ ٤٣٧۔

❸ یہ شہر بغداد اور تکریت کے درمیان دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر تھا؛ جو بعد میں ویران ہو گیا۔ ۲۲۱ ہجری میں معتصم نے اس کی دوبارہ تعمیر کروائی۔ معجم البلدان ٣/ ١٧٣۔

❹ دیکھیں: المفيد: الإرشاد ص ٣٤٦۔ الأربلي: كشف الغمة ٢/٤٤٦۔

❺ ان کے معاصر علماء میں سے محسن العصفور کہتا ہے: ''مہدی کی زیارت کرنا ہر زمانے اور ہر جگہ میں مستحب ہے۔ اور ان کی زیارت کے وقت ان کے جلد نکلنے کی دعا کرنی چاہیے، اور اس غار پر جا کر ان کی زیارت کرنا زیادہ متاکد ہے۔ مصابيح الجنات ص ٢٥٥۔

یہ مہدی جس کا رافضی دعوی کرتے ہیں معدوم ہے، اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ سو وہ حسن عسکری جس کی طرف اس مہدی کو منسوب کرتے ہیں، اس کا انتقال ہوا تو اس نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اس کی وراثت اس کی ماں اور اس کے بھائی جعفر میں تقسیم ہوئی۔ جیسا کہ ہم ان لوگوں پر رد کرتے ہوئے اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے۔

رافضہ کے ہاں مہدی منتظر کا یہ عقیدہ کئی ایسی خرافات اور کہانیوں کو لے کر آیا جن کی کوئی عاقل تصدیق ہی نہیں کرسکتا۔ جس کی ابتداء ان کی پیدائش کے ایک اچھنبے قصہ سے ہوتی ہے۔ پھر ان کا اس غار میں داخل ہونا، اور یہ اتنی لمبی مدت غار میں رہنا۔ پھر ان کے خروج کے قصہ کے ساتھ بھی کئی ایک ایسی خرافات منسلک کردی گئی ہیں جن کی کوئی بچہ بھی تصدیق نہیں کرسکتا۔

اب میں کچھ وہ کہانیاں ذکر کروں گا جو ان کی کتابوں میں آئی ہیں ؛ اور عقیدہ مہدی؛ اور اس کی صفات، خروج کی کیفیت ؛ اور جو کچھ اس کے زمانے میں ہوگا؛ کے گرد گھومتی ہیں۔ ان روایات کو نقل کرنے کے لیے میں نے ان کی سب سے ثقہ کتابوں پر اعتماد کیا ہے۔

مہدی اولاد حسین میں سے :

رافضہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ مہدی صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہی ہوگا۔ یہ بھی اس عقیدہ کا حصہ ہے کہ آئمہ صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہی ہو سکتے ہیں۔ جب امام مہدی کو ان کے ہاں بارہواں امام سمجھا جاتا ہے، تو وہ بھی اسی عموم میں داخل ہوئے۔ اس بات کی تاکید اور تائید کے لیے میں ان کی کتابوں سے بعض روایات نقل کروں گا، جن میں اس بات کی صراحت ہے کہ امام صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہی ہو سکتے ہیں۔

شیخ الطائفہ، طوسی نے زید بن علی علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے :

> ''یہ منتظر حسین بن علی کی اولاد میں سے ہے۔ اور حسین بن علی ہی کی نسل سے ہے، اور ان کے بعد ہی آیا ہے۔''[1]

حضرت امیر المؤمنین سے روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے حسین کو دیکھا تو فرمایا:

> ''بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہوگا، جیسے اللہ نے اس کا نام سردار رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ عنقریب

[1] الغیبة ص ۱۱۵۔

اس کی صلب -اولاد- سے ایک آدمی نکالیں گے، جو تمہارے نبی کا ہم نام ہوگا۔ سو یہ مخلوق میں مشتبہ ہو جائے گا، اس وقت خلقت میں سے کچھ لوگ غفلت سے بیدار ہوں گے۔"❶

اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بے شک آپ کا گزر بنوامیہ کے ایک حلقہ پر ہوا؛ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے؛ تو آپ نے ان سے کہا:

"آگاہ رہو! اللہ کی قسم اس وقت تک دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میری اولاد میں ایسا آدمی پیدا کرے جو تم میں سے ایک ہزار کو قتل کرے گا۔ اس ہزا کے ساتھ ہزار آدمی ہوگا، اور ہر ہزار کے ساتھ ہزار آدمی۔"❷

ان کی ولادت کا قصہ:

رافضیوں کے ہاں مہدی کی ولادت کا قصہ بھی ایک بہت ہی غریب - انوکھا - قصہ ہے۔ سو مہدی جب اپنی ماں کو حمل سے ہوئے تو وہ نہیں جانتی تھی - کہ میں حمل سے ہوں -۔ اور آپ کا حمل ہونا اور ولادت صرف ایک ہی رات میں ہوئے۔

رافضیوں کی کتابوں میں بہت سی لمبی لمبی روایت ایسی آئی ہیں جن میں مذکورہ مزعوم امام مہدی کی ولادت پر روشنی ڈالی گئی ہے؛ اور جو کچھ مولود کے لیے خلاف عادت واقعات پیش آئے؛ اور اس طرح کی کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ ان ہی میں سے ایک روایت جسے صدوق نے حسن عسکری کی پھوپھی حکیمہ سے روایت کیا ہے؛ وہ کہتی ہیں:

"میرے پاس ابومحمد حسن بن علی علیہ السلام نے پیغام بھیجا اور کہا: "اے پھوپھی! آج افطار ہمارے ہاں کرنا۔ اس لیے کہ آج نصف شعبان کی رات ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ آج کی رات "حجۃ" کو ظاہر فرمائیں گے۔ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی حجت ہوں گے۔ میں نے کہا: "اس کی ماں کون ہوگی؟" کہنے لگے: نرگس۔" میں نے کہا: میں تجھ پر قربان جاؤں، اس کا کیا اثر ہوگا؟ کہا: بس بات وہی ہے جو میں کہہ چکا ہوں۔ کہتی ہیں میں ان کے پاس گئی۔ جب میں نے سلام کیا اور بیٹھ گئی وہ آہستہ سے کھنچتی ہوئی چلی آئی؛ اور مجھ سے کہنے لگی:

---

❶ المصدر السابق ص ١١٦۔

❷ الغیبة ١١٦۔

اے میری سردار! تم نے کس حال میں آج شام کی؟ میں نے کہا: نہیں بلکہ آپ میری اور میرے اہل خانہ کی سردار ہیں۔ وہ کہتی ہیں: اس نے میری بات کا انکار کیا۔ اور کہنے لگی: یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میں نے اس سے کہا: اے میری بیٹی! بے شک اللہ تعالیٰ آج کی رات تجھے ایک بیٹے سے نوازے گا، جو دنیا اور آخرت میں سردار ہوگا۔ پھر میں اپنے بستر پر چلی گئی اور سوگئی۔ پھر میں نماز فجر کے لیے بیدار ہوئی، تو وہ فجر کاذب کا وقت تھا؛ اور وہ سوئی ہوئی تھی۔ حکیمہ کہتی ہے: تو میرے دل میں شک پیدا ہوا؛ کہ اچانک ابومحمد نے چیخ کر مجھے پکارا؛ اور کہا: ''اے پھوپھی جی! جلدی مت کرنا؛ معاملہ اب قریب تر ہے۔ حکیمہ کہتی ہے:'' پھر اس نے تھوڑی دیر مجھے روکے رکھا، اور میں بھی اس کے ساتھ انتظار میں رہی۔ سو میں اپنے سردار کی ''حسن'' کی طرف متنبہ ہوئی۔ [امام نے]اس سے اپنا کپڑا اٹھایا، تو اچانک دیکھا کہ امام علیہ السلام سجدہ میں ہیں۔ اور اعضاء سجدہ زمین کو چھو رہے ہیں۔''[1]

یہ کہانی بھی ان کی بہت ساری کہانیوں کا سلسلہ ہونے کے علاوہ کچھ بھی نہیں؛ جن میں رافضیوں کے تصوراتی امام مہدی کی پیدائش کے قصے ہیں۔ میں نے یہ ایک قصہ صرف مثال کے طور پر بیان کیا ہے، اس کے علاوہ قصے کہانیاں اور بھی بہت ہیں۔

[اللہ تعالیٰ کو عبرانی میں پکارنا]:

مہدی خروج کے وقت اللہ تعالیٰ کو اس کے عبرانی نام سے پکارے گا۔

رافضی یہ گمان کرتے ہیں کہ جب مہدی ظاہر ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کو اس کے عبرانی نام سے پکارے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی پکار کو قبول کریں گے، اور ان کے ساتھیوں کو ہر جگہ سے جمع کریں گے۔

نعمانی نے کتاب الغیبۃ میں ذکر کیا ہے:

''جب امام پکار لگائے گا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے عبرانی نام سے پکارے گا۔ تو اس کے لیے اس کے تین سو تیرہ ساتھی جمع کر دیے جائیں گے۔ موسم خزاں کی طرح کا موسم ہوگا۔ یہی اولویت [ترجیح] والے لوگ ہوں گے۔ ان میں کوئی ایسا بھی ہوگا جو رات کو اپنے بستر سے نکلے گا تو صبح

[1] كمال الدين و تمام المنة ص ٤٢٤۔

کو مکہ میں ہوگا۔''❶

ہم رافضیوں سے کہتے ہیں: آپ کی اس بات سے کہ:''مہدی عبرانی زبان میں اللہ کو پکارے گا''

تم پر دو باتوں میں سے ایک لازم آتی ہے:

اول: یہ کہ عبرانی زبان اللہ تعالیٰ کو پیاری ہے، اسی لیے اسے مہدی جب پکارے گا تو اس کے عبرانی نام میں پکارے گا [دعا کرے گا]۔

دوم: یہ کہ مہدی کو اس زبان کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں آتی ہوگی۔ ❷

اگر آپ پہلے قول کو اختیار کرو گے، تو پھر آپ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف وہی چیز منسوب کر رہے ہیں جو کہ یہودی منسوب کرتے ہیں کہ یہ زبان اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ یہ ان کی بہت بڑی جرأت رندانہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایسی [من گھڑت] بات کہتے ہیں۔

اگر آپ دوسری بات اختیار کریں گے تو اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کا خیالی اور تصوراتی مہدی یہودی ہوگا۔ وہ عربی اور نبی کریم ﷺ کی نسل سے نہیں ہوگا، تو پھر اس کے بارے میں آپ کا کیا جواب ہے؟

خروجِ مہدی پر تمام رافضیوں کا ایک جگہ پر اجتماع:

''بحار الانوار'' میں ابوالحسن علیہ السلام کے ایک غلام سے روایت کیا گیا ہے، وہ کہتا ہے:

''میں نے ابوالحسن سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا:

﴿أَيْنَ مَا تَكُونُواْ يَأْتِ بِكُمُ اللّهُ جَمِيعاً﴾ (البقرة: ١٤٨)

''تم جہاں ہوں گے اللہ تم سب کو جمع کر لے گا۔''

تو آپ نے فرمایا:''اللہ کی قسم! اگر ہمارا قائم -امام مہدی- کھڑا ہوگیا تو اللہ تعالیٰ تمام ملکوں سے ہمارے شیعوں کو اس کے پاس جمع کر دے گا۔''❸

سو شیعہ سارے کے سارے زمین کے ہر کونے سے اپنے قائم کے پاس جمع ہوں گے۔ یہ اجتماع

---

❶ اس جیسی مزید کہانیاں پڑھنے کے لیے دیکھیں: كشف الغمة ٢/٤٤٦۔ وينابيع المودة : لسليمان بن ابراهيم البلخي باب الحادى والثمانون في خوارق المهدي زالكراماته التي ظهرت للناس ص ١١٨۔

❷ الغيبة للنعماني ص : ١٦٩۔ نقلاً عن احسان إلهى ظهير الشيعة والتشيع ص ٢٧١۔

❸ بحار الأنوار : للمجسلى ٥٢/ ٢٩١۔

صرف زندہ لوگوں کا ہی نہیں ہوگا، بلکہ مردوں میں بھی روح پھونکی جائے گی اور انہیں ان کی قبروں سے نکالا جائے گا اور وہ اپنے امام منتظر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جمع ہو جائیں گے۔

محمد بن الحسن حر عاملی نے ابوعبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے، بے شک ان سے پوچھا گیا:

''قائم کی بادشاہی کتنا عرصہ رہے گی؟''

آپ نے فرمایا: ''سات سال۔'' اس کے دن اور رات اتنے لمبے ہوں گے کہ ان کے شیعہ کا ایک تمہارے سنیوں کے ان دس سالوں کے برابر ہوگا۔ اور جب ان کے قائم ہونے کا وقت آئے گا تو جمادی الآخرہ کے دس دن لوگوں کے لیے بارش ہوگی۔ اور رجب کے دس دن؛ ایسی بارش ہوگی کہ خلائق نے اس جیسی بارش کبھی نہیں ہوگی۔ اس سے اللہ تعالیٰ مومنین کے گوشت اور بدن کو قبروں سے اگائیں گے۔ گویا کہ میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ ''جہینہ'' کی سمت سے بالوں سے مٹی جھاڑتے ہوئے آرہے ہیں۔'' [1]

مفضل بن عمر سے ایک دوسری روایت میں ہے، وہ کہتے ہیں:

''ہم قائم علیہ السلام کا ذکر کر رہے تھے؛ اور اپنے ان لوگوں کو یاد کر رہے تھے جو ان کے انتظار میں مر گئے۔ تو ہم سے ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا: ''جب -امام- قائم ہوگا؛ وہ مؤمنین کے پاس ان کی قبروں پر آئے گا۔ اس سے کہا جائے گا: اے انسان! بے شک آپ کا ساتھی ظاہر ہوگیا ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ اس سے جا ملیں؛ تو اس سے جا ملو۔ اور اگر اپنے رب کی کرامت میں رہنا چاہو؛ تو پھر -یہیں- رہ لو۔'' [2]

[رہا یہ مسئلہ کہ رافضی اپنے اس مزعوم امام کیساتھ کہاں پر جمع ہوں گے؟ تو روایات کے مطابق اجتماع کا یہ مقام کوفہ ہوگا؛ روایات میں ہے:]۔ رہا لوگوں کا امام مہدی کے ساتھ اجتماع تو یہ کوفہ میں ہوگا۔ بحار الانوار میں ہے:

''ابوہبیرہ کے غلام رفید سے روایت ہے، وہ ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے اس سے فرمایا: ''اے رفید! وہ وقت کیسے ہوگا جب امام قائم کے ساتھ کوفہ کی مسجد میں

---

[1] ایقاظ الهجعة ص ٢٤٩۔

[2] ایقاظ الهجعة ص ٢٧٠۔الرجعة : للأحسائی ص ١٦٤۔

اپنے خیمے نصب کریں گے؛ پھر عربوں کے لیے ایک نئی اور سخت مثال قائم کریں گے۔''❶

رافضیوں کا مہدی صحابہ کو قبروں سے نکال کر انہیں عذاب دے گا:

رافضی لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ جب ان کا مزعوم/تصوراتی امام نکلے گا، تو اس کا سب سے پہلے کام ہوگا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دونوں خلفاء حضرت ابو بکر وحضرت عمر -رضی اللہ عنہما- کو قبروں سے نکالے گا؛ پھر انہیں عذاب [سزا] دے گا، اور پھر انہیں جلا ڈالے گا۔❷

مجلسی نے بشیر بن نبال سے روایت کیا ہے، وہ ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت کرتا ہے، انہوں نے کہا:

''وہ -یعنی امام غائب- ان دونوں -ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما- کو ان تر و تازہ حالت میں قبر سے نکالے گا، پھر انہیں آگ میں جلائے گا، اور انہیں ہواؤں میں بکھیر دے گا۔ اور اس مسجد کو توڑ دے گا۔''❸

ایک دوسری لمبی روایت میں ہے، جسے مفضل نے جعفر الصادق سے نقل کیا ہے، اس میں ہے:

''مفضل نے کہا: اے میرے سردار! پھر مہدی کہاں جائے گا؟ آپ علیہ السلام نے کہا: میرے نانا رسول اللہ ﷺ کے شہر میں جائے گا، پھر کہے گا: اے لوگو! کیا یہ میرے نانا رسول اللہ ﷺ کی قبر ہے؟ لوگ کہیں گے: ہاں؛ اے مہدی آلِ محمد ﷺ! ۔ وہ کہے گا: ''پھر قبر میں یہ کون ان کے ساتھ ہے۔ وہ کہیں گے: آپ کے صحابی اور قبر کے ساتھی ابو بکر وعمر -رضی اللہ عنہما- ہیں۔ وہ کہے گا: ان کو نکالو۔ انہیں نکالا جائے گا، وہ تر و تازہ ہوں گے۔ ان کے بدن تبدیل نہیں ہوئے ہوں گے اور نہ ہی ان کا رنگ بدلا ہوگا۔ وہ ان دونوں کے کفن کھول دے گا، اور انہیں ایک خشک تنے پر لٹکانے کا حکم دے گا اور انہیں اس تنے پر پھانسی لگایا جائے گا۔''❹

نعمت اللہ الجزائری -شیخین جنابِ حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما پر لعنت کرنے کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ ان کے مذہب کی ضروریات میں سے ہے، پھر- کہتا ہے:

---

❶ بحار الأنوار: ملا باقر مجلسي ٥٢/ ٣١٨۔

❷ اس سے کچھ گمان ہونے لگا ہے کہ اس وقت تک شیعہ ہندو بھی بن جائیں گے جو وہ مردوں کو جلائیں گے۔

❸ بحار الأنوار ٥٢/ ٣٨٦۔ دلائل الإمامة ص ٢٤٢۔

❹ الرجعة للأحسائی ص ١٨٦-١٨٧۔

''اوراخبار-یعنی روایاتِ حدیث- میں اس سے بھی زیادہ غریب [اچھنبی] بات بیان ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے آقا صاحبِ زمان علیہ السلام جب ظاہر ہوگا اور مدینہ آئے گا، ان دونوں - ابوبکر وعمر- کوان کی قبروں سے نکالے گا؛ اور انہیں ان سے پہلے کے زمانہ میں ہونے ہر قسم کے ظلم کی سزا دے گا؛ جیسے ہابیل اور قابیل کے قتل کا معاملہ ہے؛ اور یوسف کو ان کے بھائیوں کی طرف سے کنوئیں میں پھینکنے کا۔ اور ابراہیم علیہ السلام کونمرود کی طرف سے آگ میں پھینکنے کا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو گھبرائے ہوئے نکالنے کا؛ اور صالح علیہ السلام کی کونچیں کاٹنے کا؛ اور آگ کی پوجا کرنے والوں کا۔ان کے لیے عذاب کی ان انواع میں وافرنصیب ہوگا۔'' ❶

ان کے گمان کے مطابق رافضی مہدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء؛ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے بہترین لوگوں کے ساتھ یہ کام کرے گا۔ رہا اس کا ام المؤمنین حضرت عائشہ -رضی اللہ عنہا- کے ساتھ سلوک [جیسے کہ رافضی گمان کرتے ہیں؛ تو اس بارے میں]؛انہوں نے عبدالرحمٰن القصیر سے روایت کی ہے؛ وہ ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کرتا ہے، انہوں نے کہا:

''اور اگر ہمارا قائم کھڑا ہوگیا، تو حمیرا -حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت- اس کے پاس لوٹائی جائے گی؛ یہاں تک کہ اسے حد میں کوڑے لگائے؛ اور یہاں تک کہ اس سے اپنی ماں فاطمہ کا انتقام لے۔ میں نے کہا: میں آپ پرقربان جاؤں! اور انہیں کس بات کی حد میں کوڑے لگائے جائیں گے؟۔ اس کے ام ابراہیم پرجھوٹ باندھنے کی وجہ سے۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کیسے اس معاملہ کو''قائم''[یعنی مہدی] کے آنے تک مؤخر کردیا؟ کہا: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا تھا اور قائم کو عذاب بنا کر بھیجے گا۔'' ❷

قریش اور عربوں کو مہدی قتل کرے گا:

رافضیوں کا مہدی بھی -ان ہی کی طرح بڑا ہی -متعصب ہوگا۔ وہ دین یا عقیدہ کی وجہ سے جنگ نہیں کرے گا؛ بلکہ وہ بعض اجناس کی وجہ سے جنگ کرے گا۔ اور جن لوگوں کو ان کا یہ تصوراتی مہدی قتل کرے گا، ان میں عرب بھی ہوں گے؛ اور بالخصوص قریش ہوں گے۔مجلسی نے ابوعبداللہ سے روایت کیا

---

❶ الأنوار النعمانية ١/ ١٤١۔

❷ الإيقاظ الهجعة ص ٢٤٤؛ بحار الأنوار ٥٢/ ٣١٤۔

ہے، وہ کہتا ہے:

''جب قائم کا خروج ہوگا تو اس کے اور عربوں کے درمیان فیصلہ تلوار سے ہی ہوگا۔'' ❶

اور ابو جعفر سے روایت ہے، وہ کہتا ہے:

''اگر لوگوں کو اس بات ک پتہ چل جائے کہ جب مہدی نکلے گا تو وہ لوگوں کو کیسے قتل کرے گا ت بہت سارے لوگ اس بات کی تمنا کرنے لگ جائیں کہ وہ اس کو دیکھیں ہی نہیں۔ صرف یہ کہ وہ -اپنی یہ جنگ- قریش سے ہی شروع کرے گا۔ ان سے تلوار کے سوا کچھ بھی قبول نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی انہیں تلوار کے علاوہ کچھ دے گا۔ یہاں تک کہ بہت سارے لوگ کہیں گے: یہ آل محمد میں سے نہیں ہے۔ اگر یہ آل محمد میں سے ہوتا تو ضرور رحم کرتا۔'' ❷

ایسے مردے بھی رافضیوں کے اس خیالی مہدی کے انتقام سے نہیں بچ پائیں گے۔ وہ انہیں ان کی قبروں سے نکالے گا، اور ان کی گردنیں مارے گا۔ مفید نے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے؛ وہ کہتا ہے:

''جب آل محمد میں سے قائم کھڑا ہوگا، تو وہ قریش کے پانچ سو لوگوں کو زندہ کرے گا، اور ان کی گردنیں مارے گا۔ پھر دوسرے پانچ سو- کیساتھ بھی ایسے ہی کرے گا-؛ ایسے وہ چھ بار کرے گا۔'' ❸

رافضیوں کا تصوراتی مہدی دو تہائی عالم کو قتل کرے گا؛ یہاں تک کہ ایک تہائی لوگ رہ جائیں۔ اور یہ ایک تہائی صرف رافضہ ہی ہوں گے۔ احسائی نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے؛ وہ کہتا ہے:

''یہ امر اس وقت تک قائم نہیں ہوگا یہاں تک کہ دو تہائی لوگوں کو ختم کر دیا جائے۔ ان سے کہا گیا: جب دو تہائی لوگ چلے جائیں گے تو باقی کیا رہے گا؟ تو انہوں نے کہا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہوتے ہو کہ وہ باقی ایک تہائی تم ہی رہو۔'' ❹

رافضیوں کے اس مہدی کی سنگ دلی کا نہ پوچھیں۔ وہ غلاموں کو بھی قتل کرے گا، اور زخمیوں کو بھی خاطر میں نہیں لائے گا۔ اور کسی کی توبہ بھی قبول نہیں کرے گا۔ محمد بن علی الکوفی سے مجلسی نے روایت کیا ہے

---

❶ بحار الأنوار ٥٢/ ٣٥٥۔ ❷ الغیبة ص ١٥٤؛ بحار الأنوار ٥٢/ ٣٥٤۔

❸ الإرشاد ص ٣٦٤۔ بحار الأنوار ٥٢/ ٣٣٨۔

❹ الرجعة: للأحسائی ص ٥١۔

وہ عبدالرحمٰن بن ابو ہاشم سے روایت کرتا ہے، وہ ابو خدیجہ سے اور وہ ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کرتا ہے، بے شک انہوں نے کہا ہے: ''بے شک علی علیہ السلام نے فرمایا:

''میں سوچتا تھا کہ غلاموں کو قتل کروں؛ اور زخمیوں کو موت کے گھاٹ اتاروں۔ لیکن میں نے یہ اپنے ساتھی کی عاقبت کے لیے چھوڑ دیا۔ اگر وہ زخمی ہو جائیں تو قتل نہیں کیے جائیں گے؛ اور قائم کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ غلاموں کو قتل کرے اور زخمیوں کو موت کے گھاٹ اتارے۔'' ❶

اور ایک روایت میں ابوجعفر سے نقل کیا گیا ہے [وہ کہتا ہے]:

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت میں نرمی کا رویہ روا رکھا۔ اور لوگوں سے میل جول رکھتے تھے۔ جب کہ قائم قتل و غارت کی راہ پر چلے گا۔ اسے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے، اس کتاب میں جو اس کے ساتھ ہے، کہ: وہ قتل و غارت کرے، اور کسی کی بھی توبہ قبول نہ کرے۔ ہلاکت ہے اس کے لیے جو اس سے دور رہا۔'' ❷

ہدم کعبہ، و مسجد حرام، و مسجد نبوی اور تمام مساجد:

جب رافضیوں کا یہ تصوراتی مہدی آئے گا تو وہ تمام مساجد کو گرا دے گا۔ کعبہ سے شروع کرے گا؛ مسجد الحرام گرائے، پھر مسجد نبوی گرائے گا یہاں تک کہ زمین پر ایک مسجد بھی ایسی باقی نہیں رہ جائے گی جسے گرایا نہ جائے۔

مفضل بن عمر سے روایت میں آیا ہے، کہ اس نے جعفر بن محمد الصادق سے مہدی اور اس کے احوال کے بارے میں کئی ایک سوالات پوچھے؛ ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا:

''اے میرے سردار! پھر وہ- مہدی - بیت اللہ کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ انہوں نے کہا: اسے توڑ دے گا، اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہنے دیگا سوائے ان بنیادوں کے جو پہلے بیت اللہ کی تھیں؛ جس کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام کے دور میں لوگوں کے لیے رکھی گئی تھی؛ اور پھر ان بنیادوں کو ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے اٹھایا تھا۔'' ❸

---

❶ الغيبة ص ١٥٣- بحار الأنوار ٥٢/ ٣٥٣- ❷ دونوں سابقہ مصدر

❸ الرجعة : للأحسائی ص ١٨٤-

اور ابوبصیر سے روایت ہے، وہ ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کرتا ہے، انہوں نے کہا:

''بے شک جب قائم ظاہر ہوگا وہ بیت اللہ کو اس کی بنیادوں پر لے جائے گا، اور مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بنیادوں پر۔ اور مسجد کوفہ کو اس کی بنیادوں پر۔''❶

ابوجعفر علیہ السلام سے روایت ہے، انہوں نے کہا ہے:

''جب قائم ظاہر ہوگا تو وہ کوفہ کی طرف جائے گا؛ اور ہاں پر چار مسجدیں گرائے گا، اور روئے زمین پر کوئی مسجد ایسی باقی نہ رہے گی جسے وہ زمین کے برابر نہ کر دے؛ اور تمام کی تمام مساجد کو گرا نہ دے۔''❷

مہدی کی نئے دین نئی کتاب اور نئے فیصلہ کی دعوت:

اس گمراہ گروہ کے دین اسلام سے نکل جانے پر جو امور دلالت کرتے ہیں وہ ان کی کتابوں میں اس بات کی صراحت ہے کہ جب ان کا خیالی مہدی آئے گا؛ وہ اس دین کے علاوہ ایک اور دین لے کر آئے گا؛ اور ان کے لیے قرآن کے علاوہ ایک اور کتاب لے کر آئے گا۔ سو اس دین سے نکل جانا ان کا اکیلا ہدف اور دیرینہ آرزو ہے۔

اس لیے وہ خود اس بات کی تمنا کرتے ہیں کہ جب ان کا مہدی آئے گا تو انہیں اس دین سے نکالے گا۔ نعمانی نے ابوجعفر سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں:

''قائم ایک نیا دین لے کر آئے گا؛ اور نئی کتاب، اور نیا فیصلہ؛ جو کہ عربوں پر بہت سخت ہوگا؛ وہ تو تلوار ہی چلائے گا؛ اور کسی سے توبہ قبول نہیں کرے گا؛ اور اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہیں کرے گا۔''❸

اور ابوجعفر سے ہی روایت ہے:

''جب ہمارا قائم ظاہر ہوگا؛ وہ ایک نئے دین کی طرف دعوت دے گا؛ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئے دین کی دعوت دی تھی۔ اور بے شک اسلام اجنبیت ہی سے شروع ہوا ہے، اور عنقریب اجنبی ہی ہو جائے گا؛ سو مبارک ہو اجنبیوں کے لیے۔''❹

---

❶ المصدر السابق ص ١٦٢۔ ❷ المفید: الإرشاد ص ٣٦٥۔
❸ الغیبة ١٥٤۔ ❹ الغیبة ص ٢٢٠۔

اور ابوعبداللہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا ہے:

''گویا کہ میں اس (امام) کی طرف دیکھ رہا ہوں اور وہ لوگوں سے اس نئی کتاب پر بیعت لے رہا ہے جو عربوں پر بہت سخت ہوگی۔ اور کہا: عرب سرکشوں کے لیے ہلاکت ہو، اس شر سے جو قریب آچکا ہے۔'' ❶

اور ابوعبداللہ سے (ہی ایک دوسری) روایت میں ہے:

''جب قائم آئے گا تو وہ ایک دوسرا دین لے کر آئے گا جو اس دین کے علاوہ ہوگا۔'' ❷

اور ایسے ہی بحار الأنوار میں عبداللہ بن عطاء سے روایت ہے؛ وہ کہتا ہے:

''میں نے ابوجعفر علیہ السلام سے سوال کیا؛ میں نے کہا:

''جب قائم آجائے گا تو لوگوں کو کس راہ پر لے کر چلے گا؟ تو انہوں نے کہا: اپنے سے پہلے کے امور کو ایسے مٹا دے گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، اور ایک نئے اسلام کی بنیاد رکھے گا۔'' ❸

رافضی مہدی کا یہودی تابوت کیساتھ شہر فتح کرنا:

جب رافضیوں کا یہ امام مزعوم نکلے گا، تو وہ اپنے ساتھ تابوت لے کر نکلے گا۔ اور اس کیساتھ وہ شہر فتح کرے گا؛ جیسے یہودیوں نے اس سے پہلے شہر فتح کیے تھے۔ اور اس تابوت ک یہودیوں میں بہت ہی مقدس مقام حاصل ہے۔ اور وہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب اس تابوت کو جنگوں میں اپنے ساتھ رکھا جائے تو شکست نہیں ہوتی۔ یہاں پر رافضیوں کا یہودیوں سے متأثر ہونا ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ احسائی نے اپنی کتاب "الــرجــعة" میں ایک لمبی روایت نقل کی ہے؛ جس میں -مذکور خیالی- امام مہدی کے خروج کے حالات لکھے ہیں، اس میں یہ بھی ہے:

''اور اللہ تعالیٰ اس تابوت کو نکالے گا جس کے متعلق ارمیا کو حکم دیا تھا کہ اسے بحیرہ طبریا ❹ میں پھینک دے۔ اس میں وہ باقیات ہیں جو آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون علیہما السلام نے چھوڑے

---

❶ الغیبة ص ١٦٧۔ ❷ الغیبة للطوسي ٢٨٣ ۔ جہاں بھی طوسی کی کتاب الغیبۃ آئے گی اس کے ساتھ طوسی لکھا ہوگا۔

❸ المجلسی : بحار الأنوار ٥٢/ ٣٥٤ ؛ النعمانی فی الغیبة ص ١٥٣۔

❹ بحیرہ طبریا دس میل لمبا اور چھ میل چوڑا ہے۔ اس کے اور بیت المقدس کے درمیان پچاس میل کا فاصلہ ہے۔ معجم البلدان للحموی ١/ ٣٥١۔

تھے۔اس میں تختیوں کا چورہ ہوگا، اور موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی ہوگی؛ اور ہارون کی علیہ السلام کی قبا ❶ ہوگی۔پینتیس (۳۵) کلو "مَنْ"اور "سلوی" کے پیس ہوں گے [وہ کھانا جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا کرتا تھا]۔جسے بنی اسرائیل نے اپنے بعد آنے والوں کے لیے ذخیرہ کرلیا تھا۔ پھروہ اس تابوت کو لے کر شہروں کو ایسے ہی فتح کرے گا جس اس سے پہلے کے لوگوں نے کیا تھا۔'' ❷

رافضی مہدی کے لیے پانی اور دودھ کے دو چشموں کا ابل پڑنا:

رافضیوں کی کتابوں میں یہ بھی ہے کہ جب تو کوفہ میں اس کے لیے پانی اور دودھ کے دو چشمے ابل پڑیں گے۔ اس نے اپنے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا وہ پتھر بھی اٹھایا ہوگا جس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے تھے۔جب بھی وہ کھانے پینے کاارادہ کرے گاوہ اسے اپنے سامنے نصب کردیگا۔مجلسی نے ابوسعید الخراسانی سے روایت کیا ہے، وہ جعفر بن محمد سے روایت کرتا ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے: انہوں نے کہا ہے:

''جب مکہ میں ''قائم'' کا خروج ہوگا''اور وہ کوفہ کی طرف کوچ کرنا چاہے گا؛ تواس کا ہرکارہ پکار لگائے گا:''خبردار!تم میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ کھانا اور پینا نہ اٹھائے۔وہ اپنے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا وہ پتھر اٹھائے گا جس سے بارہ چشمے پھوٹے تھے۔جب بھی وہ کسی جگہ پڑاؤ ڈالے گا ت اسے اپنے سامنے نصب کرلے گا، اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑیں گے۔سو جو کوئی بھوکا ہوگا، وہ اس سے سیر ہوجائے گا؛ اور جو کوئی پیاسا ہوگا وہ اس سے سیراب ہوجائے گا؛ ان کا زادِ راہ یہی ہوگا یہاں تک کہ وہ نجف پہنچ جائیں؛ کوفہ کے قریب؛جب وہ کوفہ کی بالائی طرف پڑاؤ ڈالیں گے تو اس سے ہمیشہ کے لیے دو چشمے پھوٹ پڑیں گے؛ سو جو کوئی بھوکا ہوگا وہ سیر ہوجائے گا اور جو کوئی پیاسا ہوگا وہ سیراب ہوجائے گا۔'' ❸

---

❶ قبا پہننے کا لباس ہے۔عرب کہتے ہیں: قباء الشيء: جب اسے انگلیوں سے جمع کیا جائے۔قبا کو قبا اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے کونوں کو جمع کرکے پکڑا جاتا ہے۔لسان العرب ۱۴/ ۲۸۔اگر یہی جبہ نما پکڑا نہ جائے بلکہ اسے کھلا چھوڑ دیا جائے تو اسے ''عبا'' یا پھر ''عبایا'' کہتے ہیں۔

❷ الرجعة ص ١٥٦۔

❸ بحار الأنوار ٥٢/ ٣٣٥۔

[مہدی کے دور میں قوت وصلاحیت میں اضافہ]:

اس مہدی کے دور میں رافضیوں کے ایک آدمی کی قوت چالیس آدمیوں کے برابر ہوجائے گی۔اوران کی سماعتوں اور بصارتوں کولمبا کردیا جائے گا۔

رافضی یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے مہدی کے زمانے میں ان کے اجسام بدل جائیں گے۔اوران کی سماعتوں اور بصارتوں میں قوت آجائے گی۔ان کے ایک آدمی کی قوت چالیس مردوں کے برابر ہوگی۔

کافی میں ابوربیع شامی سے روایت ہے، وہ کہتا ہے میں نے ابوعبداللہ کو کہتے ہوئے سنا:

''جب ہمارا قائم آجائے گا؛ تو اللہ عزوجل ہمارے شیعہ کی سماعتوں اور بصارتوں میں اضافہ کردیں گے۔ یہاں تک کہ ان کے اور قائم کے درمیان کوئی ڈاک کا نظام نہیں ہوگا؛ وہ ان سے بات کرے گا، وہ اس کی بات سنیں گے، اوراسے دیکھیں گے وہ اپنی جگہ پر ہوگا۔''❶

اور ''بحار الأنوار''میں علی بن حسین علیہ السلام سے روایت ہے؛ بے شک انہوں نے کہا ہے:

''جب امام مہدی نکل آئے گا؛ اللہ تعالیٰ ہمارے شیعہ سے کمزوری کو دور کردے گا؛ اور ان کے دلوں کو لوہے کی طرح مضبوط کردے گا؛ اور ان میں سے ہر آدمی کی قوت چالیس آدمیوں کے برابر ہوجائے گی؛ وہ زمین کے حکمران اور اس کے سردار - کرتا دھرتا - ہوں گے۔''❷

اوراختصاص میں ابوعبداللہ علیہ السلام سے منقول ہے:

''قائم علیہ السلام کی بادشاہی میں ہمارے شیعہ کے لیے زمین میں بڑائی (قوت) اورحکومت ہوگی؛ اوران کے ہرمرد کو چالیس مردوں کی قوت دی جائے گی۔ابوجعفرعلیہ السلام نے فرمایا:''ہمارے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا جائے گا۔جب ہمارا حکم چلے گا؛ اور ہمارا مہدی نکل آئے گا؛ ان میں سے ہرایک شیر بڑھ کر بہادر اورتلوار سے زیادہ کارگر ہوگا۔ وہ ہمارے دشمنوں کو اپنے قدموں تلے روندے گا اوراسے اپنی ہتھیلیوں سے قتل کر ڈالے گا۔''❸

---

❶ روضة الكافي: للكليني ٨/ ٢٤١۔

❷ بحار الأنوار ٥٢/ ٣١٧۔

❸ المفيدص ٨؛ بحار الأنوار ٥٢/ ٣٧٢۔

رافضی مہدی آل داؤد کا حکم نافذ کرے گا:

جب رافضیوں کا مہدی خروج کرے گا تو وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلے نہیں کرے گا، بلکہ آل داؤد کے احکام کے مطابق احکام جاری کرے گا۔ جیسا کہ اس بات کی وضاحت خود رافضیوں نے اپنی کتابوں میں کی ہے۔

کافی میں ابوعبداللہ علیہ السلام سے منقول ہے، بے شک انہوں نے فرمایا:

''دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی ؛ یہاں تک کہ مجھ سے ایک آدمی نکلے جو آلِ داؤد کے حکم پر حکمرانی کرے گا، اور کسی گواہی کے بارے میں نہیں پوچھے گا۔ اور جی کو اس کا حق دے گا۔'' [1]

بصائر الدرجات میں ہے، ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا:

''جب آلِ محمد سے قائم ظاہر ہوگا تو داؤد اور سلیمان کے حکم پر حکمرانی کرے گا، اور کسی گواہی کے بارے میں نہیں پوچھے گا۔'' [2]

رافضیوں کا مہدی وہ مہدی نہیں ہے جس کے آخری زمانے میں آنے کا اعتقاد اہلِ سنت والجماعت رکھتے ہیں۔ رافضیوں کے مہدی کی یہ اہم صفات اور سیرت اور اس کے شیعوں کے احوال بیان کرنے ؛ اور جو کچھ زمین پر رونما ہوگا، اور جو لوگ اس کے خروج کے وقت ہوں گے بیان کرنے کے بعد ایک اہم معاملہ پر تنبیہ کرنا بہت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ:

''وہ رافضی مہدی جس کی صفات کا تذکرہ ابھی گزرا وہ دوسرا مہدی ہے ؛ جس کے متعلق اہل تشیع اور رافضی گمان کرتے ہیں۔ جب کہ وہ مہدی جس کے آخری زمانہ میں خروج کا اعتقاد اہلِ سنت والجماعت رکھتے ہیں ؛ وہ دوسرا ہے، [اس کی صفات اس سے مختلف ہیں]۔

علماءِ اہلِ سنت کے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ آخری زمانے میں اہلِ بیتِ نبوت سے ایک آدمی پیدا ہوگا، جو مہدی کہلائے گا۔ اس مہدی کی اہم صفات صحیح احادیث میں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں۔

اس مہدی کا نام نبی کریم ﷺ کے نام کے موافق ہوگا۔ اور اس کے والد کا نام نبی

---

[1] أصول الكافي : ١/ ٣٩٨ ؛ بصائر الدرجات ص ٢٧٨۔

[2] بصائر الدرجات ص ٢٧٩۔

کریم ﷺ کے والد کے نام پر ہوگا، اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کرے گا کوئی بھی مردہ سنت باقی نہیں رہ جائے گی جسے وہ دوبارہ زندہ نہ کردے۔ اور تمام بدعات کو ختم کردے گا، آخری زمانے میں دین کو قائم کرے گا؛ اور دنیا پر بادشاہی کرے گا؛ اور اسے عدل و انصاف سے ایسے ہی بھر دے گا جیسے وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی۔ وہ صلیب کو توڑ ڈالے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا۔ ❶

امام مہدی کا آخری زمانہ میں تشریف لانا اہل سنت والجماعت کے نزدیک ثابت ہے۔ مہدی کی احادیث کو کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔ ان صحابہ میں: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ؛ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ؛ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ؛ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ؛ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ؛ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ؛ اور حسن بن علی رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ اور مہدی کی احادیث کبار محدثین اہل سنت نے اپنی کتب میں نقل کی ہیں، ان میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ؛ امام ابو داؤد رحمہ اللہ؛ امام ترمذي رحمہ اللہ؛ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ شامل ہیں۔ ❷

احادیث مہدی:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، بے شک آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی عرب کا بادشاہ بن جائے، اس کا نام میرے نام سے ملتا ہوگا، اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام سے ملتا ہوگا؛ وہ زمین کو ایسے عدل وانصاف سے بھر دے گا، جیسے وہ ظلم و جور سے بھر گئی تھی۔'' ❸

ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، بے شک آپ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ لوامع الأنوار للعلامة الشيخ محمد بن أحمد السفاريني ٢/ ٧٣ -٧٥۔

❷ عقيدة أهل السنة والأثر في المهدي المنتظر للشيخ عبد المحسن العباد ص ١٦٦۔

❸ رواه أبوداؤد كتاب المهدى؛ ح: ٤٢٨٤۔ وأخرجه الترمذي في كتاب الفتن' باب: ما جاء في المهدي؛ ح: ٥٤٥٢۔ وقال حديث حسن صحيح۔ قال الألباني: إسناده حسن' مشكاة المصابيح ٣/ ١٥٠١۔ و أخرجه الحاكم في المستدرك ٤/ ٥٥٧؛ من حديث عمران بن قطان وصححه على شرط مسلم؛ وتعقبه الذهبي وقال: قتادة مدلس و عنعن۔ وللحديث شواهد۔

''مہدی مجھ سے (میری نسل سے)ہی ہوگا؛ اس کی پیشانی فراخ ہوگی، اور ناک بلند ہوگی۔ زمین کوعدل وانصاف سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم وزیادتی سے بھری ہوگی۔[اور وہ سات سال تک حکومت کرے گا'']❶

ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے ہی مہدی کے قصہ میں روایت ہے، بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سواس کے پاس ایک آدمی آئے گا اور کہے گا: اے مہدی! مجھے دو؛ مجھے دو۔ فرمایا: وہ لپیں بھر کر اس کے کپڑے میں ڈالے گا، وہ اس کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھے گا۔''❷

مذکورہ بالا احادیث اور ان کے علاوہ امام مہدی کے بارہ میں وہ احادیث جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں؛ جو کہ اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ کی ترجمانی کرتی ہیں۔ اس لیے کہ اہلِ سنت والجماعت اپنا عقیدہ کتاب وسنت سے ہی اخذ کرتے ہیں۔ اس بنا پر جو کچھ قرآنِ کریم میں آیا ہے، یا جو کچھ صحیح سند کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہی اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، جس سے ذرا بھر بھی وہ ادھر ادھر نہیں ہٹتے۔ جیسا کہ ان کی قدیم اور جدید کتب میں صراحت موجود ہے۔

اگر ہم امام مہدی اور ان کی صفات کے بارے میں جو کچھ رافضیوں کی کتابوں میں وارد ہوا ہے، اس کا مقارنہ اہلِ سنت والجماعت کے ہاں امام مہدی کی صفات میں وارد صحیح احادیث سے کریں تو پتہ چلے گا کہ رافضی امام مہدی اور اہلِ سنت والجماعت کے (سنی) امام مہدی کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

اس فرق کے بارے میں قدیم اور جدید ہر دور کے علماء متنبہ کرتے رہے ہیں۔ اور انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ رافضیوں کا امام مہدی؛ جس کے وہ دعویدار ہیں؛ وہ وہ امام مہدی نہیں ہے جس کی صفات صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔

اس بارے میں ذیل میں ہم اہلِ سنت والجماعت علماء کے اقوال پیش کرتے ہیں:

امام ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب " المنار المنیف " کی اس فصل میں جو انہوں نے امام مہدی کے متعلق احادیث اور لوگوں کے اقوال کے لیے خاص کی ہے، فرماتے ہیں:

---

❶ رواه أبوداؤد كتاب المهدى؛ ح: ٤٢٨٥۔ قال ابن القيم: إسناده جيد؛ المنار المنيف (تحقيق محمود استنبولي)؛ ص ١٤١۔ قال الألباني : إسناده حسن ' مشكاة المصابيح ٣/ ١٥٠١۔ ح : ٥٤٥٤۔

❷ وأخرجه الترمذي في كتاب الفتن ' باب : ما جاء في المهدي؛ ح: ٥٤٥٥۔ وقال حديث حسن صحيح۔

''تیسرا قول (اس بارے میں یہ ہے کہ): وہ اہل بیت النبی ﷺ میں سے ؛ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوگا۔ وہ آخری زمانہ میں تشریف لائے گا ؛ اس وقت زمین ظلم و زیادتی سے بھری ہوگی ؛ وہ اسے عدل و انصاف سے بھر دے گا، اکثر احادیث اسی پر دلالت کرتی ہیں۔''

اس کے امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہونے میں ایک باریک راز ہے۔ وہ یہ کہ حضرت نے صرف اللہ کی رضا کے لیے خلافت سے تنازل کر لیا تھا۔تو اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں ایسا آدمی پیدا کرے گا جو حق کے ساتھ خلافت قائم کرے گا۔ جس میں ایسا حق ہوگا جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔اور اللہ تعالیٰ کی اس کے بندوں میں یہی سنت ہے کہ جو کوئی اس کے لیے کوئی چیز ترک کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اور اس کی اولاد کو اس سے بہتر عطا کرتے ہیں۔ یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے معاملہ کے الٹ ہے۔ انہوں نے خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی ؛ اور اس کے لیے انہوں نے قتال کیا، [اور ظاہری طور پر] اس میں کامیاب نہیں ہو سکے [اور شہید ہو گئے]۔واللہ اعلم۔

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں :

''رہے رافضہ امامیہ ان کا چوتھا قول ہے۔ وہ یہ کہ مہدی محمد بن حسن عسکری ہوگا، حسین بن علی کی نسل سے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے ؛ نہ کہ حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے۔ جو شہروں میں تو حاضر ہے، مگر نظروں سے غائب ہے۔ جس نے لاٹھی وراثت میں پائی ہے، اور چاندی کی انگوٹھی پہنی ہوئی ہے۔ ابھی وہ چھوٹا تھا کہ سامراء کے غار میں داخل ہو گیا۔ اس وقت سے لے کر اب تک پانچ سو سال [1] (اب تقریباً بارہ سو سال) سے زیادہ ہو گئے ہیں، اسے پھر دوبارہ نہ ہی کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی اس کی خبر محسوس کی گئی۔ وہ برابر اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ ہر دن گھوڑا لے کر غار کے دھانے پر کھڑے ہوتے ہیں، اور چیخ کر پکارتے ہیں کہ وہ ان کی طرف نکل آئے ؛ : اے ہمارے آقا ! نکل آیئے۔ پھر ناکام و نامراد واپس لوٹتے ہیں۔ یہی ان کی بھی عادت ہے، اور ان کے امام کی بھی۔ کسی نے بہت خوب کہا ہے :

''اس غار کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اس انسان کو پیدا کرے جس سے تم اپنی جہالت

[1] یہ پانچ سو سال علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے زمانے میں ہوئے تھے۔

کی وجہ سے ہم کلام ہوتے ہو۔تمہاری عقلوں پر پردے پڑ چکے ہیں، تمہارے عقل بچوں کی طرح ہیں، یا پرندوں کی طرح۔'' ❶

یہ لوگ اب بنی آدم پر عار اور ٹھٹھہ بن چکے ہیں۔جن کا ہر عاقل انسان مذاق اڑاتا ہے۔''

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الفتن والملاحم'' میں فرماتے ہیں:

''فصل: مہدی کے تذکرہ میں جو آخری زمانے میں آئے گا؛ وہ ہدایت یافتہ خلفاء اور ہدایت یافتہ آئمہ میں سے ایک ہوگا؛ اور یہ وہ مہدی نہیں ہے جس کے متعلق رافضی تصورات میں کھو گئے ہیں۔اور سامراء کے غار سے اس کے ظاہر ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔اس لیے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں، اور نہ ہی اس کا کوئی وجود یا نام ونشان ہے۔اور گمان کرتے ہیں کہ یہ محمد بن حسن عسکری ہے؛ اور یہ غار میں اس وقت داخل ہوگیا جب اس کی عمر صرف پانچ برس تھی۔'' ❷

ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں:

''مہدی نکلیں گے۔اور ان کا خروج بلادِ مشرق میں ہوگا۔نہ کہ سامراء کے غار سے جیسا کہ جاہلی رافضی گمان کرتے ہیں؛ کہ اب بھی وہ اس غار میں موجود ہے۔اور وہ آخری زمانے میں اس کے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔یہ بھی ایک قسم کا رندانہ کلام ہے، اور شیطان کی جانب سے ان کی ذلت اور رسوائی کی ایک بہت بڑی قسط ہے۔کیونکہ- اس امام کے وجود پر- کوئی دلیل نہیں ہے، نہ ہی اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے؛ نہ ہی کوئی صحیح معقول بات ہے، اور نہ ہی استحسان۔'' ❸

علامہ سفارینی رحمۃ اللہ علیہ ''لوامع الأنوار'' میں امام مہدی کے بارہ میں اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رہا شیعہ کا یہ گمان کہ اس کا نام محمد بن حسن ہے؛ اور وہی محمد بن حسن عسکری ہے، یہ ان کی ایک بہکی ہوئی بات ہے۔اس لیے کہ محمد بن حسن کا انتقال ہوگیا تھا، اور اس کے باپ حسن کی

---

❶ المنار المنیف ص ۱۵۲۔ ❷ الفتن و الملاحم ۱/ ۲۴-۲۵۔
❸ الفتن و الملاحم ۱/ ۲۹۔

میراث اس کے چچا جعفر نے لی تھی۔''❶

شیخ خالد محمد بن علی الحاج امام مہدی کے آخری زمانے میں آنے پر دلیل بعض صحیح احادیث ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''یہ بات قابل بیان ہے کہ یہ احادیث شریفہ ہمارے لیے کھلے طور پر امام مہدی کی بعض صفات ظاہر کرتی ہیں۔ جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے۔ یہ شیعوں کے مزعوم امام مہدی کے خلاف ہیں؛ ان صفات میں سے ہم یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ: اس مہدی کا نام اور اس کے باپ کا نام ہمارے نبی کریم ﷺ نام اور آپ ﷺ کے والد کے نام کے موافق ہوگا۔ اور وہ اپنی بعض اخلاقی اور فعلی صورتوں میں بھی نبی کریم ﷺ سے مشابہ ہوگا۔

رہا امامیہ شیعہ کے ہاں مہدی؛ تو وہ محمد بن حسن عسکری ہے۔ یہاں سے یہ بات ہمارے لیے واضح ہوجاتی ہے کہ اس کے باپ کا نام نبی کریم ﷺ کے والد کے نام سے نہیں ملتا۔ جیسا کہ سنت مطہرہ اس پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ثقہ تاریخ ہم سے یہی کہتی ہے کہ حسن عسکری نے اپنے پیچھے کوئی بیٹا نہیں چھوڑا۔ مختصر طور پر شیعہ کے دعوی کی کوئی سند نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسے معتبر علماء میں سے کسی ایک نے نقل کیا ہے۔ اور نہ ہی اس کا صحیح ہونا ثابت ہے۔ ہاں جب عقل نہ رہے تو پھر ہر چیز جائز ہے۔''❷

شیخ عبدالمحسن العباد حفظہ اللہ اپنی کتاب: "عقيدة أهل السنة و الأثر في المهدى المنتظر" کے اختتامی کلمہ میں؛ جس کا انہوں نے عنوان رکھا ہے: ''آخری کلمہ اس بیان میں کہ اہل سنت والجماعت کے مہدی کے بارہ میں عقیدہ کا شیعہ کے عقیدہء مہدی سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ [مذکورہ عنوان میں] فرماتے ہیں:

''بے شک مہدی کے بارے میں احادیث بہت زیادہ ہیں، جنہیں مؤلفین نے قلم بند کیا ہے۔ اور علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ احادیث متواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اور

---

❶ لوامع الأنوار ۲/ ۷۱۔

❷ الكشاف الفريد عن معاول الهدم و نقائض التوحيد ۱/ ۱۲۳-۱۲۴۔

اہل سنت و الجماعت اور دوسرے لوگوں اشاعرہ [ماترید یہ وغیرہ] کا عقیدہ بھی ان ہی احادیث کے موجب ہے۔ جو کہ ایک ثابت حقیقت پر بغیر کسی شک وشبہ کے دلالت کرتی ہیں؛ اور جن کا حاصل مقتضا آخر زمان میں ہوگا۔ اور اہل سنت والجماعت کے ہاں اس ثابت شدہ حقیقت کا شیعہ کے عقیدہ سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے کہ شیعہ جس مہدی کے خروج کا انتظار کررہے ہیں وہ محمد بن حسن عسکری، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے؛ جس کی نہ ہی کوئی حقیقت ہے اور نہ ہی کوئی اصل۔ امام مہدی کے بارے میں ان کا عقیدہ اصل میں ایک وہمی عقیدہ ہے۔ جیسا کہ ان کے ہاں گزرے ہوئے آئمہ کی امامت کا عقیدہ حقیقت میں ایک وہمی عقیدہ ہے؛ جس کی نہ ہی کوئی اصل ہے اور نہ ہی حقیقت اور وجود۔ سوائے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی امامت اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی امامت کے۔ اور یہ لوگ ان شیعہ سے اور ان کے عقائد سے بغیر کسی شک وشبہ کے بری ہیں۔''[1]

جو کچھ علماء -اہل سنت و الجماعت- نے ذکر کیا ہے، اس کی تائید کرتے ہوئے کہ: ''اہل سنت والجماعت کے مہدی اور شیعہ کے مہدی کے درمیان آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے؛ اور نہ ہی ان کا آپس میں کوئی ربط و بندھن ہے؛ اب میں چند وہ فرق ذکر کروں گا جو سچے اور برحق امام مہدی اور جھوٹے تصوراتی اور گمراہ مہدی کے درمیان ہیں۔ یہ وہ نتیجہ ہے جس تک میں صحیح احادیث میں وارد دلائل؛ جو اہل سنت کے ہاں مہدی کی صفات بیان کرتی ہیں؛ اور جو کچھ رافضیوں کی کتابوں میں ان کے تصوراتی مہدی کے بارے میں آیا ہے، ان میں سے اہم فرق:

۱۔ یہ کہ اہل سنت والجماعت کے ہاں مہدی کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا، اس کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہوگا؛ اور اس کے والد کا نام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے نام کے موافق ہوگا۔ رہا رافضیوں کا مہدی، تو اس کا نام محمد بن حسن عسکری ہے۔

۲۔ اہل سنت کے ہاں مہدی حضرتِ امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوگا، اور رافضیہ کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوگا۔

۳۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک امام مہدی پیدا ہوگا اور نارمل طبیعی زندگی گزارے گا؛ اور احادیث

[1] عقيدة أهل السنة و الأثر في المهدي المنتظر ۲۲۱۔

میں کوئی ایسی بات وارد نہیں ہوئی جو لوگوں سے ہٹ کر ان کسی امتیازی وصف کو بیان کرتی ہو۔ جب کہ رافضیوں کا مہدی اس کی ولادت اور حمل کی مدت ایک ہی رات میں مکمل ہوگئی اور جب وہ غار میں داخل ہوگیا، اس وقت اس کی عمر پانچ سال تھی ؛ اور اب تک تقریباً بارہ سو سال ہونے کو ہیں اور وہ غار میں ہی ہے۔

۴۔ اہل سنت والجماعت کے ہاں مہدی اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کے لیے نکلے گا، اور ان کی کسی جنس میں کوئی فرق نہیں کرے گا۔ جب کہ رافضیوں کا امام مہدی وہ صرف رافضیوں کی نصرت کے لیے نکلے گا، اور ان کے دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے۔ وہ عرب اور قریش کو ناپسند کرتا ہوگا، اور انہیں تلوار کے علاوہ کچھ بھی نہیں دے گا۔اور اس کی اتباع کرنے والوں میں کوئی عربی نہیں ہوگا۔جیسا کہ ان کی روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔

۵۔ اہل سنت و الجماعت کا مہدی نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام سے محبت کرے گا، اور ان کے لیے رحمت کی دعا کرے گا، اور ان کے طریقہ کار کو مضبوطی سے پکڑے رہے گا۔ اور وہ امہات المؤمنین سے بھی محبت کرے گا، اور ان کے بارے میں اچھے اور تعریفی خیر کے کلمات کہے گا۔

جب کہ رافضیوں کا مہدی نبی کریم ﷺ کے صحابہ سے بغض رکھے گا ؛ وہ انہیں قبروں سے نکالے گا اور انہیں عذاب دے گا ؛ پھر –ان کے بیہودہ گمان کے مطابق – انہیں جلا دے گا۔اور وہ امہات المؤمنین سے بھی بغض رکھتا ہوگا، اور نبی کریم ﷺ کی سب سے پیاری بیوی پر حد جاری کرے گا، یعنی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر۔ –جیسا کہ یہ لوگ خیال کرتے ہیں –۔

۶۔ اہل سنت والجماعت کا مہدی سنت پر عمل پیرا ہوگا، اور ہر ایک سنت کو زندہ کرے گا۔اور کوئی بدعت باقی نہیں چھوڑے گا ؛ اسے مٹا دے گا۔ جب کہ رافضیوں کا مہدی ایک نئے دین اور نئی کتاب کی طرف دعوت دے گا۔

۷۔ اہل سنت والجماعت کا مہدی مساجد قائم کرے گا اور انہیں آباد کرے گا۔ جب کہ رافضیوں کا مہدی مساجد کو گرائے گا اور ویران کرے گا ؛ وہ مسجد الحرام کو مٹائے گا، اور کعبہ کو گرائے گا، اور مسجدِ نبوی کو گرائے گا، اور روئے زمین پر کوئی ایک مسجد باقی نہیں رہے گی۔ جیسا کہ ان کی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ آیا ہے۔

۸۔ اہل سنت کا مہدی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلے کرے گا اور حکم چلائے گا۔ جب کہ رافضیوں کا مہدی آلِ داؤد کے حکم کے مطابق حکم چلائے گا۔

۹۔ اہل سنت کا مہدی مشرق کی طرف سے آئے گا۔ جب کہ رافضیوں کا مہدی سامراء کے پہاڑ کے غار سے نکلے گا۔

۱۰۔ یہ کہ اہل سنت والجماعت کا مہدی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جس پر نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث اور قدیم اور جدید ہر دور کے علماء کے اقوالا دلالت کرتے ہیں۔ جب کہ رافضیوں کا امام مہدی اوہاموں میں سے ایک وہم ہے؛ جو ابھی تک نہیں نکلا اور قیامت تک نہیں نکلے گا۔

تیسری بحث:...... مسیح اور مہدی کے عقیدہ میں رافضی اور یہودی مشابہت

یہودیوں کے ہاں مسیح منتظر کی صفات میں غور وفکر کرنے والے اور رافضیوں کے ہاں مہدی منتظر کی صفات میں غور وفکر کرنے والے پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہودیوں کے مسیح اور رافضیوں کے مہدی کے درمیان بہت بڑی مشابہت ہے، جیسا کہ ہم پچھلی دو بحثوں میں یہودی اور رافضی [ثقہ کتب سے] نصوص بیان کر چکے ہیں۔ امکانی طور پر ان مشابہات کو بطور خلاصہ ان نقاط میں پیش کیا جاتا ہے:

اول...... جب یہودیوں کا مسیح منتظر واپس آئے گا تو جہاں بھر میں بکھرے ہوئے یہود کو آپس میں ملائے گا؛ اور ان کے اجتماع کی جگہ ان کا مقدس شہر ''القدس'' ہوگا۔

اور جب رافضیوں کا مہدی نکلے گا تو سارے جہاں کے رافضی اس کے پاس جمع ہو جائیں گے۔ اور ان کے اجتماع کی جگہ رافضیوں کا مقدس شہر کوفہ ہوگا۔

دوم...... جب یہودیوں کا مسیح آئے گا تو اس وقت یہودیوں کو ان کی قبروں میں زندہ کیا جائے گا، اور باہر نکالا جائے گا تا کہ وہ مسیح کے لشکر میں شامل ہو جائیں۔

اور جب رافضیوں کا مہدی آئے گا تو رافضی مردوں کو زندہ کرے گا؛ اور انہیں قبروں سے نکال لائے گا، تا کہ وہ مہدی کے لشکر میں شامل ہو سکیں۔

سوم...... جب یہودیوں کا مسیح منتظر آئے گا، تو گنہگاروں کے جسم نکالے گا تا کہ یہودی ان کو سزا دینے کے منظر کا مشاہدہ کر سکیں۔

اور جب رافضیوں کا مہدی منتظر آئے گا، تو نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو قبروں سے نکالے گا، اور انہیں عذاب دے گا۔

چھارم...... یہودیوں کا مسیح تمام ظلم کرنے والوں کے خلاف عدالت لگائے گا، اور ان سے بدلہ لے گا۔

رافضیوں کا مہدی بھی رافضیوں پر ظلم کرنے والوں کے خلاف عدالت لگائے گا اور ان سے رافضیوں پر ظلم کا بدلہ لے گا۔

پنجم...... یہودیوں کا مسیح دو تہائی عالم کو قتل کرے گا۔

رافضیوں کا مہدی بھی دو تہائی عالم کو قتل کرے گا۔

ششم...... جب یہودی مسیح آئے گا تو یہودیوں کے جسم بدل جائیں گے، ان میں سے ایک آدمی کی قامت دو سو ہاتھ ہو جائے گی۔ اور ایسے ہی ان کی عمریں بھی بڑی ہو جائیں گی۔

جب رافضی مہدی آئے گا تو اس وقت رافضیوں کے جسم بدل جائیں گے، اور ان میں ہر ایک آدمی کو چالیس مردوں کی قوت دی جائے گی۔ وہ لوگوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالے گا، اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ ان کی ساعتوں اور نظروں کو بھی پھیلا دے گا۔

ھفتم ...... یہودی مسیح کے دور میں یہودیوں کے ہاں خیرات بڑھ جائے گی [مال و دولت کی فراوانی ہوگی]۔ اس وقت پہاڑوں سے دودھ اور شہد کے چشمے پھوٹ پڑیں گے۔ اور زمین اون کے کپڑے اور کھانے اگلے گی۔

ایسے ہی رافضی مہدی کے دور میں رافضیوں کے ہاں مال و دولت کی کثرت ہوگی۔ اور کوفہ میں دو نہریں بہہ پڑیں گی ایک پانی کی نہر اور دوسری دودھ کی۔ جس سے صرف رافضی ہی پئیں گے۔

ھشتم ...... یہودی مسیح کا [حقیقت میں] کوئی وجود نہیں ہے، وہ معدوم ہے۔ [یہودی بد بخت خواہ مخواہ انتظار کر رہے ہیں]۔ ایسے ہی حال رافضی مہدی کا بھی ہے۔

یہ یہودی مسیح اور رافضی مہدی کے درمیان مشابہت کی وجوہات ہیں۔ اس کے علاوہ جو بات یہودی اور رافضی تعلق کی تائید کرتی ہے، وہ ان کے اپنے اعترافات ہیں، جو کہ بذیل ہیں:

۱۔ جب رافضی مہدی نکلے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس کے عبرانی نام میں پکارے گا۔

۲ وہ یہودی تابوت لے کر شہروں کو فتح کرے گا، موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی نکال لائے گا۔ اور پینتیس کلومن و

سلویٰ بھی نکالے گا۔اور موسیٰ علیہ السلام کا وہ پتھر بھی نکال لائے گا جس سے بارہ چشمے پھوٹے تھے۔

۳ وہ آل داؤد کے حکم کے مطابق حکمرانی کرے گا۔

آخر میں میں یہ بات کہتا ہوں: ''رافضی مہدی کا اللہ تعالیٰ کو عبرانی زبان میں پکارنا، اور پھر یہودی ورثہ نکالنا؛ جیسے تابوت؛ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی؛ اور من وسلویٰ نکالنا، پھر آل داؤد کی شریعت کے مطابق حکم چلانا؛ اور پھر ان تمام کے ساتھ یہ کہ وہ کعبہ؛ مسجد الحرام؛ اور مسجد نبوی کو گرانا، اور پھر نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کو قبروں سے نکال کر بہت سخت قسم کی سزا دینا۔کیا یہ تمام باتیں ان لوگوں کی اسلام اور اہل اسلام سے برأت پر دلیل نہیں ہیں۔کیا ان کا یہ بیان ہر اس چیز سے ان کے بغض ونفرت کو ظاہر کرنے کے لیے کافی نہیں ہے جس کا اسلام یا مسلمانوں سے کوئی تعلق ہے۔اس کے ساتھ کہ ہر وہ چیز جس کا یہودیوں سے کوئی تعلق ہو اس سے محبت اور مشابہت ان کی رگ رگ میں رچی بسی ہے۔

چوتھی بحث:...... یہود کے مسیح منتظر اور رافضہ کے مہدی منتظر کے متعلق عقیدہ پر ردّ

اولاً: یہودیوں پر رد:

یہودیوں کا مسیح منتظر کا دعویٰ ایک باطل دعویٰ ہے۔وہ مسیح جس کی بشارتیں ان کی کتابوں میں ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا، مگر یہودیوں نے ان کی اتباع نہیں کی۔بلکہ انہیں جھٹلایا، اور انہیں مرتد اور مجنون کہا۔

سموال رحمہ اللہ فرماتے ہیں -اپنے وقت میں یہودیوں کے سب سے بڑے عالم تھے، بعد میں مسلمان ہو گئے-: ''انبیاء کرام علیہم السلام نے اس کے لیے مثالیں بھی بیان کیں؛ اور اشارے بھی دیے کہ مسیح علیہ السلام کے دین اور اہل ملت کی جلالت کے سامنے جبارین جھک جائیں گے۔اور ان کے ایک عظیم نسخ لے کر آنے کی طرف -بھی اشارہ کیا ہے-۔ان ہی میں سے یشعیا کا اپنی نبوت میں قول بھی ہے کہ: ''بے شک -اس وقت- بھیڑیا اور بکری اکٹھے چریں گے۔اور اکٹھے ٹیلوں پر رہیں گے۔اور ان گائے اور ریچھ اکٹھے چریں گے۔اور شیر گائے کی طرح گھاس کھائے گا۔''[1] یہ لوگ ان مثالوں سے ان کے عقلی معانی کو

[1] یہ نصوص ''سفر اشعیا' اصحاح ۱۱' فقرات ٦-٨ میں وارد ہوئی ہیں۔

چھوڑ کر صرف ان کی حسی صورتیں ہی سمجھے۔تو اس وجہ سے مسیح کی بعثت کے وقت ان پر ایمان لانے سے مکر گئے۔اور اس بات کا انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ شیر گھاس کھانے لگے۔اس وقت ان کے ہاں مسیح کی علامات صحیح ثابت ہوں گی۔''❶

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تینوں امتیں مسیح علیہ السلام سے متعلق اخبار پر متفق ہیں کہ وہ مسیح ہدایت داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہوگا۔اور گمراہی کا مسیح، اس کے متعلق بھی اتفاق ہے کہ گمراہی پھیلانے والا مسیح ابھی تک نہیں آیا۔اور وہ عنقریب آئے گا۔اور مسیح ہدایت کے آنے پر بھی متفق ہیں۔مسلمان اور عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ مسیح ہدایت حضرت عیسی علیہ السلام بن مریم ہیں۔اور یہودی اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ مسیح عیسی ابن مریم علیہ السلام ہوں؛ اس کے باوجود کہ وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت عیسی بن مریم جناب حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔وہ کہتے ہیں: اس لیے کہ جس مسیح کی بشارت دی گئی ہے، اس پر تمام امتیں ایمان لائیں گی۔اور وہ یہ گمان کرنے لگے کہ: مسیح [عیسی بن مریم] صرف نصرانیت دے کر بھیجے گئے ہیں۔اور اس دین کا باطل ہونا ظاہر ہے۔اس لیے جب گمراہی پھیلانے والا مسیح نکلے گا تو اس کی اتباع کریں گے۔اور اس کے ساتھ اصفہان کے ستر ہزار یہودی ہوں گے۔''❷

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہودی کتابوں میں مسیح علیہ السلام کے ظاہر ہونے کی جو بشارات آئی ہیں، بے شک ان سے مقصود عیسی بن مریم علیہ السلام تھے۔مگر یہودی ان مثالوں کو نہ سمجھ سکے جو ان کے انبیاء نے ان کے سامنے بیان کی تھیں؛ سوائے ان کے حسی معانی کے۔اور ان کے عقلی معانی سے غافل رہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسیح عیسی بن مریم سے انہوں نے دشمنی اپنا لی؛ اور ان کا شمار کافروں اور مرتدوں میں کرنے لگے، اور ان کی والدہ محترمہ پر بھی طرح طرح کے بیہودہ الزامات دھرے۔

ذیل میں کچھ وہ مثالیں دی جارہی ہیں جو یہودی حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ پر الزامات دھرتے ہیں۔

---

❶ افحام الیھود ص ۱۲۶-۱۲۷۔

❷ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ۳/ ۳۲۴۔

تلمود میں ہے: ''بے شک مسیح جادوگر اور بت پرست تھا۔''❶
ایک دوسری جگہ میں لکھا ہے: ''بے شک مسیح پاگل تھا''❷
یہودی دوریش ان کے متعلق کہتے ہیں: ''وہ کافر تھا، اللہ تعالیٰ کو جانتا ہی نہیں تھا۔''❸
نیز ان کے متعلق یہ بھی کہا ہے کہ: ''وہ مرتد یہودی ہے''❹
تلمود میں ایک بڑے یہودی ''میانموذ'' سے منقول ہے:

''وہ مسیحی جو یسوع کی گمراہیوں کی پیروی کرتے ہیں، وہ بت پرست ہیں۔ ان کے ساتھ ایسے ہی معاملہ کرنا لازم ہے جیسے بت پرستوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور ان دونوں کی تعلیمات میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔''❺

اور اسی یہودی عالم-درویش- سے یہ بھی روایت ہے کہ:

''لازم ہے کہ انسان اپنے ہاتھوں سے کافروں کو قتل کر ڈالے۔ جیسے یسوع ناصری اور اس کے پیروکار، اور انہیں ہلاکتوں کے گڑھے میں ڈال دے۔''❻

یہودیوں نے مسیح علیہ السلام کی تکفیر پر؛ اور انہیں مرتد؛ پاگل، جادوگر کہنے پر ہی اکتفاء نہیں کیا؛ بلکہ ان کے نسب میں بھی طعنے لگائے۔ اور ظلم سے جھوٹ باندھتے ہوئے کہنے لگے: ''ان کی ماں نے انہیں زنا سے حاصل کیا ہے۔ ان کے نزدیک حضرت مسیح ناجائز اولاد ہیں۔ تلمود میں ہے:

''بے شک یسوع ناصری آگ اور شعلوں کے درمیان جہنم کی کھائیوں میں موجود ہے۔ اس کی ماں اسے غلط طریقہ سے ایک فوجی ''پان دار'' سے لے کر آئی۔''❼

---

❶ ڈاکٹر روهلنج / الكنز المرصود ص: ۹۹۔
❷ ڈاکٹر روهلنج / الكنز المرصود ص: ۹۹۔
❸ ڈاکٹر روهلنج / الكنز المرصود ص: ۹۹۔
❹ ڈاکٹر روهلنج / الكنز المرصود ص: ۱۰۰۔
❺ ڈاکٹر روهلنج / الكنز المرصود ص: ۹۹۔
❻ ڈاکٹر روهلنج / الكنز المرصود ص: ۱۰۱۔
❼ اليهود مغضوب عليهم: محمد بن عبد العزيز المنصور ص: ۴۹۔ عبد الله تل: خطر اليهودية العالمية على الإسلام و المسيحية۔'' ص ۳۷۔

یہ وہ تھا جو کچھ تلمود میں آیا ہے، اور عیسی بن مریم علیہ السلام کے بارے میں ان کے پرانے یہودی علماء کی آراء کی ترجمانی کرتا ہے۔ آج کل کے یہود تو مسیح عیسی بن مریم علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کے بارے میں ان کا بغض وحسد اس انتہاء کو پہنچا ہوا ہے جہاں ان کے اسلاف کا بغض نہیں پہنچ سکا۔ اس کا اظہار ان کی اس تالیف سے ہوتا ہے جس کا نام انہوں نے رکھا ہے:

" التجربة الأخيرة للمسيح " [مسیح کے لیے آخری تجربہ]۔ اس کتاب کو نشر کرنے اور لوگوں میں تقسیم کرنے کا بیڑا '' دار سیمون وشوستر '' نیو یارک ؛ نے اپنے کندھوں پر اٹھایا۔

اس کتاب کو پڑھنے والے محققین اور ریسرچ سکالرز کا کہنا ہے : '' سیکس پر لکھی ہوئی سب سے بدترین اور گندی کتاب ہے۔'' اور اس میں جتنی بھی سیکس کی سٹوریاں لکھی گئی ہیں، انہیں ان ظالموں نے حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔

اس کتاب کا مؤلف ص ۴۵۰ پر '' مجدلیہ '' ❶ کی کہانی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> '' یسوع نے اسے پکڑ لیا، اور اس کے منہ پر ایک گرم بوسہ دیا ؛ ان کا رنگ بدل گیا ؛ اور ان دونوں کے گھٹنے مڑ گئے۔ اور وہ دونوں لیمون کے درخت کے نیچے گر گئے۔ اور زمین پر لڑھکنے لگے...... '' ❷

اور صفحہ نمبر ۴۸۲ پر مؤلف کہتا ہے:

> '' جب صلیب سے اس کا سامنا ہوا، تو مسیح ناکارہ گر گیا، اور اس پر بیہوشی طاری ہوگئی۔ اسے ان عورتوں نے پکڑ لیا جو وہاں پر موجود تھیں، اور اسے لٹا دیا تو وہ ان کے ساتھ ہم بستری کرے ؛ اور وہ بچے پیدا کریں۔'' ❸

اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول جناب سیدنا حضرت عیسی بن مریم علیه وعلى نبينا أفضل الصلوات و التسليم ؛ اور ان کی والدہ محترمہ عفیفہ، طاہرہ، طیبہ مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا کے بارے میں

❶ مجدلیہ کا اصلی نام مریم ہے۔ اس کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ یہ لڑکی حضرت مسیح علیہ السلام کی خالہ زاد بہن تھی۔ اور ان کی آپس میں محبت ہوگئی تھی۔ اور ان کی طرف منسوب کر کے بہت ساری جنسی کہانیاں لکھی گئی ہیں۔ دیکھو: التجربة الأخيرة للمسيح ص ٢٥-٨٦، بواسطة " اليهود مغضوب عليهم " ص ٤٦-٤٧۔

❷ التجربة الأخيرة للمسيح " بواسطة " اليهود مغضوب عليهم " ص ٤٧۔

❸ المصدر السابق۔

اللہ تعالیٰ کی سب سے شریر مخلوق کے خیالات و آراء ہیں۔قرآن کریم نے ان دونوں مبارک ہستیوں کے بارے میں یہودیوں کی افترأت پر بہت خوبصورت رد کیا ہے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَى مَرْيَمَ بُهْتَاناً عَظِيماً﴾ (النساء: ١٥٦)

''اوران کے کفر کےسبب اور مریم پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ﴾ (التحريم: ١٢)

''اور (دوسری) عمران کی بیٹی مریم جنہوں نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور وہ اپنے پروردگار کے کلام اوراس کی کتابوں کو برحق سمجھتی تھیں اور فرمانبرداروں میں سے تھیں۔''

اوراللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴾ (الأنبياء: ٩١)

''اوران (مریم) کو (بھی یاد کرو) جنہوں نے اپنی عفت وعصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے اُن میں اپنی رُوح پھونک دی اوراُن کو اوراُن کے بیٹے کو اہل عالم کے لیے نشانی بنا دیا۔''

اوراللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِندَ اللّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثِمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴾ (آل عمران: ٥٩)

''عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اُس نے (پہلے) مٹی سے اُن کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔''

اوراللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ﴾ (البقرة: ٨٧)

''اورعیسیٰ بن مریم کو کھلے نشانات بخشے اور روح القدس (یعنی جبریل) سے ان کو مدد دی۔''

ان تمام دلائل کے بعد مسیح منتظر کے بارے میں یہودیوں کے دعوی کا باطل ہونا کھل کر سامنے آجاتا ہے۔اس لیے کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں کی جن نصوص سے استدلال کرتے ہیں، جو انہیں آل داؤد سے ایک انسان کے خروج کی بشارت دیتی ہیں؛ جو یہودی گمان کے مطابق ان کی عزت و کرامت انہیں لوٹائے گا۔ بے شک یہ بشارت حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں تھی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے دو ہزار سال پہلے مبعوث فرمایا؛ مگر یہود نے انہیں جھٹلایا، اور ان سے بہت ہی سخت دشمنی کی۔

یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت کے انکار کی جتنی بھی کوشش کرلیں، ان میں سے پھر بھی ایسے احبار گزرے ہیں جنہوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

تلمود میں ایک احبار سے روایت نقل کی گئی ہے۔[وہ کہتا ہے]:

''بے شک مسیح موعود کے آنے کا مقرر وقت گزر چکا ہے۔''[1]

حاخام ''راؤ'' کہتا ہے:

''بے شک مسیح کے آنے کے مقرر دن گزرے ہوئے ایک لمبا زمانہ ہوگیا۔''[2]

ثانیاً: رافضیوں پر ردّ:

رہا رافضیوں کا ان کے مہدی منتظر کے متعلق ان کا عقیدہ؛ تو یہ ایک باطل عقیدہ ہے، جس کے باطل ہونے پر کئی وجوہ سے دلالت کی جاسکتی ہے:

پہلی وجہ: اس مہدی کے پیدا ہونے کا عدم ثبوت:

اللہ تعالیٰ عالی قدرت والے کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ رافضیوں کے گیارہویں امام حسن عسکری کی وفات ہوئی اور ان کا کوئی بچہ نہیں تھا۔ یہ ان [رافضہ] کے لیے ایک بہت بڑی رسوائی؛ انتہائی عبرتناک ذلت تھی۔اس لیے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امام مر جائے اور وہ اپنے پیچھے کوئی اولاد نہ چھوڑے جس امامت میں اس کا خلیفہ بنے۔

اس لیے کہ شیعہ عقیدہ اس بات پر منصوص ہے کہ امام کی وفات کے بعد امامت اس کی اولاد میں ہی ہوگی؛ اور یہ جائز نہیں ہے کہ امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے بعد بھائیوں میں منتقل ہو۔

---

[1] ظفر الإسلام خان : التلمود تاریخه و تعالیمه : ص ٥٩۔

[2] ظفر الإسلام خان : التلمود تاریخه و تعالیمه : ص ٥٩۔

ابوعبداللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

''امام حسن اور حسین کے بعد امامت دو بھائیوں میں جمع نہیں ہوسکتی۔ بلکہ یہ پیچھے آنے والوں میں اور ان کے پیچھے آنے والوں میں ہوگی۔'' ❶

اور اس [مذکورہ تصوراتی] مہدی کی عدمِ پیدائش خود رافضیوں کی کتابوں میں بھی ثابت ہے۔ ان کی کتابوں میں ہے کہ حسن عسکری کا انتقال ہوا، تو اس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ عباسی خلیفہ اس مسئلہ کی بڑے اہتمام کے ساتھ مسلسل متابعت کرتا رہا، اور اس مسئلہ کی حقیقت کا پتہ چلانے کے لیے بڑے قاضی بھیجے اور ان کے ساتھ وہ لوگ بھی گئی جن کے لیے صدق و امانت کی گواہی دی جاتی ہے؛ تا کہ وہ چھان بین کر کے اس مسئلہ کی حقیقت آشکار کریں۔ انہوں نے حسن عسکری کی اس بیماری میں جس میں اس کا انتقال ہوا، مسلسل اس کی صحبت کی۔ اس کی وفات کے بعد اس کے گھر میں بھی تفتیش کروائی گئی۔ پتہ چلا کہ امام مذکور نے کوئی اولاد اپنے پیچھے نہیں چھوڑی۔ اور عورتوں کو مکلّف بنایا کہ ان کی لونڈیوں کے ساتھ رہیں، یہاں تک کہ ان میں سے کسی ایک کے بھی حاملہ نہ ہونے کی تصدیق ہوگئی۔ پھر ان [یعنی حسن عسکری] کا ترکہ ان کی ماں اور بھائی جعفر کے درمیان تقسیم کردیا گیا، جس کا کوئی اور دعویدار نہیں تھا۔

اس پر اصول کافی کی ایک طویل روایت بھی دلالت کرتی ہے، جسے کتاب الحجۃ میں احمد عبید اللہ بن خاقان سے روایت کیا گیا ہے۔ اس میں ہے:

''جب حسن عسکری بیمار ہوگئے۔ تو میرے ابا کے پاس آدمی بھیجا گیا کہ ''ابن الرضا'' بیمار ہے۔ وہ اسی لمحے سوار ہوئے، اور دار الخلافہ پہنچے۔ پھر جلدی سے واپس آئے، اور ان کے ساتھ امیر المؤمنین کے پانچ سو خادم تھے۔ سارے کے سارے خواص میں سے اور ثقہ لوگ تھے۔ ان میں ''نحریر'' بھی تھا۔ انہیں حکم دیا کہ وہ حسن کے گھر رہیں، اور اس کے حال احوال معلوم کرتے رہیں۔ اور ڈاکٹروں کی ایک جماعت کی طرف قاصد بھیجے۔ اور انہیں حکم دیا کہ وہ صبح و شام باری باری ان کی عیادت و علاج کے لیے آتے رہیں۔ اس واقعہ کے دو یا تین دن بعد خبر آئی کہ وہ [حسن عسکری] بہت ہی ضعیف ہوگے ہیں۔ تو ڈاکٹروں کو حکم دیا کہ وہ ان کے گھر پر ہی رہیں، اور قاضی قضاۃ کو حکم دیا اور ان کے گھر پر بلا لیا۔ اور حکم دیا کہ ان میں سے

❶ كمال الدين و إتمام المنة ص ٤١٤۔

ان دس افراد کو چنا جائے جن کے دین و ایمان پر وہ راضی اور خوش ہوں، پھر انہیں بلایا، اور حسن کے گھر بھیج دیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ مستقل طور پر رات دن ان کے گھر پر ہی رہیں۔ وہ ادھر ان کے گھر پر ہی رہے یہاں تک کہ حسن عسکری کا انتقال ہو گیا۔ پھر اس کے بعد " سُرّ من رأی " ایک شوشہ بن گیا۔ سلطان نے ان کے گھر تفتیشی بھیجے؛ جنہوں نے ان کے حجرہ کی تفتیش کی۔ اور جو کچھ وہاں پایا گیا، اس پر مہر لگائی گئی۔ اور ان کی اولاد کے آثار تلاش کیے گئے۔ ایسی عورتیں بلائی گئیں جو حمل کو جانتی تھیں۔ وہ ان کی باندیوں پر داخل ہوئیں؛ وہ انہیں دیکھ رہی تھیں۔ ان میں سے بعض عورتوں نے کہا کہ ایک باندی کو حمل ہے۔ اسے ایک خاص حجرے میں رکھا گیا، اور نحریر خادم اور اس کے ساتھیوں کو اس کی خدمت پر مأمور کر دیا؛ ان کے ساتھ [خادمائیں] عورتیں بھی تھیں۔ پھر وہ تدفین کی تیاریوں میں لگ گئے۔ جب تدفین مکمل ہو چکی؛ تو سلطان اور اس کے ہمراہ لوگ امام کی اولاد کی تلاش میں لگ گئے۔ بہت خوب تلاش اور چھان بین کی۔ اور باندی کو بھی خوب حفاظت میں رکھا گیا؛ میراث کی تقسیم بھی روک دی گئی۔ جب اس باندی کا حاملہ ہونا غلط ثابت ہوا تو ان کی وراثت ان کی والدہ اور بھائی جعفر میں تقسیم کر دی گئی۔'' (1)

یہ روایات اس مزعوم مہدی کی عدمِ پیدائش کی دلیل ہیں۔ اور رافضیوں میں اس بات کی بھی جرأت نہیں ہے کہ وہ ان روایات کا انکار کر سکیں؛ یا ان روایات پر طعن کریں۔ اس لیے کہ یہ روایات ان کے کئی ثقہ اور معتمد مصادر میں وارد ہوئی ہیں۔ اور ان کے روایت کرنے والے بھی ایسے بڑے رافضی ہیں جنہیں حدیث، تفسیر اور تاریخ کی روایت میں ایک مقام حاصل ہے۔ ان کے جن علماء نے یہ روایات نقل کی ہیں، ان میں سے:

۱۔ الکلینی فی الکافی [سابقہ روایت اسی نے ذکر کی ہے]۔

۲۔ المفید فی الإرشاد۔ (2)

۳۔ الطبرسی فی أعلام الوری۔ (3)

---

(1) أصول الکافی للکلینی ۱/ ۵۰۵۔ (2) الإرشاد ص ۳۳۸- ۳۳۹۔

(3) الطبرسی فی أعلام الوری ۳۵۸ -۳۵۹۔

۴۔ الأربلی نے کشف الغمة فی معرفة الأئمة میں نقل کیا ہے۔❶

۵۔ المجلسی نے " جلاء العیون " میں نقل کیا ہے۔❷

۶۔ ابن صباغ نے " الفصول المهمة في معرفة أحوال الأئمة " میں نقل کیا ہے۔❸

۷۔ العباسی القمی نے " منتهی الآمال " میں ذکر کیا ہے۔❹

دوسری وجہ: مہدی کا چھپنا کوئی معنی نہیں رکھتا:

اگر ہم بطور مناظرہ مہدی کی ولادت کو تسلیم بھی کر لیں۔ تو اتنے لمبے زمانہ تک غار میں اس کے چھپ جانے کا کوئی معنی [اور جواز] نہیں ہے۔ اور جب رافضیوں سے اس کے اتنے لمبے عرصہ تک کے لیے غار میں چھپ جانے اور باہر نہ نکلنے کی حکمت اور علت پوچھی جائے تو کہتے ہیں کہ: اسے اپنے قتل ہو جانے کا خوف ہے، [اس لیے وہ باہر نہیں آ رہا]۔

صدوق نے صفوان بن یحی سے روایت کیا ہے، وہ ابن بکیر سے؛ اور وہ زرارہ سے اور وہ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں؛ انہوں نے کہا:

" قائم کے لیے اس کے نکلنے سے پہلے تک غیبت کا عرصہ ہے۔ میں نے کہا: وہ کیوں؟ کہا: وہ اپنے متعلق ڈرتا ہے کہ ذبح نہ کر دیا جائے۔"❺

اور شیخ الطائفہ طوسی کہتا ہے:

" اس کے ظاہر ہونے میں کوئی علت مانع نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ اپنی جان کے قتل ہو جانے سے ڈرتا ہے۔ اس لیے کہ اگر اس کے علاوہ - کچھ علت - ہوتی؛ تو ان کے لیے چھپ کر رہنا جائز نہ ہوتا۔ وہ مشقت اور تکلیف برداشت کرتا۔ اس لیے کہ آئمہ اور ایسے ہی انبیاء کی منزلت اللہ کی راہ میں مشقت اٹھانے سے بڑھتی ہے۔"❻

---

❶ کشف الغمة في معرفة الأئمة ۲/ ۲۰۸ - ۲۰۹۔

❷ جلاء العیون، دیکھیے مہدی کے ذکر میں: الشیعة و التشیع احسان الٰهی ظهیر ص ۲۸۲۔

❸ الفصول المهمة في معرفة أحوال الأئمة ص ۲۸۸-۲۸۹۔

❹ منتهی الآمال، دیکھیے مہدی کے ذکر میں: الشیعة و التشیع احسان الٰهی ظهیر ص ۲۸۲۔

❺ کمال الدین و تمام النعمة ص ۴۸۱۔

❻ الغيبة ص: ۱۹۹۔

ہم ان سے کہتے ہیں: تم اپنے وہمی امام کے نہ نکلنے کی جو علت پیش کرتے ہو، یعنی کے قتل ہو جانے کا خوف؛ یہ ایک بے کار اور بودی سی علت ہے؛ جس کے باطل ہونے پر کئی دلائل ہیں:

اول......تمہاری کتابوں کی روایات میں ہے کہ امام کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوگی اور تائید کی جائے گی۔ اور وہ زمین کے مشرق و مغرب کا بادشاہ بنے گا، اور زمین کو ایسے عدل سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم سے بھری ہو۔ اور اس وقت تک زندہ رہیں گے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو جائیں۔ ابو جعفر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

''قائم کی رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہوگی۔ اور زمین اس کے لیے سمیٹ لی جائے گی۔ اور خزانے اس کے لیے ظاہر ہوں گے۔ اور اس کی حکومت مشرق سے مغرب تک ہوگی۔ اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کریں گے؛ اگر چہ مشرکوں کو یہ بات ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔ اور زمین کا کوئی ویران علاقہ ایسا نہیں رہے گا جسے آباد نہ کر لیا جائے۔ اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔''[1]

اس معانی میں بہت سی روایات ہیں جنہیں رافضیوں کی [معتمد اور ثقہ] کتابوں نے نقل کیا ہے۔

اگر مہدی اس بات پر ایمان رکھتا ہوگا کہ وہ تمام روایات جو اس کے آباء سے منقول ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ منصور من اللہ ہوگا، اور اس کی تائید کی گئی ہوگی؛ اور یہ کہ وہ اس وقت تک زندہ رہے گا یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں؛ اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔ تو پھر قتل سے خوف کیوں کر محسوس کر رہا ہے؟ [حالانکہ ان روایات کے مطابق ایک لمبا عرصہ جیتے رہنے کی ضمانت ہے]۔ یا تو پھر مہدی ان باتوں پر ایمان نہیں رکھتا؟

دوم......آپ کا یہ کہنا کہ: ''مہدی اپنے قتل ہو جانے سے ڈرتا ہے۔'' اس سے اس کی امامت کا سقوط لازم آتا ہے۔ اس لیے کہ آپ کے ہاں امامت کے لیے شرط یہ ہے کہ امام لوگوں میں سب سے بڑھ کر بہادر ہو۔

-امام- رضاء سے روایات میں آیا ہے کہ انہوں نے کہا:

''امام کی کئی نشانیاں ہیں۔ وہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر علم والا ہوگا۔ اور سب سے حکیم ر

[1] بحار الأنوار للمجلسی ٥٢/ ١٩١۔

دانشمند ہوگا، اور سب سے زیادہ متقی ہوگا۔ اور سب سے زیادہ حلیم مزاج ہوگا، اور سب سے زیادہ بہادر ہوگا۔''

اور جو کوئی قتل ہونے سے ڈر جائے وہ بہادر نہیں ہوسکتا۔ چہ جائے کہ وہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر بہادر ہو۔ بلکہ وہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر بزدل ہے۔

سوم ......آپ کے کلام پر یہ بات مرتب ہوتی ہے کہ مہدی اس وقت تک ہرگز نہیں نکلے گا جب تک ظالم اور فساد برپا کرنے والے ملک / حکومتیں ختم نہ ہوجائیں؛ تا کہ اسے قتل ہونے سے اپنی جان کی امان حاصل ہوجائے۔ [جب اتنا امن قائم ہوجائے گا تو پھر] اس وقت ایسے امام کے نکلنے کی کوئی حاجت ہی نہیں۔

چھارم ......زمانہ کے مختلف اوقات میں رافضیوں کے کئی ایک ملک رہے ہیں۔ اور اب بھی ایران میں ان کی [بڑی مضبوط] حکومت موجود ہے؛ جو کہ ان کے لیے ایک زندہ مثال ہے؛ [اور بہت سے ممالک وہ اچھی خاصی تنظیمی اور عسکری قوت بھی رکھتے ہیں -مترجم] یہ ممالک اس بات کی طاقت رکھتے ہیں کہ اگر ان کا امام نکلے گا تو اس کی حفاظت کریں، تو پھر امام صاحب کیوں نہیں نکلتے ؟

پنجم ...... یہ کہ جو کوئی اپنے نفس کو قتل ہونے سے نہ بچا سکتا ہوں، تو یہ بات بدرجہ اولی ہے کہ وہ کسی دوسرے کی حفاظت نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ خود جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو وہ دوسرے کو کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ پھر جس کا اپنا یہ حال ہو اس کا انتظار کیوں کر رہے ہو کہ وہ آئے گا اور آپ کے دشمنوں سے انتقام لے گا۔ اور تمہیں ان پر بڑی مضبوط فتح دے گا۔

اتنا بیان ان کے دعوؤں کو باطل ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ وہ مہدی کے عدم خروج کی علت اسے اپنی جان کا خوف محسوس کرنا بتارہے ہیں۔ اس بنیاد پر ان کے مہدی کے موجود ہونے کا دعوی ہی سرے سے باطل ہے۔ اس لیے کہ اسے سوائے قتل ہوجانے کے خوف کے کوئی اور علت خروج سے مانع نہیں ہے۔ جیسا کہ ان کے شیخ الطائفہ طوسی نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ہم نے بھی اس سبب کو اتنی مضبوط دلیلوں سے باطل ثابت کیا ہے، جن کے رد کرنے کی جرأت رافضہ میں نہیں ہے۔

سو اس طرح ان کے علماء کے اقوال اور وضاحتوں کی روشنی میں اس مذکورہ خیالی مہدی کا اصل میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کی وجہ سے ممکن ہوا۔

تیسری وجہ: مہدی سے عدمِ منفعت:

اس مہدی سے [کسی کو بھی] کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

مہدی منتظر کے متعلق رافضہ کے عقیدہ پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ: ''رافضہ جس مہدی کا دعوی کرتے ہیں اس سے امورِ دین و دنیا میں کوئی بھی مصلحت [یا فائدہ] حاصل نہیں ہوا۔ اور نہ ہی مسلمانوں کو اس سے کوئی فائدہ ہوا؛ نہ ہی رافضہ کو اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی کو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بے شک یہ معصوم جس کے متعلق یہ دعوی کرتے ہیں وہ آج سے چار سو پچاس سال [1] پہلے پیدا ہوا، اور ۲۶۰ ہجری میں غار میں داخل ہوگیا؛ اور اس وقت بعض کے نزدیک اس -امام- کی عمر پانچ سال تھی اور بعض کے نزدیک اس سے بھی کم۔ اور اس کی امارت میں اس سے کوئی ایسی چیز ظاہر نہیں ہوئی جو لوگوں میں سے کوئی کم درجہ کا امیر -حاکم/ سربراہ- کرتا ہے، جیسے کوئی والی؛ یا جج، یا عالم و فاضل؛ چہ جائے کہ امام معصوم؟ اگر ایسا امام موجود ہے؛ تو اس کے وجود کا کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟ اور اگر وہ امام ہی معدوم ہو تو پھر کیا حال ہوگا؟ اور وہ لوگ جو اس معصوم پر ایمان رکھتے ہیں؛ انہیں کون سی مہربانی یا دین یا دنیا کا کون سا فائدہ حاصل ہوا۔......

پھر آگے فرماتے ہیں:

''رہا یہ- امام- جس کا دعوی رافضی کرتے ہیں، یا تو ان کے ہاں مفقود ہے، یا پھر عقلاء کے ہاں معدوم ہے۔ خواہ ان دونوں میں سے جو بھی صورت ہو، اس امام کا دین اور دنیا میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' [2]

سو مہدی کا اتنے لمبے عرصہ تک غار میں چھپ جانا اور اس سے لوگوں میں سے کسی ایک کو بھی کوئی فائدہ نہ ہو۔ بلکہ معاملہ الٹ جائے؛ کہ رافضہ کے ہاں اس کے چھپ جانے کی وجہ سے بہت ساری دینی اور دنیاوی مصلحتیں فوت ہو جائیں، اس لیے کہ رافضہ کے عقائد میں سے ہے کہ امامت اصول ایمان میں سے ایک اصل ہے؛ اور اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اور کسی انسان کا ایمان امام کی معرفت

---

[1] الأنوار النعمانية: نعمة الله الجزائري ۱/ ۳٤۔

[2] منهاج السنة ۸/ ۲٦۱-۲٦۲۔

اور اس کی ولایت کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ اور قائم منتظر کا چھپ جانا - جو کہ ان کے ہاں بارہواں امام تصور کیا جاتا ہے- ؛ اگر فرض کریں کہ اس کے وجود کو تسلیم کر لیا جائے، تو اس وجہ سے ان کے ہاں بہت ساری دینی اور دنیاوی مصلحتیں فوت ہو رہی ہیں ؛ جس کا اعتراف ان کے معاصر امام اور حجت عظمیٰ آیت اللہ خمینی نے کیا ہے ؛ وہ کہتا ہے :

''بے شک ہم اس غیبت کبریٰ کے زمانے میں ہیں۔ اور امید کا عرصہ بارہ سو سال سے زیادہ بیت چکا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ زمانے کی کتنی ہی صدیاں اور لمبا ہو۔ اس سے پہلے کہ امام منتظر - اللہ تعالیٰ اسے جلدی باہر نکالے- ؛ اس کے لیے مناسب ماحول میسر آئے، اب ان حالات میں کیا اسلامی احکام اور قوانین شریعت کو ایسے ہی چھوڑ دیا جائے، یہاں تک کہ اس کا ظہور ہو۔ اور لوگ غیبت کبریٰ کا یہ لمبا انتظار کا عرصہ بلا مکلّف شریعت ہونے کے ایسے ہی گزار دیں، حالانکہ وہ شہوت کی راہ پر لگے ہوئے ہیں۔ تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ شریعت اسلامیہ ایک محدود مدت کے لیے تھی۔ یعنی صرف دو سو سال کی مدت۔ یہ شریعت کا سب سے رسوا کن نسخ ہے جس کا ہم نہیں کہہ سکتے ؛ اور نہ ہی کوئی مسلمان اس کا کہہ سکتا ہے۔ ......(یہاں تک کہ وہ کہتا ہے) : ہرگز ایسا نہیں ؛ پھر کہتا ہوں، ہرگز ایسا نہیں۔ بے شک اسلام کسی بھی معاملہ کا علاج کامیاب ترین علاج پیش کرتا ہے۔ اس نے مسلمانوں کے معاملات عادل فقہاء کو تفویض کیے ہیں ؛ جن میں علم اور عدالت کی شرطیں جمع ہوں۔ یہ وہ معتبر شرط ہے جو علی الاطلاق ولی الامر میں متوفر [موجود] ہونی چاہیے۔'' [1]

یہ خمینی کا اعتراف ہے کہ مہدی کے غائب ہونے کے نتیجہ میں روافض کے ہاں بہت سارے قوانین شریعت معطل ہو کر رہ گئے ہیں۔ بلکہ اس کا نظریہ ہے کہ امام مہدی کا غائب ہونا شریعت کا سب سے بد ترین نسخ ہے ؛ اس لیے کہ فقہاء میں کوئی ایسا نہیں پایا جاتا جو امام کی غیبت کے زمانہ میں مسلمانوں کے معاملات نمٹانے کے لیے اس کی نیابت کرے۔

خمینی نے جو بیان کیا ہے کہ امام کے غائب ہونے کا کہنا، اس کی آخر کار نتیجہ ان کے ہاں شریعت کا منسوخ ہونا ہے۔ یہ حق بات اللہ تعالیٰ نے خمینی کی زبان سے نکال دی تاکہ ان پر حجت ثابت ہو جائے۔

[1] الحکومة الإسلامیة ص ٤١-٤٢۔

رہا اس کا ''امام کی طرف سے فقیہ کی نیابت کے درست ہونے کا ؛ جب اس میں علم اور عدالت کی شروط پائی جائیں ؛ اور خمینی کی نظر میں اس دلدل سے بھاگنے کا واحد راستہ ہے ؛ جس میں وہ اپنے آپ کو پا رہے ہیں ؛ سو خمینی کا قول نا قابلِ قبول ہے۔ اس لیے کہ رافضہ کے ہاں امامت کی شرائط علم اور عدالت پر منحصر نہیں ہیں ؛ بلکہ امامت کے لیے مذکورہ شرائط کے علاوہ کچھ شرائط ہیں، جن پر ان کی کتب میں موجود روایات دلالت کرتی ہیں۔

الجزائری نے رضاء عَلَیْہِ السَّلَام سے روایت کیا ہے :

''امام کے لیے کچھ نشانیاں ہیں۔ کہ وہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر عالم ہو، اور سب سے زیادہ حکمت والا ہو، اور لوگوں میں سب سے بڑھ کر متقی ہو، اور سب سے زیادہ نرم مزاج ہو، اور لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر ہو۔'' ❶

اور مفید کہتا ہے :

''بے شک آئمہ احکام نافذ کرنے میں اور حدود قائم کرنے ؛ شرائع کی حفاظت کرنے میں ؛ اور لوگوں کی تأدیب میں انبیاء کرام کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ اور دینی معاملات میں سے کسی معاملہ میں بھی ان سے بھول کا سرزد ہو جانا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی احکام میں سے کسی چیز کو بھولتے ہیں۔ اور اسی بات پر سارے امامیہ شیعہ کا مذہب ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ان سے علیحدہ ہو گئے، اور انہوں نے ظاہری روایات پر عمل کیا ؛ ان- روایات- کی تأویلیں اس باب میں ان- ظاہر پر چلنے والے- لوگوں کے فاسد گمان کے خلاف ہیں۔'' ❷

اور امام کی شروط میں سے بھی ہے کہ وہ جانتا ہو جو کچھ اسے پہنچنے والا ہے، اور جو کچھ اس کے ساتھ ہونے والا ہے۔ ابو عبد اللہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا ہے :

''جو بھی امام یہ نہ جانتا ہو جو کچھ اسے پہنچنے والا ہے ؛ اور جو کچھ ہوگا، وہ خلق پر اللہ تعالیٰ کی حجت نہیں ہو سکتا۔'' ❸

---

❶ الأنوار النعمانية ١/ ٣٤۔

❷ أوائل المقالات ص ٧١-٧٢۔

❸ الكليني : أصول الكافي ١/ ٢٥٨۔

ایسے ہی جب وہ- امام- کسی چیز کے جاننے کا ارادہ کرتا ہے؛ اللہ تعالیٰ اسے اس چیز پر مطلع کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ابوعبداللہ سے روایت ہے؛ انہوں نے کہا ہے:

''جب امام کسی چیز کو جاننے کا ارادہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اس کا علم عطا کر دیتے ہیں۔''❶

ان کے معاصر علماء بھی صراحت کے ساتھ یہی بات کہتے ہیں: محمد جواد مغنیہ کہتا ہے:

''شیعہ امام نے کہا ہے: ''یہ واجب ہے کہ کمال کی تمام صفات میں امام اپنی تمام رعیت سے افضل ہو؛ فہم میں، رائے میں، علم میں ارادہ میں؛ کرم میں؛ شجاعت، حسن خلق، عفت، زھد؛ عدل؛ تقوی؛ شرعی سیاست؛ اور اس طرح کی دیگر صفات۔ دوسرے لفظوں میں یہ لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہو۔ اور ان میں سب سے زیادہ علم والا اور نیکی [و بھلائی] اور خیر کے کام کرنے والا ہو۔''❷

علی البحرانی کہتا ہے:

''جان لیجیے کہ: واجب ہے کہ امام کا معصوم ہو: گناہوں کے ارتکاب سے؛ اور احکام میں خطأ سے؛ ایسے ہی واجب ہے کہ وہ غلط سے معصوم ہو، اور بھول اور نسیان سے بھی؛ اس لیے کہ وہ لوگوں کا رہنما، اور اہل اسلام کی قابل اعتماد شخصیت ہے۔''❸

یہ شروط فقہاء پر لازم نہیں آتیں، اور نہ ہی رافضہ کے فقہاء میں کوئی استطاعت رکھتا ہے، اور نہ ہی خمینی جس نے خود کو امام منتظر کا نائب بنا دیا، اور نہ ہی اس کے علاوہ فقہاء، کہ وہ معصوم ہونے کا دعوی کریں یا لوگوں کو چھوڑ کر علم کا صرف اپنے ساتھ مخصوص ہونے کا دعوی کریں؛ یا ان کے علاوہ سابقہ ذکر کردہ باقی شروط کا دعوی کریں۔ اور اس کے ساتھ ہی خمینی کا ''ولایت فقیہ'' کا قول بھی باطل ہو جاتا ہے۔ اور ولایت فقیہ کے باطل ہونے سے؛ جس کو خمینی ایک امام کے غائب ہونے کے عقیدہ پر مرتب مفاسد؛ جیسے کہ شریعت کے منسوخ ہونے کا مناسب حل سمجھتا ہے؛ اس سے ان پر دو باتیں لازم آتی ہیں، جن کے علاوہ

---

❶ الكليني : أصول الكافي ١/ ٢٥٨۔

❷ الشيعة في الميزان ص: ٤٠۔

❸ منار الهدى في النص على إمامة الأئمة الاثنى عشر ص: ١١٩۔

تیسری کوئی نہیں۔

۱۔ یا تو امام مہدی کے غائب ہونے کا عقیدہ ؛ اور پھر اس پر جو کچھ مفاسد مرتب ہوتے ہیں، جیسے کہ شریعت کا منسوخ ہونا وغیرہ۔ جیسا کہ خمینی نے ذکر کیا ہے۔

۲۔ یہ شریعت کا نسخ سے سلامتی [منسوخ ہونے سے بچ جانے] کا ؛ اور [مذکورہ مزعوم] مہدی کا دعوی باطل ہونے کا عقیدہ۔

❀❀❀❀

چوتھی فصل :

یہود اور روافض کے ہاں عقیدۂ رجعت

رجوع کا معنی ہے لوٹنا؛ جو جانے کا الٹ ہے۔ ❶

اور رجعت : اس سے مراد ہے کہ موت کے بعد اس دنیا کی زندگی میں لوٹ کر آنا۔ جیسا کہ علماء لغت نے اس کی تصریح اور وضاحت کی ہے۔-لغت کے امام جوہری اور فیروز آبادی کہتے ہیں :

((فلان يؤمن بالرجعة أي بالرجوع إلى الدنيا بعد الموت .))❷

''فلاں شخص رجعت پر ایمان رکھتا ہے، یعنی موت کے بعد اس دنیا میں لوٹ کر آنے پر۔''

فیومی کا کہنا ہے کہ: " الرَّجْعة ''[را پر زبر کے ساتھ] ؛ رجوع کے معنی میں ہے۔ اور کہا جاتا ہے :

((فلان يؤمن بالرجعة أي بالعود إلى الدنيا .))❸

''فلاں شخص رجعت پر ایمان رکھتا ہے، اس دنیا میں پلٹ کر آنے پر۔''

اور رجعت کی اطلاق ''طلاق دینے والے کے اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کرنے [یعنی اس طلاق کو ختم کرکے، نکاح پر باقی رہنے] پر بھی ہوتا ہے۔ ❹

سیاق کلام سے ان دونوں کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے۔

اس فصل میں میری گفتگو کا محور پہلے معنی کے لحاظ سے ہوگا۔ یہ معاملہ ہے یہودیوں اور رافضیوں کے اس عقیدہ کا کہ مردے قیامت سے پہلے اس دنیا میں لوٹ کر آئیں گے۔ اس مقصد کو چار مباحث میں واضح کیا جائے گا:

---

❶ المصباح المنير للفيومی ص ۲۲۰ ؛ مادة ؛ رجع ۔

❷ الصحاح ۱/ ٤٦٦؛ مادة : (رجع)۔ و القاموس المحيط ۳/ ۲۸مادة (رجع)۔

❸ المصباح المنير للفيومی ص ۲۲۰ ؛ مادة ؛ رجع ۔

❹ والقاموس المحيط ۳/ ۲۸مادة (رجع)۔

پہلی بحث:...... یہودیوں کے ہاں عقیدۂ رجعت

دوسری بحث:...... روافض کے ہاں عقیدۂ رجعت

تیسری بحث:...... عقیدۂ رجعت میں رافضی یہودی مشابہت کی وجوہات

چوتھی بحث:...... یہودی رافضی عقیدۂ رجعت کا ابطال

❀❀❀❀

پہلی بحث:...... یہودیوں کے ہاں عقیدۂ رجعت

عقیدۂ رجعت کا شمار یہودیوں کے بنیادی عقائد میں ہوتا ہے۔اس بارے میں ان کے انبیاء- علیہم السلام - کی زبانی، ان کے مختلف اسفار کے مختلف مقامات پر بہت سی نصوص وارد ہوئی ہیں۔ یہ نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہودی قیامت سے پہلے مردوں کے اس دنیا میں لوٹ کر آنے پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس عقیدہ کے یہودیوں کے ہاں پختہ ہونے پر دلالت کرنے والے امور میں سے تلمود کی وہ نصوص بھی ہیں جو بعض حاخاموں کی اس قدرت پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ بعض مردوں کو دوبارہ زندہ کرسکتے ہیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ یہودی کتابوں میں عقیدۂ رجعت بیان کرنے والی نصوص تین بڑے اہم موضوعات میں تقسیم ہیں:

پہلا موضوع: بعض اموات کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لوٹ کر آنا۔

دوسرا موضوع: یہودیوں کا مسیح منتظر کے خروج کے وقت لوٹ کر آنا۔

تیسرا موضوع: انبیاء اور حاخاموں کی قدرت کے مردوں میں سے جس کو چاہیں زندہ کردیں۔

اب ان موضوعات کی تفصیل دلائل کے ساتھ پیش خدمت ہے:

پہلا موضوع :......اس کے متعلق سفر عدد (گنتی) میں صرف ایک ہی نص وارد ہوئی ہے۔ یہ نص بنی اسرائیل کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلنے کا بیان کرتے ہوئے شروع میں لائی گئی ہے۔ اس نص کے کلمات عبارت اس طرح ہیں:

> ''لوگ اللہ تعالیٰ پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر باتیں بنانے لگے۔ وہ کہتے تھے: تم دونوں نے ہمیں مصر سے اس لیے نکالا کہ ہم اس صحراء میں مرجائیں۔ جہاں نہ ہی کوئی روٹی ہے اور نہ ہی پانی۔ ہمارے جی اس گھٹیا کھانے سے اکتا چکے ہیں۔ رب نے ان لوگوں پر انتہائی زہریلے ناگ بھیجے، جنہوں نے ان لوگوں کو ڈس لیا؛ اور بنی اسرائیل کے بہت سے لوگ مر گئے۔ پھر وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، اور کہنے لگے: ہم سے غلطی ہوگئی؛ کہ ہم

آپ پر اور اللہ تعالیٰ پر باتیں بنانے لگے۔ آپ رب سے دعا کیجیے کہ ان سانپوں سے ہمیں نجات دے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی وجہ سے دعا مانگی۔ تو رب نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: '' میں تیرے لیے ایک سانپ بناتا ہوں، اس کو تم اپنے جھنڈے پر رکھو؛ جو کوئی ڈسا گیا ہے، اور اس کی طرف دیکھے گا، وہ زندہ ہوجائے گا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے تانبے کا ایک سانپ بنایا، اور اسے اپنے جھنڈے پر رکھا، تو جو بھی سانپوں کا ڈسا ہوا انسان ہوتا، وہ اس تانبے کے سانپ کی طرف دیکھتا تو اسے زندگی مل جاتی۔'' [1]

یہ نص اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ بہت سارے مردے تانبے کے اس سانپ کے ذریعہ سے دوبارہ زندہ ہو گئے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جناب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنایا تھا۔

اس نص کی اس لحاظ سے بھی خاص اہمیت ہے کہ:

۱۔ یہ سب سے پہلی نص ہے جو یہودیوں کے ہاں عقیدہ رجعت کو بیان کرتی ہے۔

۲۔ یہ نص تورات میں ہے، جس پر تمام یہودیوں کا اتفاق ہے۔ اس لحاظ سے تمام یہودیوں کا عقیدہ رجعت پر اجماع واتفاق ہے۔

۳۔ یہ نص یہودیوں کے ہاں اے عقیدہ کے قدیم ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ سفر عدد محققین کے راجح قول کے مطابق چوتھی اور پانچویں صدی قبل میلاد میں لکھا گیا ہے۔ [2]

دوسرا موضوع :......وہ نصوص جن میں مسیح منتظر کے خروج پر یہودیوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں ہیں۔

اس موضوع پر بہت سی نصوص دلالت کرتی ہیں، جو کہ یہودیوں کے مقدس اسفار میں کئی ایک جگہ پر وارد ہوئی ہیں۔

سفر اشعیاء کے اصحاح نمبر ۲۶ میں مسیح منتظر کے خروج کے دن کا منظر بیان ہوا ہے، اس میں بیان مواصفات میں سے یہ بھی ہے:

'' وہ تمہارے مردوں کو زندہ کردے گا؛ اور جثّے کھڑے ہوجائیں گے۔ بیدار ہو جاؤ، اور

---

[1] اصحاح ۲۱ ' فقرات ٤-۸۔

[2] الأسفار المقدسة : ڈاکٹر عبد الواحد ص ۱۷۔

خوش الحانی سے گاؤ اے مٹی کے رہنے والو! تیری بدلی گھاس کی شبنم ہے۔ اور زمین آج متکبروں کو گرائے گی۔ اے میری قوم! آؤ؛ اپنے جھونپڑوں میں داخل ہوجاؤ، اور اپنے عقبی دروازے بند کرلو۔'' ❶

اور ایسے ہی اسی سفر کے اصحاح نمبر ٦٦ میں آیا ہے:

''اس لیے کہ رب نے ایسے ہی کہا ہے: ''دیکھوں میں اب سلامتی کو ان پر ایک نہر کی طرح بہادیتا ہوں۔ اور قوموں کی بزرگی کو جیسے کہ تیز بہتا ہوا سیلاب، وہ دودھ پئیں گے، اور میرے ہاتھوں اٹھائے جائیں گے، اور گھٹنوں کے بل چلیں گے، جیسا کہ کسی انسان کی ماں اس سے تعزیت کرتی ہے، ایسے ہی میں تم سے تعزیت کروں گا؛ اور تم سے تعزیت یروشلم میں کی جائے گی۔ تم دیکھوگے اور تمہارے دل خوش ہوں گے، اور اور تمہاری ہڈیاں گھاس کی طرح تر و تازہ ہوجائیں گی؛ اور تمہارے رب کا ہاتھ اس کے بندوں کے ہاں پہچانا جائے گا اور وہ اپنے دشمنوں پر سختی کرے گا۔'' ❷

یہ سفر اشعیاء میں یہودیوں سے- ان کے گمان کے مطابق- کیے گئے اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں۔ کہ ان کے مردہ زندہ کردیے جائیں گے، اور ان کے جثّے اٹھ کھڑے ہوں گے، اور ان کی ہڈیاں اُگیں گی؛ جیسے گھاس اگتی ہے، یہ سب کچھ اس وقت ہوگا، جب ان کا مسیح منتظر نکل آئے گا۔

جب کہ سفر حزقیال میں اس کی تفصیل اور زیادہ ہے۔ اور انتہائی باریکی سے ان کے دوبارہ زندہ ہونے کی کیفیت نقل کی گئی ہے۔ اس سفر کے اصحاح ٣٧ میں، حزقیال کی خبروں میں ہے:

''مجھ پر رب کا ہاتھ تھا، اور مجھے رب کی روح سے نکالا گیا۔ اور مجھے اس گوشہ کے درمیان میں اتارا گیا، وہ بہت ہی نرم ہڈیوں والا تھا۔ اور مجھ اس جگہ اور اس کے گردونواح پر حاکم بنایا۔ پس ناگہاں وہ گوشہ بہت زیادہ پھیل گیا، وہ بہت ہی سخت خشک تھا۔ تو اس نے کہا: اے ابن آدم! کیا یہ ہڈیاں زندہ ہوسکتی ہیں؟ میں نے کہا: اے میرے سردار! تو رب ہے؛ اور جانتا ہے۔ تو اس نے کہا: ''ان ہڈیوں کو خبر دو، اور ان سے کہا: ''اے بوسیدہ ہڈیو! رب کی بات

---

❶ سفر اشعیاء اصحاح نمبر ٢٦؛ فقرہ ١٩-٢٠۔

❷ سفر اشعیاء اصحاح نمبر ٦٦؛ فقرہ ١٢-١٤۔

سنو؛ اور ایسے سردار رب نے ان ہڈیوں سے کہا: دیکھو! اب میں تم میں روح داخل کرتا ہوں، اورتم زندہ ہوجاؤ گے۔ میں تم پر پٹھے رکھوں گا، اور تمہیں گوشت پہناؤں گا' اورتم پر جلد کو پھیلا دوں گا۔ اورتم میں روح پھونک دوں گا۔تم زندہ ہوجاؤ گے، اورتم جانو گے کہ میں رب ہوں۔'' میں ایسے خبر دے رہا ہوں جیسے مجھے حکم دیا گیا۔ اسی دوران کہ میں خبر دے رہا تھا، ایک آواز آئی ؛ اور کپکپی سی ہوئی، اور ہڈیاں قریب ہونے لگیں، ہر ہڈی اپنے ساتھ والی ہڈی کے ساتھ۔ جب میں نے دیکھا تو ناگہاں ان کو پٹھے اور گوشت چڑھایا جارہا تھا۔ اوراس کے اوپر ان پر جلد پھیل گئی؛ اس میں روح نہیں تھی۔ تو اس نے کہا:''روح کو خبر دو۔ اے ابن آدم خبر دو؛ اور روح سے کہو:'ایسے سردار رب نے کہا ہے:''اے روح آؤ؛ چاروں ہواؤں میں سے، اور ان مقتولوں پر اٹھو[چلو]، تا کہ یہ زندہ ہوجائیں، سو میں نے ایسے ہی خبر دی جیسے مجھے حکم دیا گیا تھا۔تو روح ان میں داخل ہوگئی۔ وہ زندہ ہوگئے ؛ اور ایک بہت بڑے لشکر کی صورت میں اپنے قدموں پر کھڑے ہوگئے۔ پھر مجھ سے کہا:''اے ابن آدم! یہ ہڈیاں ہیں، یہ تمام بنی اسرائیل کا گھر ہیں۔ اور یہ کہہ رہے ہیں:''ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہوچکیں، اور ہماری امیدیں ختم ہوچکیں؛ اور ہم منقطع ہو چکے۔ اس لیے تم انہیں خبر دو اوران سے کہو:

''سردار رب نے ایسے ہی کہا ہے:''یہ لو اب میں تمہاری قبروں کو کھولتا ہوں، اور تمہیں تمہاری قبروں سے اٹھاتا ہوں۔ اے میری قوم! اور میں تمہیں بنی اسرائیل کی سرزمین پر لے کر جاؤں گا۔''[1]

اس روایت میں ان کے اس دنیا میں پلٹ کر آنے کی تفصیل ہے؛ جیسا کہ روایت سے واضح ہے۔ کہ کیسے ہڈیاں جمع ہوں گی، پھر ان پر پٹھے اور گوشت چڑھیں گے، اور پھر ان پر جلد چڑھائی جائے گی؛ پھر ان کے جسموں میں روح داخل ہوگی۔ اور قبریں پھٹ پڑیں گی۔ پھر مردے ان سے نکل آئیں گے۔ میری رائے کے مطابق یہودیوں کے ہاں عقیدہ رجعت کی یہ سب سے واضح اور صریح نص ہے۔

تیسرا موضوع :......انبیاء اور حاخاموں کی قدرت کہ وہ مردوں میں سے جس کو چاہیں زندہ کر دیں۔تلمود اور اسفارِ یہود کی کئی روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

[1] سفر حزقیال ' اصحاح ۳۷؛ فقرات ۱-۱۲۔

سفر ملوک اول (بادشاہوں کا پہلا سفر) میں ہے:

''بے شک نبی ''ایلیا'' نے ایک عورت کے ہاں قیام کیا، اس عورت کا ایک بیٹا تھا؛ پھر اس کے بعد اس عورت کا یہ بیٹا بیمار ہوا اور مر گیا۔ اس عورت نے ''ایلیا'' سے کہا: ''اے اللہ کے بندے! میرا اور آپ کا کیا معاملہ ہے، کیا آپ مجھے میرا گناہ یاد دلانے آئے تھے اور میرے بیٹے کو مارنے آئے تھے۔'' انہوں نے اس عورت سے کہا: اپنا بیٹا مجھے دو۔ اس کی گود سے اس بیٹے کو لیا، اور ایک اونچے ٹیلے پر چلا گیا، جس پر وہ مقیم تھا؛ اور اسے اپنی چار پائی پر لٹا دیا۔ اور اپنے رب کی بارگاہ میں چیخا؛ اور کہا: ''اے میرے معبود رب! کیا اس بیوہ عورت کے ساتھ یہ سلوک میں جس کے ہاں مقیم تھا۔ تو نے اس کا بیٹا مار کر بہت ہی برا کیا۔ اس لڑکے کی عمر کو تین گنا بڑھا دے۔ اور رب کی بارگاہ میں چلایا اور کہا: ''اے رب! اس لڑکے کی روح کو اس کے بدن میں لوٹا دے۔

رب نے ایلیا کی پکار سن لی؛ لڑکے کی روح اس کے بدن میں لوٹ آئی، اور وہ زندہ ہو گیا۔ وہ اس لڑکے کو لے کر چوٹی سے نیچے گھر کی طرف اترے اور اسے اس کی ماں کے سپرد کر دیا؛ اور ایلیاء نے اس عورت سے کہا: ''دیکھ لے تیرا بیٹا زندہ ہے۔''[1]

یہ نص اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ: ایلیا نبی علیہ السلام میں اس بات کی استطاعت تھی کہ وہ لڑکے کو دو مرحلوں میں زندگی عطا کریں:

پہلا مرحلہ: ...... یہ کہ اس بچے کی عمر تین گنا بڑھا دی جائے۔

دوسرا مرحلہ: ......اللہ تعالیٰ سے ان کا طلب کرنا کہ اس لڑکے کو دوبارہ زندگی دے دی جائے۔

اس نص میں یہودیوں کی اللہ تعالیٰ رب العالمین کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی بھی صاف ظاہر ہے۔ یہ ان الفاظ میں ہے جو کاتب نے اس سفر میں نبی ایلیا سے روایت کیے ہیں، کہ انہوں نے کہا: ''اے میرے معبود رب! کیا اس بیوہ عورت کے ساتھ یہ سلوک میں جس کے ہاں مقیم تھا''۔ یعنی اس عورت کے ساتھ تو کیسے یہ سلوک کر سکتا ہے جس کے ہاں میں مقیم ہوں۔

پھر ان کا یہ کہنا کہ: ''تو نے اس کا بیٹا مار کر بہت ہی برا کیا۔'' پھر کاتب کا - دعا کو - ان الفاظ میں

[1] سفر الملوك اول : اصحاح ١٧، فقرات ١٧-٢٣۔

تعبیر کرنا کہ: ''اور رب کی بارگاہ میں چلایا۔''

یہ تمام تر عبارتیں اللہ رب العالمین کے سامنے یہودیوں کی جرأت اوران کی گستاخیوں، اور بے ادبی پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اس کے بعض کاموں میں خطا کار کہتے ہیں، اور اس کی طرف برائی کو منسوب کرتے ہیں، اور گمان کرتے ہیں کہ وہ ان امور سے رجوع بھی کرتا ہے؛ جب سے صرف یاد دلا دیا جائے؛ اور اس کی سرزنش کی جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر کتنے بڑے بڑے جھوٹ بولتے ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کتنا ہی حلیم و بردبار ہے۔

نبی ایلیا کا قصہ سفر ملوک ثانی (بادشاہوں کا دوسرا سفر) میں وارد اللہ کے نبی جناب حضرت یشع علیہ السلام کے قصہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ جنہوں نے ایک بچے کو موت کے بعد زندگی عطا کی۔ اس قصہ کی عبارت (نص) یہ ہے:

> ''نبی یشع علیہ السلام گھر میں داخل ہوئے، ناگہاں دیکھا کہ ایک بچہ مرا ہوا ہے، اسے چارپائی پر رکھا گیا ہے۔ آپ گھر میں داخل ہوئے اور اپنے دونوں نفوس پر دروازہ بند کر دیا۔ اور رب کی بارگاہ میں دعا کی۔ پھر وہ اس بچے کے اوپر چڑھ کر لیٹ گئے۔ اور اپنا منہ اس کے منہ پر رکھا، اور اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں پر، اور اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھے۔ اور اس پر اپنے آپ کو پھیلا دیا۔ تو بچے کا جسم گرم ہوگیا۔ پھر آپ واپس پلٹے اور گھر میں ادھر ادھر چکر لگانے لگے۔ پھر اس بچے پر چڑھ کر تن گئے۔ وہ بچہ سات بار چھینکا؛ پھر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں، اور اس نے **حيجزي** (نبی اللہ یشع کے خادم) کو بلایا؛ تو آپ نے فرمایا: ''شونمیۃ'' (مرنے والے بچے کی والدہ) کو بلا؛ انہوں نے اس کی والدہ کو بلایا۔ جب وہ ان کے پاس اندر گئی تو فرمایا: ''اپنے بچے کو اٹھا لے۔'' [1]

یہ یہودیوں کے مقدس اسفار میں وارد ہونے والی روایات ہیں۔ رہی تلمود؛ تو اس میں ایسی روایات بھی آئی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بعض حاخام بھی انسانوں اور حیوانوں کو دوبارہ زندگی دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

تلمود میں آیا ہے:

---

[1] اصحاح ٤، فقرات ٣٢- ٣٦۔

''ایک حاخام نے نشے کی حالت میں دوسرے حاخام کو قتل کر دیا۔ پھر اس نے اپنا معجزہ دیکھایا اور اس مقتول حاخام کو دوبارہ زندگی دیدی۔'' ❶

اور تلمود ہی میں ایک جگہ یہ بھی آیا ہے کہ: یہود کا تلمودی مذہب ایجاد کرنے والوں میں سے ایک مؤسس اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ وہ جادو سے ایک انسان کو قتل کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔ وہ ہر رات میں ایک ربانی کی مدد سے ایک تین سالہ بچھڑا پیدا کرتا تھا، اور وہ دونوں مل کر اسے کھاتے تھے۔'' ❷

اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ:

''بے شک بعض ربانیین جو کہ خود کو تلمودی یہودی مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ وہ ایک ایسے پتھر کے مالک ہیں جس کی قوت کی بدولت مرے ہوئے لوگوں کو دوبارہ زندگی دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔'' ❸

اور تلمود اس بات کی بھی خبر دیتی ہے کہ:

''ایک ربانی نے اپنے دانتوں سے ناگ کا سر کاٹ دیا۔ اور دوسرے ہی لمحے اسے پتھر سے لگایا، تو اس میں دوبارہ زندگی آ گئی۔ بلکہ وہ اس پتھر سے ان پرندوں کو بھی لگاتا تھا جو مر گئے ہوں، تو انہیں دوبارہ زندگی مل جاتی اور وہ پھر سے اڑنے لگتے۔'' ❹

تلمود کے مؤلفین نے اس سے بھی بڑھ کر مبالغہ کیا ہے۔ جب انہوں نے یا بات لکھی کہ:

''بعض ربانیین اس بات کی طاقت رکھتے ہیں کہ وہ پانی سے بچھو پیدا کریں؛ اور وہ اس بات کی بھی استطاعت رکھتے ہیں کہ وہ بنی انسان کو حیوان بنا دیں''۔ تلمود میں آیا ہے:

''بے شک ایک ربانی جسے ''جانی'' نام سے پکارا جاتا تھا، وہ پانی سے بچھو پیدا کرنے میں معروف تھا۔ بلکہ اس نے ایک دن ایک عورت کو گدھا بنا دیا، جس پر وہ تفریح کے وقت سواری

---

❶ التلمود تاریخه و تعلیمه؛ ظفر الإسلام خان ص ۸۵۔

❷ همجیة التعالیم الصیهونیة ص ٤٣ ۔ الکنز المرصود ص ٥٧۔

❸ همجیة التعالیم الصیهونیة ص ٤٤ ۔ الکنز المرصود ص ٥٧۔

❹ أیضاً همجیة التعالیم الصیهونیة ص٤٤ ۔ الکنز المرصود ص ٥٧۔

کرتا تھا۔''❶

مجموعی طور پر یہ روایات یہود کے ہاں عقیدۂ رجعت کے پختہ اور پکا ہونے کی تائید کرتی ہیں۔ اس لیے کہ کثرتِ اُدلہ مختلف صورتوں میں اس پر دلالت کرتی ہیں؛ جو کہ یہودیوں کے مقدس اسفار اور تلمود میں کئی ایک جگہ پر وارد ہوئی ہیں۔

دوسری بحث:......روافض کے ہاں عقیدۂ رجعت

اس سے پہلے کے رافضہ کے دین میں عقیدۂ رجعت اور اس کی منزلت اور اہمیت بیان کی جائے، یہ بہت ضروری ہے کہ ہم جان لیں کہ رافضہ کے ہاں رجعت کا معنی اور حقیقت کیا ہے۔

رجعت کے معانی ان کے علماء اور محققین نے بہت ساری قدیم اور جدید کتابوں میں بیان کیے ہیں۔ ان کے محدثِ کبیر محمد بن الحسن الحر العاملی کا اپنی کتاب: "ایقاظ الهجعة في اثبات الرجعة" میں کہنا ہے:

''جان لیجیے کہ رجعت موت کے بعد قیامت سے پہلے دوبارہ زندگی ہے۔ اس کا یہی معنی صاف ظاہر ہے۔ اس موقع پر علماء نے وضاحت کی ہے، جیسا کہ آگے آئے گا، اس کے مواقع استعمال سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کی وضاحت اس کی احادیث میں بھی آئی ہے۔''❷

احسائی نے اپنی کتاب "الرجعة" میں کہا ہے:

''جان لیجیے کہ رجعت اللہ تعالیٰ کے اسراروں میں سے ایک سر ہے۔ اور اس پر ایمان رکھنا ایمان بالغیب کا ثمرہ ہے۔ اور اس سے مراد آئمہ علیہم السلام؛ اور ان کے شیعہ اور ان کے دشمنوں کا؛ جو کہ فریقین میں سے خالص ہو، خواہ -خالص- ایمان پر ہو، خواہ -خالص- کفر پر ہو؛ لوٹ کر آنا ہے۔ -ان میں سے جو ایسا نہ ہو- جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں عذاب دے کر ہلاک کر دیا ہو۔ اس لیے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں عذاب دے کر ہلاک کر دیا ہو؛ وہ دوبارہ اس دنیا میں لوٹ کر نہیں آئے گا۔''❸

---

❶ أيضاً همجية التعاليم الصيهونية ص٤٣۔ الكنز المرصود ص ٥٧۔

❷ ايقاظ الهجعة في اثبات الرجعة ٢٩۔ ❸ الرجعة ص ١١ ۔

معاصرین کی تائید:

معاصرین نے بھی اس معنی کی تائید کی ہے۔ ابراہیم موسی رجعت کے معانی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''رجعت سے مراد حجت - امام مہدی - بن حسن علیہ السلام کے قیام کے وقت لوگوں کا اٹھایا جانا ہے۔ وہ لوگ جو ان کے اولیاء اور ان کے شیعہ میں سے پہلے مر چکے ہیں۔ تاکہ وہ اس - امام مہدی - کی نصرت اور مدد کا ثواب پا کر فائز ہوسکیں۔ اور ان کی حکومت قائم ہونے کی خوشی منا سکیں۔ اور ایسی قوم - کا بھی حشر ہوگا، یعنی پلٹ کر آئیں گے - جو ان کے دشمن ہیں؛ وہ - امام - ان سے انتقام لے گا، اور بعض عذاب جس کے وہ مستحق ہیں، اسے پائیں گے؛ اور ان کے شیعہ کے ہاتھوں قتل ہوں گے۔ اور تاکہ انہیں ذلت اور رسوائی میں مبتلا کیا جائے؛ اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ کو اونچا سمجھتے تھے۔ ہمارے نزدیک - یعنی امامیہ اثنا عشریہ - یہی عقیدہ ہے۔ یہ ان کے ساتھ خاص ہے جو خالص مؤمن ہیں یا پھر خالص کافر ہیں۔ اور باقی لوگوں کے بارے میں سکوت اختیار کیا جاتا ہے۔''[1]

اور محمد رضا مظفر نے کہا ہے:

''رجعت میں ہمارا عقیدہ ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کچھ مردہ لوگوں کو ان کی اسی صورت میں دنیا میں واپس لوٹائے گا، جس -صورت - پر وہ تھے؛ سو ایک فریق کو عزت ملے گی اور ایک دوسرے فریق کو رسوائی ہوگی۔ اور اہل باطل سے حق داروں کو حق دلایا جائے گا؛ اور مظلوموں کے لیے ظالم سے انتقام لیا جائے گا۔ اور یہ مہدی آلِ محمد علیہ السلام کے قیام -خروج - کے وقت ہوگا۔ اور اس دنیا میں صرف وہی لوگ لوٹیں گے جن کا ایمان میں اعلی درجہ ہو، یا جو کوئی فساد کے انتہاء کو پہنچا ہوا ہو۔ پھر اس کے بعد - دوبارہ - انہیں موت آجائے گی۔''[2]

یہ جو کچھ رافضہ کے قدیم اور معاصر علماء نے رجعت کے معنی میں بیان کیا ہے؛ اس کا خلاصہ بذیل نکات کی صورت میں نکلتا ہے:

ا۔ رجعت کا معنی ہے: کچھ لوگوں کا قیامت سے پہلے دنیاء کی زندگی میں لوٹایا جانا۔

---

[1] عقائد الإمامية اثنا عشرية ۲/ ۲۲۸۔

[2] عقائد الإمامية ص ۱۱۸۔

۲۔ یہ کہ رجعت صرف ان لوگوں کے لیے ہوگی جو یا تو اصلاح کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں، یا پھر فساد میں اپنی انتہاء کو پہنچے ہوئے ہیں۔

۳۔ مفسدین میں سے رجعت صرف ان لوگوں کے لیے ہوگی جن کو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے عذاب دیکر ہلاک نہ کیا ہو۔ رہے وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے عذاب دے کر ہلاک کیا ہو، ان کے لیے کوئی رجعت نہیں ہے۔

رافضہ سارے کے سارے رجعت پر ایمان وعقیدہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے کئی مشہور علماء نے اس پر اجماع ذکر کیا ہے۔صدوق اپنے اعتقادات- بیان کرتے ہوئے- کہتا ہے:

'' ہمارے اعتقادات - یعنی امامیہ شیعہ کے- ؛رجعت کے بارے میں بالکل حق ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُواْ مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّهُ مُوتُواْ ثُمَّ أَحْيَاهُمْ﴾ (البقرہ : ۲۴۳)

'' بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو (شمار میں) ہزاروں ہی تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے تو اللہ نے اُن کو حکم دیا کہ مر جاؤ۔ پھر اُن کو زندہ بھی کر دیا۔'' [1]

محمد بن حسن الحر العاملی نے صدوق کے کلام پر تعلیق لگاتے ہوئے کہا ہے:

'' یقیناً کتاب کے شروع میں صراحت کی ہے کہ اس میں امامیہ کے اعتقاد- بیان کیے گئے -ہیں ؛اس نے پہلے باب میں ذکر کیا ہے ؛ اور باقی کے متعلق حوالہ دیا ہے۔ یہ تمام شیعہ کے اجماع پر دلالت کرتا ہے۔'' [2]

-شیعہ عالم- مفید نے اپنی کتاب '' أوائل المقالات'' میں '' رجعت پر ایمان'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے:

'' قرآن میں اس عقیدہ کے درست ہونے کے متعلق موجود ہے، اور اس کی احادیث ظاہر ہیں، امامیہ سارے کے سارے اس پر ایمان رکھتے ہیں، سوائے چندان لوگوں کے جو اس راہ سے ہٹ گئے ہیں۔'' [3]

---

[1] علم الیقین في أصول الدین ۲/ ۸۲۷۔
[2] الإیقاظ من الھجعة ص ۳۳-۳۴۔
[3] الإیقاظ من الھجعة ص ۸۹۔

اور ایسے ہی عقیدۂ رجعت پر امامیہ کا اجماع محمد بن حسن الحر العاملی نے اپنی کتاب " ایـــقـــاظ الهـــجـــعة " میں بھی نقل کیا ہے۔ وہ دلائل جن سے امامیہ اثنی عشریہ نے رجعت کا عقیدہ صحیح ہونے پر استدلال کیا ہے؛ ان میں سے -ایک دلیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

''اور چوتھی دلیل۔ تمام امامیہ شیعہ، اور اثنا عشری طبقات کا رجعت کا عقیدہ صحیح و درست ہونے پر اجماع ہے؛ جس کا سابقہ اور آنے والے علماء میں کوئی بھی ایسا مخالف معلوم نہیں ہوا جس کا قول معتبر سمجھا جاتا ہو۔''❶

پھر بعض ان رافضی علماء کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے -اس عقیدہ پر- اجماع کے ثابت ہونے کی صراحت کی ہے، اور کہا ہے:

''جلیل القدر شیخ امین الدین ابو علی فضل بن الحسن الطبرسی نے اپنی کتاب: ''مجمع البیان لعلوم القرآن'' میں اجماع نقل کیا ہے۔ اور جن لوگوں نے اجماع نقل کیا ہے، -ان میں-: شیخ حسن بن سلیمان بن خالد قمی نے رجعت کے بارے میں اپنے کتابچہ میں - اجماع نقل کیا ہے، اور کہا ہے -الفاظ یہ ہیں:

''رجعت ان عقائد میں سے ہے جن پر ہمارے علماء کا اجماع ہے، بلکہ تمام امامیہ کا اس پر اجماع ہے۔ اور اس مسئلہ میں ان سے شیخ مفید اور شیخ مرتضی کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی اجماع نقل کیا ہے۔ اور کتاب ''الصراط المستقیم'' والے نے رجعت کے مسئلہ میں لمبا کلام کیا ہے، جس کے خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے بھی ایسے ہی ہمارے لیے اجماع نقل کیا ہے۔''❷

اور جن علماء رافضہ نے رجعت پر اجماع کی صراحت کی ہے، ان میں سے ایک ملا محمد باقر مجلسی ہے۔ جیسے کہ وہ اپنی کتاب ''الأربعین'' میں رجعت اور اس کے بارے میں روایات کا ذکر کیا ہے، پھر وہ کہتا ہے:

''اے حق و یقین کے طالب! جان لے کہ میں یہ گمان نہیں کرسکتا کہ تم عقیدۂ رجعت کی اصل میں شک نہیں کر سکتے، اس کے بعد کہ میں نے آپ کے لیے وہ معتبر اخبار - احادیث -

---

❶ الإيقاظ من الهجعة ؛ ص : ٣٣-٣٤۔

❷ الإيقاظ من الهجعة ؛ ص : ٣٤؛ ٤٣۔

روایت کردی ہیں، جو ہمارے علماء اخیار کی ثقہ کتابوں سے مأخوذ ہیں۔ جن کی انتہاء ہمارے آئمہ اطہار پر ہوتی ہے؛ ان پر بخشنے والے بادشاہ کے سلام ہوں ؛ اور اس کے ساتھ ہی اس -عقیدہ- پر ہر زمانے کے شیعہ کا اجماع رہا ہے۔ اور اس عقیدہ کی ان کے درمیان ایسے شہرت رہی ہے، جیسے سورج کی چڑھتے ہوئے دن میں۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس عقیدہ کو اپنی کتابوں میں پرویا -تحریر کیا- ہے۔ اور تمام شہروں میں اپنے مخالفین پر اس سے حجت قائم کی ہے۔ اور مخالفین نے اس وجہ سے اپنی بودی کتابوں میں برا بھلا کہا ہے۔ اور مؤمن ائمہ علیہم السلام کی عصمت سے اس معاملہ میں کیسے شک کرسکتا ہے جس کے بارے میں دوسو سے زیادہ صریح حدیثیں ہوں، جن کو میں نے "الکتاب الکبیر" ❶ میں نقل کیا ہے۔ جنہیں میں نے چالیس سے زیادہ چوٹی کے علماء سے نقل کیا ہے۔ جسے انہوں نے پچاس سے زیادہ مشہور کتابوں میں روایت کیا ہے۔" ❷

محمد رضا مظفر ان معاصر -شیعہ- علماء میں سے جنہوں نے اس -عقیدۂ رجعت- پر اجماع کی صراحت کی ہے؛ وہ کہتا ہے:

"ہاں قرآن کریم میں رجعت کا واقعہ ہونا لے کر آیا ہے۔ اور اس کی احادیث بیتِ عصمت سے وافر ملتی ہیں۔ اور امامیہ تمام کے تمام اسی عقیدہ پر ہیں، سوائے ان چند ایک کے جنہوں نے رجعت کے بارے وارد ہونے والے -نصوص- میں تأویل کی، اور وہ کہتے ہیں: "اس کا معنی اس ملک کا واپس ملنا ہے، اور امر ونہی کا دوبارہ قائم ہونا ہے۔" ❸

رہے وہ دلائل جن سے وہ عقیدۂ رجعت ثابت کرنے کے لیے استدلال کرتے ہیں؛ سو وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ قرآن اس عقیدہ کے درست ہونے پر دلالت کرتا ہے، اس لیے انہوں نے کئی آیات سے استدلال کیا ہے۔ ان میں سے: پہلی آیت: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجاً مِّمَّن يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾

(النمل: ۸۳)

---

❶ اس سے مراد کتاب "بحار الأنوار" ہے۔ ❷ الأربعین ص: ۴۳۲۔

❸ عقائد الإمامیة ص: ۱۱۹۔

''اور جس روز ہم ہر اُمت میں سے اس گروہ کو جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے تو اُن کی جماعت بندی کی جائے گی۔''

قمی سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا گیا ہے:

''صادق سے روایت ہے، ان سے اِس آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کیا گیا؛ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کہا گیا: ''بے شک لوگ کہتے ہیں: ''یہ آیت قیامت کے بارے میں ہے۔'' تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہر امت سے ایک گروہ کو جمع کرے گا اور باقی لوگوں کو چھوڑ دے گا۔ بے شک یہ آیت رجعت کے بارے میں ہے، رہی یہ آیت:

﴿وَّحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَداً﴾ (الكهف: ٤٧)

''اور ان (لوگوں کو) ہم جمع کرلیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔''[1]

حر عاملی نے ایقاظ میں عقیدۂ رجعت پر اس آیت سے استدلال کرنے کے بعد کہا ہے:

''بہت ساری احادیث واردہ میں اس آیت کی تفسیر رجعت سے کی گئی ہے۔ اس لیے کہ یہ ظاہر میں نص پوری وضاحت کے ساتھ دلیل ہے، اور بلکہ عقیدۂ رجعت کی صراحت ہے۔''[2]

دوسری آیت: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ﴾ (القصص: ٨٥)

''(اے پیغمبر!) جس (رب) نے تم پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے وہ تمہیں بازگشت کی جگہ لوٹا دے گا۔''

قمی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے:

''عام لوگوں نے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد قیامت کا ''معاد'' ہے۔ جب خاص لوگوں نے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد ''رجعت'' ہے۔ جعفر سے روایت کیا گیا ہے، بے شک انہوں نے جابر بن عبداللہ سے سوال کیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ جابر پر رحم کرے۔ آپ کی فقاہت میں سے یہ بھی تھا کہ آپ اس آیت کی تاویل جانتے تھے۔

[1] تفسير القمي ٢/ ١٣٠۔ [2] الإيقاظ من الهجعة ص ٧٣۔

﴿إِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ﴾

یعنی اس سے مراد رجعت ہے۔''❶

تیسری آیت: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾

(سورة السجدة : ٢١)

''اور ہم ان کو (قیامت کے) بڑے عذاب کے سوا-ادنی- دنیا کا عذاب بھی چکھائیں گے شاید (ہماری طرف) لوٹ آئیں۔''

قمی نے صادق سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا ہے:

''العذاب الأدنی ؛ (دنیا کا عذاب) سے مراد تلوار کے ساتھ رجعت کا عذاب ہے۔ اور عذاب اکبر قیامت میں ہوگا۔ اور ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْن﴾: ''شاید (ہماری طرف) لوٹ آئیں'' کا معنی یہ ہے: انہیں رجعت میں عذاب دیا جائے گا۔''❷

چوتھی آیت: اللہ تعالیٰ مشرکین کی حکایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ (غافر: ١١)

''وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم کو دو دفعہ بے جان کیا۔''

قمی نے صادق سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا ہے:

''یہ رجعت میں ہے۔ یعنی جو دنیا کی دو زندگیوں میں سے ایک ہے؛ اور ایک اور قیامت میں ہوگی۔ اور دنیا کی دو موتوں میں سے ایک؛ اور دوسری -موت- رجعت میں ہوگی۔''❸

یہ ان آیات میں سے بعض آیتیں ہیں جن سے وہ رجعت کے واقع ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ وگرنہ اور بہت ساری آیات ہیں جن میں انہوں نے اپنے فاسد عقیدہ کی تائید کے لیے تأویل کی ہے۔ جن کے بیان کرنے کے لیے یہ موقع نہیں ہے۔ جو کوئی مزید دیکھنا چاہے اسے چاہیے کہ وہ ان کتابوں کا مراجعہ کرے:

---

❶ تفسير القمي ٢/ ١٧٠۔ ❷ تفسير القمي ٢/ ١٧٠۔

❸ تفسير القمي ٢/ ٢٥٦۔

١۔ "الإيقاظ الهجعة في اثبات الرجعة " للحر العاملي۔

٢۔ الأربعين لمحمد باقر المجلسي

٣۔ عقائد الإمامية : لإبراهيم الموسوي۔

عقیدۂ رجعت پر ان کے استدلالات میں سے وہ روایات بھی ہیں جو وہ لوگ اپنے آئمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں،اور جن سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اپنے مدلول کے اعتبار سے یہ روایات دو اقسام میں تقسیم ہوتی ہیں:

پہلی قسم : ......وہ روایات جومہدی کے خروج کے وقت بعض مردوں کے لوٹائے جانے پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ رجعت -شیعوں کے گمان کے مطابق- ان لوگوں کے لیے خاص ہے جو یا تو محض ایمان دار ہیں، یا پھرمحض کفار۔جیسا کہ ہم پہلے اس مسئلہ کو بیان کر چکے ہیں۔

ایسی روایات آئی ہیں جو بعض آئمہ اوران کے شیعہ کی رجعت پر منصوص ہیں؛ تا کہ وہ امام مہدی کی نصرت پر ثواب حاصل کر کے کامیاب ہوسکیں۔ اور ایسے ہی بعض صحابہ کی رجعت بھی ثابت ہے، تا کہ -شیعہ گمان کے مطابق- وہ مہدی منتظر کے ہاتھوں اپنے حصہ کی سزا حاصل کرسکیں۔

ان روایات میں سے وہ بھی ہیں جنہیں باقر مجلسی نے اپنی کتاب ''الأربعین''نقل کیا ہے۔ یہ منجملہ ان چالیس احادیث میں سے ہے جن کی اس کتاب میں شرح کی گئی ہے، اوراس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔

ابوجعفر علیہ السلام سے روایت ہے، انہوں نے کہا ہے: ''حسین علیہ السلام نے قتل ہوجانے سے پہلے اپنے ساتھیوں سے کہا:'' بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے میرے بیٹے ! تجھے عراق کی سرزمین کی طرف لے جایا جا گا۔ یہ وہ سرزمین ہے جس میں انبیاء اورانبیا کے اوصیاء ملتے رہے ہیں۔اس سرزمین کا نام''عمورتھا۔'' اور بے شک تم شہید کردیے جاؤ گے،تمہارے ساتھ تمہارے ساتھیوں کی ایک جماعت بھی شہید کردی جائے گی۔ اور یہ جنگ تم پر ان -تمہارے ساتھیوں پر ٹھنڈی اورسلامتی والی ہوگی۔تو پھر آپ کوخوشخبری ہوکہ اللہ کی قسم اگر ہم قتل کردیے گئے تو ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پلٹ کر جائیں گے۔ پھر جتنا عرصہ اللہ چاہے گا وہاں رہیں گے۔ پھر میں سب سے پہلا انسان ہوگا جس کی قبرکھولی جائے گی، میں ایسے نکلوں گا کہ میرا نکلنا امیر المؤمنین علیہ السلام کے نکلنے کے موافق ہوگا، اور ہمارے قائم کے قیام اور

نبی کی زندگی کے-موافق ہوگا-۔''

مجلسی یہ روایت نقل کرنے کے بعد کہتا ہے :'' جان لیجیے کہ احادیث میں سے یہ حدیث رجعت پر دلالت کرتی ہے، جو کہ امامیہ مذہب کے اصولوں میں سے ہے۔'' ❶

اور ابوجعفر سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک انہوں نے کہا ہے :

'' بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ لوٹ کر آئیں گے۔'' ❷

حرالعاملی نے حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ﴾ (القصص : ۸۵)

'' (اے پیغمبر!) جس (رب) نے تم پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے وہ تمہیں معاد میں لوٹا دے گا۔''

فرمایا:'' تمہارا نبی ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تمہارے پاس واپس آئیں گے۔'' ❸

اور ابوجعفر سے ہی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں روایت کیا گیا ہے:

﴿يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ﴾ (بنی اسرائیل : ۷۱)

'' جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے پیشواؤں کیساتھ بلائیں گے۔''

فرمایا کہ:'' رسول اللہ ﷺ ایک گاؤں میں آئیں گے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسرے گاؤں میں آئیں گے؛ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ تیسرے گاؤں میں؛ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ ایک گاؤں میں؛ اور جو کوئی جس قوم میں مرا ہوگا، وہ اس کے ساتھ آئیں گے۔'' ❹

رہا صحابہ کرام کی رجعت اور ان کو عذاب دینے کے بارے میں رافضی جو گمان کرتے ہیں، اس بارے میں احادیث مہدی منتظر کی بحث میں نقل کی گئی ہیں؛ وہاں دیکھ لیا جائے۔ ❺

دوسري قسم : ......وہ روایات جو بعض مردہ انسانوں اور حیوانوں میں مہدی کے زمانہ کے علاوہ وقت میں زندگی لوٹ کر آنے پر دلالت کرتی ہیں۔

---

❶ الأربعين ۴۰۰- ۴۰۱۔ ❷ الرجعة للأحسائي ص : ۲۵۹۔
❸ الإيقاظ من الهجعة ص : ۳۴۴ ۔ ❹ الإيقاظ من الهجعة ص : ۳۴۱ ۔
❺ اسی کتاب میں ایک فصل مہدی منتظر کے بارے میں گزر چکی ہے۔ جس میں تفصیلی روایات ہیں۔

اس موضوع میں بہت ساری روایات ہیں۔ ان میں سے بعض انبیاء کے لوٹ کر آنے کی ہیں، اور بعض روایات ان کے ہاں آئمہ کے لوٹ کر آنے پر دلالت کرتی ہیں؛ اور بعض روایات بعض صحابہ کے لوٹ کر آنے پر دلالت کرتی ہیں جس کا ہدف - رافضی بدگمانی کے مطابق - انہیں عذاب دینا ہے۔ اور بعض روایات ائمہ کی اس قدرت پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ بعض مردوں کو دوبارہ زندگی دینے پر دلالت کرتی ہیں۔

اولاً: انبیاء کی رجعت:

مجلسی نے علی بن الحسن بن فضال سے روایت کیا ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے، اس نے علاء بن یحی مکفوف سے روایت کیا، اس نے عمر بن ابی زیاد سے اور اس نے عطیہ ابزاری سے روایت کیا ہے؛ وہ کہتا ہے: رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف کیا؛ آپ نے اچانک دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام رکن یمانی کے برابر میں -کھڑے- ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں سلام کیا، جب حجر اسود کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ حضرت نوح علیہ السلام وہاں پر حجر اسود کے برابر میں ہیں؛ آپ ایک دراز قامت انسان تھے؛ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی سلام کیا۔'' ❶

بصائر الدرجات میں ہے: حسین بن علی الوشا سے روایت ہے، وہ ابوالحسن الرضا سے روایت کرتے ہیں؛ انہوں نے کہا:

> ''انہوں نے خراسان میں مجھ سے کہا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہاں پر دیکھا، اور پھر میں آپ کی صحبت میں رہا۔'' ❷

اور اسی میں ابوعبداللہ سے روایت ہے:

> ''بے شک امیر المؤمنین علیہ السلام کی ملاقات ابوبکر سے ہوئی؛ اور ان پر حجت قائم کی۔ پھر ان سے کہا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میرے اور آپ کے درمیان رسول اللہ ﷺ فیصلہ کرنے والے ہوں؟ انہوں نے کہا: مگر میں ان کے پاس کیسے جا سکتا ہوں؟ انہوں نے ان -ابوبکر- کو ہاتھ سے پکڑا، اور لے کر مسجدِ قباء میں داخل ہوگئے۔ سو رسول اللہ ﷺ وہاں پر موجود تھے۔ انہوں نے ابوبکر کے خلاف فیصلہ دیا۔ ابوبکر وہاں سے گھبرائے ہوئے

---

❶ بحار الأنوار ۲۷/ ۳۰۴۔

❷ بصائر الدرجات ص: ۲۹۴۔ بحار الأنوار ۲۷/ ۳۰۳۔

واپس لوٹے؛ اور عمر سے ملے اور انہیں -اس معاملہ کی- خبر دی۔ انہوں نے کہا: ''تمہیں کیا ہوگیا ہے، تمہیں بنی ہاشم کی جادوگری کا پتہ نہیں ہے؟'' ❶

یہ روایات انبیاء کرام علیہم السلام کی موت کے بعد لوٹ کر آنے پر دلالت کرتی ہیں۔ پہلی روایت میں حضرت آدم اور نوح علیہم السلام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر لوٹ کر آنے کی دلیل ہے۔

جب کہ دوسری دو روایتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کے لوٹ کر آنے پر دلالت کرتی ہیں۔

ثانیاً: آئمہ کی رجعت:

صفار نے سماعۃ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا ہے:

''میں ابوعبداللہ علیہ السلام پر داخل ہوا، میرے دل میں کوئی بات تھی۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور کہا؛ تمہیں کیا ہوگیا ہے، دل میں باتیں چھپاتے ہو، کیا تم چاہتے ہو کہ ابوجعفر کو دیکھو؟ میں نے کہا: ہاں۔

انہوں نے کہا: کھڑے ہو جاؤ اور گھر میں اندر چلے جاؤ۔ جب میں گھر کے اندر داخل ہوگیا، تو دیکھا: ابوجعفر علیہ السلام وہاں تھے۔''

اور کہا: ''حسن بن علی علیہ السلام کے شیعہ میں سے کچھ لوگ امیر المؤمنین علیہ السلام کے قتل کے بعد آئے تھے۔ انہوں نے آپ سے پوچھا: ''کیا تم اگر امیر المؤمنین کو دیکھو گے تو پہچان لو گے؟ کہنے لگے: ہاں۔ فرمایا: ''پردہ اٹھاؤ؛ انہوں نے پردہ اٹھایا تو دیکھا امیر المؤمنین علیہ السلام تھے، جو بالکل ان کے لیے اوپرے (ان جانے) نہیں تھے۔ تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: ''جو ہم میں سے مرتا ہے، وہ مر جاتا ہے، مگر وہ مردہ نہیں ہوتا اور ہم میں سے جو باقی رہ گیا، وہ تم پر حجت باقی رہ گیا ہے۔'' ❷

اور اسی کتاب میں سماعہ سے ہی دوسری روایت ہے؛ وہ کہتا ہے:

''میں ابوالحسن علیہ السلام کے پاس تھا۔ بہت دیر ان کے پاس بیٹھا رہا۔ تو انہوں نے کہا: ''کیا تم چاہتے ہو کہ ابوعبداللہ علیہ السلام کو دیکھو: اس نے کہا: ''اللہ کی قسم! میری خواہش ہے۔'' فرمایا:

---

❶ بصائر الدرجات ص: ۲۹٤۔

❷ بصائر الدرجات ص: ۲۹٥۔ بحار الأنوار ۲۷/ ۳۰۳۔

کھڑے ہوجاؤ، اوراس گھر میں داخل ہوجاؤ۔ ناگہاں میں نے دیکھا کہ ابوعبداللہ علیہ السلام وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔'' ❶

-اورکتاب-إیقاظ الهجعة میں ہے: ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

''میں اپنے والد کے ساتھ ان کے بعض اموال کی طرف نکلا، جب ہم صحراء میں چلنے لگے تو ہمارا استقبال ایک نے کیا۔ میرے والد سواری سے اترے، اور اسے سلام کیا؛ ہم نے سنا، وہ ان سے کہہ رہا تھا:'' میں آپ پر قربان جاؤں؛ پھر بہت لمبی بات چیت کی۔ پھر میرے والد نے انہیں الوداع کہا؛ وہ شیخ کھڑا ہوا اور چل پڑا، ہم اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ہم سے غائب ہوگیا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا:'' یہ شیخ کون تھا؟'' فرمایا:'' یہ تمہارے دادا حسین علیہ السلام تھے۔'' ❷

ثالثاً: عذاب کی غرض سے بعض صحابہ کی رجعت:

بعض صحابہ کی رجعت ہوگی؛ جس کا ہدف انہیں عذاب دینا ہوگا؛ رافضی گمان کے مطابق یہ خروج مہدی سے پہلے ہوگا۔

رافضہ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے دشمنی کی کوئی حد نہیں ہے؛اور خاص کر حضرات شیخین جلیلین ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما سے۔- ان دونوں - کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ انہیں ہر موسم حج میں ان کی قبروں سے نکالا جائے گا تا کہ انہیں جمرات کے پاس لے جا کر ائمہ رجم کریں گے۔

صفار نے بصائر الدرجات میں میں روایت نقل کی ہے،-وہ کہتا ہے-علی بن عیسی سے روایت ہے، وہ کہتا ہے: اسے اس کے دادا نے خبر دی، کہ:

''وہ منیٰ میں جمرات کے پاس ابوجعفر محمد بن علی کے پاس تھا؛ وہ رمیِ جمرات کرر ہے تھے۔ جب ابوجعفر علیہ السلام نے رمیِ جمرات کر لی، تو کہا اسے پورا کرو۔ پھر اس کے ہاتھ میں اس کے بعد پانچ کنکریاں بچی تھیں، ان میں سے دو کی ایک کونے میں رمی کی، اور تین کی ایک کونے میں۔ میرے والد نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں؛ میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے

---

❶ بصائر الدرجات ص: ۲۹۶۔ بحار الأنوار ۲۷/ ۳۰۴۔

❷ ایقاظ الهجعة ص: ۲۲۰۔

ایسا کام کیا جو کسی اور نے نہیں کیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے جمرات کی رمی کی، پھر آپ نے پانچ کنکریاں ماریں؛ تین کنکریاں ایک کونے میں ماریں،اور دو کنکریاں ایک کونے میں۔فرمایا: ہاں! جب حج کا موسم آتا ہے تو دونوں -ابوبکر وعمر- فاسق غاصبوں کو نکالا جاتا ہے؛ اور ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ یہاں اور وہاں کھڑا کر دیا جاتا ہے۔انہیں عادل امام کے علاوہ کوئی اور نہیں دیکھ سکتا۔تو میں نے پہلے کو دو کنکریاں ماریں؛ اور دوسرے کو تین؛ اس لیے کہ دوسرا پہلے سے زیادہ خبیث ہے۔'' ❶

رہے جنابِ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ، تو ان کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ انہیں ان کی قبر سے نکالا گیا، ان کی گردن میں ایک زنجیر تھی؛ انہوں نے ابوجعفر سے سوال کیا کہ انہیں کچھ پینے کو دیا جائے۔

صفار نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا ہے:

''میں مکہ کی راہ میں اپنے باپ کے ساتھ چل رہا تھا، ہم دو اونٹنیوں پر سوار تھا۔ جب ہم وادی ضجنان ❷ پہنچے تو ایک آدمی نکلا، اس کی گردن میں زنجیر تھی جسے وہ کھینچ رہا تھا؛ اور اس نے کہا: اے ابوجعفر مجھے کچھ پلاؤ، اللہ تمہیں پلائے۔ اس کے پیچھے ایک دوسرا آدمی آیا۔

اس نے زنجیر کھینچ لی، اور کہا: اے ابنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اسے کچھ بھی نہ پلایئے؛ اور اللہ اسے نہ پلائے۔ وہ -راوی- کہتا ہے: ''میں اپنے باپ کی طرف متوجہ ہوا؛ اور پوچھا: تو انہوں نے کہا: اے ابوجعفر تم نے نہیں پہچانا؟ یہ معاویہ ہے۔'' ❸

رابعاً: بعض مردوں کو زندہ کرنے کی آئمہ کی قدرت:

رافضی یہ گمان رکھتے ہیں کہ ان کے ائمہ اس بات کی قدرت رکھتے ہیں کہ مردوں میں سے جس کو چاہیں، دوبارہ زندگی دیدیں؛ خواہ وہ -مردہ- انسان ہو یا حیوان ہو۔

کتاب بصائر الدرجات کے باب: ''بے شک آئمہ علیہم السلام نے اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کیا'' کے عنوان کے تحت کئی روایات نقل کی ہیں جو اس عقیدہ کی تائید کرتی ہیں۔ان میں سے یہ چند روایات میں

---

❶ بصائر الدرجات ص: ٣٠٦-٣٠٧۔ ایقاظ الهجعة ص: ١٩٣۔

❷ مکہ مکرمہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ معجم البلدان، یاقوت الحموي ٣/٤٥٣۔

❸ بصائر الدرجات ص: ٣٠٥۔

یہاں پیش کرتا ہوں جو ابوعبد اللہ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، بے شک انہوں نے کہا ہے:

''بے شک امیر المؤمنین حضرت علی [رضی اللہ عنہ] علیہ السلام کی خالہ بنی مخزوم میں تھی۔ ان میں سے ایک نوجوان -حضرت علی رضی اللہ عنہ- کے پاس آیا اور ان سے کہا: اے ماموں جی! میرا بھائی اور میرے باپ کا بیٹا مر گیا ہے؛ اور مجھ اس کا بہت زیادہ غم ہوا ہے۔ فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ اسے دیکھو؟ کہا: ہاں! فرمایا: ''مجھے اس کی قبر دیکھاؤ۔ آپ اس نوجوان کے ساتھ نکلے؛ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہونے والی چادر ''بردہ'' آپ پر تھی؛ جب آپ قبر پر پہنچے تو آپ کے ہونٹ گول ہوئے؛ اور قبر پر اپنی ایڑی ماری۔ وہ اپنی قبر سے یہ کہتے ہوئے نکلا: ''رمیکا'' ❶۔ آپ نے فرمایا: کیا جب تم مرے تو عربی نوجوان نہیں تھے؟ تو کہا: کیوں نہیں، بس جب ہم مرے تو فلاں آدمی ❷ کے طریقہ پر مرے تھے، اس لیے ہماری زبانیں مڑ گئی ہیں۔'' ❸

داؤد بن کثیر راقی سے روایت ہے وہ کہتا ہے:

'' ہمارے ساتھیوں میں سے ایک نے حج کیا۔ وہ ابوعبد اللہ علیہ السلام کے پاس گیا، اور کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! بے شک میرے گھر والی مرگئی ہے۔ اور میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ ابوعبد اللہ علیہ السلام نے کہا: کیا تم اس سے محبت کرتے تھے؟ کہا: ہاں؛ میں آپ پر قربان جاؤں۔ فرمایا: ''اپنے گھر واپس جاؤ؛ وہ بھی اپنے گھر واپس آئے گی اور وہ کوئی چیز کھا رہی ہوگی۔ کہا: جب میں اپنے حج سے واپس آیا، اور اپنے گھر میں داخل ہوا؛ میں نے دیکھا کہ وہ بیٹھی ہوئی تھی اور کچھ کھا رہی تھی۔'' ❹

مجلسی نے بحار الانوار میں سعد القمی سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے: ابوالفضل الدکین نے کہا ہے: مجھ سے محمد بن راشد نے بیان کیا؛ وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے، وہ اپنے دادا سے؛ وہ کہتا ہے: میں نے جعفر بن محمد علیہما السلام سے نشانی پوچھی۔ تو انہوں نے کہا:

---

❶ '' رمیکا'' فارسی زبان کا لفظ ہے۔

❷ فلاں آدمی سے مراد جناب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لیتے ہیں۔ علیهم من الله ما يستحقون ۔

❸ بصائر الدرجات ص: ۲۹۳۔ ❹ بصائر الدرجات ص: ۲۹٤۔

''جو چاہو مجھ سے پوچھ لو، میں آپ کو بتاؤں گا؛ ان شاء اللہ۔ تو میں نے کہا: میرا بھائی ان قبروں میں چلا گیا ہے- یعنی مر گیا ہے- آپ اس کو حکم دیں کہ وہ میرے پاس آئے۔ کہا: اس کا نام کیا تھا؟ میں نے کہا: اس کا نام اُحمد تھا۔ آپ نے فرمایا: اے احمد، اللہ کے حکم سے کھڑے ہوجاؤ اور جعفر بن محمد کے حکم سے۔ وہ کھڑا ہوگیا؛ اور وہ کہہ رہا تھا: اللہ کی قسم! میں اس کے پاس آرہا۔''❶

آئمہ کا حیوانات کو زندہ کرنا:

مجلسی نے ''بحار الأنوار'' میں مفضل بن عمر سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''میں ابوعبد اللہ جعفر بن محمد علیہما السلام کے ساتھ مکہ میں یا عرفات میں چل رہا تھا۔ ہمارا گزر ایک عورت پر ہوا؛ اس کے سامنے ایک گائے مری ہوئی پڑی تھی۔ وہ ایک بچے کیساتھ رو رہی تھی۔ آپ علیہ السلام نے کہا: ''تمہارا کیا معاملہ ہے؟ اس -عورت- نے کہا: ''میرا اور میرے بچوں کا گزر بسر اس گائے پر ہوتا تھا۔ اور یہ مر گئی ہے، اب مجھے یہی پریشانی لاحق ہے- کہ گزر بسر کیسے ہوگی؟-۔ آپ نے فرمایا: کیا تم چاہتی ہو کہ اللہ تمہارے لیے اس گائے کو زندہ کردے؟ وہ کہنے لگی: کیا تم میری اس مصیبت میں میرا ٹھٹھہ اڑاتے ہو؟ فرمایا: ہرگز نہیں؛ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا؛ پھر آپ نے ایک دعا کی؛ پھر اسے اپنی ایڑی سے مارا اور چیخ کر اسے آواز دی۔ وہ گائے جلدی جلدی برابر کھڑی ہوگئی۔ وہ عورت کہنے لگی: رب کعبہ کی قسم! یہ تو عیسی بن مریم ہے۔ صادق علیہ السلام لوگوں میں داخل ہوگئے؛ اور وہ عورت انہیں نہ پہچان سکی۔''❷

یونس بن ظبیان سے مروی ہے، وہ کہتا ہے میں لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ صادق علیہ السلام کے پاس تھا؛ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ فرمانا:

﴿ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ﴾ (البقرہ: ٢٦٠)

''چار جانور پکڑوا کر اپنے پاس منگوا لو (اور ٹکڑے ٹکڑے کروا دو)۔''

---

❶ بحار الأنوار ٤٧ / ١٣٧۔

❷ سابق مصدر ٤٧/ ١١٥۔

''کیا یہ چار مختلف اجناس کے پرندے تھے، یا ایک ہی جنس کے۔تو فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ اس جیسا دیکھو؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں،ضرور چاہتے ہیں۔تو آپ نے کہا: ''اے طاؤس (مور)! تو مورفوراً اڑ کر آپ کی خدمت میں پہنچ گیا۔تو آپ نے پھر کہا: ''اے کوّے! تو کوّا فوراً اڑ کر آپ کے سامنے حاضر ہوگیا۔تو آپ نے پھر کہا: ''اے باز! تو باز فوراً اڑ کر آپ کے سامنے حاضر ہوگیا۔تو آپ نے پھر کہا: ''اے کبوتر! تو کبوتر فوراً اڑ کر آپ کے سامنے حاضر ہوگیا۔ پھر آپ نے ان چاروں کو ذبح کرنے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور ان کے پر نوچنے کا حکم دیا۔اور یہ کہ ان سب کو آپس میں ملا دیا جائے۔ پھر آپ نے مور کا سر اٹھایا؛ تو ہم نے دیکھا کہ اس کے پر، ہڈیاں اور گوشت دوسروں سے علیحدہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ان سب کو اس کے سر کے ساتھ لگا دیا؛ اور مور آپ کے سامنے زندہ کھڑا ہوگیا۔ پھر ایسے ہی کوے کو آواز دی؛ اور باز اور کبوتر کو بھی۔ یہ سب کے سب آپ کے سامنے زندہ کھڑے ہوگئے۔''[1]

رافضیوں کے ہاں عقیدہ رجعت کی یہ حقیقت ہے۔ میں اس بارے میں ان کی طرف کوئی بات منسوب نہیں کی؛ صرف وہی کچھ لکھا ہے جو ان کی کتابوں کی روایات میں ادلہ میں ان کے آئمہ معصومین سے وارد ہوا ہے۔ یا ان کے معتبر علماء کا کلام ہے جو ان کے ہاں ثقہ سمجھے جاتے ہیں۔

میں نے ان کے ہاں رجعت کا معنی بھی بیان کیا ہے؛ اور پھر اس پر ان کے علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ پھر یہ بیان کیا ہے کہ رجعت کن لوگوں کے لیے ہوگی؟ یہ تمام امور ان کی مشہور اور ثقہ کتابوں میں جیسے وارد ہوئے ہیں؛ ایسے ہی میں نے نقل کر دیے ہیں۔

اس سے پہلے کہ رافضیوں کے ہاں عقیدۂ رجعت کے بارے میں بات ختم کروں، یہ لازم ہے کہ میں اس عقیدہ پر ایک بار پھر تنبیہ کر دوں؛ وہ یہ کہ: رافضیوں کے ہاں عقیدۂ رجعت خروج مہدی کے وقت مردوں کو زندہ کرنے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ جیسا کہ اہلِ سنت کے بعض قلم کاروں کا خیال ہے؛ یا پھر جیسے رافضی عقیدۂ رجعت کی تعریف وشرح کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ یہ خروج مہدی کے وقت مردوہ کو دوبارہ زندگی ملنا ہے۔

---

[1] بحار الأنوار ٤٧/ ١١١۔

بلکہ جو بات میرے نزدیک ان کی کتابوں اور روایات کے مطالعہ سے ثابت ہوئی ہے کہ یہ لوگ ہروقت اورخواہ وہ خروج مہدی کا زمانہ ہو یا اس سے پہلے کا، رجعت کو جائز سمجھتے ہیں۔

اس پر میں نے وہ روایات بھی ذکر کی ہیں جوان کی صحیح کتابوں میں وارد ہوئی ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تیسری بحث:......عقیدۂ رجعت میں رافضی یہودی مشابہت کی وجوہات

یہودیوں اور رافضیوں کا عقیدۂ رجعت پیش کرنے کے بعد یہ بات کھل کرعیاں ہوجاتی ہے کہ ان دونوں کے درمیان کئی ایک لحاظ سے مشابہت ہے:

اول ......اجتماعی رجعت کے وقت کے بارے میں دونوں فریقوں کے درمیان اتفاق ؛ یہودیوں کا ہاں اس رجعت کا وقت ان کے مسیح منتظر کے خروج کا ہے، جب کہ رافضہ کے ہاں اس رجعت کا وقت ان کے مہدی منتظر کے خروج کا ہے۔

دوم......یہودیوں اور رافضیوں دونوں کے ہاں رجعت کے ہدف - مقصد - میں اتفاق ؛ یہودیوں کے ہاں رجعت مسیح منتظر کے لشکر میں شامل ہونے اوران کی نصرت کے لیے ہوگی۔اور رافضیوں کے ہاں رجعت مہدی منتظر کے لشکر میں شامل ہونے اور دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرنے کے لیے ہوگی۔

سوم......دونوں گروہوں کے درمیان مردوں کو دوبارہ زندگی دینے پر انسانی قدرت پر اتفاق ؛ سو یہودی اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے انبیاء اور حاخام مردوں میں سے جس کو چاہیں دوبارہ زندگی دے سکتے ہیں۔اور رافضی اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے آئمہ مردوں میں سے جس کو چاہیں دوبارہ زندگی دینے کی قدرت رکھتے ہیں۔

یہودی اور رافضی عقیدۂ رجعت میں مشابہت کی یہ چند ایک وجوہات ہیں۔اگر چہ ان دونوں کے مابین اس عقیدہ - کے بعض امور - میں اختلاف بھی ہے۔لیکن یہ بات صاف ظاہر ہے کہ رجعت کا عقیدہ محض یہودی عقیدہ ہے۔ جو عبداللہ بن سباء کے واسطہ سے رافضیوں تک پہنچا؛ جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتا تھا جس کی وجہ سے عام مسلمانوں میں یہودی عقائد پھیلائے گئے تاکہ انہیں دین اسلام سے دور کرسکیں۔-اسلامی تاریخ میں - سب سے پہلے جس نے عقیدہ رجعت اور اس جیسے طوفان خیز

افکار کی طرف دعوت دی، اور اس کا شوشہ چھوڑا وہ عبداللہ بن سباء - یہودی - تھا۔

قدیم اور جدید ہر دور کے محقق علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے اسلام میں عقیدہ رجعت کی صداء عبداللہ بن سباء نے لگائی، اور اس سے مذکورہ عقیدہ کو رافضہ نے قبول کیا۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بے شک ابن سباء نے جن عقیدوں ک رواج دیا ان میں سے عقیدۂ رجعت بھی ہے۔ جب اس نے اہل مصر سے یہ کہا: ''ان لوگوں پر تعجب ہے جو یہ گمان تو کرتے ہیں کہ عیسی علیہ السلام دوبارہ لوٹ کر آئیں گے، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لوٹ کر آنے کو جھٹلاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَی مَعَادٍ﴾ (القصص: ٨٥)

''(اے پیغمبر!) جس (رب) نے آپ پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے وہی آپ کو پہلی جگہ لوٹا دے گا۔''

سو محمد صلی اللہ علیہ وسلم عیسی علیہ السلام کی نسبت اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ لوٹ کر آئیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ: ''لوگوں نے اس کی بات کو قبول کیا؛ اور ان کے لیے عقیدۂ رجعت ایجاد کیا، بعد اس میں لوگ کلام کرنے لگے۔'' [1]

سو سب سے پہلے ابن سباء نے جس چیز کی طرف دعوت دی؛ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لوٹ کر آنے کا عقیدہ تھا۔ پھر جب اس نے دیکھا کہ لوگوں میں یہ عقیدہ رواج پکڑ رہا ہے تو اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لوٹ کر آنے کا کہنا شروع کر دیا۔

نوبختی - تیسری صدی کا بڑا شیعہ عالم - کہتا ہے:

''جب ابن سباء کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر پہنچی وہ اس وقت مدائن میں تھا۔ اس نے موت کی خبر پہنچانے والے سے کہا:

اگر تم علی رضی اللہ عنہ کا دماغ بھی میرے پاس ستر برتنوں میں رکھ کر لے آؤ، اور ان کے قتل ہونے پر ستر عادل گواہ لاؤ، تب بھی میں یہی کہوں گا آپ نہیں مرے؛ اور نہ ہی قتل ہوئے ہیں۔ اور

[1] تاریخ الطبري: ٤/ ٣٤٠۔

اس وقت تک نہیں مریں گے یہاں تک کہ پوری زمین کے بادشاہ بن جائیں۔'' ❶

ابوالحسن علی اشعری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''سبائی/عبداللہ بن سباء کے ساتھی اس بات کا گمان کرتے ہیں بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں مرے، وہ قیامت سے پہلے دنیا میں لوٹ کر آئیں گے، اور زمین کو ایسے ہی عدل و انصاف سے بھر دیں گے جیسے وہ ظلم و زیادتی سے بھری ہوگی۔'' اور کہتے ہیں کہ -عبداللہ بن سباء ہی- وہی تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا'' تو ہی معبود ہے تو ہی معبود ہے۔''

اور فرمایا: سبائی رجعت کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں: مردے دنیا میں لوٹ کر آئیں گے۔'' ❷

-شیخ- ملطی رحمہ اللہ سبائیوں کے متعلق کہتے ہیں:

''یہ عبداللہ بن سباء کے ساتھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہیں مرے؛ وہ زندہ ہیں، اور نہ ہی مریں گے۔ اور کہا جاتا ہے جب انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر پہنچی تو کہنے لگے:

''اگر تم علی رضی اللہ عنہ کا دماغ بھی میرے پاس ستر لوٹوں میں رکھ کر لے آؤ، تب بھی ہم ان کی موت کی تصدیق نہیں کریں گے۔ جب یہ بات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو فرمایا:'' پھر ہم ان کے مال کے وارث کیسے بنے، اور ان کی عورتوں سے شادیاں کیسے ہوگئیں؟'' ❸

علامہ شہرستانی رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر لانے والے کے لیے عبداللہ بن سباء کا مقالہ ذکر کرنے کے بعد کہا ہے:

''عبداللہ بن سباء نے اس مقالہ کا اظہار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کیا؛ اور ایک گروہ اس عقیدہ پر جمع ہوگیا؛ یہی سب سے پہلا فرقہ ہیں جنہوں نے:'' توقف، غیبت اور رجعت کے عقیدہ کی بنیادیں ڈالیں۔'' ❹

---

❶ فرق الشیعة ص: ۲۳۔ ❷ مقالات الإسلامیین ص: ۸٦۔

❸ التنبیه والرد علی أهل الأهواء و البدع ص ۱۸۔

❹ الملل والنحل ۱/ ۱۷٤۔

علامہ سکسکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''البرہان'' میں لکھا ہے:

''ابن سباء اور اس کے فرقہ کے لوگ موت کے بعد دنیا میں رجعت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے یہ عقیدہ اختیار کیا۔'' [1]

علامہ مقریزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بے شک عبد اللہ بن سباء کا ظہور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا، اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس دنیا میں لوٹ کر آنے کا قول گھڑا، اور ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لوٹ کر آنے کا قول بھی اسی نے ہی گھڑا۔'' [2]

اور بہت سارے محققین نے اس بات کی تصریح اور وضاحت کی ہے کہ رافضیوں کے ہاں رجعت کا عقیدہ یہودیوں سے لیا گیا ہے۔ مستشرق محقق گولڈ تھیسر کہتا ہے:

''اور رجعت کا نظریہ بذاتِ خود شیعہ کا ایجاد کردہ نہیں ہے، اور نہ ہی ان عقائد میں سے ہے جو شیعہ کے ساتھ خاص ہیں۔ یہ بات بہت ممکن ہے کہ یہ عقیدہ اسلام میں یہودی اور عیسائی اثرات کا نتیجہ ہو۔'' [3]

ایک اور مستشرق فل ہاوزن جب ابن سباء کے یہودی ہونے کے متعلق بیان کرتا ہے تو ان عقائد کے درمیان جن کی دعوت ابن سباء نے پیش کی؛ اور یہودی عقائد میں موازنہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''یہی اس قول کی اصل ہے کہ ''فرقہ ءسبائیہ کی بنیاد یہودی نے رکھی ہے۔'' اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب جو کہ عبد اللہ بن سباء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، بے شک وہی اس کا بانی ہے؛ یقیناً اس انسان کی بنیاد یہودی تھی، یہ ایرانی المرجع ہونے سے زیادہ قریب تر ہے۔'' [4]

اور احمد امین کہتا ہے:

---

[1] البرهان في معرفة عقائد أهل الأديان ص : ٥٠؛ بواسطة سليمان العودة : عبد الله بن سباء ص : ٢٠٨۔

[2] المواعظ و الاعتبار للمقريزي ٢/ ٣٥٦۔

[3] العقيدة و الشريعة في الإسلام ص : ١٩٢

[4] الخوارج والشيعة ص: ١٧٠-١٧١۔

''رجعت کا یہ نظریہ ابن سباء نے یہودیت سے لیا ہے۔ان - یہودیوں - کے ہاں اللہ کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام آسمان پر چڑھ گئے تھے۔ وہ واپس آئیں گے، اور دین اور قانون بھی لوٹ آئیں - بحال ہو جائیں - گے۔ یہ نظریہ پہلے زمانے میں عیسائیوں میں بھی پایا گیا ہے۔''❶

جب کہ معاصر شیعہ میں سے ڈاکٹر کامل مصطفیٰ شیبی کا خیال ہے کہ: ''رجعت کا نظریہ ایک شخصی نظریہ تھا، جو کہ پروان چڑھتے ہوئے مکمل طور پر جماعتی نظریہ بن گیا۔'' پھر وہ کہتا ہے:

''اور یقیناً اس نظریہ کا اسرائیلی نظریہ سے تعلق ہے۔جس کا محور بطن صحراء میں حمیری حکومت کا قائم ہونا ہے۔ پھر یہ نظریہ اثنا عشری شیعہ کی فطرت میں داخل ہوگیا۔مجلسی نے اسے اپنے اعتقادات کے ضمن میں شمار کیا۔(وہ کہتا ہے): بے شک اللہ تعالیٰ قائم علیہ السلام کے زمانے میں یا اس سے پہلے مؤمنین کی ایک جماعت کو اکٹھا کرے گا، تا کہ وہ ان کی آنکھیں ان کے آئمہ حکومت کے دیدار سے ٹھنڈی کرے۔اور کافروں اور مخالفین کی ایک جماعت کو اکٹھا کرے گا، تا کہ وہ دنیا میں ہی جلدی انتقام لے لے۔''❷

حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بے شک وہ یہودی افکار جو کہ ابن سباء نے ان مسلمانوں میں پھیلائے، جو اس سے دھوکہ کھا گئے تھے؛ ان میں سے ایک رجعت اور عدمِ موت کا؛ اور زمین کی بادشاہی کا؛ عقیدہ ہے۔اور آئمہ کی بعض ایسی باتوں پر قدرت ہونے کا عقیدہ جس کی طاقت مخلوقات میں سے کوئی بھی نہیں رکھتا۔''❸

-اس مسئلہ میں - قدیم اور معاصر اہل سنت اور شیعہ علماء اور مستشرقین کے چند اقوال ہیں؛ جنہوں نے رافضیوں کے ہاں عقیدہ رجعت کے بارے میں لکھا ہے؛ اور لمبی بحث و تدقیق اور تحقیق کے بعد انہوں نے کہا ہے کہ :اس عقیدہ کا مصدر خالص یہودی ہے۔جو عبد اللہ بن سباء کے واسطہ سے رافضیوں میں منتقل ہوا ہے؛جس نے عام مسلمانوں میں یہودی عقائد و افکار پھیلائے۔اس کا ہدف لوگوں

❶فجر الإسلام ص : ۲۷۰۔ ❷الصلة بين التصوف والتشيع ص: ۱۱۲-۱۱۳۔

❸الشيعة والسنة ص ۲۷۔

کو دین سے دور کرنا تھا۔ یہ عقائد رافضی نفوس میں ایک نرم و ہری بھری چراگاہ ثابت ہوئی؛ جن کے بارے میں علماء کا کہنا ہے کہ: یہ لوگ اہلِ اھواء اور مبتدعین میں سے کفر میں ڈوبے ہوئے لوگ ہیں۔'' ❶

اتنا بیان کرنے سے ان لوگوں کے لیے حق باطل سے واضح ہو چکا، جو حق کے طلب گار ہیں کہ یہ عقیدہ اصل میں یہودی عقیدہ ہے، اور اسلام اس عقیدہ سے بری ہے؛ بھلے رافضی اس عقیدہ کے اسلام کے طرف منسوب ہونے کا دعوی کرتے رہیں۔

بلکہ قرآن و سنت کے دلائل کھل کر اس عقیدہ کے باطل ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسا کہ آنے والی بحث میں بھی عنقریب بیان کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چوتھی بحث:...... یہودی رافضی عقیدۂ رجعت کا ابطال

عقیدہ رجعت کے باطل ہونے پر کتاب اللہ، سنت، اجماع، اور عقل سب کے سب دلالت کرتے ہیں۔ [ذیل میں ہر ایک سے رد کیا جائے گا]۔

کتاب اللہ سے:

سو بہت ساری آیات قرآن کریم میں ایسی وارد ہوئی ہیں جو یوم حساب سے قبل مردوں کے اس دنیا میں لوٹ کر آنے کو محال بتاتی ہیں؛ ان آیات میں سے:

اللہ تعالیٰ کافروں کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿حَتَّى إِذَا جَاء أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ o لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحاً فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴾

(المؤمنون: ۹۹۔۱۰۰)

''(یہ لوگ اسی غفلت میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جائے گی تو کہے گا کہ اے پروردگار! مجھے پھر (دنیا میں) واپس بھیج دے۔ تاکہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کیا کروں۔ ہرگز نہیں یہ ایک ایسی بات ہے کہ وہ اسے زبان سے کہہ رہا ہوگا (اور اس کے ساتھ عمل نہیں ہوگا) اور اس کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس

❶ الفَرق بين الفِرق: للبغدادي ص ۲۳۵۔

دن تک کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے (رہیں گے)۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رافضیوں کے عقیدۂ رجعت پر رد کرتے ہوئے اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''کسی عاقل پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس آیت سے تعلق اور تمسک اس فرمان میں ہے:

﴿وَمِن وَرَآئِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾

سوشیعہ کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ رجعت کا کہیں، یہ محال ہے، خواہ نیک عمل کے لیے ہو، اور نہ ہی قصاص اور حد اور تعزیر کے لیے؛ اس لیے کہ اس آیت کے آخر میں رجعت مطلق طور پر ممنوع ٹھہرائی گئی ہے۔''[1]

اس آیت نے دنیا میں لوٹ کر آنے کی تمام تر امیدیں توڑ کر رکھ دی ہیں، بھلے یہ لوٹ کر آنا نیک اعمال کے لیے ہو، یا اس کے کوئی اور اہداف اور مقاصد ہوں جیسے یہودی اور رافضی کہتے ہیں۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تاکید سے وجودِ برزخ سے لوٹ کر آنے کو مستحیل (محال) قرار دیا ہے۔ کسی ایک کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس سے تجاوز کر سکے۔ چونکہ یہ برزخ موت اور بعثت کے درمیان ایک دیوار ہے۔ یہ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک رکاوٹ ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے۔[2]

اس آیت نے بعثت کے دن سے قبل رجعت کے ہر دعوی کو باطل کر دیا ہے۔ وہ آیات جو عقیدہ رجعت کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتاً فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (البقرہ: ۲۸)

''(کافرو!) تم اللہ تعالیٰ سے کیونکر منکر ہو سکتے ہیں جس حال میں کہ تم بے جان تھے تو اس نے تمہیں جان بخشی پھر وہ تمہیں مارے گا پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین سے

---

[1] مختصر التحفة الاثني عشرية ص ۲۰۱

[2] تفسير ابن كثير ۳/ ۲۵٦؛ فتح القدير للشوكاني ۳/ ٤۹۹۔

روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''یعنی تم پیدا ہونے سے پہلے معدوم تھے۔ پھر تمہیں زندہ کیا؛ یعنی تمہیں پیدا کیا؛ پھر وہ تمہیں مارے گا؛ جب تمہاری زندگیوں کی مدت ختم ہوجائے گی۔ پھر وہ قیامت کے دن تمہیں زندہ کرے گا۔''❶

سو یہ آیت قیامت سے پہلے لوٹ کر آنے کے دعوی - رجعت - کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ آیت میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو زندگیاں دی ہیں، ایک پہلی بار اس کی پیدائش کے وقت؛ اور دوسری بار قیامت والے دن اٹھائے جانے کے وقت۔ اگر رجعت ہوتو اس سے لازم آتا ہے کہ تیسری بار بھی زندگی دینا ہو۔ مگر یہ بات آیت میں وارد نہیں ہوئی۔ تو آیت اس عقیدہ کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسی طرح - ایک اور مقام پر - اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ﴾

(الحج: ٦٦)

''اور وہی تو ہے جس نے تمہیں حیات بخشی پھر تمہیں مارتا ہے پھر تمہیں زندہ بھی کرے گا اور انسان تو بڑا ناشکرا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ مشرکین سے متعلق حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ (غافر: ١١)

''وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم کو دو دفعہ بے جان کیا۔''

اس آیت سے بھی رافضی رجعت پر استدلال کرتے ہیں، جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، اور وہ کہتے ہیں کہ ایک زندگی رجعت کے وقت اور دوسری قیامت کے دن۔

اس آیت میں ان کے اس مسئلہ کی کوئی دلیل نہیں ہے؛ بلکہ معاملہ اس کا الٹ ہے۔ یہ آیت ان پر ہی حجت ہے۔ یہ آیت بھی سابقہ دونوں آیات کی طرح ہے۔ پہلی زندگی اس دنیا کی پہلی زندگی ہے اور دوسری زندگی قیامت کے دن کی ہے۔ رہی دو موتیں، تو پہلی موت سے مراد انسان کی تخلیق سے پہلے عدم کی

❶ الجامع لأحکام القرآن ١/ ٢٤٩۔

حالت ہے۔ جب کہ دوسری موت وہ موت ہے جو دنیا میں اپنی زندگی پوری کرنے کے بعد ہوگی۔ اگر اس میں رجعت بھی ہوتی تو لازم آتا تھا کہ تین زندگیاں اور تین موتیں ہوں۔

اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ آیت رافضی کی دلیل نہیں ہے، بلکہ ان پر حجت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بہت خوب فرمایا ہے:

''بے شک رافضہ جب بھی کسی دلیل سے استدلال کرتے ہیں، وہ دلیل ان کے خلاف ہی ہوتی ہے، ان کی تائید میں نہیں ہوتی۔'' [1]

اور جن آیات سے رافضی اپنے اس باطل عقیدہ پر استدلال کرتے ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾ (العنكبوت: ٥٧)

''ہر متنفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ﴾ (السجدة: ١١)

''کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری رُوحیں قبض کر لیتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

یہ دونوں آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اگر دنیا کی طرف لوٹ کر آنا ہوتا تو اس کا ذکر آیت میں ضرور آتا۔

یہ بعض وہ آیات ہیں جو اس عقیدہ کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ وگرنہ الحمد للہ کہ قرآن کریم میں اور بھی بہت ساری آیات ہیں جن میں اس عقیدہ پر رد کرتی ہیں۔ یہ موقع ان تمام کو ذکر کرنے کا نہیں۔ بس فقط چند آیات اس لیے یہاں ذکر کی ہیں تاکہ شک و شبہ ختم ہو جائے؛ اور ان لوگوں کے اس عقیدہ کا فساد ظاہر ہو جائے۔

رہی وہ آیات جن سے رافضی اپنے باطل عقیدۂ رجعت کے لیے استدلال کرتے ہیں، حقیقت میں

[1] منهاج السنة ٢/ ٣٢۔

ان کے لیے کوئی دلیل ان آیات میں نہیں ہے۔ ذیل میں اس کا بیان ہے:

پہلی آیت: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجاً مِّمَّن يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾

(النمل: ۸۳)

''اور جس روز ہم ہر اُمت میں سے اس گروہ کو جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے تو اُن کی جماعت بندی کی جائے گی۔''

اس آیت کے بارہ میں گمان کرتے ہیں کہ جو حشر اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ رجعت کے ساتھ خاص ہے۔ رہا قیامت کا حشر وہ اس کے علاوہ ہے، جس میں تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا؛ جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے:

﴿وَّحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَداً﴾ (الکھف: ٤٧)

''اور ان (لوگوں کو) ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔''

ان کا اس آیت سے رجعت پر استدلال کرنا؛ اس دعوی کے ساتھ کے یہ دوسری آیت یعنی:

﴿وَّحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَداً﴾

سے تعارض رکھتی ہے۔ یہ ایک باطل استدلال ہے۔ اس لیے کہ حشر کی چار قسمیں ہیں۔ جن میں سے دو دنیا میں ہیں، اور دو حشر آخرت میں ہیں۔

وہ دو حشر جو دنیا میں ہیں:

ان میں سے پہلا حشر: یہودیوں کا شام کی سرزمین پر جمع ہونا ہے۔ اس حشر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ﴾

(الحشر: ۲)

''وہی تو ہے جس نے کفار اہلِ کتاب کو حشرِ اوّل کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا تمہارے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے۔''

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پہلا حشر دنیا کا حشر تھا، جب وہ شام کی سرزمین اکھٹے کیے

جائیں گے۔

دوسرا حشر: جس کا تذکرہ قیامت کی نشانیوں میں آتا ہے۔ کہ آگ نکلے گی اور وہ لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگوں کو تین مجموعوں میں جمع کیا جائے گا؛ رغبت رکھنے والے اور ڈرے ہوئے۔ دو ایک اونٹ پر، اور تین ایک اونٹ پر؛ ایک اونٹ پر چار اور ایک اونٹ پر دس۔ اور ان سے باقی رہ جانے والوں کو آگ جمع کرے گی؛ جو ان کے ساتھ قیلولہ کرے گی، جہاں بھی وہ آرام کریں گے؛ اور ان کیساتھ ہی رات گزارے گی؛ وہ جہاں بھی رات گزارے گی۔ اور ان کے ساتھ ہی صبح کرے گی جہاں وہ صبح کریں گے۔ اور ان کے ساتھ ھی شام کرے گی وہ جہاں بھی وہ شام کریں گے۔''[1]

امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حشر ثانی سے مراد وہ آگ ہے، جو انہیں مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گا، وہ جہاں رات گزاریں گے، ان کے ساتھ رات گزارے گی۔ اور جہاں بھی وہ آرام کریں گے وہ ان کے ساتھ آرام کری گی؛ اور ان میں سے جو پیچھے رہے گا اس کو کھا جائے گی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ قیامت قائم ہونے سے پہلے دنیا کا حشر ہے۔ یہ قیامت کی آخری نشانی ہے۔

آخرت کے دو حشر:

ان میں سے پہلا حشر: لوگوں کو ان کی قبروں سے اٹھانے کے بعد میدان حشر میں جمع کیا جائے گا۔ یہ حشر تمام مخلوقات کے لیے عام ہے، جس پر کئی آیات دلالت کرتی ہیں؛ ان میں سے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَّحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَداً﴾ (الكهف: ٤٧)

''اور ان (لوگوں کو) ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔''

[1] رواه البخاری كتاب الرقاق ' باب : الحشر ' ح: ٦٥٢٢۔ مسلم كتاب الجنة و صفة نعيمها و أهلها ح: ٢١٩٥۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ o لَمَجْمُوعُونَ إِلَى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴾
(الواقعة: ٤٩، ٥٠)

''کہہ دو کہ بے شک پہلے اور پچھلے۔ سب) ایک روز مقرر وقت پر جمع کیے جائیں گے''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ﴾ (هود: ١٠٣)

''یہ وہ دن ہوگا جس میں سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے اور یہی وہ دن ہوگا جس میں سب (اللہ کے روبرو) حاضر کیے جائیں گے۔''

دوسرا حشر: یہ اہل جنت کا جنت کی طرف جمع کیا جانا ہے۔ اہل جہنم کا جہنم کی طرف۔ اس حشر پر بھی کئی آیات دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے اہل جنت کے حشر پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْداً﴾ (مريم : ٨٥)

''جس روز ہم پرہیزگاروں کو اللہ کے سامنے (بطور) مہمان جمع کریں گے۔''

اور اہل جہنم کے حشر پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقاً﴾ (طه: ١٠٢)

''اور ہم گنہگاروں کو اکٹھا کریں گے اور ان کی آنکھیں نیلی نیلی ہوں گی۔''

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿الَّذِيْنَ يُحْشَرُونَ عَلَى وُجُوهِهِمْ إِلَى جَهَنَّمَ أُوْلَئِكَ شَرٌّ مَّكَاناً وَأَضَلُّ سَبِيْلاً﴾
(الفرقان: ٣٤)

''جو لوگ اپنے مونہوں کے بل دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے اُن کا ٹھکانہ بھی بُرا ہے اور وہ رستے سے بھی بہکے ہوئے ہیں۔''

اور وہ آیت جس سے وہ رجعت کے عقیدہ پر استدلال کرتے ہیں وہ اسی عنوان کے تحت داخل ہیں؛ جیسا کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ علامہ بغوی رحمہ اللہ، اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجاً مِّمَّن يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾

(النمل: ۸۳)

''اور جس روز ہم ہر اُمت میں سے اس گروہ کو جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے تو اُن کی جماعت بندی کی جائے گی۔'']

﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجاً﴾ یعنی ہر صدی میں ایک جماعت؛ ﴿مِّمَّن يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا﴾؛ یہاں پر من تبعیض کے لیے نہیں ہے، اس لیے کہ تمام جھٹلانے والے جمع کیے جائیں گے۔ ﴿فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾؛ یعنی ان کا پہلا اس وقت تک کے لیے روکا جائے گا جب تک کہ ان آخری آدمی آ کر ان کے ساتھ جمع ہو جائے۔ پھر ان سب کو جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ ❶

اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس کے قریب ترین معنی ذکر کیا ہے۔ ❷

اس سے معلوم ہوا کہ رافضہ کے لیے اس میں کوئی حجت نہیں ہے۔ اور اس آیت میں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿وَّحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَداً﴾

''اور ان (لوگوں کو) ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔''

ان دونوں کے درمیان آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں آیات میں سے ہر ایک آیت حشر کی انواع میں سے ایک نوع پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رہی دوسری آیت، یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿إِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ﴾ (القصص: ۸۵)

''(اے پیغمبر!) جس (رب) نے آپ پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے وہ آپ کو پلٹنے کی جگہ لوٹا دے گا۔''

اس آیت میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے بعد کے سلف صالحین رحمہم اللہ کے اقوال نقل کیے ہیں؛ اور معاد کے معنی مقصود

❶ تفسیر البغوی ۳/ ۴۳۰۔ ❷ تفسیر ابن کثیر ۳/ ۳۷۶۔

میں ان کا اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں کثرتِ اختلاف کے باوجود ایک قول بھی ایسا نہیں ہے جو رافضی مذہب کی تائید کرتا ہو۔ جو رافضیوں کے اس مذہب کے باطل ہونے کی دلیل ہے کہ یہاں پر معاد سے مقصود رجعت ہے۔

معاد کے معانی میں یہ سلف کے اقوال ہیں، جوانہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کیے ہیں:

☆ جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ ﴿لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد آخرت ہے۔

☆ جناب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ﴿لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد تمہارا ٹھکانہ جنت میں ہے۔

☆ جناب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ﴿لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد: اس کی معاد یعنی اس کی آخرت ہے۔

☆ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمہیں آخرت کے دن میں لایا جائے گا۔

☆ اور حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ ﴿لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد: تمہارا آخرت میں لوٹ کر آنا ہے۔''

☆ اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ ﴿لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: حسن رحمہ اللہ فرماتے تھے: '' ہاں اللہ کی قسم! اور پھر اللہ کی قسم! بے شک اس کے لیے معاد کا ایک دن ہے، جس اللہ تعالیٰ لوگوں کو اٹھائے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔

☆ امام المفسرین امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ﴾: ''اس سے مراد: موت ہے۔''[1]

یہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رحمہم اللہ کی ﴿مَعَادٍ﴾ کے معانی میں تفاسیر ہیں۔ اور ان میں سرِ فہرست جناب سیدنا حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان میں سے کسی ایک سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے ''معاد'' کا معنی رجعت سے بیان کیا ہو۔ جو رافضیوں کے عقیدہ رجعت پر اس آیت سے استدلال کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔

رہی تیسری آیت؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] تفسیر الطبري ۲۰/ ۷۹۔ فتح القدير للشوكاني ٤/ ۱۹۰۔

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾

(السجدة : ٢١)

''اور ہم ان کو (قیامت کے) بڑے عذاب کے سوا دنیا کا عذاب بھی چکھائیں گے شاید (ہماری طرف) لوٹ آئیں۔''

انہوں نے یہ گمان کیا ہے کہ آیت میں ﴿عذاب الأدنی﴾ سے مراد رجعت کا عذاب ہے۔ان کا یہ کہنا باطل ہے۔اس لیے کہ نہ ہی صحابہ کرام میں سے کسی ایک سے، اور نہ ہی تابعین اور ان کے بعد کے کسی ایک ایسے عالم سے؛ جن کی بات عام مسلمانوں کے ہاں معتمد مانی جاتی ہو،- یہ منقول ہو کہ انہوں نے -﴿عذاب الأدنی﴾ کی تفسیر رجعت کے عذاب سے کی ہو۔

بلکہ یہ ایسی تفسیر ہے جس میں تمام اسلامی فرقوں کو چھوڑ کر رافضی منفرد ہیں۔

ذیل میں ﴿عذاب الأدنی﴾ کی تفسیر میں وارد ہونے والی سلف کے اقوال دیے جا رہے ہیں:

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ﴿عذاب الأدنی﴾ سے مراد دنیا کے مصائب بلائیں، امراض اور اللہ تعالیٰ کی آزمائشیں ہیں تاکہ وہ توبہ کر لیں۔

☆ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: -اس سے مراد-''دنیا کے مصائب ہیں۔''

☆ دوسرے کچھ لوگوں کا کہنا ہے: اس سے مراد حدود لی گئی ہیں۔ یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

☆ اور کچھ دوسرے لوگوں نے کہا ہے اس سے مراد:''تلوار سے قتل کیا جانا ہے۔''

☆ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس سے مراد ہے کہ باندھے ہوئے - قید کی حالت میں - تلوار سے قتل کیا جانا ہے۔''[1]

یہ سلف کے اقوال ہیں، ان میں ایک قول بھی ایسا وارد نہیں ہوا - جو بتائے - کہ اس سے مراد رجعت کا عذاب ہے؛ جیسا کہ رافضی گمان کرتے ہیں۔

چوتھی آیت: رہی چوتھی آیت یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

[1] تفسیر الطبري ٢١/ ٦٩-٧٠۔

﴿قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ (غافر: ۱۱)

''وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم کو دو دفعہ بے جان کیا۔''

اس سے پہلے گزر چکا ہے، میں نے وضاحت کی ہے کہ ان کے مذہب کی اس آیت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ قیامت سے پہلے رجعت کے مستحیل ہونے کی وجہ سے یہ اہلِ سنت و الجماعت کی دلیل ہے۔ اس بحث سے ظاہر ہوا کہ ان آیات سے رافضیوں کا اپنے عقیدۂ رجعت پر استدلال کرنا سرے سے باطل ہے۔ وللہ الحمد والمنة۔

سنتِ رسول اللہ ﷺ:

سنت بھی اس عقیدہ -رجعت- کے فاسد ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بات احادیث میں آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ دیہاتیوں کی ایک سے؛ جنہوں نے قیامت کے بارے میں پوچھا تھا؛ تو آپ ﷺ نے ان میں سے سب سے کم عمر انسان کی طرف دیکھا؛ اور فرمایا تھا:

''اگر یہ زندہ رہا، اور بڑھاپا اس کو نہ پا سکا تو تم پر تمہاری قیامت قائم ہو جائے گی'' [1]

آپ ﷺ نے یقیناً یہ خبر دی ہے کہ معاصر لوگوں کی قیامت اس مرحلہ تک پہنچنا ہے۔ یعنی کے ان کی موت (سے قیامت قائم ہو جائے گی)۔ حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو بھی انسان مر گیا اس کے لیے قیامت قائم ہوگئی۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ جس کے لیے قیامت قائم ہو جائے اس کا دنیا میں لوٹ کر آنا محال ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ دوبارہ دنیا میں لوٹ کر آ جائے تو اس کے لیے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اس کے لیے قیامت قائم ہوگئی ہے؛ اور یہ بات اہل عقل و دانش کے ہاں معلوم شدہ ہے۔

اجماع:

تمام مسلمانوں کے آپس میں مذہبی اختلاف کے باوجود اس بات پر اتفاق اور اجماع ہے کہ موت کے بعد قیامت سے پہلے کوئی رجعت [دوبارہ دنیا میں لوٹایا جانا] نہیں ہے۔ اور اس مسئلہ میں سوائے رافضیوں کے، کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مسلمانوں کے مُردوں رجعت کے جائز نہ ہونے پر اجماع کا علم ضرور ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میں یہ اجماع اہل سنت کی کتابوں سے ذکر کروں، یا ان سے ہٹ کر دوسرے مسلمان فرقوں

[1] صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب قرب الساعة، ح: ۱۳۹۔

کی کتابوں سے ذکر کروں ؛ بلکہ میں یہ اجماع رافضیوں ہی کی کتابوں سے ذکر کروں گا تا کہ ان پر حجت خوب قائم ہو جائے۔

ان کے علماء میں سے جنہوں نے یہ اجماع نقل کیا ہے(ان میں سے):

-شیخ -مفید(ہے، وہ) کہتا ہے:

''اور امامیہ کا بہت سارے مُردوں کا قیامت سے پہلے اس دنیا میں لوٹ کر آنے پر اتفاق ہے۔ اگر چہ ان کے درمیان ''رجعت کے معنی'' میں اختلاف ہے۔ ایسے اللہ تعالیٰ کے لیے لفظِ ''بداء'' ❶ کے اطلاق پر بھی اتفاق ہے، سماعت ❷ کے اعتبار سے، قیاس نہیں۔ اور اس بات پر اتفاق ہے کہ آئمہ ضلالت وگمراہی نے قرآن کے لکھنے میں بہت اختلاف کیا ہے، اور بہت ساری چیزوں میں وحی کے موجب سنت رسواللہ ﷺ سے ہٹ گئے تھے۔''

اور معتزلہ، خوارج؛ زیدیہ، مرجعئہ، اور اصحاب حدیث کا ان تمام امور میں جو ہم نے گنے ہیں، امامہ کے-عقیدہ-خلاف اجماع ہے۔''

احسائی نے کتاب " الرجعة " میں لکھا ہے:

''پس بے شک جمہور رجعت کا بہت سخت انکار کرتے ہیں۔ اور اس وجہ سے شیعہ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اور اس عقیدہ کو بدعت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔'' ❸

جب کہ الحر العاملی کا خیال -اور عقیدہ- ہے کہ رجعت کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ شیعہ کے علاوہ کسی نے بھی اس عقیدہ کا نہیں کہا۔ اس کی بنیاد ان کے اس عقیدہ پر ہے: ''بے شک حق اہلِ و الجماعت کی مخالفت کرنا ہی حق ہے۔'' پھر وہ کہتا ہے:

''بے شک رجعت ایک ایسا معاملہ ہے جس کی صحت کے بارے میں عام اہل علم میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کہا۔ اس عقیدہ کا قول صرف شیعہ کا ہے۔ اور جو بھی ایسا معاملہ ہو، وہ حق

---

❶ " بداء " کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کام یا اس کے انجام کا علم نہیں ہوتا' وہ کام کر گزرنے کے بعد اسے علم ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اور سماعت سے مراد یہ ہے کہ: وہ اپنے بڑوں سے سنتے آئے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہی عقیدہ رکھتے تھے؛ اس کے لیے کسی دلیل سے سہارا نہیں لیتے تھے۔

❷ أوائل المقالات ص: ٤٨-٤٩۔

❸ الإيقاظ من الهجعة في اثبات الرجعة ٦٩-٧٠۔

ہے، یا تو صغری ہے؛ یہ پھر ظاہر ہے۔ یا کبری ہے، تو اس پر دلیلیں بہت زیادہ ہیں۔ آئمہ علیہم السلام سے روایت کیا گیا ہے، بے شک انہوں نے عام لوگوں [شیعہ عامہ/ عام لوگوں سے مراد غیر شیعہ کو لیتے ہیں] کے متعلق کہا ہے:

''اللہ کی قسم! وہ کسی بھی راہ پر نہیں ہیں جس پر تم ہو۔ اور تم اس راہ پر نہیں ہو جس پر وہ ہیں۔ سو ان کی مخالفت کرو، بے شک وہ حنیفیت میں سے کسی چیز پر بھی نہیں ہیں۔''[1]

اس سے خود ان لوگوں کا اعتراف ثابت ہو گیا کہ پوری امت اسلامیہ کا اجماع عقیدۂ رجعت کے باطل ہونے پر ہے۔ لیکن ان لوگوں سے ہم کیا کہہ سکتے ہیں جن کے دین اور عقیدہ کی بنیادیں ہی امت اسلامیہ کی مخالفت پر رکھی گئی ہوں۔ اور اسے اپنے فاسد عقیدہ کے اصولوں میں سے ایک اصول بنا دیا ہو۔

عقل:

عقل بھی عقیدۂ رجعت کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مختصر تحفہ اثنی عشریہ میں اس فاسد عقیدہ کے باطل ہونے پر کئی ایک دلائل ذکر کیے ہیں، جن میں سے چند ایک کا خلاصہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں:

۱۔ رافضی گمان کے مطابق اگر صحابہ کرام کو ان کے برے اعمال پر دنیا میں لوٹا کر عذاب دیا گیا، اور پھر انہیں آخرت میں لوٹایا گیا اور عذاب دیا گیا تو اس سے صریح ظلم کا ہونا لازم آئے گا۔ اس لیے بہت ضروری ہے کہ ان پر آخرت کے عذاب میں تخفیف کی جائے۔ مگر یہ جرم کی بھیانکی، اور انتہائی سخت غلطی ہونے کی وجہ سے اس کے منافی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى﴾ (طه: ۱۲۷)

''اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت دیر رہنے والا ہے۔''

۲۔ بے شک خلفاء ثلاثہ - ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم اجمعین - نے کسی ایسے جرم کا ارتکاب نہیں کیا جس کی وجہ سے انہیں عذاب دینا واجب ہو، سوائے خلافت غصب کرنے کے - رافضی گمان کے مطابق -؛ اس غصب کی انتہاء یہ ہو سکتی ہے کہ ناشکری یا فسق کا کام ہو۔ اور ناشکری اور فسق میں سے کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جس سے موت کے بعد اور بعثت سے پہلے رجعت واجب ہوتی ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو

[1] الرجعة ص: ۱٤۔

اس سے تمام ادیان کے ناشکروں اور فاسقوں کی رجعت بھی لازم آئے گی۔ یہ لازم ان کے ہاں بھی باطل ہے۔

۳۔ اگر انہیں دنیا میں عذاب دینے سے مقصود ملامت کرنا اور ایذا دینا ہے تو یہ چیز عالم قبر میں ہوتی ہے۔ پھر اس صورت میں ان کو زندہ کرنا بیکار ہے۔ اور بیکاری -عبث- قبیح ہے جس سے اللہ تعالیٰ کو منزہ ماننا واجب ہے۔ اور اگر اس سے مقصود لوگوں کے سامنے ان کے جرائم کا پردہ چاک کرنا ہے؛ تو اس کے زیادہ حق دار وہ تھے جو خلافت میں ان لوگوں کے زیادہ حقدار ہونے کے معتقد، اور ان کے حامی ومددگار تھے۔

۴۔ رجعت سے لازم آتا ہے کہ نبی ﷺ اور وصی اور آئمہ سارے لوگوں سے ہٹ کر ایک اور موت کا ذائقہ چکھیں۔ اس لیے کہ ان کے لیے دنیا کی زندگی پھر سے لازم ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ دنیا کی سختیوں میں سے سب سے بڑھ کر سختی موت کی ہوتی ہے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے محبوبوں کو بلا وجہ تکلیف دینے کو جائز کیوں قرار دیا جا رہا ہے۔

۵۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جب ان ظالموں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو انہیں قرآئن سے معلوم ہو جائے گا کہ انہیں عذاب دینے اور قصاص لینے کے لیے زندہ کیا جا رہا ہے۔ اور یہ کہ بے شک وہ باطل پر تھے۔ اور آئمہ حق پر تھے؛ پھر اس وقت وہ ضرور توبہ کریں گے؛ جب دنیا میں توبہ قابل قبول ہے، اگرچہ وہ رجعت کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ تو پھر ان کو عذاب دینا کیوں کر ممکن رہے گا؟

۶۔ اس سے امیر المؤمنین اور نواسۂ رسول اللہ ﷺ کی اہانت لازم آتی ہے۔ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر ذلیل سے بڑھ کر ذلیل تھے؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں سے انتقام نہ لیا؛ اور نہ ہی انہیں ان پر قدرت دی؛ الا یہ کہ ایک ہزار اور کئی سو سال کے بعد - یہ کیسے ممکن ہے؟ [1]

واللہ تعالیٰ اعلم۔

❀❀❀❀

[1] دیکھو: مختصر التحفة الاثنی عشریة ص: ۲۰۲-۲۰۳۔

دوسرا باب:

اللہ تعالیٰ پر یہودی رافضی افتراء

یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے:

پہلی فصل: یہود کی اللہ کی طرف ندامت اور رافضیوں کی بداء کی نسبت
فصل دوم: کتب اللہ میں یہودی اور رافضی تحریف

پهلي فصل :

یہود کی اللہ کی طرف ندامت اور رافضیوں کی بداء کی نسبت

یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث: یہود کے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف حزن وندامت کی نسبت

دوسری بحث: اللہ کی طرف بداء کی نسبت رافضی مذہب میں

تیسری بحث: اللہ کی طرف ندامت اور حزن، اور بداء کی نسبت میں یہودیوں اور رافضیوں میں

چوتھی بحث: اللہ کی طرف ''حزن، ندامت اور بداء کی نسبت کا ابطال

پہلی بحث:...... یہود کے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف حزن وندامت کی نسبت

یہودی اپنی عادت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف بھی نقص کی صفات منسوب کرنے میں ذرا بھر بھی احتیاط سے کام نہیں لیتے؛ جیسے ندامت، غم؛ افسوس وغیرہ۔

یہودی اسفار میں بہت ساری نصوص ایسی وارد ہوئی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ پر مذکورہ صفات کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

وہ نصوص جن میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ندامت منسوب کی ہے، ان میں سے:

سفر خروج میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے تھے؛ تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ ان کی قوم کو ہلاک کرنے کے بارے میں وہ اپنی رائے واپس لے لے؛ اور تعالیٰ سے یہ کہا:

''اپنے سخت غصہ کو واپس لے لے؛ اور اپنی قوم کے ساتھ شر کے ارادہ پر ندامت اختیار کر۔ اور ابراہیم، اسحق اور اپنے بندے اسرائیل کو یاد کر۔ جن کے لیے تو نے خود ہی قسم اٹھائی ہے۔ اور تو نے ان سے کہا ہے: میں تمہاری نسل کو بڑھاؤں گا، اور یہ تمام میں جس کے بارے میں بات کی ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے بادشاہ بن جائیں گے۔ تو رب اپنے اس قول پر نادم ہوا؛ اپنی قوم کے ساتھ جس شر کا اس نے کہا تھا'' [1]

اخبار ایام اول [پہلے دنوں کی خبریں] میں اس سے مشابہت رکھتا ہوا ایک قصہ ہے:

''اللہ تعالیٰ نے یروشلم کو تباہ کرنے کے لیے فرشتے بھیجے۔ اور جو کوئی اس میں ہلاک ہوگا؛ - جب یہ بات - رب نے دیکھی تو شرمندہ ہوا۔ اور ہلاک کرنے والے فرشتوں سے کہا: اب کافی ہوگیا، اپنے ہاتھ واپس لے لو۔'' [2]

[1] اصحاح ۳۲؛ فقرہ ۱۲-۱۴۔ [2] اصحاح ۲۱، فقرہ ۱۵۔

سفر صموئیل اول میں آیا ہے، اللہ تعالیٰ شاول کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنانے پر شرمندہ ہا، اس لیے کہ اس نے حکم عدولی کی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے صموئیل سے یہ کہتے ہوئے کلام کیا:

''میں اس بات پر شرمندہ ہوں کہ میں نے شاول کو بادشاہ بنایا۔ اس لیے کہ وہ الٹے پاؤں میرے پیچھے پلٹ گیا، اور میری بات کو قائم نہیں رکھا۔'' (1)

اس نص کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں جانتے تھے کہ آخر کر شاول کا کیا ہوگا، ورنہ اس کو بنی اسرائیل کا بادشاہ نہ بناتے۔ [اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹوں سے بہت ہی بلند ہے]۔

اور سفر یوئیل میں- یہودی گمان کے مطابق- اللہ تعالیٰ کے بنی اسرائیل سے خطاب میں ہے:

''اپنے دلوں کو پھاڑ ڈالو، اپنے کپڑوں کو نہیں۔ اور اپنے معبود رب کی طرف رجوع کرو؛ اس لیے کہ وہ بہت ہی رحم کرنے والا مہربان ہے؛ اس کا غصہ بہت ٹھنڈا ہے، اور رحمت بہت زیادہ ہے۔ وہ برائی پر نادم ہوتا ہے؛ شاید کہ وہ رجوع کرے اور نادم ہو۔'' (2)

ان کا اللہ تعالیٰ کے لیے یہ وصف بیان کرنا کہ وہ نادم ہوتا ہے ''یندم'' مضارع کے صیغہ کے ساتھ؛ ان کے اس اعتقاد کی دلیل ہے کہ یہ ندامت مستمر ہے، اور اللہ تعالیٰ پر ہر وقت اس کی تجدید ہوتی ہے۔ [اللہ تعالیٰ نے کی کذب بیانیوں سے بہت ہی بلند و بالا ہے]۔

تلمود کی روایت میں یوں آیا ہے:

''اور اللہ تعالیٰ یہودیوں کو اس تنگی کی حالت میں چھوڑ دینے پر نادم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہر دن نادم ہوتا ہے، روتا ہے اور اپنا چہرہ پیٹتا ہے، اس کی آنکھوں سے دو قطرے سمندر میں گرتے ہیں۔ ان کی آواز شروع سے لے کر آخر عالم تک سب سنتے ہیں۔ اور پانی میں لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ اور کبھی کبھار اس کی وجہ سے زمین میں حرکت آجاتی ہے، اور کبھی زلزلے رونما ہوتے ہیں۔'' (3)

یہودیوں کی کتابوں میں یہ ندامت کی صفت کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کیا گیا ہے۔ اور یہ بات مخفی نہیں

---

(1) اصحاح ۱۵، فقرہ ۱۰-۱۱۔
(2) اصحاح ۲؛ فقرہ ۱۳-۱٤۔
(3) ابراهيم خليل أحمد إسرائيل و تلمود ص ٦٦۔

ہے کہ اس صفت میں اللہ تعالیٰ کی طرف جس جہالت کو منسوب کیا گیا ہے۔ تقدس اللہ عن ذلك

اس لیے کہ کسی متعین فعل پر ندامت نئے علم کے ظاہر ہوئے بغیر نہیں ہوتی ؛ جس سے اس فعل میں مصلحت کی مخالفت ظاہر ہوتی ہو۔ رہی وہ نصوص جن اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے بعض افعال پر غم اور افسوس [1] کی صفات بیان کی گئی ہیں ؛ تو سفر تکوین میں آیا ہے :

''رب نے دیکھا کہ زمین میں انسان کے شر بہت بڑھ گئے ہیں۔ اور وہ ہر ایک تصور اس کے دل کو سوچ ہے ؛ اور بے شک وہ ہر دن شرارتی ہے۔ تو وہ اس بات پر رنجیدہ ہوا کہ اس نے انسان کو زمین میں بنایا، اور اپنے دل میں افسوس کا اظہار کیا۔ پھر رب نے کہا :

''اب میں روئے زمین سے اس انسان کو ختم کردوں گا جو میں نے پیدا کیا تھا۔ انسان کو چوپاؤں، کیڑوں مکوڑوں، اور آسمان کے پرندوں کے ساتھ [ہلاک کروں گا]۔ اس لیے کہ میں ان کو بنانے پر رنجیدہ ہوا ہوں۔'' [2]

اس نص/عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اور وہ نہیں جانتا تھا کہ مستقبل میں ان سے کیا شر رونما ہوں گے۔ جب ان سے یہ شرور صادر ہوئے تو اللہ تعالیٰ کو اپنی تخلیق پر افسوس ہوا۔ [تعالی اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیر اً]۔

---

[1] افسوس کے لیے'' دو معانی ہیں: ایک جو گزر گیا ہے اس پر غم۔ اس لیے کہ عربوں کے ہاں اسف (افسوس) غم کے لیے (حزن) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ غم سے زیادہ سخت ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: ﴿إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَـٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفاً﴾ (الکهف : ٦) ''اگر یہ-لوگ- اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو [کیا آپ ان کے پیچھے] رنج میں'' [اپنے آپ کو ہلاک کردو۔ گے۔'' یعنی بهت هی رنج؛ دیکھو : لسان العرب ١٠/ ٣٤٧۔ اس معنی میں رنج و افسوس اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی اس کا اللہ تعالیٰ اطلاق کرنا جائز ہے۔ اور یہود اسی معنی میں اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کرتے ہیں، جیسا کہ ان کی نصوص سے ظاہر ہے۔ اور اس کا ایک معنی غضب کا بھی ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفاً﴾ (طه: ٨٦) ''اور موسیٰ غصے اور غم کی حالت میں اپنی قوم کے پاس واپس آئے۔'' دیکھو: لسان العرب ١٠/ ٣٤٦۔ یہ معنی اللہ تعالیٰ پر غیر ممتنع ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا آسَفُونَا انتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ (الزخرف : ٥٥) ''جب انہوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے ان سے انتقام لے لیا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس کا معنی ہے: انہوں نے ہمیں ناراض کیا۔ اور امام ضحاک فرماتے ہیں: انہوں نے ہمیں غصہ دلایا۔ اور یہ معنی مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ؛ محمد بن کعب القرظی؛ قتادہ اور سدی وغیرہ سے منقول ہیں۔ دیکھو: تفسیر ابن کثیر ٤/ ١٣٠۔

[2] إصحاح ٦؛ فقرات ٥-٨۔

یہودی اسفار میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ نسیان:

یہودی اسفار کی روایات کے مطابق یہود اللہ تعالیٰ پر جن صفات کا اطلاق کرتے ہیں ان میں سے ایک صفتِ نسیان [بھول جانا] بھی ہے۔ [1]

ارمیا کے مرثیہ میں آیا ہے:

''تو ہمیں کیوں ہمیشہ کے لیے بھول رہا ہے، اور ہمیں پورے دن چھوڑ رہا ہے، اے رب! ہمیں واپس لوٹا دے، ہم تیری طرف لوٹتے ہیں۔'' [2]

اور سفر خروج میں ہے:

''اور بنی اسرائیل عبودیت سے تھک گئے اور وہ چلائے؛ اس عبادت کی وجہ سے ان کی چیخ اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رونے کی آواز سنی؛ تو اللہ تعالیٰ کو ابراہیم و اسحاق اور یعقوب کے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ یاد آ گیا۔'' [3]

اس نص سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابراہیم و اسحٰق اور یعقوب کے ساتھ اپنا وعدہ بھول گیا تھا۔ اور اسے یہ وعدہ بنی اسرائیل کی آہ و بکاء نے یاد دلایا۔ [اللہ ان باتوں سے بری ہے]۔

بے شک یہودیوں کا اس صفت کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرنا اس یہودی عقیدہ کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہالت کو جائز سمجھتے ہیں۔ [بے شک اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے]۔

---

[1] نسیان دو معنوں میں آتا ہے؛ ایک ذکر اور حفظ کا الٹ ہے، (لسان العرب ۲۰/۱۹۴)؛ اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: ﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَى ﴾ (الاعلی: ٦) ''ہم آپ کو پڑھا دیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔'' اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ ﴾ (الکهف: ٢٤) ''اور جب بھول جائیں؛ [اور جس وقت یاد آئے] تو اپنے رب کو یاد کر لینا۔'' یہ معنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں ممتنع ہے، اللہ تعالیٰ اپنے متعلق فرماتے ہیں: ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴾ (مریم: ٦٤) ''اور آپ کا رب ہرگز بھولنے والا نہیں ہے۔'' اور نسیان ترک کر دینے، چھوڑ دینے کے معنی میں بھی آتا ہے، (لسان العرب ۲۰/۱۹۴)۔ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ﴾ (التوبه: ٦٧) ''انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلایا؛ اللہ تعالیٰ نے ان کو چھوڑ دیا۔''
ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑا، اللہ نے ان کو چھوڑ دیا۔ کہ انہیں کوئی کرامت اور ثواب نہیں عطا کیا۔'' فتح القدیر ۲/ ۳۸۰۔

[2] اصحاح ٥، فقرات ٢٠-٢١۔

[3] إصحاح ٢، فقره ٢٣-٢٤۔

اور جو بات اس کی تاکید کرتی ہے، -وہ- سفر خروج میں صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف جہالت کو منسوب کیا گیا ہے۔ جب وہ یہ گمان کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ان الفاظ میں خطاب کیا:

''بے شک آج رات میں مصر کی سر زمین میں جاؤں گا؛ اور سر زمین مصر کے ہر کنوارے انسان اور چوپائے کو ماروں گا۔ اور مصریوں کے تمام معبودوں پر احکام جاری کروں گا - کہ - میں رب ہوں۔ اور تمہارے گھروں کے لیے، جن میں تم موجود ہو؛ علامت خون ہوگا، میں خون دیکھوں گا تو تم سے گزر جاؤں گا۔ تو تم پر ہلاکت کی مار نہیں آئے گی جب میں سر زمین مصر کو ماروں گا۔'' [1]

یہ نص/ عبارت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مصریوں اور بنی اسرائیلیوں کے گھروں میں فرق اور تمیز کی صلاحت سے بے بہرہ تھا؛ اس لیے بنی اسرائیل سے کہا کہ وہ اپنے گھروں کے سامنے خون بطور نشانی کے رکھیں۔ تا کہ وہ اس ہلاکت کا شکار نہ ہوں۔ جہالت کی اس انتہاء کا کسی ادنی درجے کا علم رکھنے والے انسان سے صادر ہونا بھی ممکن نہیں، چہ جائے کہ ایسا کام اللہ رب العالمین سے صادر ہو؛ جو وسات آسمانوں اور اس سے اوپر کا تحت الثری اور اس سے نیچے کا، اور زمین و آسمان کے مابین جو کچھ بھی ہے، اس سب کا علم رکھتا ہے۔

آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ نصوص صرف چند مثالیں ہیں جو یہود نے اپنی کتب میں اللہ رب العالمین کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے بیان کی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے نقص کی صفات بیان کرنے کا نتیجہ اس کی طرف جہالت کو منسوب کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے۔ ان امور کو یہاں پر بیان کرنے کا مقصد یہودیوں کے فاسد عقائد امراض القلوب کو ظاہر کرنا ہے۔

اور ہم ایسے عقائد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں، اور اس کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ استغفر اللّٰہ وأتوب إلیہ .

❀❀❀❀

---

[1] اصحاح ۱۲؛ فقرات ۱۲-۱۳۔

دوسری بحث:......اللہ کی طرف بداء کی نسبت رافضی مذہب میں

بداء کا اطلاق لغت میں دو معنوں پر ہوتا ہے:

پہلا معنی: پوشیدگی کے بعد ظاہر ہونا۔ کہا جاتا ہے: بَدَا ، بَدْواً وبُدُوًّا وبَدَا وبَدَاءَ ةً وبُدُوًا : اس کا معنی ہے: ظاہر ہوا۔ اور اَبْدَیْتُہٗ : میں نے اس کو ظاہر کیا۔ اور کہا جاتا ہے: بادی الرأی : یعنی ظاہری رائے۔ ❶

اس معنی پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے:

﴿ وَبَدَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ﴾(الزمر:۴۷)

''ان پر اللہ کی طرف سے وہ امر ظاہر ہو جائے گا جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا۔''

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یعنی ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہو گیا۔ جو ان کے عذاب اور سزا تھے۔ جو نہ تو ان کی سوچ و فکر میں تھے، اور نہ ہی ذہن و گمان میں۔'' ❷

اور ایسے ہی یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے:

﴿وَإِن تُبْدُواْ مَا فِيْ أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۲۸۴)

''تم اپنے دلوں کی بات کو ظاہر کرو گے یا چھپاؤ گے تو اللہ تم سے اُس کا حساب لے گا۔''

دوسرا معنی: (نئی رائے کا پیدا ہونا)۔

علامہ جوہری کہتے ہیں:"بدا له فی الأمر بداءً ۔" یعنی اس میں ایک نئی رائے پیدا ہوئی۔ ❸

اور صاحب القاموس المحیط کہتے ہیں: "بداء له في الأمر بدْواً و بداءً و بداةً " یعنی اس کے لیے ایک نئی رائے سامنے آئی۔ ❹

---

❶ القاموس المحيط للفيروز آبادی

❷ تفسير ابن كثير ٤/ ٥٧

❸ الصحاح ١/ ٧٧؛ مادة "بدو۔"

❹ القاموس المحيط ٤/ ٣٠٢ ، مادة "بدو۔"

اس معنی پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے:

﴿ثُمَّ بَدَا لَهُم مِّن بَعْدِ مَا رَأَوُا الآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّى حِينٍ﴾ (یوسف: ۳۵)

''پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ نشان دیکھ چکے تھے ان کی رائے یہی ٹھہری کہ کچھ عرصے کے لیے ان کو قید ہی کر دیں۔''

''بداء میں اپنے دونوں معنی کے لحاظ سے پہلے جہالت کا ہونا اور پھر علم کا حصول لازم آتا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں۔'' [1]

جب کہ رافضی لفظ بداء کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لیے جائز سمجھتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس میں اتنا مبالغہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''بداء'' کا اطلاق کرنا ان کے عقیدہ کا جزء بن گیا؛ جس کی رافضی دین میں ایک منزلت ہے۔ اور ان کی کتابوں بہت ساری روایات ایسی آئی ہیں جن میں اس عقیدہ کی تعظیم بیان کی گئی ہے۔ اور اس عقیدہ پر مضبوطی سے قائم رہنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اصول الکافی، کتاب التوحید میں باب ''البداء'' کے تحت کئی روایات ذکر کی گئی ہیں، جن میں چند ایک کا انتخاب یہاں پر ذکر کرنے کے لیے کرتا ہوں۔ (ان چنیدہ روایات میں سے):

زرارہ بن اعین نے - ابوجعفر یا ابوعبداللہ ان دو میں سے کسی - ایک سے روایت کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ کی بندگی ایسی کسی طرح نہیں کی گئی جیسی ''بداء'' میں ہے۔'' [2]

اور ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی عظمت عقیدہء ''بداء'' کی طرح نہیں کی گئی۔''

اور ابوعبداللہ علیہ السلام سے ہی روایت کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا یہاں تک کہ ان سے تین باتوں کا وعدہ لے لیں:

''اپنی عبودیت کا اقرار؛ اور شرک سے اجتناب، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے مقدم کر دے، اور جس کو چاہے مؤخر کر دے۔''

---

[1] محمد عبد الستار التونسوي ،بطلان عقائد الشيعة ص ۲۳۔

[2] دیکھو: أصولِ کافی کا مذکورہ باب؛ راویت میں ابوجعفر یا ابوعبداللہ کسی کا نام نہیں لیا گیا صرف اتنا ہے کہ ان دو میں سے کسی ایک سے روایت کیا گیا ہے۔

اور مالک الجہنی سے روایت کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے سنا، وہ کہہ رہے تھے:

''اگر لوگ جان لیں کہ ''بداء کے قول'' میں کتنا اجر ہے تو وہ ذرا بھر بھی اس میں ناغہ نہ کریں۔'' ❶

اور ریان بن صلت سے روایت کیا گیا ہے، وہ کہتا ہے: میں رضا علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا:

''اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا، مگر شراب کی حرمت اور اللہ تعالیٰ کے لیے ''بداء'' کے اقرار کے ساتھ۔'' ❷

اور-شیعہ عالم-خوئی ''بداء'' کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''بداء کا اقرار کرنا اللہ تعالیٰ کی جناب میں انقطاع کو واجب کرتا ہے۔ اور اس کی طرف سے اِس کی دعا کا جواب طلب کرنا، اور اس کے امور میں کافی ہوجانا، اور اپنی اطاعت کی توفیق دینا اور اپنی نافرمانی سے بچا کر رکھنا [یہ سب بداء کا نتیجہ ہے]۔'' ❸

بداء کے عقیدہ پر تمام رافضیوں کا اجماع ہے۔ اور یہ اجماع ان کے بڑے شیخ المفید نے اپنی کتاب "أوائل المقالات" میں نقل کیا ہے۔ اور اس بات کی تصریح کی ہے کہ اس عقیدہ میں رافضی تمام اسلامی فرقوں کے مخالف ہیں۔ میں نے یہ نص پچھلے باب میں ذکر کی ہے اور ایسے ہی کتاب اپنی ''تصحیح الاعتقاد'' میں کہتا ہے:

''امامیہ کا بداء کے بارے میں عقیدہ سمع پر مبنی ہے، اس کی کوئی عقلی دلیل نہیں۔ اور اس کے بارے میں آئمہ علیہم السلام سے اخبار وارد ہوئی ہیں۔'' ❹

رافضی علماء میں سے کسی ایک نے بھی اس عقیدہ کا انکار نہیں کیا۔ یہ ان روایات کی کثرت کی وجہ سے ہے جو ان کی کتابوں میں اس عقیدہ کو بیان کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض نے اس فاسدہ عقیدہ پر عام مسلمانوں کی طرف سے برا بھلا کہنے پر ''بداء'' کے معروف لغوی معانی میں تأویل کرنے کی کوشش کی تھی؛ اور کہنے لگے کہ: ''اللہ تعالیٰ پر لفظ ''بداء'' کے اطلاق سے جہل لازم نہیں آتا۔ اور تکوین میں ''بداء'' ایسے ہی ہے جیسے کہ تشریع میں نسخ'' ❺

---

❶ "أصول الكافي ١/ ١٤٦- ١٤٧۔ ❷ الخوئی: البيان في تفسير القرآن ص: ٣٩٢۔

❸ أوائل المقالات ص: ٣٠٨۔ ❹ تصحيح الاعتقاد ص: ٥٠۔

❺ حق اليقين في معرفة أصول الدين ١/٧٨۔ تفسير القمی ١/ ٣٨۔

اور اس کے علاوہ بھی بودے اور نا معقول سے عذر پیش کیے ہیں جن سے اس فاسد عقیدہ کے بارے میں اپنے نفس سے رسوائی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں اس بحث میں یہ بات [ان شاء اللہ] ثابت کروں گا کہ: ''بے شک بداء کا وہ معنی جس کا اپنی کتابوں میں وہ اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرتے ہیں۔ وہ اس لغوی معنی سے باہر نہیں ہے جو کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ جن معانی سے اللہ تعالیٰ کی طرف جہالت منسوب کرنا لازم آتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بلند ہے۔

اس بات کو ثابت کرنے کے لیے وہ جملہ روایات میں ذکر کروں گا جس میں انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے رائے کا تبدیل ہونا جائز ہے؛ اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے لیے علم کا حدوث اور تجدید بھی۔ معاذ اللّٰہ۔ تعالَی اللّٰہ عن ذلك۔

عیاشی نے اپنی تفسیر میں محمد بن مسلم سے روایت کیا ہے؛ وہ ابوجعفر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے، [اس آیت کی تفسیر میں]:

﴿وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَى أَرْبَعِينَ لَيْلَةً﴾ (البقرۃ: ۵۱)

''اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا۔''

فرمایا: ''علم اور تقدیر میں تیس راتیں تھیں، پھر اللہ تعالیٰ کے لیے ظاہر ہوا تو اس میں دس راتیں زیادہ کر دیں، تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا وقت شروع اور آخر میں چالیس راتیں قرار پایا۔'' [1]

یہ روایت اللہ تعالیٰ کے لیے حدوثِ علم کو منسوب کرنے میں بہت ہی صریح اور واضح ہے۔ ان کا یہ کہنا: ''علم اور تقدیر میں تیس راتیں تھیں۔'' اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کا وقت صرف تیس دن ہی جانتے تھے۔ اور اسی چیز کا علم اللہ تعالیٰ کے علم و تقدیر میں تھا۔ رہا باقی دس راتیں؛ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نہ تھیں؛ بلکہ یہ علم اور تقدیر سے خارج تھیں؛ یہ بعد میں اللہ تعالیٰ کے لیے ظاہر ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی بیہودگیوں سے بہت ہی بلند ہے [اس کا علم دائمی اور ازلی ہے]۔

اور ان صریح روایات میں سے جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف رائے کا تبدیل ہونا، اور تجدید منسوب کی گئی ہے، [ایک روایت جسے] کلینی نے اپنی سند سے ابوجعفر اور ابوعبداللہ علیہما السلام سے روایت کیا ہے، بے شک ان دونوں نے کہا ہے:

---

[1] تفسیر العیاشی ۱/ ٤٤۔

''جب لوگوں نے پیغمبر علیہ السلام کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ تمام اہل زمین کو علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ ہلاک کردے، لیکن اس نے ایسا نہ کیا اس لیے کہ اس کا فرمان ہے:

﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنتَ بِمَلُومٍ﴾ (الذاریات: ۵۴)

''تو ان سے اعراض کرو آپ کو (ہماری طرف سے) ملامت نہ ہوگی۔''

پھر اس کے لیے ظاہر ہوا تو اس نے مؤمنین پر رحم کیا۔ پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الذاریات: ۵۵)

''اور نصیحت کرتے رہو کہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے۔'' [1]

ان روایات میں اللہ تعالیٰ رب العالمین کی طرف بداء؛ یعنی رائے کا بدلنا اور اس کی تجدید؛ منسوب کرنے کی وجہ سے جو جھوٹ اور افتراء باندھا گیا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ اور ان صریح اور واضح روایات میں سے جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف جہالت کو منسوب کیا گیا ہے:

وہ روایت ہے جسے جعفر الصادق رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کے بارے میں ایسا ''بداء'' نہیں ہوا جیسے میرے بیٹے اسماعیل کے بارے میں ہوا ہے۔'' [2]

اس روایت کی بھی ایک بڑی عجیب سی مناسبت (وجہ) ہے۔ یہ ایک قصہ جسے انہوں نے امام جعفر الصادق کی طرف منسوب کیا ہے؛ کہ انہوں نے اپنے بیٹے اسماعیل کے امام ہونے کے لیے حکم جاری کیا تھا۔ پھر اسماعیل اپنے والد کی زندگی میں ہی فوت ہوگیا۔ تو اس فضیحت سے بچنے کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف بداء منسوب کرلیا۔'' [3]

صدوق نے اس روایت کی تفسیر میں کہتا ہے:

''رہا آپ کا یہ کہنا کہ: ''اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کے بارے میں ایسا ''بداء'' نہیں ہوا جیسے میرے بیٹے اسماعیل کے بارے میں ہوا ہے''؛ اس سے مراد ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے

---

[1] روضۃ الکافي ۸/ ۱۰۳۔

[2] کمال الدین و تمام المنة ؛ص: ٦٩؛ فرق الشیعة ، ص: ٦٤۔ الأنوار النعمانیة ١/ ٣٥٩۔

[3] فرق الشیعة : نو بختی ص: ٦٩۔

لیے کوئی بات ایسے ظاہر نہیں ہوئی جیسے میرے بیٹے اسماعیل کے بارے میں ظاہر ہوئی ہے، اسے میری زندگی میں ہی ختم کر دیا۔''[1]

اس عبارت سے جو چیز ظاہر ہوتی ہے کہ اسماعیل کی موت کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر مخفی تھا، جو کہ بعد میں ظاہر ہوا۔ اور اس کے پیش آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں تھا۔ تعالى الله عن ذلك۔

ایک دوسری روایت میں ہے؛ جسے وہ جعفر سے اپنے بیٹے اسماعیل کی موت کے بارے میں نقل کرتے ہیں؛ بے شک انہوں نے فرمایا:

''اسماعیل پر دو بار قتل ہونا لکھا گیا تھا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے کہ اسے ختم کر دے، سو اس نے اس (موت) کو ختم کر دیا۔''[2]

اس روایت سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ تمام جو کچھ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھا ہے، وہ سابقہ علم کی بنا پر نہیں تھا، اس لیے وہ پورا نہیں ہو سکا؛ بلکہ ان میں سے بعض تقدیریں آگے اور پیچھے بھی ہو گئیں۔ جیسا کہ انہوں نے اس روایت میں ذکر کیا ہے کہ اسماعیل کی دو بار موت کو اس کے والد کی دعاء کی وجہ سے متأخر کیا۔

وہ روایات جن میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بداء منسوب کرتے ہیں، کلینی کی روایت ہے، جسے وہ محمد بن علی سے اور وہ اسحٰق بن محمد سے اور وہ ابو ہاشم جعفری سے روایت کرتا ہے؛ وہ کہتا ہے:

''میں ابو الحسن علیہ السلام کے پاس تھا؛ جب ان کا بیٹا جعفر گزر گیا تو میں اپنے دل میں سوچنے لگا؛ میں چاہتا تھا کہ کہہ دوں گویا کہ ان دو سے میری مراد ابو جعفر اور ابو محمد ہیں۔ اور اس وقت جیسے کہ ابو الحسن موسیٰ اور اسماعیل پسران جعفر بن محمد علیہم السلام ہیں، ان دونوں کا قصہ پہلے دونوں کے قصہ کی طرح ہے۔ اس لیے کہ ابو محمد کے بعد ابو جعفر سے امیدیں لگائی گئی تھیں۔ تو میرے بولنے سے پہلے ابو الحسن میری طرف متوجہ ہوئے، اور کہا: ''ہاں ابو ہاشم! ابو جعفر کے بعد ابو محمد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو بداء ہو گیا تھا۔ جس کی معرفت اس کو پہلے سے نہیں تھی۔ جیسا کہ اسماعیل کے گزر جانے کے بعد موسیٰ کے بارے میں بداء ہوا؛ کی حالت منکشف نہیں

---

[1] كمال الدين و تمام المنة ؛ص: ٦٤۔

[2] تصحيح الأعتقاد بصواب الانتقاد ص: ٥١۔

ہوئی تھی۔ اور یہ معاملہ ایسے ہی ہے جیسے تیرے دل میں کھٹک رہا ہے۔ اگر چہ اہل باطل اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ ابو محمد میرا بیٹا ہی میرے بعد خلیفہ ہوگا؛ اس کے پاس وہ علم ہے جس کی اسے ضرورت ہوسکتی ہے۔ اور اس کے ساتھ امامت کی اہلیت ہے۔'' ❶

اور کلینی کی علی بن جعفر سے نقل کردہ دوسری روایت میں ہے:

'' جب ابو الحسن علیہ السلام کے بیٹے محمد کا انتقال ہوا تو میں ان کے پاس موجود تھا۔ تو انہوں نے اپنے بیٹے حسن سے کہا: '' اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے لیے شکر کا ظہور ہوا ہے، اس نے تیرے معاملہ میں ایک نئی چیز ظاہر کی ہے۔'' ❷

یہ دونوں روایتیں صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف تجدیدِ رائے منسوب کرنے پر دلالت کرتی ہیں؛ -اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے-۔

اور یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قائم منتظر کے خروج کا وقت متعین کیا تھا؛ جب حضرتِ حسین رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے تو اللہ تعالیٰ کو بہت سخت غصہ آیا، اور اس نے اس معاملہ کو مؤخر کردیا۔'' پھر دوسری بار انہوں اس کے خروج کا وقت مقرر کیا، مگر شیعہ نے اس کے متعلق بیان کرنا شروع کردیا، تو اللہ نے اسے پھر سے مؤخر کردیا۔''

نعمانی اور طوسی نے ابو حمزہ ثمالی سے روایت کیا ہے، وہ کہتا ہے: میں نے ابو جعفر باقر (ع) سے سنا وہ کہہ رہے تھے:

'' اے ثابت! اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے سن ستر (۷۰) میں وقت مقرر کیا تھا؛ مگر جب حسین (ع) رضی اللہ عنہ قتل ہوگئے تو اللہ تعالیٰ کا غصہ بہت سخت ہوگیا، اور اسے ایک سو چالیس تک (۱۴۰) مؤخر کردیا، جب ہم نے تم سے یہ بیان کیا تو تم نے اسے شائع کردیا، اور اس راز سے پردہ چاک کردیا؛ پھر اللہ نے اس کے بعد اس معاملہ کے سلسلہ میں ہمارے ساتھ کوئی وقت مقرر نہیں کیا؛ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اسے باقی رکھتا ہے؛ اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔ ابو حمزہ کہتے ہیں: میں نے یہ بات ابو عبد اللہ الصادق

---

❶ الأصول الكافي ۱/۳۲۷۔

❷ الأصول الكافي ۱/۳۲٦۔

سے بیان کی تو انہوں نے کہا: بالکل ایسے ہی تھا۔'' ❶

اور نعمانی اسحق بن عمار سے روایت کرتا ہے، وہ کہتا ہے: مجھ سے ابوعبداللہ (ع) نے کہا:

''اے ابوعبداللہ اس معاملہ میں دوبار تاخیر کی گئی ہے۔'' ❷

طوسی عثمان النوا سے روایت کرتا ہے، کہا: میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے سنا، وہ کہہ رہے تھے:

''یہ امر میرے متعلق تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے لیٹ کر دیا؛ اب میرے بعد میری اولاد میں سے جس میں چاہے گا یہ امر (واقع) ہوگا۔'' ❸

طوسی نے ان روایات پر تعلیق لگاتے ہوئے کہا ہے:

''اگر ہم یہ کہیں کہ یہ روایات صحیح ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے؛ بے شک یہ بات ممتنع نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں اس امر کے لیے وقت مقرر کیا ہو، جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے۔ جب کوئی نیا معاملہ پیش آیا، جو کچھ بھی نیا پیش آیا تو مصلحت بھی بدل گئی، اور دوسرے وقت تک اس کی تأخیر کا تقاضا ہوا؛ اور بعد میں بھی ایسے ہی ہوا۔ اور پہلا وقت ہوگا۔ اور ہر وہ وقت جس میں غیر مشروط تاخیر جائز ہو، کہ اس میں ایسی تجدید نہیں ہوگی جس میں مصلحت کا تقاضا تاخیر کرنا ہو؛ یہاں تک وہ وقت آجائے جس میں کوئی چیز تبدیل نہیں ہوتی؛ اس وقت پھر [یہ معاملہ] حتمی ہوجائے گا۔'' ❹

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ [یہ لوگ] حادثہ پیش آنے سے پہلے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سابق علم پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور اس کی تائید طوسی کا عذر بھی کرتا ہے؛ جس سے خروج مہدی کی دوبار تاخیر والی ان روایات کا جب کوئی حل نہ نکلا تو اس نے ''تجدید'' مصلحت کا ڈھونگ رچایا، یعنی- ان کے گمان کے مطابق- جب بھی نئی مصلحت پیش آتی ہے، تو اللہ تعالیٰ مہدی کے خروج کو لیٹ کر دیتے ہیں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کو حادثہ/ واقعہ کے پیش آنے کے بعد ہی مصلحت کا علم ہوتا ہے۔ اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان رکھنے والے ہوتے کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے؛ اور ان کے مہدی کے راز کو افشاء

❶ الغيبة للنعماني ص: ١٩٧؛ الغيبة للطوسي ص: ٢٦٣؛ بحار الأنوار ٥٢/ ١٠٥۔

❷ الغيبة للنعماني ص: ١٩٧۔

❸ الغيبة للطوسي ص: ٢٦٣؛ بحار الأنوار ٥٢/ ١٠٥۔

❹ الغيبة للطوسي ص: ٢٦٣۔

کرنے کا علم پہلے سے تھا؛-جیسا کہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں- ؛ اور اللہ تعالیٰ کومخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے اس کی مصلحتوں کا علم تھا؛ تو پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایسے بہتان کیوں گھڑتے ؟

مجموعی طور پر ان روایات سے ہمارے لیے ظاہر ہوتا ہے کہ رافضہ اللہ تعالیٰ پر لفظ ''بداء'' کا اطلاق ان سابقہ دونوں لغوی معنوں کی روشنی میں ہی جائز قرار دیتے ہیں۔

رہا ان کے بعض علماء کا دعوی ؛ کہ وہ اللہ تعالیٰ پر لفظِ ''بداء'' کے اطلاق سے اس کا لغوی معنی مراد نہیں لیتے ؛ تو یہ سرے سے ایک باطل دعوی ہے۔جس کے باطل ہونے پر وہ روایات دلالت کرتی ہیں جن میں انہوں نے اسی لغوی معنی کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی صراحت کی ہے۔

اس حقیقت کا اعتراف ان کے ایک معاصر عالم محمد رضا المظفر نے کیا ہے،وہ:''عـقيـدتـنـا فـي البداء '' (بداء میں ہمارا عقیدہ) کے عنوان کے تحت لکھتا ہے:

''بداء انسانوں میں کسی ایسی چیز میں ایسی رائے کا ظاہر ہونا ہے جو رائے اس کے لیے پہلے نہیں تھی۔ اس طرح کہ وہ جس کام کے کرنے کا عزم رکھتا تھا، اس کو بدل دے۔ اس لیے کہ اس کے لیے ایسا واقعہ پیش آ گیا ہے جس سے اس کی رائے اور علم بدل گئے ہیں۔ تو اب اس کا ترک کر دینا بہتر ظاہر ہوتا ہے ، حالانکہ پہلے وہ اسی کام کو کرنا چاہتا تھا۔ یہ مصلحتوں سے جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور جو کچھ اس سے گزر گیا ہے، اس پر ندامت ہوتی ہے۔

اس معنی میں بداء اللہ تعالیٰ پر مستحیل ہے۔ کیونکہ یہ جہالت اور نقص میں سے ہے۔ اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔ اور امامیہ اس کا نہ کہتے۔ الا یہ کہ ہمارے آئمہ علیہم السلام سے ایسی روایات منقول ہیں جن سے سابقہ معنی میں بداء کے عقیدہ کے متعلق وہم ہوتا ہے؛ جیسا کہ حضرت صادق سے نقل کیا گیا ہے۔

'' اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کے بارے میں ایسا ''بداء'' نہیں ہوا جیسے میرے بیٹے اسماعیل کے بارے میں ہوا ہے۔''

اس لیے بعض اسلامی فرقوں کے مصنفین نے یہ بداء کا عقیدہ امامیہ طائفہ کی طرف ؛ ان کے مذہب اور آلِ بیت کے طریقہ میں طعن کرتے ہوئے منسوب کیا ہے۔ اور اسے شیعہ کی جملہ

برائیوں میں سے ایک قرار دیا ہے۔''❶

یہ ان کے ایک معاصر عالم کا اعتراف ہے کہ یہ وہ روایات ہیں جن سے لفظ بداء کا لغوی معنی سمجھا جاتا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف جہالت کی نسبت لازم آتی ہے۔

مظفر یہ وضاحت [اور اعتراف] کرنے والا پہلا انسان نہیں ہے؛ بلکہ مرتضی اس پر سبقت لے گیا ہے جس نے تقیہ اور نفاق سے پردہ چاک کیا ہے۔ [اس نے] رافضیوں کے ہاں عقیدۂ بداء کے حقیقی معنی [سے پردہ چاک کیا ہے]۔ جب اس نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ کہا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ کے بارے میں بداء کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ اور یہ بات ممتنع نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مستقبل کے بعض کاموں کا ان کے ظہور سے پہلے علم نہ ہو۔ طریحی نے مجمع البحرین میں - ان کے شیخ الطائفہ - طوسی سے کتاب ''العدۃ'' میں نقل کرتے ہوئے کہا ہے: ''بے شک وہ رافضیوں کے ہاں بداء کے حقیقی معنی کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے؛ اور اس میں علماء کے اقوال نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''سیدنا مرتضی - قدس روحہ - بداء کا ایک دوسرا سبب بھی ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے: ''اسے [یعنی بداء کو] اس کے حقیقی معانی پر محمول کرنا ممکن ہے۔ یعنی کہ کہا جائے: ''بداء اللہ۔'' یعنی اللہ کے لیے ظاہر ہوا۔ اور اس سے مراد یہ لی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا امر ظاہر ہوا جو اس سے پہلے اس کے لیے ظاہر نہیں تھا۔ اور نہی میں ایسی چیز ظاہر ہوئی جو اس کے لیے پہلے ظاہر نہیں تھی۔ اس لیے کہ امر اور نہی کے ظہور سے پہلے یہ امور ظاہر اور قابل ادراک نہیں تھے۔ بس بے شک وہ جانتا ہے کہ وہ مستقبل میں حکم دے گا اور منع کرے گا، مگر اس کا آمر اور ناہی ہونا، یہ درست نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی چیز کو جان لے، مگر اس وقت جب مستقبل میں حکم دیا جائے یا منع کیا جائے۔ اور یہی دو وجوہات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بیان ہوئی ہیں:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنكُمْ﴾ (محمد: ۳۱)

''اور ہم تم لوگوں کو آزمائیں گے تاکہ جو تم میں سے مجاہدین کو جان لیں۔''

یہ اس طرح کہ اسے اس مراد پر محمول کیا جائے کہ: یہاں تک کہ ہم جان لیں کہ جہاد تم میں

❶ عقائد الإمامية ص: ۸۰-۸۱۔

موجود ہے۔ اس لیے کہ جہاد کے وجود سے پہلے یہ نہیں جانا جا سکتا کہ جہاد موجود ہے۔ اس کا علم اس کے حصول کے بعد ہی حاصل ہوگا۔ ایسے ہی بداء کے متعلق عقیدہ ہے۔ اور یہ بہت ہی خوبصورت مناسبت ہے۔'' ❶

یہ مرتضی کا ایک بہت ہی خطرناک اعتراف ہے۔ جس کی موافقت بعد میں شیخ الطائفہ طوسی نے بھی اس قول کے ساتھ کی ہے کہ: '' یہ بہت ہی مناسب وجہ ہے۔'' یہ اس مسئلہ میں دوٹوک فیصلہ ہے۔ اور رافضیوں کے ہاں معنی بداء کو اسی پر محمول کرنا مناسب ہے، اس کی وجوہات یہ ہیں:

''کسی قول کے کسی متعین گروہ کی طرف منسوب کرنے کے لیے مناسب ہوتا ہے کہ اس گروہ کے علماء کے اقوال سے لیا جائے۔ مرتضی اور طوسی یہ دونوں رافضیوں کے بڑے علماء میں سے ہیں۔ جس کی تائید ان کے علماء جرح وتعدیل نے بھی کی ہے۔'' ❷

۲۔ یہ نص رافضیوں کی کئی ایک کتابوں میں وارد ہوئی ہے۔ اور علماء رافضہ میں سے کسی ایک نے بھی مرتضی اور طوسی کے اللہ تعالیٰ پر اس بہتان کے گھڑنے کو غلط نہیں کہا۔ نہ ہی قدیم علماء نے اور نہ ہی معاصرین نے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مرتضی اور طوسی کے ذکر کردہ معنیٔ ''بداء'' میں ان کے ساتھ ہیں۔

یہ بحث ختم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق رافضیوں کے عقیدہ بداء کا سبب بھی ذکر کیا جائے۔ رافضیوں کے اس فاسد عقیدہ کا سبب [بھی ہمارے لیے شیعہ عالم] نوبختی؛ جو کہ تیسری صدی

---

❶ مجمع البحرين ۱/٤٧؛ حاشية تفسير القمى ۱/ ۳۹؛ حق اليقين فى معرفة أصول الدين : عبد الله شبر ،ص: ۱/ ۷۷۔

❷ اردبیلی مرتضی کی توثیق کرتے ہوئے لکھتا ہے: علی بن الحسین ابن موسیٰ ابوالقاسم، المرتضی؛ بڑی شان والا ہے، علم الہدی رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے۔ بہت سارے علوم میں یگانۂ روزگار ہے؛ جس کے فضائل پر اتفاق واجماع ہے۔ علوم میں اس مقام پر تھے کہ ان کے زمانے کا کوئی انسان وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ حدیث کی سماعت کی، اور کثرت سے روایت کیا۔ متکلم، شاعر اور ادیب تھا، دین اور دنیا کے علوم میں بڑی منزلت حاصل تھی۔ ۲۵ ربیع الاول سن ۴۳۰ ہجری میں موت آئی۔ جامع الرواة ۱/ ۵۷۵۔ مزید دیکھو: الفهرست : ازطوسى ص: ۱۲۹۔ لؤلؤة البحرين : از بحرانى ص : ۳۲۰۔ أمل الآمل : از الحر العاملى ۲/ ۱۲۸۔ رہا طوسی؛ اس کی توثیق ان کے امام ''حلی'' نے کی ہے؛ وہ کہتا ہے: ''محمد بن الحسن بن علی الطّوسی، ابو جعفر، شیخ الامامیه، قدس الله روحه؛ رئیس الطائفه، جلیل القدر اور عظیم المنزلت، ثقه، صدوق؛ احادیث کا ماهر، علم رجال اور فقہ کا عارف۔ دیکھو: رجال العلامة الحلى ص: ٤٨۔ مجلسی نے کہا ہے: '' شیخ طوسی ابو جعفر، محمد ابن الحسن علی الطوسی؛ شیخ طائفه اور فقیه امت؛ جن کی ثقاہت اور علوم وفنون میں تبحر پر اجماع ہے۔'' بحار الأنوار ص: ۹۱۔

ہجری کا ایک بڑا [رافضی] عالم ہے؛ واضح کر رہا ہے۔ وہ سلیمان بن جریر سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے:

''بے شک علماء رافضہ نے اپنے شیعہ کے لیے دو قول وضع کیے ہیں جن کی موجودگی میں ان کے لیے ان کے آئمہ کا جھوٹ کبھی ظاہر نہیں ہوسکتا، اور وہ دو قول ہیں:

''بداء کا عقیدہ، اور تقیہ کی اجازت۔''

جب ان کے آئمہ نے اپنے آپ کو اپنے شیعہ میں اس منزلت پر براجمان کرلیا جس منزلت پر عام لوگوں میں علمِ ما کان و ما یکون کے لحاظ سے انبیاء ہوتے ہیں، اور ان امور کی خبر دینے میں جو آئندہ کل کو ہونے والے ہیں؛ اور اپنے شیعہ سے وہ لوگ کہا کرتے تھے: ''کل اور آنے والے دنوں میں ایسا اور ایسا ہوگا۔'' اگر وہ معاملہ ایسے ہی ہوگیا جیسے انہوں نے کہا تھا؛ تو کہتے: کیا ہم نے تمہیں خبر نہیں دی تھی کہ ایسا ہوگا؟ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی جانتے ہیں جو انبیاء جانتے تھے۔ اور ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وہی اسباب ہیں جن سے انبیاء کو علم حاصل ہوا ہے جو کچھ بھی علم حاصل ہوا۔

اور اگر وہ چیز نہ ہوتی جس کے بارے میں انہوں نے کہا تھا: کہ یہ بات ان کے کہے کے مطابق ہوگی؛ تو وہ اپنے شیعہ سے کہتے ہیں: ''اس اللہ تعالیٰ کو اس چیز کے ہونے کے بارے میں بداء ہوگیا ہے۔''[1]

اور اس کی تائید بغدادی کی اس روایت سے ہوتی ہے، جس کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ مختار بن ابوعبید الثقفی [2] وہ پہلا انسان ہے جس نے عقیدہ ء بداء کا پرچار کیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس پر وحی آتی

[1] فرق الشيعة للنوبختي : ص: ٦٤-٦٥۔

[2] مختار بن ابوعبید الثقفی کھلے عام تو ابن زبیر کی تعریف کرتا تھا؛ مگر خفیہ طور پر انہیں گالیاں دیتا تھا، اور محمد بن حنیفہ کی مدح کرتا، اور لوگوں کو ان کی بیعت کرنے کی دعوت دیتا۔ وہ ایسے ہی لگاتار ان کوششوں میں لگا رہا، یہاں تک کہ خود کو شیعہ ظاہر کر کے کوفہ پر غالب آگیا، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے انتقام لیا۔ بہت ہی جھوٹا انسان تھا۔ وہ گمان کرتا تھا کہ جبریل کے ذریعہ سے اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ: ''یہ وہی جھوٹا ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''ثقیف میں ایک جھوٹا قاتل ہوگا۔'' [مسلم كتاب فضائل الصحابه ،باب: ذكر كذاب الثقيف ٤٧٢٢]۔ابن كثير البداية و النهاية ٨/ ٢٨٩۔ مصعب بن زبیر بن عوام؛ ان کی ماں ام کرمان بنت انیف قبیلہ بنی کلیب سے تھیں۔ لوگوں میں سب سے خوبصورت، بہادر دل والے اور سخی انسان تھے۔ انہیں ان کے بھائی عبداللہ بن زبیر نے عراق کا والی بنایا تھا، انہیں عبدالملک نے نہر دجلہ کے قریب ایک جگہ پر قتل کر دیا۔ انہوں نے مختار الثقفی سے جنگ لڑی تھی اور ایک ہی دن میں اس کے لشکر کے سات ہزار افراد کو قتل کر دیا تھا۔

ہے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ❶ اس سے قتال کرنے کے لیے نکلے۔ جب یہ خبر مختار تک پہنچی تو اس نے اپنے ساتھی اُحمد بن شمیط کو اپنے لشکر کے تین ہزار چنیدہ لوگوں کے ساتھ ابن زبیر کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ اور اسے یہ بتا دیا کہ فتح آخر کار ان کو ہی حاصل ہوگی۔ اور اس بارے میں یہ گمان کرنے لگا کہ اس پر یہ بشارت بذریعہ وحی نازل ہوئی ہے۔ مدائن کے مقام پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ مختار کے ساتھیوں کو شکست ہوئی۔ ان کا امیر اور اکثر فوجی قتل ہوئے۔ ان کا شکست خوردہ دستہ واپس مختار کے پاس پہنچا، اور اس سے کہنے لگے: ''تم نے ہم سے دشمن پر فتحیاب ہونے کا وعدہ کیوں کیا تھا؟ تو وہ کہنے لگا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، مگر پھر اسے بداء ہوگیا۔''

اور اس پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا:

﴿يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِندَهُ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ (الرعد: ۳۹)

''اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے۔''

کیسانیہ (ایک شیعہ فرقہ) کے اللہ تعالیٰ کے لیے لفظِ بداء کے اطلاق کا سبب یہی ہے۔ ❷

بغدادی نے شہرستانی کی موافقت کی ہے؛ وہ کہتا ہے: ''بے شک مختار کا نظریہ بداء کا اس وجہ سے ہوگیا کہ وہ دعوی کرتا تھا کہ جو کچھ عالم میں پیش آ رہا ہے، اسے اس تمام کا علم ہے۔ یا تو اس وحی کی وجہ سے یہ علم حاصل ہے جو اس پر نازل ہوتی ہے؛ یا پھر امام کی رسالت کے ذریعہ سے اس تک بات پہنچی ہے۔ پس جب وہ اپنے ساتھیوں سے کسی واقعہ کے ہونے کا یا کسی اور چیز کا وعدہ کرتا؛ اگر وہ واقعہ اس کی بات کے مطابق ہوتا تو اسے اپنے دعوی کی صداقت پر دلیل بنا لیتا۔ اور اگر اس کے موافق نہ ہوتا تو کہتا: ''تمہارے رب کو بداء ہوگیا ہے۔'' ❸

اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ رافضیوں کے عقیدہ ء بداء اختیار کرنے کا سبب ان کے بڑوں کا علم الغیب کا دعوی ہے۔ اگر معاملہ ایسے ہی پیش آتا جیسے وہ کہہ رہے ہیں تو کہتے یہ ہمارے عالم الغیب ہونے کی دلیل ہے۔ اور اگر ایسا معاملہ پیش نہ آتا تو کہتے کہ اللہ تعالیٰ کو بداء ہوگیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

❶ البدایہ و النہایہ ۸/ ۳۱۷۔

❷ الفرق بین الفِرق ص: ۵۰ – ۵۱۔

❸ الملل و النحل ۱/ ۱۴۹۔

تیسری بحث:......اللہ کی طرف ندامت اورحزن، اور بداء کی نسبت میں یہودی رافضی مشابہت کی وجوہات

یہودیوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف حزن وملال منسوب کرنے میں، اور رافضیوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف بداء منسوب کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

بلکہ میں اس میں کوئی شک نہیں کرتا کہ رافضیوں کا عقیدہ ء بداء یہودی اسفار کی نصوص سے لیا گیا ہے۔ بس بعض الفاظ اورعبارات میں بہت تھوڑا ہیر پھیر کردیا ہے۔ان دونوں عقیدوں کے درمیان مشابہت کی تین بڑی وجوہات ہیں:

پہلی وجہ:تسمیہ میں مشابہت :

یہودی اللہ تعالیٰ کے لیے ندامت ، افسوس ؛ اور رنجیدگی کی صفات کا اطلاق کرتے ہیں۔ اور رافضی اللہ تعالیٰ کے لیےصفت ''بداء'' کا اطلاق کرتے ہیں۔ جوانسان ان اوصاف کے معانی پرغور کرتا ہے اس کے لیے ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ الفاظ کتنے قریبی معانی رکھتے ہیں۔

اس لیے کہ جوکوئی کسی کام پر نادم ہو؛ یا افسوس کرے ؛ یا رنجیدہ ہو، یا کسی متعین مسئلہ میں کوئی رائے ظاہر کرے، اس کے لیےضروری ہے کہ وہ دومراحل سے گزرے۔

پہلا مرحلہ:......اس مسئلہ میں رائے کا بدلنا۔

دوسرا مرحلہ :......اسے وہ علم حاصل ہو،جس سے سابقہ مسئلہ میں خطاء کا واقع ہونا جانا جائے ؛ اور پھراس پرندامت ہو۔

یہی دو وہ معانی ہیں جنہیں علماءلغت نے لفظ''بداء'' کے معانی میں بیان کیا ہے۔

دوسری وجہ:نصوص میں مشابہت :

جو بات قطعی طور پر دلالت کرتی ہے کہ رافضیوں کا عقیدہء''بداء'' یہودی اسفار سے لیا گیا ہے، وہ

یہودی اسفار کی نصوص اور رافضی کتب کی نصوص میں بہت بڑی مشابہت ہے۔

یہاں تک کہ بسا اوقات بعض حوادث؛ اور وہ قصص؛ جن میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ندامت یا بداء منسوب کرتے ہیں، کے ذکر کرنے میں بھی یہ نصوص آپس میں متفق اور ایک جیسی ہیں۔

ذیل میں ان نصوص میں مشابہت کے کچھ نمونے دیے جا رہے ہیں:

۱۔ یہودی گمان کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا، سواس دوران جب فرشتہ بنی اسرائیل کو ہلاک کر رہا تھا، اللہ تعالیٰ کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی؛ اور فرشتے کو حکم دیا کہ وہ انہیں ہلاک کرنے سے رک جائے۔

جب کہ رافضی گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ تمام لوگوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تھا پھر اس کے لیے مصلحت اس کے خلاف ظاہر ہوئی، تو اس نے ہلاک کرنے کا فیصلہ واپس لے لیا۔

۲۔ یہودی گمان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا؛ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنا فیصلہ واپس لینے کا کہا؛ تو اللہ تعالیٰ نے وہ فیصلہ واپس لے لیا۔

رافضی یہ گمان کرتے ہیں کہ جعفر صادق نے اپنے بیٹے اسماعیل کی موت کے بارے میں اللہ تعالیٰ گفتگو کی، تو اللہ تعالیٰ نے دو بار اس کی موت کو ٹال [مؤخر کر] دیا۔

۳۔ یہودی گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شاؤل کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا، اور پھر اس فعل پر اسے ندامت ہوئی؛ اور اس پر افسوس کا اظہار کیا۔

رافضی یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل بن جعفر کو؛ اور ابو جعفر محمد بن علی کو رافضیوں کے دو امام متعین کر دیا تھا؛ پھر اسے بداء ہو گیا، اس نے ان دونوں کو تبدیل کر دیا۔

۴۔ یہودی گمان کرتے ہیں کہ ندامت کی صفت اللہ تعالیٰ سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ شر کے کام پر نادم ہوتا ہے۔

رافضی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر بداء لازم کر دیا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے پہلے کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس میں دیر کرتا ہے۔

۵۔ یہودی گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ندامت کی صفت کا اطلاق کرنے میں اس کی مدح اور تعظیم

ہے۔ ان کے اسفار میں آیا ہے: ''بے شک تمہارا رب بڑا مہربان ہے؛ رحمت بہت زیادہ ہے۔ وہ برائی پر نادم ہوتا ہے۔''

اور رافضی اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وصفِ ''بداء'' کا اطلاق کرنے میں اس کی مدح و تعظیم اور اس کی عبادت ہے۔ اور وہ کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی بندگی ایسی کسی طرح نہیں کی گئی جیسی ''بداء'' میں ہے۔'' اور ''اللہ تعالیٰ کی عظمت عقیدہ ''بداء'' کی طرح نہیں کی گئی۔''

تیسری وجہ: مضمون میں مشابہت:

جو کچھ یہودی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسے: ندامت، افسوس؛ رنجیدگی؛ اور جو کچھ رافضی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسے بداء، ان سب کا آخر کا انجام ونتیجہ ایک ہی ہے: یعنی'' اللہ تعالیٰ کی طرف جہالت کو منسوب کرنا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مصلحت کو اس وقت تک نہیں جانتے جب تک وہ حادثہ/ واقعہ رونمانہ ہوجائے۔ اور مستقبل کے امور اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت میں داخل نہیں ہیں۔ تعالى الله عن ذلك۔

اس تقابلی جائزہ سے ہمارے لیے ان دونوں عقیدوں کے درمیان بہت بڑی مشابہت کھل کر سامنے آتی ہے؛ جو اس بات کی تائید ہے کہ رافضیوں کے ہاں عقیدہ ء بداء کا مصدر خالص یہودی ہے۔

بعض معاصر اہل قلم نے ان دونوں عقائد؛ [یعنی] رافضیوں کے ہاں ''بداء'' اور یہودیوں کے ہاں ان کے اسفار میں ذکر کردہ نصوص جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف ندامت منسوب کی گئی ہے؛ ان میں مقارنہ [تقابلی جائزہ] کیا ہے۔

ان مؤلفین میں ''موسیٰ الجار اللہ ہیں، جنہوں نے اپنی کتاب:" الوشيعة فی نقد عقائد الشيعة " میں [تقابلی جائزہ لیتے ہوئے] یہودی اسفار سے بعض وہ نصوص نقل کی ہیں جن میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ندامت، رنجیدگی اور افسوس کو منسوب کیا ہے۔ پھر ان کے اور رافضی کتب میں جو کچھ ''بداء'' کے متعلق آیا ہے؛ ان کے مابین مقارنہ کیا ہے۔

ان نصوص کو نقل کرنے کے بعد کہتا ہے:

> ''پس بداء یہودی عقیدہ ہے؛ جو کہ یہودی اسفار اور عہد عتیق میں موجود ہے۔ سوائے اس کے کہ اس میں مجاز کے لیے کوئی مجال ہو۔ پھر عقیدہ بداء یہودی اسفار سے متعدی مرض کی طرح

آئمہ کی زبانی شیعی دلوں سے شیعی کتب میں پھیل گیا۔ آپ ان کتابوں کو دیکھیں گے تو یہ عقیدہ بداء کی روایات سے بھری ہوئی ملیں گی۔ اور ان میں شیعہ امامیہ کے ایسے حد سے زیادہ مبالغہ آمیز افسانے ہیں جن کی مانند کوئی بھی جھوٹ لے کر اللہ کے سامنے نہیں جائے گا۔'' [1]

حقیقت میں میرے علم کے مطابق موسیٰ الجار اللہ پہلا انسان ہے جس نے یہ تقابلی جائزہ جمع کیا ہے۔ اس کو برتری اور فضیلت حاصل ہے کہ اس نے رافضی عقیدہ ''بداء'' کی جڑیں یہودی اسفار سے تلاش کر کے نکالیں۔

ایسے استاذ محمد مال اللہ نے بھی اپنی کتاب:'' موقف الشیعة من أهل السنة۔'' [2] میں ایسے ہی مقارنہ/ تقابلی جائزہ لیا ہے۔ جس میں اس عقیدہ میں یہودی رافضی موافقت کی تائید کی ہے۔

موقف الشيعة من أهل السنة.

چوتھی بحث:......اللہ کی طرف حزن، ندامت اور بداء کی نسبت کا ابطال

میں نے سابقہ مباحث میں تذکرہ کیا ہے کہ ان اوصاف کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف جہالت منسوب کرنا لازم آتی ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کی مصلحت کا علم اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ واقعہ رونما نہ ہو جائے۔ اور یہ کہ امورِ مستقبل اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی تقدیر کے تحت نہیں ہیں۔ (تعالیٰ الله عن ذلك)

واجب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان معانی سے منزہ [پاک] سمجھا جائے۔ یعنی کہ اللہ تعالیٰ علم رکھتا ہے ہر اس چیز کا جو ہو گئی یا ہونے والی ہے۔ اور زمین و آسمان کی کوئی چیز اس پر مخفی نہیں ہے۔

اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ان کی تقدیر مقرر کر دی ہے؛ اور ان کی پیدائش اس تقدیر کے موافق تھی۔ اس بات پر تمام آسمانی مذاہب کا اتفاق ہے۔ اور فطرت اور عقلِ سلیم کا اس پر اجماع ہے۔

یہودی اور رافضی جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں، جیسے: بداء، غم و ملال، رنجیدگی و افسوس؛ پھر ان پر جو عظیم مفاسد مرتب ہوتے ہیں ان سب کے باطل ہونے ہونے پر کتاب اللہ، سنت اور

---

[1] " الوشيعة في نقد عقائد الشيعة " ص: ١١٣-١١٤۔

عقل اور خود ان لوگوں کی کتابیں دلالت کرتی ہیں۔

اولاً: کتاب اللہ سے دلائل:

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ علم کے اثبات؛ اور ان یہودی و رافضی خرافات کی نسبت کے باطل ہونے پر دلالت کرتا ہے؛ جن سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہالت کا منسوب ہونا لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے علم کی صفت پر دلالت کرنے والی آیات بہت زیادہ ہیں؛ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ o وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ﴾ (الانعام: ۵۹۔۶۰)

''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اُسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اُس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔ اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس سے خبر رکھتا ہے پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ﴾ (سباء: ۲)

''جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اُس میں سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اُس پر چڑھتا ہے سب اُس کو معلوم ہے اور وہ مہربان (اور) بخشنے والا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِن ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ﴾ (فصلت: ۴۷)

''قیامت کے علم کا حوالہ اسی کی طرف دیا جاتا ہے (یعنی قیامت کا علم اسی کو ہے) اور نہ تو پھل گابھوں سے نکلتے ہیں اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اس کی علم سے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْماً﴾

(الطلاق: ۱۲)

''اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور ویسی ہی زمینیں ان میں (اللہ کے) حکم اترتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

اللہ تعالیٰ حاملین عرش سے حکایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْماً﴾ (الغافر: ۷)

''ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ (الملك: ۱۴)

''بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور (ہر چیز سے) آگاہ ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس آخری آیت کے متعلق فرماتے ہیں:

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے لیے اشیاء علم کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے، ان تمام وجوہ کے لحاظ سے جو اہل نظر کے لیے جمع ہوں، یا اہل کلام و فلسفہ اور دوسرے لوگ عقلی اور قیاسی استدلال کر سکیں۔ ان وجوہات میں سے:

اول:...... اللہ تعالیٰ ان چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور خلق تقدیر کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے۔ یہ مستلزم ہے کہ اس چیز کی تقدیر کا اس کے خارجی وجود سے پہلے ہو۔

دوم:...... یہ ارادہ اور مشیت کو مستلزم ہے۔ اور ارادہ مستلزم ہے: مراد کے تصور اور اس کے شعور کو، یہ

طریقہ اہل کلام کے ہاں مشہور ہے۔

سوم :......ان کا صدور اللہ کے ہاں سے ہوا ہے۔ اور یہ اس کا پورا سبب ہے۔ کسی چیز کی اصل بنیاد اور اس کے اسباب کا علم ہونا اس کی فروعات اور مسببات کے علم کو واجب کرتا ہے؛ خود اس چیز کا علم ہونا اس سے صادر ہونے والی تمام اشیاء کے علم ہونے کو واجب کرتا ہے۔

چہارم:...... بے شک وہ فی نفسہ لطیف ہے؛ انتہائی باریک چیزوں کا ادراک کرتا ہے۔ وہ خبیر ہے، مخفی چیزوں کا اسے ادراک ہے۔ اور اس کا تقاضا ہے کہ اشیاء کا علم ہو۔ مقتضی کے وجود سے پورے پورے سبب کا وجود واجب ہوتا ہے۔ سو وہ اشیاء کے علم میں بذاتِ خود مستغنی ہے۔ جیسا کہ وہ اپنی تمام صفات میں بذاتِ خود غنی ہے۔'' [1]

اور ایسے ہی آیات اللہ تعالیٰ کی تقدیر کائنات پر اس کے ہونے سے پہلے، دلالت کرتی ہیں۔ [ان جملہ آیات میں سے چند یہ ہیں]۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ﴾ (الفرقان: ۲)

''اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کا ایک اندازہ ٹھہرایا۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴾ (القمر: ۴۹)

''ہم نے ہر چیز اندازۂ مقرر کے ساتھ پیدا کی ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴾ (الاحزاب: ۳۸)

''اللہ تعالیٰ کے کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى o وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى﴾ (الاعلی: ۲۔۳)

''جس نے پیدا کیا اور درست بنایا۔ اور جس نے صحیح اندازہ کیا اور پھر رستہ بتایا۔''

ان آیات کریمہ میں یہودیوں اور رافضیوں پر بہت بڑا رد ہے؛ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو

[1] مجموع الفتاوی ۲/۲۱۱۔

معاملات کے رونما ہونے تک ان کی خبر نہیں ہوتی۔ اور یہ کہ کبھی وہ کسی کام کا حکم دیتا اور پھر نئی مصلحت کے پیش آنے کی وجہ سے اس کی رائے بدل جاتی ہے۔

سو اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ان کی تقدیر مقرر کی۔ اور کائنات میں کوئی بھی چیز اس کے مقرر شدہ تقدیر اور تدبیر سے باہر نہیں جا سکتی۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے سے تجاوز کر سکتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِيْ الأَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيْهَا مَن يُفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّيْ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ: ۳۰)

''اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا کہ کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے؟ اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یعنی میں ابلیس کے بارے میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''[1]

اور امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابلیس کی نافرمانیاں معلوم تھیں، اور وہ اسی لیے پیدا کیا گیا تھا۔''[2]

اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ بھی اس کے علم میں تھا کہ ان مخلوقات میں انبیاء و مرسلین، نیکوکار لوگ اور جنتی کے رہنے والے بھی ہوں گے۔''[3]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

---

[1] تفسیر الطبری ۱/۱۶۸۔
[2] تفسیر الطبری ۱/۱۶۸۔
[3] تفسیر الطبری ۱/۱۶۸۔

''ملائکہ نے انسانوں کی تخلیق سے پہلے ہی اس بات کا حکم لگایا کہ آدمی زمین میں خونریزی کریں گے اور فساد پھیلائیں گے۔ اور ان کو تو صرف وہی علم حاصل ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے ان کو سکھایا ہے، جیسے کہ خود انہوں نے اقرار کیا تھا:

﴿لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ (البقرہ:۳۲)

''جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنِّيْ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ: ۳۰)

''میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''

یہ آیت ان امور کو بھی متضمن ہے جو اس کے آدم اور ابلیس کی اولاد سے ہوں گے؛ اور جو کچھ ان امور پر مرتب (یعنی ان کا انجام) ہوگا۔

یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آدم کو جنت سے نکالا جائے گا؛ اس لیے کہ اگر انہیں جنت سے نہ نکالا جاتا تو وہ زمین میں خلیفہ نہ بنتے۔ سو بے شک اس نے حکم دیا تھا کہ وہ جنت میں رہیں، مگر اس درخت کا پھل نہ کھائیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَداً حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الْظَّالِمِيْنَ﴾ (البقرہ: ۳۵)

''اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى o إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرَى o وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيْهَا وَلَا تَضْحَى﴾

(طه:۱۱۷۔۱۱۹)

''ہم نے فرمایا کہ آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو یہ کہیں تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ یہاں تم کو یہ (آسائش) ہوگی کہ نہ بھوکے رہو نہ ننگے۔ اور

یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ۔''

اسے منع کیا تھا کہ وہ ان دونوں کو جنت سے نکالے۔اورانہیں ابلیس کی اطاعت سے روکا تھا جو کہ جنت نکالے جانے کا سبب ہے۔اور درخت کا پھل کھانے سے منع کیا۔اس لیے کہ اس نے اس سے پہلے ہی فرما دیا تھا:

﴿إِنِّيْ جَاعِلٌ فِيْ الأَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ (البقرہ: ۳۰)

''بے شک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

پھر اس کے بعد فرمایا:

﴿وَقُلْنَا اهْبِطُواْ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِيْ الأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِيْنٍ﴾ (البقرہ: ۳۶)

''تب ہم نے حکم دیا کہ (جنت بریں سے) چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے۔''[1]

اس آیت میں یہودیوں پر واضح اور صریح رد ہے، جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کے پیدا کرنے پر نادم ہوا تھا؛ جب اس کے کثرت سے شرور اور زمین میں فساد پھیلانے کو دیکھا۔اللہ تعالیٰ کو آدم کی معصیت کا اس کی تخلیق سے پہلے ہی علم تھا۔اور ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کا بھی اس کے پیدا کرنے سے پہلے ہی علم تھا۔سو آدم اور اس کی اولاد سے، اور ابلیس اور اس کے لشکر سے جو کچھ بھی ہوا، اللہ تعالیٰ کو نہ صرف یہ کہ ان کا علم تھا، بلکہ ان کے وجود سے پہلے تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا۔جیسا کہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

رہا یہودیوں کا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنا، اور اس کے لیے نسیان کا وصف بیان کرنا؛ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے-معاون کی-ضرورت ہے جو اسے اس کے وعدے اور میثاق یاد دلائے؛ جو اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیے ہیں۔یقیناً اس کے باطل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بطور دلیل کے کافی ہے، جس میں موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی حکایت بیان ہے:

﴿قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّيْ فِيْ كِتَابٍ لَّا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنسَى﴾ (طہ: ۵۲)

[1] مجموع الفتاوی ٦/ ٤٩٢۔

''کہا کہ اُن کا علم میرے رب کو ہے (جو) کتاب میں (لکھا ہوا ہے) میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ (مریم: ٦٤)

''اور (فرشتوں نے پیغمبر کو جواب دیا کہ) ہم تمہارے رب کے حکم کے سوا اتر نہیں سکتے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے اور جو اُن کے درمیان ہے سب اسی کا ہے اور تمہارا رب بھولنے والا نہیں۔''

اور ایسے آیات یہودیوں کے اس دعوی کے باطل ہونے پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا، مگر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سفارش کہ ان سے اس ہلاکت کو ٹال دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے اسے ٹال دیا۔ اور ایسے ہی رافضیوں کے اس دعوی کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل پر موت لکھ دی تھی؛ تو جعفر الصادق نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی کہ اسے ٹال دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے دوبار اس کی موت کو مؤخر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ (النحل: ٦١)

''جب وہ وقت آ جاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ الله كِتَاباً مُّؤَجَّلاً﴾

(آل عمران: ١٤٥)

''اور کسی شخص میں طاقت نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر مر جائے (اُس نے موت کا) وقت مقرر کر کے لکھ رکھا ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْساً إِذَا جَاء أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾

(المنافقون: ١١)

''اور جب کسی کی موت آ جاتی ہے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبر دار ہے۔''

رہا رافضیوں کا عقیدہ ء ''بداء۔'' پر اس آیت سے استدلال کرنا:

﴿يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِندَهُ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ (الرعد: ۳۹)

''اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے۔''

تو اس آیت میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ محو (مٹایا جانا) اور اثبات (باقی رکھنا) ان صحیفوں میں ہوتا ہے جو ملائکہ کے ہاتھوں میں ہیں۔ رہا اللہ تعالیٰ کا سابق علم؛ تو اس سے نہ ہی مٹایا جانا ہے، اور نہ ہی تبدیل ہونا، اور نہ ہی اس میں زیادہ ہوتا ہے اور نہ ہی کم۔ بے شک اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو کچھ تھا اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ اور جو کچھ نہیں ہونا۔ اور اگر ہوتا تو کیسے ہوتا، جیسا کہ علماء کرام نے اس کی وضاحت کی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانتے ہیں جو کچھ تھا اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ اور جو کچھ نہیں ہوا۔ اور اگر ہوتا تو کیسے ہوتا؛ وہ جانتا ہے جو کچھ اس نے لکھا ہے۔ اور ملائکہ کو اس علم کے علاوہ کوئی علم نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو سکھایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چیزوں کو ان کے ہونے سے پہلے جانتے ہیں؛ اور ان کے ہونے کے بعد بھی جانتے ہیں۔ اسی وجہ سے علماء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ''مٹانا اور باقی رکھنا ملائکہ کے صحیفوں میں ہے۔ رہا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا علم نہ ہی یہ بدلتا ہے، اور نہ ہی اس پر کوئی چیز ظاہر ہوتی ہے جو پہلے سے ظاہر نہیں تھی [جس کا وہ عالم نہیں تھا] (اس لیے کہ کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ پر مخفی ہو، اور اللہ کو اس کے بارے میں علم نہ ہو)......[مترجم]''

اس لیے اس -علم الٰہی- میں نہ ہی اثبات ہے اور نہ مٹایا جانا۔''[1]

اس سے قریب معنی کا تذکرہ علامہ ابن ابی العز حنفی[2] نے اور علامہ سفارینی[3] رحمہما اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

---

[1] مجموع الفتاوی ۱۴/۴۹۱-۴۹۲۔

[2] شرح عقيدة الطحاوية ص: ۱۰۳-۱۰۴۔

[3] لوامع الأنوار البهية وسواطع الأسرار الأثرية ۱/۱۶۰۔

ثانیاً: سنت رسول اللہ ﷺ سے دلائل:

ایسے ہی سنت سے بھی اللہ تعالیٰ کے لیے علم کی صفت ثابت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے؛ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ آنے والے کل میں کیا ہوگا۔ اور رحم کس چیز کو چھپائے ہوئے ہیں، اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور بارش کب آئے گی؛ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور کوئی جی نہیں جانتا کہ اس کی موت کس سرزمین پر آئے گی۔ اور قیامت کب قائم ہوگی؛ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔'' [1]

یہ امور جو حدیث میں بیان ہوئے ہیں، مستقبل میں پیش آنے والے امور ہیں، اور حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے پیش آنے سے قبل اللہ تعالیٰ کو ان کا علم حاصل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے لیے صفت علم پر دلالت کرنے والی احادیث میں سے ایک نبی کریم ﷺ سے منقول دعاء استخارہ ہے۔

((اللهم إني استخيرك بعلمك، واستقدرك بقدرتك، و أسألك من فضلك العظيم، فإنك تقدر ولا أقدر، وتعلم ولا أعلم، وأنت علّام الغيوب)) [2]

''اے اللہ میں تیرے علم کے ساتھ تجھ سے بھلائی کی دعاء کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ساتھ بھلائی کا حصّہ مانگتا ہوں اور تیرے فضلِ عظیم کا سوال کرتا ہوں تو قادر ہے اور میں بے ہمت ہوں؛ تو جانتا ہے، اور میں بے علم ہوں؛ بے شک تو غیب کا جاننے والا ہے۔''

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ بہت خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرنے والے تھے۔'' [3]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب التفسیر؛ باب: الله يعلم ما تحمل كل أنثى وما تغيض الأرحام، ح: ٤٦٩٧۔

[2] البخاری، کتاب التهجد؛ باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، ح: ١١٦٢، ترمذی ٤٨٠۔

[3] صحیح البخاری، کتاب القدر؛ باب: الله أعلم بما كانوا عاملين، ح ٦٥٩٧۔

یہ احادیث اللہ تعالیٰ کے لیے تمام مخلوقات کے سابق علم پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کے پیدا ہونے اور وجود میں آنے سے [پہلے وہ جانتا ہے کہ] جس انداز وہ طبیعت پر وہ ہوں گی؛ اور آخر کار جو کچھ ان کا انجام ہوگا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مستقبل میں لوگوں کے افعال کا علم مخلوقات میں سے کسی ایک کو عطا ہوسکتا ہے؛ جیسے انبیاء، ملائکہ وغیرہ۔ تو پھر اللہ رب العالمین کو یہ علم کیوں کر نہ حاصل ہوگا ؟ یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے جو کچھ مستقبل میں ان کی امت میں ہوگا۔

جن کا تذکرہ کرنا کافی لمبا ہوجائے گا، جیسے: '' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ؛ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ اور یہ خبر دینا کہ اس تفریق کے وقت ایک گروہ نکلے گا، جنہیں حق پر قائم گروہ قتل کرے گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خبر دینا کہ کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل پھر (مرتد ہو) جائیں گے؛ اور یہ کہ خلافت نبوت

تیس سال تک ہوگی؛ پھر اس کے بعد بادشاہی قائم ہو جائے گی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خبر دینا کہ پہاڑ پر صرف نبی، صدیق اور شہید ہیں۔ اور ان کے اکثر لوگ شہداء تھے۔ اور بدر کے دن بڑے بڑے سرغنوں کے قتل کیے جانے سے پہلے ان کے قتل ہونے کی خبر دینا؛ اور دجال کے خروج کی خبر دینا؛ اور عیسی علیہ السلام کے دمشق میں مشرقی منارہ پر نازل ہونے کی خبر دینا، اور عیسی علیہ السلام کے باب ''لُد'' ❶ پر دجال کو قتل کرنے کی خبر دینا......''

اس طرح کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی خبریں ذکر کیے جانے سے بڑھ کر ہیں۔ اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی جانتے ہیں جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے بہت سارے افعال جانتے ہیں؛ تو پھر اس کا کیا عالم ہوگا جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اور انہیں وہ علم سکھایا ہے جو وہ نہیں جانتے تھے؟'' ❷

---

❶ ''لد'' بیت المقدس کے قریب فلسطین کا ایک گاؤں ہے۔ وہاں پر عیسی علیہ السلام دجال کو پالیں گے اور قتل کر ڈالیں گے۔ معجم البلدان ٥/١٥۔

❷ مجموع الفتاوی ٨/ ٤٩٥۔

اور احادیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر ان کو پیدا کرنے سے ہزاروں سال پہلے مقدر کردی تھی۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر مقرر کی آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے؛ اور اس کا عرش (اس وقت) پانی پر تھا۔''❶

صحیح بخاری میں بنی تمیم کے قصہ میں ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے:

''ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ہیں، اس کائنات کی ابتداء کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تھا، اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس نے اپنے پاس کتاب میں ہر چیز لکھی، اور زمین و آسمان کو پیدا کیا۔''❷

ان احادیث میں یہودیوں پر رد ہے جو بعض افعال پر اللہ تعالیٰ کی طرف ندامت منسوب کرتے ہیں۔ اور رافضیوں پر رد ہے جو بعض امور یا خبروں سے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف ''بداء'' منسوب کرتے ہیں۔ اور ان کی عقلوں نے کیسے اس بات کو مان لیا کہ ایسی ہستی سے ندامت صادر ہو جو تمام امور کی تفصیل اور باریکیاں ان کے پیدا کرنے سے ہزاروں سال پہلے جانتی ہے۔ پھر انہیں اپنے پاس لکھ رکھا ہے۔ سو نہ ہی کوئی پتہ گرتا ہے، اور نہ ہی زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ ہے، مگر وہ اسے جانتا ہے۔

رہا یہودیوں کا یہ گمان کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے بنی اسرائیل سے ہلاکت کو ٹال دیا۔ اور رافضیوں کا یہ گمان کہ اللہ تعالیٰ اسماعیل بن جعفر کی موت کو اس کے والد کی دعا کی وجہ سے دو بار ٹال دیا؛ ان بدگمانیوں کے باطل ہونے پر یہ احادیث دلالت کرتی ہیں۔ وہ حدیث جیسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ! مجھے فائدہ دے میرے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے؛ اور میرے باپ ابوسفیان سے، اور میرے بھائی معاویہ سے ۔ رضی اللہ عنہما ۔۔

❶ مسلم کتاب القدر، باب: حجاج آدم و موسیٰ علیهما السلام ح: ٤٩٠٣۔

❷ البخاری کتاب بدء الخلق؛ باب: ماجاء في قوله تعالی ﴿هو الذي يبداء الخلق ثم يعيده﴾۔ ح: ٣١٩١۔

آپ کہتے ہیں: تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً تم نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے، طے شدہ اجل کا، اور گنتی کے دنوں کا؛ اور تقسیم شدہ رزق کا؛ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس وقت سے پہلے بھی نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی چیز کو اس کے وقت سے لیٹ کریں گے۔ اور اگر تم اللہ سے سوال کرتی کہ وہ تمہیں جہنم کے عذاب سے نجات دے، اور عذابِ قبر سے محفوظ رکھے؛ تو یہ بہتر اور افضل ہوتا۔''[1]

سو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تقدیر مقدر کر دی ہے۔ اس سے کوئی چیز نہ پہلے ہوگی، اور نہ ہی اس میں تاخیر ہوگی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے یہ اسماعیل بن جعفر کو مارنے کا ارادہ ہوتا، تو اللہ تعالیٰ کر گزرتے۔ اور کسی بھی مخلوق کے لیے، بھلے اس کا کتنا ہی بڑا مقام کیوں نہ ہو؛ یہ ممکن نہ ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر میں سے کچھ ٹال سکے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔

ثالثاً: عقلی دلائل:

عقل اللہ تعالیٰ کے لیے صفات علم کے اثبات اور اس کے علم میں ہر چیز کا احاطہ کیے ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ علم کے اثبات پر عقلی دلائل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور اللہ تعالیٰ کے علم پر دلیلِ عقلی: بے شک جہالت کے ساتھ اشیاء کی ایجاد محال ہے اور چونکہ اشیاء کو اس نے اپنے ارادہ سے ایجاد کیا ہے۔ اور ارادہ مستلزم ہے مراد کے تصور کو؛ اور مراد کے تصور سے مقصود مراد کا علم ہے۔ تو اس طرح کسی چیز کا وجود مستلزم ہے اس کے ارادہ کو، اور ارادہ مستلزم ہے علم کو۔ اور اس لیے کہ مخلوقات میں ایسی عمدگی اور پختگی پائی جاتی ہے؛ جو ان کے بنانے والے کو ان چیزوں کا علم حاصل ہونے کے لیے لازم ہے۔ اس لیے کہ پختہ اور عمدہ فعل ایسے فاعل سے نہیں ہوسکتا جسے علم نہ ہو۔ اور اس لیے بھی کہ مخلوقات میں ایسے بھی ہیں جو کہ عالم ہیں؛ اور کمال کی صفات میں سے ہے۔ یہ بات ممتنع ہے کہ خالق کو کسی چیز کا علم نہ

---

[1] صحيح مسلم، كتاب القدر، باب: أن الآجال والأرزاق وغيرها لا تزيد و لا تنقص عما سبق في القدر، ح: ۳۵۷۲۔

ہو۔ اس کے دوطریقے ہیں:

پہلا طریقہ: یہ کہا جائے کہ: ہم یہ بات ضروری طور پر جانتے ہیں کہ خالق مخلوق سے زیادہ اکمل ہے۔ اور واجب کا اکمل ہونا ممکن ہے۔ اور ہم یہ بھی ضروری طور پر جانتے ہیں کہ بے شک اگر ہم دو چیزیں فرض کریں؛ ان میں سے ایک عالم ہو، اور دوسری چیز غیر عالم ہو۔ تو عالم زیادہ اکمل ہوگا۔ اور اگر خالق عالم نہ ہوتا تو اس سے لازم آتا کہ مخلوق زیادہ علم والی ہے؛ یہ بات ممتنع ہے، [ایسا نہیں ہوسکتا]۔

دوسرا طریقہ: وہ تمام علم جو ممکنات میں ہے یعنی مخلوقات میں؛ وہ اسی کی طرف سے ہے۔ اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ کمال کا فاعل (بنانے والا) اور اس کا موجد اس علم سے خالی ہو۔ بلکہ وہ اس علم کا زیادہ حق دار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہی اعلیٰ ترین مثالیں ہیں۔ وہ اور مخلوقات برابر نہیں ہوسکتے۔ نہ تمثیلی قیاس میں، اور نہ ہی شمولی قیاس میں۔ بلکہ ہر وہ کمال جو کسی بھی مخلوق کے لیے ثابت ہو، تو خالق اس کا زیادہ حق دار ہے۔ اور ہر وہ نقص جس سے مخلوق کو مبرا مانا جائے، بے شک خالق اس سے پاک وصاف ہونے کا زیادہ حق دار ہے۔'' [1]

رابعاً: یہود اور روافض کی کتب سے اس عقیدہ کا ابطال:

جیسا کہ قرآن کریم، سنت مطہرہ، اور عقل سلیم اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر یہودی اور رافضی افتراءات کے باطل ہونے پر دلالت کرتے ہیں؛ جو کہ وہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسے ندامت، رنجیدگی؛ غم اور بداء وغیرہ۔ ایسے خود ان لوگوں کی کتابیں بھی اس فاسد عقیدہ کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ہر خواہش کے پجاری اور بدعتی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ طریق کار کہ لازمی طور ان کے کلام میں ایسا تناقض اور الجھن پائی جائے جس سے ادنی علم رکھنے والا انسان بھی اس بدعت کے باطل ہونے پر استدلال کرسکے۔ خود یہود اور رافضہ نے اپنی کتابوں میں جہاں دوسری روایات ذکر کی ہیں، وہاں پر وہ روایات بھی لے آئے ہیں جو اس مذہب کے فاسد اور باطل ہونے کی گواہی دیتی ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

---

[1] بواسطة: لوامع الأنوار البهية ۱/ ۱۴۸-۱۴۹؛ انہوں نے کہا ہے کہ علامہ ابن ابی العز الحنفی نے بھی اس طرح کا کلام نقل کیا ہے۔

اولاً: یہودی کتب سے اس عقیدہ کا ابطال:

سفر عدد (گنتی) میں آیا ہے: ''سو رب نے بلعام سے وفا کی، اور اپنا کلام اس کے منہ میں رکھا؛ اور فرمایا: ''بالاق کی طرف واپس پلٹ جاؤ اور اس طرح کلام کرو: اے بالاق!

اٹھو؛ اور میری بات کو کان لگا کر سنو؛ اے چڑیا کے بیٹے! اللہ تعالیٰ انسان نہیں ہے کہ وہ جھوٹ بولے، اور نہ ہی انسان کا بیٹا ہے کہ اسے ندامت ہو۔''❶

یہ صریح نص ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ ندامت کی نفی پر دلالت کرتی ہے، اور اسے اللہ تعالیٰ کے لیے محال بتاتی ہے۔ یہ نص ان دوسری نصوص کے مخالف ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف ندامت کو منسوب کیا گیا ہے۔ تو اب لازم آتا ہے کہ یا یہ نص باطل ہو، یا دوسری نصوص باطل ہوں۔ سو یہ نص اللہ تعالیٰ سے صفت ندامت کی نفی کرتی ہے جبکہ دوسری نصوص اسے ثابت کرتی ہیں۔ جب ان کی کتابوں میں یہ واضح تناقض پایا جائے تو اولی اور بہتر یہ ہے کہ ان نصوص کو حذف کر دیا جائے جو باطل معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور اس صحیح معنی کو برقرار رکھا جائے جس پر تمام آسمانی کتابیں؛ عقل اور فطرتِ سلیمہ گواہی دیتی ہے؛ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ندامت کا محال ہونا۔ سفر الجامعہ میں ہے:

''انسان اللہ تعالیٰ کے اعمال کو شروع سے لے کر آخر تک پا ہی نہیں سکتا۔ اور یہ بات بھی جانی گئی ہے کہ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ابد تک کے لیے ہوں؛ اس پر کوئی چیز زیادہ نہیں کی جاتی؛ اور نہ ہی اس میں کسی چیز کی کمی کی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے سامنے یہ کام کرتا ہے تا کہ اس سے ڈر جائیں۔ جو تھا، وہ بھی شروع ہی سے تھا؛ اور جو ہوگا وہ بھی شروع سے ہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وہی کام کرتے ہیں جس کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہو۔''❷

ایسے ہی یہ نص بھی تخلیق اور ایجاد سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ نص کا یہ جملہ: ''جو تھا، وہ بھی شروع ہی سے تھا'' یہ ماضی میں جو کچھ گزر چکا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور عبارت کا یہ جملہ: ''اور جو ہوگا وہ بھی شروع سے ہی ہے۔'' یہ ہر اس چیز کے لیے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کے ہونے پر دلیل ہے جو مستقبل میں ہونے والی ہے۔ اور اس

---

❶ اصحاح ۲۳؛ فقرات ۱۶-۱۸۔

❷ اصحاح ۳؛ فقرات (۱۱-۱۵)۔

عبارت کا یہ جملہ: ''ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ابد تک کے لیے ہوں؛ اس پر کوئی چیز زیادہ نہیں کی جاتی؛ اور نہ ہی اس میں کسی چیز کی کمی کی جاتی ہے۔'' یہ دلیل ہے کہ تخلیق تقدیر کے موافق ہوتی ہے۔اور یہ ممکن نہیں ہوتا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے اس میں کچھ کمی یا زیادتی کی جائے۔''

یہودی جو کچھ ندامت اور رنجیدگی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ اس کے منافی ہے؛ جن سے تغییر اور تبدیلی لازم آتی ہے۔سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے اہل باطل کی زبانوں سے حق اگلوا دیا؛ اس کے بعد کہ ان کے دل اس امر کے ادراک سے اندھے ہو چکے تھے۔تا کہ ان کے لیے دنیا و آخرت میں ایک دندان شکن حجت بن جائے۔سفر جامعہ میں ہی ہے:

''جیسا کہ آپ نہیں جانتے کہ ہوا کا راستہ کون سا ہے۔اور نہ ہی یہ جانتے ہیں کہ حاملہ کے پیٹ میں ہڈیاں کیسے ہیں۔اور نہ ہی ان اعمال کو جانتے جو سب کرتے ہیں۔''❶

یہ نص دلالت کرتی ہے کہ ہواؤں کے رخ کا علم؛ اور جو کچھ ماؤں کے رحم میں ہے؛ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے خاص ہے۔اور ساتھ ہی اس امید کے ختم ہونے پر بھی دلالت کرتے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام کاموں کی مصلحتوں کا ادراک کیا جا سکے۔اس لیے کہ انسان اس کے اعمال کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

سفر اشیعا میں ہے:

''اور ایسے ہی کہتا ہے رب بنی اسرائیل کا بادشاہ، اور ان کے وفاداروں کا؛ اور لشکروں کا رب: میں ہی اول ہوں، میں ہی آخر ہو، اور میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔اور جو کوئی میرے جیسا ہونے کا دعوی کرتا ہو، اسے یہ بتا دیا جائے، اور اسے میرے سامنے پیش کیا جائے۔اور نہ ہی لوگوں کے بھید ٹٹولو، اور نہ ہی ان کی غیبت کرو، کیا میں نے آپ کو قدیم سے یہ نہیں بتا دیا تھا اور اس کی خبر نہیں کر دی تھی۔''❷

یہ نص مستقبل کے امور سے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم ہونے کو، اور ان کی بابت رونما ہونے سے خبر دینے پر دلالت کرتی ہے۔اس میں یہودیوں پر رد ہو کہتے ہیں کہ واقعات کے رونما ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو ان کا علم نہیں ہوتا۔''

---

❶ اصحاح ۲۱؛ فقرہ ۵۔

❷ اصحاح ٤٤؛ فقرات (٦-٨)۔

ثانیاً: رافضی کتب سے اس عقیدہ کا بطلان:

رہا رافضیوں کی کتابوں سے عقیدہ ءبداء کا ابطال ,اصول کافی میں ہے:

''ابوجعفر علیہ السلام سے روایت ہے: بے شک آپ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی بھی چیز نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ ہونے والے امور کا عالم رہا ہے۔ ان کے ہونے سے پہلے اس کا علم ایسے ہی ہے جیسے ہو جانے کے بعد۔''❶

اور ایوب بن نوح سے روایت ہے کہ انہوں نے ابوالحسن علیہ السلام کو لکھا؛ اور سوال کیا، کیا اللہ عزوجل اشیاء کو پیدا کرنے اور ان کی تکوین سے پہلے بھی انہیں جانتا تھا۔ یا ان کو نہیں جانا یہاں تک کہ انہیں پیدا کر دیا، یا ان کے پیدا کرنے اور بنانے کا ارادہ کر لیا؛ تو اس نے اپنی تخلیق کو اس وقت پہچانا جب انہیں پیدا کر لیا؛ اور اپنی تکوین کو اس وقت جانا جب تکوین مکمل ہو گئی؟'' تو انہوں نے اپنے خط سے لکھ کر جواب دیا:

''بے شک اللہ تعالیٰ اشیاء کا ہمیشہ ان کے پیدا کرنے سے پہلے بھی ایسے ہی عالم رہا ہے جیسے ان کے پیدا کرنے کے بعد ان کا عالم رہا ہے۔''❷

پس یہ دونوں روایتیں تمام مخلوقات کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم سابق پر دلالت کرتے ہیں، جو ان کو پیدا کرنے سے اور وجود میں لانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو حاصل تھا۔''

اور یہ روایات ان روایت سے ٹکراؤ رکھتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے لیے تجدید علم کی صراحت کی گئی ہے۔ اور مرتضی کے اس سابقہ قول کے بھی معارض ہیں جس میں وہ ''بداء'' کا معنی بیان کرتے ہوئے گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو واقعہ کے رونما ہونے تک اس کا علم نہیں ہوتا۔ تعالیٰ الله عن ذلك علواً كبيراً۔

اور کافی ہی میں یہ روایت بھی ہے: ''صفوان بن یحیٰ سے روایت ہے وہ کہتا ہے میں نے ابو الحسین علیہ السلام سے کہا: ''مجھے اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مخلوق کے ارادہ کے متعلق کچھ بتایئے؟ تو کہتا ہے: انہوں نے کہا: ''مخلوق کا ارادہ جو ان کے ضمیر میں پوشیدہ ہوتا ہے، اور بعد میں اس فعل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان کو پیدا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس لیے کہ وہ تو نہ ہی روایت

---

❶ أصول الكافي ١/ ١٠٧۔

❷ أصول الكافي ١/ ١٠٧۔

کرتا ہے، اور نہ ہی غور وفکر کرتا ہے، اور نہ ہی اس کے اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے منافی ہیں، یہ مخلوق کی صفات ہیں۔'' ❶

ان روایات میں ابوالحسن نے -ان کی روایات کے مطابق- ؛ اللہ تعالیٰ کے لیے عقیدۂ ''بـــداء۔'' باطل ہونے کی صراحت کی ہے؛ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

''مخلوق کا ارادہ جو ان کے ضمیر میں پوشیدہ ہوتا ہے، اور بعد میں اس فعل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان کو پیدا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔''

پھر اس کے بعد فرمایا: ''یہ صفات اللہ تعالیٰ کے منافی ہیں، یہ مخلوق کی صفات ہیں۔''

ان صفات میں ذکر کیا کہ ''و لا یِھِمُّ۔'' ......''اور وہ ارادہ نہیں کرتا/ پرواہ نہیں کرتا۔''

اور ان لوگوں کی سابقہ روایات میں ہے ''جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ سو عقیدۂ ''بداء۔'' کے بارے میں اس روایت کا سابقہ روایات سے ٹکراؤ ظاہر ہوگیا۔

عجیب بات یہ ہے کہ کلینی نے اس روایت کو اصول الکافی کی کتاب التوحید میں نقل کیا ہے۔ اس روایت کے تقریباً تیس صفحات یا اس سے کچھ کم صفحات کے بعد اسی باب میں بداء کی روایات نقل کی ہیں۔ رافضیوں کی کتابوں میں بھی تناقض کا یہ حال ہے۔ یہ جب کبھی بھی کوئی روایت نقل کرتے ہیں تو ساتھ ہی اس کی الٹ/نقیض بھی روایت کرتے ہیں۔ بھلے یہ روایت اسی کتاب میں نہ ہی تو کسی دوسری کتاب میں مل ہی جائے گی۔ اس بات کا ہر اس انسان کو پتہ ہے جس نے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔

یوں یہ عقیدہ خود یہودیوں اور رافضیوں کی کتابوں سے باطل ثابت ہوگیا ہے۔ ان کی کتابوں میں وارد اس تناقض سے کوئی جائے پناہ نہیں ہے سوائے اتباع حق کے؛ جس کے لیے قرآن کریم اور سنت مطہرا گواہی دے رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو ان تمام صفات سے پاک ماننا جو ان لوگوں نے اس کی طرف منسوب کی ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ان صفات کا اطلاق لوگوں میں سے کسی سب سے کم علم رکھنے والے پر کیا جائے؛ تو یہ اس کے حق میں بھی تنقیص ہوتی ؛ اس پر اہل عقل کا اتفاق ہے۔ تو پھر رب العالمین کے بارے میں ان صفات کے اطلاق پر کیا خیال ہے جس کا علم ہر ایک چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

❶ أصول الکافی ۱/ ۱۰۹۔

دوسری فصل :

کتب اللہ میں یہودی اور رافضی تحریف

تمہید:

تحریف کا معنی ہے کہ کسی چیز کو اپنے جگہ سے ہٹا کر اس کی جوانب میں سے کسی ایک جانب کر دینا۔ یہ ''حرف'' سے مأخوذ ہے۔ حرف ہر چیز کے کنارے کو کہتے ہیں۔ اور پترے (استرے) کی تیزی کو بھی کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق حروف ہیجاء پر بھی ہوتا ہے۔ تحریف الکلام کا معنی ہے؛ اس کو بدل دینا۔ [1]

کلام میں تحریف کرنا، سب سے برا اور بدترین گناہ ہے۔ کیونکہ اس سے حقائق اور معانی بدل جاتے ہیں۔ اور اس طرح سے حق باطل ہو جاتا ہے، اور باطل حق دکھائی دیتا ہے۔

یہ تو اس وقت ہوتا ہے جب تغییر مخلوق کے کلام میں ہو۔ جب یہ تغییر خالق کے کلام میں ہو تو کوئی اس جرم کے خطرات کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان لوگوں کو عذاب سے ڈرایا ہے جو کتاب کو خود لکھتے ہیں، اور پھر گمان کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُواْ بِهِ ثَمَناً قَلِيْلاً فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴾ (البقرہ: ۷۹)

''تو اُن لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے (آئی) ہے تا کہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں، ان پر افسوس ہے اس لیے کہ (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور (پھر) ان پر

---

[1] انظر: الأزهری: تهذیب اللغة ۵/۱۲؛ الفیروز آبادی؛ القاموس المحیط ۳/۱۲۶؛ الرازی، مختار الصحاح ص۵٦۔

افسوس ہے اس لیے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف کرنے کی جرأت کی، اس کے ایمان اور ہدایت کی کوئی امید نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ: ۷۵)

'' (مومنو!) کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے (دین کے) قائل ہو جائیں گے؟ (حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ کلامِ الٰہی (یعنی تورات) کو سنتے پھر اسے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدلتے رہے ہیں۔''

اور دوسری آیت میں بیان کیا ہے کہ ان کے عدمِ ایمان کی علت دل کی سختی ہے جو تحریف قرآن کی وجہ سے حتمی طور پر آتی ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ (المائدہ: ۱۳)

'' تو اُن لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے اُن پر لعنت کی اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا؛ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اُن کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے۔''

بے شک یہ آیات یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ جنہوں نے اپنے اوپر نازل ہونے والی کتاب کو بدل ڈالا؛ اور اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں ان پر ذلت اور رسوائی کو مسلط کر دیا۔

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے یہود اور دوسری سابقہ امتوں کے بارے میں قرآن میں نازل کیا ہے، وہ اس امت کے لیے عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (یوسف: ۱۱۱)

''ان کے قصوں میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے۔''

جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ سابقہ امتوں کے قصے ذکر کرتے ہیں وہ اس وجہ سے ذکر کرتے ہیں تاکہ اس

امت کو ان امور اور گناہوں سے ڈرایا جائے جن میں یہ سابقہ لوگ مبتلا ہو گئے تھے۔

لیکن کتاب اللہ میں اس تحریف کی وجہ سے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے یہود کے ساتھ اس دنیا میں کیا تھا، اور جس دردناک عذاب کا وعدہ آخرت میں کر رکھا ہے، رافضیوں نے اس سے کوئی نصیحت حاصل نہ کی۔ بلکہ انہوں نے بھی تغییر وتبدیل؛ تقدیم وتأخیر؛ کم اور زیادہ کر کے قرآن میں تحریف کی۔ [1] سو اس جرم کی وجہ سے رافضی یہود کے مشابہ ہیں۔ اور ہر اس وعید کے مستحق ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تحریف وتغییر کرنے والوں سے وعدہ کر رکھا ہے۔

اب جب کہ یہود اور روافض اپنے اس جرم کو نہیں مانتے؛ تو میں نہ فصل خاص اس موضوع پر لکھی ہے؛ جس میں یہودیوں کی تورات میں تحریف ان کے ''اسفار انبیاء'' سے ثابت کی ہے؛ اور رافضیوں کی قرآن میں تحریف اور ان کا اعتقاد کہ موجودہ قرآن بدلا ہوا تحریف شدہ ہے؛ اور اس کی ساتھ ہی اس مسئلہ میں یہودیوں سے ان کی مشابہت کو کئی وجوہات کی بنا پر ثابت کیا ہے؛ اور پھر رافضیوں کے عقیدہ ءتحریف قرآن پر رد کیا ہے۔ اس فصل کو میں نے چار مباحث میں تقسیم کیا ہے:

پہلی بحث: عہد عتیق میں یہودی تحریف

دوسری بحث: رافضی عقیدۂ تحریف قرآن

تیسری بحث: یہود و رافضہ میں کتب اللہ میں تحریف میں وجوہِ مشابہت

چوتھی بحث: تحریفِ قرآن کے رافضی دعوی پر ردّ

❀❀❀❀

[1] رافضہ کے قرآن میں تحریف کرنے سے مقصود یہ ہے کہ جو رافضہ نے اپنی کتب قرآنی آیات میں تغییر و وتبدیل اس دعوی سے کی ہے کہ قرآن ایسے نازل ہوا ہے۔ رہا وہ قرآن جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے، یہ بالکل صحیح ہے، نہ ہی اس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے، اور نہ ہی ہرگز قیامت تک کوئی تبدیلی ہوسکتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾ (الحجر: ۹) ''بیشک یہ ''ذِکر'' ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔''

پہلی بحث:......عہد عتیق میں یہودی تحریف

عہدِ عتیق (پرانا عہد نامہ) وہ کتاب ہے، جو انتالیس اسفار پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پانچ اسفار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ اور ان کے بارے میں یہ دعوی ہے یہی وہ تورات ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے۔ اور اس کو انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ اور عہدِ عتیق کے باقی اسفار کے متعلق ان کا خیال ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے باقی انبیاء نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد لکھے ہیں۔

اور ہم مسلمانوں کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب اسفار کے متعلق ایسے ہی حکم لگائیں جیسے باقی اسفار پر حکم لگایا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس بات کی خبر دی ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تھی جس میں نور اور ہدایت تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ﴾ (المائدہ: ۴۴)

''بیشک ہم نے ہی تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيَ أَحْسَنَ وَتَفْصِيلاً لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُم بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ﴾ (الانعام: ۱۵۴)

''(ہاں) پھر (سن لو کہ) ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی تاکہ اُن لوگوں پر جو نیکوکار ہیں نعمت پوری کر دیں اور (اس میں) ہر چیز کا بیان (ہے) اور ہدایت (ہے) اور رحمت ہے تاکہ (ان کی اُمت کے) لوگ اپنے رب کے روبرو حاضر ہونے کا یقین کریں۔''

جب کہ باقی اسفار کے بارے میں قرآن نے کچھ بھی بیان نہیں کیا۔ اس طرح سے ہم ایک چیز میں یہود کی موافقت کرتے ہیں، اور ایک چیز میں ان کی مخالفت کرتے ہیں؛ اور باقی کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے ہیں۔

اس بات میں یہودیوں کی موافقت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر ایک کتاب نازل کی تھی

جس کا نام تورات رکھا تھا جیسا کہ قرآن اس بات پر دلالت کرتا ہے۔

اور اس بات میں ان کی مخالفت کرتے ہیں کہ جو تورات آج کل ان کے ہاتھوں میں موجود ہے؛ یہ پوری طرح وہ تورات نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی تھی۔ بلکہ یہودی ہاتھوں نے جرأت کرتے ہوئے اس میں تحریف و تغییر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُواْ حَظّاً مِّمَّا ذُكِّرُواْ بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىَ خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلاً مِّنْهُمُ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (المائدہ: ۱۳)

''تو اُن لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے اُن پر لعنت کی اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اُن کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو۔ تو ان کی خطائیں معاف کر دو اور (ان سے) درگزر کرو کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

باقی عہدِ قدیم کے اسفار کی منسوب الیہ کی طرف نسبت صحیح ہونے کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ اور کیا جن کی طرف یہ اسفار منسوب ہیں، وہ سارے کے سارے انبیاء ہیں؛ یا نہیں؟ جب ہم ان میں سے ان لوگوں کو نکال دیں جن کی نبوت کا صحیح ہونا قرآن و سنت سے ثابت ہے؛ جیسے:

''حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام؛ اور حضرت ایوب علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام۔

اس کے ساتھ ہی اگر یہ نسبت ان انبیاء کی طرف درست ثابت ہو بھی جائے تو ہم قطعی طور پر دوٹوک لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ ان اسفار میں بھی ایسے ہی تحریف و تبدیلی ہوئی ہے، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اسفار کو بدل دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ان اسفار میں اللہ تعالیٰ پر بہت سے جھوٹ اور افتراءات ایسے ہیں جن سے ہم اللہ تعالیٰ تعالیٰ کے ان انبیاء اور مرسلین کو منزہ اور مقدس سمجھتے ہیں جنہیں اس نے درستگیء عقیدہ اور اخلاص کے ساتھ اپنی بندگی کرنے کی دعوت دینے کے لیے مبعوث کیا تھا؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا

فَاعْبُدُونِ﴾ (الانبیاء: ۲۵)

''اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے اُن کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔''

عہد عتیق میں یہودی تحریف پر دلائل

اولاً:......تورات میں یہود کی تحریف اور کلمات کی تبدیلی پر قرآن کریم سے دلائل۔

وہ آیات جو یہود کے ہاں تورات میں تحریف پر دلالت کرتی ہیں، دو قسم کی ہیں:

پہلی قسم:......خاص تورات میں یہودی تحریف پر آیات کی دلالت

دوسری قسم:......عموم تحریفِ یہود پر دلالتِ آیات۔

پہلی قسم: خاص تورات میں یہودی تحریف پر آیات کی دلالت:

قرآن کریم میں یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تختیوں پر لکھی ہوئی تورات دی تھی۔ اس میں بنی اسرائیل کے لیے وعظ و نصیحت اور ہر شے کا تفصیلی بیان تھا۔ ار اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ اس تورات کے احکام کو قبول کریں اور ان کو اپنے لیے لازم کرلیں۔ اور اپنی قوم کو حکم دیں کہ وہ ان اچھی باتوں کو قبول کریں؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ﴾

(الاعراف: ۱۴۵)

''اور ہم نے (تورات کی) تختیوں میں ان کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی پھر (ارشاد فرمایا کہ) اسے زور سے پکڑے رہو اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (درج ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا گھر دکھاؤں گا۔''

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ (موجودہ) تورات انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھی؛ اور اس میں بہت سی باتوں کو انہوں نے چھپا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا قَدَرُواْ اللّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُواْ مَا أَنزَلَ اللّهُ عَلَى بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ قُلْ مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاء بِهِ مُوسَى نُوراً وَهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيراً وَعُلِّمْتُم مَّا لَمْ تَعْلَمُواْ أَنتُمْ وَلاَ آبَاؤُكُمْ قُلِ اللّهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ﴾ (الانعام: ۹۱)

''اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر جیسی جاننی چاہیے تھے نہ جانی۔ جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے انسان پر (وحی اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ کہو کہ جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے اُسے کس نے نازل کیا تھا جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے۔ اُن (کے کچھ حصے) کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو؛ اور تمہیں وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دو (اس کتاب کو) اللہ ہی نے (نازل کیا)۔ پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بیہودہ بکواس میں کھیلتے رہیں۔''

اس کے بعد کہ تورات ایسے ہی بنی اسرائیل تک ایسے ہی پہنچ گئی جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے لکھا ہوا موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا؛ پھر انہوں نے اپنے لیے اس سے اس تورات کو لکھ لیا تھا۔ تو وہ جان بوجھ کر اس میں تحریف کرنے لگے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گئے اس عہد کو توڑ ڈالا جو اس نے اس کتاب کی حفاظت کے لیے (وعدہ) لیا تھا۔ اور کچھ چیزیں اس میں سے بغیر عمد کے بھول گئے۔ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کے ساتھ ان کی یہ سستی ہے جس کی حفاظت کا امین ان لوگوں کو بنایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُواْ حَظّاً مِّمَّا ذُكِّرُواْ بِهِ وَلاَ تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىَ خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلاَّ قَلِيلاً مِّنْهُمُ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (المائدہ: ۱۳)

''تو اُن لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے اُن پر لعنت کی اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اُن کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو۔ تو ان کی خطائیں معاف کر دو اور (ان سے) درگزر کرو کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ صحیح تورات جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا؛ ان کی تحریف اور نسیان کی وجہ سے مفقود ہوچکی ہے۔ اللہ رب العالمین نے قرآن کریم میں ان لوگوں سے نبی کریم کے دور میں یہ مطالبہ کیا کہ وہ پوری تورات لے آئیں جن کا یہ گمان تھا کہ تورات مکمل موجود ہیں۔ لیکن وہ اس مطالبہ کو پورا نہیں کرسکے۔ اس لیے کہ ان کے ہاتھوں میں موجود تورات وہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نازل کی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ فَأْتُواْ بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِيْنَ﴾ (آل عمران: ۹۳)

''کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تورات لاؤ اور اُسے پڑھو (یعنی دلیل پیش کرو)۔''

یہ آیت کریمہ دوٹوک الفاظ میں بتا رہی ہے کہ (موجودہ) تورات پوری کی پوری درست اور صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ یہ یہودیوں میں ایک بھی صحیح نسخہ موجود ہوتا؛ تو وہ اسے پیش کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس بات کو جانتے تھے کہ ان کے پاس صحیح تورات کا نسخہ موجود نہیں ہے، ورنہ اس کا چیلنج نہ کیا جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس طرح تورات کے ضائع کردینے پر ان کی مذمت کی ہے۔ اور انہیں اس مشترک علت کی وجہ سے گدھے سے تشبیہ دی ہے، کہ کتابیں تو اٹھاتے ہیں، مگر ان سے استفادہ نہیں کرتے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَاراً بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِيْ الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ﴾

(الجمعة: ۵)

''جن لوگوں کے سر پر تورات لدوائی گئی پھر انہوں نے اس (بارِ تعمیل) کو نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں جو لوگ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں ان کی مثال بُری ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''معنی یہ ہے کہ گدھے کی مانند؛ جب وہ کتب اٹھالیتا ہے، تو اس کو علم نہیں ہوتا کہ اس میں کیا ہے۔ وہ ایک محسوس بوجھ اٹھاتا؛ اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں کیا ہے۔ ایسے ہی یہ لوگ بھی اس کتاب کے اٹھانے میں ہیں جو انہیں دی گئی ہے؛ اس کے لفظوں کو تو یاد کرلیا؛ مگر اس کو

سمجھے نہیں۔ اور نہ ہی اس کے مقتضی کے مطابق عمل کیا، بلکہ اس میں تاویل کی؛ اور اس میں تحریف کی اور بدل ڈالا۔'' ❶

دوسری قسم: وہ آیات جو یہود کے ہاں تحریف پر عموماً دلالت کرتی ہیں:

واقعات کو الٹنے اور بگاڑنے کا یہودیوں کا پرانا طریقہ چلا آ رہا ہے؛ اور حقائق میں اپنی جگہ پر تحریف کرنا؛ اس سے تو یوں لگتا ہے کہ یہی ان کی زندگی کا کارگر ہنر، اور ان کی نفسیاتی اور تخلیقی ترکیب کی خاصیت ہی یہی ہے۔ اس نے ایسے جرائم کا ارتکاب کرنے میں ضمیر کی وہ ملامت اور شرمندگی محسوس نہیں ہوتی جو کوئی دوسرا انسان جرم کرنے پر محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ یہودیوں کا شعور مر چکا ہے، اور ان کا دل پتھر ہو چکا ہے۔

یہ [مجرمین] کتاب اللہ کی تحریف اور حقائق کے بدلنے میں کئی طریقے اختیار کرتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کے جرائم سے پردہ اُٹھا کر انہیں رسوا کیا ہے؛ اور ان سے ڈرایا ہے۔ ان کے ان [تحریف کرنے اور حقائق بدلنے کے] طریقوں میں سے:

ا۔ تحریف کلام اپنی جگہ پر:

یہ طریقہ اس طرح ہے کہ الفاظ میں تاویل کر کے وہ معنی مراد لیتے ہیں، جن کے متعلق یہ آیت نازل نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں [اس برے فعل کی] مذمت کی ہے:

﴿مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا﴾ (النساء: ٤٦)

''اور یہ جو یہودی ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو اُن کے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نہیں مانا اور سنئے اور نہ سنوائے جاؤ اور زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے (تم سے گفتگو کے وقت) راعنا کہتے ہیں اور اگر (یوں) کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور (صرف) اِسْمعا اور (راعنا کی جگہ) اُنْظُرْنا (کہتے) تو

❶ تفسیر ابن کثیر ٤/٣٦٤۔

اُن کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی بہت درست ہوتی لیکن اللہ نے اُن کے کفر کے سبب اُن پر لعنت کر رکھی ہے پس نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے۔''

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ: ﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اس کے معنی سے ہٹ کر اس کی تأویل کرتے ہیں، اور جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہوئے اس کی مراد کے برعکس اس کی تفسیر کرتے ہیں۔''❶

۲۔ اپنی جگہ کے بعد تحریف کلام:

یہ کام الفاظ اور عبارات میں تبدیلی؛ اور اپنی جگہ سے آگے پیچھے کر کے کیا کرتے تھے۔ تاکہ معنی مقصود باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوا سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِيْنَ لَمْ يَأْتُوكَ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ﴾ (المائدہ: ۴۱)

''اور یہودیوں میں ایسے ہیں جو غلط باتیں سننے کے عادی ہیں اور ایسے لوگوں (کے بہکانے) کے لیے جاسوس بنے ہیں جو ابھی تک آپ کے پاس نہیں آئے؛ وہ کلمات کو اصل جگہ چھوڑ کر بدل دیتے ہیں۔''

علامہ شوکانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اس کے بعد کہ وہ اپنی جگہ کے لیے موزوں تھا؛ یا ان کو اس جگہ پر رکھنے کے بعد جہاں اللہ تعالیٰ نے اسے لفظ اور معنی کے اعتبار سے رکھا ہے۔''❷

پہلی قسم اور اس قسم کی تحریف میں فرق یہ ہے کہ اپنی جگہ پر تحریف معانی کے ساتھ خاص ہے۔ سو اس طرح وہ کلمہ کی تفسیر اس کے صحیح معنی سے ہٹ کر کیا کرتے تھے۔ جب کہ اپنی جگہ سے ہٹ کر تحریف دونوں باتوں کو شامل ہے۔ یعنی کلمہ کی تفسیر اس کے صحیح معنی سے ہٹ کر کرنا اور لفظ کو اپنے اصلی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ پر لے جانا۔ (تاکہ معنی اور عبارت دونوں بدل جائیں، اور کسی دوسرے کے لیے صحیح معنی تک پہنچنے کا امکان تک باقی نہ رہے......[مترجم])

❶ تفسیر ابن کثیر ۱/۵۰۷۔
❷ تفسیر فتح القدیر ۲/۴۱۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت: ﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''وہ ان نصوص کے فاسد معانی بیان کرتے ہیں؛ اس میں یہ بیان نہیں کہ وہ ان الفاظ کو کتاب سے نکال دیتے تھے۔ جب دوسری آیت ﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ﴾ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ یہ دونوں کام کیا کرتے تھے۔ فاسد تاویلات بھی بیان کیا کرتے؛ اور الفاظ کو کتاب سے نکال بھی دیا کرتے تھے۔''[1]

۳۔ حق کی باطل کے ساتھ ملاوٹ:

اس سے مراد لوگوں کے لیے معانی کو ایسے بدل کر بیان کرنا ہے جس سے حق باطل اور باطل حق ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا تَلْبِسُواْ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُواْ الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ: ۴۲)

''اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بُوجھ کر نہ چھپاؤ۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''حق کی باطل کے ساتھ ملاوٹ نہ کرو، اور نہ ہی سچ کی جھوٹ کے ساتھ۔''

ابو عالیہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ؛ اور امت محمد میں اللہ کے بندوں کے لیے نصیحت کا حق ادا کرو۔''

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہودیت اور نصرانیت کو اسلام کے ساتھ نہ ملاؤ؛ اور تم جانتے ہو کہ اللہ کا دین اسلام ہی ہے؛ اور یہودیت اور نصرانیت بدعت ہیں، اللہ کی طرف سے نہیں ہیں۔''[2]

۴۔ زبان موڑ کر کلام بیان کرنا:

یعنی اس کو لمبا کرنا؛ اس میں تحریف کرنا، اور معنی مقصود سے ہٹ کر بیان کرنا؛ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقاً يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ (آل عمران: ۷۸)

[1] أنظر: فخر الدين الرازی: التفسير الكبير ۱۰/ ۱۱۸۔ [2] تفسير ابن كثير ۱/ ۸٤۔

''اور ان (اہل کتاب) میں بعض ایسے ہیں کہ کتاب (تورات) کو زبان مروڑ مروڑ کر پڑھتے ہیں تا کہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں کتاب میں سے ہے حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل ہوا) ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور (یہ بات) جانتے بھی ہیں۔''

علامہ شوکانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یعنی اس میں تحریف کرتے ہیں، اور مقصود سے ہٹ جاتے ہیں۔''

"لَيِ" کا اصل معنی ہے: میلان؛ کہاجاتا ہے:"لوَّی برأسِه" اس نے اپنے سر کو جھکایا؛ جب وہ سر کو نیچے کی جانب مائل کرے۔

ثانیاً: عہد عتیق میں ان کی کتب میں تحریف پر دلائل:

قرآن کریم یہود اور تورات میں ان کی تحریف کے بارے میں بیان کرتا ہے۔ اور کلمات کی تحریف میں ان کے اسلوب، اور حق کو باطل کے ساتھ ملانے کا ذکر کرتا ہے۔

اور قرآن کریم - جس میں نہ ہی آگے سے اور نہ ہی پیچھے سے کوئی باطل آسکتا ہے- نے اس مسئلہ کا پوری طرح احاطہ کیا ہے۔ اور اس کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جس میں نہ ہی کوئی اشتباہ ہے اور نہ ہی گہرائی۔ جو کچھ بھی ہمارے رب کی کتاب میں آیا ہے؛ ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

جب یہود قرآن پر ایمان نہیں رکھتے؛ تو ہم پر لازم آتا ہے کہ ان کی تحریف پر ان کی کتابوں سے دلائل پیش کریں تا کہ ان پر حجت ثابت ہوسکے۔ بس ذیل میں ان کی کتابوں سے عہد قدیم میں اس تحریف پر کئی وجوہات سے دلیلیں دی جارہی ہیں۔

پہلی وجہ: دلالت نصوص تورات کہ: اس کا کاتب موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی ہے:

جو انسان تورات کے پہلے پانچ اسفار کا مطالعہ کرے، یہ وہ اسفار ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ اور ان کے بارے میں یہود کا گمان ہے کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا؛ تو اسے اس بات کا بغیر کسی ادنی شک وشبہ کے پکا علم حاصل ہوگا کہ یہ اسفار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتابت نہیں ہیں۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لکھے ہوئے ہوں۔

بلکہ یہ اسفار خود اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک لمبے زمانے کے بعد لکھا گیا ہے۔

پرانے زمانے کے اور دور حاضر کے-ہر دور کے-علماء محققین ❶ نے بہت زیادہ مثالیں ایسی پیش کی ہیں جن سے یقیناً ان اسفار کی کامل طور پر حضرت موسی علیہ السلام کی طرف نسبت محال ہو جاتی ہے۔ ان میں سے ہم بعض مثالیں آنے والی سطور میں پیش کرتے ہیں:

پہلی مثال :......سفر تثنیہ میں ارض موآب میں حضرت موسی علیہ السلام کی موت اور ان کے دفن کی خبر واقع ہوئی ہے۔ (جس کی نص یہ ہے):

حضرت موسیٰ علیہ السلام عربات موآب سے جبل نبو پر فسجہ کی چوٹی کی طرف سے چڑھے۔ وہاں پر رب کے بندہ موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ارض موآب میں ❷، رب کے قول کے مطابق۔ اور سرزمین موآب میں جواء کے مقام پر بیت فغور کے بالمقابل ان کی تدفین ہوئی۔ اور ان کی قبر کا کسی کو آج تک علم نہیں ہوسکا۔ اور موت کے وقت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ آپ کی آنکھیں پھیکی نہیں پڑی تھیں-نظر کمزور نہیں ہوئی تھی- اور نہ ہی آپ کے چہرہ کی ترو تازگی ختم ہوئی تھی۔ بنو اسرائیل ارضِ موآب میں موسیٰ علیہ السلام پر تیس روز تک رہتے ہے۔ ایسے

موسیٰ علیہ السلام پر سوگ کے دن روتے ہوئے پورے کیے گئے۔'' ❸

کون سا عقل مند ایسا ہے جو اس بات کی تصدیق کرے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خود ہی تورات میں اپنے مرنے ؛ دفن ہونے اور بنی اسرائیل کے رونے کی خبر لکھی ہوگی۔ جو اس نص پر غور و فکر کرے گا اس کو دو فائدے ضرور حاصل ہوں گے:

پہلا فائدہ :......یہ بات ممکن نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام خود ہی لکھا ہو، کیونکہ یہ بات عقلاً محال ہے۔

---

❶ فتح القدیر ۱/۳۵۴۔

❷ دیکھو: سموأل بن یحی افحام الیهود ص ۱۳۵-۱۴۱؛ اور ابن حزم کی کتاب ”الفصل في الملل والأهواء والنحل ۱/۲۰۱ ؛ وما بعدها ؛ رحمت الله هندی اظهار الحق ص ۲۲۴-۲۳۲؛ ڈاکٹر أحمد الحجازی نقد التوراة ص ۶۱-۷۳۔

❸ مشرقی اردن میں واقع ہے۔ القاموس الموجز لکتاب المقدس ص ۶۴۲۔

دوسرا فائدہ :...... یہ عبارت کہ: ''ان کی قبر کا کسی کو آج تک علم نہیں ہو سکا'' اس بات پر دوٹوک دلیل ہے کہ یہ جملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بہت لمبے عرصہ بعد لکھا گیا ہے۔

یعنی اتنا لمبا زمانہ گزر چکا تھا جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا پہچاننا محال ہو گیا تھا۔ اور عام طور پر ایسا اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب حضرت موسی علیہ السلام کی موت اور سفر کی تالیف کے مابین کئی نسلیں گزر چکی ہوں۔

دوسري مثال :......سفر تکوین میں آیا ہے:

''جب ابرام نے سنا کہ اس کا بھائی غلام بنالیا گیا ہے؛ تو اس نے اپنے بھائی کے گھر کے تین سو اٹھارہ بالغ لڑکے اکٹھے کیے؛ اور انہیں ''دان'' لے گیا۔'' ❶

دان ایک گاؤں کا نام ہے، جو ''دان بن حضرت یعقوب علیہ السلام '' کے نام پر رکھا گیا ہے۔ یہ گاؤں بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں فتح نہیں کیا؛ بلکہ یہ بنی اسرائیل کے

قاضیوں کے دور میں فتح ہوا ہے۔ ❷ اس بستی کا پہلا نام ''لایش'' تھا؛ سفر قضاۃ میں ہے: ''انہوں نے اس شہر کو ان کے باپ ''دان'' کے نام پر؛ جو کہ اسرائیل کا بیٹا تھا؛ ''دان'' کا نام دیا۔ لیکن اس شہر کا نام پہلے ''لائش'' تھا۔ ❸

اب یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام شہر کا وہ نام لیں؛ جو ان کے دور میں اس نام سے معروف ہی نہ تھا؟

تیسری مثال :......سفر لاویین میں ایسی دلیل موجود ہے جو ثابت کرتی ہے کہ اس کے دو مؤرخ تھے جو حضرت موسی علیہ السلام پر نازل ہونے والی شریعت لکھا کرتے تھے۔ اس لیے کہ یہ سفر ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

''رب نے موسیٰ علیہ السلام کو بلایا؛ اور میٹنگ والے خیمہ سے یہ کہہ کر ان سے کلام کیا۔'' ❹

---

❶ سفر التثنية الإصحاح الرابع والثلاثون فقرة (١-٨)۔

❷ سفر التكوين الإصحاح الرابع عشر فقره (١٤)۔

❸ انظر: د/ أحمد حجازی: نقد التوراة ص ٦٢۔

❹ سفر القضاة الإصحاح الثامن عشر فقرة(٢٩)۔

اگر یہ کتاب لکھنے والے خود موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام ہوتے تو وہ یوں لکھتے:

''میٹنگ والے خیمے سے مجھے رب نے پکارا، اور مجھ سے کلام کیا......'' یا اس مشابہ کوئی اور اس طرح کی بات کہتے۔ ❶

اور تورات کے اسفار میں کئی جگہوں پر یہ عبارت بار بار متکرر آئی ہے: ''اور رب نے موسیٰ سے کلام کیا......'' ❷

چوتھی مثال :......یہی اسفار ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی تورات بہت ہی مختصر تھی؛ جنہیں بارہ پتھروں پر واضح خط میں لکھا ہوا تھا۔ سفر تثنیہ میں ہے:

''موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اور اسرائیل کے تمام شیوخ نے قوم کو یہی کہتے ہوئے نصیحت کی ......: ''اپنی ذات کے لیے ایک بڑا پتھر تیار کرو؛ اور اسے اچھی طرح چونا گچ کرلو؛ اس پر اس ناموس سے تمام کلمات لکھے جائیں گے۔......اور پتھر پر یہ کلمات واضح نقوش میں لکھے جائیں گے۔'' ❸

وہ پانچ اسفار جو اب کتاب مقدس کے نسخہ میں اب موجود ہیں، وہ تین سو چھتیس (۳۳۶) صفحات پر مشتمل ہیں۔ اور ایک صفحہ میں (۲۱) سطریں ہیں۔ اور ایک سطر میں (۱۲) بارہ کے قریب کلمات ہیں۔ اگر ہم ان کے حجم کا آپس میں موازنہ کریں، جو تورات حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے دور میں موجود تھی؛ اور جو آج موجود ہے؛ تو ہم ان اضافات کا ادراک کرسکتے ہیں جو کاتب نے موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے بعد زیادہ اضافہ کیا ہے۔ ❹

پانچویں مثال :......سفر خروج میں آیا ہے:

''رب نے موسیٰ (عَلَیْہِ السَّلَام) سے کہا: ''دیکھو: میں نے تمہیں فرعون کا معبود بنایا ہے، اور تیرا بھائی ھارون تیرا نبی بنایا ہے۔'' ❺

---

❶ الإصحاح الأول فقرة(۱)۔

❷ انظر: د/أحمد حجازی: نقد التوراة ص ٦٥۔

❸ انظر: سفر الخروج الإصحاح الرابع فقرات(۹؛۲۱؛ ۲۹) الإصحاح الرابع فقرات(۹؛۲۱؛ ۲۹) والإصحاح الثانی عشر فقرة (٤٣)۔ واللاویین الإصحاح الأول فقرة(۱)۔ الإصحاح الرابع فقرات(۱)۔

❹ الإصحاح السابع والعشرون فقرات(۱-۸)۔

❺ انظر: د/أحمد حجازی: نقد التوراة ص ۷۰۔

اس نص کا تورات میں وارد ہونا اس میں تحریف کی دوٹوک دلیل ہے۔ اس لیے کہ یہ کیسے معقول ہے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے کہے کہ: ''میں نے تجھے معبود بنادیا ہے۔'' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سارے کے سارے انبیاء اور رسول اپنی توحید؛ اور اللہ تعالیٰ کو اس کی ربوبیت اور الوہیت میں اکیلا ماننے کی دعوت دیکر بھیجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْٓ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ (الانبیاء: ۲۵)

''اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے اُن کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔''

دوسری وجہ:......سامری اور عبرانی تورات میں اختلاف:

عبرانی اور سامری تورات میں اختلاف اپنی کثرت کی وجہ سے اعداد وشمار سے باہر ہے۔ علماء نے ان میں سے بہت سے اختلافات کو ذکر کیا ہے۔ [1]

میں نے خود جو عبرانی اور سامری نسخے کا مقارنہ کیا تو علماء کرام کے ذکر کردہ اختلافات سے بھی زیادہ پائے۔ ان میں سے بعض لفظی اختلافات ہیں، اور بعض معنوی۔ ان اختلافات میں سے بعض کی مثالین ذکر کرنے پر اکتفاء کروں گا:

پہلی مثال :......عبرانی تورات میں ہے: ''اللہ تعالیٰ اپنے کام سے جو اس نے سرانجام دیا؛ ساتویں دن فارغ ہوئے؛ اور ساتویں دن آرام کیا۔'' [2]

جب کہ سامری نسخہ میں ہے: ''اور اللہ تعالیٰ چھٹے دن اپنی کارگری سے فارغ ہوئے، جو کارگری اس نے کی۔'' [3]

دوسری مثال :......عبرانی نسخہ میں ہے: ''اور رب معبود نے جنت کو عدن کے مشرق میں گاڑا۔'' [4]

سامری نسخہ میں ہے: ''قدیم نے جنتیں اس سے پہلے ہی نعیم میں گڑ دی تھیں۔'' [5]

---

[1] التوراة السامرية ص ۳۷- ۳۹۴؛ ط: دار الأنصار۔

[2] سفر التكوين الإصحاح الثاني فقرة(۲)۔

[3] سفر التكوين الإصحاح الثاني فقرة(۲)۔

[4] سفر التكوين الإصحاح الثاني فقرة(۸)۔

[5] سفر التكوين الإصحاح الثاني فقرة(۸)۔

تیسری مثال:......عبرانی نسخہ میں ہے:''سورب نازل ہوا تاکہ وہ شہر کو اور پل کو دیکھے۔''❶

سامری نسخہ میں ہے:''سو وہاں سے اللہ کے فرشتے ہٹ گئے تاکہ وہ شہر کو اور پل کو دیکھے۔''❷

چوتھی مثال:......عبرانی نسخہ میں ہے:''عمرام یوکابد نے اپنی پھوپھی کو اپنی بیوی بنالیا؛ اس سے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پیدا ہوئے۔ اور عمرام کی عمر ایک سو سینتیس سال تھی۔''❸

سامری نسخہ میں ہے:''عمران یوکبذ نے اپنی پھوپھی کو اپنی بیوی بنالیا؛ جس سے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور ان دونوں کی بہن مریم پیدا ہوئے۔ اور عمران کی عمر ایک سو چھتیس سال تھی۔''❹

دونوں نصوص میں تین اختلاف پائے جاتے ہیں:

اول:......عبرانی نسخہ میں یہ نام عمرام ہے، جب کہ سامری نسخہ میں ''عمران'' ہے۔

دوم:......عبرانی نسخہ میں آیا ہے کہ عمرام کی زوجہ نے صرف موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو جنم دیا۔ جب کہ سامری نسخہ میں موسیٰ؛ ہارون اور ان کی بہن مریم کا بھی ذکر ہے۔

سوم:......عبرانی نسخہ میں عمران کی عمر ایک سو سینتیس سال بتائی گئی ہے۔ جب کہ سامری نسخہ میں ایک سو چھتیس سال بتائی گئی ہے۔

پانچویں مثال:......عیسائی عالم-لیکلرک نے بڑی محنت سے سامری اور عبرانی تورات میں مقارنہ کرکے ان کے اختلافات کو نقل کیا ہے۔ اور اسے چھ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلی قسم:......وہ اختلافات جن میں سامری نسخہ عبرانی سے زیادہ صحیح ہے۔ یہ گیارہ اختلافات ہیں:

اختلاف نمبر	سفر باب	فقرہ
1	التکوین	42
2	التکوین	37
3	التکوین	1919
4	التکوین	220
5	التکوین	1623

❶ سفر التكوين الإصحاح الحادي عشرفقرة(٥) ۔
❷ سفر التكوين الإصحاح الحادي عشر فقرة(٥)۔
❸ سفر التكوين الإصحاح السادس فقرة(٢٠)۔
❹ سفر التكوين الإصحاح السادس فقرة(٢٠)۔

6	التکوین	1434
7	التکوین	1049
8	التکوین	1149
9	التکوین	2650
10	الخروج	21

دوسری قسم:...... وہ اختلافات جن میں قرآئن کا تقاضا سامری نسخہ کی صحت اور درستگی کا ہے، یہ سات اختلاف ہیں:

اختلاف نمبر	سفر باب	فقرہ
1	التکوین	4931
2	التکوین	2635
3	التکوین	1737
4	التکوین	3441
5	التکوین	4341
6	التکوین	347

تیسری قسم:...... وہ اختلاف جو سامری نسخہ میں زیادہ ہیں، یہ تیرہ اختلاف ہیں:

اختلاف نمبر	سفر باب	فقرہ
1	التکوین	1529
2	التکوین	3630
3	التکوین	1641
4	الخروج	18 7
5	الخروج	23 8
6	الخروج	59
7	الخروج	20 21

8	الخروج	5 22
9	الخروج	10 23
10	الخروج	9 32
11	اللاویین	10 1

چوتھی قسم:...... وہ اختلافات جو سامری نسخہ میں تحریف ہے۔اور یہ تحریف واضح ہے کہ آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے، یہ سترہ اختلاف ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

اختلاف نمبر	سفر باب	فقرہ
1	التکوین	32
2	التکوین	104
3	التکوین	59
4	التکوین	1910
5	التکوین	2111
6	التکوین	318
7	التکوین	1219
8	التکوین	1620
9	التکوین	3824
10	التکوین	9524
11	التکوین	735
12	التکوین	636
13	التکوین	5041
14	الخروج	51
15	الخروج	613

پانچویں قسم:...... وہ اختلافات جو سامری نسخہ میں نہایت لطیف مضمون میں ہیں، یہ دس اختلاف ہیں

،ان کی تفصیل یہ ہے:

اختلاف نمبر	سفر باب	فقرہ
1	التکوین	85
2	التکوین	3011
3	التکوین	919
4	التکوین	3427
5	التکوین	439
6	التکوین	2543
7	الخروج	4012
8	الخروج	17 40
9	العدد	14 4

چھٹی قسم:......وہ اختلافات جو سامری نسخہ میں ناقص ہے، وہ دو اختلاف ہیں:

اختلاف نمبر	سفر باب	فقرہ
1	التکوین	1620
2	التکوین	1425 ❶

تیسری وجہ:......عہد عتیق کے اسفار میں اختلافات:

اختلاف اول :......ساتویں اور آٹھویں اصحاح کے ایام اول کی اخبار میں بنیامین کی اولاد کے بیان میں اختلاف۔ اور ایسے ہی ان دونوں میں سفر تکوین کے اصحاح ششم اور اصحاح نمبر چالیس میں اختلاف۔ بنیامین کے اصحاح نمبر ے کے ایام اول میں آیا ہے:

''باکر، و بالع؛ اور یدیفئیل؛ یہ تین۔ اور بالع کے بیٹے: ''اصبون؛ وعزی؛ عزیئیل، و ریموث اور عیری یہ پانچ ہیں۔'' ❷

❶ رحمة الله هندی: إظاهر الحق ص ٤٠٧-٤٠٧؛ د/ أحمد حجازی: نقد التوراة ص ١٣٤-١٣٧۔

❷ فقرات (٧؛٦)۔

اور اخبار ایام اول کے اصحاح نمبر ۸ میں ہے:

''بنیامین کا بیٹا بالع پہلا؛ اور اشبیل دوسرا؛ اور اُخرج، تیسرا؛ نوحہ، چوتھا؛ اور رافا پانچواں ہے۔ اور بالع کے بیٹے: ''ادار، جیرا؛ ابیہود؛ وابیشوع؛ نعمان؛ اُخوخ؛ جیرا، شفوفان؛ اور حورام۔'' ❶

اور سفر تکوین میں ہے: ''اور بنیامین کے بیٹے: ''بالع، باکر، اُشبیل، جیرا، نعمان؛ ایحی؛ وروش؛ مقّیم، حقّیم؛ اور ارد۔'' ❷

علامہ شیخ رحمت اللہ ہندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان تینوں عبارتوں میں دو وجہ سے اختلاف ہے:

۱۔ ان کے ناموں میں (اختلاف) ۲۔ اور ان کی تعداد میں اختلاف۔

پہلی عبارت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ بنیامین کے تین بیٹے تھے۔ اور دوسری عبارت سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ اور تیسری عبارت سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کے دس بیٹے تھے۔ جب پہلی اور دوسری عبارت ایک ہی کتاب سے تھیں؛ تو اس سے ایک ہی مصنف کے کلام میں تناقض لازم آتا ہے۔ ❸

آدم کلارک (ایک محقق) پہلی عبارت کے ذیل میں کہتا ہے: ''یہاں پر مصنف کو پہچان (تمیز) نہ ہونے کی وجہ سے پوتا بیٹے کی جگہ اور بیٹا پوتے کی جگہ لکھا گیا ہے۔ اور اس جیسے اختلاف میں تطبیق غیر مفید ہے۔ علماء یہود کہتے ہیں کہ: حضرت عزراء علیہ السلام جنہوں نے یہ کتاب لکھی ہے، انہیں یہ پتہ نہیں تھا کہ ان میں سے بعض بیٹے ہیں اور بعض پوتے۔'' اور ایسے ہی وہ یہ بات بھی کہتے ہیں:

''بے شک نسب نامہ کے وہ اوراق جن سے عزرا علیہ السلام نے نقل کیا ہے؛ ان میں سے اکثر ناقص تھے۔ اور یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اس جیسے معاملات کو چھوڑ دیں۔'' ❹

اختلاف دوم:

سفر صموئیل ثانی اور اخبار ایام اول میں بنی اسرائیل اور یہوذا کے بیٹوں میں اختلاف ہے۔ سفر صموئیل ثانی میں وارد ہونے والی نص یہ ہے:

---

❶ فقرات (۱؛۵)۔ ❷ الإصحاح السادس والأربعون فقرة (۲۱)۔
❸ إظهار الحق ص ۲۱۶۔ ❹ إظهار الحق ص ۲۱۶-۲۱۷۔

''یوآب نے جملہ قوم کو بادشاہ کے حوالے کر دیا۔اسرائیل آٹھ لاکھ جنگی لڑا کے تلواریں لٹکائے ہوئے تھے۔اور یہوذا کے پانچ لاکھ لوگ تھے۔''❶

جب کہ اخبار ایام اول میں ہے:

''یوآب نے اپنی جملہ قوم داؤد کو پیش کی۔تمام قوم گیارہ لاکھ لوگ تھے؛ جو کہ تلوار بردار تھے۔ اور یہوذا کے چار لاکھ ستر ہزار تلوار بردار تھے۔''❷

ان دونوں میں بنی اسرائیل کے جنگجوؤں کے درمیان تین لاکھ کا فرق ہے۔اور یہوذا کے لڑاکوں میں تیس ہزار کا فرق ہے۔''

اختلاف سوم:

سفر ملوک دوم اور اخبار ایام دوم میں ''اخزیا'' کی عمر کے بارے میں؛ جب وہ بادشاہ بنے؛ اختلاف پایا جاتا ہے۔سفر الملوک ثانی (بادشاہوں کا دوسرا سفر) میں ہے:

''اخزیا'' جب بادشاہ بنا اس کی عمر بائیس سال تھی۔اور یروشلم میں صرف ایک سال حکومت کی۔''❸

اور اخبار ایام دوم میں ہے: ''اخزیا جب بادشاہ بنا تو اس کی عمر بیالیس سال تھی؛ اس نے ایک سال تک یروشلم میں حکومت کی۔''❹

علامہ رحمت اللہ ہندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اور دوسرا قول یقیناً غلط ہے جیسا کہ ان کے مفسرین نے اقرار کیا ہے۔اور غلط کیسے نہیں ہوسکتا کہ اس کے باپ ''یہورام۔'' کی عمر موت کے وقت چالیس سال تھی۔اور وہ اپنے باپ کے فوراً بعد تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔جیسا کہ سابقہ باب سے واضح ہوتا ہے۔اگر یہ غلط نہ ہوتو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ اپنے باپ سے دو سال بڑا ہو۔''❺

چوتھی وجہ:......عہدِ عتیق میں اغلاط کا بیان:

پھلي مثال:...... سفر تکوین کی عبارت میں یوں آیا ہے:

---

❶ الإصحاح الرابع والعشرون فقرة(٩)۔
❷ الإصحاح الحادي والعشرون فقرة(٥)۔
❸ الإصحاح الثامن فقرة(٢٦)۔
❹ الإصحاح الثاني والعشرون فقرة(٢)۔
❺ إظهار الحق ص ١٠٨۔

''اور رب الہ نے کہا: '' وہ ایسا انسان (آدم علیہ السلام) ہے جو ہم میں سے ہی ایک آدمی کی طرح ہوگیا ہے۔ خیر اور شر کا جاننے والا۔ اور اب شاید وہ ہاتھ بڑھائے ''شجر حیات۔'' سے کچھ پھل لے؛ اور اسے کھا بھی لے، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ رہے۔ پھر رب نے اسے ہمیشہ کی جنت سے نکالا تا کہ وہ زمین میں کام کرے جس سے اسے بنایا گیا ہے۔'' ❶

یہ ایک فحش غلطی ہے جس میں ادنی درجہ کا عاقل بھی شک نہیں کرسکتا۔ اور اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ وافتراء ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ اس نص پر تعلیق لگاتے ہوئے کہتے ہیں:

''ان کا اللہ تعالیٰ سے یہ حکایت بیان کرنا کہ اس نے فرمایا ہے: ''یہ آدم ہم میں سے ہی ایک ہوگیا۔'' یہ زمانے کی سب سے بڑی مصیبت ہے۔ اور کا ضروری موجب یہ ہے کہ ''معبود ایک سے زیادہ ہیں۔'' اس خبیث اور جھوٹی حکایت کی وجہ سے یہودیوں نے یہ عقیدہ اختیار کر لیا کہ جس نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا وہ بھی مخلوق ہی تھا جس کو آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیا گیا تھا۔ اور اس نے بھی اس درخت سے کھایا جس سے آدم علیہ السلام نے کھایا تھا؛ تو اس کو خیر اور شر کی معرفت ہوگئی۔ پھر اس نے ''شجر حیات۔'' سے کھایا، تو جملہ معبودوں میں سے ایک معبود بن گیا۔ ہم اس احمقانہ کفر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔'' ❷

دوسری مثال: اخبار ایام دوم میں آیا ہے:

''اور اس کی بنیاد سلیمان نے اللہ کا گھر بنانے کے لیے رکھی ہے۔ جس کی لمبائی قیاساً ساٹھ ہاتھ ہے۔ اور چوڑائی بیس ہاتھ ہے۔ اور وہ صحن (GALLERY) جو لمبائی کی سیدھ میں ہے؛ چوڑائی میں ہے؛ اس کی چوڑائی بیس ہاتھ ہے، اور لمبائی ایک سو بیس ہاتھ ہے۔'' ❸

علامہ رحمت اللہ ہندی لکھتے ہیں:

''اس کا کہنا: ''ایک سو بیس ہاتھ، محض غلط ہے۔ اس لیے کہ اس گھر کی بلندی تیس ہاتھ تھی۔ جیسا کہ سفر ملوک اول باب ششم کی دوسری آیت میں ہے۔'' ❹

---

❶ الإصحاح الثالث فقرتا (۲۲-۲۳)۔ ❷ الفصل في الملل و الأهواء و النحل ۱/ ۲۰۷۔

❸ اصحاح سوم فقرہ ۳-۴۔

❹ اس فقرہ کی نص اس طرح ہے: ''اور وہ گھر جسے بادشاہ سلیمان نے رب کے لیے بنایا تھا؛ اس کی لمبائی ساٹھ ہاتھ ہے؛ اور چوڑائی بیس ہاتھ، اور اس کی اونچائی تیس ہاتھ۔'' سفر الملوك الأول الإصحاح ٦؛ فقرة ٢۔

تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ اس رواق ((GALLERY)) کی بلندی ایک سوبیس ہاتھ ہو۔

آدم کلارک (یہودی محقق اور تورات کا مفسر) نے دوسری جلد میں اس کی تفسیر میں اعتراف کیا ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اور سریانی اور عربی مترجمین نے اس میں تحریف کی، انہوں نے سو کو ختم کر دیا؛ اور کہنے لگے: اس کی بلندی تیس ہاتھ تھی۔'' ❶

تیسری مثال: سفر قضاۃ (قاضیوں کا سفر) میں آیا ہے:

''بیت لحم میں ایک نوجوان یہوذا تھا، وہ یہوذا قبیلہ سے تھا، وہ اصل میں ''لاوی۔'' تھا، جو وہاں پر اجنبی تھا۔'' ❷

اس کا یہ کہنا کہ وہ ''لاوی تھا۔'' غلط ہے۔ اس لیے کہ جو کوئی قبیلہ یہوذا سے ہو وہ لاوی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ قبیلہ یہوذا ''یہوذا اور بنیامین۔'' کی اولاد سے مل کر بنتا ہے۔ اس کلمہ میں باقی گروہ داخل نہیں ہوتے، جیسا کہ ان کی کتابوں میں وضاحت موجود ہے۔

قاموس الکتاب المقدس میں کلمہ ''یہود۔'' کے معانی بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

''اس کلمہ کا اطلاق یہوذا اور بنیامین کی اولاد میں ان لوگوں پر ہوتا ہے جو باقی دس گروہوں کے علیحدہ ہونے کے بعد آپس میں متحد ہوگئے تھے۔'' ❸

چوتھی مثال: سفر اخبار ایام دوم میں آیا ہے: ''یہویا قیم جب بادشاہ بنا تو اس کی عمر پچیس سال تھی۔ اور اس نے یروشلم میں اکیس سال تک حکومت کی۔ اس نے رب الہ کی آنکھوں کے سامنے برائیاں کیں۔ اس وجہ سے بابل کا بادشاہ بخت نصر اس پر چڑھ دوڑا، اور اسے پیتل کی زنجیروں میں قید کر لیا تا کہ اسے بابل لے جائے۔'' ❹

علامہ رحمت اللہ ہندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ بالکل غلط ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ (بخت نصر نے) اسے قتل کر دیا تھا؛ اور حکم دیا تھا کہ اس کا جثہ دیوار شہر سے باہر پھینک دیا جائے، اور اسے دفن کرنے سے منع کر دیا۔''

اس پر انہوں نے ان کے مؤرخ ''یوسیفوس'' کی ذکر کردہ روایات سے استدلال کیا ہے، وہ کہتا ہے

---

❶ إظهار الحق ص ۱۳۸۔ ❷ اصحاح ۱۷؛ فقره ۷۔

❸ قاموس الكتاب المقدس ص ۷۲۹۔ ❹ اصحاح ۳۶ : فقره ۵-۶۔

ہے:'' بابل کا بادشاہ ایک مضبوط لشکر لے کر آیا۔ اور بغیر کسی جنگ کے شہر فتح کر لیا۔ وہ شہر میں داخل ہوا اور یہویا قیم کو قتل کر دیا۔ اور اس کی لاش کو شہرِ پناہ کی دیوار کے باہر پھینک دیا۔ اس کی جگہ اس کے بیٹے ''بواخین۔'' کو تخت پر بٹھایا۔ اور تین ہزار مردوں کو قیدی بنالیا۔ حزقیال رسول بھی ان ہی قیدیوں میں سے تھے۔''❶

ثالثاً: تورات کی تحریف میں ان کے علماء کا اعتراف:

یہودیوں کے درویش اور علماء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات میں تحریف واقع ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ جیسا کہ قدیم اور جدید ہر دور کے ان کے علماء سے نقل کیا گیا ہے۔

سموال بن یحی- جو کہ یہودیوں کا بہت بڑا عالم اور درویش تھا- اسلام قبول کرنے کے بعد کہتا ہے:'' ان کے علماء اور درویش جانتے ہیں کہ یہ تورات جو ان کے ہاتھوں میں ہے، ان میں علماء اور درویشوں میں سے ایک بھی اس بات پر یقین بالکل نہیں رکھتا کہ یہ (تورات) موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے۔ اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام نے تورات کو بنی اسرائیل سے محفوظ کر لیا تھا؛ اور اُن لوگوں میں اسے پھیلایا نہیں تھا۔ بلکہ اسے اپنے خاندان میں اولادِ لیوی کے سپرد کر دیا تھا۔ اور موسیٰ نے تورات سے بنی اسرائیل کے لیے صرف نصف سورت کو نکالا تھا جسے '' ھاازینو۔'' کہا جاتا ہے۔ اور یہ آئمہ ہارونی جو تورات کی معرفت رکھتے اور اسے حفظ کرتے؛ ان میں سے اکثر کو بخت نصر نے جب بیت المقدس کو فتح کیا تو ان لوگوں کو یک دم ہی قتل کر دیا تھا۔ اور تورات کو حفظ کرنا نہ ہی فرض تھا اور نہ ہی سنت۔ بلکہ ہارونیوں میں سے ہر ایک تورات کی ایک فصل زبانی یاد کیا کرتا تھا۔''❷

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہودی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ستر کاہنوں نے اتفاق کیا ہے کہ تورات تیرہ مقامات پر تحریف شدہ ہے۔ یہ مسیح کے بعد قیاصرہ کے دور کا واقعہ ہے؛ جن کے غلبہ کے نیچے یہ لوگ تھے۔ یعنی جس وقت ان کا ملک ختم ہوگیا، اور کوئی بادشاہ ایسا نہ رہا جس سے ڈرتے، یا جو ان کو روکتا۔ اور جو کوئی کتاب اللہ کے کسی ایک مقام پر تحریف کرنے پر راضی ہوا ہے اس بات کو امید نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ باقی مواقع پر تحریف نہ کرے۔''

علامہ رحمت اللہ ہندی رحمہ اللہ نے ان کے ایک عالم سے نقل کیا ہے جو کہ حکومت عثمانیہ کے دنوں

❶ إظهار الحق ص ١٤٠۔ ❷ افحام اليهود ص: ١٣٥-١٣٧۔

میں مسلمان ہوا تھا؛ اور اس نے اپنا نام ''عبد اللہ'' رکھا۔ اس نے یہودیوں کے رد پر ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا؛ جس کا نام رکھا: ''الرسالۃ الہادیۃ ۔'' (وہ فرماتے ہیں):

''جان لیجیے کہ میں یہود کے ہاں سب سے مشہور تفسیر، جو کہ ان کے ہاں ''تلمود'' کے نام سے مشہور ہے؛ میں پایا ہے کہ: ''بے شک تلمائی بادشاہ کے زمانہ میں؛ جو کہ بخت نصر کے بعد آیا تھا، تلمائی نے یہودی علماء اور درویشوں سے تورات پیش کرنے کا مطالبہ کیا۔ مگر وہ اس کو ظاہر کرنے سے ڈر گئے۔ اس لیے کہ وہ تورات کے بعض احکام کا منکر تھا۔ تو یہودیوں کے ستر عالم جمع ہوئے۔ اور انہوں نے جیسے چاہا بادشاہ کے خوف سے ان کلمات کو بدل ڈالا، جن کا بادشاہ انکار کرتا تھا۔ جب وہ اس تغییر کا اعتراف کرتے ہیں، تو پھر کسی ایک آیت پر کیسے ایمان رکھا جا سکتا ہے، یا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔''❶

اور ''نولڈکھ''❷ کہتا ہے: تورات موسیٰ علیہ السلام کے نو سو سال بعد جمع کی گئی ہے۔ اور اس کو جمع کرنے اور لکھنے میں بھی ایک بڑا وقت درکار رہا۔ اور اس میں کمی و بیشی کے حیلے بھی پیش آتے رہے۔ اور یہ بات بہت ہی مشکل ہے کہ ہم تورات میں کوئی وہ کلمہ پورا پالیں جو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ اس لیے کہ تورات نہ تو ان کے عہد میں لکھی گئی۔ اور نہ ہی ان لوگوں کے وقت جو ان کے بعد آئے۔''❹

فرانسیسی دائرۂ معارف میں ''تورات'' عنوان کے تحت یوں آیا ہے:

''بے شک عصری علم، اور خاص کر جرمنی کی تنقید؛ انہوں نے اپنے ریسرچ میں پرانی کتابوں؛ علم اللغات اور تاریخ میں تلاش کرنے کے بعد ثابت کیا ہے کہ: ''بے شک تورات موسیٰ علیہ السلام

---

❶ هداية الحيارى في أجوبة اليهود و النصارى ص ١٠٦۔

❷ اظهار الحق ص ٢٧٣۔

❸ نولڈکھ کا پورا نام ''تیوڈور نولڈکھ'' ہے۔ جرمنی کے بہت بڑے مستشرقین میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ جرمنی کے شہر ھاربورج میں ۱۲۵۱ ہجری (۱۸۳۶ء) میں پیدا ہوا۔ اور مختلف یونیورسٹیوں گوٹگن، وفینہ؛ ولیڈن، اور برلن میں تعلیم حاصل کی۔ پھر سامی زبانوں اور تاریخ اسلام پر توجہ دینی شروع کی۔ تمام ایشیائی زبان پر اچھا عبور حاصل تھا؛ جیسے کہ: عربی، آرامی، عبریانی، صابی؛ حبشی؛ اور دوسری زبانیں۔ اس نے ان زبانوں میں کچھ درستگیاں بھی کی ہیں۔ اسے مغربی زبانوں جیسے کہ: انگریزی؛ فرانسیسی، لاتینی؛ اٹلی، اور جرمنی پر عبور حاصل تھا۔ اس کے متعلق بابا انستاسی الکرملی کہتا ہے: ''معاصرین اہل علم میں کسی کو ایسا نہیں پاتے جو اس کے مقام و تحقیق کو پہنچ سکے۔ ۱۳۴۹ ہجری (۱۹۳۰ء) میں انتقال ہوا۔ الأعلام: للزركلی ٢/ ٩٦۔

❹ اللغات السامية بواسطة د/ محمد احمد دياب أضواء على اليهودية ص: ١٤٥۔

نے نہیں لکھی۔ بے شک تورات ایسے درویشوں نے لکھی ہے، جنھوں نے اپنا نام اس پر نہیں لکھا۔ انہوں نے اسے مختلف زمانوں میں لکھا ہے۔ اور اس کے لکھنے میں سنی سنائی روایات پر اعتماد کیا ہے، جو انہوں نے بابلی قید سے پہلے سن رکھی تھیں۔''[1]

اور ول ڈیورانٹ کہتا ہے: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ تورات کے اسفار میں سب سے پہلی تالیف وہ دو متشابہ اور جدا جدا قصے ہیں جو سفر تکوین میں ہیں۔ ان میں سے ایک قصہ خالق کے متعلق ہے جس کا نام ''یہوا'' ہے۔ اسی لیے دوسرا قصہ اس کے متعلق ہی بیان کرتا ہے، مگر اس میں نام ''الوہیم'' ہے۔ اور علماء اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ قصے جو کہ ''یہوا'' کے ساتھ خاص ہیں؛ وہ یہوذا کے بارے میں لکھے گئے ہیں۔ اور وہ قصے جو الوہیم کے ساتھ خاص ہیں، وہ ''افرائم'' (سامرۃ) کی بابت لکھے گئے ہیں۔ اور ان دونوں قصوں کو سامرا کے سقوط کے بعد آپس میں ملا دیا گیا۔''[2]

محرف تورات کا کاتب

جب ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ اس محرف تورات کے کاتب جناب حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں؛ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ: اس محرف تورات کا کاتب کون انسان ہے؟

جب ہم اس موضوع کو سمجھنے کے لیے ان کے علماء اور محققین کی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بھی اس بات کی تاکید و تائید کرتے ہیں کہ تحریف کے بعد اس تورات کا کاتب ''عزرا الوراق۔'' ہے۔''[3]

اور یہ بھی کہ اس کے تورات لکھنے کا واقعہ یروشلم پر -بابلی بادشاہ - بخت نصر کے حملہ؛ اور ہیکل کے مٹانے؛ اور بڑی تعداد میں یہودیوں کو قتل کرنے کے بعد کا ہے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بے شک عزرا الوراق وہی شخص ہے جس نے یہودیوں کو تورات

---

[1] دائرة المعارف الفرنسية بواسطة د/ محمد احمد دياب أضواء على اليهودية ص : ١٤٥۔

[2] قصة الحضارة (٢/ ٣٦٧)۔

[3] قاموس الکتاب المقدس میں ہے: ''عزرا ابن سرایا ہارون کی نسل میں سے کاہن اور کاتب تھا؛ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا بڑا ماہر تھا۔ یہ بھی ان لوگوں میں سے ایک تھا جنہیں قیدی بنا کر بابل لے جایا گیا۔ اور ایرانی بادشاہ نے انہیں بیت الرب (بیت المقدس) کی وجہ سے واپس یروشلم جانے کی اجازت دی؛ اور انہیں بہت سارے سونے اور چاندی کے تحفے تحائف بھی دیے۔ دیکھو: ص: ۴۹۰۔

اپنی یاد داشت سے املاء کروائی تھی۔ اور عزراء کا تورات کا یہ املاء کروانا بیت المقدس کی تباہی کے ستر سال سے زیادہ عرصہ بعد کا ہے۔''[1]

جب کہ ابو المعالی الجوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بے شک وہ تورات جو کہ اب یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے، اور جسے عزراء الوراق نے لکھا ہے؛ (یہ اس وقت کے بعد کا واقعہ ہے) جب بخت نصر کے ساتھ ان کا معرکہ پیش آیا، اور اس نے ان کے گروہوں اور جماعت کی بڑی تعداد کو قتل کیا، سوائے کچھ ان لوگوں کو زندہ رہنے دیا جن کی کسی بھی لحاظ سے وہ کوئی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اور اس نے ان کے اموال کو اپنے لشکر کے لیے غنیمت بنایا۔ اور اس کے ہاتھوں ان کی کتابوں کے ضائع ہو جانے کے بعد؛ اس لیے کہ وہ ان کی شریعت کا پابند نہیں تھا۔ اور وہ ان کے اعمال کے فاسد ہونے کا اعتقاد رکھتا تھا۔ اور اس- بخت نصر- کے ان کے گھر- بیت المقدس- میں بت نصب کرنے کے بعد؛ [یعنی تورات لکھنے کا وقت بیان کیا جا رہا ہے۔ مترجم]۔

اور اس- تورات- کا نام لینے پر پابندی لگانے کے بعد؛ یہ حال کافی عرصہ رہا- یہاں تک کہ جس کسی کے پاس کچھ اوراق باقی بچ گئے تھے، وہ انہیں چھپا کر رکھتا اور انتہائی راز داری میں حیلوں بہانوں سے پڑھتا۔ اور یہ موجودہ نسخہ اسے عزراء نے حضرت عیسی علیہ السلام کی بعثت سے ۵۴۵ (پانچ سو پینتالیس) سال پہلے لکھا ہے۔''[2]

اس کی تائید امام سموال بن یحیی المغربی کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

''جب عزرا نے دیکھا کہ لوگوں نے ان کا ہیکل جلا دیا ہے۔ اور ان کی حکومت ختم ہو چکی ہے۔ اور ان کی جماعت کا شیرازہ بکھر گیا ہے، اور ان کی کتاب اٹھالی گئی ہے۔ تو اس نے اپنی یاد داشتوں وہ فصول جمع کیں جو کاہن زبانی یاد کیا کرتے تھے۔ جس سے انہوں نے اس تورات کو مرتب کیا جو اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس وجہ سے یہودی اس عزراء کی تعظیم میں بہت ہی مبالغہ کرنے لگے۔ یہاں تک کہنے لگے کہ: اس کی قبر سے- اب تک- نور اٹھ رہا

---

[1] الفصل : ۱/ ۲۹۸۔

[2] شفاء الغليل في بيان ما وقع في التوراة و الإنجيل من التبديل ص: ۳۱۔

ہے، جو کہ بطائح (ایک بستی کا نام) عراق میں ہے۔ اس لیے کہ اس نے ان کے لیے کتاب مرتب کی جس سے ان کے دین کی حفاظت ممکن ہوئی۔ اب یہ تورات جو ان کے ہاتھوں میں ہے حقیقت میں یہ عزراء کی تورات ہے، نہ کہ اللہ کی۔'' ❶

اسی طرح یہودیوں میں سے علماء سامرہ نے کھل کر کہا ہے کہ: ''بے شک عزراء ہی نے یہ تورات لکھی ہے، اور اس نے اس کتاب اللہ میں تحریف اور اسے عمداً وقصداً اپنے ارادہ سے تبدیل کر ڈالا۔ تورات ضائع نہیں ہوئی تھی کہ اسے لکھ دیا، بلکہ اس نے حق کو باطل سے تبدیل کر دیا۔''

ابوالحسن السامری اپنی تاریخ میں کہتا ہے:

''جب فارسیوں نے یہودیوں کو اپنے وطن کی طرف واپس جانے کی اجازت دی۔ تو ان سے کہا کہ وہ ایک آدمی کی قیادت میں متحد ہو جائیں۔ اور ان کا دار الحکومت بھی ایک ہونا چاہیے۔ تا کہ ان کے ساتھ معاملات طے کرنے میں آسانی رہے۔ مملکت بنی اسرائیل (سامراء) والوں نے اسرار کیا کہ حکومت ان میں ہونی چاہیے؛ اور نابلس میں واقع ان کا ہیکل قبلہ ہونا چاہیے۔ اور مملکت یہوذا (یروشلم) والوں نے اصرار کیا کہ حکومت ان میں ہونی چاہیے۔ اوراور یروشلم میں ان کا ہیکل قبلہ ہونا چاہیے۔ اس وجہ سے ان کی آپس میں دشمنی بہت بڑھ گئی۔ یروشلم والوں نے اپنی مصلحت کے لیے تورات کی نصوص میں تغییر وتبدیلی کر دی۔ اورعزرا اور زروبیل ❷ نے ان کے لیے عبرانی خط سے ہٹ کر ایک اور رسم الخط ایجاد کیا۔ جس کے لیے ستائیس حروف مقرر کیے۔ اور پھر شریعت مقدس کی طرف متوجہ ہوا، وراسے اپنے ایجاد کردہ خط میں نقل کیا۔ اور شریعت مقدسہ کی بہت ساری سورتوں کو حذف کر دیا۔'' ❸

---

❶ افحام الیہود: ص: ۱۳۹-۱۴۰۔ بطائح عراق میں واسط اور بصرہ کے درمیان ایک بستی کا نام ہے۔ اس میں بہت زیادہ پانی بہنے کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑ گیا ہے۔ معجم البلدان ۱/ ۴۵۰۔

❷ زروبیل یا زر بابل: اس کا معنی ہے: بابل میں پیدا ہونے والا۔ اس کے باپ کا نام فادیا تھا۔ یہ داؤد کی نسل سے تھا۔ اور مملکت فارس میں کام کرتا تھا۔ فارسی بادشاہ کورش کے زمانے میں زروبیل یہوذا کا رئیس بن گیا۔ اسے بادشاہ نے یروشلم واپس جانے کی اجازت دیدی۔ اس کے ساتھ دوسرے قیدی بھی تھے۔ اس نے عزرا کی مدد سے دوبارہ ہیکل تعمیر کیا۔ اور اسے یہودیوں کا والی بنایا گیا۔ قاموس الکتاب المقدس ۳۲۹۔

❸ التاریخ مما تقدم عن الآباء ص: ٦٤۔ بواسطة أحمد حجازي السقا: نقد التوراة ص: ٧٤ بتصرف۔

عبری زبان کے علماء سامری کی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں:

''بے شک عبری زبان کا وہ رسم الخط جو ہمارے اس موجودہ زمانے میں یہودیوں کے ہاں مستعمل ہے؛ اس کے استعمال کی ابتداء عزراء کاتب کے زمانے میں ہوئی۔ یعنی بابلی قید سے واپسی کے زمانہ میں۔ اور اس خط پر وہ لوگ'' آشوری۔'' نام کا اطلاق کرتے تھے۔ اور اسے مربع خط بھی کہتے تھے۔ جب کہ قدیم عبری خط وہ اس موجودہ خط کے خلاف تھا۔''❶

ایک اور بات جو کہ اس مؤقف کی تائید کرتی ہے کہ تورات کا کاتب عزراء ہے، وہ یہ کہ:

''سفر عزراء اور نحمیا میں وارد نصوص جنہیں عزراء کئی مقام پر بیان کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

" بكاتب شريعة الرب۔ "''شریعت رب کے کاتب کے ہاتھ سے۔''

سفر عزراء کے اصحاح نمبر ے میں وارد ہوا ہے:

''یہ عزرا بابل سے آیا۔ وہ کاتب تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا ماہر بھی تھا؛ جسے اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے رب نے عطا کیا تھا۔ اس لیے کہ عزراء نے اپنے دل کو رب کی شریعت طلب کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار کیا تھا۔ اور تا کہ وہ بنی اسرائیل کو شریعت اور احکام سکھائے۔ یہی اس پیغام کی صورت تھی جو اس نے بادشاہ کے سامنے پیش کی۔ جس پر وہ عزراء کاہن کاتب کے خوف سے لرز اٹھے۔ لکھنے والا ہے۔ وہ رب کی وصیتوں اور بنی اسرائیل پر اس کے عائد کردہ فرائض کا لکھنے والا ہے۔''❷

ڈاکٹر احمد حجازی نے اس پر یہ کہتے ہوئے تعلیق لگائی ہے:

''اس کے قول کو دیکھیے! ''یہ عزرا بابل سے آیا۔ وہ کاتب تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا ماہر بھی تھا۔''؛ ''عزراء نے اپنے دل کو رب کی شریعت طلب کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار کیا تھا۔ اور تا کہ وہ بنی اسرائیل کو شریعت اور احکام سکھائے۔'' ''وہ رب کی وصیتوں اور بنی اسرائیل پر اس کے عائد کردہ فرائض کا لکھنے والا ہے۔''

اگر شریعت اس وقت اپنی اصل حالت میں موجود ہوتی تو پھر اس کے ماہر شریعت اور کاتب ہونے،

---

❶ الكنز في القواعد العبرية ص: ٥٨؛ بواسطة أحمد حجازي: نقد التوراة ص ٧٦۔

❷ سفر عزرا اصحاح ٧: فقرات(٦-١١)۔

اور بنی اسرائیل کو اس کے فریضہ اور احکام سکھانے کے کیا معانی رہ جاتے ہیں؟
اور اس کے لفظ ''طلب۔'' کو اس جملہ ''دل کو رب کی شریعت طلب کرنے۔'' میں دیکھیں اس لیے کہ عبری زبان میں طلب کا معنی (عربی میں) طلب کے معنی سے بہت دور ہے۔ اس لیے کہ اس سے معنی تلاش اور تفتیش کا لیا جاتا ہے۔ اس جملہ کا معنی یہ ہوا کہ عزرا نے وثائق اور فائلوں کا بوجھ اپنے کندھے پر لیا تھا۔ تاکہ وہ ایک ایسی نئ سوچ لے کر آئے جس سے بنی اسرائیل بابلی قید سے واپس آنے کے بعد ایک نئ زندگی کا سامنا کر سکیں۔''[1]

اور سفر نحمیا کی اصحاح نمبر ۸ کو کھنگالنے والے کو یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ عزراء نے شریعت کا مطالعہ کرنے اور اس کی حفاظت پر ہی بس نہیں کیا، بلکہ اسے لوگوں کے سامنے پیش بھی کیا، اور اس کی تفسیر بھی بیان کی، اور اس کے معانی بھی بیان کیے۔ (نص عبارت یوں آئی ہے):

جب ساتواں مہینہ داخل ہوا، اور بنو اسرائیل اپنے شہروں میں تھے۔ تمام لوگ ایک آدمی کی طرح اس صحن میں جمع ہو گئے جو ''باب الماء۔'' (پانی والا گیٹ) کے سامنے ہے۔ اور عزرا کاتب سے کہنے لگے کہ:

''وہ شریعت موسیٰ کی وہ کتاب لے کر آئے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو دیا ہے۔ تو عزراء کاتب وہ شریعت لے کر اس جماعت کے مردوں اور عورتوں کے سامنے آئے۔ اور ہر ایک سمجھ رہا تھا جو کچھ وہ سن رہا تھا؛ ساتویں مہینے کے پہلے دن میں۔ اس نے اس دالان کے سامنے جو کہ پانی والے گیٹ کے سامنے ہے؛ (کھڑے ہو کر) اس کتاب میں صبح سے لے کر آدھے دن تک؛ عورتوں اور مردوں اور سمجھنے والوں کے سامنے پڑھا۔ اور لوگوں کے کان سفر شریعت کی طرف متوجہ تھے۔ اور عزرا کاتب لکڑی کے اس منبر پر کھڑا ہوا جسے اس مقصد کے لیے ہی تیار کیا گیا تھا۔ اور اس کے پہلو میں ''متثیا؛ شمع؛ عنایا؛ اُوریا؛ حلتیا؛ اور معسیا دائیں جانب کھڑے تھے۔ اور اس کے بائیں جانب '' فدایا، میثائیل، ملکیا، حشوم، حشبدا، حشبدانہ؛ زکریا اور مشلام کھڑے تھے۔ عزراء نے تمام لوگوں کے سامنے وہ ''سفر۔'' کھولا۔ اس لیے کہ وہ تمام قوم سے اوپر تھا؛ جب اس نے ''سفر۔'' کھولا تو تمام لوگ کھڑے ہو گئے۔

[1] نقد التوراۃ ص ۸۰۔

الہٰ عظیم نے عزرا کو مبارک دی جس پر تمام لوگوں نے آمین آمین کہا۔ وہ اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے گر پڑے اور اپنے رب کے لیے زمین پر چہروں کے بل سجدہ کیا۔

اور یشوع ؛ بانی، شربیا، یامین، عقوب، شبتائی ؛ ھودیا ؛ معیسا، قلیطا ؛ عزریا ؛ یوزا باد ؛ حنان ؛ فلایا؛ اور لاویین تمام قوم نے شریعت کو سمجھا۔ اور لوگ اپنی اپنی جگہوں پر موجود تھے۔ انہوں نے اس ''سفر'' میں اللہ کی شریعت کو کھل کر وضاحت کے ساتھ پڑھا، اور اس کے معانی کی تفسیر کی۔ اور ان کو پڑھنا سکھایا؛ اور نحمیا یعنی ترشاثا اور عزراء کاہن کاتب، اور لاویین اور قوم میں سمجھنے والے لوگوں سے کہنے لگے:

''آج کا دن تمہارے الہ رب کے لیے مقدس ہے۔'' ❶

اس نص میں انہوں نے صراحت کی ہے کہ عزرا اکیلا ہی نہیں تھا؛ بلکہ اس کے ساتھ چھ کاہن اس کی دائیں جانب اور سات کاہن اس کی بائیں جانب کھڑے تھے۔ اور تیرہ ان کی مانند (اور) بھی تھے۔ اور یہ لاویین کے ساتھ لوگوں کو شریعت سمجھا رہے تھے اور ان کے سامنے تفسیر کر رہے تھے۔

محرف تورات کے بارے میں ان کے علماء کا کلام اور آراء نقل کرنے کے بعد، اور خصوصاً اس کے ساتھ جو سفر عزرا اور نحیماء سے نقل کیا گیا ہے، اس بحث کے تین نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں۔

پہلا نتیجہ:...... تحریف کے بعد اس تورات کا کاتب عزرا الوراق ہے، جس نے بابلی قید سے واپسی کے بعد یہ تورات لکھی ہے۔

دوسرا نتیجہ :......عزرا کاتب کے پاس یہ تورات لکھتے ہوئے کوئی دوسرا نسخہ موجود نہیں تھا جس سے وہ نقل کر رہا ہو، بلکہ اس نے اپنی یادداشت اور حفظ کے بل بوتے پر لکھی ہے؛ اور بعض ان فصول پر اعتماد کیا ہے جنہیں کاہنوں نے محفوظ رکھا تھا۔

تیسرا نتیجہ : عزرا نے بنی اسرائیل کے لیے تورات کے لکھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کی شرح اور تفسیر بھی کی ہے۔ اور اس معاملہ میں بہت سارے کاہنوں نے اس کی مدد کی تھی۔

رہے عہد عتیق کے باقی اسفار؛ تو علماء مسلمین میں سے بہت کم لوگوں نے اس کتابوں کے مطالعہ؛ اس کتاب اور اس کے لکھنے جانے کی تاریخ سے متعلق تحقیق کا اہتمام کیا ہے۔ اس

❶ سفر نحمیا اصحاح ۸؛ فقرہ (۱-۹)۔

لیے کہ ان کے اکثر اہتمام تورات کے مطالعہ پر ہوتا تھا۔ اس اعتبار سے کہ تورات ہی واحد کتاب ہے جس کا ذکر قرآن میں وارد ہوا ہے۔

جب کہ یہود و نصاری میں سے اہل کتاب کے علماء؛ ان کے بارے میں علامہ رحمت اللہ ہندی -رحمہ اللہ- نے تذکرہ کیا ہے؛ کہ ان اسفار میں سے ہر ایک سفر کے کاتب کے متعلق ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔''[1]

جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان اسفار کو ان لوگوں کی طرف منسوب کرنا، جن کی طرف منسوب کررہے ہیں اور جن کے بارے میں دعوی کرتے ہیں کہ وہ پیغمبر تھے۔ (یہ نسبت) بالکل یقینی نہیں ہے، بلکہ وہ محض اٹکل پچو گمان کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ اور یہ بدگمانیاں حق بات سے کچھ بھی مستغنی نہیں کرسکتیں۔

دوسری بحث:......رافضی عقیدۂ تحریف قرآن

رافضی اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ قرآن کریم محرف ہوگیا ہے، یا اسے بدل دیا گیا ہے۔ اور یہ کہ اس میں بہت سی آیات زیادہ کی گئی ہیں، اور بہت سی آیات کم کی گئی ہیں۔ اور جو اس میں کم کیا گیا ہے وہ موجودہ قرآن سے دوگنا زیادہ ہے۔

اور اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام اور سرفہرست جنابِ حضرت ابو بکر و حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم وہی لوگ ہیں جنہوں نے قرآن میں تحریف کی اور اتنا بڑا حصہ ضائع کردیا۔

ان کا خیال ہے کہ قرآن سے جو حصہ حذف کیا گیا ہے اس میں بنیادی طور پر دو قسم کے مضمون بیان ہوئے تھے:

اول:......آل بیت اور خصوصاً حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل؛ اور ان کی امامت کے بارے میں قرآنی نصوص۔

دوم:......مہاجرین اور انصار کی بدکاریاں اور رسوائیاں؛ جن کے بارے میں رافضی گمان کرتے ہیں کہ یہ لوگ منافق تھے، اور اسلام میں داخل ہی نہیں ہوئے، بس صرف اس کے خلاف سازش کرنے کے

---

[1] اظہار الحق ص: ۹۰۔

لیے۔ یہ رافضیوں کا عقیدہ ہے جس کا اظہار ان کے بڑے علماء نے ان کے ہاں حدیث وتفسیر کی مشہور کتابوں میں کیا ہے۔

مگر بعض معاصر رافضی علماء اس عقیدہ کا انکار کرتے ہیں۔ مگر ان کا یہ انکار اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ لوگ اس عقیدہ کے فساد کو سمجھ گئے ہیں، اور اب وہ حق کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں- اے کاش! اگر ایسا ہوجائے-۔ بلکہ جو چیز اس پر دلالت کرتی ہے وہ (کسی نہ کسی طرح) ان کی زبانوں پر آجاتی ہے۔ اوران کی نوکِ قلم ایسے مواقع پر پھسل ہی جاتی ہے (اور اس بات کا اقرار کرلیتے ہیں کہ) وہ ابھی تک اپنے اسلاف کے اس گندے عقیدہ پر قائم ہیں۔ اوراس سے ناخن بھر بھی ادھر ادھر نہیں ہوئے۔

مگر جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان اس عقیدہ کا انکار کرتے ہیں اوراس سے نفرت کرتے ہیں، تو وہ اس کے نتائج سے ڈر گئے جو بعض حالات میں؛ اگر اس عقیدہ کا کھل کر اظہار کریں تو سامنے آسکتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ منافقت کے پردہ میں پناہ لینے؛ مکر اور دھوکہ بازی پر مجبور ہوئے۔ (یہ حیلہ ہے) جسے رافضی تقیہ کا نام دیتے ہیں۔

جب یہ لوگ اس فن کو اچھی طرح جانتے تھے، تو ان کی باتوں سے بہت سارے لوگ دھوکے میں آ گئے۔ بلکہ خود کو علم کی طرف منسوب کرنے والے بہت سے لوگ بھی؛ جنہوں نے اس گمراہ فرقہ کے عقیدہ کے متعلق اچھی طرح چھان بین نہیں کی تھی؛ وہ ان کی باتوں میں آگئے اوران کی ہر بات کی تصدیق کرنے لگے۔ باوجود اس کے کہ یہ لوگ جھوٹ بولنے میں بہت ہی مشہور ہیں۔

آئمہ اسلام ان کی خصوصی پہچان کثرت سے جھوٹ بولنا بتایا کرتے تھے۔ اس وجہ سے علماء حدیث ان کی روایت رد کردیتے تھے، حالانکہ وہ بہت سے مبتدعین فرقوں سے بھی روایت کرلیا کرتے تھے۔ اس کا کوئی اور سبب نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ لوگ جھوٹ بولنے میں مشہور ہیں۔ پھر سراسر تعجب ہی تعجب ہے کہ آج کل کے بعض مسلمان ان کی باتوں سے کیسے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

اب جو مسلمان دھوکہ میں آ چکے ہیں، ان سے علاوہ کوئی اوراس دھوکہ میں نہ آئے جو ان بعض معاصر علماء اس عقیدہ کا انکار کرتے ہیں؛ اس لیے میں اس بحث میں ان شاء اللہ قرآن کریم کے بارے میں رافضیوں کا عقیدہ ان کی معتبر کتابوں سے ثابت کروں جس پر رد کرنے کی کسی مائی کے لعل میں ہمت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان کتابوں کی ان کے ہاں بہت بڑی منزلت ہے۔ اور میں یہ بھی بیان کروں گا کہ یہ تمام

رافضی علماء کا عقیدہ ہے خواہ وہ پرانے دور کے ہوں یا نئے دور کے۔ یہ عقیدہ ان کے آنے والے اپنے اگلوں سے روایت کرتے چلے آئے ہیں؛ اور آج تک ایسے ہی روایت کررہے ہیں۔

پرانے رافضی کبار علماء کا قرآن میں عقیدہ

کبار علماء رافضہ جو پہلی صدی ہجری سے لے کر تیرھویں صدی ہجری کے آخر تک آئے ان تمام کے تمام لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن کریم میں تحریف، تغییر اور تبدیل واقع ہوئی ہے۔ صرف ان میں سے چار یہ عقیدہ رکھنے کے باوجود اس کی صراحت نہیں کی؛ اس کے بھی اسباب ہیں، جنہیں میں بعد میں ذکر کروں گا۔ ان چار کے علاوہ ان کے تمام مفسرین اور محدثین کھل کر صراحت کے ساتھ کہتے ہیں قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔ آنے والی سطور میں میں ان کبار علماءِ رافضہ کا تذکرہ کروں گا جو اس وقت میں آئے -جیسا کہ اوپر بیان ہوا-؛ اور وہ دلائل بھی لاؤں گا جن سے ان کا تحریفِ قرآن کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ یہ وہ روایات ہیں جو انہوں نے اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں، اور قرآن کی تحریف پر دلالت کرتی ہیں، اور اس کے ساتھ ہی ان کا یہ عقیدہ ہونے کی صراحت بھی ہے۔ اس میں میں ان علماء کی تاریخ وفات کے لحاظ سے ترتیب زمانی کا خیال رکھوں گا:

سلیم بن قیس الہلالی (متوفی ۹۰ ہجری):

قیس بن سلیم ہلالی نے اپنی مشہور ومعروف کتاب: ''کتاب سلیم بن قیس'' میں کئی ایک روایات نقل کی ہیں؛ جن کا لبِ لباب اور حاصل نتیجہ قرآن میں تحریف ہے۔ اس میں ایک لمبی حدیث ہے جسے وہ اپنی سند سے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے؛ اس حدیث میں ہے:

> ''-حضرت-عمر رضی اللہ عنہ نے کہا؛ اور میں سن رہا تھا: ''جنگ یمامہ کے دن ایسے لوگ قتل ہو گئے جو قرآن پڑھتے تھے۔ جو ان کے علاوہ کوئی اور نہیں پڑھتا تھا۔ سو قرآن ان کے ساتھ چلا گیا۔ اور ایک بکری صحیفہ کی طرف آئی، اور عمر کے کاتبین لکھ رہے تھے۔ اس-بکری- نے وہ صحیفہ کھا لیا؛ اور جو کچھ اس میں تھا وہ چلا گیا۔ اور اس دن کا تب عثمان تھے؛ پس تم کیا کہتے ہو؟ عمر کہہ رہے تھے، اور میں نے سنا، اور ان کے ان ساتھیوں نے سنا جنہوں نے عمر کے دور میں اور عثمان کے دور میں جمع و تالیف کا کام کیا؛ (وہ بھی سن رہے تھے؛ کہ عمر نے کہا): سورت

احزاب سورت بقرہ کی مانند تھی۔ اور سورت نور کی ایک سو ساٹھ آیات تھیں۔ اور حجرات کی ساٹھ آیات تھیں؛ اور سورت حجر کی ایک سو نوے آیات تھیں۔ بس یہ (باقی قرآن) کیا ہے۔'' ❶

الصفار (۲۹۰ ہجری):

ابوجعفر محمد بن الحسن الصفار نے اپنی مشہور کتاب ''بصائر الدرجات'' میں ابوجعفر الصادق سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''لوگوں میں کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے جو یہ کہتا ہو کہ تمام قرآن ایسے جمع کر لیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا، مگر وہ جھوٹا کذاب ہے۔ اس کو نہ ہی جمع کیا ہے اور نہ ہی ایسے محفوظ کیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا؛ سوائے علی بن ابو طالب کے اور ان کے بعد آئمہ کے (انہوں نے جمع کیا تھا)۔'' ❷

اور ان ہی سے دوسری روایت میں نقل کیا گیا ہے:

''اوصیاء کے علاوہ کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے قرآن سارے کا سارا جمع کر لیا تھا، اس کا ظاہر بھی اور باطن بھی۔'' ❸

علی بن ابراہیم قمی (م ۳۰۷ھ):

ان کے شیخ المشائخ علی بن ابراہیم قمی وہ اپنی تفسیر کی مقدمہ میں ذکر کرتے ہیں:

'' قرآن میں ناسخ بھی ہے اور منسوخ بھی؛ اور اس میں محکم بھی ہے اور متشابہ بھی؛ اس میں عام بھی اور خاص بھی؛ اس میں تقدیم بھی ہے اور تاخیر بھی؛ مقطّع بھی ہے اور معطوف بھی؛ اس میں بعض حروف کی جگہ بعض ہیں، اور بعض اس کے خلاف ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا'' ❹

پھر اس نے انتہائی ظالمانہ انداز میں بہتان گھڑتے ہوئے جو کچھ کہا ہے؛ قرآن کریم سے اس کی مثالیں ذکر کی ہیں۔ جن میں وہ تغییر و تبدیل؛ تقدیم و تاخیر کرنے لگا؛ یہ سارا کچھ وہ اپنے یہودی اساتذہ ومشائخ کی برابر کرتے ہوئے کر رہا ہے۔ ذیل میں اسکی مثالیں دی جا رہی ہیں:

---

❶ کتاب سلیم بن قیس ص: ۱۲۲۔
❷ بصائر الدرجات ص ۲۱۳۔
❸ بصائر الدرجات ص ۲۱۳۔
❹ تفسیر قمی ۱/۸۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿يَا مَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ﴾ (آل عمران: ۴۳)

''مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کرنا اور سجدہ کرنا اور رکوع کرنا۔''

یہ اصل میں ایسے تھا: ﴿ارْكَعِيْ وَاسْجُدِيْ ﴾....''رکوع کرنا اور رکوع کرنا۔''

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيْثِ أَسَفاً﴾ (الکہف: ۶)

''اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید تم ان کے پیچھے رنج کر کر کے اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔''

اس کے بارے میں وہ کہتا ہے یہ ایسے نازل ہوئی تھی:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ أَسَفاً إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيْثِ﴾

یہ مثالیں اس نے قرآن میں تقدیم وتأخیر پر ذکر کی ہیں۔ اور اس دوسری مثال کے بعد کہا ہے:

''اور اس کی مانند اور بہت زیادہ ہیں۔''

پھر کہتا ہے: رہا منقطع معطوف: یہ چند آیات میں ہے جو ایک خبر کے بارے میں نازل ہوئیں، پھر ان کے پورا ہونے سے پہلے منقطع ہوگئیں۔ اور ان کی جگہ دوسری آیات آگئیں۔ پھر بعد میں اسے خبر اول پر عطف کیا۔ اس کی مثال جیسے لقمان کے قصہ میں ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان: ۱۳)

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔''

پھر لقمان کی اپنے بیٹے کو وصیت منقطع ہوگئی اور فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْناً ....إلى قوله .... فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (لقمان: ۱۴۔۱۵)

''اور ہم نے انسان کو جسے اُس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے......آگے تک......تو جو کام تم کرتے رہے ہو میں سب سے تم کو آگاہ کروں گا۔''

پھر لقمان کی خبر کو دوبارہ لایا گیا؛ اور فرمایا:

﴿يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ﴾ (لقمان: ١٦)

''(لقمان نے یہ بھی کہا کہ) بیٹا! اگر کوئی عمل (بالفرض) رائی کے دانے کے برابر بھی (چھوٹا) ہو اور ہو بھی کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں (مخفی ہو) یا زمین میں، اللہ اس کو قیامت کے دن لا موجود کرے گا۔''

پھر کہا کہ اس جیسی اور بہت سی آیات ہیں۔

جب کہ ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف کو بدلنے کی مثال دیتے ہوئے کہتا ہے:

﴿ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ﴾ (البقرہ: ١٥٠)

''کہ لوگوں کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہ سکے مگر اُن میں سے جو ظالم ہیں (وہ الزام دیں تو دیں)۔''

اس کے بارے میں کہتا ہے، یہ آیت یوں تھی: "ولا الذين ظلموا منهم ۔"...... ''اور ان لوگوں کے لیے بھی حجت نہ رہے ان میں سے جو ظالم ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ﴾ (التوبہ: ١١٠)

''یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ اُن کے دلوں میں (موجب) خلجان رہے گی (اور اُن کو متردد رکھے گی) مگر یہ کہ اُن کے دل پاش پاش ہو جائیں۔''

اس کے بارے میں کہتا ہے: "يعني حتى تقطع قلوبهم۔"...... (یہاں تک کہ ان کے دل پاش پاش ہو جائیں۔'' ......رہی وہ آیات جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی کے خلاف ہیں؛ وہ اللہ تعالیٰ یہ فرمان ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''(مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم اُن سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو۔''

ابوعبداللہ علیہ السلام نے آیت کے قاری کے لیے کہا ہے؛ [کیا] (خیر اُمۃ) وہ امیر المؤمنین علیہ السلام اور حسن اور حسین علیہما السلام کو قتل کریں گے؟ ان کے پوچھا گیا: اے ابن رسول اللہ! پھر یہ آیت کیسے نازل ہوگئی؟ تو فرمایا: یہ آیت اس طرح تھی:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أَئِمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾

''تم سب سے بہتر ائمہ ہو؛ جنہیں لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔''

اور جس آیت میں اس کی جگہ پر تحریف کی گئی ہے، وہ اللہ کا یہ فرمان ہے:

((لَّـٰكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ في علي أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ)) [1]

''لیکن اللہ نے جو (کتاب) تم پر نازل کی ہے حضرت علی کے بارے میں اس کی نسبت اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہ تو اللہ ہی کافی ہے۔'' [2]

محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ):

قمی کے بعد اس کا شاگرد اور شیعوں کا محدث اکبر کلینی آیا؛ اور اس نے ان کے لیے ''اصول الکافی۔'' کتاب لکھی۔ جس کی ان کے ہاں وہی منزلت ہے جو اہل سنت کے ہاں صحیح بخاری کی ہے۔ اس کافی میں کیا ہے؟

---

[1] یہ آیت اصل میں اس طرح ہے: ﴿لَّـٰكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ﴾ (النساء: ۱۶۶) ''لیکن اللہ نے جو (کتاب) تم پر نازل کی ہے اس کی نسبت اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہ تو اللہ ہی کافی ہے۔''

[2] أصول الکافی ۲/ ۶۳۱۔

کلینی عن بن محمد سے روایت کرتا ہے، اور وہ اپنے بعض ساتھیوں سے اور وہ احمد بن محمد بن ابونصر سے روایت کرتا ہے، وہ کہتا ہے: مجھے ابوالحسن علیہ السلام نے ایک صحیفہ دیا؛ اور کہا: اس میں دیکھنا نہیں۔ میں نے اسے کھولا اور اس میں پڑھا: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾...."اور نہ تھے وہ لوگ جو کافر ہوئے۔"

میں نے اس میں قریش کے ستر آدمیوں کے نام پڑھے، ان کے نام اور ان کے آباء کے نام۔ پھر انہوں نے میرے پاس آدمی بھیجا کہ صحیفہ واپس کر دو۔"❶

اور ایک دوسری روایت میں محمد بن یحی سے مروی ہے؛ وہ محمد بن الحسین سے روایت کرتا ہے، وہ عبد الرحمٰن بن ابی ہاشم سے، اور وہ سالم بن سلمہ سے؛ وہ کہتا ہے:

"ایک آدمی نے ابوعبداللہ علیہ السلام پر پڑھا، اور میں اس سے قرآن کے کچھ ایسے حروف سن رہا تھا جن کی قرأت لوگ نہیں کرتے۔ ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا: اس قرآت سے رک جاؤ۔ اور ایسے ہی پڑھو جیسے لوگ پڑھتے ہیں، یہاں تک کہ قائم کا ظہور ہو جائے۔ اور جب قائم کا ظہور ہوگا، وہ اللہ کی کتاب کو اس کے مطابق پڑھے گا، اور وہ مصحف نکالے گا، جو حضرت علی علیہ السلام نے جمع کیا ہے۔ اور کہا: "جب علی علیہ السلام اس کی کتابت سے فارغ ہوئے تو اسے لوگوں کے سامنے نکالا، اور ان سے کہا: "یہ اللہ کی کتاب ہے؛ جیسے اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی۔ میں نے اسے دو تختیوں سے جمع کیا ہے۔ سو وہ ہمارے ہاں جامع مصحف ہے، اس میں قرآن بھی ہے۔ ہمیں اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اور پھر فرمایا: اللہ کی قسم! آج کے دن کے بعد تم اسے کبھی بھی نہیں دیکھ سکو گے۔ بس یہ مجھ پر واجب تھا جب میں نے اسے جمع کیا تو آپ کو خبر کر دوں تاکہ تم اسے پڑھو۔"❷

کلینی نے ابوعبداللہ سے ہی ایک دوسری روایت نقل کی ہے، وہ کہتا ہے:

"بے شک وہ قرآن جو جبریل لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، اس کی سترہ ہزار آیات ہیں۔"❸

---

❶ اصول الکافی: ۲/ ۶۳۱۔
❷ اصول الکافی: ۲/۶۳۳۔
❸ اصول الکافی: ۲/ ۶۳٤۔

اس روایت سے لازم آتا ہے کہ دو تہائی قرآن گم شدہ ہے۔ اس لیے کہ موجودہ قرآن کی صرف (٦٢٣٦) آیات ہیں۔'' ❶

اتنا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ کلینی نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ان کے پاس ایک اور قرآن ہے، جو مسلمانوں کے پاس موجود قرآن سے تین گنا زیادہ ہے۔ اور اس میں ایک حرف بھی وہ نہیں ہے جو اس قرآن میں ہے۔

کافی کی کتاب ''الحجۃ۔'' میں آیا ہے ابوبصیر سے روایت ہے، وہ ابوعبداللہ سے روایت کرتا ہے، بے شک اس نے کہا: ''بے شک ہمارے پاس مصحف فاطمہ علیہا السلام ہے۔ اور انہیں کیا معلوم کہ مصحف فاطمہ علیہا السلام کیا ہے؟ میں نے کہا: مصحف فاطمہ علیہا السلام کیا ہے؟۔ تو انہوں نے جواب دیا: وہ ایسا مصحف ہے جس میں تمہارے اس قرآن جیسے تین ہیں۔ اللہ کی قسم! اس میں تمہارے قرآن کا ا یک حرف بھی نہیں۔ ❷

اور الروضہ میں ہے: علی بن سوید سے روایت ہے، اس نے کہا ہے: ''میں نے ابوالحسن موسیٰ علیہ کی طرف خط لکھا؛ اس وقت وہ قید میں تھے۔ میں نے ان سے ان کا حال دریافت کیا، اور بہت سارے مسائل پوچھے۔ کئی مہینے انہوں نے مجھے جواب نہیں دیا۔ پھر اس نسخہ میں ان کا جواب مجھے موصول ہوا، اس میں یہ لکھا تھا:

> ''اور ان لوگوں کا دین مت تلاش کیجیے جو آپ کے شیعہ میں سے نہیں ہیں۔ اور ان کے دین سے محبت نہیں کرنا اس لیے کہ وہ وہی خائن ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی اور اپنی امانتوں میں خیانت کی۔ اور تم جانتے ہو کہ انہوں نے اپنی امانتوں میں کیا خیانت کی؟ انہیں کتاب اللہ کا امین بنایا گیا تھا، مگر انہوں نے تحریف کی اور اسے بدل ڈالا۔'' ❸

محمد بن مسعود بن عیاش المعروف ''عیاشی۔'' اور رافضیوں کے مشہور علماء جنہوں نے قرآن میں تحریف کا کہا ہے، ان میں سے ایک ''عیاشی۔'' مفسر ''تفسیر عیاشی۔'' بھی ہے؛ رافضیوں کے ہاں اس تفسیر کا شمار پرانی اور اہم ترین تفاسیر میں کیا جاتا ہے۔ عیاشی نے اس تفسیر کے مقدمہ میں روایت کیا ہے، ابوجعفر

---

❶ مقدمه تفسیر ابن کثیر ١/ ٧۔ ❷ اصول الکافی : ٢/ ٦٣٩۔

❸ روضة الکافی ٨/ ١٢٥۔

سے روایت ہے انہوں نے کہا:

''قرآن مجید چار حصوں میں نازل ہوا تھا۔ ایک حصہ ہمارے بارے میں ایک ہمارے دشمنوں کے بارے میں، اورایک حصے میں احکام وفرائض اور ایک حصے میں سنن اور امثال تھے، اور ہمارے لیے قرآن کا سب سے معزز حصہ تھا۔''❶

اور ابوعبداللہ کی روایت میں ہے: ''اگر قرآن کو ایسے پڑھا جائے جیسے وہ نازل ہوا ہے، تو آپ ہمیں پائیں گے کہ ہمارے نام اس میں لیے گئے ہیں۔''

اور ابوجعفر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''اگر اللہ کی کتاب میں زیادہ اور کم نہ کیا گیا ہوتا، تو ہمارا حق کسی بھی اہل عقل پر مخفی نہ رہتا۔ اور اگر ہمارے قائم کا قیام (خروج) ہوجائے؛ اور وہ کلام کرے تو قرآن اس کی تصدیق کرے۔''❷

اسی تفسیر میں ابوجعفر سے روایت ہے: ''بے شک قرآن سے بہت ساری آیات نکال دی گئی ہیں۔ اور اس میں صرف کچھ حروف زیادہ کیے گئے ہیں جن میں لکھنے والوں نے غلطی کی ہے۔ یا کچھ لوگوں کو ان کا وہم ہوا ہے۔''❸

یہ روایت سب سے خطرناک اور سب سے بری ہے۔ اس لیے کہ رافضہ کی اکثر روایات فقط اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن میں کمی کی گئی ہے۔ جیسا کہ خود ان روایات سے واضح ہوتا ہے۔

مفید (۴۱۳ھ):

رہا ان کا شیخ ''مفید''، جس کا شمار اس مذہب کے مؤسسین میں ہوتا ہے، اس نے قرآن میں تحریف پر؛ اور اس عقیدہ میں باقی سارے اسلامی فرقوں سے اختلاف پر اجماع نقل کیا ہے۔''

اس نے اوائل المقالات میں کہا ہے:

''اور امامیہ کا بہت سارے مُردوں کا قیامت سے پہلے اس دنیا میں لوٹ کر آنے پر اتفاق ہے۔ اگرچہ ان کے درمیان ''رجعت کے معنی'' میں اختلاف ہے۔ ایسے اللہ تعالیٰ کے لیے لفظِ ''بداء'' کے اطلاق پر بھی اتفاق ہے، سماعت کے اعتبار سے، قیاس نہیں۔ اور اس بات پر

❶ تفسیر العیاشی ۱/ ۹۔ ❷ تفسیر العیاشی ۱/ ۱۳۔
❸ تفسیر العیاشی ۱/ ۱۸۰۔

اتفاق ہے کہ آئمہ ضلالت وگمراہی نے قرآن کے لکھنے میں بہت اختلاف کیا ہے، اور بہت ساری چیزوں میں وحی کے موجب سنت رسول اللہ ﷺ سے ہٹ گئے تھے۔''

اور معتزلہ، خوارج؛ زیدیہ، مرجعئہ، اور اصحاب حدیث کا ان تمام امور میں جو ہم نے گنے ہیں، امامیہ کے -عقیدہ- خلاف اجماع ہے۔'' ❶

ابو منصور احمد بن منصور الطبرسی (۶۲۰ھ):

طبری نے -کتاب-''الاحتجاج۔'' میں ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے؛ وہ فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا، تو علی علیہ السلام نے قرآن جمع کیا۔ اور اسے لے کر مہاجرین اور انصار کے پاس آئے، اوران کے سامنے وہ وصیتیں رکھیں جو نبی کریم ﷺ نے کی ہیں۔ جب ابوبکر نے قرآن کھولا، تو پہلے ہی صفحہ میں ان لوگوں کی رسوائیاں سامنے آئیں۔ عمر کود پڑا؛ اور کہا: اے علی اسے واپس کردو؛ ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تو علی علیہ السلام نے وہ قرآن اٹھایا اور واپس چلے گئے۔ پھر زید بن ثابت کو بلایا گیا -وہ قرآن کے بڑے ماہر قاری تھے- عمر نے ان سے کہا: ''بے شک علی ایک قرآن لے کر آئے تھے اس میں مہاجرین اور انصار کی رسوائی ہے۔ اب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ایسا قرآن تالیف کریں، جس سے مہاجرین اور انصار کے خلاف یہ ہتک آمیزی اور رسوائی ختم کی گئی ہو۔ زید نے ایسا کرنے کی حامی بھر لی۔ جب عمر خلیفہ بنا تو اس نے علی سے وہ قرآن طلب کیا تا کہ وہ اس میں تحریف کرے۔'' ❷

طبرسی یہ گمان کرتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جرائم کے قصے بیان کیے تو کھل کر مجرمین کے نام بھی لیے۔ لیکن صحابہ نے وہ نام مٹا دیے، اور قصے صرف کنایہ بن کر رہ گئے۔ وہ کہتا: ''بے شک منافقین میں سے بڑے گناہوں کے مرتکب افراد کے ناموں سے جو کنایہ قرآن میں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں ہے۔ بے شک یہ ان لوگوں کا کام ہے جو اس میں تغیر کرنے والے اور اس کو بدلنے والے ہیں، جنھوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور دنیا کو دین سے علیحدہ کر دیا۔'' ❸

طبرسی نے الفاظ قرآن میں تحریف پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ اپنی خواہش نفس کی پیروی میں اس کے معانی کو بھی بدل ڈالا ہے۔ اس کا خیال وعقیدہ یہ ہے کہ قرآن میں ایسے رموز ہیں جن میں منافقین کی

---

❶ اوائل المقالات ٤٨-٤٩۔ ❷ الاحتجاج ١٥٦۔
❸ الاحتجاج ٢٤٩۔

رسوائیاں ہیں۔ ان رموز کو آئمہ اہل بیت کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اگر صحابہ ان رموز کو جان لیتے تو انہیں بھی قرآن سے ایسے ہی نکال دیتے جیسے باقی کچھ نکال دیا ہے۔ ❶

طبرسی کا قرآن کے بارے میں یہ عقیدہ ہے۔ اور جس کا اس نے اظہار کیا ہے، اس سے کہیں بڑھ کر اس کے دل میں پوشیدہ ہے۔ اور اس سارے کا اصل نفاق کی راہ پر چلنا ہے؛ اور وہ دھوکہ بازی ہے جسے وہ ''تقیہ'' کا نام دیتے ہیں۔ وہ کہتا ہے:

''اگر میں اس تمام کی شرح کروں، جو اس سے ساقط کیا گیا ہے، یا جو بدلا گیا ہے، یا جس میں تحریف کی گئی ہے؛ یہ جو اس طرح کے دیگر امور ہیں؛ اور مناقب اولیاء؛ اور دشمنوں کی ریشہ دوانیوں میں سے اس چیز کا اظہار ہوئے جس کو تقیہ نے خفیہ رکھا ہے۔'' ❷

ایک دوسری جگہ پر رافضیوں اپنے خبیث عقیدہ کا اظہار کرنے سے ڈراتے ہوئے کہتا ہے:

''عقیدۂ تقیہ کے ہوتے ہوئے یہ روا نہیں ہے کہ قرآن کو بدلنے والوں؛ یا اس میں زیادہ کرنے والوں کے نام لیے جائیں؛ یعنی جو کچھ انہوں نے اپنی طرف سے کتاب میں درج کیا ہے۔ اس لیے کہ اس سے اہل تعطیل؛ اور اہل کفر، وہ ملتیں جو ہمارے قبلہ سے منحرف ہو چکی ہیں؛ کی حجت قوی ہوتی ہے۔ اور اس ظاہری علم کا ابطال ہے جس کے سامنے امارت کی اصطلاح کی وجہ سے مخالفین وموافقین عاجز آ گئے ہیں؛ اور وہ ان پر راضی ہیں۔ اس لیے کہ اہل باطل قدیم اور جدید ہر دور میں اہل حق سے تعداد میں زیادہ رہے ہیں۔'' ❸

فیض کاشانی (۱۰۹۱ھ):

جن لوگوں نے قرآن میں تحریف ہونے کی تصریح کی ہے، ان میں سے ایک ان کا بڑا مفسر فیض کاشانی ہے جس نے ''الصافی'' نام کی ایک تفسیر لکھی ہے۔

وہ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں یہ نام رکھنے کی علت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اور یہ بات بہت ہی لائق تھی کہ اس کا نام ''الصافی'' رکھا جائے، اس صاف ہونے کی وجہ سے ہر کدورت، اور عوامی آراء، اور تھکا دینے والے حیران کن قصوں سے۔'' ❹

---

❶ الاحتجاج ۲۵۳۔ ❷ الاحتجاج ۲۵٤۔
❸ الاحتجاج ۲٤۹۔ ❹ التفسیر الصافی ۱/ ۱۵۔

اس نے اپنی اس کتاب میں بارہ مقدمات قائم کیے ہیں۔ چھٹے مقدمہ کو اس نے قرآن میں تحریف ثابت کرنے کے لیے خاص کیا ہے۔ اور اس مقدمے کا عنوان رکھا ہے: ''چھٹا مقدمہ ان مختصر مثالوں کے بیان میں جو جمع قرآن؛ اس میں تحریف، اور زیادہ ونقصان اور اس میں تأویل پر مشتمل ہے۔''

اور پھر تحریف قرآن پر جن روایات سے استدلال کیا ہے؛ انہیں ان کے ہاں ثقہ اور معتمد مصادر سے ذکر کرنے کے بعد؛ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ان روایات سے؛ اور ان کے علاوہ دوسری روایات سے جو اہل بیت علیہم السلام کے ذریعہ سے روایت کی گئی ہیں؛ فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے: ''بے شک وہ قرآن جو ہمارے درمیان موجود ہے، وہ اس طرح پورا نہیں ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر نازل کیا۔ بلکہ اس میں کچھ ایسا بھی (مواد) ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کے خلاف ہے۔ اور اس میں کچھ تبدیل کیا ہوا محرف بھی ہے۔ اور اس میں سے بہت ساری چیزیں حذف بھی کر دی گئی ہیں؛ ان میں سے حضرت علی علیہ السلام کا نام بھی ہے؛ اسے بہت سارے مواقع سے حذف کیا گیا ہے۔ اور ان میں ایک لفظ آل محمد ﷺ بھی ہے؛ اسے کئی بار حذف کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے بعض جگہوں پر منافقین کے نام بھی تھے؛ (جو حذف کر دیے گئے)؛ اور اس میں سے کچھ ان کے علاوہ بھی چیزیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پسندیدہ ترتیب کے مطابق تھیں۔''[1]

پھر اس کے بعد وہ کہتا ہے قرآن میں تحریف کا عقیدہ کبار آئمہ رافضیہ کا عقیدہ ہے؛ وہ کہتا ہے:

''اور ہمارے مشائخ رضی اللہ عنہم کا اعتقاد اس معاملہ میں ثقہ اسلام محمد بن یعقوب الکلینی طاب ثراہ (کے کلام سے) صاف ظاہر ہے کہ آپ قرآن میں تحریف، زیادہ اور نقصان کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اس لیے کہ انہوں نے اس معنی میں اپنی کتاب کافی میں روایات نقل کی ہیں۔ اور ان روایات میں بالکل کوئی قدح نہیں کی۔ حالانکہ اس کتاب کے شروع میں آپ نے کہا ہے: اس کتاب میں میں نے وہی روایت نقل کی جسے ثقہ مانتا ہوں۔ اور ایسے ہی ان کے استاذ علی بن ابراہیم القمی - رضی اللہ عنہ - بے شک ان کی تفسیر ان روایات سے بھری ہوئی ہے۔ بلکہ انہوں نے اس مسئلہ میں بہت غلو کیا ہے۔ اور ایسے ہی شیخ احمد بن ابو طالب الطبرسی رضی اللہ عنہ انہوں بھی

[1] التفسیر الصافی ۱/ ٤٤۔

اسی کی ڈگر پر چلتے ہوئے اپنی کتاب الاحتجاج میں روایات جمع کی ہیں۔'' ❶

یہ بعض وہ امور ہیں جو مقدمہ میں بیان ہوئے ہیں۔ باقی رہی تفسیر وہ تمام کی تمام اس غلو اور تحریف ؛ تاویل اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی شان میں طعن و تشنیع سے بھری پڑی ہے۔

شاید یہ مؤلف کے اس التزام کی وجہ سے ہے کہ اس تفسیر میں وہ اہلِ سنت کی کوئی روایت نقل نہیں کرے گا۔ تو اس کا نام صافی ان اہل سنت روایات سے صاف ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ یہ باتیں اس کتاب اور صاحبِ کتاب کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چھپے ہوئے حقد کی معرفت کے لیے کافی ہے۔

محمد باقر مجلسی (۱۱۱۱ھ):

محمد باقر مجلسی جسے وہ شیخ الاسلام کا لقب دیتے ہیں، اس نے اپنا انسائیکلو پیڈیا میں؛ جس کا نام ہے: "بحار الأنوار "؛ سینکڑوں روایات جمع کی ہیں جو قرآن میں تحریف واقع ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

ان روایات میں: ابوعبداللہ سے روایت کیا گیا ہے؛ اس نے کہا ہے:

''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی اپنی کتاب میں کنایہ نہیں استعمال کیا، یہاں تک کہ فرمایا:

﴿يَا وَيْلَتَى لَيْتَنِيْ لَمْ أَتَّخِذْ فُلَاناً خَلِيْلاً﴾ (الفرقان: ۲۸)

''ہائے شامت کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔''

بے شک یہ آیت مصحف علی علیہ السلام کے بارے میں ہے؛ ﴿يَا وَيْلَتَى لَيْتَنِيْ لَمْ أَتَّخِذْ الثاني خَلِيْلاً﴾ ﴿وسيظهر يوماً﴾ ''ہائے شامت کاش کہ میں نے دوسرے ❷ کو دوست نہ بنایا ہوتا ﴿اور ایک دن وہ ظاہر ہو جائے گا﴾''

مجلسی ابن بطریق سے اس کی سند کے ساتھ جابر سے روایت کرتا ہے، وہ کہتا ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز تین آئیں گے: قرآن، مسجد اور عترت (اولاد)۔ قرآن کہے گا: مجھے جلا

---

❶ التفسیر الصافی ۱/٤٧۔

❷ یہ لوگ دوسرے سے مراد دوسرے خلیفہ جناب سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لیتے ہیں؛ اور گمان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ قیامت والے دن ان سے برأت کا اظہار کریں گے۔

ڈالا، اور مجھے پھاڑ ڈالا۔ مسجد کہے گی: ''مجھے خراب کیا، مجھے چھوڑ دیا، اور مجھے ضائع کر دیا۔ اور عترت (اولاد) کہے گی: ''اے رب! ہمیں قتل کیا؛ اور ہمیں گھروں سے نکالا؛ اور علاقہ بدر کیا۔ اور وہ ایک دوسرے کو مبارک دیتے ہوئے اپنے فریق مخالف پر امڈ پڑیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کہے گا: یہ [بدلہ] میرے ذمہ ہے، اور میں اس کا زیادہ حق دار ہوں۔''❶

یہ تو چند ایک مثالیں ہیں۔ اس کے علاوہ مجلسی نے تحریف قرآن پر بطور دلیل کے جو روایات وہ بہت ہی زیادہ ہیں۔❷

نعمت اللہ الجزائری (۱۱۱۲ھ):

نعمت اللہ الجزائری صحابہ پر تحریف قرآن کا الزام لگاتے ہوئے کہتا ہے:

''موضوع روایات کی کثرت پر کوئی تعجب نہیں ہے۔ سو بے شک انہوں نے نبی کریم ﷺ کے بعد دین میں جو تبدیلی کر ڈالی؛ اور تحریف کردی، وہ اس سے بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ ان کا قرآن کو بدلنا، اور اس کے کلمات میں تحریف کرنا، اور اس سے آلِ رسول اللہ ﷺ؛ اور آئمہ طاہرین کی تعریف؛ اور منافقین کے فضائح (رسوائیاں)، اور ان کی برائیوں کے اظہار کو حذف کرنا۔''❸

اپنے سابقہ رافضی علماء کی طرح الجزائری کا نظریہ بھی یہ ہے کہ قرآن کو حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور نے جمع نہیں کیا۔ اور یہ کہ صحابہ نے نبی کریم ﷺ کی صحبت نہیں کی؛ اور نہ ہی ان کے لیے وحی کی کتابت کی ہے؛ مگر اس سے غرض صرف یہ تھی کہ اس میں تحریف کی جائے، اور اسے بدلا جائے۔ وہ کہتا ہے:

''یہ بات اخبار میں شہرت کو پہنچی ہوئی ہے کہ قرآن جیسے نازل ہوا ایسے کسی نے نہیں لکھا، سوائے امیر المؤمنین علیہ السلام کے (انہوں نے) نبی کریم ﷺ کی وصیت سے (قرآن جمع

---

❶ بحار الأنوار ۲٤/ ۱۹۔ اور یہ قول: ﴿وسیظهر یوماً﴾۔ یہ جملہ مجلسی نے زیادہ کیا ہے؛ یعنی حضرت علی کا مصحف ظاہر ہوگا، اور یہ مہدی کے زمانے میں ہوگا، ان کے گمان کے مطابق۔ بحار الأنوار ۲٤/۱۸٦۔

❷ بحار الأنوار ۲٤/ ۱۵؛ ۱۷؛ ۲۰؛ ۲۳؛ ۵۹؛ ۱۲٤؛ ۱۵۵؛ ۱۵٦؛ ۱۱۷؛ ۱۱۸؛ ۱۷٦؛ ۱۷۷: ۱۸٦؛ ۱۸۸؛ ۲۲۲؛ ۲۲٤؛ ۲۲۵؛ ۲۳۰؛ ۲۷۵؛ ۳۳٦؛ ۳۹۸؛ ۳۹۹۔

❸ الأنوار النعمانية ۱/ ۹۷۔

کرنے میں) آپ ﷺ کی موت کے بعد چھ ماہ تک مشغول رہے۔ پھر جب ایسے جمع کرلیا، جیسے وہ نازل کیا گیا تھا؛ تو اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی موت سے پیچھے رہ جانے والوں کے پاس آئے اوران سے کہا: ''یہ اللہ کی کتاب ہے جیسے نازل کی گئی تھی (ویسے ہی جمع کرلی ہے)۔ تو عمر بن خطاب نے کہا: ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے، نہ ہی تیری اور نہ ہی تیرے قرآن کی۔ ہمارے پاس وہ قرآن ہے جو عثمان نے جمع کیا ہے۔''

تو علی علیہ السلام نے ان سے کہا: تم آج کے بعد اسے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، اور نہ ہی کوئی اور اسے دیکھ سکے گا، یہاں تک کہ میرا بیٹا مہدی علیہ السلام ظاہر ہوگا۔ اور اس قرآن میں بہت ساری چیزیں زیادہ ہیں جو کہ تحریف سے خالی ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ عثمان کا تبِ قرآن ایک مصلحت کے تحت تھے؛ جو کہ نبی کریم ﷺ کی سوچ تھی۔ وہ یہ کہ وہ قرآن کے بارے میں ان کو نہ جھٹلائیں؛ اور یہ کہیں کہ: یہ اپنی طرف سے گھڑا ہوا ہے۔ یا یہ کہ اسے روح الامین لے کر نازل نہیں ہوئے۔ جیسے کہ یہ بات ان کے اسلاف کہتے تھے۔ بلکہ انہوں نے بھی ایسے ہی کہا۔ اور ایسے ہی اپنی موت سے چھ ماہ قبل معاویہ کو بھی ایک مصلحت کے تحت کاتب وحی مقرر کیا؛ اور عثمان اوران کے جیسے لوگ جو کہ ایک جماعت کے ساتھ سوائے مسجد کے کہیں نہیں جاتے تھے؛ وہ صرف وہی لکھا کرتے تھے جو جبریل لے کر لوگوں کے سامنے نازل ہوتے۔ مگر جو وحی گھر میں نازل ہوتی تھی؛ وہ حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی نہیں لکھا کرتا تھا۔''[1]

اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پورا قرآن جیسے نازل ہوا تھا لوگوں تک نہیں پہنچایا۔ یہ کھلا ہوا کفر ہے۔

نوری طبرسی (م۱۳۲۰ھ) اوراس کی کتاب فصل الخطاب:

تحریف قرآن کے متعلق رافضیوں کے اقوال اور روایات ان کی کتابوں میں متفرق بھرے پڑے تھے؛ جن سے بہت سارے لوگ آگاہ نہیں ہوسکے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام لوگوں کے سامنے رسوا کرنا چاہا۔ جب نوری طبرسی - جو کہ ان کے بڑے علماء میں سے ایک ہے- ؛۱۲۹۲ھ میں شہرِ نجف جہاں امیر المؤمنین کی شہادت گاہ ہے؛ سے اٹھا؛ اوراس نے قرآن میں تحریف ثابت کرنے کے لیے ایک ضخیم کتاب تألیف کی، اوراس کا نام رکھا:

[1] الأنوار النعمانية ٢/ ٣٦٠-٣٦١۔

((فصل الخطاب في اثباتِ تحريف كتاب رب الأرباب .))

اور اس کتاب میں اس نے روایات کا ایک بڑا انبار نقل کیا ہے کو اس کے دعوی پر دلیل ہے کہ اس موجودہ قرآن میں تحریف واقع ہوئی ہے۔''

اس کتاب کے لکھنے میں اس نے اپنے ہاں (شیعہ مذہب) کے اہم مصادر پر اعتماد کیا ہے جس میں کتب حدیث اور تفسیر شامل ہیں۔ اور اس کتاب میں اس نے تحریف کے مسئلہ پر اپنے آئمہ سے ہزاروں روایات نقل کی ہیں۔

اور اس نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ تحریفِ قرآن کا عقیدہ ان کے پرانے علماء کا عقیدہ ہے۔ اس نے اپنی اس کتاب کو تین مقدمات اور دو ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا مقدمہ: اس کا عنوان اس نے ان الفاظ میں لکھا ہے:

'' ان اخبار کے بیان میں جو قرآن جمع کرنے اور اس کے اسباب میں وارد ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ اس کی جمع کے لحاظ سے قرآن معرضِ نقص ہے؛ اور قرآن کی یہ جمع مؤمنین کی جمع کے خلاف ہے۔''

دوسرا مقدمہ: اس کا عنوان مقرر کیا ہے:

'' تغییر کی ان اقسام کے بیان میں جن کا قرآن میں حاصل ہونا ممکن ہے؛ اور جن کا قرآن میں داخل ہونا ممتنع ہے۔''

تیسرا مقدمہ: اس مقدمہ میں اس نے اپنے علماء کے اقوال ذکر کیے ہیں، جو قرآن میں تحریف واقع ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں ہیں۔ یقیناً ان عنوانات کے تحت اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں گل کھلانے کی وہ جرأت رندانہ کی ہے، جس کی کوئی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔

اس وجہ سے میں طوالت سے بچتے ہوئے، پہلے دو مقدمات میں جو کچھ بیان ہوا ہے، اس سے اعراض کرتے ہوئے صرف تیسرے مقدمہ میں طبرسی نے تحریف قرآن کا عقیدہ رکھنے والے اپنے جن علماء کے اسماء نقل کیے ہیں، میں بھی ان ہی کو نقل کرنے پر اکتفاء کروں گا۔ اس نے کہا ہے:

تیسرا مقدمہ: '' قرآن میں تغییر کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ہمارے علماء کے اقوال کے بیان میں۔''

جان لیجیے کہ اس کے بارے ان کے کئی اقوال ہیں، جن میں سے دو زیادہ مشہور ہیں:

پہلا قول: قرآن میں تغییر اور کمی واقع ہوئی ہے۔ یہ شیخ علی بن ابراہیم ۔کلینی کے استاذ ۔کا مذہب ہے؛ اس کی تفسیر میں (ذکر کیا گیا) ہے۔ اس نے شروع میں اس کی صراحت کی ہے، اور اپنی کتاب کو ان روایات سے بھر دیا ہے۔ اور اس قانون کی پابندی کے ساتھ کہ وہ اس کتاب میں صرف اپنے مشائخ اور ثقات سے ہی نقل کرے گا۔

اور اس کے شاگرد ثقۃ الاسلام کلینی (کا بھی یہی مذہب ہے)؛ جیسا کہ (علماء کی) ایک جماعت نے اس کی طرف منسوب کیا ہے؛ اس لیے کہ اس نے اس معنی میں بہت ساری واضح روایات نقل کی ہیں۔

اور اسی عقیدہ پر ثقہ/جلیل القدر محمد بن حسن الصفار کا مذہب اس کی کتاب ''بصائر الدرجات'' میں معلوم ہوتا ہے۔ اور کلینی کے شاگرد محمد بن ابراہیم النعمانی کا اس کی مشہور کتاب ''الغیبۃ'' میں یہی مذہب واضح ہے۔ اور تفسیر صغیر میں بھی، جس میں اس نے آیات کی انواع واقسام ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ یہ علی بن ابراہیم کی تفسیر کے مقدمہ کے درجہ پر ہے۔

اور ثقہ وجلیل شیخ سعد بن عبد اللہ قمی نے اپنی کتاب: ''ناسخ القرآن ومنسوخہ'' میں اسی عقیدہ کی صراحت کی ہے۔ جیسا کہ البحار کی انیسویں جلد میں ہے؛ اس نے باب قائم کیا ہے؛ جس کا عنوان ہے:

((بـاب التحريف في الآيات التي هي خلاف ما أنزل الله عزو جل ؛ مما رواه مشايخنا رحمة الله عليهم من آل محمد عليهم السلام .))

پھر اس نے بہت سی مرسل احادیث نقل کی ہیں۔ ان میں سے بارہویں دلیل ملاحظہ کیجیے:

''اور سید علی بن احمد الکوفی نے کتاب " بدع المحدثه " میں صراحت کی ہے۔ اور ہم پہلے اس معنی میں روایان نقل کر چکے ہیں۔'' یہ اجلۃ المفسرین اور ان کے امام الشیخ الجلیل محمد بن مسعود العیاشی اور شیخ ابراہیم بن فرات الکوفی، اور نقاد ثقہ محمد بن عباس الماہیار، (ان لوگوں) نے اپنی تفاسیر اس معنی کی صریح روایات سے بھر دی ہیں۔ اور جن لوگوں نے اس عقیدہ کی صراحت کی ہے، اس کی نصرت کی ہے ان میں سے شیخ اعظم محمد بن محمد النعمان المفید ہے۔ اور ان ہی میں سے شیخ المتکلمین اور متقدم النوبختیین ابو سہل اسماعیل بن علی بن اسحاق بن ابی سہل بن نو بخت، کئی کتابوں کے مصنف بھی ہے، جس کی کتابوں میں سے ایک کتاب: ''

التنبیہ فی الامامۃ'' بھی ہے۔''الصراط المستقیم'' کے مصنف نے اس سے نقل کیا ہے۔اور اس کا بھانجا شیخ ،متکلم ،فلسفی؛ ابومحمد حسن بن موسیٰ کئی کتابوں کا مصنف؛(بھی ان ہی لوگوں میں سے ہے)۔اسکی ایک کتاب:''الفرق والدیانات'' ہے۔

اور شیخ الجلیل ابواسحٰق ابراہیم بن نوبخت؛ کتاب''الیاقوت'' کا مصنف بھی ہے؛ جس کی شرح علامہ نے کی ہے،اور شروع میں اس کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے:" شیخنا الأقدم ، و امامنا الاعظم ۔"

اور ان میں سے اسحٰق الکاتب بھی ہے جس نے''الحجہ'' کو دیکھا (اللہ اسے جلدی نکال لائے)۔

اور اس طائفہ کے شیخ ، بسا اوقات جس کی عصمت کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے، ابوالقاسم حسین بن روح بن ابی البحر نوبختی ،شیعہ اور حجت علیہ السلام کے درمیان تیسرا سفیر،بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔

اور ان لوگوں میں سے جن کا تحریف القرآن کا عقیدہ ظاہر ہوتا ہے، عالم و فاضل متکلم حاجب بن لیث بن سراج ہے، جیسا کہ اس نے اپنی کتاب''ریاض العلماء'' میں بیان کیا ہے۔''

جن لوگوں نے یہ مذہب (وعقیدہ) اختیار کیا ہے، ان میں سے ایک شیخ الجلیل المقدم فضل بن شاذان نے اپنی کتاب''الإیضاح'' میں کسی مواقع پر اس کا اظہار کیا ہے۔

اور قدیم علماء میں سے اس مذہب کو اختیار کرنے والے محمد بن الحسن الشیبانی (یہ شیعہ عالم ہے؛ اہل سنت عالم محمد بن الحسن الشیبانی نہیں) "نھج البیان عن کشف معانی القرآن" کا مصنف بھی ہے۔''[1]

بـــاب اول : رہا پہلا باب،تو طبرسی نے اس باب کو ان دلائل کے بیان کرنے کے لیے خاص کیا ہے جن سے ان علماء نے قرآن میں تغییر اور نقصان واقع ہونے پر استدلال کیا ہے۔اس باب میں اس نے بارہ دلیلیں ذکر کی ہیں جو اس کے خیال میں قرآن میں تحریف واقع ہونے پر شاہد ہیں۔اور ان میں ہر ایک دلیل کے تحت اس نے آئمۂ اہل بیت سے مزعوم اور من گھڑت روایات کا ایک انبار نقل کیا ہے۔[2]

---

[1] فصل الخطاب : ص ٢٥- ٢٦۔

[2] فصل الخطاب : ص ٣٥۔

بـــاب دوم : جب کہ دوسرے باب میں طبرسی نے ان لوگوں کی دلیلیں نقل کی ہیں، جو کہتے ہیں کہ قرآن میں تغییر واقع نہیں ہوئی؛ اور پھر ان لوگوں پر تفصیلی رد کیا ہے۔''❶

وہ رافضی علماء جنہوں نے تحریف کی نہیں کی اور اس کا سبب

پہلی تین صدیاں گزریں اور رافضیوں کا اس عقیدہ پر اجماع تھا کہ قرآن میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ ابن بابویہ قمی آیا، جسے ان لوگوں کے ہاں ''صدوق'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے؛ جس کا انتقال ۳۸۱ ہجری میں ہوا۔ یہ رافضیوں میں پہلا آدمی ہے جس نے عدم تحریف کا کہا ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں جو کہ ''اعتقادات الصدوق'' کے نام سے مشہور ہے، کہا ہے:

''ہمارا اعتقاد قرآن کے بارے میں؛ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر نازل کیا ہے، اور وہ جو مابین الدفتین موجود ہے؛ اور جو اب لوگوں کے ہاتھوں میں ہے؛ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ سورت الناس تک جس کی سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ اور جس نے ہماری طرف منسوب کیا کہ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ: ''قرآن اس سے زیادہ ہے وہ انسان جھوٹا ہے۔''

طبرسی نے اس کے قول ''ہمارا اعتقاد'' پر یہ کہہ کر تعلیق لگائی ہے: ''اور اس کا یہ کہنا: ''ہمارا اعتقاد'' اور یہ کہنا کہ ''ہماری طرف منسوب کیا'' اگرچہ یہ امامیہ کا اعتقاد اور ان کی طرف منسوب ہے، بس اتنی بات ہے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں وہ کچھ ذکر کیا ہے، جو اس کے علاوہ کسی نے یہ نہیں کہا۔ یا اس کے کہنے والے بہت ہی کم ہیں؛ اس جیسے اس نے امالی میں امامیہ کے دین میں (ان لوگوں کو) شمار کیا ہے۔ مفید نے اپنی شرح میں اس کی طرف اشارہ

کیا ہے؛ اور پر اتنی تنقید کی ہے جس پر کسی زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔''❷

رافضیوں میں صدوق ہی اپنے اس قول میں منفرد رہا، یہاں تک کہ مرتضی (م ۴۳۶ھ) آیا، اور اس نے صدوق کے قول کی موافقت کی۔ اور ابو جعفر طوسی (م ۴۶۰ھ)، مرتضے کے شاگرد نے بھی ان دونوں کی موافقت کی۔ شیخ طوسی نے کہا ہے:

---

❶ فصل الخطاب : ص ۳۵۔

❷ فصل الخطاب : ص ۳۲۔

"یہ کہنا کہ اس میں زیادہ ہوا ہے یا کم ہوا ہے؛ یہ ایسی بات ہے جس کا کہنا قرآن کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں زیادہ ہونے کے بطلان پر مجمع علیہ مسئلہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا مذہب اس میں نقصان کے بھی خلاف ہے۔

اور یہ بات اس کے لائق اور ہمارے مذہب میں صحیح ہے۔ اور اسی کی نصرت مرتضے نے کی ہے۔"❶

قدیم علماء رافضہ میں سے یہی تین افراد ایسے ہیں جنہوں نے قرآن میں تحریف کا نہیں کہا۔ اور ان کے دور تک کوئی ان کے قول کا موافق اور حامی نہیں ملا، جیسا کہ ان کے علماء نے خود اس کی صراحت کی ہے۔ نوری الطبرسی نے "فصل الخطاب" میں تحریف قرآن کے متعلق رافضہ کے اقوال میں سے پہلا قول نقل کرنے کے بعد یہ قول نقل کیا ہے؛ اس سے پہلے ہم وہ نصوص بیان کر چکے ہیں۔

وہ کہتا ہے: "دوسرا قول اس میں نقص اور تغییر نہ واقع ہونے کا ہے۔ اور یہ کہ جو کچھ بھی رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا، وہ اب بھی لوگوں کے ہاتھوں میں دو پہلوؤں کے درمیان موجود ہے۔ اور صدوق نے بھی اپنے عقائد میں اسی قول کو اختیار کیا ہے؛ اور سید مرتضے اور شیخ اطائفہ نے "التبیان" میں یہی مذہب اپنایا ہے۔ اور قدماء میں کوئی ان کا موافق معلوم نہیں ہوا ہے"❷

پھر ان کے بعد ابوعلی الطبرسی (م۵۴۸ھ) آیا؛ اور اس نے ان تینوں کے قول کی موافقت کی۔ نوری الطبرسی کہتا ہے:

"اور جن لوگوں نے اس قول کی صراحت کی ہے ان میں ایک شیخ ابوعلی الطبرسی نے (مجمع البیان) میں (یہ قول اپنایا ہے)۔ پھر وہ (نوری) کہتا ہے: اور ان کے طبقہ تک کوئی واضح اختلاف معلوم نہیں ہوا سوائے ان چار لوگوں کے۔"❸

علامہ احسان الٰہی ظہیر فرماتے ہیں: "پھر دوسرے دور میں یعنی چوتھی صدی ہجری کے نصف سے لے کر چھٹی صدی ہجری تک ان دو صدیوں میں شیعہ سے ان چار افراد سے پہلی بار یہ قول ظاہر ہوا، ان کا کوئی پانچواں نہیں۔ جیسا کہ ہم نے ان کی تفاسیر احادیث اور عقائد کی کتابوں کی چھان بین کی ہے۔ اور یہی

---

❶ التبیان ۱/ ۳۔ ❷ فصل الخطاب : ص ۳۲۔

❸ فصل الخطاب : ص ۳۲۔

بات نوری الطبرسی نے کہی ہے۔'' ❶

ہم دیکھتے ہیں کہ علماء رافضہ کی اس کثرت کے باوجود ان چار کے علاوہ کوئی ایک ایسا نہیں ہے جس نے تحریف قرآن کا نہ کہا ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ان چاروں نے اپنے آئمہ سے ایک بھی دلیل اپنے ان مخالف شیعہ علماء کے رد پر نہیں ذکر کی جنہوں نے تحریف قرآن کے بارے میں سینکڑوں جھوٹی روایات گھڑ کر اپنے آئمہ سے نقل کی ہیں۔ بلکہ معاملہ یہاں پر بھی الٹ ہے، انہوں نے اپنے آئمہ سے چند ایسی روایات اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں جو تحریف پر دلالت کرتی ہیں، مگر انہوں نے ان روایات پر تنقید نہیں کی۔

(تحریف کی روایات):

ان روایات میں سے وہ روایت جسے صدوق نے کتاب الخصال میں روایت کیا ہے، جابر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے:

''قیامت کے روز تین آئیں گے، وہ اللہ کی بارگاہ میں شکایت کر رہے ہوں گے: قرآن، مسجد اور عترت (اولاد)۔ قرآن کہے گا: مجھے جلا ڈالا، اور مجھے پھاڑ ڈالا۔ مسجد کہے گی: ''مجھے چھوڑ دیا، اور مجھے ضائع کر دیا۔ اور عترت (اولاد) کہے گی: ''اے رب! ہمیں قتل کیا؛ اور ہمیں گھروں سے نکالا؛۔ وہ اپنے فریق مخالف کو جڑ سے اکھیڑ ڈالیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کہے گا: یہ [بدلہ] میرے ذمہ ہے، اور میں اس کا زیادہ حق دار ہوں۔'' ❷

اور (کتاب) '' من لا یحضرہ الفقیہ '' میں متعہ کے جواز پر استدلال کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے متعہ کو حلال کیا، اور مرتے وقت تک اسے حرام نہیں کیا۔ ابن عباس کی قرأت ہے: ﴿ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ إلى أجل مسمى فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً مِنَّ اللّٰهَ﴾ ''تو جن عورتوں سے تم ایک مقررہ وقت تک کے لیے فائدہ حاصل کرو اُن کا مہر ادا کر دو جو تم پر اللہ کی طرف سے فریضہ ہے۔'' ❸

---

❶ الشیعة و تحریف القرآن ص ٦٥۔

❷ الخصال : ص: ١٧٥۔ صحیح آیت اس طرح ہے: ﴿ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيماً حَكِيماً ﴾ (النساء: ٢٤) ''تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو اُن کا مہر جو مقرر کیا ہوا ادا کر دو اور اگر مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کر لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''

❸ من لا یحضرہ الفقیہ ٣/ ٢٩٩۔

اور طوسی نے بھی وہ روایات نقل کی ہیں جو تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں، ان میں سے: ابراہیم بن محمد سے نقل کردہ روایت ہے وہ کہتے ہیں: میں نے سنا جعفر بن محمد علیہ السلام پڑھ رہے تھے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحاً وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ و آل محمد عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (آل عمران: ۳۳)

''بے شک اللہ نے آدم اور نوح کو اور خاندانِ ابراہیم اور خاندانِ عمران اور خاندانِ محمد کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا۔''

پھر انہوں نے کہا یہ آیت ایسے ہی نازل ہوئی ہے'' [1] (یعنی آل محمد کے ذکر کے ساتھ)۔ اور جابر بن عبداللہ سے ایک لمبی روایت نقل کی ہے، جس میں ہے:

''ہم نے دیکھا کہ جبریل امین نے آپ کو ڈھانک لیا؛ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

﴿فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُم مُّنتَقِمُونَ بعلي o أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِم مُّقْتَدِرُونَ﴾ [2]

''اگر ہم تم کو (وفات دے کر) اٹھالیں تو ان لوگوں سے ہم علی کا انتقام لے کر رہیں گے۔ یا (تمہاری زندگی ہی میں) تمہیں وہ (عذاب) دکھا دیں جن کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے ہم ان پر قابو رکھتے ہیں۔'' (حضرت علی کا نام آیت میں داخل کر دیا)

اس کے بعد پھر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿قُل رَّبِّ إِمَّا تُرِيَنِّي مَا يُوعَدُونَ o رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ o وَإِنَّا عَلَى أَن نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَادِرُونَ o ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ﴾ (المؤمنون: ۹۳-۹۶)

---

[1] جب کہ درست آیت اس طرح ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحاً وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (آل عمران: ۳۳) ''بے شک اللہ نے آدم اور نوح کو اور خاندانِ ابراہیم اور خاندانِ عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا۔''

[2] أمالي الطوسي ص: ٣٠٦۔ جب کہ درست آیتیں اس طرح ہیں: ﴿فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُم مُّنتَقِمُونَ ☆ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِم مُّقْتَدِرُونَ﴾ الزخرف: ٤١-٤٢) ''اگر ہم تم کو (وفات دے کر) اٹھالیں تو ان لوگوں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے۔ یا (تمہاری زندگی ہی میں) تمہیں وہ (عذاب) دکھا دیں جن کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے ہم ان پر قابو رکھتے ہیں۔''

''کہہ دیجیے اے پروردگار! جس عذاب کا ان (کفار) سے وعدہ ہو رہا ہے اگر تو میری زندگی میں ان پر نازل کر کے مجھے بھی دکھا دے تو اے پروردگار! مجھے (اس سے محفوظ رکھئے) اور ان ظالموں میں شمار نہ کیجئے۔ اور جو وعدہ ہم ان سے کر رہے ہیں ہم تم کو دکھا کر ان پر نازل کرنے پر قادر ہیں۔ اور بُری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو اور جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے۔''

اور پھر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ من أمر علی بن أبي طالب اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ☆وإن علياً لَعَلم للساعة ولك و لقومك ولَسَوْفَ تُسْأَلُوْنَ عن محبة علي بن ابي طالب عَلَيْهِ السَّلَام ﴾ ❶

''پس تمہاری طرف جو وحی کی گئی ہے حضرت علی کے معاملہ کے بارے میں اس کو مضبوط پکڑے رہو بیشک تم سیدھے رستے پر ہو۔ اور بے شک علی قیامت کی نشانی ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے اور تم سے عنقریب پرسش ہوگی محبت علی کے بارے میں۔'' ❷

اور طبرسی اپنی کتاب مجمع البیان میں کہتا ہے، یہ وہ کتاب ہے جس میں اس نے قرآن میں عدمِ تحریف کا کہا ہے: ''عمر بن خطاب اور عبداللہ بن زبیر نے یوں پڑھا ہے:

﴿صراط من أنعمت عليهم ﴾ ❸

''راہ اس انسان کی جس پر تو نے انعام کیا۔''

یہ قرأت اہل بیت عَلَيْهِ السَّلَام سے بھی منقول ہے۔ نیز وہ کہتا ہے: حضرت عمر بن خطاب کی قرأت یوں ہے: ﴿غير الضالين﴾ ❹

---

❶ جب کہ صحیح آیات اس طرح ہیں: ﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ☆وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْأَلُوْنَ ﴾ (الزخرف: ٤٣-٤٤) ''پس آپ کی طرف جو وحی کی گئی ہے اس کو مضبوط پکڑے رہو بیشک تم سیدھے رستے پر ہو۔ اور یہ (قرآن) تمہارے لیے اور تمہاری قوم کے لیے نصیحت ہے اور (لوگو!) تم سے عنقریب پرسش ہوگی۔''

❷ أمالي الطوسي ص: ٣٧٣-

❸ مجمع البيان ١/ ٢٨-

❹ مجمع البيان ١/ ٢٨-

اور یہی قرأت علی عَلَیْہِ السَّلام سے بھی نقل کی گئی ہے۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مشائخ جو قرآن میں عدم تحریف کا کہتے تھے ،مگر اس کا خود اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ ورنہ وہ ان روایات کو بغیر کسی تعلیق ؛ اوران پر جرح کیے بغیر اپنی کتابوں میں روایت نہ کرتے۔ اس وجہ سے ایک اہم سوال یہاں پر پیدا ہوتا ہے ،وہ یہ کہ: ''ان علماء نے عدم تحریف کے قول کا اظہار کیوں کیا،جب کہ وہ اس کے معتقد نہیں تھے؟

جو لوگ ان کے عقائد جانتے ہیں ان کے لیے اس سوال کا جواب بڑا ہی واضح ہے۔لیکن اس کے باوجود ہم اپنی طرف سے کوئی جواب نہیں دیں گے؛ بلکہ ان ہی لوگوں کی زبانی اس کا جواب دیں گے۔ نعمت اللہ الجزائری تحریف فی القرآن پر امامیہ کا اجماع ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے:

''ہاں !اس میں مرتضی ،صدوق ،اور شیخ طبرسی نے مخالفت کی ہے۔اورانہوں نے حکایت نقل کی ہے کہ جو قرآن ما بین الدفتین (غلاف کے دو پہلوؤں کے درمیان) موجود ہے ، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے،اس میں کچھ بھی اس کے علاوہ نہیں ہے۔اوراس میں کوئی تبدیلی یا تحریف واقع نہیں ہوئی......'' اور یہ ظاہر ہے کہ اس قول کا اظہار ان سے کئی مصلحتوں کی بنا پر ہوا ہے۔ان میں سے ایک (مصلحت شیعیت پر) طعن کا دروازہ بند کرنا ہے۔اس طرح کہ اگر قرآن میں تحریف کو جائز سمجھا جائے تو پھر اس کے احکام اورقواعد پر عمل کیسے اور کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔-اس کا جواب عنقریب آئے گا -۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان چوٹی کے علماء نے اپنی کتابوں میں بہت ساری ایسی روایات نقل کی ہیں جو قرآن میں ان امور کے واقع ہونے پر شاہد ہیں۔اور یہ کہ فلاں آیت ایسے نازل ہوئی تھی ؛ پھر اسے ایسے بدل دیا گیا۔'' [1]

اور نوری طبرسی شیخ طوسی کی طرف سے اپنی کتاب مجمع البیان میں عدم تحریف قرآن کا قول نقل کرنے پر معذرت پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:

''کتاب ''التبیان'' میں غور وفکر کرنے والے پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس بارے میں ان کا طریقہ مدارت اور دشمن کے ساتھ چل چلاؤ کا ہے۔بے شک آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس

[1] الأنوار النعمانية ٢/ ٣٥٨؛ ٣٥٩۔

آیات کی تفسیر میں قتادہ ،حسن ،ضحاک ؛ سدی ،ابن جریج ؛ اور جبائی اور زجاج اور ابن زید اور ان کے امثال کے اقوال نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اور امامیہ میں سے کسی ایک کا قول بھی نقل نہیں کیا۔اور نہ ہی ائمہ علیہم السلام میں سے کسی ایک سے کوئی خبر/ حدیث نقل کی ہے ، سوائے چند ایک مقامات کے۔ شاید کہ مخالفین نے ان کی کچھ موافقت کی ہو۔ بلکہ پہلے لوگوں نے مفسرین کے پہلے طبقہ میں شمار کیا ہے ،جن کے طریقہ کی تعریف کی گئی ہے ،اوران کے مذاہب کی مدح بیان ہوئی ہے۔ یہ تو غرائب کی منزلت پر ہے ،اگر یہ چل چلاؤ کا قصہ نہ ہوتا۔ یہ عین ممکن ہے کہ مذکورہ قول ان کی طرف سے بھی اسی طور پر ہو۔'' [1]

اور جو چیز اس کتاب میں تقیہ کیے جانے پر دلالت کرتی ہے وہ ان کے شیخ الجلیل علی بن طاؤوس کی "سعد السعود "میں ذکرکردہ روایت ہے۔جس کے الفاظ یہ ہیں:

''ہم وہ روایت ذکر کرتے ہیں جو میرے دادا ابوجعفر الطّوسی نے کتاب ''التبیان'' میں حکایت کی ہے۔تقیہ نے ان کو اس میانہ روی پر ابھارا ہے کہ وہ مکی اور مدنی سورتوں اور ان اوقات میں اختلاف پر اکتفاء کریں۔ وہ اس کو زیادہ جانتے ہیں جو کچھ انہوں نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے ؛ اور جو کوئی ان کے اس مقام پر غور وفکر کرے گا اس پر یہ بات مخفی نہیں رہے گی۔'' [2]

اس سے اب کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ ان چاروں نے عدمِ تحریف کا قول صرف تقیہ کی وجہ سے اور اہلِ سنت کو دھوکہ دینے کے لیے اختیار کیا ہے۔ اور آج کے رافضہ ان ہی کی راہ پر چلتے ہیں کہ قرآن میں عدمِ تحریف کے قول کا اظہار کرتے ہیں ؛ اور اپنے اصلی عقیدہ کو چھپا کر رکھتے ہیں۔

قرآن کے متعلق معاصر علماء رافضہ کا عقیدہ

میں اس سے پہلے پہلی صدی ہجری سے لے کر تیرھویں صدی ہجری تک کے رافضی علماء کا تحریفِ قرآن کے متعلق عقیدہ ذکر کیا۔ اوران تمام کا نظریہ تھا کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ نے اس

---

[1] مذکورہ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن میں عدمِ تحریف کا قول مخالفین کو رام کرنے کے لیے اختیار کیا ہے ،ورنہ وہ دل سے اس کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے ،جس پر ان کی کتابوں میں جمع کردہ روایات گواہ ہیں۔

[2] فصل الخطاب ص ٣٤۔

قرآن میں تحریف کردی تھی۔ اوراس موجودہ قرآن میں تغییر وتحریف اور تبدیلی اور تقدیم وتاخیر واقع ہوئی ہے۔ اور یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ترتیب کے مطابق نہیں ہے۔

اور یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں سوائے چار افراد اس عقیدہ کا مخالف کوئی بھی نہیں ملتا؛ جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اور ان کا یہ اختلاف تقیہ اور نفاق کی بنیاد پر تھا۔ وگرنہ وہ بھی ان لوگوں کے اسی عقیدہ پر ہیں۔

اور میں نے ان میں سے ہر ایک کی دلیلیں ان کے اہم مصادر سے نقل کی ہیں۔ اب اس کے بعد شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ شروع سے لے کر آج تک کے رافضی علماء کا عقیدہ قرآن میں تحریف واقع ہونے کے متعلق ہی رہا ہے۔

اب میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اس عرصہ -یعنی پہلی صدی سے چودھویں صدی تک- کے بعد جو رافضی علماء آئے ہیں، تحریف قرآن کے متعلق ان کا عقیدہ بھی وہی اپنے اسلاف کا عقیدہ ہے۔ مگر ان میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ یہ لوگ کھل کر اپنے عقیدہ کا اظہار کرسکیں۔ خاص کر جب سے نوری طبرسی نے ۱۲۹۲ ھ میں اپنی کتاب ''فصل الخطاب'' تألیف کی؛ جس نے عام مسلمانوں کے سامنے رافضیوں کا پردہ چاک کرکے رکھ دیا۔ جس کی وجہ سے ان پر ہر طرف سے طعن وتشنیع کی بھرمار ہوگئی۔ اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ گری نہ رہی کہ وہ اپنے اس عقیدہ کو تقیہ کے پردہ میں چھپا دیں۔ اور اپنے اس عقیدہ کا انکار کرنے لگے، اور کتابیں لکھ کر اہل سنت کے درمیان نشر کیں جس میں ان کے اس عقیدہ کا انکار تھا۔ بلکہ اپنے اس اجماع کا دعوی کرنے لگے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔ اور یہ کہ جس نے ان سے تحریف قرآن کا عقیدہ نقل کیا ہے وہ ان کے مذہب سے جاہل ہے، اوراس نے ان پر بہتان گھڑا ہے۔'' [1]

یہ لوگ اپنے اس عقیدہ کو چھپانے کی جتنی بھی کوششیں کرلیں، اور اپنے عقیدہ کے خلاف ظاہر کرکے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوششیں کریں؛ مگر ان کی کتابوں وہ روایات موجود رہیں گی جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے نفاق، مکر اور دھوکہ بازی کو ظاہر کریں گے۔

آپ کے سامنے ان کی کتابوں میں نقل کردہ بعض وہ روایات پیش کی جارہی ہیں جو ان کے تحریف القرآن کے عقیدہ پر دلالت کرتی ہیں:

---

[1] اجوبة مسائل جار الله ص: ۳۳؛۳٤۔ اعیان الشیعة ۱/ ٤۱۔

ان کا امام مقدس، اس زمانے میں جس کے کسی حکم کی مخالفت نہیں کی جاتی، امام المعصوم کا نائب آیۃ اللہ الخمینی اپنی فارسی زبان کی کتاب: " کشف الإسرار " میں؛ یہ وہ کتاب ہے جس میں خمینی نے اپنے عقائد بیان کیے ہیں؛ (اس میں) عقیدہ تحریف القرآن اور صحابہ کے متعلق بیان کرتے ہوئے بغیر کسی تقیہ کے صراحت کے ساتھ کہتا ہے:

''اگر بات صرف مسئلہ امامت کی ہو؛ وہ تو قرآن سے ثابت ہو چکا ہے۔ بے شک وہ لوگ جن کا قرآن اور اسلام سے مقصود دنیاوی اغراض اور حکومت کے سوا کچھ بھی نہیں؛ وہ قرآن کو اپنی ناکارہ خواہشات کو پورا کرنے کے لیے وسیلہ کے طور پر اختیار کرتے تھے۔ اور وہ ان آیات کو وہ قرآن کے صفحات سے حذف کرتے، اور جہان والوں کی نظروں سے قرآن کو ہمیشہ کے لیے گراتے۔ اور اس طرح مسلمانوں اور قرآن پر-ہمیشہ کے لیے-عیب لگاتے۔ اور اس عیب کو قرآن میں ثابت کرتے جو مسلمانوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں سے لیے ہیں۔'' ❶

خمینی قرآن کی صحت کے بارے میں شک ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتا ہے:

اگرچہ امامت اصول دین میں سے چوتھی اصل تھی؛ اور اگرچہ مفسرین کہتے ہیں کہ قرآن کی اکثر آیات امامت کے اثبات میں ہیں۔ تو پھر کیونکر اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ اپنے قرآن میں اس اصول کی طرف اشارہ نہیں کیا؛ تاکہ اس اہم ترین مسئلہ میں جھگڑا نہ پیدا ہوتا۔'' ❷

اور خمینی نے اپنے کتاب میں تحریر والوسیلہ میں یہ لکھا ہے:

''اور مسجد کو ویران کرنا (چھوڑ دینا) مکروہ ہے۔ اور یہ بھی روایات میں وارد ہوا ہے کہ وہ تین میں سے ایک ہے جو اللہ کی بارگاہ میں شکایت کریں گے۔'' ❸

ان کے معتمد مصادر کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ تین کون سے ہیں جو اللہ کی

---

❶ کشف الإسرار ترجمه محمد أحمد خطیب ص : ۱۳۱۔

❷ کشف الإسرار ترجمه محمد أحمد خطیب ص : ۱۲۱۔

❸ تحریر الوسیلة ۱/ ۱۳۹۔

بارگاہ میں شکایت کریں گے، اوران کی طرف خمینی نے اشارہ کیا ہے۔ کتاب الخصال میں ہے:

''قیامت کے روز تین آئیں گے: قرآن، مسجد اور عترت (اولاد)۔ قرآن کہے گا: مجھے جلا ڈالا، اور مجھے پھاڑ ڈالا......''❶

قرآن کے بارے میں خمینی کا یہ عقیدہ ہے۔ وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ بے شک صحابہ نے قرآن میں تحریف کی، اور اس سے حضرت علی بن ابی طالب کا نام خذف کر ڈالا جو کئی ایک مواقع پر اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ بیان کیا تھا۔ اس کا ہدف حضرت علی کا حق غصب کرنا اور رسول اللہ ﷺ کے بعد مسندِ خلافت پر متمکن ہونا تھا۔

یہی عقیدہ اس کے اسلاف رافضی علماء کا بھی تھا۔ تو اس میں کوئی انہونی بات نہیں ہے کہ آج کل کے رافضیوں اور خمینی کا یہی عقیدہ ہو جو ان کے اسلاف کا تھا۔ آج کے رافضی علماء کا وہی عقیدہ ہے جو ان کے سابقہ لوگوں کا ہے۔ اس لیے کہ معاصرین نے علوم اپنے اسلاف کی ان کتابوں سے لیے ہیں جن اس فاسد عقیدہ پر رافضی علماء کے اجماع کی صراحت ہے۔ بلکہ یقینی طور پر عجیب بات یہ ہے مسلمانوں میں سے کسی کو ان اس فاسد عقیدہ کی خبر نہ ہو۔

آج کل کے رافضی علماء کا یہ دعوی کرنا کہ انہوں نے یہ عقیدہ چھوڑ دیا ہے (ایک خالص جھوٹ اور تگڑا تازہ تقیہ ہے)۔ بلکہ ان کے علماء کا آج بھی اس خبیث عقیدہ پر اجماع ہے۔ معاصرین رافضی علماء کے تحریف القرآن کے عقیدہ پر اجماع کی دلیل ان کی کتاب ''تحفۃ عوام مقبول'' ہے؛ یہ کتاب اردو زبان میں طبع شدہ ہے۔ جس کے تصدیق ان کے کئی چوٹی کے مشہور معاصر علماء نے کی ہے۔ جن کے نام اس کتاب کے پہلے صفحہ پر موجود ہیں؛

۱۔ علامہ فقیہ، آیت اللہ العظمی الحاج السید محمود الحسینی (نجف أشرف)۔

۲۔ علامہ فقیہ، آیت اللہ العظمی الحاج السید ابو القاسم الخوئی (نجف أشرف)۔

۳۔ علامہ فقیہ، آیت اللہ العظمی الحاج السید محمد کاظم شریعت داری (قم)۔

۴۔ علامہ فقیہ، آیت اللہ العظمی الحاج السید محسن الحکیم الطباطبائی (نجف أشرف)❷

❶ الخصال : للصدوق ص: ۱۷۵۔

❷ تحفۃ عوام مقبول ص: ۱؛ ۲۔

اور اس کتاب کی تقریظ ایسے آدمی نے لکھی ہے جس پر یہ لوگ ثقۃ الاسلام کے لقب کا اطلاق کرتے ہیں ،یعنی الحاج محمد بشیر اُنصاری۔ ❶

اس کتاب میں تقریباً دوصفحات پر عربی نص ہے۔ یہ ایک دعاء ہے، جسے وہ ''قریش کے دو بتوں کی دعا'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ۔ سے مراد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو لیتے ہیں۔؛

اس دعاء حضراتِ شیخین کریمین پر وہ سب وشتم اور گالم گلوچ ہے جس کا الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ میں اس دعا سے صرف اتنا ہی یہاں پر ذکر کروں گا جو موضع شاہد ہے ،(یعنی جہاں ہمارے مؤقف کی دلیل موجود ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:

((بسم الله الرحمن الرحيم۔ اللهم العن صنمى قريش ؛ وجبتيهما ، وطاغوتيهما ؛ و إفكيهما ، وانتيهما ؛ اللذين خالفا أمرك ، وأنكرا وحيك ، وعصيا رسولك ، وقلبا دينك ، وحرفا كتابك .))

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اے اللہ ! قریش کے دونوں بتوں پر لعنت کر، اوران کے سرکش شیطانوں پر، اور طاغوتوں پر؛ ان دونوں بہتان گھڑنے والوں پر، اوران دونوں کی بیٹیوں پر؛ وہ دوجنہوں نے تیرے حکم کی مخالف کی؛ اور تیری وحی کا انکار کیا، اور تیرے رسول کی نافرمانی کی ؛ اور تیرے دین کو جن دونوں نے بدل ڈالا ،اور جن دونوں نے تیرے قرآن میں تحریف کی۔'' ❷

ان کے معاصر علماء کی کتابوں سے نصوص ذکر کرنے کے بعد ہمارے لیے بذیل نتیجہ نکلتا ہے:

یہ کہ آج کل کے معاصر شیعہ علماء جن کی ترجمانی ان سابقہ لوگوں سے ہوتی ہے جن کا ذکر ابھی گزر چکا؛ یہ سارے کے سارے قرآن کے محرف ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ صحابہ کرام نے اس سے بہت ساری وہ آیات حذف کردیں جو اہل بیت کے فضائل پر دلالت کرتی تھیں، اوراس کا مقصد یہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مسندِ خلافت پر متمکن ہوجائیں۔

باقی رہے وہ علماء جو آج کل عدمِ تحریف کے عقیدہ کی صراحت کرتے ہیں؛ یہ محض تقیہ ہے جسے وہ

---

❶ تحفة عوام مقبول ص: ٨۔

❷ تحفة عوام مقبول ص: ١؛ ٢۔

اپنے لیے ڈھال بناتے ہیں، اس لیے کہ اگر وہ کھل کر اس عقیدہ کا اظہار کریں تو انہیں اس خبیث عقیدہ کی وجہ سے بہت ہی خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑے۔ اور اس کی صراحت ہندوستان کے ایک شیعہ عالم نے کی ہے، وہ کہتا ہے:

''بے شک وہ شیعہ علماء جو تحریفِ قرآن کے عقیدہ کا انکار کرتے ہیں؛ اس پر صرف تقیہ نے ان کو آمادہ کیا ہے۔'' ❶

علماء رافضہ کے ہاں تحریف کی روایات

نوری الطبرسی نے اپنی کتاب " فصل الخطاب " کی فصل نمبر گیارہ؛ باب اول (میں یہ روایات نقل کی ہیں)، جس کو اس نے عنوان دیا ہے:

((الأخبار الكثيرة المعتبره الصريحة في وقوع السقط ودخول النقصان في الموجود من القرآن .))

''موجودہ قرآن میں سقط کے واقع ہونے، اور نقصان کے داخل ہونے کے بارے میں بہت ساری معتبر اور صریح اخبار۔''

اور اسی باب کی بارھویں فصل میں، جس کو اس نے عنوان دیا ہے:

''قرآن کے بعض کلمات، اور آیات اور سورتوں میں تغییر واقع ہونے پر دلالت کرنے والے بعض وارد مخصوص اخبار۔''

صرف ان دو فصلوں میں قرآن میں تحریف واقع ہونے کی روایات بہت بڑی تعداد میں جمع کی ہیں، جن کی (۱۶۰۲) بنتی ہے۔ جو روایات ان سے پہلی دس فصلوں میں اور مقدمہ میں جمع کی ہیں، وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اور پھر اپنی جمع کردہ روایات کی قلت پر عذر پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:

''قلتِ ساماں کے ساتھ ہم یہاں پر صرف وہ روایات جمع کر رہے ہیں جن سے ہمارا دعوی ثابت ہو جائے۔'' ❷

---

❶ تصحیف كتابین ص: ۱۸؛ بواسطة احسان الهی ظهیر : الرد علی الدكتور علي عبد الواحد وافی ،فی کتابه : " بين الشيعة و أهل السنة ۔" ص: ۹۳۔

❷ فصل الخطاب : ص ۲٤۹۔

اور پھر ان روایات کی توثیق کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اور جان لیجیے کہ یہ اخبار ان معتبر کتابوں میں منقول ہیں جن پر ہمارے اصحاب کا احکامِ شریعت اور آثارِ نبویہ ثابت کرنے میں اعتماد ہے۔''❶

تحریف کے متعلق یہ وہ روایات ہیں جو نوری طبرسی نے قلتِ سامان کے باوجود اپنی کتاب میں نقل کی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ روایات ان کے علماء کے ہاں ثقہ ہیں، جیسا کہ طبرسی نے ذکر کیا ہے؛ اور کئی ایک مشہور رافضی علماء نے ان روایات کے مشہور ہونے کا؛ بلکہ متواتر ہونے کا دعوی بھی کیا ہے۔ مفید نے کہا ہے: '' آئمہ ہدایت آلِ محمد ﷺ سے اختلاف قرآن؛ اور جو کچھ بعض ظالموں نے اس میں حذف اور کمی کی ہے؛ کے متعلق اخبار شہرت کے ساتھ آئی ہیں۔''❷

اور ایک بڑا شیعہ مفسر ہاشم البحرانی اپنی تفسیر ''البرهان'' کے مقدمہ میں کہتا ہے:

''جان لیجیے کہ وہ حق جس سے کوئی راہِ فرار نہیں ہے، جیسا کہ آنے والی متواتر اخبار میں ہے؛ اور ان کے علاوہ دوسری خبروں میں: '' بے شک یہ قرآن جو ہمارے ہاتھوں میں ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کے بعد تغیرات واقع ہوئے ہیں؛ اور جن لوگوں نے آپ کے بعد اسے جمع کیا تھا، انہوں نے بہت ساری آیات اور کلمات اس سے خارج کر دیے ہیں۔''❸

نیز وہ کہتا ہے:

''اور میرے پاس یہ بات (تحریف و تغییر قرآن) وضاحت کے ساتھ ثابت ہے، اس کے بعد کہ میں نے اخبار کو چھان مارا، اور روایات کو کھنگالا۔ اس طرح یہ حکم لگانا ممکن ہے کہ یہ عقیدہ شیعہ مذہب کی ضروریات میں سے ہے؛ اور یہ بھی کہ خلافت غصب کرنے کا ایک بڑا اہم مقصد ہے۔''❹

محمد باقر مجلسی تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی بعض روایات کی شرح کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اور خواص اور عوام کی سندوں سے (قرآن میں) نقص اور تغییر واقع ہونے کی خبریں متواتر ہیں۔ اور عقل بھی یہ بات کہتی ہے: جب قرآن لوگوں کے پاس پھیلا ہوا (منتشر) تھا؛ اب

---

❶فصل الخطاب : ص ٢٤٩۔ ❷أوائل المقالات : ص ٩١۔

❸مقدمة تفسير البرهان ص ٣٦۔ ❹ مقدمة تفسير البرهان ص ٣٦۔

غیرِ معصوم کی اس کو جمع کرنے کی کوشش کرنا؛ یہ بات عادتاً ناممکن ہے کہ اسے واقع کے مطابق جمع کیا جائے۔'' [1]

اور نعمت اللہ الجزائری نے کہا ہے: ''بے شک وہ احادیث جو تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں ان کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔ ان کے مشہور ہونے کا دعوی ایک جماعت نے کیا ہے، جیسے مفید، اور محقق داماد؛ اور علامہ مجلسی؛ اور ان کے علاوہ باقی لوگ۔ بلکہ شیخ طوسی نے بھی ''التبیان۔'' میں ان (روایات) کی کثرت کی صراحت کی ہے؛ بلکہ یہ دعوی کیا ہے کہ ایک جماعت نے تواتر کے ساتھ روایت کیا ہے۔'' [2]

اس نے یہ بھی کہا ہے: اس کے وحی الٰہی ہونے کے تواتر کا؛ اور اس سارے قرآن کا جبریل امین کا نازل کردہ ہونا تسلیم کرنا؛ یہ مشہور اخبار کو رد کرنے کی طرف لے کر جاتا ہے؛ بلکہ متواتر اخبار کو بھی؛ جو کہ صراحت کے ساتھ قرآن میں تحریف واقع ہونے پر دلالت کرتی ہیں؛ اپنے کلام؛ مواد، اور اعراب ہر اعتبار سے۔ اور ہمارے اصحاب نے ان احادیث کی صحت اور تصدیق پر اتفاق کیا ہے۔'' [3]

ان روایات کے ان کے ہاں مشہور اور متواتر ہونے پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ: بہت سارے شیعہ علماء نے تحریف ثابت کرنے لیے علیحدہ سے (مستقل) کتابیں لکھی ہیں۔ جو ان کے ہاں کثرت روایات اور اس عقیدہ کے ان کے ہاں مشہور ہونے پر دلالت کرتی ہے۔''

نوری الطبرسی اپنی کتاب ''فصل الخطاب۔'' میں لکھتا ہے: ''ان راویوں کے حالات زندگی جاننے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب ان میں شائع اور منتشر تھا، یہاں تک انہوں نے اس مسئلہ میں جداگانہ کتابیں لکھی ہیں؛ ان میں سے:

۱۔ شیخ، ثقہ، أحمد بن محمد بن خالد البرقی ہیں؛ جنہوں نے کتاب ''المحاسن۔'' لکھی ہے، جو کئی کتابوں پر مشتمل ہے۔ اور طوسی نے اپنی ''الفہرست۔'' اور نجاشی نے ان کی کتابوں میں سے ایک ''کتاب التحریف۔'' کو بھی شمار کیا ہے۔

۲۔ شیخ احمد کے والد شیخ / ثقہ محمد بن خالد بھی ہیں۔ نجاشی نے ان کی کتابوں میں سے ایک ''کتاب التنزیل والتغییر۔'' بھی شمار کی ہے۔

---

[1] مرآة المعقول في شرح أخبار الرسول ۳/ ۱۳۔ [2] بواسطه نوری طبرسی : فصل الخطاب ص ۲۴۸۔
[3] الأنوار النعمانیه ۲/ ۲۵۷۔

۳۔ ان میں سے ایک شیخ، ثقہ، جن سے حدیث میں کبھی کوئی غلطی نہیں ہوئی، جیسا کہ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے: علی بن حسن بن فضال ہیں، ان کی کتابوں میں سے ایک: "کتاب التنزیل من القرآن و التحریف۔" بھی شمار کی جاتی ہے۔

۴۔ محمد بن حسن الصیرفی: فہرست میں اس کی کتاب "کتاب التحریف و التبدیل۔" بتائی گئی ہے۔

۵۔ محمد بن أحمد بن سیار: شیخ اور نجاشی نے اس کی کتابوں میں "کتاب القراء ات۔" کو شمار کیا ہے۔ ثقہ ماہیار نے اس سے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے؛ اور ایسے ہی شیخ حسن بن سلیمان الحلی شاگردِ شہید نے مختصر البصائر میں، اور اس کا نام رکھا ہے: "التنزیل و التحریف۔"

۶۔ ثقہ؛ الجلیل محمد بن العباس بن علی بن مروان الماہیار المعروف بابن حجام: فہرست میں اس کی کتاب کا نام بتایا گیا ہے: "کتاب قرأۃ أمیر المؤمنین علیہ السلام۔" اور کتاب "قرأة أهل بيت عليهم السلام۔" اس نے اپنی کتب میں تحریف کے بارے میں بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں۔

۷۔ ابو طاہر عبد الواحد بن عمر القمی: ابن شہر آشوب نے معالم العلماء میں ذکر کیا ہے اس کی ایک کتاب ہے: "قرأة أمير المؤمنين علیہ السلام و حروفه۔"

۸۔ ان میں سے ایک السید الجلیل علی بن طاؤس ہے، جس کی کتاب ہے: "تفسير القرآن و تأويله؛ و تنزيله؛ و ناسخه؛ و منسوخه؛ و محكمه؛ و متاشبهه؛ و زيادات حروفه، و فضائله، و ثوابه؛ وروايات الثقات عن الصادقين من آل رسول الله صلوات الله عليهم أجمعين۔"

۹۔ ان میں سے ایک اس کتاب کا مصنف ہے: "مقرأ علی رسول الله ﷺ ؛وعلى بن أبى طالب، والحسن و الحسين، وعلى ابن الحسين، ومحمد و زيد ابني على بن الحسين و جعفر بن محمد، و موسىٰ بن جعفر صلوات الله عليهم۔"

۱۰۔ ان میں سے ایک اس کتاب کا مصنف بھی ہے: "الرد على أهل التبديل" ابن شہر آشوب نے اس کے مناقب بیان کیے ہیں۔ جیسا کہ البحار میں بھی ہے۔ اور ان سے بعض وہ احادیث نقل کی گئی

ہیں جو اہل تبدیل سے مراد پر دلالت کرتی ہیں۔ اور الرد سے اس کی غرض ان پر اس تبدیلی کی وجہ سے طعن کرنا ہے۔ اس لیے کہ اس کا سبب ان کے اسلاف کا اس کی حفاظ اور نگہداشت سے اعراض کرنا ہے۔''❶

تیسری بحث:...... یہود و رافضہ میں کتب اللہ میں تحریف میں وجوہِ مشابہت

یہودیوں کی تورات میں اور ان کی کتابوں میں تحریف رافضیوں کی قرآن میں تحریف کے درمیان کئی لحاظ سے بہت بڑی حد تک مشابہت ہے۔ خواہ یہ ہدف اور مقصود کے لحاظ سے ہو؛ جس کی وجہ سے ان دونوں گروہوں نے اس خبیث جرم کا ارتکاب کیا۔ یا اس اسلوب اور طریقہ میں مشابہت ہو جس پر یہ دونوں فریق تبدیل و تحریف کرتے ہوئے چلے ہیں۔ ذیل میں اس کا کچھ مختصر سا بیان دیا جا رہا ہے:

اولاً: ہدف اور غایت کے لحاظ سے:

یہودیوں کا اپنی کتابوں میں تحریف کرنا اور رافضیوں کا قرآن میں تحریف کرنا صرف ملک اور امامت کی وجہ سے تھا۔ یہودیوں کے متعلق میں نے ایک خاص بحث: ''یہودیوں کا ملک کو آل داؤد میں محصور کرنا'' میں بیان کیا ہے۔ بے شک یہودیوں نے بہت ساری نصوص گھڑی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ان نصوص میں اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ آلِ داؤد کی بادشاہی ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔

یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ اور اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔ جب ان کی ہی بعض کتابوں کی نصوص میں ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے داؤد علیہ السلام اور ان کے بیٹوں پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔ بلکہ ان کے نسب میں بھی طعن کیا ہے۔ یہ بھی یہودیوں کی طرف اللہ تعالیٰ پر اور اس کے نبی پر ایک جھوٹ اور افتراء ہے۔''❷

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں یہ دونوں موقف جو یہودی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر گھڑے ہوئے جھوٹ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایسی بات بنائی گئی ہے جو اس نے نہیں کہی۔ اور یہودیوں کو یہ باتیں گھڑنے پر مجبور کرنے والی چیز ان کا آپس میں اختلاف ہے کہ ملک

---

❶ فصل الخطاب ص ٢٩- ٣٠۔

❷ سفر صموئیل دوم، اصحاح ١١، فقرات ٤-٦؛ او راصحاح ١٣، فقرات ١-٢٢۔

آلِ داؤد میں ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اس وجہ سے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ پر اپنی خواہشات کے مطابق جھوٹ بولا ہے۔

پہلا موقف: یہودیوں کا ملک کو آلِ داؤد میں محصور کرنا ہے۔ میں نے اس موضوع سے متعلق خاص بحث میں اس کا سبب بھی بیان کردیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بخت نصر کی یلغار اور اس کے ہاتھوں قیدی بنائے جانے کے بعد ان کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ تو یہ لوگ اپنے سنہری زمانے کو یاد کرکے رونے لگے جو کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے دور میں تھا۔ اور پھر یہ گمان کرنے لگے کہ ان میں جو وسعتِ رزق، اور کشادگیء حیات تھی؛ اور ان کا آپس میں اجتماع و اتحاد تھا اس کا سبب خود حضرت داؤد علیہ السلام کی ذات سے متعلق ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے جناب حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کے متعلق روایات گھڑنی شروع کیں ؛جن میں ان کی امامت کی طرف دعوت اور بادشاہی کو ان کی آل میں محصور کرنے کی بات ہوتی۔ یہ نصوص یہودیوں کے ہاں محلِ اجماع نہیں ہیں۔ بلکہ یہودیوں میں سے صرف عبرانیوں نے یہ روایات اور نصوص گھڑی ہیں۔ اور پھر باقی یہودیوں کو ان پر ایمان رکھنے کی دعوت دینے لگے۔ اور یہ اس لیے بھی ہے کہ عبرانی یہودی اصل میں ''اتحادِ سبط یہوذا'' سے چلے ہیں۔ اور یہوذا وہ انسان ہے جس کی آل حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ اور بنیامین کی اولاد قرابت اور نسب میں داؤد علیہ السلام سے ملتی ہے۔ [1]

سامری یہودی بادشاہی حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں منحصر ہونے کے بارے میں عبرانیوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ بلکہ وہ داؤد علیہ السلام کی نبوت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام کی نبوت کے علاوہ باقی تمام انبیاء کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ اس بنا پر سامری یہودی ان یہودی اسفار پر ایمان نہیں رکھتے جنہیں وہ اپنے انبیاء کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ سوائے موسیٰ علیہ السلام کی تورات اور سفر قضاۃ اور سفر یوشع کے۔

دوسرا موقف: یہ موقف حضرت داؤد علیہ السلام کی شان میں قدح و طعن سے متعلق ہے، جسے امام سموال رحمہ اللہ -اسلام لانے سے پہلے ایک بہت بڑے یہودی عالم- واضح کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''بے شک ان کے ہاں یہ عقیدہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امامت کو ہارون علیہ السلام کی اولاد (جنہیں ہارونیین کہتے ہیں) میں خاص کردی تھی۔ جب طالوت بادشاہ بنا تو اس پر ہارونیوں

[1] القاموس الموجز للکتاب المقدس ص: ٧٥٤۔

کو مسخر کرنا بہت گراں رہا۔ اس نے انہیں بہت زیادہ قتل کیا۔ پھر حکومت داؤد عَلَیْہِ السَّلَام کے پاس چلی گئی۔ مگر ہارونیوں کے دل میں اس حکومت کی خواہش باقی رہی جو ان کے ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔ اور یہ (عزراء) ایرانی بادشاہ کا خادم اور اس کے ہاں بڑے مقام و نصیب والا تھا۔ اس نے ان کے لیے بہت المقدس تعمیر کیا؛ اور اپنے ہاتھوں سے تورات لکھی۔ جب کہ وہ ہارونی تھا اس لیے اسے یہ بات ناپسند تھی کہ دوسری حکومت میں کوئی داؤدی ان پر حاکم بن جائے۔ اس وجہ سے اس نے تورات میں دو فصلیں زیادہ کیں، جن میں حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَام کے نسب میں طعن تھا۔ (یہ دو فصلیں) ان میں سے ایک حضرت لوط عَلَیْہِ السَّلَام کی بیٹیوں کا قصہ ہے۔ اور دوسری فصل: ثامارا کا قصہ ہے۔'' [1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہودیوں کا اپنی کتابوں میں تحریف کرنے کا سبب ملک ہے؛ عبرانیوں کا خیال ہے کہ بادشاہی حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَام کی اولاد سے باہر نہیں جا سکتی۔

اس وجہ سے انہوں نے وہ نصوص گھڑی جن میں آل داؤد میں ملک کے ہمیشہ رہنے کی دعوت تھی۔ اور یہ کہ حکومت کبھی بھی آل داؤد سے باہر نہیں جا سکتی۔

جب کہ ہارونیوں کا خیال ہے کہ بادشاہی ہمیشہ ہارون کی اولاد میں رہے گی۔ اور ان سے کبھی باہر نہیں جائے گی۔ اس وجہ سے عزرا - جو کہ ہارونی تھا - نے وہ نصوص گھڑی جن میں حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَام کی ذات اور ان کے نسب میں طعن تھا؛ جس سے مقصود ان کی نسل کو تختہ حکومت سے محروم کرنا تھا۔

رافضہ: جب کہ رافضہ کا قرآن میں تحریف کرنے کا سبب امامت تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے ہاں امامت اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن؛ اور دین کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ جیسا کہ کافی میں ابو زرارہ سے روایت ہے انہوں نے ابو جعفر سے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا ہے:

''اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے: نماز، زکواۃ، روزہ، حج، ولایت۔ زرارہ کہتے ہیں: میں نے کہا: ان میں سے کون سی چیز افضل ہے؟ فرمایا: ''ولایت'' [2]

جب امامت نماز اور زکاۃ کی منزلت پر ہے؛ بلکہ ان دونوں سے بھی افضل ہے۔ تو پھر امامت کا ذکر قرآن میں کیوں نہیں بیان کیا گیا؟ جیسا کہ نماز اور زکواۃ کئی مواقع پر بیان کیے گئے ہیں، جو کہ رافضہ کے

---

[1] افحام الیہود؛ص: ۱۵۱-۱۵۲۔
[2] اصول الکافی ۱/ ۱۸۔

ہاں امامت سے کم اہمیت رکھتے ہیں۔ تو اس سوال کا جواب رافضیوں کے ہاں تحریفِ قرآن سے تھا۔ اور یہ کہ امامت کا ذکر قرآن میں سینکڑوں بار آیا تھا؛ جس میں نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت منصوص ہے، مگر صحابہ کرام نے ان آیات کو قرآن سے نکال دیا تاکہ وہ حکومت حاصل کرسکیں۔

کافی میں آیا ہے ابوالحسن علیہ السلام سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

''ولایت علی کے بارے میں تمام انبیاء کے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر محمد ﷺ کی نبوت اور علی کی وصیت دیکر۔'' [1]

عیاشی نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''اگر قرآن کو ایسے ہی پڑھا جائے جیسے وہ نازل ہوا ہے، تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں ہمارے نام لیے گئے ہیں۔'' [2]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہودیوں اور رافضیوں میں سے ہر ایک کے ہاں اللہ کی کتاب میں تحریف کا سبب بادشاہی اور امامت ہے۔ اور رافضیوں قرآن میں تحریف اسی طرح کی جس طرح یہودیوں نے اپنی کتابوں میں کی تھی۔

اور جس طرح یہودیوں نے بادشاہی کو آلِ داؤد میں محصور کرکے ان کی شان میں غلو کیا؛ اور کہا یہ جائز نہیں ہے کہ بادشاہی ان سے باہر نکل سکے۔ اور اس بارے میں انہوں نے جھوٹ اور ظلم کے ساتھ روایات گھڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیں۔

ایسے رافضیوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کی شان میں غلو کیا، اور یہ گمان کرنے لگے کہ امامت ان کی اولاد سے بارہ نہیں جاسکتی۔ پھر انہوں نے بہت ساری آیات میں تاویل کی اور تحریف کی؛ تاکہ وہ اسے اپنے فاسد مذہب کی تائید میں استعمال کرسکیں۔

جیسے عزرا کاتب نے حضرت داؤد علیہ وعلی نبینا أفضل الصلوات والتسلیم کی شان میں قدح اور گستاخی کی۔ اور ان پر بہت ساری جھوٹی تہمتیں لگائیں؛ اور پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا تاکہ وہ آلِ داؤد کو حکومت سے محروم کرسکے۔ ایسے ہی رافضہ نے بھی نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی شان میں بہت

---

[1] اصول الکافي ١/ ٤٣٧۔
[2] تفسیر العیاشی ١/ ١٣۔

بڑی گستاخیاں کیں، اور ان پر انتہائی گندی قسم کی تہمتیں لگائیں، اور پھر ان کو اللہ کی طرف منسوب کیا۔ قرآن کریم میں جتنے بھی سابقہ امتوں کے بڑے بڑے جرائم بیان ہوئے تھے؛ جن کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے؛ان میں تاویل کر کے کہنے لگے یہ آیات صحابہ کے بارے میں ہیں۔عنقریب نبی کریم ﷺ کے صحابہ پر رافضیوں کے طعنوں اور گستاخیوں کا ذکر ان کی نصوص سے منقول تفصیل کے ساتھ تیسرے باب کی پہلی فصل اور دوسری بحث میں آئے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اسلوب اور طریقہ کے لحاظ سے:

''یہودیوں کے ہاں تحریف'' کی بحث میں میں نے تحریف کی انواع اور اس کے طریقے جن پر چل کر یہودیوں نے کلام میں تحریف کی؛ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے؛ ذکر کیے تھے۔ وہ طریقے یہ ہیں:

'' کلام میں اپنی جگہ سے تحریف ؛ کلام میں اپنی جگہ سے ہٹ کر تحریف ؛ حق کی باطل سے ملاوٹ سامع پر اشتباہ کے لیے زبان موڑ کر بیان کرنا۔''

جب رافضیوں نے قرآن میں تحریف کی ؛ اور وہ روایات گھڑیں جو قرآن کریم میں تحریف پر دلالت کرتی ہیں۔تو الفاظِ قرآن میں تحریف کرنے اور اس کے معانی بدلنے (کی اس راہ میں) وہ بھی یہودی طریقہء کار پر چلے۔اوران سابقہ یہودی اسالیب کی پیروی کرتے رہے۔

میں آنے والی سطور میں یہودیوں کی تحریف کی مثالیں بیان کروں گا، اور پھر ان میں سے ہر ایک قسم کے ساتھ تحریف قرآن کے متعلق رافضی روایات میں سے کئی ایک روایتیں نقل کروں گا تاکہ اس مسئلہ میں یہودی اور رافضی مشابہت کھل کر واضح ہو جائے۔

اول: کلام میں اپنی جگہ پر تحریف:

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ'' کلام میں اپنی جگہ پر تحریف۔'' کا معنی یہ ہے کہ: کلام کی ایسی تفسیر کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی مراد سے ہٹ کر ہو۔اور الفاظ میں ایسی تاویل کی جائے جن کے بارے میں وہ نازل نہ ہوئے ہوں۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ کلمات میں اپنی جگہ پر تحریف کرتے ہیں، اللہ

---

[1] تفسیر ابن کثیر ۱/ ۵۰۷؛ تفسیر فتح القدیر ۱/ ٤٧٥۔

تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُواْ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ﴾ (النساء: ۴۶)

''اور یہ جو یہودی ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو اُن کے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی خبریں دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيْثَاقَهُمْ لَعنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُواْ حَظّاً مِّمَّا ذُكِّرُواْ بِهِ﴾ (المائدۃ: ۱۳)

''تو اُن لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے اُن پر لعنت کی اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اُن کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے۔''

یہ وہ خبریں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے یہود کے متعلق دی ہیں۔ جب کہ رافضہ کی وہ مثالیں جو اپنی جگہ پر تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہیں، کتابوں میں بہت زیادہ ہیں؛ جن کا شمار ممکن نہیں ہے۔ تفسیر عیاشی میں آیا ہے: برید ہ بن معاویہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے ابوجعفر سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق پوچھا:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ أُوتُواْ نَصِيْباً مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ﴾ (النساء: ۵۱)

''بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں۔''

''تو ان کا جواب تھا فلاں اور فلاں۔''❶

تفسیر قمی میں ہے: ''ابوعبداللہ علیہ السلام نے پڑھا:

((هذه جهنم التي كنتما بهما تكذبان تصليانها، لا تموتان فيها و لا تحييان.))❷

---

❶ تفسیر عیاشی ۱/ ۲۴۶۔ فلاں اور فلاں سے مراد ابوبکر و عمر کو لیتے ہیں۔ (رضی اللہ عنہما)

❷ یہ آیت تحریف شدہ ہے، درست آیت یہ ہے: ﴿هَـٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ﴾ (رحمن: ۴۳) ''یہ وہ جہنم ہے جسے مجرم جھٹلایا کرتے تھے۔''

''یہ وہ جہنم ہے تم دونوں جسے جھٹلایا کرتے تھے، اس دونوں اس میں ڈالے جاؤ گے۔ نہ تم اس میں زندہ رہو گے اور نہ ہی مرو گے۔''

قمی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے: اس سے مراد: ''زریقا اور حبتر ہیں۔''❶

اور کافی میں ہے: ابوعبداللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر منقول ہے:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً﴾ (الاحزاب: ۷۲)

''ہم نے (بار) امانت آسمانوں اور زمین کو پیش کیا تو اُنہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اُس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا۔''

کہا: اس سے مراد امیر المؤمنین علیہ السلام کی ولایت ہے''❷

اور اسی (کافی) میں ہے: ابوحمزہ سے روایت ہے وہ کہتا ہے: میں نے ابوجعفر سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر پوچھی:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ﴾ (سبا: ۴۶)

''کہہ دو کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔''

فرمایا: " إنما أعظكم بولائة علی علیہ السلام هي واحدة۔" التی قال الله تبارك و تعالیٰ ﴿قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ...... ''بے شک میں تمہیں ایک کی نصیحت کرتا ہوں، علی علیہ السلام کی ولایت کی۔ یہی وہ ایک ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ﴾❸

ایک روایت میں ہے: ''علی بن جعفر اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں: ﴿وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ﴾ (الحج: ۴۵) ''اور (بہت سے) کنوئیں بیکار اور (بہت سے) محل ویران (پڑے ہیں)۔''

فرمایا: بئر معطلہ سے مراد خاموش امام ہے۔ اور قصر مشید سے مراد امام ناطق ہے۔''❹

---

❶ تفسیر قمی ۲/ ۳٤٥۔ زریق سے مراد ابوبکر اور حبتر سے مراد عمر کو لیتے ہیں۔ (رضی اللہ عنہما)

❷ أصول الکافی ۱/ ٤۱۳۔ ❸ أصول الکافی ۱/ ٤۲۰۔

❹ أصول الکافی ۱/ ٤۲۷۔

یہ روایات اوران کے علاوہ اور بھی جن سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں، تحریف کی اس قسم میں یہودیوں کے ساتھ اشتراک کو پختہ کرتی ہیں۔ اس لیے کہ یہ روایات آیاتِ قرآنیہ کی تأویل اور بغیر معنی اصلی صحیح؛ جوکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مراد ہیں؛ کی تفسیر کو متضمن ہیں۔

بلکہ بسااوقات یہ یہودیوں سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ جاتے ہیں؛ ان آیات کی تاویل کرتے وقت جومنافقین اور مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، (ان کے بارے میں کہتے ہیں) یہ خیار صحابہ جیسے کہ خلفاء الراشدین اور بعض امہات المؤمنین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین.

دوسری قسم: کلام میں اپنی جگہ سے ہٹ کر تحریف:

اس قسم کی تحریف الفاظ اور عبارات کو تبدیل کر کے، یا اپنی جگہ سے آگے پیچھے کر کے ہوتی ہے تا کہ اس کا معنی مقصود ختم ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس جرم کے ارتکاب کے بارے میں خبر دی ہے، فرمایا:

﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُواْ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِيْنَ لَمْ يَأْتُوكَ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ﴾ (المائدہ: ۴۱)

''اُن میں سے جو یہودی ہیں غلط باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لیے جاسوس بنے ہیں جو ابھی آپ کے پاس نہیں آئے وہ کلمات کو اپنی جگہ کے بعد بدل دیتے ہیں۔''

رافضی بھی کتاب اللہ کی عبارات کو بدلنے اور اس کے معانی کو تبدیل کرنے؛ اس میں تقدیم اور تاخیر کرنے کی جرأت میں یہودیوں سے کم نہیں ہیں؛ جس میں ان کا دعوی یہ ہوتا ہے کہ یہ آیت ایسے نازل ہوئی تھی؛ اور بے شک صحابہ نے اور ان کی صفِ اول میں ابوبکر وعمر- رضی اللہ عنہم اجمعین - نے اس میں تحریف کی اور اسے بدل ڈالا۔'' انہوں نے اپنے آئمہ سے اس بارے میں اتنی روایات نقل کی ہیں جن کی تعداد کو صرف اللہ ہی جانتا ہے؛ جومحرف قرآن کی تصحیح کے بارے میں ہیں-ان کے گمان کے مطابق -۔ ان روایات میں سے:

تفسیر قمی میں آیا ہے: ابوعبداللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں منقول ہے:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ﴾ (آل عمران: ۱۲۳)

''اور اللہ نے جنگِ بدر میں بھی تمہاری مدد کی تھی اور اُس وقت بھی تم (گری ہوئی حالت میں) بے سرو سامان تھے۔''

وہ پست نہیں تھے، اور ان میں اللہ کے رسول موجود تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یوں نازل کی تھی: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ ضعفاء﴾ ❶ ''اور اللہ نے جنگِ بدر میں بھی تمہاری مدد کی تھی، اور تم اس وقت بہت کمزور تھے۔''

تفسیر قمی میں یہ بھی ہے: ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں منقول ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ﴾ (التحريم: ٩)

''اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجیے۔''

فرمایا: یہ ایسے ہی نازل ہوئی تھی۔ نبی ﷺ نے کفار سے جہاد کیا، اور علی نے منافقین سے؛ پس حضرت علی کا جہاد رسول اللہ ﷺ کا جہاد ہے۔'' ❷

اور قمی اس بات کی یاد دہانی بھی کراتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں تقدیم اور تاخیر ہے:

﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾ (الجاثيه: ٢٤)

''اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے۔''

وہ کہتا ہے: ''بے شک دھریہ بعث بعد الموت کا اقرار نہیں کرتے، تو آیت اس طرح ہوگی:

((وإنما قالوا و نحياو نموت .)) ❸

کافی میں ابو جعفر علیہ السلام سے روایت ہے، انہوں نے کہا ہے یہ آیت ایسے نازل ہوئی تھی:

﴿ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُواْ مَا يُوعَظُونَ بِهِ في علي لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ﴾ ❹

---

❶ تفسير قمى ١/ ١٢٢۔ ❷ تفسير قمى ٢/ ٣٧٧۔

❸ مقدمة تفسير قمى ١/ ٨۔

❹ انہوں نے آیت میں تحریف کرتے ہوئے حضرت علی کا نام داخل کیا ہے، درست یوں ہے: ﴿ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُواْ مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتاً﴾ (النساء: ٦٦) ''اور اگر یہ اُس نصیحت پر کاربند ہوتے جو ان کو کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر اور (دین میں) زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا۔''

اور اگر یہ اُس نصیحت پر کاربند ہوتے جو ان کو علی کے بارے میں کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔'' [1] اور فصل خطاب میں ہے: ابوعبداللہ سے روایت ہے وہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ بعلي ☆ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ☆ الَّذِيْ أَنقَضَ ظَهْرَكَ ☆ فَإِذَا فَرَغْتَ من نبوتك فَانصَبْ علياً وصياً ☆ وَ إِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ في ذلك﴾ [2]

''کیا ہم نے علی کے وسیلہ سے تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور تم پر سے بوجھ بھی اتار دیا۔ جس نے تمہاری پیٹھ توڑ رکھی تھی۔ تو جب اپنی نبوت سے فارغ ہوا کرو تو علی کو اپنا وصی متعین کرو۔ اور اس کے بارے میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جایا کرو۔''

اور اسی کتاب میں ہے، امام جعفر بن محمد بن علی بن حسین علیہم السلام سے ان کے دادا کے مبارک صحیفہ کے شروع میں منقول ہے، رسول اللہ ﷺ کا خواب دیکھنے کے بعد، اور جبریل امین کے تسلی کے لیے نازل ہونے اور خواب کی تعبیر کے بعد؛ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے (یہ سورت) نازل کی ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ☆ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ☆ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ☆ يملكها بنو أمية ليس فيه ليلة القدر﴾ [3]

---

[1] أصول الكافى ١/ ٤٢٤۔

[2] ان ظالموں نے آیات میں تحریف بھی کی ہے اور تین آیات حذف بھی کر دی ہیں، درست آیات یوں ہیں: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ☆ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ☆ الَّذِيْ أَنقَضَ ظَهْرَكَ ☆ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ☆ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً ☆ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً ☆ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ☆ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ (اے محمد ﷺ!) کیا ہم نے آپ کا سینۂ مبارک کھول نہیں دیا؟ اور آپ پر سے بوجھ بھی اتار دیا۔ جس نے تمہاری پیٹھ توڑ رکھی تھی۔ اور آپ کا ذکر بلند کیا۔ ہاں ہاں مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ (اور) بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ تو جب فارغ ہوا کریں تو (عبادت میں) محنت کیا کیجیے۔ اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جایا کیجیے۔'' فصل خطاب ٣٤٤۔

[3] ان آیات میں تحریف کی گئی ہے؛ درست آیات اس طرح ہیں: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ☆ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ☆ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ☆ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ☆ سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ ''ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ اس میں رُوح الامین اور فرشتے ہر کام کے (انتظام کے) لیے اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں۔ یہ (رات) طلوعِ صبح تک (امان اور) سلامتی ہے۔

''ہم نے اس (قرآن) کوشبِ قدر میں نازل کیا۔اور تمہیں کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ جب بنو امیہ بادشاہ بنیں گے تو اس میں لیلۃ القدر نہیں ہوگی''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبر کردی تھی کہ بنو امیہ اس امت کی حکومت اور سلطنت کے مالک بنیں گے۔اوران کا ملک اس ساری امت میں پھیلا ہوگا۔''❶

اوراسی میں یہ بھی ہے: ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت ہے:

﴿ إِنَّـا أَعْطَيْنَـاكَ الْكَوْثَر ۞فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۞إِنَّ شَانِئَكَ عمرو ابن العاص هُوَ الْأَبْتَرُ ﴾❷

تیسری قسم: حق کی باطل سے ملاوٹ:

یہ قسم الفاظ سے کھیلنے اوران کے معانی کو توڑنے سے عبارت ہے۔ یہاں تک کہ حق باطل کے ساتھ مل جائے۔ یہ تحریف کی سب سے خطرناک قسم ہے۔اللہ تعالیٰ یہودیوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿ يَـا أَهْلَ الْكِتَـابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِـالْبَـاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ (آل عمران: ۷۱)

''اے اہل کتاب تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کیوں کرتے ہواورحق کو کیوں چھپاتے ہو اورتم جانتے بھی ہو۔''

رافضیوں کو بھی تحریف کی اس قسم میں ید طولی حاصل ہے۔ جیسے کہ اس پر ان کی تفسیری روایات دلالت کرتی ہیں۔جن میں انہوں نے خوب لمبا کھیل کھیلا ہے تاکہ حق معانی کو باطل کے ساتھ ملا دیں۔ جیسے ان کے یہودی اورعیسائی اساتذہ کا مشغلہ رہا ہے۔

رافضیوں نے اپنے آئمہ سے تفسیر قرآن میں بہت ساری روایات نقل کی ہیں؛ جن کا مقصد ان

---

❶ فصل خطاب ۳٤٥۔

❷ درست تلاوت یہ ہے ﴿إِنَّـا أَعْـطَيْـنَـاكَ الْـكَـوْثَر ۞فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۞إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴾''ہم نے آپ کوکوثر عطا فرمائی ہے۔تو اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھا کرواور قربانی کیا کرو۔ کچھ شک نہیں کہ آپ کا دشمن عمرو ابن العاص ہی بے اولاد رہے گا۔''

❸ فصل خطاب ۳٤۷۔

آیات کے معانی کو بگاڑنا ہے۔ اور مسلمانوں کو ان کے مقصود حقیقی سے دور رکھنا ہے۔ آپ کے سامنے ان میں سے بعض روایات پیش کی جارہی ہیں۔ کلینی نے عبدالرحمٰن بن کثیر سے روایت کیا ہے، فرمایا: میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا:

﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ﴾ (الکھف: ۴۴)

''حکومت سب اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔''

آپ نے فرمایا: امیر المؤمنین علیہ السلام کی ولایت مراد ہے۔''[1]

یہ حق کو باطل کے ساتھ ملانا ہے، اس لیے کہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ اور ہر مومن مرد اور عورت سے ولایت/ دوستی رکھنا مؤمن کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (التوبہ: ۷۱)

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

مگر ان کا اس آیت سے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی ولایت پر استدلال کرنا باطل ہے۔ اس لیے کہ اس آیت میں وارد لفظ ولایت اللہ تعالیٰ کے لیے تذلل اور خضوع کے معانی میں ہے۔ جیسا کہ اس پر مفسرین کے اقوال دلالت کرتے ہیں۔[2]

فرات الکوفی کی تفسیر میں ہے: ابوعبداللہ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر مروی ہے:

﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾ (التین: ۶)

''مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔''

فرمایا: بے شک یہ مؤمن۔'': یعنی سلمان، مقداد، عمار اور ابوذر ہیں۔''[3]

اس تفسیر میں بھی حق کو باطل کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ اس کا یہ قول ''بے شک یہ مؤمن۔'' حق ہے، اس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ اور سارے مسلمان سلمان، عمار، اور ابوذر رضی اللہ عنہم کے لیے ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔ جیسا کہ وہ باقی صحابہ کے لیے بھی ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔ جب کہ رافضی ایمان کو گنتی کے چند صحابہ میں محدود کرتے ہیں۔ اور باقی صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ ان کا ان تین کے بارے میں سچے ایمان کا

---

[1] اصول الکافی ۱/ ۴۲۲۔ [2] تفسیر ابن کثیر ۳/ ۸۴۔
[3] تفسیر فرات الکوفی ص ۲۰۷۔

وصف بیان کرنا؛ اور ایمان کو باقی صحابہ چھوڑ کر صرف ان تین میں محصور کرنا باطل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان ہی کی مانند فرات الکوفی کی روایت ہے، وہ سدی سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہوئے کہتا ہے:

﴿ الٓمٓ ☆أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ☆ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾ (العنکبوت: ۱۔۳)

''الٓمٓ۔ کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟ اور جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا (اور ان کو بھی آزمائیں گے) سو اللہ اُن کو ضرور معلوم کرے گا جو (اپنے ایمان میں) سچے ہیں اور اُن کو بھی جو جھوٹے ہیں۔''

کہتا ہے: ''اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے علی علیہ السلام کی تصدیق کی''[1]

جناب سیدنا حضرت علی المرتضے رضی اللہ عنہ سچے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے ہی صحابہ سچے ہیں۔ لیکن ان میں صحابہ میں کسی ایک کو سچا کہنا یا بعض کو سچا کہنا اور باقی کو نہیں، یہ حقیقت میں حق کی باطل کے ساتھ ملاوٹ ہے۔

چوتھی قسم: سامع پر اشتباہ کے لیے زبان موڑ کر بیان کرنا:

(اللي)[2] کا معنی لغت میں ہے: ہیر پھیر کرنے کے لیے چکر لگانا۔ القاموس میں ہے:

"لواه؛ ليا؛ ولُويا" (بالضم) فتله و ثناه۔

''اس نے موڑا؛ موڑنا، اور بل دینا: یعنی اس نے چکر دیا اور موڑا۔''

اور "لي اللسان بالكلام ۔" کلام میں اپنی زبان کو موڑنا؛ یعنی اس میں تحریف کرنا۔[3]

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا وصف بیان کیا ہے کہ وہ کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبانوں کو موڑتے ہیں (تاکہ معانی میں ہیر پھیر کریں)؛ فرمانِ الٰہی ہے:

---

[1] تفسير الفرات الكوفي ص ٥٣۔

[2] زبان مروڑ کر بیان کرنے کے لیے "اللّي" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، مصنف اس کا معنی بیان کر رہے ہیں۔ مترجم۔

[3] القاموس المحيط ٤ / ٣٨٧۔

﴿وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقاً يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (آل عمران: ۷۸)

''اوران (اہل کتاب) میں بعض ایسے ہیں کہ کتاب (تورات) کو زبان مروڑ مروڑ کر پڑھتے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں کتاب میں سے ہے حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل ہوا) ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور (یہ بات) جانتے بھی ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے کلام اللہ کے ساتھ اس کھیل تماشے اور زبان مروڑ کر پڑھنے کی مثالیں ذکر کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مِّنَ الَّذِينَ هَادُواْ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيّاً بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْناً فِي الدِّينِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُواْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَكِن لَّعَنَهُمُ اللّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلاَ يُؤْمِنُونَ إِلاَّ قَلِيلاً﴾ (النساء: ۴۶)

''اور یہ جو یہودی ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو اُن کے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نہیں مانا اور سنئے اور نہ سنوائے جاؤ اور زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے (تم سے گفتگو کے وقت) راعنا کہتے ہیں اور اگر (یوں) کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور (صرف) اِسْمع اور (راعنا کی جگہ) اُنْظُرْنا (کہتے) تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی بہت درست ہوتی لیکن اللہ نے اُن کے کفر کے سبب اُن پر لعنت کر رکھی ہے پس نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ ﴿وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: " اسمع ما نقول و لا سمعتَ ۔" ''جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ سن؛ اور تم نہ سنوائے جاؤ۔''[1] (یہ ایک قسم کی بددعا ہے)۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق فرماتے ہیں:

[1] تفسیر ابن کثیر ۱/۵۰۷۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ تَقُولُواْ رَاعِنَا وَقُولُواْ انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلكَافِرِيْنَ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾ (البقرة: ۱۰۴)

''اے ایمان والو! (گفتگو کے وقت پیغمبر ﷺ سے) رَاعِنَا نہ کہا کرو اور اُنْظُرْنَا کہا کرو اور خوب سن رکھو اور کافروں کے لیے دُکھ دینے والا عذاب ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو منع کیا ہے کہ وہ بات چیت میں اور افعال میں کافروں سے مشابہت اختیار کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود کلام سے وہ مراد لیتے تھے جس میں توریہ ہوتا؛ اور اس سے ان کا قصد تنقیص کا ہوتا- ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں-۔ جب وہ کہنا چاہتے: ہماری بات سن، تو کہتے: راعنا، اور توریہ کرتے ہوئے اس سے مراد رعونت لیتے۔''[1]

یہ وہ کچھ ہے جو یہود کے بارے میں قرآن کریم میں وارد ہوا ہے۔ رہ گئے رافضی؛ تو ان کی کتابیں تحریف میں اس قسم کے جرم کے ارتکاب پر گواہی دیتی ہیں۔ آپ کے سامنے ان کی کتابوں سے چند اور مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

فصل الخطاب میں حبیب بن عطیہ السجستانی سے روایت ہے، وہ کہتا ہے: میں نے ابوجعفر علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں دریافت کیا:

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى﴾ (النجم: ۸)

''پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا۔''

تو انہوں نے فرمایا: ''اے حبیب اسے مت پڑھو، بلکہ اس کو یوں پڑھو:

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَانَا﴾ (النجم: ۸)

''پھر نزدیک ہوا اور ہمیں بھی نزدیک کیا۔''[2]

اور اسی کتاب میں یہ بھی ہے: يزيد العجلي سے روایت ہے، وہ کہتا ہے: میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا:

﴿لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ﴾ (الجن: ۱۷)

---

[1] تفسير ابن كثير ۱/ ۱٤۸۔

[2] فصل الخطاب ص: ۳۳٦۔

''تاکہ ہم اس میں انہیں آزمالیں۔''

کہا کہ:''یہ تحریف شدہ ہے،اللہ تعالیٰ نے ایسے فرمایا ہے:

﴿لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقاً ☆ لَا نَفْتِنَهُمْ فِيْهِ﴾ ❶

''ہم نے ان کو خوب وافر پانی پلایا، تاکہ ہم اس میں انہیں نہ آزمائیں۔''

اور ابوجعفر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ﴿تَصَدَّى﴾ کو ﴿تُصَدَّى﴾ حرفِ تا پر زبر کے بجائے پیش سے پڑھا۔ ﴿تَلَهَّى﴾ کے تاء کو ﴿تُلَهَّى﴾ بھی زبر کے بجائے پیش سے پڑھا۔ ❷ (جس سے معنی بگڑ کر الٹ ہو گیا)۔

اس سے یہودیوں اور رافضیوں کے درمیان اللہ کی کتابوں میں ان کے تحریف کرنے میں بہت بڑی مشابہت ظاہر ہوتی ہے۔ بھلے یہ مشابہت ہدف اور قصد کے لحاظ سے ہو؛ جس نے دونوں فریقوں کو تحریف کے اس جرم پر ابھارا ہے۔ یہ پھر تحریف کے اسلوب اور اس کے طریقِ کار کے لحاظ سے ہو۔ اور یہ سابقہ آیات قرآن آپ کے سامنے پیش کرنے سے ظاہر ہو گیا ہے، جن میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں ان کے اس جرم پر رسوا کیا ہے؛ اور ان آیات میں یہودیوں کے اسلوب بتائے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم نے جو رافضیوں کی روایات نقل کی ہیں، جو اس اسلوب اور مقصد اور طریقِ کار میں یہودیوں کی شانہ بشانہ اور قدم بقدم اتباع پر دلالت کرتی ہیں۔

چوتھی بحث:......تحریف قرآن کے رافضی دعوی پر رد

قرآن کریم وہ کتابِ الٰہی ہے جس میں کبھی تحریف اور تبدیل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عہد لیا ہے، اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے۔ بخلاف تورات اور انجیل کے؛ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اہل تورات و انجیل کو ہی ان کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی تھی؛ انہوں نے یہ فریضہ ادا نہ کیا اور ان کو ضائع کر دیا۔

امام شاطبی رحمہ اللہ نے ابوعمرو الدانی سے انہوں نے ابوالحسن المنتاب سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

❶ فصل الخطاب ص: ۳۳۹۔ لام تعلیل کو لا نافیہ سے بدل دیا۔

❷ اس میں ان آیات کی طرف اشارہ ہے: ﴿أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَى ☆فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّى☆وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّى ☆وَأَمَّا مَن جَاءكَ يَسْعَى ☆وَهُوَ يَخْشَى ☆ فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّى﴾ ۔فصل الخطاب ص: ۳۳۹۔

''ایک دن میں قاضی ابواسحٰق اسماعیل بن اسحٰق کے پاس بیٹھا ہوا تھا؛ توان سے کہا گیا: اہلِ تورات پر تبدیلی کیسے جائز (ممکن) ہے، جب کہ اہل قرآن پر یہ ناممکن ہے؟

تو قاضی صاحب نے فرمایا: اللہ عزوجل اھلِ تورات کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ﴾ (المائدہ: ۴۴)

''کیونکہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے۔''

سو یہ حفاظت ان ہی کے سپرد کی گئی تھی۔تو تبدیلی ممکن/ جائز ہوگئی۔ جب کہ قرآن کے متعلق فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

''بے شک یہ ''ذِکر'' ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔''

(چونکہ قرآن کا محافظ اور نگہبان اللہ تعالیٰ خود ہے) سو اس لیے قرآن میں تبدیلی ممکن نہ ہوئی؛علی (ابوالحسن المنتاب) فرماتے ہیں: میں ابوعبداللہ محاملی کے پاس گیا، اور ان پر قصہ بیان کیا؛ توانہوں نے فرمایا: میں نے اس سے خوبصورت کلام نہیں سنا۔'' [1]

صدیاں اور زمانے گزرے ہیں اور امت اسلامیہ کا اس پر اجماع رہا ہے کہ: بے شک وہ قرآن جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ پر نازل کیا، وہ وہی قرآن ہے جو اب مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ نہ ہی اس میں کوئی زیادتی اور نہ ہی کوئی نقصان۔ نہ ہی اس میں کوئی تغییر ہوئی ہے، اور نہ ہی تبدیل۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی بات کا ہونا ممکن ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا اور بچا کر رکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ اور اس (اجماع) میں کسی نے مخالفت نہیں کی، سوائے رافضہ کے۔ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ: بے شک قرآن میں تحریف، تغییر اور تبدیل ہوئی ہے۔ اور ان کا یہ بھی گمان ہے کہ صحابہ نے ہی یہ تحریف اپنی دنیاوی مصلحتوں کی وجہ سے کی ہے۔

ان کا یہ عقیدہ باطل ہے۔ اس کے باطل ہوتے پر قرآن کریم کے دلائل ہیں، اور آئمہ اہل بیت کے اقوال، اور عقل۔

اب آپ کے سامنے ان کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے:

---

[1] الموافقات : ۲/ ۵۹۔

اولاً: قرآن سے دلائل:

ان دلائل کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ صریح آیات جو اللہ تعالیٰ کے حفاظتِ قرآن کی ذمہ داری پر دلالت کرتی ہیں؛ اور یہ کہ ایسا بالکل ناممکن ہے کہ قرآن کریم میں تحریف یا تبدیل واقع ہو۔ اس بارے میں آیات بہت ساری ہیں، جن میں سے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ الم ☆ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴾(البقرہ: ١۔٢)

''الم۔ یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں ہے (کہ یہ کلامِ باری تعالیٰ ہے۔ اللہ سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾)الحجر: ٩)

''بے شک یہ ''ذِکر'' ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ الَر كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ (هود: ١)

''الٓر۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور اللہ حکیم وخبیر کی طرف سے بہ تفصیل بیان کر دی گئی ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴾ (فصلت: ٤٢)

''اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

حَكِيْمٌ ﴾(الحج: ۵۲)

''اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر (اُس کا یہ حال تھا کہ) جب وہ کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اُس کی آرزو میں (وسوسہ) ڈال دیتا تھا تو جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے اللہ اُس کو دُور کر دیتا ہے پھر اللہ اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ☆إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴾ (القیامة: ۱۶۔۱۷)

''(اے محمد ﷺ!) وحی کے پڑھنے کے لیے اپنی زبان نہ چلایا کرو کہ اس کو جلد یاد کرلو۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔''

یہ آیات اللہ کی جانب سے اس کتاب مقدس اور اس کے احکام کی حفاظت پر دلالت کرتی ہیں۔اور یہ کہ اس میں آگے یا پیچھے کہیں سے بھی باطل نہیں آسکتا۔(یہ اللہ کا وعدہ ہے) فرمایا:

﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقّاً وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلاً﴾ (النساء: ۱۲۲)

''اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہوسکتا ہے۔''

یہ آیات کتاب اللہ کی حفاظت کے؛ اور تحریف وتبدیل سے اس کے بچائے جانے؛ بارے میں صریح ہیں۔اور ان کے لیے کسی شرح اور بیان کی ضرورت نہیں۔

دوسری قسم: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کرنا رافضیوں کے تحریف منسوب کرنے کو جھوٹا ثابت کرنے کی تائید کرتی ہے؛ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبه: ۱۰۰)

''جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ اُن کی پیروی کی اللہ اُن سے خوش رہے

اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اُس نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيْباً﴾ (الفتح:۱۸)

''(اے پیغمبر!) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ ان سے خوش ہوا اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کرلیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ (الفتح:۲۹)

''محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ☆ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِيْ صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الحشر:۸۔۹)

''(اور) ان مفلسانِ تارک الوطن کے لیے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور

جدا) کر دیئے گئے ہیں (اور) اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔ اور (ان لوگوں کے لیے بھی) جومہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جولوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور) خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرصِ نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''(مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم اُن سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

ثانیاً: ان کے آئمہ کے اقوال:

رافضیوں کے ان آئمہ سے؛ جن کے متعلق یہ لوگ معصوم ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں؛ بہت سی روایات ایسی آئی ہیں، جن میں شیعہ کتاب اللہ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم رکھنے اور ہر چیز کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر پیش کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان روایات میں سے: ابوموسیٰ جعفر سے مروی کیا گیا ہے، ان سے پوچھا گیا:

''کیا ہر چیز کتاب اللہ اور سنت میں ہے، یا آپ بھی اس بارے میں کچھ کہتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: ''نہیں بلکہ ہر چیز اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت میں ہے۔'' [1]

اور ابوعبداللہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

((من خالف كتاب الله و سنة محمد ﷺ فقد كفر .))

''جس نے کتاب اللہ کی اور محمد ﷺ کی سنت کی مخالف کی، اس نے یقیناً کفر کیا۔'' [2]

---

[1] اصول الكافی ۱/ ٦٢۔ و رواه المفيد عن علي في الاختصاص : ص ۲۸۱۔ [2] اصول الكافی ۱/۷۰۔

اور ابو جعفر سے روایت کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس کی امت کو ضرورت ہو، مگر اس نے اپنی کتاب میں نازل کردی ہے۔ اور اسے اپنے رسول ﷺ کے لیے بیان کردیا ہے، اور ان میں سے ہر ایک چیز کی حد مقرر کردی ہے، اور اس دلیل قائم کی ہے جس سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔''❶

اور ابو عبداللہ سے روایت کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں:

((ما من شيءٍ إلا فيه كتاب أو سنة .))❷

''کوئی بھی چیز نہیں ہے مگر اس کے بارے میں کتاب اور سنت موجود ہیں۔''

اور ابو عبداللہ سے ہی روایت کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں:

کتاب اللہ میں تم سے پہلے کی خبریں ہیں۔ اور جو کچھ تمہارے بعد ہونے والا ہے اس کی خبر ہے، اور تمہارے درمیان کے فیصلے ہیں۔ اور ہم اسے جانتے ہیں۔''❸

[دو فائدے]:

ان روایات میں غور و فکر کرنے والے کے لیے دو فائدے سامنے آتے ہیں:

پہلا فائدہ: آئمہ اہل بیت باقی سلفِ صالحین امت کی طرح اس قرآن کی صحت کا اعتقاد رکھتے تھے۔ اگر ایسے نہ ہوتا تو وہ اپنے شاگردوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چمٹے رہنے کی؛ اور ان دو کے علاوہ باقی چیزیں چھوڑ دینے کی تلقین نہ کرتے۔ پھر ان کا یہ خبر دینا کہ کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جس کا بیان کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں موجود نہ ہو، اور ان کے پاس اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

دوسرا فائدہ: تحریف قرآن کے متعلق ان کی طرف منسوب روایات ان کے اقوال نہیں ہیں؛ بلکہ وہ اس سے بری ہیں؛ اور ان لوگوں سے بھی بری ہیں جنہوں نے یہ جھوٹ گھڑا ہے۔''

❶ اصول الکافی ١/٥٩۔
❷ اصول الکافی ١/٥٩۔
❸ اصول الکافی ١/ ٦٢۔

ثالثاً: عقلی دلائل:

جیسا کہ نقل رافضیوں کے عقیدہ تحریف قرآن کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ ایسے ہی عقل بھی ان کے اس دعوی کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں تحریف کے عقیدہ کی وجہ سے بہت سارے ایسے مفاسد پیدا ہوتے ہیں جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات گرامی؛ نبی کریم ﷺ؛ صحابہ کرام اور آئمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم پر طعن وتنقید لازم آتی ہے۔

قرآن میں تحریف کے قول سے اللہ تعالیٰ پر طعن؛ اور قرآن کریم کی حفاظت اور تحریف سے بچانے کے اپنے وعدہ سے بے وفائی کی تہمت لازم آتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔

اس سے نبی کریم ﷺ پر طعن لازم آتا ہے کہ آپ نے پورا قرآن امت تک نہیں پہنچایا؛ بلکہ بہت ساری آیات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص کیا جن کے بارے میں کسی اور کو علم نہیں ہوسکا۔

اس سے صحابہ کرام پر طعن لازم آتا ہے؛ جنہوں نے اپنی مصلحتوں اور مقاصد کی خاطر قرآن کو بدل ڈالا، جیسے کہ رافضی دعوی کرتے ہیں۔

اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد آئمہ کی شان میں طعن لازم آتا ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے وہ قرآن لوگوں کو نہ دیا، اور نہ ہی اس کی طرف دعوت دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو چھپانا ہے جس پر اس نے وعید سنائی ہے، فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِيْ الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلعَنُهُمُ اللّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴾ (البقرہ: ۱۵۹)

''جو لوگ ہمارے احکام اور ہدایات کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض فاسد سے) چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے اُن کو لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے ایسوں پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔''

اگر رافضیوں کو عقل ہوتی جس سے وہ سمجھ حاصل کر سکتے؛ تو (یہ سمجھ لیتے کہ) اس خبیث عقیدہ پر مرتب ہونے والے یہ لوازم اس عقیدہ کو ترک کرنے؛ اور اللہ کی بارگاہ میں ہر اس چیز سے سچی توبہ کرنے کا ایک اہم سبب ہو سکتے تھے؛ جو انہوں نے اللہ تعالیٰ پر اور رسول اللہ ﷺ پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جھوٹ گھڑے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ-شیعہ/ رافضی-معقول اورمنقول میں لوگوں میں سب سے بڑھ کر گمراہ ہیں۔ مذہب اور کے بیان میں بھی۔اور یہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مشابہ ہیں:

﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ أَصْحَابِ السَّعِيْرِ﴾ الملك: ١٠)

''اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔''[1]

❀❀❀❀

[1] منهاج السنة ١/ ٨۔ وتمت ترجمة مجلد الثانی الساعة ٣-٤٣ بالليل؛ وذلك في يوم الجمعة قبل الصلاة الفجر۔ ولله الحمد على ذلك؛ يارب ! لك الشكر و الحمد كما ينبغي لجلال وجهك و عظيم سلطانك

تیسرا باب:

محبت ونفرت میں یہودی رافضی بے اعتدالی

فصل اول: محبت ونفرت میں یہودی رافضی عدمِ اعتدال

یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث:......بعض انبیاء اور حاخاموں کے متعلق یہودی غلو اور بعض میں طعن

دوسری بحث:......رافضیوں کا آئمہ میں غلو اور صحابہ پر طعن۔

تیسری بحث:...... یہود اور روافض کی انبیاء وصالحین میں غلو اور طعن میں مشابہت

چوتھی بحث:...... یہود اور روافض کے انبیاء وصالحین میں غلو اور طعن پر رد

پہلی بحث :......بعض انبیاء اور حاخاموں کے متعلق یہودی غلو اور بعض میں طعن

یہودی بغض اور نفرت رکھنے میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیتے۔ وہ اپنے بعض انبیاء اور حاخاموں میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ انہیں ربوبیت کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور اسی لمحہ کچھ دوسرے انبیاء حاخاموں اور کاہنوں کی شان میں بہت ہی برا سلوک کرتے ہیں، اور انہیں گندے اور حقیر قسم کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ اور ان طرف انتہائی گندے اور قبیح قسم کے جرائم کو منسوب کرتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ٹھہرانا۔ بتوں کی پوجا کرنا؛ زنی اور شراب نوشی وغیرہ۔

اس بحث میں انبیاء اللہ اور حاخاموں کے متعلق یہودیوں کے ان دو مختلف مواقف کا جائزہ لیں گے۔ اور ان میں سے ہر ایک کی مثالیں اور ہر ایک موقف پر یہودی کتب سے شواہد ذکر کریں گے۔ تا کہ یہودیوں کی پاسداری اور حق سے ہٹ جانا واضح ہو جائے۔

اولاً: بعض انبیاء اور حاخاموں کی مدح میں یہودی غلو:

اس موقف پر کئی ایک شواہد ہیں جو یہودیوں کے مقدس اسفار اور کتاب تلمود میں وارد ہوئے ہیں۔ ان میں سے بطور مثال کے - نہ کے حصر و احاطہ کے - چند مثالیں ذکر کروں گا:

سفر الخروج میں آیا ہے:

''تو رب نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: دیکھ! میں نے تجھے فرعون کا معبود بنایا ہے۔ اور تیرا بھائی ہارون تیرا نبی ہوگا۔''[1]

اس نص میں یہود نے موسیٰ علیہ السلام کی قدر سے تجاوز کرتے ہوئے انہیں آگے مقام عبودیت تک لے گئے۔ اور انہیں اِلٰہ بنالیا۔ اور پھر اس نص کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور ان کے علاوہ تمام انبیاء کو اپنی توحید کی دعوت

[1] اصحاح ۷ فقرہ (۱)۔

دینے کے لیے بھیجا تھا کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کی جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ (الأنبیاء: ۲۵)

''اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف وحی کرتے تھے کہ بے شک میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے پس میری ہی بندگی کرو۔''

انبیاء کرام علیہم کی شان میں غلو کی ایک مثال حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق غلو ہے۔ جب وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کشتی کی، اور اس پر غالب آگئے - اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بری اور بلند ہیں-۔سفر تکوین میں ہے:

''سو یعقوب علیہ السلام اکیلے رہ گئے۔ اور ان کے ساتھ ایک انسان نے طلوع فجر تک کشتی کی۔ جب دیکھا کہ وہ اس پر غالب نہیں آرہے تو ان کی ران میں ایک مار ماری۔ تو حق تعالیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کی سرین سے جدا ہوا، اور ان سے کشتی ترک کی، اور کہا: مجھے چھوڑ دیجیے، فجر طلوع ہوگئی ہے۔-حضرت یعقوب علیہ السلام نے- کہا: ''اگر تم مجھ میں برکت نہیں ڈالوں گے تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے کہا: تمہارا نام کیا ہے؟ کہا: ''یعقوب۔'' تو فرمایا: '' آج کے بعد اس یعقوب نام سے نہیں پکارا جائے گا، بلکہ اسرائیل نام ہوگا؛ اس لیے کہ تو نے اللہ کے ساتھ جہاد کیا اور لوگوں کے ساتھ جہاد کیا اور ان پر غالب آیا۔''❶

ایسے ہی ان لوگوں نے حضرت دانیال علیہ السلام کی شان میں غلو کیا، اور ان کے متعلق گمان کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ان میں داخل ہوگیا ہے (یعنی۔حلول کر گیا ہے)۔ بخت نصر کی ایک عوامی تقریر میں ہے- جس میں اس نے تمام اہل زمین سے خطاب کیا تھا۔

'' آخر میں میرے دونوں پاؤں دانیال میں داخل ہوئے، جس کا نام (بلطشاصرّ) اللہ تعالیٰ کے نام کی طرح ہے۔ جس میں قدوسیوں کے معبودوں کی روح ہے۔ اس کے سامنے اپنا خواب بیان کیا اور کہا: ''اے بلطشاصر، مجوس کے بڑے (رہنما)! میں جانتا ہوں کے تجھ میں قدوسیوں کے معبودوں کی روح ہے؛ اور تجھ پر کوئی راز مشکل نہیں ہے، جو خواب میں نے

❶ الإصحاح ۳۲، فقرات ۲۴-۲۸۔

دیکھا ہے، اس کی تعبیر مجھے بتادیں۔ اور اس کی تعبیر دیدیں۔''❶

بخت نصر کی وفات کے بعد اس کے بیٹے کی ملکہ سے خطاب کے بارے میں ہے:

''تمہارے ملک میں ایک آدمی پایا جاتا ہے جس میں قدوسیوں کے معبودوں کی روح ہے۔ تمہارے باپ کے دنوں میں اس میں روشنی اور ذہانت، اور ایسی حکمت پائی گئی تھی جیسا کہ معبودوں کی حکمت ہوتی ہے۔''❷

یہ کلام اگرچہ بابل کے بادشاہوں کی طرف منسوب ہے، مگر یہودیوں کا اس کلام کو اسفار میں ذکر کرنا ، اور پھر حضرت دانیال علیہ السلام کے متعلق بیان کرتے ہوئے شروع میں اسے لانا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس بات پر عقیدہ و ایمان رکھتے ہیں۔

بشر میں اللہ تعالیٰ کے حلول کر جانے کے یہودی ایمان پر جو چیز پختہ دلیل ہے، وہ ان کے نبی حضرت اِشیعا کا بیان ہے۔ وہ مسیح منتظر کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یسی کی نسل سے ایک قضیب نکلے گا، جس کی شاخیں اسی کی اصل سے پروان چڑھیں گی، اور اس میں رب کی روح حلول کر جائیگی۔ جو حکمت اور فہم کی روح ہوگی؛ مشورہ اور قوت کی روح ہوگی؛ معرفت اور رب کے خوف کی روح ہوگی۔''❸

ایسے انہوں نے بعض انبیاء کی شان میں غلو کرتے ہوئے ان کا متعلق یہ عقیدہ بنالیا کہ وہ بعض غیبی امور جانتے ہیں۔ جیسا کہ ان کا گمان ہے کہ ''ایلیا'' یہ بات جانتے تھے کہ بارش کب نازل ہوگی۔ سفر ملوک اول (بادشاہوں کا پہلا سفر) میں ہے: ایلیا نے آخاب سے کہا:

''اوپر چڑھ، کھا، پی، اس لیے کہ انہوں نے بارش کی آواز محسوس کر لی ہے۔ سو آخاب اوپر چڑھا تا کہ کچھ کھا پی لے۔ اور جب کہ ایلیا کرمل (پہاڑ) کی چوٹی پر چلا گیا۔ اور وہاں سے زمین پر گرا؛ اور اپنے چہرے کو دونوں گھٹنوں کے درمیان میں کرلیا۔ اور اپنے خادم سے کہا:'' چڑھ، اور سمندر کی طرف جھانک؛ وہ اوپر گیا، اور جھانکا۔ اور کہا: کچھ بھی نہیں ہے۔ تو انہوں

❶ سفر دانیال : اصحاح ٤ ، فقرہ (٨-٩)۔
❷ سفر دانیال : اصحاح ٥ ' فقرہ ١١۔
❸ سفر اشعیاء ، اصحاح ١١ ، فقرات ١-٢۔

نے کہا: سات بار ایسے کرو۔ اور ساتویں بار کہا: ''اوپر چڑھ اور آخاب سے کہہ:'' یہ انسان کی ہتھیلی کے برابر بادلوں کی چھوٹی سی ٹکڑی ہے۔ جو کہ سمندر سے اٹھتی ہوئی آ رہی ہے۔ اور کہا: اوپر چڑھ اور آخاب سے کہہ: ''اپنے آپ کو کس لے، اور نیچے اتر آئے، کہیں بارش اس کا راستہ نہ روک لے۔ اور یہاں سے وہاں تک آسمان بادلوں اور ہوا سے کالا ہو گیا، اور بہت سخت بارش ہوئی۔'' ❶

یہ نص اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ ایلیا علیہ السلام نے بارش کی نشانیاں ظاہر ہونے سے قبل ہی اس کے متعلق جان لیا تھا۔ بلکہ آسمان اس وقت بالکل صاف تھا۔ جیسا کہ ان کے خادم کا بیان ہے۔ جس بارش کے آثار دیکھنے کے لیے گیا تھا۔ اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ بارش کا نازل ہونا غیبی امور میں سے ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اور ایلیا کے متعلق یہودیوں کا یہ دعوی، ان کے اس اعتقاد کی وجہ سے ہے کہ ان کے انبیاء بعض غیبی امور بھی جانتے ہیں۔ جب کہ بعض حاخاموں کے متعلق یہودی غلو بعض انبیاء کی شان میں غلو سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ تلمود میں بہت ساری ایسی نصوص ہیں جو حاخاموں کے متعلق ان کے غلو کو ظاہر کرتی ہیں، خاص کر تلمود لکھنے والے حاخاموں کی شان میں۔

ان نصوص میں سے کچھ کی صراحت تلمود میں ہے۔ اس اعتبار سے کہ کتاب " تـلـمـود " حاخاموں کی آراء کی ترجمان ہے، اور اس تورات سے افضل ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی ہے۔ تلمود میں ہے:

''اے میرے بیٹے! حاخاموں کے اقوال کی طرف اس سے اکثر دھیان دینا جو دھیان موسیٰ کی شریعت کی طرف دیتے ہو۔'' ❷

اور اس میں یہ بھی ہے:

''جس نے تورات پڑھی اس نے اچھا کام کیا، لیکن اس پر بدلے کا مستحق نہیں ہے۔ اور جس نے ''مشناۃ'' پڑھی اس نے فضیلت کا کام کیا، اور اس پر بدلہ کا بھی مستحق ہے، اور جس نے غامارا پڑھی اس نے بہت بڑی فضیلت کا کام کیا۔'' ❸

---

❶ اصحاح ١٨، فقرات ٤١-٤٥۔ ❷ ڈاکٹر روهلنك : "الكنز المرصود ص ٤٥۔

❸ "الكنز المرصود ص ٤٤۔ وبونس حنا مسعد : همجية تعاليم الصيهونية ص ٢٢۔

اور اس میں یہ بھی ہے:

''جس نے حاخاموں کے اقوال کو حقارت کی نظر سے دیکھا وہ موت کا مستحق ہے، جب کہ تورات کے اقوال کو حقارت سے دیکھنے والوں کے لیے یہ سزا نہیں ہے، اور جس نے تلمود کی تعلیمات کو ترک کر دیا اور صرف تورات کی تعلیم میں مشغول ہو گیا اس کے لیے کوئی نجات نہیں ہے۔ اس لیے کہ تلمود کے علماء اقوال اس شریعت سے افضل ہیں جو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ہیں۔'' ❶

ایک حاخام کی کتاب میں یہ بات بھی ہے:

''جو انسان مشناۃ اور غامارا کے بغیر تورات پڑھتا ہے، اس کا کوئی إلٰہ نہیں ہے۔'' ❷

اور اسی کتاب میں ہے:

'' بے شک تورات پانی سے مشابہ ہے، اور مشناۃ سرکہ (نبیذ) سے مشابہ ہے، اور غامارا خوشبودار سرکہ سے مشابہ ہے۔ اور کوئی انسان ان تین کتابوں سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ کوئی انسان ان گزشتہ ذکر کردہ تین اصناف سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔'' ❸

ان کے ہاں تلمود کی یہ منزلت ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ تلمود تورات سے افضل ہے۔ اور کسی یہودی کے لیے اس بات کی نہیں کہ وہ تورات کو لے کر تلمود سے مستغنی ہو جائے۔ یہودی دلوں میں تلمود کی یہ عظیم الشان منزلت یہ حاخاموں کی منزلت کی وجہ سے ہے۔ اس لیے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ حاخام انبیاء سے افضل ہوتے ہیں۔'' تلمود میں ہے:

'' جان لیجیے کہ حاخاموں کے اقوال انبیاء کے اقوال سے افضل ہیں۔ اور اس پر یہ بات بھی زیادہ ہے کہ آپ پر حاخاموں کے اقوال پر شریعت کی طرح اعتبار کرنا لازم ہے۔ اس لیے کہ ان کے اقوال اللہ تعالیٰ زندہ رہنے والے کے اقوال ہیں۔ جب آپ سے کوئی حاخام کہے کہ آپ کا دائیاں ہاتھ بائیاں ہے، یا اس کے برعکس، تو اس کی بات کی تصدیق کریں، اور اس سے خواہ مخواہ نہ جھگڑیں۔ سو اس وقت کیا عالم ہوگا جب وہ دائیں ہاتھ کو دائیاں ہی کہیں؛ اور

---

❶ ڈاکٹر روھلنك : " الكنز المرصود ص ٤٤۔
❷ ڈاکٹر روھلنك : " الكنز المرصود ص ٤٥۔
❸ ڈاکٹر روھلنك : " الكنز المرصود ص ٤٥۔

بائیں ہاتھ کو بائیاں ہی کہیں۔''❶

ایسے ہی ان لوگوں کا نظریہ ہے کہ حاخاموں کے اقوال اصل میں اللہ تعالیٰ کے ہی فرمودات ہیں۔ اور یہ واجب ہے کہ حاخاموں کے اقوال کو بغیر کسی جدال کے مسلمہ طور پر مانا جائے، بھلے وہ غلط ہی کیوں نہ ہوں۔تلمود میں یوں آیا ہے:

''جو کوئی اپنے حاخام یا معلم سے جھگڑا کرے، اس نے غلطی کی۔ گویا کہ اس نے اللہ رب العزت سے جھگڑا کیا۔''❷

حاخام مناحم حاخاموں کے متضاد اقوال کے متعلق کہتا ہے:

''یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا ہی کلام ہے، خواہ ان میں جتنا بھی تناقض پایا جائے۔ جو کوئی انہیں معتبر نہ جانے۔ یا یہ بات کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اقوال نہیں ہیں؛ اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کے حق میں خطأ کا ارتکاب کیا۔''❸

تلمود کی نصوص میں سے ایک اور نص میں ہے:

''بے شک ہر دور اور ہر شہر میں ربانی کلمات ہی اللہ تعالیٰ کے کلمات ہیں۔ اس لیے کہ انبیاء کے کلام سب سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ اگر چہ یہ آپس میں متناقض اور متنافر بھی ہوں۔ جو کوئی ان کا ٹھٹھہ اڑائے، یا صاحب کلمات پر طنز کرے، یا ان پر اف تک کہے، اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔ (یہ ایسے ہی ہے) جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کا مذاق اڑائے، یا اس پر طنز کرے، یا اس پر اف کہے۔''❹

ایک دوسری نص میں ہے:

''ربانیین کا خوف رکھنا ہی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔''❺

حاخاموں کے متعلق غلو اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بعض مشکلات پر

---

❶ " الکنز المرصود ص ٤٦۔ اسرائیل اور تلمود: ابراهیم خلیل احمد ص ٦٥۔

❷ ڈاکٹر روهلنك: " الکنز المرصود ص ٤٦۔

❸ ڈاکٹر روهلنك: " الکنز المرصود ص ٤٧۔

❹ پولس یوحنا: همجیة التعالیم الصیهونیة ص ٢٦۔

❺ همجیة التعالیم الصیهونیة ص ٢٥۔ اسرائیل و تلمود ص ٦٥۔

قابو پانے کے لیے حاخاموں سے مشورہ کرتے ہیں۔ اور حاخام آسمانوں میں ملائکہ کو تعلیم دیتے ہیں۔"
تلمود میں یوں آیا ہے:

"جب زمین پر کوئی ایسا مشکل مسئلہ پیش آجاتا ہے جس کا حل آسمانوں میں ممکن نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے حل کے لیے زمین میں موجود حاخاموں سے مشورہ کرتے ہیں۔" ❶

اور اسی کتاب میں ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ رات کو تلمود پڑھتے ہیں۔" ❷

اللہ تعالیٰ ان کی ان بیہودہ باتوں سے بہت ہی بلند اور پاک ہیں۔ اور ایک دوسری نص میں ہے:

"بے شک دوسور بانیین نیک وکار آسمان والوں کو تعلیم دیتے ہیں۔" ❸

حاخام یہودیوں کے ہاں معصوم ہیں۔ حاخام روسکی -تلمود کا ایک کاتب، دو حاخاموں کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کے متعلق- کہتا ہے:

"بے شک ان دونوں مذکورہ حاخاموں نے حق ہی کہا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حاخاموں کو معصوم عن خطاء پیدا کیا ہے۔" ❹

بس اتنا ہی نہیں؛ بلکہ وہ حیوانات جو حاخامات استعمال کرتے ہیں وہ بھی گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ تلمود میں آیا ہے:

"حاخام کے گدھے کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز کھائے جو حرام ہو۔" ❺

اس سے پہلے کی انبیاء اور حاخاموں کی شان میں یہودی غلو پر بات ختم کروں یہ بھی بہت ضروری ہے کہ ان لوگوں کی شان میں یہودی غلو کی ایک دوسری اور اہم جانب اشارہ کر دوں؛ وہ یہ کہ یہود اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ بعض انبیاء اور حاخام جن مردوں کے متعلق چاہیں انہیں دوبارہ زندگی دینے پر قادر ہیں۔ اس پر دلائل میں نے فصل "رجعت" میں ذکر کر دیے ہیں جن کو دوبارہ بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے لیے چاہیے کہ مذکورہ فصل کا مراجع کیا جائے۔

❶ ڈاکٹر روھلنگ: "الکنز المرصود ص ٤٦۔
❷ پولس یوحنا: همجية التعاليم الصيهونية ص ٣١۔
❸ همجية التعاليم الصيهونية ص ٣١۔
❹ ڈاکٹر روھلنگ: "الکنز المرصود ص٤٧۔
❺ ڈاکٹر روھلنگ: "الکنز المرصود ص ٤٨۔

ثانیاً: بعض انبیاء اور حاخاموں پر یہودی قدح:

اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام پر طعن کرنا اور ان کی شان میں کمی اور گستاخی کرنا یہودیوں کی نمایاں ترین نشانیوں میں سے ہے۔جس نے یہودیوں کی کتابیں پڑھی ہوں، وہ دیکھے گا کہ انبیاء اللہ کی شان میں گستاخی، ان پر طعن اور انتہائی گندے جرائم کے الزامات سے یہ کتابیں بھری پڑی ہیں، حالانکہ اللہ کے تمام انبیاء ان الزامات سے بری ہیں۔ ان مطاعن سے متعلق ان کے اسفار میں وارد ہونے والی چند نصوص کے ذکر پر اکتفا کروں گا۔

اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام پر لگائے گئے انتہائی قبیح الزامات میں سے ایک انتہائی بیہودہ اور ظالمانہ الزام یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا۔ اس الزام سے متعلق نص؛ جس کا اللہ تعالیٰ ہی ان کو بدلہ دے گا، سفر تکوین کے اصحاح ۱۹ میں یوں آیا ہے:

''لوط صوغر (جھونپڑے) سے اوپر چڑھے، اور پہاڑ میں رہائش اختیار کی، اور ان کی دونوں بیٹیاں ان کے ساتھ تھیں۔ اس لیے کہ آپ جھونپڑے میں رہنے سے ڈرتے تھے۔ سو آپ اور آپ کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہے۔ بڑی نے چھوٹی سے کہا: آؤ ہم اپنے باپ کو شراب پلاتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہم بستری کرتی ہیں۔ سو ہم اپنے باپ کی نسل کو (اس طرح) زندہ رکھیں گی۔ سو ان دونوں نے اس رات اپنے باپ کو شراب پلایا۔ کنواری داخل ہوئی اور باپ کے ساتھ ہمبستری کی۔ انہیں اس کے لیٹنے اور اٹھنے کا پتہ نہیں چلا۔ دوسرے دن کنواری نے چھوٹی سے کہا: گزشتہ رات میں اپنے باپ کے ساتھ لیٹی تھی۔ آج ہم پھر باپ کو شراب پلاتی ہیں، اور تم اس کے پاس چلی جاؤ اور ہم بستری کرو۔ سو ہم اپنے باپ کی نسل کو زندہ رکھیں گی۔ سو دوسری رات بھی ان دونوں نے اپنے باپ کو شراب پلائی۔ اور چھوٹی اٹھی اور اس کے ساتھ لیٹ گئی۔ انہیں اس کے لیٹنے اور اٹھ جانے کا علم نہ ہوسکا۔ سو اس طرح لوط علیہ السلام کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حمل سے ہوگئیں۔'' [1]

سبحان اللہ! اللہ کے انبیاء پر یہ کس قدر بڑا اور گندا بہتان ہے۔ اللہ کے نبی ہارون علیہ السلام پر اس سے بھی بڑا بہتان تراشا۔ اس طرح کہ وہ گمان کرنے لگے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑِ طور سے واپس آنے

[1] سفر تکوین، اصحاح ۱۹، فقرہ (پیرایہ) ۳۰-۳۶۔

میں تاخیر کردی تو حضرت ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لیے سونے کا بچھڑا تیار کیا تھا تا کہ وہ اس کی بندگی کریں۔ سفر خروج میں آیا ہے:

''جب لوگوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ سے اترنے میں تأخیر کردی ہے؛ تو قوم کے لوگ حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس جمع ہوئے، اور کہنے لگے: ''اٹھیے اور ہمارے لیے ایک معبود بنائیں، جو ہمارے آگے آگے چلتا رہے۔ کیونکہ جو موسیٰ ہمیں سرزمین مصر سے لے کر آئے ہیں، پتہ نہیں ان کا کیا بنا۔ تو حضرت ہارون علیہ السلام نے ان سے کہا: ''سونے کے وہ کڑے جو تمہاری بیویوں؛ بیٹوں اور بیٹیوں کے کانوں میں ہیں، نکال کر میرے پاس لاؤ۔'' تو پوری قوم نے اپنے کانوں سے کڑے نکال دیے، اور لے کر حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے اسے ہاتھوں میں لیا اور اس سے بولتے ہوئے بچھڑے کی صورت تیار کی۔ اور ان لوگوں سے کہا: اے بنی اسرائیل! یہ تمہارا وہ معبود ہے جو تمہیں مصر سے نکال لایا ہے۔''[1]

جب کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنے لشکر کے ایک کمانڈر کی بیوی کے ساتھ زنا کا الزام لگاتے ہیں۔ اور پھر جب ان کو علم ہوگیا کہ یہ عورت ان سے حاملہ ہے تو اس عورت کے شوہر کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کا الزام بھی لگاتے ہیں۔ صموئیل کے سفر دوم میں ہے:

''اور شام کا وقت تھا؛ داؤد اپنی چارپائی سے کھڑے اور بادشاہ کے گھر کی چھت پر چلنے لگے۔ انہوں نے دیکھا کہ چھت پر ایک عورت نہا رہی ہے۔ یہ عورت بہت ہی زیادہ خوبصورت تھی۔ داؤد نے ایک آدمی بھیجا اور اس عورت کے متعلق دریافت کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا: یہ وہی ''بتشبع'' بنت ''الیعام'' زوجہ ''اُوریا'، نہیں ہے۔ سو داؤد نے ایک قاصد بھیجا، اور اسے بلا لیا۔ جب وہ ان کے پاس گئی؛ تو وہ ان کے ساتھ لیٹ گئے؛ حالانکہ وہ ان کے چھونے سے بالکل پاک تھی۔ پھر جب واپس اپنے گھر گئی، اور یہ عورت حاملہ ہوگئی۔ اس نے ایک قاصد بھیجا اور داؤد علیہ السلام کو خبر دی کہ وہ حاملہ ہے۔ صبح کے وقت داؤد علیہ السلام نے یوآب کے نام ایک تحریر لکھی، اور اوریا کے ہاتھ اسے بھیجا۔ اور اس خط میں یہ لکھا ہوا تھا: ''اوریا کو

[1] اصحاح ۳۳؛ فقرہ (۱-٤)۔

سخت لڑائی والی جگہ پر تعینات کر دو۔ اور اس کے پیچھے سے پلٹ جاؤ، تاکہ یہ مارا جائے، اور موت واقع ہو جائے۔ جب اوریا کی بیوی کو اس کی موت کا علم ہوا، اس نے اپنے شوہر کا سوگ منایا، اور نوحہ کرتی ہوئی نکلی۔ داؤد نے ایک قاصد بھیجا۔ اور اسے اپنے گھر بلا لیا، اور یہ عورت اب ان کی بیوی بن گئی اور اس سے بیٹا بھی پیدا ہوا۔'' ❶

اس نص میں یہودیوں نے اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کی طرف ایسے شخص کی بیوی کے ساتھ زنا منسوب کیا ہے جو آپ کے لشکر میں آپ کی قیادت میں جہاد کر رہا تھا۔ اور غدر کرتے ہوئے اس آدمی کے قتل کرنے کی سازش بھی آپ کی طرف منسوب کی ہے۔ اپنی مقدس کتاب میں جس کے متعلق ان کا دعوی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی نازل شدہ ہے؛ یہ دو اتنے بڑے اور گھناؤنے جرائم اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہودیوں کو ذرا بھر بھی شرم نہیں آئی۔

جب کہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق یہودیوں نے ایسا تصور پیش کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نبی ایک عیاش قسم کے بادشاہ تھے، جن کی تمام تر رغبت اور فکر اپنی خواہشات نفس کو پورا کرنا تھا۔ کثرت کے ساتھ کھانا پینا، اور کثرت کے ساتھ عورتیں رکھنا، اور آخر کار انہی عورتوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہٹا کر بتوں کی عبادت پر لگا دیا تھا؛ جیسا کہ ان لوگوں کا ایمان وگمان ہے۔

سفر ملوک میں ہے:

''اور سلیمان (ماوراء) نہر سے لے کر فلسطین تک؛ وہاں سے تخوم مصر تک تمام بادشاہوں پر مسلط تھے۔ یہ لوگ سلیمان کے پاس ہدیے بھیجا کرتے۔ اور تمام زندگی سلیمان کی خدمت میں رہتے۔ سلیمان علیہ السلام کا روزانہ کا کھانا تیس کُر (ایک کُر ۲۰۷ کلو کے برابر ہوتا ہے) سمیذ، اور ساٹھ کُر آٹا، اور دس موٹے بیل؛ بیس چراگاہوں کے-جنگلی - بیل؛ اور ایک سو دنبے؛ ہرن، جنگلی گدھے؛ اور موٹے تازے بارہ سنگے ان کے علاوہ ہیں۔'' ❷

اور سفر ملوک میں ہی ہے:

''بادشاہ سلیمان فرعون کی بیٹی کے ساتھ کئی اجنبی -غریب الدیار- عورتوں سے محبت کرتے

---

❶ اصحاح ۱۱؛ فقرات (۲-٦؛ ١٤- ١٦؛ ٢٦)۔

❷ سفر الملوك الاول اصحاح ٤۔ فقرات ٢١-٢٣۔

تھے : موآبیات ، وعمونیات ، اُدومیات ، صیدونیات ؛ اور حثیات ، اور ان امتوں میں بہت ساری جن کے متعلق رب نے بنی اسرائیل سے کہا تھا : نہ ہی تم ان پر داخل ہونا اور نہ ہی وہ تم پر داخل ہوں ۔ اس لیے کہ وہ تمہارے دلوں کو اپنے معبودوں کی طرف مائل کرتے ہیں ۔ سو سلیمان اپنی محبت کی وجہ سے ان سے چمٹ گئے ۔ ان کے لیے سات سو آزاد بیویاں تھیں ؛ اور تین سو باندیاں تھیں ۔ ان عورتوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل کو مائل کر دیا تھا ۔ اور حضرت سلیمان کی بڑھاپے کی عمر میں اس کی بیویوں نے ان کے دل کو دوسرے معبودوں کی طرف مائل کر دیا تھا ۔ اور آپ کا دل پوری طرح اپنے رب معبود کے ساتھ نہیں لگا ہوا تھا ۔ جیسے کہ ان کے باپ داؤد کا دل تھا ۔ ''[1]

رہے حضرت عیسی علیہ السلام ؛ تو کوئی جرم ایسا نہیں ہے جو یہودیوں نے آپ پر نہ تھوپا ہو ۔ اس سے پہلے حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کی والدہ کے متعلق یہودیوں کا موقف پہلے بیان کر چکے ہیں ۔ اور ان کی حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق کافر ، جادوگر اور پاگل ہونے کی تہمت بھی گزر چکی ۔ پھر ان کا حضرت مریم رضی اللہ عنہا پر زنا کا الزام ، کہ حضرت عیسی علیہ السلام زنا کی پیداوار ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ان کی بیہودہ گوئیوں سے بری قرار دیا ہے ۔ اور ایسے ہی یہودیوں کے اسفار میں انبیاء کرام اور کاہنوں کی مذمت وارد ہوئی ہے ۔

اور انہیں جھوٹا اور شراب نوش قرار دیا ہے ۔ سفر ارمیا میں ہے :

'' رب کہتا ہے : '' یقیناً میں نے سامرہ کے نبیوں میں حماقت دیکھی ہے ۔ جنہوں نے بعل سے خبریں لیں ، اور میری قوم اسرائیل کو گمراہ کر دیا ۔ اور یروشلم کے انبیاء کے متعلق سوچنے سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ وہ فسق کرتے ہیں ، اور جھوٹ کی راہ پر چلتے ہیں ۔ اور شر پھیلانے والوں کے ہاتھ باندھتے ہیں ، یہاں تک کہ ان میں سے کوئی ایک بھی اپنے شر سے رجوع نہ کر سکے ۔ ''[2]

اور ایک دوسری نص میں ہے : '' انبیاء نے جھوٹی خبریں لائیں ، اور کاہنوں نے ان کے ہاتھوں پر احکام - نافذ - جاری کیے ۔ ''[3]

---

[1] اصحاح ٤ ؛ فقرہ ١-٤ ۔ [2] اصحاح ٢٣ ؛ فقرہ ١٣-١٤ ۔

[3] اصحاح ٥ ؛ فقرہ ٣١ ۔

اور سفر اشیعا میں ہے:

''کاہن اور نبی نشہ کی وجہ سے غشی میں آ گئے؛ انہیں شراب نے نگل لیا تھا؛ وہ نشہ کی وجہ سے گر پڑے؛ وہ اپنے خواب میں اور اپنے فیصلہ میں گمراہ ہوئے۔''❶

اور سفر اَرمیا میں ہے: ''اور اس لیے کہ انبیاء اور کاہن سب پلید ہو گئے، بلکہ میرے گھر میں میں نے ان کے شریر کو پایا؛ رب کہتا تھا۔''❷

یہ صرف چند مثالیں یہودیوں کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں جن میں انبیاء اور کاہنوں پر طعن اور تنقید ہے۔ جب کہ اس موضوع پر ان کی نصوص بہت ہی زیادہ ہیں۔ بس اتنے بیان سے میں سمجھتا ہوں کہ یہودیوں کے انبیاء اور کاہنوں سے متعلق موقف پر میں نے -بعض کی شان میں غلو اور بعض کی شان میں تنقیص- دونوں جانب سے کافی مناسب روشنی ڈالی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

دوسری بحث:......رافضیوں کا آئمہ میں غلو اور صحابہ پر طعن

رافضی اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلیفہ ہیں۔ اور یہ کہ آپ سے پہلے کے تین خلفاء نے آپ کا حق غصب کیا ہے۔ اور صاحبِ نص کو خلیفہ نہ بنا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ -تینوں خلفاء- کافر اور مرتد ہیں۔ -العیاذ باللہ-۔ اور ایسے ہی وہ تمام لوگ جنہوں نے ان تین خلفاء کی بیعت کی؛ اور ان سے دوستی کی اور محبت رکھی؛ وہ بھی رافضیوں کے ہاں کافر اور مرتد ہیں۔

جب تمام صحابہ کرام کا حضرت ابو بکر؛ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کے درست ہونے پر اجماع تھا؛ اور ان کا نظریہ ہے کہ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسروں سے بڑھ کر خلافت کے مستحق تھے۔ سو یہ تمام لوگ رافضیوں کے نزدیک کافر ہیں، سوائے تین کے۔ ان کے بارے میں رافضیوں کا گمان ہے کہ انہوں نے زبردستی بیعت کی تھی۔ کافی میں ہے: حنان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ ابو جعفر -علیہ السلام- سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

❶ اصحاح ۲۸، فقرہ ۷۔
❷ اصحاح ۲۳، فقرہ ۱۱۔

''نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد لوگ مرتد ہو گئے تھے، سوائے تین کے۔ میں نے کہا: وہ تین کون تھے۔ فرمایا: اور تین ہیں: حضرت مقداد بن اسود؛ اورحضرت ابو ذر غفاری؛ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد لوگوں نے پہچان لیا۔ اور فرمایا یہی لوگ تھے جن پر۔ظلم کی - چکی چلی۔ اور انہوں نے بیعت کرنے سے انکار کیا۔ یہاں تک کہ امیر المؤمنین کو زبردستی پکڑ کر لائے، اور انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی بیعت کی۔''[1]

جب رافضیوں نے اپنے بڑے عبداللہ بن سباء کی قیادت میں دیکھا کہ لوگ ان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں وصی ہونے کے، اور باقی صحابہ کے کافر ہونے کے دعوی کو بغیر دلیل کے قبول نہیں کریں گے؛ تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زبان پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل، اور دعوی ءنص میں ہزاروں حدیثیں گھڑ لیں۔ اور پھر تقریباً ان کے برابر ہی احادیث نبی کریم ﷺ کے عمومِ صحابہ پر طعن میں گھڑ لیں۔ خاص کر تین خلفاء کے متعلق۔ تاکہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا باقی تین خلفاء پر خلافت کا زیادہ حق دار ہونے کا پلڑا بھائی نظر آئے۔

پھر ان مبالغہ آمیز مناقب کو، جو کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیے تھے؛ اپنے ہاں امامت کے لیے شرط بنا دیا۔ گویا کہ انہوں نے یہ مناقب اپنے آئمہ میں سے ہر ایک کے لیے ثابت کیے؛ اور ان روایات میں بہت بڑا جھوٹ بولا جو انہوں نے اپنے آئمہ کی زبانی اپنی کتابوں میں بھر دی ہیں۔

رافضہ کے یہ منہج اختیار کرنے کے بعد یعنی اپنے آئمہ کی امامت ثابت کرنے کے لیے ان کی شان میں غلو، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں طعن اور گستاخی؛ انہوں نے اسے اپنے فاسد مذہب کے اصولوں میں سے ایک اصول بنا لیا؛ اور ایک ایسا میزان بنایا جس سے وہ لوگوں کا وزن کر سکیں تاکہ رافضی کی غیر رافضی سے پہچان ہو جائے۔ اور اس اصول کو وہ اپنی

کتابوں میں ((الولاء والبراء)) سے تعبیر کرتے ہیں۔''[2]

اس بحث میں میں ان شاء اللہ رافضہ کے ان دونوں مواقف کے متعلق ہی گفتگو کروں گا:

۱۔ آئمہ کے متعلق غلو کا موقف یہاں تک کہ انہیں الوہیت کے مرتبہ تک پہنچا دیا۔

---

[1] روضة الكافی ۸/ ۲۴۵- ۲۴۶، روایت نمبر ۳۴۱۔

[2] دیکھو: الصراط المستقیم إلی مستحقی التقدیم / للنباطی ۳/ ۷۴۔

۲۔ صحابہ کرام پر طعن کا موقف، یہاں تک کہ انہیں ملت اسلامیہ سے خارج کر دیا۔

اور اس بارے میں رافضیوں کی کتابوں میں وارد ہونے والی وہ مثالیں ذکر کروں گا جو ان کے ہاں معتمد اور ثقہ ہیں۔ اور وہ روایات جو آئمہ کی طرف منسوب ہیں، اور ان کے علماء کے اقوال ان دونوں مواقف کے متعلق۔

اولاً: آئمہ کی شان میں غلو:

رافضیوں نے اپنے آئمہ کی شان میں اتنا غلو کیا کہ انہیں بشریت سے بھی اوپر لے گئے۔ اور ان کی وہ صفات بیان کرنے لگے جو کسی ایک کے لیے بھی ثابت نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ساری مخلوقات سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی خاص ہیں۔ اور ان کی اپنے آئمہ کے متعلق بیان کی جانے والی صفات میں سے: ''ان کا آئمہ کے متعلق یہ دعویٰ بھی ہے کہ وہ غیب جانتے ہیں۔ اور یہ کہ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی چیز ان پر مخفی نہیں ہے۔ اور یہ کہ جو کچھ قیامت تک ہوگا، اور جو کچھ ہوا ہے؛ وہ سب آئمہ جانتے ہیں۔

بحار الأنوار میں امام صادق -علیہ السلام- سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

''اور اللہ کی قسم! ہمیں اگلوں اور پچھلوں کا علم دیا گیا ہے۔ آپ کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی کہنے لگا: میں آپ پر قربان جاؤں! کیا آپ کے پاس غیب کا علم ہے؟ تو آپ نے اس سے کہا: تمہارے لیے بربادی ہو، میں یقیناً جانتا ہوں جو کچھ مردوں کی پیٹھ میں ہے، اور جو کچھ عورتوں کے رحم میں ہے۔ تمہارے لیے ہلاکت ہو، اپنے سینوں کو کھلا کرو۔ اور اپنی آنکھوں کو کھولو؛ اور اپنے دلوں میں یاد رکھ لو-محفوظ کرلو-؛ سو ہم مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں۔ اور اس بات کی طاقت نہیں رکھتا سوائے ہر اس مومن کے سینہ کے جس کی قوت اللہ کے حکم سے تہامہ پہاڑ کی قوت کے برابر ہو۔ اور اللہ کی قسم اگر میں چاہوں تو اس پر موجود ہر کنکری کی گنتی کر کے تمہیں اس کی خبر دوں۔ اور کوئی دن اور رات ایسے نہیں گزرتے مگر اس میں یہ کنکریاں ایسے جنم دیتی ہیں جیسے باقی مخلوقات جنم دیتی ہیں۔ اور اللہ کی قسم تم میرے بعد آپس میں بغض رکھو گے؛ یہاں تک کہ آپس میں ایک دوسرے کو کھا جاؤ گے۔'' [1]

کافی میں عبداللہ بن بشر سے روایت ہے، وہ ابو عبداللہ سے روایت کرتے ہیں، بے شک انہوں نے فرمایا:

---

[1] بحار الأنوار للمجلسی ؛ ٢٦/ ٢٧-٢٨۔

''بے شک میں جانتا ہوں جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ اور میں جانتا ہوں جو کچھ جنت میں ہے اور جو کچھ جہنم میں ہے۔ اور میں جانتا ہوں جو کچھ ہو گیا اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ ...... اور فرمایا: ''پھر تھوڑی دیر ٹھہرے اور محسوس کیا کہ سامعین پر یہ بات بہت گراں گزری ہوگی؛ تو فرمایا: ''میں نے یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے جانا ہے، بے شک اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: ''اس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے۔'' ❶

سیف تمار سے منقول ہے، وہ کہتا ہے:

''ہم ابوعبداللہ - عَلَيْهِ السَّلَام - کے ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا: ''کعبہ کے رب کی قسم! اور اس بنیاد (اس سے مراد بھی کعبہ ہے) کے رب کی قسم! ❷ - آپ نے تین بار یہ بات کہی-؛ اگر میں موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام اور خضر عَلَيْهِ السَّلَام کے درمیان ہوتا تو میں انہیں بتا دیتا کہ میں ان سے زیادہ عالم ہوں، اور میں انہیں وہ چیز بھی بتا دیتا جو اس کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ اس لیے موسیٰ اور خضر علیہما السلام کو وہی علم دیا گیا ہے جو کچھ ہو گیا؛ اور جو کچھ ہونے والا ہے؛ اور جو کچھ قیامت تک ہوگا؛ اس کا علم انہیں نہیں دیا گیا تھا۔ اور یہ علم ہم نے رسول اللہ ﷺ سے وراثت میں پایا ہے۔'' ❸

یہ رافضیوں کا اپنے اماموں کے متعلق عقیدہ ہے۔ وہ اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے امام غیب کا علم رکھتے ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں جو کچھ مردوں کی پیٹھ میں ہے، اور جو کچھ ماؤں کے رحموں میں ہے۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے؛ اور جو کچھ جنت میں ہے، اور جو کچھ جہنم میں ہے۔ اماموں کی شان میں رافضیوں کے غلو کا ایک منظر اور یہ بھی ہے کہ: ''ان کا یہ اعتقاد آئمہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ ان کے شیخ ''مفید'' نے آئمہ کی عصمت پر رافضیوں کا اجماع نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''بے شک آئمہ جو کہ احکام نافذ کرنے، اور حدود قائم کرنے میں، اور شرائع کی حفاظت اور

---

❶ مصدر میں ایسے ہی آیا ہے، جب کہ درست آیت اس طرح ہے: ﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ (النحل: ۸۹) ''اور ہم نے آپ پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے کہ (اس میں) ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے۔'' الكلينى : اصول الكافی ۱/ ۲۶۱؛ وبحار الأنوار ۲۶/ ۲۸۔

❷ بنیہ سے مراد کعبہ کی بنیاد لوگ اس کی قسم اٹھاتے ہیں۔

❸ أصول الكافی : الكلينى ۱/ ۲۶۱۔ بصائر الدرجات : صفائر ص ۱۴۹۔

لوگوں کو تادیب دینے میں انبیاء کے قائم مقام ہوتے ہیں ؛انبیاء کی طرح گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔اوران سے کوئی صغیرہ گناہ بھی نہیں ہوسکتا،سوائے اس کے جو کہ انبیاء کے لیے ہونا ممکن ہے۔اوران سے کسی دینی معاملہ میں بھول ہونا بھی جائز نہیں ہے،اور نہ ہی احکام میں کسی چیز کو بھولتے ہیں۔اوراس بات پرتمام امامیہ فرقوں کا اتفاق ہے سوائے چند شاذ قسم کے لوگوں کے ؛ جو ظاہر روایات سے چپکے ہوئے ہیں،جن کی تأویلات اس باب میں ان کے فاسد گمان کے خلاف ہیں۔'' ❶

اس نص میں ''مفید'' کا خیال ہے کہ آئمہ سے نہ ہی بھول ہوسکتی ہے اور نہ ہی غفلت۔اور آئمہ معصوم ہیں ؛ ان سے کوئی صغیرہ گناہ بھی نہیں ہوسکتا سوائے اس طرح کے گناہوں کے جو انبیاء کرام سے ہو سکتے ہیں۔ان کے بعض علماء نے اس پر کچھ اور زیادہ کیا ہے۔ان کا گمان ہے کہ آئمہ سے صغیرہ گناہ کا صادر ہونا بھی ممکن نہیں ہے۔زنجانی نے صدوق سے نقل کیا ہے،انہوں نے کہا ہے:

''انبیاء، رسولوں اور آئمہ کے متعلق ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔اور ہر قسم کی نجاست سے پاک ہیں۔اور وہ نہ ہی چھوٹا گناہ کرتے ہیں اور نہ بڑا گناہ۔اور نہ ہی جو کچھ اللہ تعالیٰ ان کو حکم دیتے ہیں،اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔اور جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے وہ کر گزرتے ہیں۔اور جنہوں نے کسی بھی چیز میں کسی بھی حال میں ان سے عصمت کی نفی کی، اس نے یقیناً انہیں جاہل کہا ہے ؛ اور جس نے انہیں جاہل کہا اس نے کفر کیا۔'' ❷

اس عقیدہ میں ان کے معاصر علماء بھی اپنے اسلاف کے ساتھ شریک ہیں۔محمد رضا المظفر کہتا ہے:

''ہم اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ امام نبی کی طرح ہوتا ہے۔اس لیے یہ واجب ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی تمام رزائل اور فواحش سے ؛ بچپن سے لے کر موت تک پاک ہو؛ خواہ عمداً ہو یا سہواً (کوئی گناہ ان سے صادر نہ ہو)۔جیسا کہ یہ واجب ہے کہ وہ خطأ ،نسیان اور سہو سے پاک ہو۔'' ❸

---

❶ أوائل المقالات ص ٧١-٧٢۔

❷ إبراهيم الموسوي الزنجاني ، عقائد الاثنى عشرية ٢/ ١٥٧۔

❸ عقائد الإماميه : المظفر ص ١٠٤۔

نیز وہ کہتا ہے:

''بلکہ ہم اس بات کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور ان کی نہی اللہ تعالیٰ کی نہی ہے۔ ان کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ ان کا دوست اللہ تعالیٰ کا دوست ہے، اور ان کا دشمن اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ اور ان کی بات کو رد کرنا جائز نہیں۔ ان کو رد کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ پر رد کرنے والا؛ اور رسول اللہ ﷺ پر رد کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ پر رد کرنے والا۔'' ❶

اور خمینی کہتا ہے:

''ہم اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ آئمہ نے فقہاء کو جو منصب تفویض کیا ہے، اس کا حق آج تک ان کے لیے محفوظ ہے۔ اس لیے کہ آئمہ جن کے بارے میں ہم کسی سہو یا غفلت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اور اہم اس بات کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان میں ان تمام مصلحتوں کا احاطہ ہے جو مسلمانوں کے حق میں ہیں۔ وہ اس بات کے واقف تھے کہ فقط ان کے مر جانے سے ان کے فقہاء سے یہ منصب ختم نہیں ہو جائے گا۔'' ❷

اور آئمہ کی تعلیمات کے متعلق کہتا ہے:

''بے شک آئمہ کی تعلیمات قرآنی تعلیمات کی طرح ہیں۔ یہ کسی خاص نسل کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ یہ تعلیمات ہر جگہ اور ہر زمانے کے لوگوں کے لیے ہیں۔ اور قیامت کے دن تک ان کو نافذ کرنا اور ان کی اتباع کرنا واجب ہے۔'' ❸

ان نقول سے ہمارے لیے - قدماء اور معاصرین - رافضہ کا اجماع واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام لوگ آئمہ کے معصوم ہونے کے قائل ہیں۔ اور یہ کہ آئمہ کے لیے، سہو، نسیان، غفلت اور خطاء کا ہونا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ اور یہ ان تمام امور میں انبیاء کی طرح ہیں۔ سو جس چیز کا صادر ہونا انبیاء سے جائز نہیں، اس چیز کا آئمہ سے صادر ہونا جائز نہیں ہے۔

---

❶ المرجع السابق ١٠٦-١٠٧۔

❷ الحکومة الإسلامية ص ٩١۔

❸ المرجع السابق ص ١١٣۔

یہ رافضیوں کے لیے کوئی اچھنبی بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے آئمہ انبیاء اور مرسلین - جن اولوالعزم بھی ہیں - سے بڑھ کر افضل ہیں۔ یہ عقیدہ بذات خود آئمہ کی شان میں ایک بہت بڑا غلو ہے۔ نعمت اللہ الجزائری اپنی کتاب انوار نعمانیہ میں امامیہ فرقہ کی انبیاء اور آئمہ میں فضیلت کے متعلق رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے:

''یہ بات جان لیجیے کہ ہمارے اصحاب - رضوان اللہ علیہم - کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ متواتر اخبار کی روشنی میں ہمارے نبی کریم ﷺ سارے انبیاء - علیہم السلام - سے افضل ہیں۔ اختلاف صرف امیر المؤمنین اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے باقی انبیاء سے افضل ہونے کے بارے میں ہے، سوائے ان کے نانا کے۔

''سو ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ اولی العزم انبیاء کے علاوہ باقی انبیاء سے افضل ہیں۔ بے شک یہ - اولوالعزم انبیاء - آئمہ - علیہم السلام - سے افضل ہیں۔ اور بعض ان سب کے درمیان مساوات کے قائل ہیں۔ اور اکثر متأخرین آئمہ کو اولوالعزم اور دوسرے سب انبیاء پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور یہی رائے درست ہے۔''❶

الجزائری کا یہ کہنا کہ:

''ان کے نانا کے علاوہ'' یہ بھی صرف ایک من بہاتے ہوئے دھوکے اور منافقت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے؛ اس لیے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ آئمہ فضیلت میں نبی کریم ﷺ کے برابر ہیں۔ اس پر بہت سی روایات دلالت کرتی ہیں جو ان کی امہات کتب میں مذکور ہیں؛ جن میں سے بعض کو مجلسی نے بحار الأنوار میں ایک مستقل باب میں نقل کیا ہے، اس کا نام ہے:

((بـاب: أنـه جـرى لهـم من الفضل والطاعة ما جرى لرسول الله ﷺ، وأنهم في الفضل سواء.))

باب: یہ کہ یقیناً ان کے لیے بھی ویسی ہی فضیلت اور اطاعت ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے، اور یہ کہ یہ تمام فضیلت میں برابر ہیں۔''❷

---

❶ انوار النعمانیه ۱/ ۲۰-۲۱۔

❷ بحار الأنوار: ۲۵-۳۵۲۔

وہ روایات جو اس عنوان کے تحت نقل کی گئی ہیں، ان میں سے: سعید الاعرج سے روایت ہے، وہ کہتا ہے:

''میں اور سلیمان بن خالد ابو عبد اللہ جعفر بن محمد علیہما السلام پر داخل ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے ابتداء کی اور کہا: ''اے سلیمان! جو کچھ امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے منقول آیا ہو، اسے قبول کیا جائے گا۔ اور جس چیز سے انہوں نے منع کیا ہے، اس سے رکنا ہوگا۔ اور ان کی فضیلت ویسے ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کی فضیلت ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ کی فضیلت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام خلق پر ہے۔ امیر المؤمنین پر کسی چیز میں عیب لگانے والا ایسے ہی ہے جیسے اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر عیب لگانے والا۔ اور ان کی کسی بھی چھوٹی یا بڑی بات کو رد کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی حد پر ہے۔ حضرت امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کا وہ دروازہ تھے جس سے آیا جاتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی وہ راہ ہیں جس نے اس کے علاوہ کسی اور راہ کو اختیار کیا وہ ہلاک ہوگیا۔ اور ایسے ہی یہ حکم آپ کے بعد ایک ایک کر کے آئمہ کے لیے جاری ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین کے ارکان -ستون- بنایا ہے۔ اور یہ زمین پر موجود اور تحت الثری لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں۔'' [1]

شیعہ اس بات کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے اسلام مکمل ہو جائے؛ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے ساتھ آئمہ کی تعلیمات کا اضافہ ہونا ضروری ہے۔ اور کسی مسلمان کے لیے اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو لے لے اور آئمہ کی تعلیمات کو ترک کر دے۔ ان کا ایک معاصر عالم حسن شیرازی کہتا ہے:

''جیسا کہ اسلامی محاذ استقامت پر قائم رہنے کے لیے محمد ﷺ، حضرت علی اور حضرت حسین کی کاوشوں کا محتاج تھا۔ ایسے ہی کسی دل میں اسلام اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جس میں محمد ﷺ حضرت علی اور حضرت حسین اکٹھے نہ ہوں۔ اس لیے کہ محمد ﷺ کی تعلیمات ابتدائی ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعلیمات تربیتی ہیں اور حضرت حسین کی تعلیمات امدادی ہیں۔ جب تک یہ تینوں عناصر حرکت میں نہیں رہیں گے اس وہ وقت تک اسلام اپنے وجود کی طرف ظاہر نہیں ہوسکتا۔'' [2]

---

[1] المصدر السابق ٢٥/ ٣٥٢۔
[2] الشعائر الحسینیة: حسین الشیرازی ص ١٣- ١٤۔

رافضہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ سرکشی کرتے ہوئے اس سے بھی آگے بڑھ گئے۔ جب وہ یہ گمان کرنے لگے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کچھ فضائل ایسے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی نہیں تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رافضی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ پر فضیلت دیتے ہیں۔ صدوق سے روایت کیا گیا ہے، جس کو وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں،

بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے تین چیزیں دی گئی ہیں ؛ اور علی ان میں میرا شریک ہے۔ اور علی کو تین چیزیں دی گئی ہیں جن میں میں علی کا شریک نہیں ہوں۔ آپ ﷺ سے کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ !وہ تین چیزیں کیا ہیں جن میں علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: '' مجھے حمد والا جھنڈا دیا گیا ہے، اور علی اس کے اٹھانے والے ہیں۔ اور نہر کوثر میری ہے، اور علی اس کے ساقی -میزبان- ہیں۔ اور جنت اور جہنم کا اختیار مجھے ہے، اور اس کی تقسیم کرنے والے علی ہیں۔ اور جو تین چیزیں حضرت علی کو دی گئی ہیں اور میں ان میں شریک نہیں ہوں : بے شک انہیں شجاعت دی گئی ہے، اور مجھ ان جیسی شجاعت نہیں ملی۔ اور انہیں فاطمہ زہرا جیسی بیوی ملی ہے، مجھ اس جیسی کوئی بیوی نہیں ملی۔ اور انہیں حسن اور حسین دیے گئے ہیں، اور مجھ ان جیسا کوئی نہیں دیا گیا۔'' [1]

جو انہوں نے اللہ کے رسول اور اس کے حبیب پر جھوٹ گھڑا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں ان کی باتوں کا ایسا بدلہ دے جس کے وہ مستحق ہیں۔ بے شک وہ جاننے والا اور سننے والا ہے۔

جو بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نبی کریم ﷺ سے افضل ہونے کے ان -شیعہ- کے عقائد کو پختہ کرتی ہے، وہ ''امالی'' میں صدوق کی روایت ہے، جسے اس نے ظلم اور بہتان کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے؛ کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

''علی بن ابی طالب خیر البشر ہیں۔ جس نے اس کا انکار کیا، اس نے یقیناً کفر کیا۔'' [2]

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم پر فضیلت دینے کی ایک دوسری دلیل ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ

---

[1] بواسطه احسان الهی ظهير : الشيعة وأهل البيت ص ١٩١ ، من الحاشية۔

[2] أمالي الصدوق ص ٧١۔

اس عموم بشریت میں داخل ہیں جن پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت جتائی گئی ہے۔ جب کہ ان کے معاصر امام اور آیۃ اللہ العظمی ،[اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانی] آیۃ اللہ الخمینی اس کا عقیدہ ہے کہ آپ -حضرت علی رضی اللہ عنہ - تمام آئمہ سے افضل ہیں ؛ جن کے مقام کو نہ ہی کوئی مقرب فرشتہ پاسکتا ہے، اور نہ ہی کوئی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا نبی۔ وہ کہتا ہے :

''بے شک امام کے لیے ایسا مقامِ محمود ہے، اور ایسا بلند درجہ ہے ؛ اور ایسی تکوینی خلافت ہے جس کے غلبہ اور ولایت کے سامنے ساری کائنات ؛ اور اس کائنات کا ہر ایک ذرہ جھکے ہوئے ہیں۔ اور ہمارے مذہب کی ضروریات میں سے ہے کہ :''بے شک ہمارے آئمہ کے لیے ایسا مقام ہے جس کو نہ ہی کوئی مقرب فرشتہ پاسکتا ہے، اور نہ ہی کوئی نبی مرسل۔'' [1]

یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عموم میں داخل ہیں۔

خمینی کے اس کلام سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ان کے سارے آئمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں۔ اور معاملہ ایسے نہیں رہا جیسے ان کے سلف میں تھا، جو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل مانتے تھے۔ رہا ان کا یہ دعوی کہ آئمہ ملائکہ سے افضل ہیں ؛ تو بات خمینی سے پہلے ان کے سلف کی ایک جماعت اس عقیدہ میں خمینی پر سبقت لے گئی ہے ؛ ان ہی میں سے ایک صدوق بھی ہیں۔

ان کی کتاب '' العلل و الشرائع '' میں یہ بات روایت کی گئی ہے، جو کہ یقیناً انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑا ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا :

''بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کو ملائکہ مقربین پر فضیلت دی ہے۔ اور مجھے تمام انبیاء اور مرسلین پر فضیلت دی ہے۔ اور اے علی ! میرے بعد فضیلت آپ کے لیے اور آپ کے بعد آئمہ کے لیے ہے۔ بے شک ملائکہ ہمارے خدام ہیں ، اور ہم سے محبت کرنے والوں کے خدام ہیں۔...... اے علی ! اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نہ ہی آدم کو پیدا کرتے اور نہ ہی حوا کو ؛ نہ ہی جنت کو اور نہ ہی جہنم کو، اور نہ زمین پیدا کرتے اور نہ ہی آسمان۔ اور ہم ملائکہ سے افضل کیسے نہیں ہوسکتے ؟ جب کہ ہم توحید میں اور اپنے رب کی معرفت میں ؛ اس کی تسبیح و تقدیس میں ؛ اور لا إلہ الا اللہ کہنے میں ان پر سبقت لے گئے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے

---

[1] الحکومة الإسلامیة ص ۵۲۔

پہلے ہماری روحیں پیدا کیں ؛ سو ہم اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی تمجید [بزرگی کے بیان میں] بول پڑے۔ پھر ملائکہ کو پیدا کیا ؛ جب انہوں نے ہماری روحوں کا ایک نور کی حیثیت میں مشاہدہ کیا ؛ تو انہوں نے ہمارے کاموں کو بہت بڑا سمجھا۔ پھر ہم نے ملائکہ کی تعلیم کے لیے تسبیح بیان کی کہ ہم مخلوق ہیں، اور بے شک وہ - اللہ تعالیٰ - ہماری صفات سے منزہ ہے۔ پھر ملائکہ نے بھی ہمارے تسبیح کہنے پر تسبیح کہی ؛ اور اس کو ہماری صفات سے منزہ بیان کیا۔ سو ملائکہ ہماری وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کی توحید ؛ اس کی تسبیح ؛ تہلیل، تحمید، اور تمجید کی طرف ہدایت پائے۔'' ❶

یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان -شیعہ- کے ہاں آئمہ ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور انہیں اس فضیلت سے نوازا گیا ہے، اس لیے کہ یہی تو ہیں جنہوں نے ملائکہ کو توحید سکھائی ؛ اور ان کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔ اتنا ہی نہیں ؛ بلکہ ان لوگوں کا گمان ہے کہ کوئی بھی صحیح علم ایسا نہیں جس کی ابتداء حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہ ہوتی ہو۔ کافی میں زرارہ سے نقل کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں :

'' میں ابو جعفر علیہ السلام کے پاس تھا۔ ان سے اہل کوفہ کے ایک آدمی نے کہا ، جو امیر المؤمنین علیہ السلام کے اس قول کے متعلق پوچھ رہا تھا: '' مجھ سے جو چاہو پوچھ لو۔ تم مجھ سے جس بھی چیز کے بارے میں سوال کرو گے میں تمہیں اس کا جواب دوں گا۔''

تو انہوں نے کہا: '' کسی کے پاس بھی کوئی علم ایسا نہیں ہے مگر اس علم کی ابتداء حضرت علی سے ہوئی ہے۔ لوگ جہاں مرضی چاہیں چلے جائیں ؛ سو اللہ کی قسم ! ہر معاملہ یہاں سے ہی ہے'' - یہ کہہ کر - اپنے ہاتھ سے اس کے گھر کی طرف اشارہ کیا۔'' ❷

رافضیوں کے اپنے آئمہ کی شان میں غلو کے مظاہر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ: -ان کے آئمہ- جب چاہیں انسانوں اور حیوانوں میں سے کسی بھی مردہ کو دنیا کی زندگی میں دوبارہ لا سکتے ہیں۔ اس سے پہلے فصل '' رجعت '' میں اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ دلائل ذکر کر چکا ہوں۔

رافضہ کے اپنے آئمہ کی شان میں غلو کے مظاہر میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور صفات العلی

---

❶ الصدوق : العلل والشرائع ص ٥۔

❷ أصول الكافي للكليني ١/ ٣٩٩۔

کا اپنے آئمہ پر اطلاق کرنا ہے۔ اوران کی مدح میں اتنا مبالغہ کرنا کہ انہیں ربوبیت کی منزلت تک پہنچادیا۔ ایسے ہی انہوں نے فضائل آئمہ میں ابوجعفر سے ایک لمبی حدیث روایت کی ہے، اس میں ہے:

''اللہ کی قسم! ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء کے اوصیاء -وصی- ہیں۔ اور ہم ہی وہ مثانی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو عطا کیا ہے۔ ہم نبوت کا شجر ہیں، اور رحمت کی کھیتی؛ حکمت کی کانیں، اور علم کے چراغ۔ اور موضع رسالت؛ اور ملائکہ کے اختلاف کی جگہ، اور اللہ تعالیٰ کے راز کا ٹھکانہ؛ اور لوگوں میں اللہ جل جلالہ کی امانت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا بڑا حرم ہیں۔ اور اس کا وہ عہد ہیں جس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی؛ جس نے ہمارے عہد سے وفا کی اس نے اللہ کے عہد سے وفا کی۔ اور جس نے اسے توڑا، اس نے اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور اس کے عہد کو توڑا۔ جسے ہم نے پہچانا اس نے ہمیں پہچان لیا، اور جس سے ہم لاعلم رہے؛ وہ ہم سے لاعلم رہا۔ اور اللہ کی قسم! ہم وہ کلمات ہیں جو آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سیکھے، اور اس پر ان کی توبہ قبول ہوئی۔''❶

اور ایسے بصائر الدرجات میں ہاشم بن ابوعمار سے روایت ہے؛ وہ کہتے ہیں:

''میں نے امیر المؤمنین علیہ السلام کو کہتے ہوئے سنا: ''میں اللہ کی آنکھ ہوں، اور میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوں؛ میں اللہ کا پہلو ہوں؛ اور میں اللہ کا دروازہ ہوں۔''❷

ابوعبداللہ سے روایت ہے، امیر المؤمنین علیہ السلام کہا کرتے تھے:

''میں اللہ تعالیٰ کا علم ہوں؛ اور میں اللہ تعالیٰ کا یاد کرنے والا دل ہوں؛ اور میں اللہ تعالیٰ کی بولنے والی زبان ہوں؛ اور اللہ کی دیکھنے والی آنکھ ہوں۔ اور میں اللہ کا پہلو ہوں؛ میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوں۔''❸

اور ابوجعفر سے روایت کیا گیا ہے، بے شک آپ کہا کرتے تھے:

''ہماری وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی گئی ہے، اور ہماری وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوئی ہے، اور ہماری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کا حجاب ہیں۔''❹

---

❶ علم اليقين في معرفة أصول الدين؛ للمحسن الكاشاني ٢/ ٥٩٧۔

❷ بصائر الدرجات للصفار ص ٨١۔ ❸ بصائر الدرجات للصفار ص ٨٤۔

❹ بصائر الدرجات للصفار ص ٨٤۔

ان روایات سے ہمارے لیے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ رافضی اپنے آئمہ کی شان میں کس قدر غلو کرتے ہیں۔ یہاں تک انہوں نے ان -آئمہ- کو ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنادیا۔ یہاں تک کہ اس کے اسماء وصفات میں -انہیں شریک بنایا-۔ جب کہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ رافضیوں کے ہاں ان کی بہت ہی بڑی منزلت ہے؛

جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ باقی آئمہ سے جداگانہ اورممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ان کی شان میں تو اس قدر غلو کیا کہ ہر ایک حد کو پار کر گئے۔ اور آپ کے لیے رب معبود برحق کی جگہ بنالی۔حضرت کی شان میں ان کے غلو میں سے یہ بھی ہے کہ: وہ یہ گمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ جو حضرت علی سے دوستی رکھے گا، اسے عذاب نہیں دیا جائے گا، بھلے وہ اللہ تعالیٰ نافرمان ہی کیوں نہ ہو۔اور جو کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھے گا اسے عذاب دیا جائے گا بھلے وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں میں سے ہی کیوں نہ ہو۔

امالی میں صدوق سے روایت کیا گیا ہے کہ: ''بے شک جبریل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے؛ اور کہا: ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ بڑی شان والا آپ کو سلام کہتا ہے؛ اور کہتا ہے: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی میری رحمت ہے؛ اور علی رضی اللہ عنہ میری حجت ہے۔اور میں اسے عذاب نہیں دوں گا جو علی سے دوستی رکھے؛ بھلی وہ میری نافرمانی ہی کیوں نہ کرے۔اور اس پر رحم نہیں کروں گا جو اس سے دشمنی رکھے، اگر چہ وہ میری فرمانبرداری ہی کیوں نہ کرے۔'' [1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِباً﴾ (الکهف:۵)

''بڑی سخت بات ہے جو اُن کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ) جو کچھ یہ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے۔''

اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں شک کیا اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ میں ڈالے گا؛ اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں شک اللہ تعالیٰ میں شک ہے۔اور حضرت علی پر ایمان رکھنا اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا ہے۔اور اس طرح کی اور کئی مبالغہ آمیزیاں ہیں جو رافضی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان

[1] امالی للصدوق ص ۵۲۴۔

میں کرتے ہیں۔ المحاسن میں ہے: ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اگر امیر المؤمنین علیہ السلام تمام اہل زمین سے جھگڑا کریں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم کی آگ میں ڈال دے۔'' ❶

محمد بن جعفر علیہما السلام اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل امین نازل ہوئے، اور کہا: ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! - اللہ تعالیٰ کی جانب سے - آپ پر سلام بھیجا جارہا ہے؛ اور وہ کہتا ہے: ''میں نے سات آسمان اور جو کچھ ان میں ہے، اور سات زمینیں اور جو کچھ ان پر ہے، پیدا کیے؛ مگر رکن اور مقام سے بڑی کوئی چیز نہیں پیدا کی۔ اور اگر کوئی انسان آسمانی اور زمین کی پیدائش کے وقت سے مجھے پکارتا ہوا - اور میری عبادت کرتا ہوا - ملے، مگر وہ علی کی ولایت کا منکر ہو؛ میں اسے منہ کے بل جہنم میں گرادوں گا۔'' ❷

اور امالی صدوق میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''علی کی ولایت اللہ تعالیٰ کی ولایت ہے۔ اور اس کی محبت اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اور ان کی اتباع اللہ تعالیٰ کا فریضہ ہے۔ آپ کے دوست اللہ کے دوست ہیں۔ اور ان کے دشمن اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔ ان سے جنگ اللہ تعالیٰ سے جنگ ہے۔ اور ان سے صلح اللہ تعالیٰ سے صلح ہے۔'' ❸

ایک دوسری روایت میں ہے جسے صدوق نے حذیفہ بن اسید سے روایت کیا ہے، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اے حذیفہ! بے شک تم پر میرے بعد اللہ تعالیٰ کی حجت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہے۔ ان کا کفر اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا ہے۔ اور ان کے ساتھ شریک ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ اور ان میں شک کرنا اللہ میں شک کرنا ہے۔ اور ان کے بارے میں الحاد اللہ تعالیٰ کی ذات میں الحاد ہے؛ ان کا انکار اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔ اور ان پر ایمان اللہ پر ایمان ہے۔'' ❹

❶ المحاسن، للبرقي ص ٨٩۔
❷ المحاسن، للبرقي ص ٨٩۔
❸ أمالي الصدوق ص ٣٦۔
❹ أمالي الصدوق ص ١٦٥۔

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے ؛ جس میں انہوں نے غلو کیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کے مرتبہ تک پہنچا دیا۔ سو جس نے علی رضی اللہ عنہ میں شک کیا، اس نے اللہ میں شک کیا ؛ اور جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کفر کیا، وہ اللہ تعالیٰ کا کفر کرنے والا ٹھہرا۔ اور جو علی رضی اللہ عنہ پر ایمان لایا، وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا ہے۔

اس موقع پر ان لوگوں سے سوال کیا جاسکتا ہے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کس چیز سے حضرت علی رضی اللہ عنہ میں شک ہوگا ؟ ؛ اور ان کے ساتھ کفر کیسے ہوگا ؟ اور ان پر ایمان کیسے ہوگا ؟ اور کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام مخلوق اور عبد کے مقام سے ہٹ کر کچھ اور ہے ؟۔ جسے اگر کوئی ثابت نہیں مانے گا تو وہ علی رضی اللہ عنہ کا کفر کرنے والا یا ان میں شک کرنے والا ہوگا ؟۔ یا آپ بھی یہ کہتے ہیں کہ : -حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور مخلوق ہیں ؟ اگر آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کی منزلت بندے اور مخلوق کی منزلت سے علاوہ کچھ ہے ؛ تو وہ منزلت کون سی ہے ؟ اگر آپ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں، تو کوئی عاقل ایسا نہیں پایا جاتا جو اس بات کا انکار کرے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور مخلوق ہیں ؛ تو پھر ان روایات کے کیا معانی ہیں ؟

اس سوال کا جواب بھی رافضیوں کی روایات میں کئی دوسری جگہوں پر آیا ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رافضیوں کے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منزلت عبودیت سے ذرا کم ہے، اور وہ ان کے بارے میں ربوبیت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

مجلسی کہتا ہے : باطن اہل بیت کی تفسیر میں ہے، وہ فرمانِ الٰہی کے بارے میں کہتے ہیں :

﴿قَالَ أَمَّا مَن ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَى رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَاباً نُّكْراً﴾

(الکہف : ۸۷)

''کہا کہ جو (کفر و بدکرداری سے) ظلم کرے گا ہم اسے عذاب دیں گے پھر (جب) وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اُسے بُرا عذاب دے گا۔''

کہا : اسے امیر المؤمنین کے پاس لوٹایا جائے گا، اور وہ انہیں سخت برا عذاب دے گا۔ یہاں تک کہ وہ کہے گا : ﴿يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَاباً﴾ (النباء : ۴۰) ''ہائے میرے لیے افسوس میں اگر مٹی ہوا۔'' یعنی : ''میں ابوتراب -حضرت علی رضی اللہ عنہ - کے شیعوں میں سے ہوتا۔'' وہ اس روایت پر تعلیق لگاتے

ہوئے کہتا ہے:

''یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لوٹایا جانا رب کی طرف ہو۔ اور اس سے قصد اس کی طرف لوٹایا جانا کیا گیا ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے روزِ قیامت مخلوقات سے حساب کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ یہ مجاز عام طور پر پایا جاتا ہے۔ یا - ایسے بھی ہوسکتا ہے کہ - رب سے مراد امیر المؤمنین علیہ السلام ہوں۔ کیونکہ آپ ہی وہ ہستی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ علم اور کمالات میں مخلوق کی تربیت کی ذمہ داری سونپ دی ہو۔ اور وہی ان کے ساتھی اور دنیا اور آخرت میں ان پر حاکم ہیں۔''[1]

یہ ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اعتقاد ہے۔ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رب ہے۔ اور آپ ہی دنیا اور آخرت میں مخلوق کے حاکم ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلی کی روایت میں گزر چکا ہے۔ جس کی صراحت ان کے گیارہویں صدی کے بڑے محدث اور سب سے بڑے انسائیکلو پیڈیا آف حدیث کے مؤلف محمد باقر مجلسی نے کی ہے۔

ان کی حدیث کی کتابوں میں ایسی روایات آئی ہیں جو اس معنی کی تائید کرتی ہیں کہ جناب حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ہی دنیا اور آخرت میں مخلوق پر حاکم ہوں گے۔

سلیم بن قیس کا گمان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

''اے علی! تم میرے بعد اس زمین میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانی ہو۔ اور قیامت میں ایک بڑے رکن ہو، جس نے تیرے سائے میں پناہ لی وہ کامیاب ہوگیا۔ اس لیے کہ مخلوق کا حساب تیرے پاس ہوگا؛ اور تیری طرف ان کا لوٹ کر آنا ہے۔ اور میزان تیرا میزان ہے، اور پل صراط تیرا پل صراط ہے۔ اور موقف (میدان حشر) تیرا موقف ہے۔ اور حساب تیرا حساب ہے۔ سو جو کوئی تیری طرف مائل ہوا، وہ نجات پا گیا۔ اور جس نے تیری مخالفت کی، اور خواہشات کے پیچھے چل پڑا، وہ ہلاک ہوگیا۔ اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا۔''[2]

اور کتابِ سلیم بن قیس میں ہی ہے:

''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''علی اس امت کو بدلہ دینے والے ہیں۔ اور اس

---

[1] بحار الأنوار ٢٤/ ٢٦٢۔

[2] کتاب سلیم بن قیس ص: ٢٤٥۔

امت پر گواہ ہیں، اور اس کے حساب پر متولی (نگران) ہیں۔''❶

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حاکمیت صرف بنی آدم کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ ان کے گمان کے مطابق فرشتوں تک ان کے پاس اپنے فیصلے کروائیں گے۔ [اس سلسلہ میں] ان کے شیخ مفید نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ایک جھوٹا بہتان گھڑا ہے؛ کہ آپ فرماتے ہیں:

''میں حضرتِ فاطمہ صلوات اللہ علیہا کے پاس آیا اور ان سے کہا: '' آپ کے شوہر کہاں ہیں؟ تو آپ فرمانے لگیں: ''جبریل امین ان کو لے کر آسمان پر چڑھ گئے ہیں۔ میں نے کہا کس لیے؟ تو فرمانے لگیں: '' ملائکہ میں سے کچھ لوگوں کا آپس میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ تو انہوں نے آدمیوں میں سے ایک فیصلہ کرنے والا طلب کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ کسی ایک آدمی کو چن لو۔'' سو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چن لیا۔''❷

ان میں سے بعض تو حضرت رضی اللہ عنہ کی شان میں بغیر کسی حیاء اور اللہ تعالیٰ سے شرم محسوس کیے بغیر سرکشی کرتے ہوئے یہ گمان (عقیدہ) رکھنے لگتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ جس کو چاہے جنت میں داخل کر دے، اور جس کو چاہیے جہنم میں داخل کر دے۔

ان کی کتاب '' علل الشرائع '' میں سماعہ بن مہران سے روایت ہے کہ وہ کہتا ہے:

''جب قیامت کا دن ہوگا ایک منبر رکھا جائے گا؛ جسے تمام مخلوق دیکھے گی۔ اس پر ایک آدمی چڑھے گا، اس کے دائیں طرف ایک فرشتہ کھڑا ہوگا اور بائیں طرف ایک فرشتہ کھڑا ہوگا۔ دائیں طرف والا فرشتہ آواز لگائے گا: اے لوگوں کے گروہ! یہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ہیں جسے چاہیں جنت میں داخل کر دیں۔ اور بائیں طرف والا فرشتہ آواز لگائے گا: ''اے لوگو! یہ حضرت علی بن ابو طالب علیہ السلام ہیں جسے چاہیں جہنم میں داخل کر دیں۔''❸

ان میں سب سے عجیب و غریب قصہ جو کہ رافضیوں کی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو

---

❶ كتاب سليم بن قيس ص: ٢٤٨۔

❷ الاختصاص: للمفيد ص: ٢١٣۔

❸ الصدوق ص: ١٦٤۔

سے متعلق آیا ہے، وہ یہ کہ دابۃ الأرض (زمین کا جانور [1]) آپ ہی ہیں؛ اوراس بارے میں ان سے بہت سی روایات منقول ہیں۔حسن بن سلیمان نے ابوجعفر سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے:

﴿وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ﴾

(النمل: ۸۲)

''اور جب ان کے بارے میں (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا تو ہم اُن کے لیے زمین میں سے ایک جانور نکالیں گے جواُن سے باتیں کرے گا۔''

کہا: اس سے مراد امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں۔ [2]

یہ ان کی عقل کمزور ہونے اور نا سمجھ ہونے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زمین کا چوپایہ بنانے میں کون سی فضیلت ہے۔ بلکہ آپ کے بارے میں یہ کہنا کہ آپ زمین کے چوپائے ہیں؛ یہ سب سے بڑی گستاخی اورآپ کی شان میں بے ادبی ہے۔اس بات کوسارے اہلِ عقل جانتے ہیں۔مگران کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں، بلکہ سینوں کے اندردل اندھے ہوچکے ہیں (جس کی وجہ سے ان کی سوچ وسمجھ کی صلاحیت ختم ہوگئی ہے)۔

اور یہ عقیدہ بھی انہوں نے یہودیوں سے لیا ہے،جیسا کہ حسن بن سلیمان الحلی نے ''مختصر بصائر الدرجات'' میں سماعہ بن مہران کی روایت میں فضل بن زبیر، اوراس کی روایت اصبغ بن بناتہ سے نقل کرتے ہوئے اس کی وضاحت کی ہے۔وہ کہتا ہے: مجھ سے معاویہ نے کہا:

''اے شیعہ کو جماعت! تم یہ گمان کرتے ہو کہ حضرت علی زمین کا چوپایہ ہے۔ میں نے کہا: ہم یہ کہتے ہیں کہ: یہود نے یہ بات کہی ہے۔'' تو انہوں نے جالوتیوں کے سردار کے پاس آدمی بھیجا۔ اور کہا: ''تمہارے لیے ہلاکت ہو، کیا تم اپنی کتابوں میں زمین کے چوپائے کا تذکرہ پاتے ہو؟اس نے کہا: ہاں۔اس نے پوچھا: وہ کیا چیز ہے؟ کہا وہ ایک آدمی ہے۔ پوچھا: کیا تم اس کا نام جانتے ہو؟ کہا: ہاں؛ اس کا نام ایلیا ہے۔ پھر وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہا:

---

[1] دابة الارض وہ جانور ہے جو قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے۔جس کی شکل گدھے سے ملتی جلتی ہوگی۔اور وہ زمین میں ایک تباہی پھیلائے گا۔مزید دیکھو: قیامت کی نشانیاں۔مترجم۔

[2] حسن بن سليمان الحلی مختصر بصائر الدرجات ص : ۲۰۸۔

''اے اصبغ! تمہاری بربادی ہو؛ ایلیا علی سے کتنا قریب ہے۔'' ❶

بے شک رافضیوں کی کتابوں میں بکھری ہوئی یہ روایات اسی فاسد عقیدہ کا نتیجہ ہیں جس کا بیج گمراہ عبداللہ بن سباء اس گمراہ فرقہ کے دلوں بویا تھا؛ جب اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا دعوی کیا؛ جس کا مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے موڑ کر مخلوق کی عبادت پر لگانا تھا۔

دوم: صحابہ اور امہات المؤمنین پر ان کا طعن:

رہا رافضیوں کا موقف صحابہ کرام اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم سے متعلق؛ تو وہ ان لوگوں سے دشمنی رکھتے ہیں، اور بہت سخت بغض رکھتے ہیں۔ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ -یہ صحابہ کرام- کفار اور مرتد ہے؛ بلکہ ان کو گالی دیکر اور ان پر لعنت کر کے اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ اور اسے وہ بہت بڑا نیکی (تقرب إلی اللہ) کا کام سمجھتے ہیں۔ اور ان کے ہاں عند اللہ یہ سب سے افضل عمل ہے۔ انہوں نے ہزاروں روایات گھڑ کر اپنے آئمہ پر جھوٹ بولا ہے، [وہ روایات جو کہ] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امہات المؤمنین پر طعن اور ان پر فسق اور نفاق کے الزامات پر مشتمل ہیں۔ بلکہ سوائے چند ایک کے؛ سب کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہوجانے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

میں ان کی اصلی اور اہم ترین کتابوں سے وہ روایات نقل کروں گا جو صحابہ کرام اور امہات المؤمنین کی شان میں ان کی گستاخیوں اور بے ادبیوں کی ترجمانی کرتی ہیں۔

ان کے طعنوں میں ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام پر مرتد ہوجانے کا الزام ہے۔ جیسا کہ کلینی سے نقل کردہ روایت اس کی گواہی دیتی ہے۔ ❷

دوسری روایت میں انہوں نے چار اور کے نام اس میں زیادہ کیے ہیں، جس سے یہ تعداد سات ہوگئی ہے۔ مفید نے احمد بم محمد بن یحی سے روایت کیا ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے، اس نے محمد بن الحسین بن محبوب سے روایت کیا ہے، وہ حارث سے روایت کرتا ہے، اس نے کہا ہے: ''میں نے سنا: عبد الملک بن اعین ابوعبداللہ علیہ السلام سے سوال کر رہا تھا۔ وہ آپ سے مسلسل سوال کرتا رہا؛ یہاں تک کہ اس نے کہا: پس لوگ اس وقت ہلاک ہوگئے۔ تو کہنے لگے: ہاں اللہ کی قسم! اے ابن اعین! مشرق ومغرب

---

❶ حسن بن سلیمان الحلی مختصر بصائر الدرجات ص: ۲۰۸۔

❷ دیکھو: اسی فصل کی بحث نمبر دو کے شروع میں۔

والے تمام لوگ ہلاک ہوگئے ؛ کہا: وہ تو گمراہی پر فتح کیے گئے تھے۔ یعنی اللہ کی قسم تمام لوگ ہلاک ہوگئے سوائے تین افراد کے، سلمان الفارسی ؛ ابوذر اور مقداد ؛ اور عمار ؛ ابوساسان الانصاری [1] ؛ حذیفہ اور ابو عمرہ [2] ان سے جا ملے۔ تو ان کی کل تعداد سات ہوگئی۔'' [3]

یہ وہ لوگ ہیں جو رافضیوں کے نزدیک اسلام سے مرتد نہیں ہوئے، جب کہ یہ-شیعہ- باقی لوگوں کو کافر کہتے ہیں؛ اور ان پر اسلام سے مرتد ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ ان لوگوں کے مرتد ہونے کا سبب ان کے گمان کے پیش نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کا ترک کرنا ہے۔ کلینی نے عبدالرحمٰن بن کثیر سے روایت کیا ہے، وہ ابوعبداللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى﴾

(محمد: ۲۵)

''بے شک جو لوگ راہِ ہدایت ظاہر ہونے کے بعد پیٹھ دے کر پھر گئے۔''

[کہا اس سے مراد]: فلاں، فلاں اور فلاں ہیں [4] ؛ جو امیر المؤمنین علیہ السلام کی بیعت ترک کر کے مرتد ہوئے۔'' میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْأَمْرِ﴾

(محمد: ۲۶)

''یہ اس لیے کہ جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی (کتاب) سے بیزار ہیں یہ ان سے کہتے ہیں کہ بعض کاموں میں ہم تمہاری بات بھی مانیں گے۔''

کہا: اللہ کی قسم یہ ان دونوں کے بارے میں اور ان کے ماننے والوں کے بارے میں نازل

---

[1] حصین بن منذر بن الحارث الرقاشي ؛ ابوساسان ان کا لقب اور کنیت ابومحمد ہے۔ صفین کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امراء میں سے ایک تھے۔ ۱۰۰ ہجری میں انتقال ہوا۔ تقریب التہذیب ص ۱۷۱۔

[2] ابوعمرہ الانصاری البخاری؛ صحابی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کا نام رشید تھا۔ اور کہا گیا ہیکہ ان کا نام اسامہ تھا۔ ابن اسحٰق نے انہیں بدری صحابہ میں شمار کیا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔ تقریب التہذیب ص ٦٦١۔

[3] الاختصاص: ص : ٦۔

[4] کافی کا شارح فلاں فلاں اور فلاں کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: [اس سے مراد] ابوبکر وعمر اور عثمان ہیں۔ الصافی شرح الکافی ص: ٤٧؛ بواسطة احسان الهی ظهیر : الشیعة والسنة ص؛ ٤٢۔

ہوئی ہے۔''❶

عام صحابہ کرام کے متعلق رافضیوں کا یہ نکتہ ءنظر ہے کہ ان پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے کے تین خلفاء کی بیعت کی وجہ سے کافر اور مرتد ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔

[اب دیکھنا ہے کہ] خود ان تین خلفاء حضرت ابو بکر و حضرت عمر؛ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق رافضیوں کا کیا گمان ہے جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا غاصب تصور کرتے ہیں؟ ان تین خلفاء کے متعلق شیعہ عقیدہ کی وضاحت ان کے محدث، اور شیخ محمد باقر مجلسی نے کی ہے، وہ کہتا ہے:

''ہمارا – یعنی شیعوں کا – عقیدہ تبراء میں یہ ہے کہ ہم چاروں بتوں یعنی ابو بکر وعمر وعثمان و معاویہ پر تبراء کرتے ہیں۔ اور چار عورتوں پر بھی: عائشہ، حفصہ؛ ہند؛ اور ام الحکم؛ اور ان کی تمام شاخوں، اور ماننے والوں پر [بھی تبراء کرتے ہیں]۔ اور بے شک یہ لوگ روئے زمین پر سب سے بری مخلوق ہیں۔ اور بے شک اللہ اور اس کے رسول پر اور آئمہ پر ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک ان کے اعداء پر تبراء نہ کر لیا جائے۔''❷

یہ مجلسی کی ذکر کردہ روایات ہیں۔ اور جو باقی روایات میں ہے، جو کہ انہوں نے اپنے اماموں کی زبانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بہترین صحابہ؛ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین پر طعن کرتے ہوئے جھوٹ گھڑی ہیں، وہ اسے بڑھ کر اور زیادہ بڑی ہیں۔ ذیل میں ان روایات میں سے کچھ بطور مثال /نمونہ کے درج کی جارہی ہیں۔

قمی نے اپنی تفسیر میں ابوعبداللہ علیہ السلام سے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی نبی ایسا نہیں بھیجا مگر اس کی امت میں دو شیطان ہوا کرتے تھے، جو اسے تکلیف دیا کرتے۔ اور اس نبی کے بعد وہ دونوں لوگوں کو گمراہ کیا کرتے۔ نوح کے وہ دو ساتھی: فقنطیفوس اور خرام تھے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے امت کے دو فرد مکثل اور رزام تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے وہ دو ساتھی: سامری اور مرعقیبا تھے۔ اور عیسی علیہ السلام کے یہ دو ساتھی پولس اور مریتون تھے۔ جب کہ محمد کے یہ دو ساتھی حبتر اور زریق تھے۔''❸

❶ أصول الكافي ١/ ٤٢٠۔ ❷ حق اليقين ص: ٥١٩؛ فارسی سے عربی میں اس عبارت کا ترجمہ عبدالستار تونسوی نے کیا ہے؛ دیکھو: بطلان عقائد الشيعة ص: ٥٣۔ ❸ تفسير القمي ١/ ٢١٤۔

جبتر سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لیتے ہیں، جب کہ زریق سے مراد عمر رضی اللہ عنہ کو لیتے ہیں۔ ❶

یہ ایسے رموز ہیں جن کا استعمال وہ اپنی کتابوں میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر طعن کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

تفسیر عیاشی میں بریدہ بن معاویہ سے روایت ہے: ''بے شک اس نے ابوجعفر علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں سوال کیا:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ أُوتُواْ نَصِيباً مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ﴾

(النساء: ۵۱)

''بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں۔''

تو ان کا جواب تھا کہ فلاں اور فلاں۔'' ❷

فلاں اور فلاں سے مراد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو لیتے ہیں؛ جیسا کہ اصول کافی کے شارح نے واضح کیا ہے۔ [جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے]۔

کتاب سلیم بن قیس میں علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سوائے چار افراد کے سارے لوگ مرتد ہو گئے۔ بے شک رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ ہارون علیہ السلام اوران کے متبعین کی منزلت پر ہو گئے تھے۔ اور بچھڑے اور اس کے پیروکاروں کی منزلت پر۔ سو علی رضی اللہ عنہ ہارون علیہ السلام کے مشابہ ہے، اور عتیق ❸ بچھڑے کے مشابہ ہے۔ اور اس میں عمر کی مشابہت سامری کی ہے۔'' ❹

اور بصائر الدرجات میں ہے: ''ثمالی سے روایت ہے، وہ علی بن حسین علیہ السلام سے روایت کرتا ہے، وہ

❶ علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ نے ہندوستان کے ایک مشہور رافضی عالم سے ان مصطلحات کے معانی نقل کیے ہیں۔ وہ کہتا ہے: ''روایت کیا گیا ہے کہ: زریق اُزرق سے اسم مصغر ہے؛ اور حبتر کا معنی لومڑی ہے۔ پہلے سے مراد ابوبکر ہے، اس لیے کہ اس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ اور دوسرے سے مراد عمر ہے؛ جو کہ اس کی مکاری اور چالبازی سے کنایہ ہے۔ الرد علی الدکتور علی عبد الواحد ص: ۲۰۷۔

❷ تفسير العياشي ۱/ ۲٤٦۔

❸ عتیق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب ہے، دیکھو: كشف النقاب عن الأسماء والألقاب ۱/ ۳۲۷۔

❹ كتاب سليم بن قيس ص: ۹۲۔

کہتے ہیں: میں نے کہا:

'' آپ پر قربان جاؤں میں آپ سے تین خصلتوں کے بارے میں سوال کروں گا۔جن کے پوچھنے سے مجھے تقیہ آڑے رہا ہے۔ کہا: تمھیں اس کی اجازت ہے۔ میں نے کہا: میں آپ سے فلاں اور فلاں کے بارے میں سوال کرتا ہوں [اس سے کون مراد ہیں؟]۔ کہا: ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو تمام لعنتوں کے ساتھ، اللہ کی قسم! یہ دونوں مرے، تو کافر اور اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے تھے۔'' ❶

مسعودی نے علی بن حسین سے روایت کیا ہے، بے شک انہوں نے کہا ہے:

'' تین لوگ ایسے ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہیں دیکھیں گے، اور نہ ہی انہیں پاک کریں گے؛ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے: ہم میں داخل ہونے والا، جو ہم میں سے نہیں ہے۔ اور ہم سے خارج ہونے والا جو ہم سے ہے۔ اور یہ کہنے والا کہ ان دونوں کا اسلام میں کوئی حصہ/ نصیب ہے؛ یعنی ان دونوں بتوں کا۔'' ❷

کلینی نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے نقل کیا ہے، وہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں:

﴿حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ وَزَيَّنَهُ فِيْ قُلُوبِكُمْ﴾ يعني امير المؤمنين عليه السلام ﴿وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ الأول والثاني والثالث﴾ ❸

'' تمہارے لیے محبوب بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا'' اس سے مراد امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں۔ اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا۔'' اس سے مراد پہلا دوسرا اور تیسرا ہیں۔'' ❹

---

❶ بصائر الدرجات ص: ۲۸۹؛ اور اسے مجلسی نے بھی نقل کیا ھے، بحار الأنوار ۲۷/۲۹۔

❷ اثبات الوصیة ص: ۱۵۰۔

❸ درست آیت اس طرح ہے: ﴿ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَـٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ﴾ (الحجرات: ۷) ''لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا یہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں۔''

❹ أصول الکافی ۱/ ۴۲۶۔

یہ بعض وہ اوصاف ہیں جن کا اطلاق رافضی نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے سب سے بہترین لوگوں پر کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ وہ شیطان تھے؛ اور کبھی ان پر کافروں اور ملحدوں کے ناموں کا اطلاق کرتے ہیں؛ اور کبھی بتوں اور اصنام کے نام پر ان کے نام رکھتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر ان کا حسد و بغض اس انتہاء کو پہنچ گیا ہے کہ ان کے شہادت کے دن کو اپنی عیدوں میں سے ایک عید قرار دیا ہے۔ نعمت اللہ الجزائری اپنی کتاب "أنــوار نـعـمـانيــه " میں زیر عنوان: "نور سماوی يكشف عن ثواب يوم مقتل عمر ابن الخطاب"

''آسمانی نور، عمر ابن خطاب کے قتل کے دن کے اجر کا ثواب کھولتا ہے۔''

[اس عنوان میں وہ] کہتا ہے:

''روایت کیا گیا ہے کہ حذیفہ اس دن کی مانند یعنی نو (۹) ربیع الأول - کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حذیفہ کہتے ہیں: میں نے دیکھا: امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے دونوں بیٹوں حسن اور حسین علیہ السلام کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ ان دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ اور فرماتے تھے: ''شوق سے خوش ہو کر کھاؤ۔ تمہارے لیے اس دن میں برکت اور سعادت ہے۔ بے شک یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے دشمن کو اور تم دونوں کے نانا کے دشمن کو موت دے گا۔ اور تمہاری ماں کی دعا قبول کرے گا۔ بے شک یہی وہ دن ہے جس اللہ تعالیٰ تمہارے نانا سے بغض رکھنے والے اور تمہارے دشمن کی مدد کرنے والے کی شوکت کو توڑے گا۔ ہرگز نہیں، یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تم دونوں کے دل اور تمہاری ماں کے دل کو خوش کر دے گا۔ حذیفہ کہتے ہیں: میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی امت میں اور آپ ﷺ کے اصحاب میں کوئی ایسا ہوگا جو یہ حرمتیں پامال کرے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''منافقوں میں سے ایک سرکش شیطان ہے؛ جو میرے اہلِ بیت پر ظلم کرے گا؛ اور میری امت میں ریا کاری کرے گا، اور انہیں اپنی ذات کی طرف بلائے گا۔ اور میرے بعد میری امت پر ظلم کرے گا۔ اور مال حلال ہونے کے بغیر چھینے گا۔ اور اسے اپنی اطاعت میں خرچ کرے گا۔ اور اپنے کندھے پر رسوائی کا درہ اٹھائے گا۔ اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے گمراہ کرے

گا۔ اور اس کی کتاب میں تحریف کرے گا۔ اور میری سنت کو بدل ڈالے گا۔ اور میری وراثت کو میری اولاد سے چھین لے گا۔ اور اپنی ذات کو ایک علامت کے طور پر نصب کرے گا۔ وہ مجھے جھٹلائے گا، اور میرے بھائی، میرے وزیر، میرے وصی اور میرے داماد کو جھٹلائے گا۔ اور میری بیٹی پر غلبہ پائے گا، اور اس سے اس کا حق روک لے گا۔ وہ دعا کرے گی، اس کی دعا قبول ہوگی؛ اس دن کی مانند دن میں۔'' ❶

ان کا ایک معاصر عالم محمد رضاء الحکیمی روایت کرتا ہے:

''حسن بن حسن السامری سے روایت ہے، کہ وہ اور اس کے بعض ساتھی احمد بن اسحاق القمی -امام حسن عسکری کے ساتھی - کے گھر گئے؛ جو کہ قم شہر میں واقع ہے۔ کہتا ہے: ہم نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ تو اس کے گھر سے ایک عراقی بچی نکل کر ہمارے پاس آئی۔ ہم نے اِس سے اُس -یعنی احمد بن اسحٰق - کے بارے میں پوچھا: وہ اور اس کی اولاد مصروف ہیں، اس لیے کہ آج عید ہے۔ ہم نے کہا: سبحان اللہ عیدیں ہمارے ہاں چار ہیں: عید الفطر، عید الاضحیٰ اور قربانی؛ غدیر اور جمعہ۔ وہ کہنے لگی: ''میرے سردار احمد بن اسحٰق نے اپنے سردار حسن عسکری سے روایت کیا ہے: وہ اپنے باپ علی بن محمد علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: ''بے شک آج کا دن عید ہے۔ اور یہ اہل بیت علیہم السلام اور ان سے دوستی رکھنے والوں کے ہاں عیدوں میں سب سے بہتر عید ہے۔ ہم نے کہا: ہمیں ان کے پاس جانے کی اجازت دو۔ اور انہیں ہمارے بارے میں اطلاع دو۔ کہتے ہیں: وہ نکل کر ہمارے پاس آیا، اس نے ایک تہبند باندھ رکھا تھا۔ اور اپنی چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ اور اپنے چہرے کا پونچھ رہا تھا۔ ہم نے اس کی اس حرکت کو اوپرا جانا۔ اس نے کہا: تمہارے لیے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ میں عید کا غسل کر رہا تھا۔ بے شک آج کے دن عید ہے (یہ ربیع الاول کی نو تاریخ تھی)؛ پھر وہ ہمیں گھر کے اندر لے گیا، اور ہمیں اپنی چارپائی پر بٹھایا۔'' ❷

رافضیوں نے اسی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ وہ گمان کرتے ہیں کہ ان خلفاء کو قیامت کے دن ابلیس اور

---

❶ أنوار النعمانية ١/ ١١٠۔

❷ شرح الخطبة الشقشقية ص: ٢٢٠۔

سرکش جنوں اور انسانوں کے ساتھ بہت ہی سخت عذاب دیا جائے گا۔قمی نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں روایت کیا ہے:

﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ (الفلق: ۱)

''کہو کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔''

کہا: ''فلق جہنم کی آگ میں ایک کنواں ہے؛ جس کی سختی سے جہنمی پناہ مانگتے ہیں۔اس نے گرمی کی شدت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ-وہ-سانس لے۔اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دی؛ سو اس نے سانس لی تو جہنم کو جلا کر رکھ دیا۔کہا: اس کنوئیں میں آگ کا ایک صندوق ہے جس کی سختی سے اس کنوئیں والے بھی پناہ مانگتے ہیں۔وہ ایک تابوت ہے جس میں چھ لوگ اگلوں میں سے ہیں،اور چھ لوگ پچھلوں میں سے۔اگلوں میں سے چھ لوگ: آدم کا وہ بیٹا جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا،اور نمرود جس نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا؛ اور موسیٰ علیہ السلام کا فرعون ؛ اور سامری جس نے بچھڑا بنایا؛ اور جس نے یہودیوں کو بہکایا۔اور جس نے عیسائیوں کو عیسائی بنایا۔جب پچھلوں میں سے چھ: پہلا ،دوسرا ،تیسرا ، چوتھا[1] اور خوارج کا ساتھی [2] ؛اور ابن ملجم ؛اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔''[3]

جب کہ عیاشی ان خلفاء پر اپنے بغض وحسد کا اظہار ایک اور من گھڑت روایت سے کرتا ہے، جسے اس نے جعفر بن محمد سے روایت کیا ہے؛ وہ کہتا ہے:

''جہنم کو لایا جائے گا؛اس کے سات دروازے ہوں گے۔پہلا دروازہ ظالم کے لیے ہوگا،اور وہ ہے زریق ؛ اور دوسرا دروازہ حبتر کے لیے ہوگا۔اور تیسرا دروازہ تیسرے کے لیے ہوگا۔اور چوتھا دروازہ معاویہ کے لیے ہوگا۔پانچواں دروازہ عبدالملک کے لیے ہوگا۔چھٹا دروازہ عسکر بن ہوسر [4] کے لیے ؛ اور ساتواں دروازہ ابوسلامہ کے لیے ہوگا۔اور یہ اپنے ماننے

[1] چوتھے سے مراد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لیتے ہیں۔دیکھو: اگلی روایت۔

[2] اس کا نام عبداللہ بن وہب الراسبي ہے۔یہ خوارج میں پہلا شخص ہے جس کی امامت کی بیعت کی گئی۔اس نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے بہت سخت جنگ کی؛ جس کے نتیجہ میں ان میں سے صرف نو افراد ہی بچ سکے۔الملل والنحل ۱/ ۱۱۷۔ [3] تفسیر القمي ۲/ ٤٤٩۔

[4] کتاب کے محقق نے ان رموز کے معانی بیان کیے ہیں، وہ عسکر بن ہوسر کے معانی میں کہتا ہے: ''بنوامیہ یا بنوعباس کے بعض خلفاء سے کنایہ ہے۔اور ایسے ہی ابوسلامہ ابوجعفر الدوانیقي سے کنایہ ہے۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ عسکر عائشہ اور سارے اہل جمل سے کنایہ ہو۔حاشیة تفسیرالقمي ۲/ ۲٤۳۔

والوں کے لیے دروازہ ہوں گے۔'' ❶

صدوق نے ابوالجارود سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے: میں نے ابوجعفر علیہ السلام سے کہا:

''مجھے اس آدمی کے بارے میں بتایئے جو سب سے پہلے جہنم میں جائے گا؟ کہا: ابلیس اور اس کے ساتھ ایک آدمی دائیں طرف ہوگا، اور ایک آدمی بائیں طرف ہوگا۔'' ❷

یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ وہ ان دو آدمیوں سے مراد جناب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو لیتے ہیں۔

خلفاء پر لعنت کرنا:

ان خلفاء پر لعنت کرنا رافضیوں کے ہاں قربتِ الٰہی کے سب سے بڑے کاموں میں سے ہے۔ ملا محمد کاظم نے ابوحمزہ ثمالی سے روایت کیا ہے جو کہ اس نے زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ پر جھوٹ گھڑا ہوا ہے، بے شک وہ کہتا ہے:

''جو کوئی بت پر اور سرکش طاغوت ❸ (باطل معبود) پر ایک بار لعنت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر لاکھ نیکیاں لکھ دیتے ہیں، اور اس کے ستر لاکھ گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ اور اس کے ستر لاکھ درجات بلند کر دیتے ہیں؛ اور جس نے شام ہوتے ان پر ایک بار لعنت کی؛ اس کے لیے بھی اتنا ہی اجر لکھ دیا جاتا ہے۔ کہتا ہے: پھر ہمارے آقا علی بن الحسین چلے گئے۔ میں اپنے آقا ابوجعفر محمد الباقر کے پاس گیا، اور کہا: اے میرے آقا: کیا اپنے والد سے حدیث سنی ہے؟ انہوں نے کہا: اے ثمالی لاؤ - وہ حدیث کون سی ہے -؛ میں نے ان کے لیے دوبارہ حدیث بیان کی۔ انہوں نے کہا: ہاں! اے ثمالی! کیا تم چاہتے ہو کہ اس سے زیادہ بھی بیان کروں؟ میں نے کہا: اے میرے آقا! کیوں نہیں؟ (ضرور بتایئے)۔ جس کسی ان دونوں پر ہر روز صبح کے وقت ایک بار لعنت کی؛ اس [دن اور] رات میں ان کے نامہ اعمال میں کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا؛ یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔'' ❹

---

❶ تفسیر العیاشی ۲/ ۲۴۳۔ ❷ ثواب الأعمال و عقاب الأعمال ص: ۲۵۵۔

❸ یہ بات کئی بار واضح کر چکے ہیں کہ شیعہ بت سے مراد ابوبکر کو لیتے ہیں، جب کہ باطل معبود سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو لیتے ہیں۔ دیکھئے: عیاشی کی سابقہ روایت۔

❹ أجمع الفضائح: أز ملا کاظم ص: ۵۱۳۔ بواسطة احسان الهی ظهیر: الشیعة و أهل بیت ص ۱۵۷۔

ان کے ہاں مشہور دعاؤوں میں سے جن کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرتے ہیں؛ وہ دعاء ہے جسے وہ: ''دوقریشی بتوں کی دعاء'' سے موسوم کرتے ہیں۔ اس سے مراد جناب حضرت ابوبکر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو لیتے ہیں۔ اور اس دعاء کو ظلم اور جھوٹ بکتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ دعا ان کی کئی ایک کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن اس کا اصلی مرجع ایک (دعاؤوں کی) کتاب ہے ،جس کا نام لیا جاتا ہے: ''مفتاح الجنان ۔'' یہ کتاب میرے پاس موجود ہے۔ اور کتاب میں موجود دعاء کی عبارت ان الفاظ میں ہے: (یہ قریش کے بتوں کی دعاء امیر المؤمنین کے کلام میں سے [منقول] ہے)

((اللهم صلِّ على محمد و آل محمد ، والعن صنمي قريش وجبتيها ، و طاغوتيها ، و افكيها ، وابنتيهما اللذين خالفا امرك و أنكرا وحيك و وجحدا إنعامك؛ وعصيا رسولك ، وقلبا دينك ؛ و حرفا كتابك ، وأحباء أعدائك ، وجحدا آلائك ، وعطلا أحكامك ؛ وأبطلا فرائضك ؛ وألحدا في آياتك ؛ وعاديا أوليائك ؛ و واليا أعدائك ؛ ...... (باقی دعا کی ترجمہ پیش ہے))

''اے اللہ! درود ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آل محمد پر۔ اے اللہ! قریش کے دونوں بتوں پر لعنت کر؛ ان کے باطل معبودوں پر، اوران کے دونوں طاغوتوں پر، اور بہتان گھڑنے والوں پر؛ اوران دونوں کی بیٹیوں پر؛ وہ دوجنہوں نے تیرے حکم کی مخالفت کی؛ اورجنہوں نے تیری وحی کا انکار کیا۔ اور تیرے انعامات کے منکر ہوئے، اورجن دونوں نے تیرے رسول کی مخالفت کی؛ اورانہوں نے تیرے دین کو بدل ڈالا؛ اور تیری کتاب میں تحریف کی۔ اور تیرے دشمنوں سے محبت کی؛ اور تیرے انعامات کے منکر ہوئے۔ اوران دونوں نے تیرے احکام کو ترک کیا؛ اور تیرے فرائض کو باطل قرار دیا؛ اور تیری آیات میں الحاد کیا (یعنی ملحد ہوئے)؛ اور تیرے دوستوں سے دشمنی رکھی ؛ اور تیرے دشمنوں سے دوستی کی۔ اور تیرے ملک کو خراب کیا۔ اور تیرے بندوں میں فساد برپا کیا۔ اے اللہ! ان دونوں پر لعنت کر، اوران کے پیروکاروں پر لعنت کر۔ اوران کے دوستوں پر لعنت کر۔ اوران کے ماننے والوں پر لعنت کر۔ اوران سے محبت رکھنے والے اوران کے مددگاروں پر۔ یقیناً ان دونوں نے گھرانۂ نبوت کو خراب کیا؛ اورانہوں نے اس کے دروازے کو بند کردیا، اوراس کی چھت کو توڑ ڈالا؛ اوراس کے آسمان کو

زمین سے ملا دیا، اوراس کے اوپر کواس کے نیچے سے -ملا دیا-؛ اوراس کے ظاہر کو باطن سے ؛ اوراس کے اہل کو کاٹ ڈالا؛ اوراس کے مددگاروں کوختم کر دیا؛ اوران کے بچوں کوقتل کیا؛ اور اس کے منبر کے اس کے وصی اورعلم کے وارث سے خالی کیا۔ اوراس کی امامت کا انکار کیا۔ اورانہوں نے اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔ سوتو ان کے گناہ کو بڑا کر دے، اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ سقر[جہنم] میں رکھ؛ اور تجھے کیا معلوم سقر کیا ہے؟ نہ ہی باقی رہنے دیتی ہے اور نہ ہی سلامت چھوڑتی ہے۔ اے اللہ! ان پر ہر اس برائی کی تعداد میں لعنت کر جس کا انہوں نے ارتکاب کیا، اور ہر اس حق کی تعداد میں جو انہوں نے چھپایا۔ اور اس منبر کی تعداد میں جو انہوں نے بلند کیا۔ اور ہر مؤمن ؛ جسے انہوں نے پیچھے رکھا؛ اور منافق جس سے انہوں نے دوست کی ؛ اور ولی جسے تکلیف دی ؛ اور راندۂ درگاہ جسے انہوں نے پناہ دی ؛ اور وہ سچا جسے انہوں نے دھتکار دیا؛ اور وہ کافر جس کی انہوں نے مدد کی ؛ یا وہ امام جس پر وہ غالب آ گئے ؛ وہ فریضہ جسے انہوں نے بدل ڈالا؛ وہ حدیث جس کا انہوں نے انکار کیا؛ اور وہ فتنہ جسے انہوں نے ترجیح دی؛ اور وہ خون جو انہوں نے بہایا؛ اور وہ خبر جسے انہوں نے بدل دیا؛ اور کفر جس کو جگہ دی ؛ اور وراثت جس کو انہوں نے غصب کیا ؛ اور وہ فئے جسے انہوں نے [1] روک دیا۔ اور وہ حرام جو انہوں نے کھا لیا؛ اور خیبر جس کو انہوں نے حلال جانا ؛ باطل جس کی انہوں نے بنیاد رکھی۔ ظلم جسے انہوں نے پھیلایا؛ اور نفاق پوشیدہ رکھا؛ اور وہ غدر جو چھپائے رکھا؛ اور جو ظلم انہوں نے پھیلایا؛ اور وعدہ انہوں نے جس کے خلاف کیا۔ امانت جس میں خیانت کی۔ اور عہد کو توڑ ڈالا۔ اور حلال کو حرام کیا، اور حرام کو حلال کیا؛ اور پیٹ کو چاک کیا؛ اور حمل جو کہ گرا دیا۔ وہ پسلی جسے انہوں نے پیس ڈالا؛ اور وہ وثیقہ نامہ جسے پھاڑ ڈالا۔ وہ جماعت جسے انہوں نے توڑ ڈالا؛ اور عزت والا جسے انہوں نے ذلیل کیا؛ اور ذلیل کو عزت دی ؛ اور حق کو روک لیا؛ اور جھوٹ جس کی ملاوٹ کی ؛ اور حکم کو بدل ڈالا؛ اور امام کی مخالفت کی ؛ اے اللہ!

[1] کہتے ہیں: جب انسان کا دین و ایمان نہیں رہتا تو اس کا عقل بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک زندہ مثال دعاء کے اس پیرائے میں ہے؛ اللہ ہی سے دعا کرتے ہیں کہ تو انہیں سقر یعنی جہنم میں رکھ اور پھر اللہ سے ہی کہتے ہیں: تجھے کیا معلوم سقر کیا ہے۔ اگر اللہ کو معلوم نہیں تو پھر کس کو معلوم ہے۔ مترجم۔

ان پر ہر اس آیت کے بدلے لعنت کر جس میں انہوں نے تحریف کی ؛ اور فریضہ جس کو ترک کیا؛ اور سنت جس کو بدل دیا؛ اور وہ رسمیں جن سے منع کیا؛ اور وہ احکام جن کو معطل کر دیا؛ اور بیعت جس کو توڑ ڈالا؛ اور دعوی جس کو باطل کر دیا؛ اور گواہی جس کا انکار کیا؛ اور حیلہ کہ ایجاد کیا؛ اور جس خیانت کو جگہ دی؛ اور گھاٹی جس پر چڑھے؛ اور وہ سواری جسے انہوں نے لڑھکا دیا؛ اور وہ زینت جسے انہوں نے لازم پکڑا؛ اور وہ گواہیاں جو انہوں نے چھپائیں؛ اور وصیت جسے انہوں نے ضائع کیا۔ یا اللہ! ان دونوں پر اپنے پوشیدہ رازوں اور ظاہری اعلانات میں بہت بڑی لعنت کر؛ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنے والی سرمدی لعنت ہو؛ جس کی مدت کبھی منقطع نہ ہو۔ اور جس کے عدد کبھی ختم نہ ہوں، ایسی لعنت جس کی پہلی لوٹ کر آئے؛ اور اس کی آخری حد ختم نہ ہو، نہ ان سے؛ نہ ہی ان کے مددگاروں سے؛ اور معاونین سے؛ اور ان سے محبت اور دوستی رکھنے والوں سے؛ ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والوں سے؛ اور ان کی طرف میلان رکھنے والوں سے۔ اور ان کے لیے حجتیں پیش کرنے والوں سے؛ اور ان کے کلام کی اقتداء کرنے والوں سے؛ اور ان کے احکام کی تصدیق کرنے والوں سے؛ (چار بار کہو): اے اللہ! انہیں ایسا عذاب دے جس سے جہنمی بھی پناہ مانگیں؛ آمین یارب العالمین۔ [1]

یہ دعا: ''تحفہ عوام مقبول'' نامی کتاب میں بھی ایسے ہی آئی ہے۔ [2]

اس کتاب کی توثیق شیعہ کے بڑے علماء کی ایک جماعت نے کی ہے، جن کے نام اس کتاب کے پہلے صفحہ پر درج ہیں۔ میں نے اس سے پہلے باب میں ان کے نام بھی ذکر کیے ہیں۔

ان کے ہاں اس دعا کی فضیلت کی وضاحت محسن کاشانی اس روایت میں کرتا ہے جسے وہ جھوٹ اور ظلم کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا ہے، [کہ انہوں نے کہا ہے کہ] حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی نماز میں یہ دعا قنوت میں پڑھا کرتے تھے۔ اور فرمایا ہے کہ: یہ دعا کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر واحد اور حنین کے موقع پر دس لاکھ تیر اندازی کرنے والا۔'' [3]

---

[1] مفتاح الجنان في الأدعية والزيارات والأذكار ص: ۱۱۳-۱۱٤۔

[2] ص ۲۱٤-۲۱۵۔

[3] علم اليقين في أصول الدين ۲/ ۷۰۱۔

پرانے رافضی علماء کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق یہ موقف اور عقیدہ ہے۔ رہے معاصرین، تو وہ بھی ہر اس چیز کے بارے میں جو ان کی کتابوں میں وارد ہوئی ہے؛ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہیں ؛ اور اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ ان کی اس موافقت پر یہی دلیل کافی ہے جو ان کے کبار معاصر علماء نے کتاب تحفۃ عوام مقبول کی توثیق کی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو اپنے صفحات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام؛ اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم اجمعین پر بہت سے مطاعن، اور گالیاں لیے ہوئے ہے۔ ان ہی میں سے ایک: ''دعاء صنمی قریش'' بھی ہے۔ جس کا تذکرہ ابھی اوپر گزرا ہے۔

میں اس کے ساتھ ہی ان کے بعض معاصر علماء سے صحابہ کرام پر طعن اور ان کی شان میں گستاخی کی نصوص ذکر کروں گا؛ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے بہترین لوگوں اور اس امت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے متعلق [ان کے] اس رسوا کن موقف میں ان - معاصر شیعہ علماء - کی اپنے اسلاف کے ساتھ شراکت داری پختہ ہو جائے۔

میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر ان طعنوں [کے بیان] کی ابتداء ان کے لاٹ پادری اور امام معصوم کے نائب آیت اللہ خمینی [علیہ من اللہ ما یستحق]؛ سے کرتا ہوں۔ یہ [بدبخت] اپنی [رسوائے زمانہ] کتاب: ''کشف الاسرار'' میں کہتا ہے:

> ''بے شک اس موقع پر ہم شیخین کے بارے میں کچھ واسطہ نہیں رکھتے؛ اور جو کچھ انہوں نے قرآن کی مخالفت میں کیا، اور اللہ کے احکام سے کھیلتے رہے؛ اور جو کچھ انہوں نے حلال کیا اور جو کچھ حرام کیا؛ اور جو کچھ انہوں نے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی اولاد پر ظلم کی مشق کی؛ لیکن اس موقع پر ہم اللہ تعالیٰ کے اور دین کے احکام سے ان کی جہالت کی طرف اشارہ کریں گے۔'' ❶

شیخین رضی اللہ عنہما پر جہالت کی اس تہمت کے بعد کہتا ہے:

> ''اور بے شک ان جاہل افراد کی مانند بیوقوف، اور کھوکھلے؛ اور ظالم؛ یہ اس قابل نہیں ہیں کہ امامت کی جگہ پر ہوں، یا حکمرانوں کے ضمن میں ہوں۔'' ❷

---

❶ کشف الإسرار ص: ۱۲۶۔

❷ کشف الإسرار ص: ۱۲۷۔

اور ایسے یہ بات بھی کہتا ہے کہ: ''واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ان کی قدر کا حق ادا کیا ہے ......وہ رسول جس نے ان کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے محنت کی؛ اور کوششیں صرف کیں، اور مصائب برداشت کیے۔ اور آپ نے اپنی آنکھیں بند کیں اور ابن خطاب کے کلمات آپ کے کانوں میں تھے؛ [وہ کلمات] جو کہ جھوٹ پر قائم تھے، اور جو کفر اور زندیقیت کے اعمال سے پھوٹتے تھے۔''[1]

حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے متعلق کہتا ہے:

''ہم اس معبود کی بندگی نہیں کرتے جو عبادت، عدالت اور دین داری کے لیے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کرے۔ اور پھر خود ہی ان کو منہدم بھی کردے۔ اور یزید؛ معاویہ، عثمان اور ان کے علاوہ دوسرے سرکشوں کو لوگوں پر حکومت کی مسند پر بٹھائے۔''[2]

یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بھی خمینی کے طعنوں اور تہمتوں سے محفوظ نہیں رہی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر تبلیغ رسالت نہ کرنے کا الزام لگاتے ہوئے کہتا ہے:

''اور یہ واضح ہے کہ اگر نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق امامت کا معاملہ پہنچایا ہوتا اور اس بارے میں اپنی کوششیں صرف کی ہوتیں، تو اسلامی ممالک میں یہ تمام اختلافات؛ جھگڑے، اور معرکے نہ پیدا ہوتے۔ اور نہ ہی دین کے اصول اور فروع میں اختلاف ظاہر ہوتا۔''[3]

کیا کوئی غیرت مند مسلمان اس کے دین پر ان نصوص کے بعد بھی شک کرسکتا ہے جن میں خمینی نے اپنے کفر زندیقیت کا اعلان کیا ہے، اس کے اللہ تعالیٰ پر طعن کرنے کی وجہ سے اور پھر رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر طعن کرنے کی وجہ سے۔ اور اس کے قرآن میں اور اس کے درست ہونے میں؛ شکوک پیدا کرنے کی وجہ سے؛ اور ان لوگوں کے اسلام سے الحاد اور اسلام اور اہل اسلام سے برأت میں [کوئی مسلمان شک کرسکتا ہے]؟

خدا گواہ؛ [کوئی مسلمان ایسا] ہرگز نہیں کرسکتا۔

---

[1] کشف الإسرار ص: ۱۳۷۔
[2] کشف الإسرار ص: ۱۲۳۔
[3] کشف الإسرار ص: ۱۵۵۔

اب ہم خمینی سے ان کے معاصرین علماء میں سے ایک اور عالم کی طرف منتقل ہوتے ہیں؛ اور وہ ہے محمد صادق الصدر۔ یہ خبیث رافضی اپنے اندر صحابہ کرام کے خلاف اسے وراثت میں ملنے والے اس حسد و بغض کا کتنا ہی بڑا مدفن رکھتا ہے جو کہ شیعوں کے دلوں میں اس وقت سے رچ بس گیا ہے، جب سے مسلمانوں نے انہیں [ایک علیحدہ فرقہ کی حیثیت سے] پہچانا ہے۔

صدر نے کئی ایک کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور محدثین پر نبی کریم ﷺ کی زبانی حدیثیں گھڑنے کا الزام لگایا ہے۔ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتا ہے:

''نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہا، اور آپ کی زبانی بہت سی احادیث گھڑ لیں، جو اس کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کیں۔'' ❶

نیز اس کا کہنا ہے:

''اور حق بات یہ ہے کہ ابو ہریرہ بہت زیادہ جھوٹی حدیثیں گھڑتا تھا۔ مگر اس کی بدقسمتی یہ ہے کہ اسے اچھی طرح جھوٹ گھڑنا نہیں آتا تھا۔'' ❷

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتا ہے:

''نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہا؛ اور بہت ساری احادیث روایت کیں، اور بہت ساری احادیث آپ کی زبان پر اپنی طرف سے گھڑ لیں، وہ ابو ہریرہ کی طرح صحاح کے راویوں میں سے ہے۔ اور ان میں سے ہے جن پر ان کی چکی کا پاٹ گھومتا ہے۔'' ❸

اور یہ بے ایمان منافق انسان ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہوئے کہتا ہے:

''اور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں یہ ہمیشہ کوشش کرتی تھی کہ نبی ﷺ کے پاکیزہ - ذہن - کو مکدر کرے۔ اور آپ کو بعض بیویوں کے خلاف بغض پر ابھارتی تھی۔'' ❹

مزید کہتا ہے: ''اور حق تو یہ ہے کہ جو کوئی عائشہ کا صحیفۂ حیات اچھی طرح پڑھے گا؛ وہ جان لے گا کہ یہ - عورت - اپنے افعال؛ اُقوال اور ساری حرکتوں سے نبی کریم ﷺ کو اذیت دیا کرتی تھی۔'' ❺

---

❶ الشیعة الإمامية ص: ١٤٣۔
❷ الشیعة الإمامية ص: ١٤٣۔
❸ الشیعة الإمامية ص: ١٥١۔
❹ الشیعة الإمامية ص: ١٥٨۔
❺ الشیعة الإمامية ص: ١٥٩۔

ان کی معاصر کتابوں میں سے، جو کہ صحابہ کرام کی شان میں طعن وتنقید کرتی ہیں، ایک کتاب ؛ جس کے مؤلف نے اس کا نام رکھا ہے:" النصائح الكافية لمن يتولى معاوية . " ہے؛[اس کے مؤلف کا نام ہے]محمد بن عقیل علوی۔ یقیناً اس کتاب کے عنوان سے ہی اس کا مضمون معلوم ہو رہا ہے۔ اس خبیث راوی نے اپنی اس [رسوائے زمانہ] کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جھوٹے طعنوں کا وہ ڈھیر جمع کیا ہے جس پر اس کے سلف میں کوئی بھی معاویہ سے شدید بغض رکھنے کے باوجود سبقت نہیں لے سکا۔ گویا کہ وہ اپنی زبانِ حال سے کہہ رہا ہے:

''میں اگر چہ آخری زمانے میں آیا ہوں، مگر میں وہ چیز لایا ہوں سابقہ گزرے ہوئے جس کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔''

اس نے اپنی کتاب میں پہلا عنوان ہی اس سرخی سے قائم کیا ہے:

''معاویہ پر لعنت کرنا گناہ ہے یا نہیں۔''؟ ❶

اور عنوان کے آخر میں وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے (وہ کہتا ہے):

''جب ہم کتاب وسنت میں وارد معاویہ پر لعنت کرنے کے دلائل کی چھان بین کرتے ہیں؛ اور اس کے ساتھ ہی جو کچھ اس سے متعلق اکابر صحابہ اور اہل بیت کی تفسیر ہے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ تعظیم اور رحمت کی دعا ؛ اور اس کو بڑا ماننے کے دلائل سے [لعنت کرنے کے دلائل] زیادہ قوی ہیں۔'' ❷

اپنی اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ کہتا ہے:

''معاویہ اور اس کے ساتھی کسی دین کے پابند نہ تھے اور نہ ہی باطن [اپنے دل] میں شریعت کا کوئی پاس رکھتے تھے۔ بلکہ وہ مکر، فریب، خباثت، غدر؛ جھوٹ، دھوکہ دھی ؛ اور تاویل استعمال کرتے تھے جس سے وہ اپنے مقاصد پورے کرسکیں خواہ وہ شریعت میں جائز ہوں یا نا جائز۔'' ❸

---

❶ النصائح الكافية لمن يتولى معاوية ص ١٧۔

❷ النصائح الكافية لمن يتولى معاوية ص : ٢٠۔

❸ النصائح الكافية لمن يتولى معاوية ص : ٢٠٤۔

اس کتاب پر ان کے ایک معاصر عالم نے مقدمہ لکھا ہے، مگر اس عالم کا نام نہیں ذکر کیا گیا۔ اس نے کتاب اور کاتب کی تعریف کرنے کے بعد ان الفاظ میں اپنی بات ختم کی ہے:

''میں اپنی یہ بات اپنے ابھی ذکر کردہ کلام کی طرف رجوع کرتے ہوئے ختم کرتا ہوں، پس میں کہتا ہوں: ''اگر مؤلف اپنے اس معیار اور پیمانہ پر، جس پر وہ اپنی اس کتاب میں چلا ہے، سارے صحابہ کے ساتھ ایسے ہی چلتا، تو یہ کتاب زیاہ کامل و شامل ہوتی۔ لیکن ہمارے ہاں اس کا عذر ہے؛ شائد اس نے یہ مناسب نہیں جانا کہ اپنی اس کتاب میں ایسی تنقید پیش کرے ، جس کی تفصیل لمبی ہو، اور اس کی کئی آفتیں ہوں۔ تب یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ فقط ایسے حساس نکتہ کے پاس رک جائے۔'' ❶

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے متعلق رافضی موقف یہ ہے کہ یہ لوگ ان سے دشمنی اور عداوت رکھتے ہیں؛ اور انہیں دشمن تصور کرتے ہیں۔ ان کے عقیدۂ تبراء میں مجلسی کا کلام اس سے پہلے گزر چکا ہے؛ کہ وہ حضرت اماں عائشہ اور اماں حفصہ رضی اللہ عنہما سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ ❷

جیسا کہ ان کی دعاء ''صنمی قریش'' کے اس جملہ میں بھی ان دونوں پر لعنت کی گئی ہے:

''قریش کے دونوں بتوں پر لعنت کر؛ ان کے باطل معبودوں پر؛ اور ان کے دونوں طاغوتوں پر، اور بہتان گھڑنے والوں پر؛ اور ان دونوں کی بیٹیوں پر۔''

اور اس پر مستزاد یہ کہ جب ان کا مزعوم امام قائم آئے گا تو وہ حضرت عائشہ پر حد لگائے گا، اور ان سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقام لے گا۔ مجلسی نے عبدالرحیم القصیر سے، اس نے ابوجعفر سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: [حقیقت میں سیدنا ابوجعفر رحمہ اللہ ان کے جھوٹ سے بالکل بری ہیں]:

''جب ہمارا قائم نکلے گا، تو حمیرا [حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لقب] اس کے پاس لوٹائی جائے گی؛ حتی کہ وہ اسے حد لگائے گا۔ یہاں تک کہ اس سے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لے گا۔ میں نے کہا: اس پر حد کیوں لگائے گا؟ کہا: اس کے ام ابراہیم -حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا]

❶ مقدمة النصائح الكافية لمن يتولى معاوية ص : ٢٠۔
❷ دیکھیں: سابقہ بحث میں: صحابہ اور امہات المؤمنین پر طعن۔

پر بہتان تراشنے کے سبب۔ میں نے کہا: اسے اللہ تعالیٰ نے قائم علیہ السلام کے آنے تک مؤخر کیسے کر دیا؟

کہا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا۔ اور قائم علیہ السلام کو عذاب بنا کر۔'' [1]

صراط مستقیم کے مصنف نے حضرت اماں عائشہ اور حضرت اماں حفصہ رضی اللہ عنہما پر طعنہ زنی کرنے کے لیے علیحدہ سے دو فصلیں قائم کی ہیں۔ پہلی فصل کا نام رکھا ہے: ''فصل فی اُم شرور'' اور اس سے مراد ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مراد لیا ہے۔ اس فصل میں اس نے صدیقہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما پر بہت سارے طعنے اور تنقید جمع کی ہے۔ اس فصل میں اس نے جو کچھ کہا ہے اس میں سے یہ بھی ہے:

''لوگوں -یعنی اہل سنت والجماعت- نے اس سے بہت ساری احادیث روایت کی ہیں، اور یقیناً اس نے اپنے رب کی اور اس کے نبی کی اس فرمان میں مخالفت کی تھی: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ (الاحزاب: ۳۳) ''اپنے گھروں میں قرار پکڑو۔''

اور وہ [اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو] اللہ تعالیٰ کی جانب سے بری کردہ بہتان میں شک ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتا ہے: کہتے ہیں: اللہ نے اس کے لیے اپنے اس فرمان میں برأت پیش کی ہے:

﴿أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ﴾ (النور: ۲۶)

''یہ (پاک لوگ) ان (بدگویوں) کی باتوں سے بَری ہیں۔''

ہم کہتے ہیں: یہ اس کے نبی کی زنا سے صفائی [پاکیزگی] ہے نہ کہ اس [یعنی حضرت عائشہ] کی؛ جیسا کہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے۔''

اور ایسے ہی وہ کہتا ہے: ''انہوں نے کہا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے اس سے ناپاکی کو دور کر دیا؛ ہم کہتے ہیں: اپنے امام سے جنگ سے بڑھ کر کون سی پلیدی [ناپاکی] ہوسکتی ہے؛ یہ سب سے بڑی فحاشی ہے۔''

بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ﴾ (الاحزاب: ۳۰)

---

[1] بحار الأنوار ٥٢/ ٣١٤۔

''اے پیغمبر کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ حرکت کرے گی اُس کو دگنی سزا دی جائے گی۔''

تحقیق اس نے نوح اور لوط[علیہما السلام] کی دو عورتوں کے متعلق خبر دی ہے۔ بے شک ان دونوں کو اللہ کے ہاں کوئی بھی چیز کام نہ آ سکی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائشہ اور حفصہ کے لیے ان دونوں کے کرتوں پر تعریض تھی؛ اور تنبیہ تھی کہ وہ دونوں اللہ کے رسول پر اعتماد نہیں کرتیں، پس بے شک وہ اللہ کے ہاں ان دونوں کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔''

اس کے ساتھ ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعن سے بھرے کچھ شعر بھی درج کیے ہیں۔

[شعروں کا ترجمہ پیش ہے]:

''وہ دو بدبختوں [حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما] کے ساتھ ایک لشکر میں آئی۔ جو اپنے فوجیوں کو بصرہ کی طرف بڑھا رہی تھی۔ گویا کہ وہ اپنے فعل میں بلی تھی؛ جو اپنی اولاد کو کھا جانا چاہتی تھی۔ وہ اپنے اس فعل میں غصب کرنے والی تھی؛ اور جنگ کی آگ کو بھڑکانے والی تھی۔ بہت ہی بری ماں ہے، اور بہت ہی بری خواہشات ہیں۔ وہ خواہشات جو اس کی حدی خواں ہیں؛ اور وہ خواہشات جو اسے لے کر آگے بڑھ رہی ہیں۔''[1]

جب کہ دوسری فصل حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر طعن و تنقید کے لیے خاص کی ہے، اور اس فصل کا نام رکھا ہے: ''فصل في أختها حفصه۔'' اس عنوان کے تحت جو کچھ لائے ہیں، ان میں ایک حضرت امام صادق پر جھوٹ باندھی ہوئی روایت بھی ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں فرمایا:

﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثاً﴾ (التحریم: ۳)

''جب پیغمبر نے اپنی ایک بیوی سے ایک بھید کی بات کہی۔''

[کہا] اس سے مراد حفصہ ہے۔ امام صادق نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کافر ٹھہری ہے:

﴿مَنْ أَنبَأَكَ هَذَا﴾.... ''آپ کو یہ کس نے بتایا؟۔''

اس کا خیال ہے کہ حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ [رضی اللہ عنہما] کو خط لکھا تھا:

''مجھ پر ذی قار کے مقام پر نازل ہوا ہے: ''اگر وہ آگے بڑھے تو قربانی کرو، اور اگر پیچھے

---

[1] الصراط المستقيم إلى مستحقي التقديم ۳/ ۱۶۱۔۱۶۵۔

بیٹے تو کونچیں کاٹ ڈالو۔'' سو حفصہ نے عورتوں کو جمع کیا اور وہ راگ بجانے لگیں، اور کہنے لگیں: کیا خبر ہے؟ کیا خبر ہے؟ علی سفر میں ہے۔ اگر وہ آگے آ گیا تو قربانی کریں گے، اور اگر پیچھے رہ گیا تو کونچیں کاٹ ڈالی جائیں گی۔ پس ام سلمہ ان پر داخل ہوئی اور کہنے لگی: اگر تم اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو یقیناً اس سے پہلے اس کے بھائی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کر چکی ہو۔''❶

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم اجمعین پر طعن و تنقید کی یہ [چند ایک] مثالیں ہیں جو رافضیوں کی کتابوں میں ذکر کی گئی ہیں۔ ورنہ رافضیوں کی کتابیں اس طرح کی جھوٹی اور بودی روایات سے بھری پڑی ہیں جو انہوں نے اپنے آئمہ کی زبانی گھڑ لی ہیں۔ [جن میں] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے افضل ترین بہترین لوگوں پر طعنے کسے گئے ہیں۔ [اور] جیسا کہ ان کے دل بھی صحابہ کرام کے خلاف بغض وحسد اور نفرت سے بھرے ہوئے ہیں۔

تیسری بحث:...... یہود اور روافض کی انبیاء وصالحین میں غلو اور طعن میں مشابہت

انبیاء اور حاخاموں کے متعلق یہودی موقف؛ اور صحابہ اور آئمہ کرام رحمہم اللہ کے متعلق رافضی موقف بیان کرنے کے بعد ان دونوں کے درمیان بہت بڑی وجوہِ مشابہت ظاہر ہوتی ہیں۔ سو یہود نے بعض انبیاء اور حاخاموں کی شان میں غلو کیا یہاں تک کہ انہیں مخلوق کی منزلت سے نکال کر رب العالمین کے مقام تک لے گئے۔ جب کہ دوسرے لمحے انہوں نے بعض انبیاء اور حاخاموں کی شان میں جرح و تنقید کی اور ان پر انتہائی فحش قسم کے الزامات لگائے۔

ایسے ہی رافضیوں نے بھی اپنے آئمہ کی شان میں غلو کیا؛ اور ان کے لیے ایسی منزلت تجویز کی جو اللہ رب العالمین کی منزلت کے برابر تھی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی شان میں گستاخی، جرح و تنقید کی جس سے چند ایک صحابہ کے علاوہ کوئی بھی نہ بچ سکا۔ اور انہیں کفر اور ارتداد کی طرف منسوب کرنے

❶ الصراط المستقیم إلی مستحقي التقدیم ٣/ ١٦١-١٦٥۔

لگے۔اور ان پر لعن وطعن اور سب وشتم کر کے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے لگے۔اور اپنی جہالت کی وجہ سے یہ سوچ بیٹھے کہ اس فعل میں بہت بڑا ثواب اور بلند ترین درجہ ہے۔

[**مشابہت کے نکات**]:

یہ مشابہت ان نکات سے ظاہر ہوتی:

اول:...... یہ یہودیوں اور رافضیوں میں سے ہر ایک اپنی محبت اور نفرت کے معیار میں معتدل رویہ نہیں رکھتے۔جن سے انہوں نے محبت کی اس کی شان میں بہت ہی غلو سے کام لیا،حتی کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنالیا۔اور جن سے بغض رکھا ان پر طعن وتنقید کی؛اور ان کی طرف ایسے جرائم منسوب کیے جن سے وہ لوگ اللہ کے ہاں بالکل بری ہیں۔

دوم: یہودیوں اور رافضیوں میں سے ہر ایک نے ان لوگوں میں تفریق ڈالی ہے جن کا منہج،عقیدہ اور دعوت اور ہدف ایک تھا۔

سوم: یہود اور رافضہ میں سے ہر ایک اپنی محبت اور نفرت میں کسی شرعی دلیل پر اعتماد نہیں کرتے، بلکہ وہ اس بارے میں اپنی خواہشات نفس کے پیچھے چلتے ہیں۔

چہارم: یہ دونوں گروہ اپنے ان سابقہ دونوں مواقف میں حق اور صواب سے ہٹ چکے ہیں۔

یہودیوں اور رافضیوں کے درمیان اس عقیدہ میں مشابہت کی طرف عبداللہ قصیمی نے ''یہودیوں اور رافضیوں کے درمیان مشابہات ذکر کرنے کے ضمن میں اشارہ کیا ہے:

> ''اس [مشابہت] میں سے یہ بھی ہے کہ یہودی اور رافضی اپنی محبت اور نفرت میں اعتدال پر نہیں رہتے۔ اور نہ ہی دوستی اور بیزاری [برأت] میں میانہ روی پر قائم رہتے ہیں۔ بلکہ دونوں گروہ کسی ایک جانب میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں تو دوسری طرف [کئی امور] میں ظالم ہیں۔آپ دیکھیں گے کہ یہودی بعض انبیاء اور احبار کی شان میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ انہیں اپنا معبود اور رب بنالیتے ہیں۔اور ان کے لیے کئی قسم کی عبادت بجالاتے ہیں۔اور ان کے لیے انتہائی تواضع اور پستی اختیار کرتے ہیں۔جب کہ یہی بعض دوسرے انبیاء پر طعنہ زنی کرتے ہیں،اور ان پر سب سے بری تہمتیں لگاتے اور ان کی طرف کبیرہ گناہ منسوب کرتے ہیں،اور ان پر انتہائی خبیث؛اور خباثت سے بھی بڑھ کر برے کاموں کا جھوٹا اور من گھڑت

الزام لگاتے ہیں۔

ایسے ہی رافضی بھی کرتے ہیں۔ آپ ان کو دیکھیں گے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی بعض اولاد کی شان میں غلو کرتے ہیں۔ اور یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے شرف و تقدس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان میں حلول کر گیا ہے۔ جب صحابہ اور مسلمانوں کے دوسرے فریق پر انتہائی بری طعنہ زنی کرتے ہیں، اور انتہائی جھوٹ بولتے ہوئے ان پر کفر، منافقت اور بری عادات اور برے اعتقاد ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ یہودی اخلاق، اور اسرائیلی کام انہیں وراثت میں ملا ہوا ہے۔'' [1]

ہاں! رافضیوں کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان تفریق کرنا، بعض کی شان میں غلو کر کے، اور بعض پر تنقید کر کے؛ [انہیں] وراثت میں ملا ہوا یہودی اخلاق اور اسرائیلی فعل ہے۔ جیسے عبد اللہ القصیمی نے ذکر کیا ہے۔

پس عبد اللہ بن سباء وہ پہلا خبیث یہودی ہے جس نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کا اظہار کیا۔ اور صحابہ کرام پر کھل کر طعن کیا؛ جس کا خود محقق رافضی علماء کو بھی اعتراف ہے۔ نوبختی کہتا ہے:

''جب حضرت علی علیہ السلام قتل کر دیے گئے تو وہ لوگ متفرق ہو گئے جو آپ کی امامت پر قائم تھے۔ اور بے شک یہ [امامت] اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے فرض کردہ ہے۔ پس لوگ تین گروہ ہو گئے:

ان میں سے ایک فرقہ کہنے لگا: بے شک حضرت علی قتل نہیں کیے گئے، اور نہ ہی مرے ہیں، اور نہ ہی مریں گے؛ یہاں تک کہ وہ عربوں کو اپنی لاٹھی سے ہانک نہ لیں۔ اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر نہ دیں۔ جیسا کہ وہ ظلم و زیادتی سے بھر گئی ہے۔ اسلام میں یہ پہلا فرقہ ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں توقف کا عقیدہ اپنایا۔ اور ان میں پہلا فرقہ ہے جس نے غلو کا عقیدہ ایجاد کیا۔ اس فرقہ کو سبائی کہا جاتا ہے۔ [جو کہ] عبد اللہ بن سباء کے ساتھی ہیں۔ یہ پہلا انسان تھا جس نے ابو بکر و عمر و عثمان اور صحابہ میں طعن، اور ان سے برأت کا اظہار کیا؛ اور کہنے لگا: علی علیہ السلام نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت علی نے اسے

---

[1] الصراع بين الإسلام و الوثنية ص: ٤٩٧۔

گرفتار کیا، اوراُس سے اِس بات کے بارے میں پوچھا؛ پھر اس کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ لوگ چلانے لگے: اے امیر المؤمنین آپ ایسے آدمی کو قتل کررہے ہیں جو تم اہل بیت کی محبت اور دوستی کی دعوت دیتا ہے؛ اور تمہارے دشمنوں سے برأت کا اظہار کرتا ہے۔ تو آپ نے [قتل کا ارادہ بدل کر] اسے مدائن کی طرف ملک بدر کردیا۔

حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے اہل علم کی ایک جماعت نے حکایت بیان کی ہے: عبد اللہ بن سباء یہودی تھا؛ اس نے اسلام قبول کیا؛ اور حضرت علی سے دوستی کا دم بھرنے لگا۔ جب وہ یہودی تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون کے وصی ہونے کا کہتا تھا۔ اوراسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسی طرح کی بات کہنے لگا۔ یہ سب سے پہلا انسان تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے فرض ہونے کا قول مشہور کیا۔ اوران کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کیا، اورآپ کے مخالفین کا پول کھولا۔ اس لیے شیعہ کے مخالفین یہ بات کہتے ہیں کہ: ''رافضیت کی اصل یہودیت سے نکلتی ہے۔''❶

اشعری قمی نے بھی اس کے قریب قریب روایت نقل کی ہے۔❷

نعمت اللہ الجزائری کہتا ہے:

''عبداللہ بن سباء نے علی علیہ السلام سے کہا: ''آپ ہی معبود برحق ہیں۔'' تو حضرت علی علیہ السلام نے اسے مدائن کی طرف ملک بدر کردیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ یہودی تھا، اس نے اسلام قبول کیا۔ وہ اپنی یہودیت کی زندگی میں یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے ایسے ہی کہا کرتا تھا جیسے اس نے علی علیہ السلام کے بارے میں کہا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: یہ پہلا انسان ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے واجب ہونے کا قول ایجاد کیا؛ اوراس سے غالیوں کی مختلف شاخیں پھوٹیں۔''❸

یہ بڑے رافضی علماء اور ان کے محققین کے اعترافات ہیں کہ ابن سباء یہودی تھا، اور وہ پہلا انسان ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کا اظہار کیا اور پہلا انسان ہے جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

---

❶فرق الشیعة : ص : ٢٢۔ ❷المقالات و الفرق ص: ٢٠۔

❸ الأنوار النعمانية ٢/ ٢٣٤۔

پر طعن کا اظہار کیا۔

علماء ''فرق'' نے جو کہا ہے کہ ابن سباء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ربوبیت کا دعوی کیا تھا، اور اس میں انتہائی غلو کیا، اور وہ لوگوں کو اس عقیدہ کی دعوت بھی دیتا تھا،، ان کے اس قول کے صحیح ہونے پر بذیل گواہیاں موجود ہیں۔

مطلی ''سبائیوں'' کے بارے میں کہتا ہے:

''یہ عبداللہ بن سباء کے ساتھی ہیں۔ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''أنت أنت۔'' تو ہی ہے تو ہی ہے۔ انہوں نے پوچھا: میں کون ہوں؟ کہنے لگے: تو ہی خالق اور باری ہے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے [ان کے اس کفریہ قول پر] توبہ کرنے کو کہا؛ مگر انہوں نے اپنی بات سے رجوع نہ کیا [اپنی بات واپس نہ لی]۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بہت بڑی آگ جلائی اور انہیں اس آگ میں جلا دیا۔'' ❶

اور بغدادی نے کہا ہے: ''سبائی عبداللہ بن سباء کے پیروکار ہیں، جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کیا، اور یہ گمان کرنے لگا کہ آپ نبی ہیں۔ پھر ان کی شان میں غلو کرتے ہوئے اس سے آگے بڑھا اور یہ کہنے لگا کہ آپ ہی ''اللہ'' معبود ہیں۔ پھر کوفہ کے بہکے ہوئے لوگوں کو اس کی دعوت دینے لگا۔- یہاں تک کہ آپ کہتے ہیں ......۔ ''محققین اہل سنت کہتے ہیں: ''بے شک ابن سوداء یہودی دین پر تھا۔ وہ حضرت علی اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام پر مسلمانوں کو دین کے بارے میں گمراہ کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ -مسلمان- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے وہی عقیدہ رکھیں جو عیسائی حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں رکھتے ہیں۔ پس سبائی بھی رافضیوں کی طرف منسوب ہوئے؛ جب انہیں کفر، تدلیس، گمراہی اور تاویلات میں اہل بدعت اور خواہش پرست فرقوں میں کی رگوں میں سے ہی پایا گیا۔'' ❷

ان نصوص کے بعد اب شک کی کوئی مجال باقی نہیں رہ جاتی کہ آئمہ کی شان میں غلو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر طعن، رافضیوں کے اندر اصل میں یہودیوں کی کتابوں سے عبداللہ بن سباء کے ذریعے سے منتقل ہوا ہے۔

---

❶ التنبیة والرد علی أهل الأهواء والبدع ص: ۱۸۔

❷ الفَرق بین الفِرَق ص: ۲۳۳۔

میں اس حقیقت کو یقینی بنانے کے لیے یہودی اور رافضی کتابوں میں واردان نصوص کا تقابلی جائزہ پیش کروں گا جو رافضیوں اور یہودیوں کے ہاں غلو اور طعن ہر دو جانب کی ترجمانی کرتی ہیں ؛ تا کہ ان دونوں کے درمیان موافقت و مطابقت ظاہر ہوجائے ؛ حتیٰ کہ عبارات اور الفاظ کے استعمال میں بھی موافقت [سامنے آجائے]۔

غلو کا پہلو:

۱۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کیا ؛ یہاں تک کہ گمان کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہتے ہوئے خطاب کیا: ......میں نے تجھے فرعون کا معبود بنایا ہے۔ اور تیرا بھائی ہارون تیرا نبی ہوگا۔''

اور رافضیوں نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کیا، یہاں تک ان کے متعلق ربوبیت کا دعوی کرنے لگے؛ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں کہتے ہیں :

﴿قَالَ أَمَّا مَن ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَى رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَاباً نُّكْراً﴾

(الکھف:۸۷)

'' کہا کہ جو (کفر و بدکرداری سے) ظلم کرے گا ہم اسے عذاب دیں گے پھر (جب) وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اُسے بُرا عذاب دے گا۔''

کہتے ہیں:'' اسے امیر المؤمنین کے پاس لوٹایا جائے گا۔''

مجلسی نے کہا ہے : رب سے مراد امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی تربیت کی ذمہ داری آپ کو دی تھی۔

۲۔ یہودیوں نے اللہ کے نبی حضرت دانیال علیہ السلام کی شان میں غلو کیا، اور کہا : بے شک آپ کا نام اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کی طرح ہے۔ اور بے شک اللہ کی روح ان میں حلول کر گئی ہے۔ اور بے شک آپ میں اللہ تعالیٰ کی حکمت جیسی حکمت ہے۔ اور اللہ کی ذہانت جیسی ذہانت ہے۔

اور رافضیوں نے اپنے آئمہ کی شان میں غلو کیا ، یہاں تک کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا اطلاق کرنے لگے، اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے لگے۔ اور آئمہ پر جھوٹ بولا کہ انہوں نے کہا ہے :

''ہم اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ ہیں، ہم رحمت کی جائے پیدائش ہیں؛ ہم حکمت کی کانیں ہیں، اور علم کے چراغ ہیں۔''

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ بولا کہ آپ نے فرمایا ہے:

''میں اللہ تعالیٰ کا علم ہوں، اور میں اللہ کا یاد رکھنے والا دل ہوں، اور اللہ کی بولتی ہوئی زبان ہوں، اور اللہ کی دیکھتی ہوئی آنکھ ہوں۔ میں اللہ کا پہلو ہوں، میں اللہ کا ہاتھ ہوں۔''

۳۔ یہودی دعوی کرتے ہیں کہ ان کے بعض انبیاء غیب کی خبریں جانتے ہیں۔ مثلاً: ان کا گمان ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام جانتے تھے کہ بارش کب نازل ہوگی۔

اور رافضی دعوی کرتے ہیں کہ ان کے آئمہ غیب جانتے ہیں۔ اور یہ کہ ان پر آسمانوں اور زمینوں کی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اور وہ جانتے ہیں جو کچھ مردوں کی صلب [پیٹھ] میں ہے، اور جو کچھ عورتوں کے رحم [بچہ دانی] میں ہے۔ اور وہ جانتے ہیں جو کچھ جنت میں ہے اور جو کچھ جہنم میں ہے۔ اور جو کچھ ہوگیا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے وہ سب جانتے ہیں۔

۴۔ یہودی اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کا دین تین چیزوں کی تعلیم حاصل کیے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا: تورات کی تعلیم؛ مشنات کی تعلیم اور غامارا کی تعلیم۔ اور کوئی بھی انسان ان تین تعلیمات سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ تلمود میں آیا ہے:

''بے شک تورات پانی سے مشابہ ہے، اور مشناۃ سرکہ (نبیذ) سے مشابہ ہے، اور غامارا خوشبودار سرکہ سے مشابہ ہے۔ اور کوئی انسان ان تین کتابوں سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ کوئی انسان ان گزشتہ ذکر کردہ تین اصناف سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔''

اور رافضی اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ بے شک اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے مکمل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہ بہت ضروری ہے کہ اس کے ساتھ تعلیمات علی اور تعلیمات حسین رضی اللہ عنہما کا اضافہ کیا جائے۔ اور کوئی بھی انسان کے لیے ان تین تعلیمات سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ شیرازی کہتا ہے:

''اور جیسے کہ اسلامی کیان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی محنتوں کی ضرورت تھی تا کہ وہ استقامت پر قائم رہے؛ ایسے ہی اسلام کسی ایسے دل میں مکمل نہیں ہوسکتا جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی اور حسین رضی اللہ عنہما اکٹھے موجود نہ ہوں۔ اس لیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات

ابتدائی ہیں ؛ اور علی رضی اللہ عنہ کی تعلیمات تربیتی ہیں ، اور حسین رضی اللہ عنہ کی تعلیمات امدادی ہیں۔
جب تک یہ تینوں عناصر ایک ساتھ کارگر نہ ہوں، تو اسلام وجود میں نہیں آ سکتا۔''

۵۔ یہودی دعوی کرتے ہیں کہ ان کے حاخام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔ وہ کہتے ہیں : '' حاخاموں کے اقوال انبیاء کے اقوال سے افضل ہیں۔'' اور یہ بھی کہا ہے: '' حاخاموں کے اقوال کی طرف اس سے زیادہ توجہ دینا جتنی توجہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی طرف دیتے ہو۔''

اور رافضی یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان کے آئمہ انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔ خمینی آئمہ کے متعلق کہتا ہے :

'' بے شک ہمارے مذہب کی ضروریات میں سے ہے کہ ہمارے آئمہ کو وہ مقام حاصل ہے جس مقام تک نہ ہی کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے، اور نہ ہی کوئی نبی مرسل۔''

اور ایسے ہی یہ بھی کہا ہے: "علي خير البشر ، ومن أبى فقد كفر۔"

'' علی تمام بشریت سے افضل ہیں، اور جو نہ مانے وہ کافر ہے۔''

۶۔ یہودی اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے انبیاء اور حاخام مردہ انسانوں اور حیوانوں کو دوبارہ زندگی دینے کی قدرت رکھتے ہیں۔

رافضی بھی اپنے آئمہ کے متعلق ایسا ہی اعتقاد رکھتے ہیں۔

۷۔ یہودی اپنے حاخاموں کے متعلق خیال کرتے ہیں کہ وہ معصوم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں خطاء اور نسیان سے معصوم پیدا کیا ہے۔

اور رافضی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے آئمہ معصوم ہیں۔ اور ان سے غفلت یا بھول کا ؛ یا خطاء اور نسیان کا سرزد ہو جانا جائز نہیں ہے۔

۸۔ یہودیوں نے اپنے حاخاموں کی شان میں غلو کیا، یہاں تک کہ کہنے لگے :

'' تم پر حاخاموں کے اقوال پر اعتبار کرنا ایسے ہی لازم ہے جیسے شریعت پر اعتبار کرنا۔'' (یعنی کہ تورات پر)۔

اور رافضیوں نے اپنے آئمہ کی شان میں غلو کیا؛ حتی کہ خمینی کہتا ہے :

'' آئمہ کی تعلیمات ایسے ہی ہیں جیسے قرآن کی تعلیمات ؛ ان کو نافذ کرنا واجب ہے۔''

۹۔ یہودی کہتے ہیں: '' جس نے حاخاموں سے جھگڑا کیا گویا کہ اس نے عزت الٰہی سے جھگڑا کیا۔''

رافضی کہتے ہیں: ''آئمہ کی بات رد کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اللہ کی بات رد کرنے والا۔''
اور یہ بھی کہا ہے: ''امیر المؤمنین کی چھوٹی یا بڑی بات کا رد کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی حد پر ہے۔''

۱۰۔ یہودی گمان کرتے ہیں کہ ربانیین نیک وکار اہل آسمان کو تعلیم دیتے ہیں۔
اور رافضی گمان کرتے ہیں کہ ان کے آئمہ نے ہی ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کا ذکر سکھایا تھا۔

۱۱۔ یہودی گمان کرتے ہیں کہ بے شک جب کوئی ایسی سخت مشکل پیش آتی ہے جس کا حل کرنا آسمانوں پر ممکن نہ ہو تو اللہ تعالیٰ حاخاموں سے مشورہ کرتے ہیں۔
اور رافضی گمان کرتے ہیں کہ جب ملائکہ کے درمیان کوئی جھگڑا ہو جاتا ہے تو وہ اس کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرواتے ہیں۔

۱۲۔ یہودی کہتے ہیں: ربانیین کا خوف رکھنا خود اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنا ہے۔
اور کہتے ہیں: ''ربانیین کے کلمات ہر دور اور ہر جگہ میں اللہ تعالیٰ کے کلمات ہیں۔''
رافضی اپنے آئمہ کے متعلق کہتے ہیں: ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کا حکم اللہ کا حکم ہے، اور ان کی ممانعت اللہ کی ممانعت ہے؛ اور ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے؛ اور ان کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔

۱۳۔ رافضی گمان کرتے ہیں کہ بے شک علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ زمین کا چوپایہ [دابة الأرض] ہیں۔
اور اس کی انہوں نے صراحت کی ہے کہ یہ مقالہ انہوں نے یہودیوں سے لیا ہے، جو گمان کرتے ہیں کہ حضرت دانیال علیہ السلام زمین کا چوپایہ ہیں۔

۱۴۔ یہودیوں کے اپنے انبیاء اور حاخاموں کی شان میں اور رافضیوں کی اپنے آئمہ کی شان میں غلو کرنے کے باوجود؛ انہوں نے ان کو ذلیل ہی کیا ہے، اور انتہائی مشکل مراحل میں ان کی مدد ترک کر دی۔ خصوصاً ایسے اوقات میں جب کہ ان کو اس کی بہت سخت ضرورت تھی۔
یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت تجل کیا جب انہوں نے ان کو قتال کرنے کا کہا، اور ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ اس کے بعد کہ انہیں مصر سے نکال لائے تھے، اور فرعون کی غلامی سے آزادی دلا دی تھی۔ مگر ان کا جواب ویسے ہی تھا جیسے اللہ نے خبر دی ہے:
﴿ قَالُواْ يَا مُوسَى إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَداً مَّا دَامُواْ فِيهَا فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ

فَقَاتِلا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ (المائدہ: ۲۴)

''وہ بولے کہ اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے (اگر ضرور لڑنا ہی ہے) تو تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔''

ایسے ہی رافضیوں نے بہت سے مواقع پر اپنے آئمہ کو تنہا چھوڑ دیا۔ آگے اور ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا، اور انتہائی سخت حالات میں ان کی نصرت/ مدد ترک کر دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کئی بار تنہا چھوڑ دیا۔ اور آپ کے ساتھ پیش آنے والے سخت ترین معرکوں میں ان کے ساتھ مل کر جہاد نہ کیا؛ یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ کا ان کو برا بھلا کہنا، اور ان کی مذمت کرنا ان کے بہت سارے مشہور خطبوں میں آیا ہے۔ ان میں سے ایک جو نہج البلاغہ میں ہے؛ ان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تنہا چھوڑنے کے بعد آپ نے ان میں خطبہ دیا اور فرمایا:

''اے لوگو! جن کے بدن جمع ہیں، مگر خواہشات مختلف ہیں۔ تمہارا کلام سخت گونگے کی طرح بے وقعت [کمزور] ہے؛ اور تمہارے کام [ایسے ہیں کہ] دشمن تم میں طمع کرتے ہیں۔ تم اپنی مجلسوں میں ایسے اور ایسے کہتے ہو؛ [یعنی بڑی بڑھکیں مارتے ہو] اور جب جنگ کا وقت آتا ہے تو کہتے ہو ''حیدی حیاد''[یعنی میرے ساتھ بھاگو] [1] اس کی دعوت کبھی غالب نہ ہوسکی جس نے تمہیں [اپنے ساتھ] بلایا؛ اور نہ ہی اس کے دل کو راحت ملی جس نے تمہیں دوست بنایا۔ گمراہیوں کی علتیں ہیں، اور لمبے قرض والے جیسا دفاع ہے، کسی گھٹیا ذلیل کو بھی نہیں روک سکتا، اور نہ ہی انتہائی سخت کوشش کے بغیر حق کو پا سکتا ہے؛ تمہارے [اس] گھر کے بعد کون سا گھر ہے جس کی حفاظت کرو گے، اور میرے بعد کس امام کے ساتھ مل کر قتال کرو گے۔ اللہ کی قسم! دھوکہ کھایا ہوا وہ انسان ہے جس کو تم دھوکہ دیدو۔ اور جو تم سے کامیاب ہو گیا اللہ کی قسم وہ رسوا کن تیر سے کامیاب ہو گیا۔ اور جس نے تم سے تیر اندازی کی؛ حقیقت میں اس نے بغیر پھل والا تیر پھینکا۔ اللہ کی قسم اب میرا یہ حال ہے کہ میں تمہاری بات کی تصدیق نہیں کرتا۔ اور نہ ہی تمہاری مدد کی امید کرتا ہوں۔ اور نہ ہی تمہاری وجہ سے دشمن کو ڈراتا ہوں۔'' [2]

---

[1] ''حیدی حیاد'' وہ کلمہ ہے جو [جنگ سے] بھاگنے والا کہتا ہے۔ ابن ابی الحدید؛ شرح نهج البلاغة ۲/ ۱۱۱۔

[2] شرح نهج البلاغة لابن أبي الحديد ۲/ ۱۱۱۔

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جن کی شان میں اتنے افراط سے غلو کرتے ہیں ،مگر آپ ان کے رسوا کرنے اور جنگ کے وقت جدا ہو جانے کی شکایت کرتے ہیں۔

ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے بیٹوں کو بھی مخذول کیا۔ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تو بہت ہی زیادہ مخذول کیا۔ وہ اس طرح سے انہیں ڈھیروں خط لکھ کر اپنے پاس بلایا۔ اور جب آپ ان کے پاس چلے ،آپ کے ساتھ آپ کے اہل خانہ،اقارب اور ساتھی بھی تھے؛ تو انہوں نے آپ کو اکیلے چھوڑ دیا ؛اور آپ کی مدد سے پیچھے ہٹ گئے۔ بلکہ ان میں سے اکثر

دشمن کی خوف اور [منصب کی] لالچ میں دشمنوں کی صفوں میں جا ملے۔اور آپ کی شہادت اور آپ کے بہت سے اہل خانہ جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں، کی شہادت کا سبب بن گئے۔ ❶

انہوں نے ایسے ہی حضرت زید بن حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو بھی مخذول کیا۔ ان لوگوں نے ان کے ساتھ مدد اور نصرت کا وعدہ کیا۔ اور جب معاملہ سنگین ہوگیا، اور جنگ کی گھڑی آن پہنچی؛ تو آپ کی امامت کا انکار کردیا ،اس لیے کہ آپ نے خلفاء ثلاثہ [تین خلفاء راشدین ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین] سے بیزاری کا اعلان کرنے سے انکار کردیا تھا۔ انہوں نے آپ کو دشمن کے ہاتھوں میں اکیلا چھوڑ دیا؛ وہ آپ کو لے کر کوفہ میں داخل ہوئے ،اور آپ کو شہید کردیا گیا۔ ❷

اس سے یہودیوں اور رافضیوں کا اپنے آئمہ اور سرداروں کو رسوا کرنے کے بارے میں آپس میں اتفاق ظاہر ہوگیا، حالانکہ اس سے پہلے ان کی شان میں اتنا غلو کرتے تھے کہ انہیں بشری طبیعت سے باہر نکال دیا تھا۔

طعن وتنقید کا پہلو:

اس موضوع میں بذیل مواقع پر ان کے درمیان مشابہت پائی جاتی ہے:

اول : یہودی گمان کرتے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کے پیروکار کافر اور مرتد؛ دین سے خارج ہیں۔

رافضی عقیدہ رکھتے ہیں کہ: بے شک صحابہ کرام اسلام سے مرتد ہو گئے تھے؛ اور وہ دین میں صرف ریاکاری کرتے ہوئے منافقت سے داخل ہوئے تھے۔

دوم : یہودی حضرت مریم رضی اللہ عنہا پر فحاشی کی تہمت لگاتے ہیں،حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے بری قرار

---

❶ مختصر التحفة الاثنی عشریة ص: ٦٢۔ ❷ المرجع السابق ص: ٦٣۔

دیا ہے۔

رافضی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر فحاشی کی تہمت دھرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس برے اور شنیع فعل سے بری قرار دیا ہے۔

ســـــوم : یہودی گمان کرتے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو جہنم کی وادیوں میں انتہائی سخت عذاب دیا جائے گا۔

رافضی ایمان رکھتے ہیں کہ تینوں خلفاء راشدین کو جہنم کی آگ کے ایک تابوت میں عذاب دیا جائے گا، اس تابوت کی گرمی سے جہنمی بھی پناہ مانگتے ہیں۔

چھـارم : یہودی اور رافضی اپنی کتابوں میں جن پر طعن کرنا چاہیں اس کے لیے رموز استعمال کرتے ہیں تا کہ ان کا معاملہ لوگوں پر واضح نہ ہو، [اور انہیں رسوائی نہ اٹھانا پڑے]۔

یہودی حضرت عیسیٰ کے لیے کئی ایک رموز استعمال کرتے ہیں: ان میں سے: ''جیشو'' یہ تین کلمات کے حروف سے بنایا گیا ہے: (إیماش، شیمو، فیزیکر)۔ یعنی: تا کہ آپ کا نام اور ذکر مٹا دیا جائے۔ اور آپ کے لیے: (ذلك الرجل ''وہ آدمی'') اور (ابن نجار ''بڑھئی کا بیٹا'') اور (ابن الخطاب ''لکڑ ھارے کا بیٹا'') کے رموز استعمال کرتے ہیں۔ اور حضرت مریم کے لیے ''ماری'' کا رمز استعمال کرتے ہیں۔

رافضی اپنی کتابوں میں تینوں خلفاء راشدین اور امہات المؤمنین کے لیے ایسے رموز استعمال کرتے ہیں جو کہ یہودی رموز سے مشابہت رکھتے ہیں۔ سو یہ لوگ حضرت ابو بکر و عمر کے لیے زمر استعمال کرتے ہیں: (جبت اور طاغوت) اور (صنمی قریش) اور (زریق وحبتر) اور (فرعون و ہامان) اور (عجل اور سامری) اور (اعرابیین من ہذہ الأمۃ) اور (الاول والثانی)؛ اور (فلان وفلان) اور ان کے علاوہ کئی اور رموز ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے زمر ہے: (نعثل) اور (الثالث)۔

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے زمر ہے: (الرابع)۔

بنی امیہ کے لیے زمر ہے: (أبی سلامه)۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے زمر ہے: (ام شرور) اور (صاحبة الجمل ''اونٹ

والی'')اور (عسکر بن ھوسر)۔

اس سے ان دونوں پہلوؤں (غلو کا پہلو اور طعن کا پہلو) میں یہودیوں اور رافضیوں کے درمیان بہت بڑی مشابہت ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں تک اسلوب اور طریقہ کار میں اتفاق کے بعد ان کے الفاظ اور عبارات میں بھی اتفاق ہے۔ جو اس بات کی قطعی اور دوٹوک دلیل ہے کہ رافضیوں کے ہاں آئمہ کی شان میں غلو اور صحابہ کرام پر طعن کی اصل یہودیوں سے لی گئی ہے۔ جیسے باقی رافضی عقائد کا حال ہے۔

اتنے دلائل پیش کرنے کے بعد صرف متکبر اور سرکش ہی ماننے سے انکار کرسکتا ہے، کسی اور کو اس کا انکار نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

چوتھی بحث:...... یہود اور روافض کے انبیاء وصالحین میں غلو اور طعن پر رد

یہودیوں اور رافضیوں میں سے کوئی بھی اپنی محبت اور نفرت میں عدل پر نہیں، بلکہ یہ لوگ ظالم اور دونوں مواقف میں حق سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

اگر وہ کسی سے محبت کرتے ہیں تو اس کی تعریف اور مدح میں مبالغہ کرتے ہیں، اور اگر کسی کو ناپسند کرتے ہیں تو اس پر طعن کرنے اور اس کی مذمت کرنے میں حد سے گزر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں سے ڈرایا ہے؛ اور عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءِ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُواْ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (المائدہ: ۸)

''اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو (بلکہ) انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبر دار ہے۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''تمہیں کسی قوم کا بغض ان کے متعلق عدل کے ترک کردینے پر نہ ابھارے۔ بلکہ ہر ایک

کے ساتھ عدل سے پیش آؤ، خواہ وہ تمہارا دوست ہو یا دشمن'' ❶

مگر یہودی اور رافضی ان دونوں مواقف [عقائد] میں عدل کرنے والے نہیں ہیں۔ وہ یا تو بہت زیادہ غلو کرنے والے ہیں یا طعن زنی اور قدح کرنے والے؛ یہ دونوں باتیں مذموم ہیں۔

غلو: اللہ تعالیٰ نے کئی آیات میں غلو کرنے سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لاَ تَغْلُواْ فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلاَ تَتَّبِعُواْ أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّواْ مِن قَبْلُ وَأَضَلُّواْ كَثِيراً وَضَلُّواْ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴾ المائدہ: ۷۷)

''کہو کہ اے اہلِ کتاب! اپنے دین (کی بات) میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہش کے پیچھے نہ چلو جو (خود بھی) پہلے گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی اکثر گمراہ کر گئے اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لاَ تَغْلُواْ فِي دِينِكُمْ وَلاَ تَقُولُواْ عَلَى اللّهِ إِلاَّ الْحَقِّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ فَآمِنُواْ بِاللّهِ وَرُسُلِهِ وَلاَ تَقُولُواْ ثَلاَثَةٌ انتَهُواْ خَيْراً لَّكُمْ إِنَّمَا اللّهُ إِلَـهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الأَرْضِ وَكَفَى بِاللّهِ وَكِيلاً ﴾ (النساء: ۱۷۱)

''اے اہلِ کتاب! اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ (نہ اللہ تھے اور نہ اس کے بیٹے بلکہ) اللہ کے رسول اللہ اس کا کلمۂ (بشارت) تھے جو اُس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے تو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور (یہ) نہ کہو (کہ اللہ) تین (ہیں اس اعتقاد سے) باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اللہ ہی اکیلا معبود ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔''

❶ تفسیر ابن کثیر ۲/ ۳۰۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :''اس آیت سے مراد افراط اورتفریط کی نہی ہے۔ افراط میں عیسائیوں کا حضرت عیسی علیہ السلام کی شان میں غلو کرنا ہے ؛ یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو رب بنالیا۔ اور تفریط میں یہودیوں کا آپ کے بارے میں غلو کرنا ہے ؛ جنہوں نے آپ کے غیر ہدایت یافتہ اورنا کام انسان قرار دیا۔'' ❶

ان دونوں آیتوں میں یہودیوں اور رافضیوں پر صاف اورکھلا ہوا رد ہے؛ جوکہ بعض انبیاء اور صالحین کی شان میں غلو کرتے ہیں، اور ہراس انسان پر رد ہے جواس راہ پر چلے۔

دین میں غلو کے خطرہ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی شان میں غلو کا ہر راستہ بند کردیا؛ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی اورحبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوحکم دیا کہ آپ لوگوں کے لیے بیان کردیں کہ آپ اپنے نفس کے لیے بھی کسی نفع یا نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ اورنہ ہی اپنے نفس کوکسی شر سے بچا سکتے ہیں، اور نہ ہی اپنی ذات کے لیےکوئی خیر کھینچ کر لا سکتے ہیں، [سوائے اس کے جواللہ چاہے، اورآپ کے لیےمقدر میں لکھ دیا گیا ہو]۔ اور نہ ہی آپ غیب جانتے ہیں سوائے ان امور کے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیدی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَآئِنُ اللّهِ وَلا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ﴾ (الانعام: ٥٠)

''کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کےخزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اُس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے (اللہ کی طرف سے) آتا ہے۔''

اوراللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعاً وَلَا ضَرّاً إِلَّا مَا شَاءَ اللّهُ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَاْ إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (الاعراف: ١٨٨)

''کہہ دو کہ میں اپنے فائدے اورنقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر

❶ فتح القدير ١/ ٥٤٠۔

میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو مومنوں کو ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کے لیے واضح کر دیں کہ بے شک آپ بشر ہیں۔ آپ نہ ہی غیب جانتے ہیں، اور نہ ہی اپنی ذات کے لیے کسی چیز کے مالک ہیں۔ ایسا ان راہوں کے بند کرنے کے لیے کیا ہے جو غلو کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اور اس امت کو ڈرانے کے لیے کیا ہے کہ یہ امت اپنے نبی کی شان میں ایسے غلو نہ کرے جیسے یہود و نصاری نے اپنے اپنے انبیاء کی شان میں غلو کیا۔

جب یہ حال تمام مخلوق کے سردار کا ہے، جن کی منزلت اللہ کے ہاں سب سے بڑی ہے۔ تو یہ بات بدرجہ اولی ثابت ہوتی ہے کہ جو لوگ آپ سے فضیلت و منزلت میں کم ہیں؛ ان کے لیے ان امور میں سے کچھ بھی ثابت نہ ہو۔

اس سے یہودیوں کا یہ دعوی باطل ہوتا ہے کہ ان کے بعض انبیاء اور حاخام غیب جانتے ہیں۔ اور ان کے لیے ربوبیت کی بعض صفات بیان کرتے ہیں۔ اور ایسے رافضیوں کے دعوے باطل ہوتے ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے آئمہ غیب جانتے ہیں؛ اور جو کچھ ہو گیا ہے؛ اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے، سب جانتے ہیں؛ یہاں تک کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں اس کا شریک بنالیا۔ جب یہ صفات رسول اللہ ﷺ کے لیے ثابت نہیں ہیں، تو وہ ان لوگوں کے لیے کیسے ثابت کرتے ہیں جو شرف و منزلت میں آپ ﷺ سے بہت ہی کم ہیں۔ بلکہ وہ آئمہ جن کے لیے رافضی ان امور کے ثابت ہونے کا دعوی کرتے ہیں وہ بھی نبی کریم ﷺ کی اتباع کرنے والے ہیں۔ اور انہوں نے اللہ کے ہاں جو بھی مقام اور مرتبہ پایا ہے، وہ اس نبی کی اطاعت اور اتباع کی برکت سے پایا ہے۔ پھر یہ لوگ اتباع کرنے والے کے لیے کیسے وہ امور ثابت کرنے لگ جاتے ہیں، جو متبوع (جس کی اتباع کی جارہی ہے) کے لیے ثابت نہیں ہیں۔ بس ہم کیا کہہ سکتے ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے:

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (الحج: ۴۶)

''بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں۔''

یہ ایک اور خطاب ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے طلب کرتے ہیں کہ ان اہل کتاب

کی طرف متوجہ ہوں جنہوں نے انسانوں کی شان میں غلو کیا، اور اللہ کو چھوڑ کر انہیں اپنا رب بنالیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ﴾

(آل عمران: ٦٤)

''کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اُس کی طرف آ ؤ، وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔''

اس خطاب کا رخ ہمیشہ کے لیے اہل کتاب میں سے یہود و نصاری کی طرف؛ اور اس امت میں صوفیوں اور رافضیوں کے غالی فرقوں کی طرف متوجہ رہا ہے۔ یہ لوگ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی نداء پر لبیک کہیں، اور اپنے اس شرک سے ؛ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر لوگوں کو اپنا رب بنا لینے سے توبہ کریں۔

اللہ کی قسم! وہ انبیاء اور مرسلین جن کی شان میں تم غلو کرتے ہو، اور اللہ کو چھوڑ کر جنہیں تم نے اپنا رب بنالیا ہے؛ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور ربوبیت و الوہیت میں اس کی افرادیت کی دعوت دے کر مبعوث فرمایا تھا۔ اور یہی لوگ جن کی شان میں تم غلو کرتے ہو یہ لوگ کل حساب کے دن تم سے اور تمہارے اس شرک سے برأت کا اظہار کردیں گے۔ اس لیے کہ انہوں نے تمہیں اللہ تعالی کی توحید اور صرف اس ایک اللہ کے لیے عبادت کرنے کا ہی حکم دیا ہے، تو پھر تم کیسے شرک کرنے لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُواْ عِبَاداً لِّي مِن دُونِ اللّهِ وَلَـكِن كُونُواْ رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ☆وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُواْ الْمَلاَئِكَةَ وَالنِّبِيِّيْنَ أَرْبَاباً أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: ٧٩—٨٠)

''کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ اللہ تو اُسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں

سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ (اُس کو یہ کہنا سزاوار ہے کہ اے اہل کتاب) تم (علمائے) ربانی ہو جاؤ کیونکہ تم کتاب (اللہ) پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔۷۹۔ اور اس کو یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنا لو۔ بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اُسے زیبا ہے کہ تمہیں کافر ہونے کو کہے۔''

اور فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ (المائدہ: ۱۱۶)

''اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے مجھے کب شایان تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھے معلوم ہوگا (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے اُسے میں نہیں جانتا بیشک تو علام الغیوب ہے۔''

جیسے اللہ تعالیٰ نے غلو کی تمام صورتوں اور اس کے مظاہر سے خبردار کیا، اور اس کی طرف جانے والی ہر راہ کو بند کر دیا۔ ایسے ہی نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی بہت ساری احادیث میں اس سے خبردار کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((إياكم والغلو ؛ فإنما هلك من كان قبلكم بالغلو في الدين .)) [1]

''اپنے آپ کو غلو سے بچاؤ۔ بے شک جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ دین میں غلو کرنے کے سبب ہلاک ہوئے۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] رواه الإمام أحمد في المسند ۱/۳۴۷؛ من حديث ابن عباس۔ وابن ماجة ۲/ ۱۰۰۸؛ شیخ سلیمان بن عبداللہ کہتے ہیں: اس کی اسناد صحیح ہیں۔ تیسیر العزیز الحمید ۳۱۷۔ اور علامہ البانی نے ''صحیح ابن ماجة۔'' میں اسے صحیح کہا ہے ۲/ ۱۷۷۔

((لا تطروني كما أطرت النصارى عيسى ابن مريم ؛ إنما أنا عبد الله و رسوله .)) ❶

یہ غلو سے اور آپ کی مدح میں حد سے تجاوز کرنے سے نبی کریم ﷺ کی ممانعت ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔ پھر ان سے طلب کیا کہ آپ کے لیے عبودیت کی صفت بیان کریں، جو کہ ان اعظم صفات میں سے ہے جن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین احوال میں موصوف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے عبودیت کو صفت کو اپنے نبی کی طرف ان تین مقامات پر منسوب کیا ہے جو کہ اشرف ترین مقامات ہیں۔ اسرا[ومعراج] کے وقت۔ مقام دعوت پر؛ اور نزول قرآن کے وقت۔'' ❷

نبی کریم ﷺ نے ہر اس چیز سے منع کیا ہے جو غلو کی طرف لے جانے والی ہو۔ آپ نے اپنی امت کو یہود و نصاریٰ کی اپنے انبیاء کی شان میں غلو سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا؛ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((لعن الله اليهود و النصارى ، اتخذوا قبور انبيائهم مساجدا .))❸

''اللہ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت کرے؛ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اگر ایسے نہ ہوتا تو آپ کی قبر کو ظاہر کر دیتی۔ مگر میں اس کو مسجد [سجدہ گاہ] بنا لینے سے ڈرتی ہوں۔'' ❹

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا تجعلوا بيوتكم قبوراً؛ ولا تجعلوا قبري عيداً، و صلوا عليَّ فإن صلاتكم تبلغني حيثما كنتم .)) ❺

---

❶ البخاری : کتاب احادیث انبیاء، باب قوله تعالى: ﴿ واذكر في الكتاب مريم ﴾ ـ ح: ٣٤٤٥ـ

❷ تفسیر ابن کثیر ٣/ ٣٠٨ـ

❸ رواه البخاري، كتاب الجنائز ؛ باب : ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور ح: ١٣٣٠ـ

❹ مسلم كتاب المساجد و مواضع الصلاة ؛ باب النهي عن بناء المساجد على القبورح: ٥٢٩ـ

❺ ابو داؤد في سننه ٢/ ٢١٨ـ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی سند حسن ہے۔ اقتضاء الصراط المستقيم ص: ٢٣١ـ

''اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، اور میری قبر کو عیدگاہ مت بناؤ۔ اور مجھ پر درود پڑھو، بے شک تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے، خواہ تم جہاں کہیں بھی ہو۔''

سو نبی کریم ﷺ یہود اور نصاری کے اپنے انبیاء کی قبروں سے متعلق کرتوتوں سے خبردار کرتے ہیں۔ اور واضح کرتے ہیں کہ وہ اپنے اس فعل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور اس کے غضب کے مستحق ٹھہرے۔

رافضی ان حدیثوں سے کتنے ہی دور ہوتے ہیں جب وہ اپنے آئمہ کی قبروں پر قبے اور چونا گچ عمارتیں کھڑی کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو ان کی زیارت کی دعوت دیتے ہیں۔ اور آئمہ کی زبانی روایات گھڑ کر قبروں کی عبادت کے فضائل، توسل اور ان قبروں والوں سے شفاعت کے حصول کے بارے میں ان پر جھوٹ بولتے ہیں۔ اور ان قبروں کے انہوں نے مسجدوں سے بڑھ کر آباد کیا ہوا ہے۔ اللہ کی قسم یہ لوگ اسی چیز کا شکار ہو چکے ہیں جس سے رسول اللہ ﷺ نے پہلے سے ہی خبردار کیا تھا۔ اور آپ ﷺ کے احکام کی مخالفت کی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کے غضب کے مستحق ٹھہرے۔

قرآن وسنت میں غلو سے ممانعت کے دلائل پر مستزاد خود ان آئمہ کے اقوال ہیں جن کو رافضی اپنا بڑا ماننے کا دعوی کرتے ہیں، جن اقوال میں ان کی شان میں غلو کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور ہر غلو کرنے والے برأت کا اظہار ہے۔ جو کہ رافضیوں کے ہاں انتہائی قابل اعتماد کتابوں میں آئے ہیں۔ مجلسی نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا:

''ہمارے بارے میں غلو کرنے سے بچو؛ کہو کہ ہم تربیت یافتہ بندے ہیں۔''[1]

ابن ہلال ثقفی نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا:

''میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے۔ محبت میں حد سے بڑھنے والا، جو میرے لیے ایسی صفات بیان کرے گا جو مجھ میں نہیں ہیں۔ اور بغض رکھنے والا جھوٹا۔ اسے میری دشمنی اس پر آمادہ کرے گی کہ وہ مجھے لاجواب کر دے۔ آگاہ ہو جاؤ! میں نبی نہیں ہوں، اور نہ ہی میری طرف وحی ہوتی ہے۔ مگر جتنی مجھ میں استطاعت ہے؛ اتنا کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سے جس چیز کا تمہیں حکم دوں؛ تو تم پر میری اطاعت کرنا

[1] بحار الأنوار ۲۵/ ۲۷۰۔

واجب ہے ؛ جس میں تم پسند کرو یا نا پسند کرو۔ اور جس چیز کا میں تمہیں حکم دوں ؛ یا میرے علاوہ کوئی حکم دے ؛ اور وہ اللہ کی نافرمانی کا کام ہو، تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اطاعت نیکی کی کاموں میں ہے، اطاعت نیکی کے کاموں میں ہے...... تین بار یہی فرمایا۔'' ❶

اور مجلسی نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا:

''اے اللہ ! میں غلو کرنے والوں سے ایسے ہی بری ہوں جیسے حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام عیسائیوں [کے غلو] سے بری ہیں۔ اے اللہ ! ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رسوا رکھ اور ان کی کبھی بھی مدد نہ کرنا۔'' ❷

کشی نے روایت کیا ہے: بے شک ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا گیا: بے شک یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ آپ غیب جانتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا:

''سبحان اللہ ! اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ ؛ اللہ کی قسم ! میرے جسم میں کوئی بال ایسا باقی نہیں اور نہ ہی میرے سر میں ؛ مگر وہ کھڑا ہو گیا ہے [رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں]۔ پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محض ایک روایت ہے۔'' ❸

الکشی نے ابو بصیر سے روایت کیا ہے ؛ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے کہا: ''لوگ کچھ کہتے ہیں۔ فرمایا: کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: کہتے ہیں: آپ بارش کے قطروں اور ستاروں کی تعداد ؛ درختوں کے پتے ؛ اور جو کچھ سمندر میں ہے اس کا وزن ؛ مٹی [کے ذروں] کی تعداد جانتے ہیں۔'' تو آپ نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا ؛ اور فرمایا:

''سبحان اللہ ! سبحان اللہ ! نہیں اللہ کی قسم ! ان امور کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہرگز کوئی نہیں جانتا۔'' ❹

کلینی نے روایت کیا ہے: ''سدیر سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: میں، اور ابو بصیر اور یحی البزار اور داؤد بن کثیر ابو عبد اللہ علیہ السلام کی مجلس میں تھے، اچانک آپ ہمارے پاس تشریف لائے، آپ انتہائی غصہ میں

---

❶ بحار الأنوار ۲۵/ ۲۷۰۔ ❷ الغارات ص: ٤٠٢۔

❸ بحار الأنوار ۲۵/ ۲۸٤۔ ❹ رجال الکشی ص: ۱۹۲۔

تھے۔ جب وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے؛ تو فرمایا:

''ہائے تعجب ہے ان لوگوں پر جو یہ کہتے ہیں کہ ہم غیب جانتے ہیں۔اللہ کے علاوہ کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ اپنی فلاں لونڈی کوسزا دوں جو میرے ہاں سے بھاگ گئی تھی؛ تو مجھے پتہ نہیں تھا کہ وہ بستی کے کس گھر میں ہے۔''❶

آئمہ اہل بیت، طیبین وطاہرین کے یہ اقوال ہیں؛ جوخود رافضیوں کی کتابوں میں وارد ہوئے ہیں۔ انہوں نے کسی ایسی بات کی دعوت نہیں دی جو کچھ رافضی ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بلکہ وہ ان [رافضیوں] سے اوران کے جھوٹ سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ تو ہمیشہ ان کے جھوٹ [اور دروغ گوئی]اور بہتان تراشی کا شکوہ ہی کرتے رہے۔اورانہیں ان کے جھوٹ میں یہودونصاری کے انبیاء پر جھوٹ بولنے سے تشبیہ دیتے رہے۔

برسی نے امام صادق سے روایت کیا ہے: آپ نے فرمایا ہے:

'' غلو کرنے والے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے برے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی عظمت کوچھوٹا کرتے ہیں، اور اللہ کے بندوں میں ربوبیت کا دعوی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم ! غلو کرنے والے یہود ونصاری، مجوس اورمشرکین سے بڑھ کر برے ہیں۔''❷

مجلسی نے ابان بن عثمان سے روایت کیا ہے، وہ کہتا ہے: میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام کوفرماتے ہوئے سنا:

''عبداللہ بن سباء پر اللہ لعنت کرے؛ اس نے امیر المؤمنین میں ربوبیت کا دعوی کیا۔ اللہ کی قسم ! امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے تھے۔ ہلاکت ہو اس انسان کے لیے جو ہم پر جھوٹ بولتا ہے۔اورکچھ لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جو ہم خود اپنے متعلق نہیں کہتے۔ ہم اللہ کی بارگاہ میں ان سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم اللہ کی بارگاہ میں ان سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔''❸

اللہ تعالیٰ ان [آئمہ اہل بیت] پر رحمتیں نازل فرمائے۔ یہ ہمیشہ شیعوں کی مذمت کیا کرتے تھے۔اوران کے بارے میں غلوکرنے کی وجہ سے کہا کرتے تھے: یہ [رافضی] یہودیوں اورعیسائیوں سے

---

❶ أصول الکافی ١/١٥٧۔ ❷مشارق أنوار الیقین ص: ٦٩۔ بحار الأنوار ٢٥/ ٢٨٤۔

❸بحار الأنوار ٢٥/ ٢٨٦۔

بھی برے ہیں۔ کشی نے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے: آپ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں کوئی آیت نازل نہیں فرمائی مگر وہ شیعوں کی اختیار کردہ راہ پر صادق آتی ہے۔''❶

اوران ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے: '' بے شک جو کوئی اس [غلوکی] راہ پر چلتا ہے، وخ یہود، نصاری، مجوس اور مشرکین سے برا ہے۔''❷

اور [امام] زین العابدین [رحمۃ اللہ علیہ] ان سے کہا کرتے تھے:

''تم کتنے بڑے جھوٹے ہو، اور اللہ تعالیٰ کس قدر جرأت کرنے والے ہو، ہم اپنی قوم کے نیک وکار لوگوں میں سے ہیں۔ اور ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہم اپنی قوم کے صالحین میں سے ہیں۔''❸

اورآپ ان سے یہ بھی کہا کرتے تھے:

''اے لوگو! ہم سے اسلام کے [اصولوں کے] مطابق محبت کرو۔ تمہاری یہ محبت ایسے ہی ہوئی کہ ہمارے لیے عار بن گئی ہے۔''❹

اورآپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

''ہمارے پاس وہ کچھ نہیں ہے جس کے بارے میں یہ لوگ الزام لگاتے ہیں، اور اپنے ہاتھ سے عراق کی طرف اشارہ کیا۔''❺

یہ وہ آئمہ اطہار ہیں جن پر رافضی اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنٰی اور کا اطلاق کرتے ہیں۔ اور انہیں اللہ عزوجل کی صفات العلیٰ سے موصوف کرتے ہیں۔ اور ربوبیت کے وہ افعال ان کی طرف منسوب کرتے ہیں جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں، مخلوق کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ اور رافضیوں کے ان امور میں جھوٹے ہونے پر گواہی دیتے ہیں جو امور اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں مگر رافضی انہیں ان [آئمہ]

❶ رجال الکشی ص: ۱۹۳۔
❷ سابقہ مصدر ص: ۱۹۲۔
❸ الصلة بين التصوف والتشيع ۱۴۸/۱۔
❹ المرجع السابق۔
❺ المرجع السابق۔

کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ اوران کی زبانی جھوٹی روایات گھڑتے ہیں۔ رہا قدح وطعن کا پہلو، تو اس کے بھی حرام ہونے پر کتاب وسنت کی روایات دلالت کرتی ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَاناً وَّإِثْماً مُّبِيْناً﴾ (الاحزاب: ۵۸)

''اور جولوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کوایسے کام (کی تہمت) سے جوانہوں نے نہ کیا ہو ایذا دیں توانہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔''

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ انبیاء جن پر یہودی طعنہ زنی کرتے ہیں؛ اوراصحاب نبی رضی اللہ عنہم اجمعین جن پر رافضی طعنہ زنی اوران پر لعنت گوئی کرتے ہیں؛ سبھی آیت کے تحت میں داخل ہیں۔ بے شک یہی لوگ مؤمنین میں سے بہترین اورافضل ترین لوگ اورکامل ایمان والے تھے۔قرآن وسنت میں ان کی تعریف آئی ہے۔اوراللہ تعالیٰ نے [اپنی کتب میں] اوررسول اللہ ﷺ نے [اپنی سنت مطہرہ میں] ان کی صفائی بیان کی ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام جن پر یہودی طعنہ زنی کرتے ہیں اوران پر اپنی بیٹیوں کے ساتھ زنا کرنے کا الزام لگاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَلُوطاً آتَيْنَاهُ حُكْماً وَعِلْماً وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَت تَّعْمَلُ الْخَبَائِثَ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَاسِقِيْنَ ☆وَأَدْخَلْنَاهُ فِيْ رَحْمَتِنَا إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِيْنَ﴾ (الانبیاء: ۷۴-۷۵)

''اورلوط (کا قصہ یادکرو) جب ان کوہم نے حکم (یعنی حکمت ونبوت) اورعلم بخشا اوراس بستی سے جہاں کے لوگ گندے کام کیا کرتے تھے بچا نکالا، بیشک وہ بُرے اور بدکردار لوگ تھے۔ اورانہیں اپنی رحمت (کےمحل) میں داخل کیا کچھ شک نہیں کہ وہ نیک بختوں میں تھے۔''

اوراللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِسْمَاعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطاً وَكُلاًّ فضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِيْنَ ☆ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (الانعام: ۸۶-۸۷)

''اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اور ان کے بعض باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی۔ اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا۔''

ان دونوں آیتوں میں یہودیوں پر اس الزام کا رد ہے جو انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیوں پر تھوپا تھا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء کی تعریف بیان کی ہے؛ ان میں حضرت لوط علیہ السلام بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے آباء اور اولاد اور بھائیوں کو فضیلت دینے کے بارے میں خبر دی ہے؛ کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا تھا اور انہیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی تھی۔ یہ ایسی بات ہے جس سے یہودی خیالات اور اللہ کے نبی اور ان کی بیٹیوں پر الزامات خاک میں مل گئے ہیں۔

اللہ کے رسول حضرت ہارون علیہ السلام جن پر یہودی الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے بنی اسرائیل کے لیے بچھڑا بنایا، اور انہیں اس کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس تہمت سے بری قرار دیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ بچھڑا بنانے والا سامری تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ☆ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلاً جَسَداً لَهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى فَنَسِيَ ☆أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلاً وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرّاً وَلَا نَفْعاً☆وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِن قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي﴾ (طه:۸۷۔۹۰)

''اور اسی طرح سامری نے ڈال دیا۔ تو اس نے اُن کے لیے ایک بچھڑا بنا دیا (یعنی اس کا) قالب جس کی آواز گائے کی سی تھی تو لوگ کہنے لگے کہ یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے مگر وہ بھول گئے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔ اور ہارون نے اُن سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو! اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور تمہارا رب تو اللہ ہے تو میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔''

جب کہ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام، جن پر زنا اور قتل کا الزام لگاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کئی آیات میں ان کی تعریف کرتے ہوئے انہیں اس الزام سے بری کیا ہے؛ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلاً يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ☆ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴾ (السباء: ۱۰۔۱۱)

''اورہم نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی اے پہاڑو! ان کے ساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (اُن کا مسخر کر دیا) اور اُن کے لیے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا۔ کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو اور نیک عمل کرو، جو عمل تم کرتے ہو میں اُن کو دیکھنے والا ہوں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ☆ إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ☆ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ☆ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾ (ص: ۱۷۔۲۰)

''اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو صاحبِ قوت تھے (اور) بیشک وہ رجوع کرنے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو ان کے زیرِ فرمان کر دیا تھا کہ صبح و شام ان کے ساتھ اللہ کا ذکر (پاک) کرتے تھے۔ اور پرندوں کو بھی جمع رہتے تھے سب ان کے فرمانبردار تھے۔ اور ہم نے ان کی بادشاہی کو مستحکم کیا اور ان کو حکمت عطا کی اور (خصومت کی) بات کا فیصلہ (سکھایا)۔''

اور ان یہودیوں کا حضرت سلیمان علیہ السلام پر الزام لگانا کہ وہ ایک عیش پرست حکمران تھے؛ جن کی تمام تر رغبت اپنے نفس کی خواہشات پوری کرنا تھی؛ اللہ تعالیٰ نے اس تہمت کو قرآنی احکام میں باطل قرار دیا ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے کئی ایک آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ آپ اس دنیا سے بالکل بے رغبت تھے۔

یہ ملکہ سباء [بلقیس] ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں انتہائی قیمتی اور فاخرانہ تحفے بھیجتی ہے۔ تاکہ وہ ان کے اور دعوتِ اسلام کے درمیان حائل ہو جائیں۔ سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کی امید کو دنیا کے مال و متاع پر ترجیح دیتے ہیں [اور یہ تحائف واپس کر دیتے ہیں]؛ اللہ تعالیٰ اس ملکہ کا

قصہ بیان کرتے ہیں:

﴿وَإِنِّیْ مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ☆ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ﴾ (النمل:۳۵۔۳۶)

''اور میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔ جب قاصد سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو؟ جو کچھ اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اپنے تحفے سے خوش ہوتے ہو گے۔''

قرآن کریم اس دنیا سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زہد؛ اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے کی ایک دوسری صورت پیش کرتا ہے؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دنیا کی زندگی میں بہت بڑا ملک عطا کیا ہوا تھا۔ [یہ وہ صورت ہے] جب آپ نے گھوڑوں کے سر اور ٹانگیں کاٹ دیں، اس لیے کہ ان گھوڑوں کی وجہ سے آپ اللہ کی یاد سے مشغول ہو گئے تھے۔ ان گھوڑوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُودَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ☆إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ ☆فَقَالَ إِنِّيْ أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَن ذِكْرِ رَبِّيْ حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ☆رُدُّوهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحاً بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ﴾ (ص: ۳۰۔۳۳)

''اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیے بہت خوب بندے (تھے اور) وہ (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔ جب ان کے سامنے شام کو خاصے کے گھوڑے پیش کیے گئے۔ تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا۔ (بولے کہ) ان کو میرے پاس واپس لے آؤ پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔''

[1] تفسیر ابن کثیر ٤/ ٣٣۔

یہی سلیمان علیہ السلام ہیں جن پر الزام لگاتے ہیں کہ ایک عیش پرست بادشاہ تھے؛ اوران کی تمام تر ترجیح نفسی لذتوں کی پیروی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دروغ گوئی کو باطل کیا، اور اصلی صورت واضح کی کہ سلیمان علیہ السلام اس دنیا سے بے رغبت اور زاہد انسان تھے؛ جیسے کہ قرآن کریم واضح کرتا ہے؛ تا کہ قیامت تک اللہ کے نبیوں پر یہودیوں کی افترا پروری پر گواہ رہے۔

حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ پر بہتان تراشیوں کو اللہ تعالیٰ نے کئی مقام پر باطل قرار دیا ہے، اور ہر اس الزام سے ان دونوں کی برأت [پاک دامنی] پیش کی ہے جو یہودی ان پر تھوپتے ہیں۔ وہ خطرناک اور گندی تہمتیں اور بڑے جرائم [ان کی طرف منسوب کرتے ہیں] جن پر اللہ ہی ان کو روزِ قیامت بدلہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ عیسی علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ﴾ (النساء: ۱۷۱)

''مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ (نہ اللہ تھے اور نہ اس کے بیٹے بلکہ) اللہ کے رسول اللہ اس کا کلمۂ (بشارت) تھے جو اُس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِندَ اللّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثِمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴾ (آل عمران: ۵۹)

''عیسٰی علیہ السلام کا حال اللہ کے نزدیک آدم علیہ السلام کا سا ہے کہ اُس نے (پہلے) مٹی سے اُن کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔''

حضرت مریم کی یہودی افتراء پروریوں سے برأت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ﴾ (التحریم: ۱۲)

'' اور عمران کی بیٹی مریم جنہوں نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور وہ اپنے پروردگار کے کلام اور اس کی کتابوں کو برحق سمجھتی تھیں اور فرمانبرداروں

میں سے تھیں۔''

اوراللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالَّتِيْ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ (الانبياء: ۹۱)

''اوران (مریم) کو(بھی یادکرو) جنہوں نے اپنی عفت وعصمت کومحفوظ رکھا تو ہم نے اُن میں اپنی رُوح پھونک دی اوراُن کواوراُن کے بیٹے کواہلِ عالم کے لیےنشانی بنادیا۔''

یہ آیات حضرت مریم اوران کے بیٹے کی یہودی کی جانب سےمنسوب کردہ الزامات وافترآت سے برأت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اورحضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور باقی ساری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اجمعین کی اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں تعریف کی ہے،اورانہیں امہات المؤمنین کا خطاب عطا کیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ﴾ (الاحزاب:٦)

''پیغمبر مومنوں پراُن کی جانوں سےبھی زیادہ حق رکھتے ہیں اورپیغمبرکی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔''

پس جب رافضی ان امہات المؤمنین پرطعن کرتے ہیں،فقط ان کےطعن کرنے سے ہی وہ مؤمنین کے گروہ[اہل ایمان] سے خارج ہوجاتے ہیں۔اس لیے کہ اگر وہ مؤمن ہوتے،تو قرآنی حکم کے مطابق یہ ان کی مائیں ہوتیں۔اوراگر یہ ان کی مائیں ہوتیں تو کبھی بھی ان پر ایسے طعنے نہ کستے۔کوئی بھی ایسا عقل مند نہیں پایا جاتا جو اپنی ماں پرطعنہ زنی کرتا ہو،اس پرتمام عقلاء کا اتفاق ہے۔پس یہ دلیل ہے کہ یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں۔

یہاں ایک دوسری دلیل بھی ہے جوان لوگوں سے اسلام کےمنفی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔وہ یہ ہے کہ یہ لوگ[ام المؤمنین سیدہ طاہرہ صدیقہ بنت صدیق]حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پرطعنہ زنی کرتے ہیں۔اوران پر بدکاری کا الزام لگاتے ہیں۔جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں ان کی برأت نازل کی ہے۔فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ جَاؤُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرّاً لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ

لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِءٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِىْ تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ (النور: ۱۱)

''جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک جماعت ہے اس کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھنا بلکہ وہ تمہارے لیے اچھا ہے ان میں سے جس شخص نے گناہ کا جتنا حصہ لیا اس کے لیے اتنا وبال ہے اور جس نے ان میں سے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کو بڑا عذاب ہوگا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَداً إِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْنَ﴾ النور: ۱۷)

''اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر مومن ہو تو پھر کبھی ایسا (کام) نہ کرنا۔''

اور رافضی نے بار بار ایسے ہی کیا ہے [فحاشی کا الزام لگایا ہے] پس وہ مؤمن نہیں ہیں۔ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن پر طعن کی وجہ سے قرآن کی یہ دو آیات رافضیوں سے ایمان کی نفی پر گواہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور ایسے ہی امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن پر طعنہ زنی کرنا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر طعن ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ابو سائب قاضی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا:

''ایک دن میں حضرت حسن بن زید طبرستان کے علاقہ کے داعی کی مجلس میں تھا؛ آپ اونی لباس پہنتے تھے، اور لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے تھے۔ اور سالانہ بیس ہزار دینار بغداد بھیجا کرتے جو تمام صحابہ کی اولاد میں تقسیم کیا جاتا۔ آپ کی مجلس میں ایک آدمی تھا؛ اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فحاشی کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: اے نوجوان اس کی گردن ماردے۔ اس پر [محفل میں موجود] علوی کہنے لگے: ''یہ آدمی تو ہمارے شیعوں میں سے ہے۔'' تو آپ نے فرمایا: معاذ اللہ! یہ انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعنہ زنی کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُونَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ أُوْلَئِكَ مُبَرَّؤُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴾ (النور: ۲۶)

'' ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے اور پاک

عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے یہ (پاک لوگ) ان (بدگویوں) کی باتوں سے بَری ہیں (اور) ان کے لیے بخشش اور نیک روزی ہے۔''

اگر عائشہ -معاذ اللہ- خبیث تھی تو نبی کریم ﷺ بھی خبیث ہوئے ، -معاذ اللہ- ؛ سو یہ انسان کافر ہے، اس کی گردن ماردو۔ پس اس کی گردن ماردی گئی۔ اور میں وہاں موجود تھا۔'' ❶

باقی رہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ؛ تو قرآن وسنت میں ہر اس الزام سے ان کی برأت آئی ہے جو کہ رافضی معلون ان پرتھوپتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں کئی ایک مواقع پر ان صحابہ کی وہ تعریف اور ثناء بیان کی ہے جس کے وہ اہل تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو گالی دینے کی حرمت نبی کریم ﷺ سے بھی واضح الفاظ میں منقول ہے۔ اور یہ کہ ان کی شان میں کمی کرنا نبی کریم ﷺ کی شان میں کمی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ التوبه: ۱۰۰)

''جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ اُن کی پیروی کی اللہ اُن سے خوش رہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اُس نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيْباً﴾ الفتح: ۱۸)

''(اے پیغمبر!) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ ان سے خوش ہوا اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کرلیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی۔''

---

❶ الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص: ٥٦٦۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضا قدیم صفت ہے۔ وہ کسی بندے پر اس علم کے بغیر راضی نہیں ہوتا کہ وہ رضا کو واجب کرنے والے امور کو پورا کرے گا۔ اور جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا، اس پر کبھی بھی ناراض نہیں ہوگا۔''❶

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾ (الفتح: ۲۹)

'' محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔''

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ﴾ (الکھف: ۲۸)

''اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے اور اُس کی خوشنودی کے طالب ہیں اُن کے ساتھ صبر کرتے رہو۔''

یہ عظیم الشان تعریف وثناء اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کے لیے ہے۔ اور اس بات کی خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا ہے، اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے ہیں۔ اور یہ گواہی ہے کہ صحابہ عابد اور زاہد لوگ ہیں جب کبھی بھی کوئی انسان انہیں دیکھے گا تو انہیں رکوع یا سجدہ میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے متلاشی پائے گا۔

پس اللہ تعالیٰ کی صفائی سے بڑھ کر کون سی صفائی ہوگی۔ اور کون سی رسوائی ان لوگوں کے بغض؛ ان کی شان میں گستاخی اور ان پر لعنت کرنے سے بڑھ کر ہوگی جن پر اللہ راضی ہوگیا ہے، اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے ہیں۔

---

❶ الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص: ۵۷۲۔

احادیث میں فضائل صحابہ اور ان پر سب وشتم کی حرمت:

((لا تسبوا أصحابی ؛ فوالذي نفس محمد بیده لو أنفق أحدكم مثل أحدٍ ذَهَباً ما بلغ مد أحدهم و لا نصيفه .)) ❶

''میرے صحابہ کرام کو برا بھلا نہ کہو: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم میں سے کوئی ایک احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے گا وہ ان کی ایک مٹھی یا آدھی مٹھی کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔''

امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے چن لیا، اور میرے لیے میرے صحابہ کو چن لیا۔ پھر ان میں سے میرے لیے وزیر، انصار اور سسرال بنائے۔ پس جو کوئی ان کو گالی دے، اس پر اللہ کی لعنت ہو، اور فرشتوں کی، اور تمام لوگوں کی، قیامت کے دن اس سے نہ ہی کوئی فرض عبادت قبول کی جائے گی اور نہ ہی نفل عبادت۔'' ❷

یہ احادیث صحابہ کرام پر سب وشتم کرنے اور ان کی شان میں گستاخی کرنے کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں، اور یہ کہ صحابہ پر سب وشتم کرنے والا اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنتی ہے۔

مسلم نے ہشام بن عروہ سے؛ اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اے میرے بھانجے! لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اور وہ انہیں گالیاں دینے لگ گئے۔'' ❸

امام أحمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب تم کسی انسان کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو برے لفظوں

---

❶ رواه البخاری، کتاب فضائل النبي ﷺ باب قوله: "لو کنت متخذاً خلیلاً" ح: ٣٦٧٣۔ مسلم کتاب فضائل الصحابة؛ باب: تحریم سب الصحابة ح: ٢٢٢۔ ابو داؤد ح: ٤٦٦٠۔

❷ رواه الحاکم، في المستدرك، وقال: صحیح الأسناد و لم یخرجاه؛ و وافقه الذهبی، المستدرك مع التلخیص ٣/ ٦٣٢۔

❸ صحیح مسلم کتاب التفسیر ح: ١٥۔

میں یاد کر رہا ہو تو اس کے اسلام پر شک کرو [تہمت لگاؤ]'' ❶

اور وہ اپنے رسالہ میں کہتے ہیں، جسے انہوں نے ابو العباس احمد بن جعفر بن یعقوب اصطخری سے روایت کیا ہے، اور اسے قاضی ابن ابو یعلی [الحنبلی] نے طبقات الحنابلہ میں ذکر کیا ہے:

''یہ مذہب [یعنی صحابہ کرام کی محبت اور ان کی ناموس کے دفاع؛ اور مخالف سے برأت کا مذہب] اہل علم اور محدثین [کے مذاہب میں سے ہے]؛ اور سنت پر قائم اہل سنت والجماعت؛ جو اس [اتباع سنت] میں معروف ہیں، اور اس بارے میں ان کی اقتداء کی جاتی ہے؛ نبی کریم ﷺ کے زمانے سے لے کر ہمارے آج کے دن تک؛ اور جن علماء کو میں نے پایا ،حجاز، شام، [اور باقی علماء؛ تمام اسی مذہب پر تھے]؛ جس نے ان مذاہب میں سے کسی چیز میں کچھ بھی مخالفت کی؛ یا ان میں طعنہ زنی کی؛ یہ اس کے کہنے والے میں عیب نکالا؛ وہ مبتدع ہے، اور جماعت سے خارج ہے۔ اور منہج اہل سنت اور راہِ حق سے ہٹا ہوا ہے۔'' ❷

اقوال علماءِ اہلِ سنت:

صاف واضح اور ثابت اور معروف حجت میں سے: نبی اکرم ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے محاسن بیان کرنا ہے۔ اور ان کی برائیوں کے بیان اور ان کے مابین پیدا ہونے والے اختلاف کے ذکر سے رک جانا ہے۔ پس جو کوئی نبی کریم ﷺ کے اصحاب یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دے، یا ان کی شان میں گستاخی کرے، یا ان پر طعنہ زنی کرے، یہ ان کے عیب نکالے، یا ان میں سے کسی ایک پر عیب لگائے؛ وہ بدعتی ہے؛ رافضی خبیث [صحابہ کرام کا] مخالف ہے؛ اللہ تعالیٰ اس کا نہ ہی کوئی فرض عمل قبول کریں گے اور نہ ہی نفل۔

بلکہ ان [صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین] کی محبت سنت ہے۔ اور ان کے لیے دعا کرنا قربت [کا عمل] ہے؛ اور ان کی اقتداء کرنا [نجات کا] وسیلہ ہے۔ اور ان کے آثار کو قبول کرنا فضیلت ہے، اور نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے سب سے بہترین آدمی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد

---

❶ الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص: ٥٦٨۔

❷ طبقات الحنابلة لقاضي ابن أبي يعلى الحنبلی ١/ ٢٤۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ چاروں خلفاء راشدین ہیں۔ پھر ان چاروں کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین لوگوں میں سب سے بہتر ہیں۔ کسی ایک کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی برائیاں ذکر کرے، اور نہ ان میں سے کسی ایک پر عیب لگا کر یا اس میں نقص نکال کر طعنہ زنی کرے۔ جو کوئی ایسا کرے تو حاکم پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اس کی تأدیب کرے [ادب سکھائے] اور اسے سزا دے۔ حاکم کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس انسان کو معاف کردے، بلکہ اسے سزا دے، اور اس سے توبہ کروائے۔ اگر توبہ کرلے؛ تو اس کی توبہ کو مان لیا جائے۔ اور اگر اپنے اسی فعل پر قائم رہے تو اسے دوبارہ سزا دے؛ اور اسے عمر قید سزا دے؛ یہاں تک کہ وہ یا تو مر جائے یا اپنے اس فعل سے توبہ کرلے۔'' ❶

صحابہ کرام کو گالی دینے کے حرام ہونے پر یہ ان اہل علم کا اجماع ہے؛ جن کے اقوال پر مسلمانوں میں اعتماد کیا جاتا ہے؛ اور جو کوئی صحابہ میں سے کسی ایک کی شان میں کلام کرے، اس کے متعلق حکم ہے کہ بے شک وہ مبتدع ہے، اور حاکم پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اسے ادب سکھائے اور سزا دے۔ اسے عمر بھر کے لیے قید کردے؛ یہاں تک کہ وہ یا تو مر جائے یا اپنے اس فعل سے توبہ کرلے۔''

اور ایسے ہی ان علماء کرام کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سارے صحابہ سے افضل ہونے پر اتفاق و اجماع ہے۔ پھر ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں؛ پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اس سے رافضیوں کی خلفاء راشدین پر طعنہ زنی کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے آئمہ جن کے معصوم ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، وہ بھی دوسرے علماء مسلمین کی طرح اس اجماع میں داخل ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ صحابہ کرام کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور وہ اس تواتر کا اقرار کرتے ہیں جو کہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے اور ان کے علاوہ باقی لوگوں سے روایت کیا گیا ہے، کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے سب سے بہترین آدمی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور پھر تیسرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر چوتھے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ آثار [صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے اقوال] اس پر دلالت کرتے ہیں، اور جیسا کہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بیعت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم کرنے پر اجماع ہوا ہے۔'' ❷

❶ طبقات الحنابلة لقاضي ابن أبي يعلى الحنبلي ١/ ٢٤۔

❷ مجموع الفتاوى ٣/ ١٥٣۔

فصل دوم:

یہود اور روافض کی اپنے نفس کی تقدیس

یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث:...... یہود کی اپنے نفس کی تقدیس
دوسری بحث:......روافض کی اپنے نفس کی تقدیس
تیسری بحث:...... یہود اور روافض کی اپنے نفس کی تقدیس میں وجوہ مشابہت
چوتھی بحث:...... یہود اور روافض کی اپنے نفس کی تقدیس کے دعوی پر رد

پہلی بحث:...... یہود کی اپنے نفس کی تقدیس

یہودی دعوی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا ہے، اورانہیں سارے لوگوں پر فضیلت دی ہے۔ اورانہیں روئے زمین کی باقی اقوام سے امتیازی حیثیت دی ہے کہ انہیں اپنی پسندیدہ قوم بنایا ہے۔

سفر تثنیہ میں آیا ہے:

''پھر موسیٰ اور لاویین کاہنوں اور تمام اسرائیل نے یہ کہتے ہوئے کلام کیا: خاموش ہوجا اور سُن! اے اسرائیل! آج تم اپنے معبود رب کی قوم ہوگئے ہو۔''❶

اور سفر تثنیہ میں ہی ہے:

''اور بے شک اس لیے کہ تم اپنے معبود رب کی مقدس قوم ہو؛ اور تمہیں ہی تمہارے معبود رب نے چن لیا ہے؛ تاکہ تم روئے زمین کی تمام اقوام میں سے اس کی خاص قوم بن جاؤ۔''❷

اور-ان کے گمان کے مطابق- اللہ تعالیٰ کے بنی اسرائیل سے خطاب میں ہے:

''اور اب اگر تم میں آواز کو سنو گے، اور میرے عہد کی حفاظت کروگے، تو تم تمام قوموں میں سے میرے لیے خاص ہوجاؤ گے۔ سو بے شک تمام زمین میرے لیے ہے۔ اور تم میرے لیے ایک کاہن مملکت اور مقدس امت ہوجاؤ گے۔''❸

یہ یہودیوں کا اپنی ذات کے متعلق اعتقاد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی چنیدہ [پسندیدہ] قوم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا ہے، اور انہیں باقی امتوں میں امتیازی حیثیت دی ہے، اور انہیں تمام امتوں میں سے اپنے خواص بنایا ہے۔

یہاں سے یہودیوں کا اپنے نفس کی تقدیس کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر کئی طریقوں سے اس عقیدہ کی

❶ اصحاح ۲۷؛ فقرہ ۹۔ ❷ اصحاح ۷؛ فقرہ ٦۔
❸ سفر الخروج اصحاح ۱۹ فقرات ٥-٦۔

طرف دعوت دینے لگے۔ ان بہت ساری نصوص کے ذریعہ سے جو کہ ان کی مقدس کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں، جو ہر چیز میں باقی امتوں سے ان کے جدا اور ممتاز ہونے کا دعوی کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی پہلی پیدائش کے اصل میں بھی۔ اور یہیں سے وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ اور یہ کہ ان کی روحیں اللہ تعالیٰ کی روح کا جزء ہیں۔- اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے-۔

سفر ہوشع میں آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ کہتے ہوئے خطاب کیا:

''جب بنی اسرائیل غلام تھے میں نے ان سے محبت کی۔ اور مصر سے میں نے ان کو بیٹا پکارا۔''❶

اور سفر اشعیا میں اللہ تعالیٰ سے یہ کہتے ہوئے مخاطب ہوتے ہیں:

''بے شک تو ہمارا باپ ہے؛ اگر ابراہیم نے ہمیں نہیں پہچانا؛ اور اسرائیل بھی اس کا ادراک نہیں کر سکا؛ اے رب تو ہمارا باپ ہے۔ ہمارا ولی ہے ابد سے تیرا نام۔''❷

اور تلمود میں یوں آیا ہے: ''اور [اللہ] وہ ذات جس نے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا؛ یعنی بنی اسرائیل کو پیدا کیا، اس لیے کہ وہ عظمت والے رب کے بیٹے ہیں۔ اور اس سے ان کی روحیں چھوٹی ہیں۔''❸

اور تلمود میں ہی یہ بھی ہے:

''یہودیوں کی روحیں باقی ارواح سے اس لحاظ سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں کہ ان کی روحیں اللہ تعالیٰ کا جزء ہیں؛ جیسا کہ بیٹا والد کا جزء [حصہ] ہوا کرتا ہے۔''❹

جب کہ ان کا یہ دعوی کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے، یقیناً اس کے بارے میں وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام سے یہ کہتے ہوئے خطاب کیا تھا:

''اور چاہیے کہ تیرا معبود رب مبارک ہو، وہ جو تجھ سے خوش ہوا، اور تجھے بنی اسرائیل کی کرسی [حکومت] پر فائز کیا، اس لیے کہ رب نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بنی اسرائیل سے محبت کر لی ہے۔ اور تجھے بادشاہ بنایا ہے تاکہ تو حاکم اور نیک رہے۔''❺

---

❶ اصحاح ١١؛ فقرہ ١۔ ❷ اصحاح ٦٣: فقرہ ١٦۔

❸ فضح التلمود ص: ٩٧۔ ❹ اسرائيل و تلمود ص: ٦٧۔

❺ سفر الملوك الأول، اصحاح ١٠؛ فقرہ ٩۔

پس یہودیوں کا اپنی ذات کے متعلق یہ دعوی ہے کہ وہ اللہ کے پیارے اور اس کے بیٹے ہیں، اور وہ اکثر اس عبارت کو دھراتے رہتے ہیں۔ یہاں تک اس کی وجہ سے انہوں نے لوگوں کو یہ وہم دلانے کی کوشش کی کہ ان کا عنصر بشری عنصر سے علاوہ ہے۔ تا کہ اس طرح وہ لوگوں سے اپنے تقدیس کرواسکیں۔ اگر چہ ایسا اللہ تعالیٰ پر [جھوٹ باندھ کر ہی] کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس دعوی کو قرآن میں ذکر کیا ہے، اور اسے باطل قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم بَلْ أَنْتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾ (المائدہ: ۱۸)

''اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں کہو کہ پھر وہ تمہاری بد اعمالیوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟ (نہیں) بلکہ تم اُس کی مخلوقات میں (دوسروں کی طرح کے) انسان ہو وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

یہودیوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے اس بودے دعوی کے مقابل یہ دعوی بھی کرتے ہیں کہ ان کے علاوہ باقی جتنی بھی دوسری امتیں ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ ناراض اور غضبناک ہوا۔

سفر اشعیاء میں ہے: اے امتو! قریب ہوجاؤ تا کہ تم سن سکو۔ اور اے قومو! کان لگا کر سنو؛ اور چاہیے کہ زمین بھی سنے اور اس کے تمام رہنے والے بھی۔ اور اس کے تمام پیدا ہونے والے؛ اس لیے کہ تمام امتوں پر رب کی ناراضگی ہے۔ ان کے تمام لشکروں پر تنور گرم کیے گئے ہیں؛ اور ان کا ذبح کے لیے لے جانا ان پر حرام کیا ہے، پس ان کے مقتولین ایسے مردار پھینکے جائیں گے، اور ان سے بدبو اٹھتی رہے گی؛ اور پہاڑ ان کا خون بہاتے رہیں گے۔''[1]

سفر تثنیہ میں بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ کی وصیتوں -بزعم خویش- کے ضمن میں یوں آیا ہے:

''اور جب تمہارا معبود رب تمہیں اس سرزمین پر لے آئے جس میں تم داخل ہونے والے ہو،

[1] اصحاح ٣٤؛ فقرات (١-٣)۔

تا کہ تم اسے اپنی ملکیت بناؤ؛ اور وہاں رہنے والی بہت ساری قوموں کو اپنے سامنے سے نکال سات قومیں، جو تم سے زیادہ اور تم سے بڑی ہیں۔ انہیں تمہارے معبود رب نے تمہارے سامنے پیش کیا ہے اور تم نے انہیں مارا ہے، بے شک تم انہیں محروم کروگے۔ ان کے ساتھ کوئی عہد نہ کرنا؛ اور نہ ہی ان پر کوئی شفقت کرنا۔'' ❶

سو اللہ تعالیٰ تمام قوموں پر ناراض ہوا، اور انہیں بنی اسرائیل کے حوالے کیا تا کہ وہ انہیں مختلف قسم کے سخت عذاب کا مزہ چکھائیں۔ اور ساتھ ان پر ترس کھانے سے اور مہربانی کرنے سے بھی منع کر دیا۔

اور اس بات کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہودی جنس کے علاوہ کسی بھی دوسری جنس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے ساتھ داخل ہو۔ یہ ان کے اس سابقہ عقیدہ کی بنیاد پر ہے کہ ان کا عنصر اللہ تعالیٰ کے عنصر سے ہے۔ اور ان کی روحیں بھی اس سے نکلی ہوئی ہیں۔ -معاذ اللہ-

سفر تثنیہ میں آیا ہے:

''خصی اور خنثی رب کی جماعت میں داخل نہیں ہوسکتا؛ اور ولدِ زنا رب کی جماعت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ دسویں نسل آنے تک ان میں سے کوئی ایک بھی رب کی جماعت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اور عمونی ❷ اور موآبی ❸ بھی دسویں نسل آنے تک رب کی جماعت میں داخل نہیں ہوسکتے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی رب کی جماعت میں کبھی بھی نہیں داخل ہوسکتا۔'' ❹

یہودی کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ساری بشریت سے امتیاز حیثیت دی ہے؛ اس طرح کہ ان کی روحیں اور مادہ ءتخلیق اسی [یعنی اللہ تعالیٰ] سے لیے گئے ہیں۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں باقی تمام لوگوں پر سے جداگانہ حیثیت دی ہے، تمام دنیاوی اور اخروی احکام وتشریعات میں۔

---

❶ سفر تثنیہ؛ اصحاح ۷ کے فقرات "۱-۲۔"

❷ عمونی قوم بنی اسرائیل کے دشمن تھے۔ اور مشرقی اردن کے رہنے والے تھے۔ ان کا بڑا شہر "ربة بنی عمون" تھا: دیکھو: القاموس الموجز لکتاب المقدس؛ ص/ ۴۹۲۔

❸ موآبی قوم بنی اسرائیل کے دشمن تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو-ان کے گمان کے مطابق- ان سے میل جول نہ رکھنے اور نکاح نہ کرنے کی وصیت کی تھی۔ ان کی سرزمین بحر میت کے مشرق میں ہے۔ آموریون نے انہیں نہر ارنون کی طرف بھگا دیا تھا۔ دیکھو: القاموس الموجز لکتاب المقدس؛ ص/ ۴۹۲۔

❹ اصحاح ۲۳ فقرات ۱-۳۔

ان عقائد میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ اگر یہودی نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس کائنات کو نہ پیدا کرتے۔ اور جو کچھ اس کائنات میں ہے وہ یہودیوں کی ملکیت ہے اور ان کی خدمت کے لیے مسخر کیا گیا ہے۔

تلمود میں آیا ہے: ''اگر اللہ تعالیٰ یہود کو نہ پیدا کرتے تو زمین سے برکت معدوم ہو جاتی۔ اور بارشیں اور پیدا نہ کیے گئے ہوتے۔''❶

اور تلمود میں ہی ہے: رائیین [عقلاء] کے ہاں ثابت شدہ حقیقت یہ ہے کہ بے شک یہودی کے لیے ممکن ہے کہ کوئی بھی ایسی چیز لے لے جو عیسائیوں کے لیے خاص ہو؛ خواہ اس کا کوئی بھی سبب ہو، حتی کہ اچک کر بھی [لے سکتا ہے]۔ اور اس عمل کو چوری نہیں سمجھا جا سکتا؛ اس لیے کہ اس [یہودی] نے اپنے لیے مختص چیز کے علاوہ کچھ بھی نہیں لیا۔''❷

اور اس میں یہ بھی آیا ہے:

> ''اور وہ تمام چیزیں جو غویم [غیر یہود] کے لیے خاص ہیں؛ وہ ایک صحراء کی مانند ہیں، اور جو بھی انسان [یہودی] اس پر پہلے قبضہ کر لے؛ وہ اس پر اپنی ملکیت ہونے کا دعوی کر سکتا ہے۔''❸

ان کا ایک درویش کہتا ہے: ''بے شک عیسائیوں کی ممتلکات [ملکیت کی چیزیں] کو اگر یہودیوں کی نظر سے دیکھا جائے؛ تو یہ ایسی مالکانہ چیزیں ہیں جن کا کوئی مالک نہیں۔ جیسے سمندر کی ریت۔ اور پہلا یہودی جو ان پر زبردستی غلبہ پالے یہ اسی کی ملکیت ہوں گی۔''❹

آج کل کے [معاصر] یہودی بھی اس عقیدہ میں اپنے اسلاف کے ساتھ شریک ہیں۔ صہیونی دانشوروں کی [کتاب] ''پروٹوکولز۔'' میں آیا ہے:

> ''بے شک ہم انبیاء کرام کی شریعتوں میں پڑھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی چنی ہوئی قوم ہیں تاکہ ہم زمین پر حکومت کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں صلاحیت [قوت] دی ہے کہ اس کا قیام عمل میں لا سکیں۔''❺

---

❶ اسرائیل و تلمود ص: ٦٩۔ ❷ فضح التلمود ص: ١٣١۔
❸ المرجع السابق۔ ❹ همجية التعاليم اليهودية: ص ٧٧۔
❺ پروٹوکولز: عربی ترجمه محمد خليفة تونسی ص: ١٣٤۔

یہودیوں کی ملکیت اسی حد پر ختم نہیں ہوتی بلکہ باقی تمام لوگ یہودیوں کے غلام اور خدمت گار ہیں۔جن کے وہ مالک ہیں، اورانہیں وراثت میں پاتے ہیں۔اس لیے کہ-ان کے گمان کے مطابق-اللہ تعالیٰ نے انہیں صرف یہودیوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔

سفر لاویین میں آیا ہے:

''جب تمہارا کوئی بھائی محتاج ہوجائے؛ اوروہ تم پر بیچا جائے تو اس سے غلاموں والا سلوک مت کرنا۔ بے شک تمہارے غلام اورتمہاری لونڈیاں ان قومیں میں سے ہوں گے جوتمہارے گردونواح میں ہیں۔جنہیں تم اپنے غلام اور لونڈیاں بناؤ گے۔اور ایسے ہی وہ ابناء وطن جو تمہارے ہاں نازل ہوئے ہیں۔ان میں سے تم چنو گے۔اور ان قبیلوں میں سے جوتمہاری سرزمین پر انہیں جنم دیتے ہیں۔پس یہ تمہاری ملکیت ہوں گے، اورتم انہیں اپنے بعد اپنے بیٹوں کو میراث میں حق ملکیت دو گے۔تم انہیں قیامت تک کے لیے اپنے غلام بناؤ گے۔ جب کہ تمہارے بھائی بنی اسرائیل ؛ سو کوئی بھی انسان سختی سے اپنے بھائی پر مسلط نہیں ہوگا۔''❶

سفر اشعیاء میں صیہون سے اللہ تعالیٰ کے خطاب میں آیا ہے:

''غریب [غیر یہودی] کے بیٹے تمہاری دیواریں بنائیں گے؛ اوران کے بادشاہ تمہاری خدمت کریں گے۔اس لیے کہ وہ امت اور حکومت [مملکت] جو کہ تمہاری خدمت نہیں کریں گے، انہیں مٹا دیا جائے گا، اور امتوں کوخراب کردیا جائے گا؛ لبنان کی بزرگی تیری طرف آئے گی ......۔''❷

تلمود بھی اس عقیدہ میں باقی اسفار کے ساتھ شریک ہے۔تلمود میں آیا ہے:

'' اللہ تعالیٰ نے اجنبی [غیر یہودی] کوانسانی ہئیت میں پیدا کیا ہے تا کہ ان یہودیوں کی خدمت کے قابل ہو سکے جن کی وجہ سے دنیا پیدا کی ہے۔''❸

---

❶ اصحاح ۲۵؛ فقرات : ۳۹-۴۶۔

❷ اصحاح ٦٠، فقرات ۱۰- ۱۳۔

❸ اسرائیل و التلمود ص٦٩۔

اور تلمود میں ہی ایک دوسری جگہ پر ہے:

''ہم زمین میں اللہ کی قوم ہیں۔ اس نے ہم پر واجب کر دیا ہے کہ ہماری منفعت کے لیے ہم میں تفریق کر دے۔ یہ اس کی رحمت اور ہم پر اس کے راضی ہونے کی وجہ سے ہے کہ اس نے ہمارے لیے انسانی حیوان مسخر کر دیے ہیں۔ ان کی تمام امتیں اور جنس ہمارے لیے مسخر کردہ ہیں۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے ہمیں دو قسم کے حیوانوں کی ضرورت پڑے گی: ایک قسم گونگے جانور، جیسے چوپائے، جانور اور پرندے۔ اور دوسرے بولنے والے جیسے عیسائی، مسلمان، بڈھسٹ اور مشرق و مغرب کی باقی ساری امتیں؛ انہیں ہمارے لیے مسخر کیا ہے تاکہ وہ ہماری خدمت میں رہیں۔ اور ہمیں زمین میں پھیلا دیا ہے تاکہ ہم ان کی پیٹھوں پر سوار ہوں اور ان کی لگام پکڑ لیں۔ اور ان کے فنون کو اپنے منافع میں نکالیں۔'' ❶

پس جتنے بھی لوگ یہودیوں کے علاوہ ہیں؛ وہ ان کی نظر میں حیوانات ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں انسانی صورت صرف اس لیے عطا کی ہے تاکہ ان کے درمیان اور ان کے یہودی آقاؤں کے درمیان؛ جن کی وجہ سے وہ پیدا کیے گئے ہیں، معاملات طے کرنے آسان ہو جائیں۔

جب کہ یہودی پر ظلم کرنے کا حکم ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ پر ظلم کرنا۔ اس کی صراحت تلمود میں وارد ہوئی ہے:

''اسرائیلی اللہ کے ہاں ملائکہ سے زیادہ مقام و مرتبہ والا ہے۔ جب کوئی امی [غیر یہودی] کسی اسرائیلی کو مارے گا تو گویا کہ اس نے اللہ رب العزت کو مارا؛ جس پر وہ موت کا مستحق ہے'' ❷

یہودیوں کی یہ بعض وہ خوش گمانیاں ہیں جو کہ ان کی اپنے نفس کی تقدیس کی ترجمانی کرتی ہیں۔ پس وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ عزتِ الٰہیہ کے مساوی ہیں۔ اور یہ کہ وہ ملائکہ سے افضل ہیں؛ اور تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ بلکہ ان کے علاوہ باقی تمام لوگ صرف اور صرف یہودیوں کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور ان [باقی لوگوں] کے اور یہودیوں کے درمیان اتنا ہی فرق جتنا انسان اور حیوان کے

---

❶ اسرائیل و التلمود ص: ٦٩۔

❷ المرجع السابق۔

درمیان۔ اور غیر یہودی کا مال یہودی کے لیے ایسے ہی حلال ہے جیسے وہ صحراء جس کا کوئی مالک ہی نہ ہو۔ یا سمندر کی ریت کی طرح ہے؛ اس کی طرف جو یہودی بھی سبقت لے جائے گا، وہ اسی کی ملکیت ہوگا۔ اور غیر یہودی کی چوری کرنا چوری نہیں شمار ہوگا؛ بلکہ یہ یہودی کا مال اس کی طرف لوٹایا جانا ہے۔

ان کا یہ نظریہ اس [دنیا کی] زندگی سے متعلق ہے۔ رہے وہ احکام جن کا آخرت سے تعلق ہے جیسے کہ ثواب اور عقاب؛ اور جنت اور جہنم میں جانا۔ اس کے بارے میں بھی ان کا خیال ہے کہ: ان کے لیے ان میں سے ایسے احکام ہیں جو انہیں باقی قوموں سے ممتاز کرتے ہیں۔ جیسا کہ انہیں باقی قوموں سے ہٹ کر بہت سارے احکام میں ممتاز کیا گیا ہے۔''

اس بارے میں ان کے عقائد میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کی مغفرت کر دیں گے، اور وہ جہنم کی آگ میں داخل نہیں کیے جائیں گے، بھلے وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہوں۔

سفر مزامیر میں آیا ہے:

''اے رب تو میری اس سر زمین سے راضی ہوا؛ اور یعقوب کے قیدیوں کو واپس کیا؛ اور اپنی قوم کے گناہ معاف کیے۔ اور ان کے ہر عیب پر پردہ ڈالا۔''[1]

اور تلمود میں آیا ہے:

''بے شک آگ کو بنی اسرائیل کے گنہگاروں پر کوئی غلبہ حاصل نہیں ہوگا، اور نہ ہی حکماء [یہود] کے شاگردوں پر کوئی غلبہ حاصل ہوگا۔''[2]

یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ یہودیوں کو سزا دے گا، تو ان کے لیے ایک خاص قسم کی سزا ہوگی۔ جو کہ باقی تمام لوگوں کو دی جانے والی سزا کی طرح نہیں ہوگی۔ اور -ان کی خوش خیالی کے مطابق - اس سزا کی ایک محدود مدت ہے، جو ختم ہو جائے گی۔ تلمود میں آیا ہے:

''جب کہ وہ یہودی جو کسی یہودی کو قتل کرنے کی وجہ سے مرتد ہو جائیں گے، بے شک ان کی روحیں ان کے مرنے کے بعد حیوانات یا نباتات میں داخل کر دی جائیں گی؛ پھر انہیں جہنم میں لے جایا جائے گا، اور بارہ ماہ تک ان کو بہت سخت دردناک عذاب دیا جائے گا، پھر ان کو دوبارہ لوٹایا جائے گا، او ر جمادات میں داخل کیا جائے گا، پھر حیوانات میں، پھر بت

[1] المزمور ۸۵؛ فقرات ۱-۲۔ [2] التلمود تاریخه و تعالیمه ص؛ ۷۹۔

پرستوں میں، اور پھر اس کے پاک ہو جانے کے بعد یہودیوں کے جسم کی طرف لوٹائی جائے گی۔''❶

اللہ تعالیٰ نے اس یہودی عقیدہ کے بارے میں خبر دی ہے اور اس پر رد کیا ہے۔فرمایا:

﴿وَقَالُواْ لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلاَّ أَيَّاماً مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللّهِ عَهْداً فَلَن يُخْلِفَ اللّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ ☆بَلَى مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيْـئَتُهُ فَأُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾

(البقرة: ۸۰۔۸۱)

''اور کہتے ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی۔ ان سے پوچھو کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے اقرار لے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا (نہیں) بلکہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں مطلق علم ہی نہیں ہے۔ ہاں جو بُرے کام کرے اور اس کے گناہ (ہر طرف سے) اس کو گھیر لیں تو ایسے لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے۔''

جب کہ جنت کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ وہ صرف یہودیوں کے لیے وقف کر دی گئی ہے؛ اس میں کوئی اور نہیں داخل ہوگا۔تلمود میں آیا ہے:

''یہ لذتوں والی جنت؛ اس میں نیکوکار یہودیوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں داخل ہوگا۔ باقی لوگ جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔''❷

ایک دوسرے مقام پر یوں آیا ہے:

''نعمتیں [یعنی جنت] یہودیوں کی روحوں کا ٹھکانہ ہیں۔ اور یہودیوں کے علاوہ کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جب کہ جہنم کافر مسلمانوں اور عیسائیوں کا ٹھکانہ ہے۔ جس میں رونے کے علاوہ ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ اس میں اندھیر، اور تعفن اور مٹی ہی ہے۔''❸

❶ الكنز المرصود ص: ٦١۔ ❷ همجية التعاليم الصيهونية ص: ٥٥۔

❸ الكنز المرصود ص: ٦٢۔ اسرائيل و تلمود ص: ٦٧۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کلام کو قرآن میں درج کیا ہے، فرمایا:

﴿وَقَالُواْ لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُوداً أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُواْ بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (البقرة: ١١١)

''اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے خیالاتِ باطلہ ہیں (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔''

یہ ان نصوص کی مثالیں بیان کی ہیں جو کہ یہودیوں کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں، اور ان کے تعصب اور اپنی ذات کی تقدیس پر دلالت کرتی ہیں، اور ان کے ساتھ بعض قرآنی آیات [بھی ذکر کی ہیں] جن میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے ان مذموم اخلاق کو بیان کیا ہے۔

میں نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ ان نصوص پر زیادہ تعلیق نہ لگاؤں۔ اس لیے کے اپنے اس موضوع پر؛ جسے ہم بیان کرنا چاہتے ہیں؛ ان کی دلالت بڑی واضح ہے۔ اور اس سے وہ غرض پوری ہو رہی ہے جس کے لیے میں نے یہ بحث قائم کی ہے۔ اور وہ ہے یہودیوں کا اپنے نفس کی تقدیس کرنا اور وہ منزل بیان کرنا جس تک یہ لوگ اپنی جنس کے لیے تعصب باقی لوگوں کے لیے بغض کی وجہ سے پہنچے ہیں۔

دوسری بحث:......روافض کی اپنے نفس کی تقدیس

رافضی دعوی کرتے ہیں - جیسے کہ ان سے پہلے یہودیوں نے دعوی کیا ہے - کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے خاص اور چنے ہوئے لوگ ہیں۔ اور اللہ نے انہیں تمام لوگوں میں سے چن لیا ہے۔ اور انہیں کئی ایک خصوصیات میں باقی امتوں سے امتیازی حیثیت دی ہے۔

[اس تفصیل کا بیان یہاں سے] شروع ہوتا ہے: ''رافضی گمان کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عظمت کے نور سے پیدا کیا ہے۔ اور ان کے جنت میں داخل ہونے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان باقی رہنے والی نعمتوں؛ جو اللہ نے ان کے لیے تیار کی ہیں، سے فائدہ اٹھانے [کے بیان] پر ختم ہوتا ہے۔

ذیل میں رافضیوں کے ان خود ساختہ خیالات کی تفصیل پیش کی جارہی ہے، جن کے بارے میں وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہی [نعمتیں] باقی مسلمانوں کو چھوڑ کر صرف ان کے لیے خاص کی ہیں۔

ان خیالات میں سے ایک : ان کا یہ گمان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو اس مٹی سے ؛ جس سے تمام بشریت کی روحیں پیدا ہوئی ہیں ؛ ہٹ کر ایک اور مٹی سے پیدا کیا ہے۔

اور ان کی مٹی کی اصل اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا کی گئی ہے۔ یا اس مٹی سے عرش کے نیچے پردہ میں رکھی گئی ہے۔ اس کی صراحت ان روایات سے ہوتی ہے جو ان کی معتمد کتابوں میں وارد ہوئی ہیں۔

بصائر الدرجات میں ابوعبداللہ سے مروی ہے اس نے کہا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اپنے نور سے شیعہ بنائے ہیں ؛ اور ان کو اپنی رحمت کے رنگ میں رنگا ہے۔ اور ان سے ہماری ولایت کا عہد اس معرفت کے دن لیا جب اس نے انہیں اپنی ذات کی پہچان کروائی۔ وہ ان سے [نیکو کاروں کی نیکیاں] قبول کرنے والا ہے، اور ان کے خطا کاروں سے درگزر کرنے والا ہے۔ اور جو کوئی اللہ سے اس راہ پر نہیں ملے گا جس پر وہ [قائم] ہیں، اللہ تعالیٰ اس کی ایک نیکی بھی قبول نہیں کریں گے۔ اور اس کی ایک غلطی بھی معاف نہیں کریں گے۔''❶

اور کلینی نے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے، بے شک آپ نے کہا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی عظمت کے نور سے پیدا کیا ہے۔ پھر ہماری صورتیں اس مٹی سے بنائیں جو اس کے عرش کے نیچے چھپے ہوئے خزانے میں ہے۔ اور پھر اس نور کو اس میں سکونت دی۔ پس ہم نورانی مخلوق اور بشر ہوئے۔ اور جس سے ہم پیدا کیے گئے ہیں ؛ کسی ایک کے لیے بھی اس میں کوئی نصیب نہیں رکھا گیا۔ اور ہمارے شیعوں کی روحیں ہماری مٹی سے پیدا کی گئیں۔ اور ان کے بدن اس مٹی [جس سے آئمہ پیدا کیے گئے] سے نیچے خزانے میں رکھی ہوئی پوشیدہ مٹی سے پیدا کیے گئے۔ اور جس مٹی میں ان کو پیدا کیا گیا ؛ اس میں انبیاء کے علاوہ کسی کے لیے کوئی حصہ نہیں رکھا گیا۔ اس وجہ سے ہم اور وہ [یعنی شیعہ] انسان ہوئے، اور باقی لوگ جہنم کے چرواہے، اور جہنم ہی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔''❷

---

❶ نصائر الدرجات ص: ٧٠۔ بحار الأنوار ٦٧/ ٧٤۔

❷ اصول الكافي ١/ ٣٨٩۔ اس روایت کو صفار نے بصائر الدرجات : ص ٤٠ میں نقل کیا ہے؛ اور مجلسي نے بحار الأنوار میں ۱۲/۲۵ پر؛ اور نعمت اللہ الجزائری نے الأنوار النعمانية میں ١/ ٢٩٠ پر نقل کیا ہے؛ لیکن اس نے اسے صداق کی طرف منسوب کیا ہے۔

اور محاسن میں ابوجعفر سے مروی ہے، انہوں نے کہا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمن [شیعہ] میں اللہ کی روح میں سے ریح [ہوا] جاری کری دی ہے۔''❶

اور اسی کتاب میں ابوعبداللہ سے روایت ہے، بے شک انہوں نے کہا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ہمارے شیعہ کو خزانے میں رکھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ قیامت کے دن تک نہ ہی کوئی باہر نکلنے والا اس سے باہر نکل سکتا ہے، اور نہ ہی کوئی اندر آنے والا داخل ہوسکتا ہے۔''❷

جب کہ مفید نے امام صادق سے روایت کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی عظمت کے نور سے پیدا کیا۔ اور ہمیں اپنی رحمت سے بنایا۔ اور تمہاری روحیں ہم سے پیدا کیں۔ پس ہم تمہاری طرف جاتے ہیں، اور تم ہماری طرف آتے ہو۔ اور اللہ کی قسم! اگر سارے اہل مشرق و اہل مغرب مل کر کوشش کریں کہ ہمارے شیعہ میں وہ ایک آدمی زیادہ کردیں، یا کم کردیں؛ تو وہ اس پر قادر نہیں ہوں گے۔ اور بے شک وہ -شیعہ- ہمارے پاس ان کے ناموں کے ساتھ اور ان کے والدین کے ناموں، اور نسب اور قبیلہ کے ساتھ لکھے ہوئے ہیں''❸

ان روایات میں صریح طور پر کہا گیا ہے کہ بے شک رافضی اپنی اصلی [ابتدائی] تخلیق؛ اور اپنی مٹی کے مادہ میں باقی تمام بشریت سے جدا ہیں؛ جس کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ وہ [مٹی] اللہ تعالیٰ کی عظمت کے نور سے پیدا کی گئی ہے۔ اس لیے وہ نہ ہی زیادہ ہونگے اور نہ ہی کم۔

اور وہ اپنے آئمہ کے ہاں معروف ہیں، اور ان کے نام ان [آئمہ] کے ہاں لکھے ہوئے ہیں؛ جس میں ان کے علاوہ کوئی ایک داخل نہیں ہوسکتا۔

پھر جب رافضیوں نے یہ جھوٹا دعوی کیا تو اس کے بعد وہ اپنی دروغ گوئی اور جھوٹے دعووں میں بڑھتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ گمان کرنے لگے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خواص میں سے ہیں، اور اس کی

---

❶ المحاسن از برقی ص: ۱۳۱۔ ❷ المحاسن از برقی ص: ۱۳٤۔
❸ الاختصاص ص: ۱۱٦۔

مخلوق میں سے چنے ہوئے لوگ ہیں۔ اور پھر اپنے دعوی کی تائید میں یہ روایات گھڑیں؛ جن کو بہتان تراشتے ہوئے، اور جھوٹ بولتے ہوئے نبی کریم ﷺ اور آئمہ اہل بیت کی طرف منسوب کیا۔

عیاشی نے اپنی تفسیر میں عبدالرحمٰن بن کثیر سے روایت کیا ہے کہ ابو عبداللہ علیہ السلام نے اس سے کہا: ''اے عبدالرحمٰن ! اللہ کی قسم ! ہمارے شیعہ [کے] گناہ اور خطائیں ختم نہیں ہوں گی؛ مگر وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم رہیں گے جنہیں اس نے اپنے دین کے لیے چن لیا ہے۔'' ❶

طوسی کی ''امالی'' میں جعفر بن محمد علیہما السلام سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے:

''ہم اللہ کی بہترین مخلوق ہیں۔ اور ہمارے شیعہ اس کے نبی ﷺ کی امت کے بہترین لوگ ہیں۔'' ❷

رافضی اس میں مزید مبالغہ کرتے ہوئے دعوی کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے محبوب لوگ ہیں، اور اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ان سے یہ کہتے ہوئے خطاب کریں گے: ''اے میرے پیارو۔''

فرات الکوفی نے ایک لمبی روایت نقل کی ہے۔ جیسے جھوٹ بول کر ظلم کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرتا ہے؛ اس [روایت] میں ہے:

''اللہ تعالیٰ ان سے یہ کہتے ہوئے خطاب کریں گے: ''اے میرے پیارو! تم کہاں جا رہے ہو؛ اور یقیناً میں نے تمہارے متعلق اپنے حبیب کی بیٹی فاطمہ کی شفاعت قبول کر لی ہے۔'' وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں یہ بات پسند تھی کہ آج کے اس جیسے دن میں ہماری قدر جانی جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کہیں گے اے میرے محبوب لوگو!............'' ❸

حقیقت تو یہ ہے کہ ان لوگوں کے جھوٹ کی کوئی انتہاء ہی نہیں۔ ان کی کتابوں میں اس جیسی اور بہت سی روایات بھی پائی جاتی ہیں۔ بس صرف یہ کہ اس موضوع پر ان روایات میں ایک بہت ہی اہم ترین روایت ہے۔ میں اپنے قارئین سے اس روایت کے طویل ہونے کے باوجود یہاں پر پیش کرنے میں معذرت خواہ ہوں؛ اس لیے کہ اس روایت کی اہمیت بہت زیادہ ہے، اور اسے ان کے کئی ایک ثقہ اور معتمد مصادر میں نقل کیا گیا ہے۔

---

❶ تفسیر العیاشي ۲/ ۱۰۵۔ ❷ أمالی ص: ۷٦۔
❸ تفسیر الفرات الکوفي ص: ۱۱٤۔

عمرو بن مقدام کہتا ہے: میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے سنا وہ کہہ رہے تھے:

''میں اور میرے اباجی نکلے، یہاں تک کہ ہم قبر اور منبر [قبر رسول اللہ ﷺ اور منبر] کے درمیان پہنچے؛ تو وہاں پر کچھ شیعہ لوگ تھے؛ ہم نے ان پر سلام کیا۔ پھر فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تمہاری ہوا اور تمہاری روحوں سے محبت کرتا ہوں۔ سو تم اس بارے میں تقوی اور اجتہاد سے میری مدد کرو۔ اور جان لو کہ ہماری ولایت ورع اور اجتہاد کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ جو کسی انسان کی اقتداء کرے تو اسے چاہیے کہ اس کے کاموں کی طرح کام کرے۔ تم اللہ کے شیعہ ہو، اور تم اللہ کے مددگار ہو۔ اور تم سابقین اولین ہو؛ اور سابقین آخرین ہو، اور دنیا میں سبقت لے جانے والے ہو؛ اور آخرت میں جنت کی طرف سبقت لے جانے والے ہو۔ ہم نے اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کی گارنٹی پر تمہیں جنت کی گارنٹی دی ہے؛ اور جنت کے درجات پر تم سے زیادہ روحیں نہیں ہونگی۔ پس درجات کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرو۔ تم پاکیزہ ہو اور تمہاری عورتیں پاکیزہ ہیں۔ ہر مؤمنہ آنکھوں والی ہے، اور ہر مؤمن دوست ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام نے ''قنبر'' سے کہا تھا: اے قنبر! تمہیں خوشخبری ہو، اور خوشخبری سناؤ، اور خوشخبری حاصل کرو۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ مر گئے؛ مگر وہ شیعہ کے علاوہ باقی ساری امت پر ناراض تھے۔

آگاہ رہو! ہر چیز کی عزت ہوتی ہے، اور اسلام کی عزت شیعہ ہیں۔ آگاہ ہوجاؤ ہر چیز کی ایک پناہ گاہ ہوتی ہے، اور اس کی پناہ گاہ ہمارے شیعہ ہیں۔ آگاہ رہو! ہر چیز کی ایک کوہان ہوتی ہے؛ اسلام کی کوہان ہمارے شیعہ ہیں۔ آگاہ رہو! ہر چیز کا ایک شرف ہوتا ہے، اور اسلام کا شرف ہمارے شیعہ ہیں۔ آگاہ رہو! ہر چیز کا ایک سردار ہوتا ہے، اور مجالس کی سردار ہمارے شیعہ کی مجلس ہے۔ آگاہ رہو! ہر چیز کا ایک امام ہوتا ہے، اور زمین کا امام وہ حصہ ہے جس زمین پر شیعہ رہتے ہیں۔ اور اللہ کی قسم! اگر زمین میں تم نہ ہوتے تو [زمین پر] آنکھوں سے سبزہ نہ دیکھا جاتا۔ اور اللہ کی قسم! اگر زمین میں تم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ تمہارے مخالفین پر انعام نہ کرتے؛ اور نہ ہی انہیں کوئی پاکیزہ چیز ملتی؛ اور نہ ہی ان کا دنیا اور آخرت میں کوئی نصیب ہوتا۔ اور ہر ناصبی اگرچہ وہ عبادت و ریاضت ہی کیوں نہ کرے، مگر آخر کار اس کا انجام

یہ آیت ہے:

﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ☆ تَصْلَى نَاراً حَامِيَةً﴾ (الغاشیة: ۳۔۴)

''سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے۔ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔''

ہر ناصبی عبادت گزار کی عبادت اڑتی ہوئی ریت ہے۔ ہمارے شیعہ اللہ کے نور سے بولتے ہیں۔ اور ہمارے مخالفین تلوار کے ساتھ [بیہودگی] بولتے ہیں۔

اللہ کی قسم! ہمارے شیعہ میں کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کی روح کو آسمانوں پر چڑھاتے ہیں، اور اس میں برکت ڈالتے ہیں۔ اگر اس کی موت کا وقت آچکا ہوتا ہے تو اسے اپنی رحمت کے خزانوں میں، جنت کے باغوں میں اس کے عرش کے سائے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اور اگر اس کی موت میں وقت باقی ہو؛ تو امانت دار فرشتوں کے ساتھ اسے بھیج دیتے ہیں تاکہ اسے اس کے جسم میں واپس لوٹایا جائے؛ جس سے نکالا گیا تھا؛ تاکہ وہ اس میں سکون کے ساتھ رہے۔ اور اللہ کی قسم! بے شک تمہارے حج کرنے والے اور تمہارے عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے خاص لوگ ہیں۔ اور تمہارے فقیر ہی غنی [و مالدار] ہیں۔ اور تمہارے غنی قناعت والے ہیں۔ اور بے شک تم سب اس کی دعوت والے اور دعوت قبول کرنے والے ہو۔'' [1]

رافضیوں کے اپنی ذات کے متعلق یہ نظریہ ہے۔ اس روایت میں جو کچھ مبالغہ آمیزی آئی ہے، وہ تو ان روایات کا صرف ایک حصہ ہے جن سے حسد و بغض پھوٹ رہا ہے؛ جن سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ رافضی آگے بڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بول کر لوگوں کو باقی تمام عوام پر اپنے شرف اور فضیلت کا وہم دلانا چاہتے ہیں۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو صرف اور صرف ان کے لیے ہی پیدا کیا ہے، اور جو کچھ بھی اس دنیا میں ہے وہ ان کی ملکیت ہے جس میں کسی اور کا کوئی حصہ نہیں۔

اس سے پہلے امام باقر کی طرف منسوب روایت گزر چکی ہے، جس میں ہے:

---

[1] روضة الكافی ۸/ ۲۱۲-۲۱۳۔ یہ روایت عبارت میں تھوڑے اختلاف کے ساتھ کئی کتابوں میں آئی ہے۔ دیکھو: تفسیر فرات الكوفي ص: ۲۰۸-۲۰۹۔ صفات الشيعة و فضائل الشيعة ص: ۸-۱۰۔ أمالی للصدوق ص: ۵۰۰-۵۰۱۔ بحار الأنوار ۶۸/ ۴۳-۴۴۔

''اور اللہ کی قسم! اگر زمین میں تم نہ ہوتے تو [زمین پر] آنکھوں سے سبزہ نہ دیکھا جاتا۔ اور اللہ کی قسم! اگر زمین میں تم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ تمہارے مخالفین پر انعام نہ کرتے؛ اور نہ ہی انہیں کوئی پاکیزہ چیز ملتی......۔''

فرات الکوفی نے [اپنی تفسیر میں] روایت کیا ہے؛ بے شک نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے علی تیرے شیعہ شریف النسل لوگ ہیں۔ اور اگر تم اور تمہارے شیعہ نہ ہوتے تو اللہ کا دین قائم نہ ہوتا۔ اور اگر زمین میں ان میں سے کوئی نہ ہوتا تو آسمانی پانی کا قطرہ نہ برساتا۔'' ❶

زمین ساری کی ساری آئمہ کی ملکیت ہے جو انہوں نے شیعہ کو عطا کی ہوئی ہے۔ اور ان کے علاوہ باقی لوگوں پر یہ حرام ہے۔ کافی میں مسمع بن عبدالملک سے روایت ہے، ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''بے شک ساری زمین ہماری ملکیت ہے۔ اور اس سے جو بھی چیز نکلے گی وہ ہمارے لیے ہوگی۔ میں نے ان سے کہا: ''تو [کیا] میں آپ کی طرف تمام مال اٹھا لاؤں؟ تو آپ نے فرمایا: اے ابو سیار! ہم نے اسے تمہارے لیے پاکیزہ کر دیا، اور تیرے لیے حلال کر دیا؛ پس اسے اپنے مال کے ساتھ ملا لو۔'' اور ہر وہ چیز جو ہمارے شیعہ کے ہاتھوں میں ہے، وہ ان کے لیے حلال ہے۔ یہاں تک کہ امام قائم آجائے؛ اور وہ ان سے ان کی املاک پر جزیہ وصول کرے۔ اور زمین ان ہی کے ہاتھوں میں چھوڑ دے۔ رہی وہ متاع جو غیروں کے ہاتھوں میں ہے؛ بے شک اس پر زمین میں کسب کرنا ان پر حرام ہے؛ یہاں تک کہ ہمارا امام قائم آجائے۔ وہ ان کے ہاتھوں سے زمین لے لے اور انہیں رسوا کر کے اس سے نکال دے۔'' ❷

یہودیوں کے جھوٹے خیالات میں ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ شیعہ کے علاوہ باقی تمام لوگوں پر ناراض ہے۔ صدوق نے فضائل الشیعہ میں ایک لمبی حدیث نقل کی ہے، جسے وہ جھوٹ بولتے ہوئے نبی

---

❶ تفسیر فرات الكوفي ص: ٩٥۔

❷ أصول الكافي ١/ ٤٠٨۔

کریم ﷺ کی طرف منسوب کرتا؛ اس روایت میں ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے شیعہ کو ہمارے لیے چن لیا ہے۔ اور انہیں ہماری مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اور ان میں ہمارے حکم کو ودیعت کر دیا؛ اور ان کے دلوں پر ہماری معرفت کے حق کو لازم کر دیا۔ اور ان کے سینے کھول دیے۔ اور انہیں ہماری رسی کو مضبوطی سے پکڑنے والے بنا دیا۔......اور باقی لوگ گمراہیوں کی وادی میں بھٹک رہے ہیں۔ وہ حجت سے؛ اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا ہے، [اس] سے اندھے ہو چکے ہیں؛ اور وہ اللہ کی ناراضگی میں صبح و شام کرتے ہیں۔''❶

حتی کہ نبی کریم ﷺ کے متعلق گمان کرتے ہیں کہ آپ کا انتقال ہوا، اور آپ شیعہ کے علاوہ باقی لوگوں پر ناراض تھے۔ صدوق نے روایت کیا ہے؛ بے شک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

''تمہیں خوشخبری ہو؛ اور لوگوں کو بشارت دو؛ یقیناً جب نبی کریم ﷺ کا انتقال ہوا اور آپ اپنی امت سے ناراض تھے؛ سوائے شیعہ کے۔''❷

اور رافضیوں کی بدگمانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے لیے خاص کر لیا ہے؛ اور ان کا یہ دعوی کہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال اور عبادات کو سوائے شیعہ کے کسی سے بھی قبول نہیں فرماتے۔ یہ اللہ رب العالمین پر جھوٹ کی انتہاء ہے۔ امالی میں طوسی نے معاذ بن کثیر سے روایت کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''میں نے اہل موقف [میدانِ حشر] کی طرف دیکھا، تو وہ بہت زیادہ تھے۔ پھر میں ابو عبداللہ علیہ السلام کے قریب ہوا؛ اور ان سے کہا: بے شک موقف والے تو بہت زیادہ ہیں۔ کہتا ہے: انہوں نے ان پر ایک نگاہ دوڑائی؛ اور ان میں جو کچھ تھا جان لیا۔ پھر کہا: ''اے ابو عبد اللہ میرے قریب ہو جاؤ۔ پس میں ان کے قریب ہوا، تو کہا: ''جھاگ ہیں، جنہیں ہر طرف سے موجیں لے کر آتی ہیں۔ نہیں اللہ کی قسم! تمہارے سوا کسی کا کوئی حج نہیں، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ تمہارے علاوہ کسی کا کوئی عمل قبول کریں گے۔''❸

---

❶ صفات الشيعة و فضائل الشيعة ص: ١٩۔

❷ صفات الشيعة و فضائل الشيعة ص: ١٩۔

❸ صفات الشيعة و فضائل الشيعة ص: ٢١۔

فرات الکوفی نے محمد بن حنفیہ سے روایت کیا ہے: بے شک ایک دن آپ اپنے ساتھیوں کی طرف نکلے، اور وہ آپ کا انتظار کررہے تھے۔ تو انہوں نے کہا:

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے لیے خوشخبری قبول کرو۔ اور اللہ کی قسم! تمہارے علاوہ کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جسے اللہ کی طرف سے خوشخبری ملتی ہو۔ ...... یہاں تک کہ انہوں نے کہا:'' کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری نماز قبول ہو، اور ان کی نماز قبول نہ ہو۔ اور تمہارا حج قبول ہو، اور ان کا حج قبول نہ ہو۔ انہوں نے کہا: اے ابو القاسم! بے شک یہ ان ہی کے لیے ہے۔''❶

جب کہ شیعہ کے گناہوں کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کر دیں گے خواہ وہ کتنے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ حتی کہ بعض ملائکہ کا اس کے سوا کوئی کام ہی نہیں ہے کہ وہ شیعوں کے گناہ ختم کرتا رہے۔ طوسی نے ''امالی'' میں نقل کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے علی! آپ کے شیعوں کی مغفرت کر دی گئی ہے، خواہ ان کے گناہ اور عیوب جیسے بھی ہوں۔''❷

ابو عبد اللہ سے روایت ہے، وہ کہتا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو ہمارے شیعوں کی پیٹھ سے گناہ گراتے ہیں۔ جس طرح کہ ہوا پت جھڑ کے موسم میں درخت سے پتے گراتی ہے۔''❸

اتنا ہی کافی نہیں ہے؛ بلکہ ان کا یہ بھی نظریہ وعقیدہ ہے کہ ان سے شرعی احکام ساقط کر دیے گئے ہیں۔ اور ان سے قلم اُٹھا لیے گئے ہیں۔❹

البحرانی نے ابو الحسن علی بن موسیٰ الرضا سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا ہے:

''ہمارے شیعہ کو مرفوع القلم کر دیا گیا ہے۔ میں نے کہا: اے میرے سردار! یہ کیسے ہو گیا؟ اس

❶ تفسیر فرات الکوفی ص: ۱۵۰۔

❷ امالی للصدوق: ص: ۲۳۔ اور بحار الأنوار ۶۸/ ۷۔

❸ روضۃ الکافی ۸/ ۳۰۴۔

❹ ان کے عقائد پڑھنے کے بعد اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ احکام شریعت ساقط ہوں یا نہ ہوں، مگر ان سے قلم ضرور اٹھا لیے گئے ہیں؛ اور یہ لوگ مرفوع القلم ہیں۔ اگر عقل ہوتا تو ایسی باتیں نہ کرتے۔

لیے کہ ان پر بنو امیہ کی باطل حکومت میں تقیہ کرنے کا وعدلیا گیا تھا۔ وہ لوگوں کو امن دیتے تھے، اور لوگوں کو امن دیں گے، اور خوف رکھیں گے۔ وہ ہماری وجہ سے کافر کہے جائیں گے؛ اور ہم ان کی وجہ سے کافر نہیں کہے جائیں گے۔ وہ ہماری وجہ سے قتل کیے جائیں گے؛ ہم ان کی وجہ سے قتل نہیں ہوں گے۔ ہمارے شیعہ میں سے کوئی ایک ایسا نہیں ہے جو کسی گناہ کا ارتکاب کرے، خواہ عمداً ہو یا سہواً؛ مگر اس کی وجہ سے اسے غم پہنچتا ہے، اور وہ ان کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اور اگر وہ بارش کے قطروں کے برابر، اور کنکریوں اور ریت کے ذروں کی تعداد میں؛ اور کانٹوں اور درختوں کی تعداد میں بھی گناہ کرے؛ اس سے اگر اس کی ذات میں کوئی تکلیف نہیں پہنچی تو اس کے اہل میں کوئی تکلیف پہنچے گی؛ اگر اسے اس کے دنیا کے امور میں کوئی تکلیف نہ ہوئی تو اس کے لیے نیند میں خواب آئیں گے، جن سے وہ غمگین ہوگا۔ اور [اس کا یہ غم] اس کے گناہوں کی صفائی ہوگی۔'' ❶

اللہ تعالیٰ کی یہ مغفرت اور رحمت شیعہ کے لیے خاص ہے؛ جب کہ باقی لوگوں کی کوئی مغفرت نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ان کی روایات میں صراحت موجود ہے۔

برقی نے حارث بن مغیرہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتا ہے: ''میں ابوعبداللہ علیہ السلام کے پاس تھا۔ ان پر ایک داخل ہونے والا داخل ہوا؛ اور اس نے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے صاحب زادے! اس سال کتنے ہی زیادہ حاجی تھے۔ تو آپ نے کہا:

''اگر وہ چاہیں تو زیادہ ہو جائیں؛ اور اگر چاہیں تو کم ہو جائیں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ تمہارے سوا کسی سے قبول نہیں کرے گا۔ اور تمہارے علاوہ کسی کی بھی مغفرت نہیں کرے گا۔'' ❷

اور مجلسی نے ابوجعفر سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ ہرگز مغفرت نہیں کرے گا، سوائے ہمارے اور ہمارے شیعہ کے۔ اور بے شک ہمارے شیعہ ہی قیامت والے دن کامیابی پانے والے ہیں۔'' ❸

محمد علی الدخیل - ایک معاصر شیعہ عالم - روایت کرتا ہے: بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ الکشکول ۱/۱۵۱؛ مسند الإمام رضا ص: ۲۳۷۔

❷ المحاسن ص: ۱٦۷۔ ❸ بحار الأنوار ٦۸/۱۲۹۔

''جب قیامت کا دن ہوگا ، ہمارے ذمہ ہمارے شیعہ کا حساب لگایا جائے گا۔ پھر جو کوئی زیادتی ان کے اور اللہ کے درمیان ہوگی؛ ہم اس کا فیصلہ کریں گے ، اور ہماری بات مانی جائے گی۔ اور جو زیادتی اس کے اور لوگوں مابین ہوگی۔ ہم اس کا ہبہ مانگیں گے، وہ ہمیں ہبہ کردی جائیں گی۔ اور جو اس کے اور ہمارے مابین ہوگی ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ اسے معاف کردیں اور اس سے درگزر کرلیں۔''❶

جب کہ جہنم کے بارے میں ان کا اعتقاد ہے کہ شیعہ میں سے ایک انسان بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ کلینی نے اپنی سند سے میسر سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''میں ابوعبداللہ علیہ السلام پر داخل ہوا، تو انہوں نے پوچھا: تمہارے ساتھی کیسے ہیں؟ ۔ میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! ہم ان کے نزدیک یہود و نصاری و مجوس اور مشرکین سے بھی بدتر ہیں۔ آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے، سیدھے ہوکر بیٹھ گئے؛ پھر کہا: '' تم نے کیا کہا ؟ میں نے کہا: ہم ان کے نزدیک یہود و نصاری و مجوس اور مشرکین سے بھی بدتر ہیں۔ تو آپ نے کہا: اللہ کی قسم! تم میں سے دو آدمی بھی جہنم میں نہیں جائیں گے۔ نہیں، بلکہ اللہ کی قسم! تمہارا ایک آدمی بھی جہنم میں نہیں جائے گا؛ اللہ کی قسم تم ہی وہ لوگ ہو جن کے متعلق اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالاً كُنَّا نَعُدُّهُم مِّنَ الْأَشْرَارِ o أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيّاً أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ o إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ﴾

(ص: ۶۲۔۶۴)

'' اور کہیں گے کیا سبب ہے کہ (یہاں) ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو بُروں میں شمار کرتے تھے۔ کیا ہم نے ان ٹھٹھا کیا ہے یا ہماری (آنکھیں) ان (کی طرف) سے پھر گئی ہیں؟ بیشک یہ اہلِ دوزخ کا جھگڑنا برحق ہے۔''

اور پھر کہا: اللہ کی قسم! تمہیں جہنم میں تلاش کیا گیا، تم میں سے ایک آدمی بھی جہنم میں نہ ملا۔''❷

---

❶ ثواب الأعمال و اعقابها۔ ص: ۳۵۷۔

❷ روضة الكافي ۷۸/۸۔

طوسی نے ''امالی'' میں اس سے ملتی جلتی روایت نقل کی ہے؛ وہ کہتا ہے:

''سماعة بن مہران صادق علیہ السلام پر داخل ہوا،تو آپ نے اس سے پوچھا: ''اے سماعہ! لوگوں میں سب سے برا کون ہے؟انہوں نے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے صاحب زادے! ہم ہیں۔ ❶ آپ اتنے غصہ ہوئے کہ آپ کی رگیں سرخ ہوگئیں۔آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے، سیدھے ہوکر بیٹھ گئے۔اور کہا: اے سماعہ! لوگوں میں سب سے برا کون ہے؟میں نے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے صاحب زادے! اللہ کی قسم میں نے آپ سے جھوٹ نہیں بولا؛ ہم لوگوں کے نزدیک لوگوں میں سب سے برے ہیں۔اس لیے کہ انہوں نے ہمارا نام کفار اور رافضی رکھا ہے۔آپ نے میری طرف دیکھا اور کہا: اس وقت کیا عالم ہوگا جب تمہیں جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ اور انہیں جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔ پس وہ تمہاری طرف دیکھیں گے اور کہیں گے:

﴿وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالاً كُنَّا نَعُدُّهُم مِّنَ الْأَشْرَارِ﴾ (ص:۶۲)

''اور کہیں گے کیا سبب ہے کہ (یہاں) ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو بُروں میں شمار کرتے تھے۔''

اے سماعہ بن مہران! اللہ کی قسم! تم میں سے جو کوئی بھی کیسی ہی برائی کیوں نہ کرے گا؛ ہم قیامت کے دن اپنے قدموں پر چل کر اللہ کے پاس جائیں گے،اور شفاعت کریں گے؛ تو اللہ تعالیٰ ہماری شفاعت کو قبول فرمائیں گے۔ اور اللہ کی قسم! تم میں سے دس آدمی بھی جہنم میں نہیں جائیں گے اور اللہ کی قسم! نہ ہی تم میں سے پانچ مرد جہنم میں جائیں گے، اور اللہ کی قسم! نہ ہی تم میں سے تین آدمی جہنم میں جائیں گے،اور اللہ کی قسم! نہ ہی تم میں ایک آدمی بھی جہنم میں جائے گا۔ پس درجات حاصل کرنے میں سبقت حاصل کرو؛ اور اپنی پرہیز گاری سے دشمن کو غمگین کردو۔'' ❷

یہ رافضیوں کے سپنے ہیں، اوران کے خیالی پلاؤ ہیں۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک آدمی

---

❶ اللہ تعالیٰ نے کیسے ان کی اپنی زبان سے جاری کروادیا۔اس روایت میں بھی اور سابقہ میں بھی۔

❷ امالی ص: ۳۰۱-۳۰۲۔

بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ انہوں نے افتراء پروری کی؛ اور اس بارے میں آئمہ اہل بیت پر ان کی زبانی ایسی گری ہوئی روایات گھڑ کر جھوٹ بولا۔

وہ اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے یہودیوں سے ان کے اس دعوی میں آگے بڑھ گئے ہیں کہ انہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی؛ صرف گنتی کے چند دن۔ مگر یہودیوں نے ایسے نہیں کہا جیسے یہ رافضی کہتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے کہا ہے: ہم جہنم میں جائیں گے، مگر ہمیشہ ہمیشہ اس میں نہیں رہیں گے۔ جب یہ رافضی لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ جہنم میں ہرگز داخل ہی نہیں ہوں گے، اور نہ ہی ان میں سے کوئی ایک آدمی جہنم میں داخل ہوگا۔

وہ اپنے جہنم میں داخل نہ ہونے کی علت یہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شیعہ گنہگاروں کے بدلے سنیوں کو فدیہ میں دیں گے۔ جیسے کہ اس عقیدہ پر کاشانی کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ روایت دلالت کرتی ہے: بے شک آپ نے فرمایا:

> ''ہمارے شیعہ میں سے اعمال میں کمی کرنے والے ایک آدمی کو لایا جائے گا۔ ولایت، تقیہ اور اس کے بھائی کے حقوق کا بدلہ چکانے کے بعد اس کے مقابلہ میں سو سے زیادہ ایک لاکھ تک ناصبی کھڑے کیے جائیں گے۔ پھر اس سے کہا جائے گا: بے شک یہ لوگ آگ میں تمہارا فدیہ ہیں۔ پس یہ مؤمنین جنت میں داخل کیے جائیں گے، اور وہ ناصبی جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔'' [1]

[اتنا ہی کافی نہیں] بلکہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس دنیا میں بھی آگ نہیں جلائے گی خواہ وہ کتنے گندے جرم کیوں نہ کریں، اور کبیرہ گناہوں میں سے کوئی گناہ کیوں نہ کرلیں۔

عیون المعجزات کے مصنف نے روایت کیا ہے۔ بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شیعہ میں سے ایک آدمی ان کے پاس آیا؛ اور کہا: میں آپ کے شیعہ میں سے ہوں؛ اور مجھ پر بہت زیادہ گناہ ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آخرت کی طرف کوچ کرنے سے پہلے اس دنیا میں آپ مجھے ان گناہوں سے پاک کردیں۔ تاکہ میں آخرت کی طرف کوچ کروں تو مجھ پر کوئی گناہ نہ ہو۔ تو آپ علیہ السلام نے پوچھا: مجھے بتاؤ تمہارا سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ کہنے لگا: میں لڑکوں سے لونڈے بازی کرتا ہوں۔ تو آپ نے کہا: کون سی چیز تمہیں

[1] تفسیر الصافی ۱/ ۱۱۳۔

پسند ہے؟ ذوالفقار [تلوار] کی مار؛ یا تم پر دیوار گرا دینا؛ یا تمہارے لیے آگ جلانا۔ اس لیے کہ اُس جرم کرنے والے کی یہی سزا ہے؛ جس کا ارتکاب تم نے کیا ہے۔ تو اس نے کہا: اے میرے آقا: مجھے آگ سے جلا دو۔ امام نے اس آدمی کو باہر نکالا، اور اس پر ہزار لکڑیوں کا الاؤ چنا؛ اور اس میں چنگاری اور ایندھن سے آگ لگائی۔ اور اس سے کہا: یہ آگ جلاؤ، اور اس میں خود کو جلا دو۔ اگر تم علی کے شیعہ اور اس کے عارفین میں سے ہوں گے تو تمہیں آگ نہیں چھوئے گی۔ اور اگر تو جھوٹے مخالفین میں سے ہوگا، تو آگ تیرے گوشت کو کھا لے گی؛ اور تیری ہڈیوں کو توڑ دے گی۔ اس نے اپنے آپ کو آگ لگائی۔ اور اس آدمی پر سفید صوف کا کپڑا تھا؛ نہ ہی اسے آگ لگی اور نہ ہی دھواں اس کے قریب ہوا۔'' ❶

جب کہ جنت کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ وہ صرف اور صرف ان کے لیے ہی پیدا کی گئی ہے۔ اور وہ بغیر حساب کے اس میں داخل ہوں گے۔

فرات الکوفی نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا:

''آسمانوں میں رب العزت کی طرف سے ایک منادی کرنے والا آواز لگائے گا: اے علی! تم اور تمہارے شیعہ جنت میں داخل ہو جاؤ؛ تم پر کوئی حساب نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان [شیعہ] پر کوئی حساب ہے، وہ جنت میں داخل ہوں گے؛ اور اس کی نعمتیں پائیں گے۔'' ❷

اور ابو عبد اللہ علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے کہا:

''بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے شیعہ کے لیے دنیا اور آخرت جمع کر دے گا۔ اللہ انہیں جنت کی نعمتوں میں داخل کرے گا، اور ہمارے دشمنوں کو جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔'' ❸

اور شیعوں کا جنت میں داخل ہونا اعمال کے حساب سے نہیں ہے۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ شیعوں میں سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شیعوں کے فرمانبردار اور نافرمان سب جنت میں داخل ہوں گے۔

بحرانی سے روایت کیا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''میں تمہیں خوشخبری دینے کے لیے آیا ہوں۔ جان لے ابھی ابھی مجھ پر جبریل نازل ہوئے؛

---

❶ عیون المعجزات ص: ٢٩-٣٠۔

❷ تفسیر فرات الکوفي ص: ١٢٨۔

❸ عیون المعجزات ص: ٨٦۔

اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتے ہیں: اور کہتے ہیں: علی کو خوشخبری سنا دو کہ اس کے شیعہ میں سے نافرمان اور فرمانبردار [سب] جنت میں داخل ہوں گے۔ جب انہوں نے یہ فرمان سنا تو سجدے میں گر گئے۔ اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے۔ پھر فرمایا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنی آدھی نیکیاں اپنے شیعوں کو ہبہ کر دیتا ہوں؛ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: میں اللہ کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے اپنے آدھی نیکیاں شیعوں کو ہبہ کر دیں۔ اور حضرت حسن نے بھی ان دونوں کی طرح کہا۔ پھر حسین نے بھی ایسے ہی کہا؛ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: تم مجھ سے زیادہ اہل کرم نہیں ہو، اے رب! میرا گواہ ہو جا! میں نے علی کے شیعہ کو اپنی آدھی نیکیاں ہبہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: تم مجھ سے زیادہ اہل کرم [مہربانی کرنے والے] نہیں ہو، میں نے علی کے شیعہ اور اس سے محبت کرنے والوں کے تمام گناہ معاف کر دیے۔''[1]

ایسے شیعہ جنت میں داخل ہوں گے اگر چہ وہ نافرمان [گنہگار] ہی کیوں نہ ہوں۔ اور وہ کیونکر جنت میں داخل نہیں ہو گے جب کہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو صرف اور صرف ان کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور انہیں صرف اور صرف جنت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور اگر شیعہ نہ ہوتے تو جنت کو خوبصورت نہ بنایا جاتا۔ اور اس میں وہ کچھ نہ پیدا کیا جاتا جو کہ ہمیشہ رہنے والی نعمتیں پیدا کی گئی ہیں۔

یقیناً انہوں نے ابو عبداللہ سے روایت کیا ہے: انہوں نے فرمایا ہے:

''تم جنت کے لیے ہو، اور جنت تمہارے لیے ہے۔ اور تمہارے نام صالح اور مصلح [نیکوکار اور اصلاح کرنے والے] ہیں۔ اور تم اللہ کی تم پر رضامندی سے راضی رہنے والے ہو۔ اور ملائکہ خیر میں تمہارے بھائی ہیں اگر وہ محنت [اجتہاد] کریں۔''[2]

اس روایت میں رافضیوں کا اپنے آپ کو ملائکہ پر فضیلت دینا پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ ان کے اس قول سے ظاہر ہے: ''اور ملائکہ خیر میں تمہارے بھائی ہیں اگر وہ محنت [اجتہاد] کریں۔''

سو ملائکہ اس شرط پر رافضیوں کے بھائی ہیں کہ وہ خیر کے کاموں میں خوب محنت و اجتہاد کریں۔ اور اگر ملائکہ محنت نہیں کریں گے تو وہ رافضیوں کے بھائی ہونے کا شرف نہیں پا سکتے۔ اور نہ ہی ان کی منزلت

[1] الکشکول ۱/ ۱۵۳۔ [2] صفات الشیعة وفضائل الشیعة ص: ۳۵۔

تک پہنچ سکتے ہیں۔

اور ابوعبداللہ سے ہی روایت کرتے ہیں انہوں نے ان [رافضہ] سے کہا:

''تمہارے گھر تمہارے لیے جنت ہیں۔ اور تمہاری قبریں تمہارے لیے جنت ہیں۔ تم جنت کے لیے پیدا کیے گئے ہو، اور جنت کی طرف ہی لوٹ کر جاؤ گے۔'' ❶

اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا ہے:

''اللہ کی قسم! اگر تم نہ ہوتے تو جنت کو خوبصورت نہ بنایا جاتا؛ اور اللہ کی قسم! اگر تم نہ ہوتے تو حوریں نہ پیدا کی جاتیں، اور اللہ کی قسم! اگر تم نہ ہوتے تو آسمان سے ایک قطرہ نازل نہ ہوتا۔ اللہ کی قسم! اگر تم نہ ہوتے تو زمین میں ایک دانہ بھی نہ اگتا۔ اور اللہ کی قسم! اگر تم نہ ہوتے تو آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوتیں؛ اور اللہ کی قسم! اللہ تم سے مجھ سے زیادہ بڑھ کر محبت کرنے والا ہے۔ پس اس پر ہماری مدد کرو تقوی، پرہیزگاری اور اجتہاد اور اس کی اطاعت کے کاموں سے۔ اللہ کی قسم! اگر تم نہ ہوتے تو کسی بچے پر رحم نہ کیا جاتا اور نہ ہی کوئی چوپایا [گھاس] چرتا۔'' ❷

یہ روایات چند ایک وہ نمونے ہیں جو رافضیوں کی کتابوں میں وارد ہوئے ہیں؛ جو کہ ان کی اپنی ذات کے لیے تقدیس کی ترجمانی کرتی ہیں۔ اور ان کے باقی لوگوں سے بلند و بالا ہونے کی؛ اور ان کے باقی تمام بشریت سے ممتاز ہونے کے اس اعتقاد [کی ترجمانی کرتی ہیں]۔

مذکورہ بالا روایات تو اس موضوع پر ان کی کتابوں میں وارد روایات کی صرف مثالیں ہیں۔ اگر موضوع کے لمبا ہو جانے کا خوف نہ ہوتا؛ تو میں یہاں پر زیادہ سے زیادہ روایات نقل کرتا۔ جس کی وجہ سے یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں ان روایات پر تعلیق لگاؤں۔ اور ان روایات میں جو کچھ وارد ہوا ہے، اس جھوٹ اور بہتان [کو واضح کروں] جس کی جرأت ان سے پہلے کوئی نہیں کر سکا۔ لیکن ان لوگوں کے ساتھ اتنی لمبی گفتگو کا کیا فائدہ ہوگا۔ جب کہ ان لوگوں نے اپنی غرض پوری کرنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول اور اہل بیت پر جھوٹ بولنا اپنا وطیرہ بنا لیا ہے۔ اور اسے اپنے باطل اور فاسد عقائد کو رواج دینے کے لیے منہج سمجھ لیا ہے۔ ان پر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان صادق آتا ہے:

---

❶ صفات الشيعة وفضائل الشيعة ص: ٣٥۔

❷ تفسير فرات الكوفي ص: ٢٠٦۔

((إذا لم تستح فاصنع ما شئت .)) ❶

''جب تم میں حیاء نہ رہے تو جو چاہو ویسے کرو۔''

تیسری بحث:...... یہود اور روافض کی اپنے نفس کی تقدیس میں وجوہ مشابہت

اس کے بعد کہ میں نے سابقہ دو مباحث میں یہود اور روافض میں سے ہر ایک کا اپنی ذات کے متعلق نظریہ بیان کیا؛ اور یہ کہ ان دو میں سے ہر ایک طائفہ یہی دعوی کرتا ہے کہ وہ اللہ کے محبوب اور چنے ہوئے لوگ ہیں ؛ اور پھر اس یہود اور روافض میں سے ہر ایک کے دعوی اور خوش خیالوں پر مثالیں اور شواہد خود ان ہی کی کتابوں سے ذکر کیے۔ اب میں اس عقیدہ میں یہودیوں اور رافضیوں کے مابین مشابہت کی وجوہات ذکر کروں گا۔ اور اس کے لیے میں یہودیوں اور رافضیوں کی نصوص کا تقابلی جائزہ لوں گا۔ تا کہ ان کا اس عقیدہ میں اتفاق و اتحاد ظاہر ہو جائے۔ اور اس عقیدہ میں اتفاق کے بعد ان کے الفاظ اور عبارات میں بھی اتفاق واضح ہو جائے۔

آنے والی سطور میں اس عقیدہ میں ان دونوں گروہوں کے مابین مشابہت کی اہم ترین وجوہات پیش کی جائیں گی:

۱۔ یہودی دعوی کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی چنیدہ قوم ہیں، اور تمام امتوں میں سے اللہ کے خاص لوگ اور اس کی مقدس امت ہیں۔

رافضی دعوی کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے شیعہ [گروہ] ہیں۔ اور اللہ کے مددگار ہیں، اور وہ اللہ کے خاص لوگ، اور اس کی مخلوق میں سے چنے ہوئے [پسندیدہ] ہیں۔

۲۔ یہودی دعوی کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں۔ یہی دعوی رافضی کرتے ہیں۔

۳۔ یہودی گمان کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ یہود کے علاوہ باقی تمام لوگوں پر نارض ہو گئے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں: ''تمام امتوں پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

اور رافضی گمان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ شیعوں کے علاوہ باقی تمام لوگوں پر ناراض ہو گئے ہیں۔ اور جب نبی کریم ﷺ کا انتقال ہوا، تو آپ اپنی تمام امت پر ناراض تھے سوائے شیعوں کے۔ انہوں نے

---

❶ رواه البخاري كتاب أحاديث الأنبياء ح: ٣٤٨٤۔

اپنے آئمہ سے روایت کیا ہے: ''اور لوگ اللہ کی ناراضگی میں صبح و شام کرتے ہیں۔'' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے اِن سے کہا تھا:

''تمہیں خوشخبری ہو، اللہ کی قسم ہے! رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو وہ اپنی ساری امت پر ناراض تھے سوائے شیعہ کے۔''

۴۔ یہودی گمان کرتے ہیں کہ ان کی روحیں اللہ تعالیٰ سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور یہ شرف ان کے علاوہ کسی اور حاصل نہیں ہوا۔ اور کہنے لگے: ''یہودیوں کی روحیں باقی لوگوں کی روحوں سے اس وجہ سے جدا ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا جزء ہیں۔

اور رافضی گمان کرتے ہیں کہ ان کی روحیں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور یہ شرف انبیاء کے علاوہ کسی اور کو نہیں ملا۔ انہوں نے اپنے آئمہ سے روایت کیا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے شیعہ بنائے ہیں، اور انہیں اپنے نور سے بنایا ہے۔''

اور ان ہی سے یہ روایت بھی ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ہمارے شیعوں کی روحیں ہماری مٹی سے پیدا کی ہیں۔ اور ان کی جیسی پیدائش میں کسی کے لیے کوئی نصیب نہیں رکھا؛ سوائے انبیاء کے۔''

۵۔ یہودی اعتقاد رکھتے ہیں کہ کسی غیر یہودی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے ساتھ [یہودیت میں] داخل ہو۔ وہ کہتے ہیں:

''اور عمونی اور موآبی بھی دسویں نسل آنے تک رب کی جماعت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی رب کی جماعت میں کبھی بھی نہیں داخل ہو سکتا۔''

اور رافضیوں کا اعتقاد ہے کہ ان کے گروہ سے باہر کے کسی آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ قیامت تک ان کے ساتھ داخل ہو سکے۔ انہوں نے اپنے آئمہ سے روایت کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ہمارے شیعہ کو خزانے میں رکھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ قیامت کے دن تک نہ ہی کوئی باہر نکلنے والا اس سے باہر نکل سکتا ہے، اور نہ ہی کوئی اندر آنے والا داخل ہو سکتا ہے۔''

۶۔ یہودی اعتقاد ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس کائنات کو پیدا نہ کرتے۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو

زمین سے برکت ختم ہوجاتی۔ وہ کہتے ہیں:

''اگر اللہ تعالیٰ یہود کو پیدا نہ کرتے تو زمین سے برکت ختم ہوجاتی؛ اور بارشیں اور سورج نہ پیدا کیے جاتے۔''

اور رافضی اعتقاد ہے کہ اگر رافضی نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس کائنات کو نہ پیدا کرتے۔ اور نہ اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اہل زمین پر انعام نہ کرتے۔ انہوں نے اپنے آئمہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے:

''اللہ کی قسم! اگر تم نہ ہوتے تو جنت کو خوبصورت نہ بنایا جاتا؛ اور اللہ کی قسم! اگر تم نہ ہوتے تو حوریں نہ پیدا کی جاتیں، اور اللہ کی قسم! اگر تم نہ ہوتے تو آسمان سے ایک قطرہ نازل نہ ہوتا۔ اللہ کی قسم! اگر تم نہ ہوتے تو زمین میں ایک دانہ بھی نہ اگتا۔ اور اللہ کی قسم! اگر تم نہ ہوتے تو آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوتیں......''

اور امام باقر سے مروی ہے کہ انہون نے اِن [رافضہ] سے کہا:

''اور اللہ کی قسم! اگر زمین میں تم نہ ہوتے تو [زمین پر] آنکھوں سے سبزہ نہ دیکھا جاتا۔ اور اللہ کی قسم! اگر زمین میں تم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ تمہارے مخالفین پر انعام نہ کرتے؛ اور نہ ہی انہیں کوئی پاکیزہ چیز ملتی......''

۷۔ یہودی گمان کرتے ہیں کہ بے شک زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ ان کی ملکیت ہے۔ اور کسی غیر یہودی کو یہ حق حاصل نہیں کہ ان میں سے کسی چیز کا مالک بنے۔ اور یہ کہ یہودی کے لیے جائز ہے کہ وہ یہ املاک واپس لوٹائے کسی بھی وسیلہ سے واپس لوٹائے، جب کہ ان کا مالک کوئی غیر یہودی ہو۔ تلمود میں آیا ہے:

''بے شک ربانیین کے ہاں مقرر شدہ حقیقت یہ ہے کہ یہودی کے لیے ممکن ہے کہ کوئی بھی چیز جو عیسائیوں کی ملکیت ہو، وہ کسی بھی سبب کی بنا پر لے سکتا ہے۔ یہاں تک کہ دھوکہ بازی سے بھی اس لیے کہ وہ صرف اپنی ملکیت کی چیز ہی لے رہا ہے۔''

اور رافضی گمان کرتے ہیں کہ زمین ساری کی ساری ان کے آئمہ کی ملکیت ہے۔ جو انہوں نے اِن [روافض] کو عطا کی ہوئی ہے۔ اور اگر غیر رافضی ان میں سے کسی چیز کا مالک بن جائے تو وہ اس پر حرام ہے۔ اور جب امام قائم آئے گا، وہ ان سے واپس لے گا۔ ابو عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں

انہوں نے کہا ہے:

''بے شک ساری کی ساری زمین ہمارے لیے ہے۔ اور جو بھی ہمارے شیعہ کے ہاتھوں میں ہے؛ وہ ان کے لیے حلال ہے۔ اور جو کچھ ان کے علاوہ باقی لوگوں کے قبضہ میں ہے ان کا زمین سے کمانا حرام ہے۔ یہاں تک کہ ہمارا امام قائم آئے گا؛ اور وہ ان کے قبضہ سے زمین واپس لے گا، اور انہیں ذلیل ورسوا کر کے نکال دے گا۔''

۸۔ یہودیوں اور رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ فرشتوں سے افضل ہیں۔ یہودی کہتے ہیں:

''اسرائیلی کی اہمیت اللہ کے ہاں ملائکہ سے بڑھ کر ہے۔''

رافضی اپنے آئمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے روافض سے کہا ہے: ''تم اللہ کی رضا والے ہو؛ اور ملائکہ خیر میں تمہارے بھائی ہیں اگر وہ [عبادت میں] خوب اجتہاد کریں۔''

۹۔ یہودی دعوی کرتے ہیں انسان صرف وہی ہیں۔ جب کہ باقی لوگ انسان نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس صورت میں اس لیے پیدا کیا ہے تا کہ وہ یہودیوں کی خدمت کریں۔

انہوں نے کہا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے اجنبی کو اس انسانی صورت میں اس لیے پیدا کیا ہے تا کہ وہ خدمت کرنے کے قابل ہو جائے۔''

رافضی دعوی کرتے ہیں کہ وہ اور ان کے آئمہ ہی انسان ہیں، جب کہ ان کے علاوہ باقی تمام لوگ انسان نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنے آئمہ سے روایت کیا ہے: ہم اور وہ [یعنی شیعہ] انسان ہیں، اور باقی سب بیوقوف لوگ جہنم کے لیے ہیں، اور جہنم کی طرف پلٹ کر جائیں گے۔''

۱۰۔ یہودی دعوی کرتے ہیں کہ جنت میں یہودیوں کے علاوہ کوئی بھی داخل نہیں ہوگا۔ غیر یہودی جہنم میں جائیں گے۔ انہوں نے کہا ہے:

''یہ لذتوں والی جنت؛ اس میں نیک یہودیوں کے علاوہ کوئی بھی داخل نہیں ہوگا۔ جب کہ باقی لوگ جہنم کی آگ میں ملائے جائیں گے۔''

رافضی دعوی کرتے ہیں کہ جنت میں صرف وہی جائیں گے۔ اور ان کے دشمن جہنم میں جائیں گے۔ انہوں نے اپنے آئمہ سے روایت کیا ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب ہمارے شیعوں کے لیے دنیا اور آخرت جمع کر دے گا، اور انہیں جنت کی نعمتوں میں داخل کرے گا۔ اور ہمارے دشمنوں کو جہنم کی آگ میں

داخل کرے گا۔''

۱۱۔ یہودی دعوی کرتے ہیں کہ وہ جہنم میں نہیں جائیں گے اگر چہ وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہوں۔

انہوں نے کہا ہے: ''آگ کو بنی اسرائیل کے گنہگاروں پر کوئی غلبہ نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی حکماء کے شاگردوں پر کوئی غلبہ ہوگا۔''

اور رافضی دعوی کرتے ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی جہنم میں نہیں جائے گا؛ اگر چہ وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اپنے آئمہ سے روایت کرتے ہیں: ''اللہ کی قسم! تم میں سے دو آدمی بھی جہنم میں نہیں جائیں گے۔ نہیں اللہ کی قسم! ایک آدمی بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔''

یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے کہا تھا: ''علی کو خوشخبری سنا دو، کہ ان کے نافرمان اور فرمانبردار شیعہ سب جنت میں جائیں گے۔''

اس تقابلی جائزہ سے یہودیوں اور رافضیوں کے مابین اس عقیدہ میں بہت بڑی موافقت ظاہر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ہم قطعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اس عقیدہ کی اصل خالصتاً یہودی ہے۔ اور اسلام اس عقیدہ سے اور عقیدہ والوں سے بری ہے۔

اسلام نے کسی ایک دن بھی عصبیت یا عنصریت کی دعوت نہیں دی۔ اور نہ ہی کسی جنس کو دوسری جنس پر فضیلت دی ہے۔ بلکہ وہ حقیقی پیمانہ جس کی وجہ سے لوگوں کو اللہ کے ہاں فضیلت حاصل ہوسکتی ہے، وہ پیمانہ تقوی کو قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ الحجرات: ۱۳)

''تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔''

رہا کسی ایک جنس کی دوسری جنس پر فضیلت کا دعوی؛ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی دعویداری؛ اور اللہ کی رحمت اور مغفرت کو کسی ایک گروہ تک محدود کرنا، اور ان کے علاوہ باقی اس طرح کے دعوے۔ یہ صرف یہودیوں کی ایک بری اور غضب کی مستحق خصلت؛ اور ان کے برے اخلاقیات میں سے ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں ان کی مذمت کی ہے۔ اور رافضی اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ ان من گھڑت اور جھوٹی اور باطل روایات سے نجات حاصل کریں۔ اور ان فاسد یہودی عقائد کو چھوڑ دیں۔ اور

قرآن وسنت میں آنے والی تعلیمات کی روشنی میں نئے سرے سے اپنے اسلام کی تصحیح کریں۔تا کہ اس حقیقی فضیلت کو پاسکیں جواللہ تعالیٰ نے اس امت کے ساتھ خاص کی ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾

''(مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم اُن سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو''

چوتھی بحث:...... یہود اور روافض کی اپنے نفس کی تقدیس کے دعوی پر رد

قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ یہودیوں اور رافضیوں کی اِن خواب خیالیوں کے باطل ہونے پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں باقی تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے، اور انہیں مخلوق میں سے خاص لوگ بنایا ہے۔اورانہیں ان کی اصلی تخلیق میں ہی باقی لوگوں سے امتیازی حیثیت دی ہے۔ وہ اس طرح کہ ان کی روحوں کو اپنی ذات سے پیدا کیا ہے۔ اور بہت سارے دنیاوی اور دینی احکام میں انہیں باقی لوگوں سے جداگانہ حیثیت دی ہے۔

پس یہودی دعوی کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی چنیدہ [پسندیدہ] قوم ہیں۔ اور اس کے وہ بیٹے ہیں جنہیں آگ نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن۔

اور رافضی دعوی کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے شیعہ، اس کے انصار و مددگار اور پیارے ہیں جن میں سے کسی ایک کو بھی جہنم میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

قرآن کریم میں ان دونوں گمراہ گروہوں پر رد آیا ہے۔سو اللہ تعالیٰ نے ان حقیقی پیمانوں اور معیار کو بیان کیا ہے جن کی وجہ سے لوگ اپنے رب کے ہاں ایک دوسرے پر فضیلت پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

''اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے، اور ہم نے تمہیں قبائل

اور خاندان اس لیے بنایا ہے تا کہ تم پہچان حاصل کرسکو، تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو۔''

سو اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے لوگوں کو قوم اور قبیلے بنایا ہے؛ اور تمام لوگوں کی اصل ایک ہی ہے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء۔ پھر لوگوں کو قومیں اور قبیلے بنانے کی حکمت بیان کی ؛ اور وہ حکمت ہے: آپس میں تعارف اور پہچان۔ یعنی تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکیں، اور ہر انسان اپنے قبیلہ کی طرف رجوع کرے اور اس سے منسوب ہو۔''

جب کہ ان لوگوں کے آپس میں فضیلت کا معیار اللہ کے ہاں کچھ اور ہے، جس کا کسی جنس و رگ ؛ اور رنگ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور وہ معیار ہے تقوی۔ جیسا کہ اس نے خود ہی فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ (الحجرات: ١٣)

''تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''بے شک اللہ کے ہاں تم فضیلت پاتے ہو تقوی کی وجہ سے نہ کہ حسب و نسب کی بنا پر۔''[1]

اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے یہ خبر بھی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کامیابی اور نجات کا سبب ہے۔ اور جو کوئی ایمان نہ لائے، وہ گھاٹا اور ہلاکت پانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالْعَصْرِ ☆ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ☆ إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ (العصر: ١-٣)

''عصر کی قسم! کہ انسان نقصان میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔''

پس اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ ہر انسان گھاٹے میں ہے، سوائے اس کے جس میں یہ صفات پائی جائیں۔ جو اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ کے ہاں عذاب سے نجات اور اس کی جنت کا پانا؛ ان میں سے کسی ایک معیار کے تابع نہیں سوائے اس معیار کے جو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ اور کسی ایک جنس کو چھوڑ کر

[1] تفسیر ابن کثیر ٤/٢١٧۔

دوسری کی کوئی فضیلت نہیں ہے مگر اللہ پر ایمان کی وجہ سے۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کسی ایک خاص گروہ تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ جو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرے، اللہ تعالیٰ اس سے قبول فرمائیں گے، اور اس کے ایمان پر ثواب دیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَالَّذِيْنَ هَادُواْ وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (البقرہ: ۶۲)

''جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست (یعنی کوئی شخص کسی قوم و مذہب کا ہو) جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان کے (اعمال کا) صلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) نہ ان کو کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔''

پس اللہ تعالیٰ نے ان گروہوں اور ان کے ناموں کی طرف نہیں دیکھا۔ بلکہ ایمان باللہ کو نجات کی شرط بنایا ہے؛ جو کوئی بھی یہ شرط پوری کردے، یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ وہ کس گروہ کی طرف منسوب ہے۔

قرآن کریم میں اس پر بہت سے شواہد ہیں؛ جو دلالت کرتے ہیں کہ مشرکین کو ان کا نسب کام نہیں آیا۔ یہ حضرت ابراہیم کے [مشرک] والد ہیں؛ انہیں یہ کام نہیں آیا کہ وہ ابراہیم خلیل اللہ کے والد ہیں؛ اور نہ ہی ابراہیم علیہ السلام کا ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا کوئی فائدہ دے سکا۔ بلکہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس کے لیے استغفار کرنا ترک کردیا، اور اس سے برأت کا اظہار کردیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيْمَ لِأَبِيْهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيْمٌ﴾ (التوبہ: ۱۱۴)

''اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اُس سے کر چکے تھے لیکن جب اُن کو معلوم ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اُس سے بیزار ہوگئے، کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے۔''

یہ دو انسان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب اور ابو طالب ہیں۔ انہیں خاتم النبیین، سید المرسلین اور

خلیلِ رب العالمین کا چچا ہونا فائدہ نہیں پہنچا سکا۔ اور نہ ہی نبی ﷺ سے قرابت اور نسب کی بزرگی[شرافت] کام آسکی۔ اوروہ دونوں [ایمان نہ لانے کی وجہ سے]ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہوگئے۔ ❶ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِيْ لَهَبٍ وَتَبَّ☆مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ☆ سَيَصْلَى نَاراً ذَاتَ لَهَبٍ﴾ (تب: ۱۔۳)

''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔ نہ تو اس کا مال ہی اس کے کچھ کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا۔ وہ جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔''

ایسے ہی ابو طالب ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے۔ اور بے شک اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی اتنی شفاعت قبول کی جائے گی کہ اس پر عذاب کوتھوڑا کم کردیا جائے۔ یہ ابتدائے دعوت میں نبی کریم ﷺ کی مدد کرنے کی وجہ سے ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: بے شک رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے چچا ابوطالب کا تذکرہ کیا گیا؛ تو آپ نے فرمایا:

''شاید اسے قیامت کے دن میری شفاعت کام آئے۔ اوراسے آگ کی کھڑاؤں[لکڑ کا جوتا] پہنادیا جائے گا جواس کے ٹخنے تک پہنچ رہا ہوگا، اوراس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔'' ❷

یہ دونوں نبی کریم ﷺ کے چچا ہیں؛ جو لوگوں میں نسب کے لحاظ سے سب سے عزت والے ہیں۔ انہیں رسول اللہ ﷺ کی قرابت اور خاندانی شرف اللہ کے ہاں کچھ بھی کام نہ آئے۔ اوران دونوں کی موت شرک کی حالت میں آئی۔

ان کے مقابلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے سلمان الفارسی؛ صہیب رومی؛ بلال بن رباح حبشی؛ جن کا وہ خاندانی شرف نہیں تھا؛ جو نبی کریم ﷺ کے چچاؤں کا تھا؛ مگر اس کے

❶ علماء کرام نے لکھا ہے کہ شفاعت کافروں کوجہنم کی آگ سے نکالنے کے لیے کام نہ آئے گی۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ یہ فرمان ہے: ﴿فما تنفعهم شفاعة الشافعين﴾ (المدثر: ٤٨) اورانہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کام نہ آئی۔''
مزید دیکھو: شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الحنفي ص: ٢٢٨۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت ابوطالب کو جہنم سے نکالنے لیے کام نہ آئی۔

❷ صحيح مسلم كتاب الإيمان؛ باب شفاعة النبي ﷺ لأبي طالب و التخفيف عنه بسببه؛ ١/ ١٩٥؛ ح: ٣٦٠۔

باوجود ان کا شمار نبی کریم ﷺ کے صحابہ، اور اللہ اور اس کے رسول کے اور مؤمنین کے محبوب لوگوں میں سے ہوتا؛ یہ نسب ابوطالب اور ابولہب [کہ ان سے کوئی مسلمان محبت نہیں کرتا]۔

بلکہ ان قریشی سرداروں سے [مذکورہ بالا صحابہ] افضل ہیں جو فتح (یعنی صلح حدیبیہ) کے بعد ایمان لائے؛ اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُوْلَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى﴾ الحدید: ۱۰)

''جس شخص نے تم میں سے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی وہ (اور جس نے یہ کام پیچھے کیے وہ) برابر نہیں ان لوگوں کا درجہ ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ (اموال) اور (کفار سے) جہاد وقتال کیا اور اللہ نے سب سے (ثواب) نیک (کا) وعدہ تو کیا ہے۔''

سلمان، صہیب اور بلال رضی اللہ عنہم اجمعین ان لوگوں میں سے ہیں جو فتح سے پہلے ایمان لائے۔ اور نبی ﷺ کے ساتھ مل کر اپنی جان و مال سے جہاد کیا؛ پس وہ اس آیت کی روشنی میں ان لوگوں سے افضل ہوئے جو فتح کے بعد ایمان لائے۔

ان دلائل میں تدبر وتفکر کرنے والے کے لیے بہت بڑی حکمتیں ہیں۔ یہ دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں برتری کا معیار اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے، قطع نظر کسی جنس، رگ یا رنگ کے۔ مگر یہودیوں اور رافضیوں کے دل معانی پر تدبر کرنے سے اندھے ہو چکے ہیں۔ اور ایسے ہی احادیث بھی دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت کا معیار تقوی ہے۔

صحیح مسلم میں مروی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن الله لا ينظر إلى صوركم و أموالكم، ولكن ينظر إلى قلوبكم و أعمالكم.)) [1]

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کی طرف نہیں دیکھتے، لیکن وہ تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔''

---

[1] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة / باب تحريم ظلم المسلم وخذله و احتقاره ودمه و عرضه و ماله ح: ٣٤۔

امام احمد رحمہ اللہ نے عقبہ بن عامر الجہنی سے روایت کیا ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن أنسابكم هذه ليست بمسبة على أحدكم ، كلكم بنو آدم ؛ طف الصاع بالصاع حتى تملؤه؛ ليس لأحد على أحد فضل إلا بدين أو تقوى ؛كفى بالرجل أن يكون بخيلاً ؛ بذياً فاحشاً .))❶

'' بے شک تمہارے یہ نسب تم میں سے کسی ایک پر گالی دینے کا سبب نہیں ہیں۔تم تمام بنی آدم میں سے؛ ایک صاع [ایک قسم کا پیمانہ] کی صاع سے پیمائش کرو، یہاں تک کہ اسے بھر دو۔اور کسی ایک کسی پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقوی اور دین کی وجہ سے؛اور کسی انسان [کے برا ہونے] کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ بخیل، بیہودہ گو اور فاحش ہو۔''

اس باب میں احادیث بہت زیادہ ہیں۔ جو دلالت کرتی ہیں کہ کسی ایک کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، نہ مال کی وجہ سے ؛ اور نہ ہی نسب کی وجہ سے، اور نہ ہی رنگ کی وجہ سے ؛ سوائے اللہ تعالیٰ کے لیے پرہیز گاری کرنے اور نیک اعمال بجالانے کے۔

ان آیات اور احادیث میں یہود اور روافض پر رد ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی خاص مخلوق ہیں۔اور اللہ نے ان کو باقی تمام لوگوں پر فضیلت دی ہے۔اور انہیں بہت سارے دنیاوی اور دینی احکام میں امتیازی حیثیت دی ہے؛ اور یہ شرف یہودیوں اور رافضیوں کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکا۔

جب اللہ کے ہاں لوگوں میں برتری کا معیار تقوی ہے،تو یہودی اور رافضی اللہ کے ہاں سب سے بدترین مخلوق ہیں۔اس لیے کہ لوگوں میں تقوی سے سب سے زیادہ دور یہی گروہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو روئے زمین کی سب سے بری مخلوق ہونے سے موصوف کیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللّهِ الَّذِينَ كَفَرُواْ فَهُمْ لاَ يُؤْمِنُونَ☆الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لاَ يَتَّقُونَ﴾

(الانفال: ۵۵۔۵۶)

''جانداروں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں سو وہ ایمان نہیں

❶ رواه الإمام أحمد في المسند ٤/ ١٥٨ـ وقال الألباني حديث صحيح ـ المصابيح ح: ٤٩١٠ـ

لاتے۔ جن لوگوں سے تم نے (صلح کا) عہد کیا ہے پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور (اللہ سے) نہیں ڈرتے۔''

یہ دونوں آیات یہودِ بنو قریظہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں، جو کہ خندق کے دن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کی تھی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ رسول اللہ ﷺ وعدہ کر چکے تھے کہ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے۔ (1)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان [یہود] کو سب سے بُرے چوپائے کی وصف سے موصوف کیا ہے۔ اور پھر آیت کے آخر میں ان سے تقوی کی نفی کی ہے۔

ان سے تقوی کی نفی کرنا ہی بہت مناسب ہے۔ اس لیے کہ انہیں سب سے برا چوپایا ہونے سے موصوف کیا گیا ہے؛ جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں برتری کا معیار تقوی ہے۔ ایسے ہی رافضی بھی اللہ کی سب سے بری مخلوق ہیں۔ اور یہودیوں سے بھی بدتر ہیں۔ اس کی تصدیق ان علماء نے کی ہے جن کو ان کی معرفت حاصل ہوئی ہے۔

امام شعبی رحمہ اللہ نے مالک بن مغول رحمہ اللہ سے کہا تھا:

''میں تمہیں گمراہ کرنے والی خواہشات سے ڈراتا ہوں، اور ان سب سے بری رافضیت ہے۔'' (2)

اور امام قحطانی رحمہ اللہ قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

''بے شک رافضی ان کنکروں سے بھی برے جنہیں انسان یا حیوان وجن اپنے پاؤں تلے روندتے ہیں۔'' (3)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بے شک وہ خواہش پرست فرقوں میں سب سے زیادہ برے ہیں۔'' (4)

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ کے دین کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ بے شک رافضی

---

(1) فتح القدير ٢/ ٣٢١۔

(2) العقد الفريد ٢/ ٢٤٩۔ شرح أصول اعتقاد أهل السنة ٤/ ١٤٦١۔ منهاج السنة ١/ ٢٣۔

(3) نونية القحطاني ص ٢١۔ (4) مجموع الفتاوى ٢٨/ ٤٨٢۔

یہودیوں اورعیسائیوں سے بڑھ کر اپنے دین سے دور ہیں۔''❶

اور رافضیوں نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ ان کے اسلاف انہیں یہود و نصاریٰ سے بدتر شمار کرتے ہیں۔ کلینی نے میسر سے روایت کیا ہے:

''میں ابوعبداللہ علیہ السلام پر داخل ہوا، تو انہوں نے پوچھا: تمہارے ساتھی کیسے ہیں؟ ۔ میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! ہم ان کے نزدیک یہود و نصاریٰ و مجوس اور مشرکین سے بھی بدتر ہیں......''❷

نعمت اللہ الجزائری - بارھویں صدی کا شیعہ عالم - کہتا ہے: یقیناً ہم نے دیکھا ہے کہ ہمارے مخالفین کی ایک جماعت کو دیکھا ہے کہ وہ ہم پر یہود و نصاریٰ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور جب ہم ان کے ساتھ سفر پر جاتے ہیں، تو وہ ہماری تفتیش کرتے ہیں؛ اور کفار کا مال تفتیش کے بغیر ایسے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔''❸

یہ رافضیوں کی گواہی خود اپنے نفس پر ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے ہاں یہود و نصاریٰ سے بدتر سمجھے جاتے تھے۔ اور اللہ کی قسم! سلف ہماری نسبت ان کو بہت زیادہ اور اچھی طرح جانتے تھے۔ اور ان کے اسلام کے مخالف عقائد کو بھی جانتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ انہیں اس منزلت پر نہ اتارتے [ان سے ایسا سلوک نہ کرتے]۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ رافضی اللہ کے ہاں اور مؤمنین کے ہاں سب سے بری مخلوق ہیں۔ چہ جائے کہ وہ تمام مخلوق سے افضل اور اللہ کے پیارے ہوں۔

عمومی طور پر یہودیوں اور رافضیوں کی اپنے نفس کی تقدیس اور باقی تمام مخلوق پر فضیلت کے دعوی کو باطل ثابت کرنے اور ان پر رد کرنے کے بعد؛ میں اب کچھ وہ آیات ذکر کروں گا جن سے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس گمان کو باطل کیا ہے [جس کے مطابق] ان کا دعوی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں امتیازی حیثیت دی ہے، اور لوگوں سے ہٹ کر انہیں بعض امور میں انہیں خاص کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب اور اس کے پسندیدہ ہونے کے اس یہودی افتراء اور دروغ گوئی پر رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

❶ مجموع الفتاوی ۲۸/ ۴۸۳۔ ❷ روضۃ الکافی ۲۸/ ۷۸۔

❸ الأنوار النعمانیۃ ۲/ ۴۷۔

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴾ (المائدہ: ۱۸)

''اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں کہو کہ پھر وہ تمہاری بد اعمالیوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟ (نہیں) بلکہ تم اُس کی مخلوقات میں (دوسروں کی طرح کے) انسان ہو وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ان کے اس قول پر رد کیا ہے اور فرمایا ہے:

﴿فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم﴾

''پھر وہ تمہاری بداعمالیوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے۔''

یہ دو وجوہ سے خالی نہیں ہے:

یا تو وہ کہیں گے کہ وہ ہمیں عذاب دیتا۔ اگر وہ تمہیں عذاب دیتا ہے تو پھر تم اس کے محبوب اور اس کے بیٹے نہیں ہو۔ اس لیے کہ محبّ اپنے حبیب کو عذاب نہیں دیتا۔ حالانکہ تم اس کے عذاب کا اقرار کرتے ہو؛ یہ تمہارے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔

یا تو پھر وہ کہیں گے: وہ ہمیں عذاب نہیں دیتا۔ تو اس وقت وہ اپنی کتابوں کی روایات اور اپنے رسولوں کی تعلیمات کو جھٹلائیں گے۔ اور گناہ کے کاموں کو مباح کہیں گے۔ حالانکہ وہ نافرمانوں کو عذاب دیے جانے کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور اپنی کتابوں کے احکام کا التزام کرتے ہیں۔''

پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دعویٰ کو اس عقلی دلیل سے باطل ثابت کیا؛ جس کے رد کی استطاعت ان میں نہیں ہے؛ پھر ان کے لیے حق بات بیان کی، فرمایا:

﴿بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ﴾

''بلکہ تم اُس کی مخلوقات میں (دوسروں کی طرح کے) انسان ہو وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے۔''

اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ بے شک وہ بشر ہیں، جیسے اللہ کی مخلوق میں باقی سارے بشر ہیں۔ اور ان کے لیے کوئی ایسی خاصیت نہیں ہے جو انہیں باقی تمام لوگوں سے ممتاز[جدا] کر دے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کی مغفرت کر دے گا، اور اگر چاہے گا تو انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دے گا۔

باقی رہ گیا یہودیوں اور رافضیوں کا یہ دعوی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو روحوں کو اپنی روح سے اور اپنی عظمت کے نور سے پیدا کیا ہے۔ اس دعوی کے باطل ہونے پر کئی آیات دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنتُم بَشَرٌ تَنتَشِرُونَ﴾ (الروم: ۲۰)

''اور اس کی نشانیوں میں ہے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر تم بشر بن کر پھیل رہے ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجاً﴾ (الفاطر: ۱۱)

''اور اللہ ہی نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر تم کو جوڑا جوڑا بنا دیا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلاً ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخاً وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّى مِن قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلاً مُّسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (الغافر: ٦٧)

''وہی تو ہے جس نے تم کو (پہلے) مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر لوتھڑا بنا کر پھر تم کو نکالتا ہے (کہ تم) بچے (ہوتے ہو) پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو پھر بوڑھے ہو جاتے ہو اور کوئی تو تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور تم (موت کے) وقت مقرر تک پہنچ جاتے ہو اور تاکہ تم سمجھو۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ وہ اصلی مادہ جس سے انسان پیدا کیا گیا ہے، وہ مٹی ہے۔ پھر انسانی تخلیق کے تدریجی مراحل بیان کیے۔ اور اللہ تعالیٰ- جو کہ اپنی مخلوق کے متعلق سب سے زیادہ اور بہتر جاننے والا ہے- نے کہیں پر بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ بشر میں سے کسی ایک کو اس مادہ کے علاوہ

کسی اور چیز سے پیدا کیا ہے۔سو اس آیتِ کریمہ نے یہودی اور رافضی دعووں کو باطل ثابت کر دیا؛ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں باقی مخلوق سے امتیازی حیثیت میں پیدا کیا یعنی ان کی روحوں کو اپنی روح سے پیدا کیا؛ یا اپنی عظمت کے نور سے پیدا کیا ہے۔

یہودیوں کا یہ دعوی کا وہ اللہ کے ولی اور دوست ہیں،اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ان پر رد کیا ہے،اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ☆وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَداً بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ﴾ (الجمعه: ٦-٧)

''کہہ دو کہ اے یہود! اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو اور اَور لوگ نہیں تو اگر تم سچے ہو تو (ذرا) موت کی آرزو تو کرو۔اور یہ ان (اعمال) کے سبب جو کر چکے ہیں ہرگز اس کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔''

اس آیت میں یہودیوں اور رافضیوں میں سے ہر ایک پر رد ہے؛ اور جو کوئی بھی ایسا دعوی کرتا ہے۔ سو جس کا خیال ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے، پس اسے چاہیے کہ وہ موت کی تمنا کرے۔اس لیے کہ اولیاء اللہ تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق رکھتے ہیں،اس لیے کہ وہ جانتے ہیں جو کچھ ثواب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کر رکھا ہے، جو ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہے جو انہوں نے اپنے آگے بھیجے ہیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ کبھی بھی ہرگز موت کی تمنا نہیں کر سکتے؛اور اس کا سبب وہ گناہ اور برائیاں ہیں جن کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے۔

ایسے ہی ہر کوئی جو کہ اللہ کے ولی ہونے کا دعوی کرے وہ اس میں سچا نہیں ہو سکتا؛ اس لیے کہ وہ اپنے اعمال کے سبب موت کی تمنا ہرگز نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس خوش خیالی کے بارے خبر دی ہے؛ اور پھر اس پر رد کیا ہے جس کو جھٹلانے کی طاقت ان میں ہرگز نہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالُواْ لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّاماً مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللّٰهِ عَهْداً فَلَن يُخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ☆بَلَى مَن كَسَبَ سَيِّئَةً

وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيْئَتُهُ فَأُوْلَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُونَ ﴾

(البقرہ: ۸۰۔۸۱)

''اور کہتے ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی۔ ان سے پوچھو کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے اقرار لے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا (نہیں) بلکہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں مطلق علم ہی نہیں ہے۔ ہاں جو بُرے کام کرے اور اس کے گناہ (ہر طرف سے) اس کو گھیر لیں تو ایسے لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسا مطالبہ کیا ہے جو ان کے اس باطل دعوے کی بنیادیں ڈھاتا ہے جس کے دلائل کی کوئی سند ہی نہیں ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات کا عہد دیا ہے۔ اور کیا اس پر انہوں نے کوئی میثاق کیا ہوا ہے۔ اگر ان کے باس کوئی چیز ہے تو چاہیے کہ اسے پیش کریں۔ اور اگر ان کے پاس کوئی چیز نہیں ہے- اور ہر گز نہیں ہوسکتی- تو پھر وہ اللہ تعالیٰ پر باتیں بنانے والے اور اپنی طرف سے جھوٹ گھڑنے والے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ حساب اور اعمال کا بدلہ چکانے کے لیے ایک ربانی اور عادل قاعدہ بیان کرتے ہیں؛ جس سے کوئی امت یا کوئی خاص گروہ باہر نہیں ہوسکتا؛ اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ:

''ہر وہ انسان جو برائی کرے گا اس پر اس کا مؤاخذہ ہوگا؛ اگر وہ توبہ نہ کرے، اور نیک اعمال نہ کرے۔'' [1]

رہا یہودیوں کا گمان جنت کو اپنے لیے مخصوص کرنے کا؛ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اور عیسائیوں کے بارے میں حکایت نقل کی ہے؛ اور ان پر رد کیا ہے جس سے ان کے اس بودے دعوی کا باطل ہونا ثابت ہوگا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالُواْ لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُوداً أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُواْ بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِيْنَ ☆بَلَى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

[1] الشخصية اليهودية من خلال القرآن ص: ۱۳۷۔

فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾

(البقرہ: ۱۱۱۔۱۱۲)

''اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے خیالاتِ باطلہ ہیں (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ ہاں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان لے آئے) اور وہ نیکو کار بھی ہو تو اُس کا صلہ اُس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔''

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یہودی کہتے تھے جن میں ہر گز کوئی داخل نہیں سوائے یہودی کے۔ اور عیسائی کہتے تھے: جنت میں عیسائیوں کے علاوہ کوئی بھی ہر گز داخل نہیں ہوسکتا۔ جب اس کلام کا معنی مخاطبین کے لیے معلوم شدہ تھا؛ تو ان دونوں گروہ کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ایک ہی جگہ پر ان کے بارے میں بیان کر دیا۔''[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاری کے اس دعوی پر رد کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک جنت کو اپنی ذات تک ہی محدود کرتا تھا۔ اور یہ واضح کیا کہ یہ دعوے فقط خیالی سپنے ہیں۔ اگر وہ اپنے دعوی میں سچے ہیں تو اس پر کوئی دلیل اور برھان لے کر آئیں جو وہ کہتے ہیں۔ لیکن وہ ایسے کہاں کر سکتے ہیں؟

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی صفات بیان کیں؛ اور وہ: ہر وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو، اور وہ بھلائی کے کام کرنے والا ہو۔

بے شک جنت کسی ایک کے لیے خاص یا محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ انسان جو اللہ وحدہ لا شریک کے لیے اخلاص کے ساتھ عمل کرے؛ اور اس کے رسولوں کی پیروی کرے؛ وہ اہل جنت میں سے ہے۔

ان آیات میں مخاطب اگرچہ یہودی ہیں، لیکن یہ رافضیوں پر بھی حجت ہیں۔ اور ہر اس انسان پر حجت ہیں جو یہودیوں کے دعوؤں جیسے باطل دعوے کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان فاسد عقائد کو باطل ثابت کیا، اور ان کی بنیادیں ہی ڈھا دیں؛ اس لیے کہ یہ فقط یہودیوں کا دعوی ہی نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی

[1] تفسیر الطبری ۱/ ۳۹۱۔

شریعت اور اس کے اس دین کے مخالف بھی ہے جس کی بنیادیں عدل وانصاف پر کھڑی ہیں۔ نہ کہ تعصب اور جنس کی عنصریت پر۔ پس جو کوئی بھی اس طرح کا دعوی کرے گا اس کا حکم یہودیوں کا حکم ہے؛ اس میں کوئی فرق نہیں۔ اس لیے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہے، نہ کہ خصوص سبب کا۔ جیسا کہ اصول کی کتابوں میں طے شدہ ہے۔

اس طرح ہم نے یہودی اور رافضی ہر دو عقائد پر رد کیا ہے جس میں ان کی اپنے ذات کے تقدیس اور برتری کے دعوے ہیں۔ اور اس پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے دوٹوک اور قطعی دلائل پیش کیے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ کے لیے ہی سب تعریف ہے جس نے یہ توفیق بخشی۔ والحمد لله۔

❀❀❀❀

باب چہارم:

یہوداور روافض کا اپنے مخالفین کے متعلق موقف

یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول: یہود و روافض کی غیروں کی تکفیر اور ان کے مال وخون کا حلال جاننا
فصل دوم: یہود و روافض کا اپنے علاوہ سب کو حقیر جاننا
فصل سوم: اپنے مخالفین کے ساتھ یہودی نفاق اور رافضی تقیہ

فصل اوّل :

یہود و روافض کی غیروں کی تکفیر
اور ان کے مال و خون کا مباح جاننا

یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث:...... یہود کی غیروں کی تکفیر اور ان کے مال و خون کا مباح جاننا۔
دوسری بحث:...... روافض کی غیروں کی تکفیر اور ان کے مال و خون کا مباح جاننا
تیسری بحث:...... یہود و روافض کی غیروں کی تکفیر اور ان کے مال و خون کے مباح جاننے میں وجوہِ مشابہت
چوتھی بحث:...... یہود و روافض کی غیروں کی تکفیر اور ان کے مال و خون کا مباح جاننے پر رد

پہلی بحث :...... یہود کی غیروں کی تکفیر اوران کے مال وخون کا مباح جاننا

یہودی لوگوں کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں :

یہود اور امیین۔ امیین ہر وہ آدمی ہے جو یہودی نہ ہو۔ ❶

یہودی اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ مومن صرف وہی ہیں۔ رہے امیین تو یہ ان کے نزدیک کافر اور بت پرست ہیں جو اللہ عزوجل کو بالکل نہیں جانتے۔ تلمود میں آیا ہے :

''یہودیوں کے علاوہ جتنی بھی امتیں ہیں [سب] بت پرست ہیں، حاخاموں کی تعلیمات اسی کے مطابق ہیں۔'' ❷

اور تلمود کی ایک دوسری عبارت [نص] میں ہے :

''عیسائی جو کہ یسوع کی گمراہیوں کی پیروی کرتے ہیں؛ وہ سارے [وثنی] بت پرست ہیں، اور ان کے ساتھ ایسے ہی سلوک کرنا لازم ہے جیسے باقی بت پرستوں کے ساتھ کیا جاتا ہے؛ اگرچہ ان کی تعلیمات کے مابین فرق بھی پایا جاتا ہے۔'' ❸

یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کے تکفیری [کفر کے] فتووں سے نہ بچ سکے۔ تلمود میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا گیا ہے : ''وہ کافر تھا، اللہ تعالیٰ کو نہ جانتا تھا۔'' ❹

اور تلمود میں ایک دوسرے مقام پر ہے :

''مسیح جادوگر اور بت پرست تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائی بھی اس کی طرح بت پرست ہوئے۔'' ❺

یہ ان کا اپنے ہر مخالف کے متعلق عقیدہ ہے کہ وہ کافر اور بت پرست ہیں۔ حتی کے اللہ تعالیٰ کے انبیاء؛ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید؛ اور صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت کے ساتھ

❶ د/ روهلنك : الكنز المرصود ص: ٤٢۔
❷ د/ روهلنك : الكنز المرصود ص: ١٠٠۔
❸ د/ روهلنك : الكنز المرصود ص: ١٠٠۔
❹ د/ روهلنك : الكنز المرصود ص: ٩٩۔
❺ د/ روهلنك : الكنز المرصود ص: ٩٩۔

مبعوث فرمایا، وہ بھی ان [یہودیوں] کے نزدیک کافر ہیں، اس لیے کہ وہ ان فاسد عقائد میں یہودیوں کی موافقت نہیں کرتے۔ یہودی اس بات کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے یہ مخالفین جہنم میں داخل ہوں گے ،اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔تلمود میں آیا ہے:

''بے شک جہنم آسمان سے ساٹھ بار بڑی ہے۔ اور یہ ایک ڈھکی جہنم ہے۔ اس میں سب سے آگے مسیح کے پیروکار ہوں گے۔ اس لیے کہ یہ لوگ اپنے آپ پر صلیب کا نشان بناتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو بہت زیادہ حرکت دیتے ہیں۔'' اور عیسائیوں کے بعد مسلمان آئیں گے۔ اس لیے کہ یہ اپنے ہاتھوں، پاؤں، رانوں اور شرم گاہوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں دھوتے۔ اور یہ تمام لوگ جن کا ہم نے تذکرہ کیا سارے جہنم میں جمع کیے جائیں، اور وہاں سے کبھی بھی نکل نہیں پائیں گے۔'' ❶

ایک دوسرے فرمان [نص] کے مطابق: ''نعیم [یعنی جنت] یہودیوں کی روحوں کا ٹھکانہ ہے۔ اور یہودیوں کے علاوہ کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جب کہ جہنم کافروں کا ٹھکانہ ہے، [جوکہ] مسلمانوں اور عیسائیوں میں سے ہیں۔ اور ان کے لیے اس میں رونے کے سوا کوئی بھی حصہ نہیں ہے؛ [اس لیے کہ اس] بدبو اور ندھیرا ہی ہے۔'' ❷

اس زندگی میں یہودیوں کا غیروں کے متعلق نظریہ:

یہودی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے علاوہ باقی لوگوں کی کوئی حرمت نہیں، ان کے تمام حقوق رائیگاں ہیں، ان کے خون؛ ان کے اموال، اور ان کی عزتیں یہودیوں کے لیے مباح ہیں۔ بلکہ اس کے بارے میں کئی احکام [نصوص] ان کے مقدس اسفار میں آئے ہیں۔ اور تلمود میں ترغیب دیتے ہوئے ہر اس انسان کے قتل پر ابھارا گیا ہے جو یہودی نہ ہو۔ اور اس کا مال ہتھیایا جائے، خواہ کسی بھی وسیلہ سے ممکن ہو۔

غیر یہودی کا خون مباح ہونے کے دلائل:

سفر تثنیہ میں قوم بنی اسرائیل کے نام اللہ تعالیٰ کی وصیتوں کے ضمن میں -یہودی گمان کے مطابق- آیا ہے:

---

❶ همجية التعاليم الصيهونية ص: ٥٥۔

❷ اسرائيل و تلمود ص: ٦٧۔

''جب تم کسی شہر سے جنگ کرنے کے لیے ان کے قریب ہوجاؤ؛ تو ان کو صلح کی دعوت دو۔ اگر وہ اس بات کو مان لیں ، اور شہر کے دروازے کھول دیں ؛ تمام وہاں پر موجود تمام لوگ تمہارے لیے مسخر ہیں ؛ اور انہیں تمہارے لیے غلام بنایا گیا ہے۔اور اگر وہ تمہارے سامنے ہتھیار نہ ڈالیں ، اور تم سے جنگ کریں ،تو ان کا محاصرہ کرلو ؛ اور جب تمہارا معبود رب انہیں تمہارے ہاتھ میں دے دے ؛ تو ان کے تمام مردوں کو تیز تلوار سے ماردو۔ رہے باقی عورتیں ، بچے ؛ چوپائے ؛ اور ہر وہ چیز جو کہ شہر میں موجود ہے ؛ اور اس کے تمام غنائم تم اپنی ذات کے لیے غنیمت بنالو۔ اور اپنے دشمن کا مال غنیمت کھاؤ جو تمہارے معبود رب نے تمہیں دیا ہے۔ اور ایسے ہی ان تمام شہروں کے ساتھ کرنا جو تم سے بہت زیادہ دور ہیں۔ جو ان لوگون کے شہروں سے نہیں ہیں۔ جب کہ ان لوگوں کے شہر جو تمہیں تمہارا معبود رب نصیب میں دے گا۔ اس میں ان میں سے کوئی جی سبقت نہیں لے گا[یعنی زندہ نہیں رہے گا ،سب کو قتل کیا جائے گا]'' ❶

ان کے اسفار انہیں ایسے تمام مردوں کے قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں ، اور ہر دور کے شہر سے عورتوں اور بچوں کو غلام بنانے کا ، جن شہروں کو یہ فتح کریں گے۔ جب کہ ان کے قریبی شہروں کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطاء کیے ہیں ؛ وہ اس میں ہر ایک کو قتل کریں گے ، کسی ایک جی کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

ایسے ہی تلمود بھی یہودیوں کے لیے ان کے مخالفین کو قتل کرنا ؛ اور ان کے خون کو مباح قرار دیتی ہے۔ تلمود کا ایک کاتب کہتا ہے :

''حتی کہ غیر یہودی کے افضل ترین انسان کو قتل کرنا بھی واجب ہے۔'' ❷

ایالکوٹ سیمونی (تلمود کا ایک عالم) کہتا ہے :

''ہر وہ شخص جو کہ غیر یہودی کا خون بہاتا ہے ؛ اس کا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں [ایسے ہی]مقبول ہے ، جیسے کہ اس کے لیے قربانی پیش کی جاتی ہے۔'' ❸

---

❶ اصحاح ۲۰؛ فقرات ۱۰-۱۷۔ ❷ فضح التلمود ص: ۱٤٦۔

❸ فضح التلمود ص: ۱٤٦۔

تلمود میں یہ بھی ہے: ''غیر یہودی کے نیک انسان کو بھی قتل کردو۔ اور یہودی پر حرام ہے کہ کوئی غیر یہودی ہلاکت سے بچائے۔ یا اس گڑھے سے نکالے جس میں وہ گر پڑا ہے۔ بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ پتھر ڈال کر اس گڑھے کو پاٹ دے۔'' ❶

آج کل کے معاصر یہودی بھی اس عقیدہ میں اپنے اسلاف کے ساتھ شریک ہیں۔ یہودی تعلیمات کے سپیشلسٹ جرمنی کا ڈاکٹر ''أریك بسکوف'' ایک یہودی کتاب المسمی ''ثیکوم زوهار'' کے متعلق کہتا ہے:

''بے شک دین کی حکمت اور اس کی وصیتوں میں سے اجنبیوں [غیر یہودی] کو قتل کرنا ہے وہ لوگ جن کے اور حیوانات کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ اس قتل کے لیے ضروری ہے کہ اسے شرعی طریقہ سے پورا کیا جائے۔ اور جو لوگ یہودی دین کی تعلیمات اور یہودی شریعت پر ایمان نہیں رکھتے؛ اپنے معبودِ اعظم کے ہاں ان کی قربانی پیش کرنا واجب ہے۔'' ❷

غیر یہودی [اجنبی] کو قتل کرنا مباح ہی نہیں، بلکہ یہودیوں کے نزدیک دینی واجب بھی ہے۔ اور ہر یہودی پر واجب ہے کہ ان میں سے جتنے بھی لوگوں پر قدرت پائے انہیں قتل کردے۔ جو ان کو قتل کرنا ترک کردے گا بے شک وہ حاخاموں کی تعلیمات اور یہودی شریعت کی مخالفت کرے گا۔

میماوند؛ تلمود کا ایک کاتب، کہتا ہے:

''بت پرست پر شفقت کرنا ممنوع ہے۔ جب تم اسے دیکھو کہ نہر میں گر گیا ہے، یا اسے کوئی خطرہ درپیش ہے، تو تم پر حرام ہے کہ اسے وہاں سے بچاؤ۔ اس لیے کہ سات قومیں ❸ جو کہ کنعان کی سرزمین پر تھیں، جن کو قتل کرنا یہودیوں سے مطلوب تھا۔ جن کو ان کے سب لوگوں

---

❶ اسرائیل و التلمود ص: ۷۲۔ الکنز المرصود ص: ۸٤۔

❷ خطر الیهودیة العالمیة علی الإسلام والمسیحیة ۷۲۔ استاذ عبداللہ ٹل نے جرمن ڈاکٹر کے کلام سے بہت سارے ٹکڑے [قطعات] انگریزی اور عربی دونوں زبانوں میں پیش کیے ہیں۔ جن میں یہودیوں کے علاوہ باقی تمام اجناس کے لوگوں کو ختم کرنے کے کئی منصوبے [پلاننگ] درج ہیں۔ میری نظر میں یہ تحقیق ان اہم ترین وثائق [ثبوت] میں سے ہے جو آج کے معاصر یہودی کے تلمودی عقائد سے منسلک ہونے کی تائید کرتے ہیں۔

❸ کاتب ان سات قوموں کی طرف اشارہ کر رہا ہے جن کا ذکر تورات میں آیا ہے۔ اور جن کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ حکم سفر تثنیہ کی اصحاح ے کے فقرات

کو قتل نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان میں سے بعض بھاگ گئے۔ اور روئے ارض پر باقی امتوں میں گھل مل گئے۔ اس وجہ سے اجنبی کو قتل کرنا لازم ہے۔ اس لیے کہ یہ احتمال ہے کہ یہ بھی ان ہی سات قوموں کی نسل میں سے ہو۔ پس یہودی پر واجب ہے کہ جس پر بھی قدرت پائے اسے قتل کر ڈالے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو شریعت کی مخالفت کرے گا۔'' ❶

اور جو کوئی اجنبیوں میں سے کسی ایک کو قتل کرے گا: بے شک وہ یہودی دین میں بہت بڑی فضیلت پائے گا، اور وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے ہمیشہ ہمیشہ کی جنت الفردوس بدلہ میں دی جائے۔ تلمود میں آیا ہے:

''جو کوئی کسی عیسائی کو قتل کرے، یا غیر یہودی کو یا بت پرست کو [قتل کرے]؛ اسے ہمیشہ کی جنت الفردوس بدلہ میں دی جائے گی۔'' ❷

جرمن ڈاکٹر اریک بسکوف کتاب: '' ٹیکوم زوھار '' کے بارے میں یہ بھی کہتا ہے:

''تلمود میں ہے: '' ہمارے ہاں دو خونی پروگرام ہوتے ہیں، جو ہمارے رب کو راضی کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک عید الفطر ہے جو انسانی خون میں رنگی ہوتی ہے۔ اور دوسرا ہمارے بچوں کے ختنہ کا موقع۔'' ❸

۱-۳ میں یوں آیا ہے: ''اور جب تمہارا معبود رب تمہیں اس سرزمین پر لے آئے جس میں تم داخل ہونے والے ہو، تاکہ تم اسے اپنی ملکیت بناؤ؛ اور وہاں رہنے والی بہت ساری قوموں کو اپنے سامنے سے نکال دو؛ حثیین، جرجاشین، اموریین، کنعانیین؛ فرزیین؛ حوبین؛ اور یبوسیین سات قومیں، جو تم سے زیادہ اور تم سے بڑی ہیں۔ انہیں تمہارے معبود رب نے تمہارے سامنے پیش کیا ہے اور تم نے انہیں مارا ہے، بے شک تم انہیں محروم کرو گے۔ ان کے ساتھ کوئی عہد نہ کرنا؛ اور نہ ہی ان پر کوئی شفقت کرنا۔

یہ وہ احکام ہیں جو یہودیوں کی پرانی اور جدید کتابوں میں وارد ہوئے ہیں؛ جن کی نصوص ان غیروں کے خون کو مباح جاننے پر ہی دلالت نہیں کرتیں، بلکہ ان کے اس اعتقاد پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ غیر یہودی کا خون بہانا اہم ترین واجبات اور افضل ترین قربات [نیکی کے اعمال] میں سے ہے؛ جس کا انجام

---

❶ الكنز المرصود ص: ٨٥۔ ❷ المصدر السابق ص: ٨٦۔

❸ خطر اليهودية العالمية على الإسلام و المسيحية ص: ٨٠۔

دینے والا بدلے کے طور پر ہمیشہ ہمیشہ کی جنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔

رہا مخالفین [غیر یہودیوں] کے اموال کو مباح سمجھنا؛ تو اس پر بھی ان کے مقدس اسفار اور کتاب تلمود کی بہت ساری نصوص دلالت کرتی ہیں۔ سفر خروج میں آیا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے انہیں مصر سے نکلنے سے پہلے حکم دیا تھا کہ وہ مصریوں کے زیورات چھین لیں۔ اس حکم کی عبارت [نص] یوں ہے:

''میں مصریوں کی نظروں میں اس قوم کو نعمت دوں گا۔ پھر ایسے ہوگا جب تم جاؤ گے، تو ایسے ہی خالی ہاتھ نہیں جاؤ گے، بلکہ ہر عورت اپنی پڑوسن سے، اور اپنے گھر میں آئی ہوئی مہمان سے چاندی کا سامان؛ اور سونے کا سامان [زیور] اور کپڑے مانگے گی؛ جنہیں تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں پر لادو گے؛ اور مصریوں سے چھین لو گے۔''❶

جب کہ تلمود میں یوں آیا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو باقی امتوں کے خون اور مال پر مسلط کردیا ہے۔''❷

اور تلمود میں یہ بھی آیا ہے:

''انسانوں -یعنی یہودیوں- کی چوری کرنا جائز نہیں ہے۔ رہے یہودی دین سے باہر کے لوگ تو ان کی چوری کرنا جائز ہے۔''❸

ایک دوسری جگہ پر یوں آیا ہے:

''غیر یہودی کی زندگی بھی یہودی کی ملکیت ہے، تو پھر اس کے مال کا کیا ہے۔''❹

تلمود یہودیوں کو منع کرتی ہے کہ جو مال کسی یہودی کے ہاتھ لگ جائے وہ اس کے حقدار کو واپس کیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرے گا [یعنی مال واپس کرے گا] وہ اپنے اس فعل کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ ان کے ایک درویش [حبر] سے روایت میں آیا ہے:

''جو کوئی غیر یہودی کو اس کا گمشدہ مال واپس کرے گا اللہ تعالیٰ کبھی بھی اس کی مغفرت نہیں کرے گا۔''❺

---

❶ اصحاح ٣؛ فقرات ٢١-٢٢۔
❷ الکنز المرصود، ص: ٧٢۔
❸ المصدر السابق ص: ٧٣۔
❹ اسرائيل و تلمود ص: ٧٢۔
❺ همجية التعاليم الصيهونية ص: ٨٢۔

اور ایک دوسرے مقام پر یہ حکم آیا ہے:

''تمہارے لیے ممنوع ہے کہ غیر یہودی کا گمشدہ مال اسے واپس کردو، اگر تم نے پالیا ہو۔'' ❶

[غیر یہودی سے سود]:

ایسے ہی سود یہودیوں کے مابین (آپس میں) تو حرام ہے۔ مگر غیر یہودی کو سودی قرض دینا جائز ہے۔ اس لیے ان کا خیال ہے کہ یہ اجنبی لوگوں سے مال واپس لینے کے وسائل میں سے ایک وسیلہ [ذریعہ] ہے؛ وہ مال جو کہ اصل میں ان ہی کی ملکیت ہے۔- جیسے کہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے-۔

سفر تثنیہ میں آیا ہے:

''اپنے بھائی کو سود پر قرض مت دو۔ خواہ سود مال میں ہو یا کھانے [پینے کی چیزوں] میں۔ یا کسی ایسی چیز میں سود ہو جو سود پر قرض دی جاتی ہو۔ غیر یہودی کو سود پر قرض دیدو۔ مگر اپنے بھائی کو سود پر قرض مت دو۔'' ❷

اور تلمود میں یوں آیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں ذمی [غیر یہودی] سے سود لینے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ کہ ہم اسے کوئی بھی چیز اس شرط کے بغیر قرض پر نہ دیں۔ اس کے بغیر ہم اس کی مدد کرنے والے ہوں گے۔ حالانکہ ہم پر واجب اس کو تکلیف دینا ہے۔'' ❸

اور تلمود میں یہ بھی آیا ہے:

''یہودی کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ غیر یہودی کو سود کے بغیر قرض دے۔'' ❹

یہ وہ بنیادی امور ہیں جن تعلیم یہودی علماء عام یہودیوں کو دیتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام لوگوں کے اموال مباح ہیں۔ اصل میں وہ یہودیوں کی ملکیت ہیں، اور ان کا کسی بھی وسیلہ سے واپس لینا جائز ہے، خواہ یہ وسیلہ دھوکہ بازی؛ چوری؛ سودخوری [کچھ بھی] ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں اس یہودی عقیدہ کے بارے میں خبر دی ہے؛ [فرمان الٰہی ہے]:

---

❶ همجية التعاليم الصيهونية ص: ۸۲۔
❷ اصحاح ۲۳ ،فقرات ۱۹-۲۰۔
❸ الكنز المرصود ص: ۸۰۔
❹ سابق مرجع۔

﴿وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِماً ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُواْ لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾

(آل عمران: ۷۵)

''اور اہل کتاب میں سے کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اُس کے پاس (روپوں کا) ڈھیر رکھ دو تو تم کو (فوراً) واپس دے دے اور کوئی اس طرح کا ہے کہ اگر اُس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو جب تک اُس کے سر پر ہر وقت کھڑے نہ رہو تمہیں دے ہی نہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ امیوں کے بارے میں ہم سے مواخذہ نہیں ہوگا، یہ اللہ پر محض جھوٹ بولتے ہیں اور (اس بات کو) جانتے بھی ہیں۔''

یہودیوں کے غیروں کے مال کو مباح جاننے کے موضوع سے ایک اور موضوع کی طرف آتے ہیں، جو بہت ہی اہم اور بہت ہی خطرناک ہے ؛ اور وہ موضوع ہے : '' مخالفین کی عزت و آبرو کو مباح جاننا۔'' سو ان کے مخالفین کی عزت و آبرو کی ان کے ہاں بالکل کوئی حرمت نہیں ہے۔ ان کے ہاں غیر یہودی عورت سے زنا کرنا مباح ہے۔ اور اس کے لیے بڑی غریب اور اچھوتی علتیں پیش کرتے ہیں۔ تلمود میں آیا ہے:

''یہودی اگر کسی غیر یہودی عورت کی عزت پر ڈاکہ ڈالے گا تو وہ خطا کار نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ غیر یہودی کے ہاں تمام نکاح فاسد ہیں۔ اور اس لیے کہ غیر یہودی عورت چوپایہ [جانور] شمار ہوتی ہے، اور جانوروں کے درمیان نکاح نہیں ہوتا۔''[1]

ایک دوسری نص میں ہے:

''یہودی کو حق حاصل ہے کہ وہ غیر یہودی عورت کو غصب کرے ، [یعنی اس کی عزت لوٹے]''[2]

اور ایک دوسری نص میں ہے:

---

[1] اسرائیل و تلمود ص: ۷۵۔

[2] المرجع السابق۔

''غیر یہودی کے ساتھ زنا کرنا، خواہ وہ عورت ہو یا مرد؛ اس پر کوئی عقاب نہیں ہے۔ اس لیے کہ غیر یہودی حیوانوں کی نسل سے ہیں۔'' ❶

اس طرح یہودی لوگوں کی عزت و آبرو پر ڈاکہ ڈالنا اپنے لیے مباح سمجھتے ہیں۔ پھر اس کے لیے ایسی باطل اور بودی علت پیش کرتے ہیں جس کو نہ ہی عقل مانتی ہے اور نہ ہی شریعت۔

جب کہ غیر یہودی عورت سے یہودی کا شادی کرنا ان کی شریعت میں حرام ہے۔ اور جو کوئی غیر یہودی عورت سے شادی کرے گا بے شک وہ گنہگار ہوگا، اور یہودی تعلیمات کا مخالف ہوگا۔ سفر خروج میں ممانعت آئی ہے کہ ان سات قوموں کی کسی عورت سے شادی کی جائے جن کے بارے میں یہودی گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان دور کر دیا؛ اور انہیں ان قوموں کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے:

''یاد رکھو آج میں تمہیں وصیت کرتا ہوں، میں تمہارے آگے سے دھتکارنے والا ہوں اموریین، کنعانیین؛ حثیین، جرجاشیین، فرزیین؛ حویین؛ اور یبوسیین [ان سب کو]؛ بچ کر رہو کہ انہیں زمین پر بسنے والوں کے ساتھ کوئی عہد و پیمان دو۔ پس وہ اپنے معبودوں کے ماوراء زنا کرتے ہیں، اور اپنے معبودوں کے لیے ذبح کرتے ہیں۔ سو تم انہیں بلاؤ، اور ان کا ذبیحہ کھاؤ، اور ان کی بیٹیاں اپنے بیٹوں کے لیے لے لو۔'' ❷

اور سفر تثنیہ میں ہے:

''انہیں کوئی عہد و پیمان نہ دینا؛ اور ان پر کوئی شفقت نہ کرنا، اور نہ ہی ان کے ساتھ سسرالی رشتہ قائم کرنا۔'' ❸

اور سفر عزراء میں ہے:

یہوذا اور بنیامین کے تمام مرد و یروشلم میں جمع ہوئے۔ تو عزراء کاھن کھڑا ہوا اور ان سے کہا:

''بے شک تم نے داماد کے تعلقات قائم کیے؛ اور اجنبی عورتوں سے شادیاں کیں، تا کہ تم بنی اسرائیل کے گناہ اور زیادہ کرو۔ اب تم اپنے آباء کے معبود رب کے سامنے [اپنے گناہ کا] اقرار کرو؛ اور اس کی رضامندی کے کام کرو، اس سرزمین کی قوم سے جدا ہو جاؤ؛ اور اجنبی

---

❶ اسرائیل و تلمود ص: ۷٦۔ ❷ اصحاح ۳٤، فقرات ۱۱-۱٦۔

❸ اصحاح ۷؛ فقرات ۲-۳۔

عورتوں سے بھی۔''❶

یہ نصوص یہودیوں کے بیمار نفوس میں باقی اقوام کے خلاف بھری ہوئی حسد وبغض کی انتہاء پر دلالت کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس وجہ سے وہ شریعت کے مبادیات اور اخلاقی تعلیمات سے بھی کھلواڑ کرنے لگے؛ اور اب انہوں نے اپنے ایمان کو ایسی چیزوں تک ہی محدود کر دیا ہے۔ اور اپنے مقرر کردہ مبادیات اخلاق جیسے: زنا؛ غدر؛ چوری؛ وغیرہ پر ہی عمل کرتے ہیں، جن کا یہودیوں کے مابین کرنا حرام ہے؛ مگر جب یہی امور یہودیوں کے علاوہ باقی اقوام سے متعلق ہوتے ہیں، تو ان کا انجام دینا یہودیوں کے لیے نہ صرف حلال ہوجاتا ہے، بلکہ وہ ایسے اعمال سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرتے ہیں۔

دوسری بحث:......روافض کی غیروں کی تکفیر اوران کے مال وخون کا مباح جاننا

رافضی/ شیعہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ بے شک مؤمن صرف وہی ہیں؛ اوران کے علاوہ جتنے بھی مسلمان ہیں وہ کافر اور مرتد ہیں، اسلام میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

رافضیوں کے مسلمانوں کو کافر کہنے کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے ولایت کو نہیں مانا۔ جس کے بارے میں رافضی اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ پس ہر وہ انسان جو ولایت کو نہ مانے وہ رافضیوں کے نزدیک کافر ہے؛ وہ اس آدمی کی طرح ہے جس نے شہادتین کا ہی اقرار نہ کیا ہو۔ یا نماز کا تارک ہو۔ بلکہ ان کے نزدیک ولایت باقی تمام ارکان اسلام پر مقدم ہے۔

اور رافضی ولایت سے مراد حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ اوران کے بعد آئمہ کی ولایت کو لیتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک یہ ولایت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی یہاں تک کہ آئمہ کی شان میں غلو کرتے ہوئے انہیں ربوبیت کی منزلت پر فائز کر دیا جائے؛ اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے برأت کا اظہار نہ کرلیا جائے؛ اور یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ یہ سب کفار اور مرتد ہیں سوائے کچھ تھوڑے لوگوں کے۔ اور جو کوئی صحابہ سے برأت کا اظہار نہ کرے، خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے کے خلفائے راشدین سے؛ تو اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس ولایت کو نہیں مانا جو رافضیوں کے ہاں اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔

❶ اصحاح ۱۰؛ فقرات ۹-۱۱۔

جب باقی تمام اسلامی فرقے رافضیوں کے ساتھ اس عقیدہ میں موافقت نہیں رکھتے تھے تو انہوں نے ان تمام فرقوں کے کافر ہونے کا فتویٰ لگا دیا۔ اور انہیں اسلام سے خارج قرار دیا؛ اور ان کے مال اور خون کو مباح قرار دیا۔

یہ وہ سبب ہے جس کی وجہ سے رافضی مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں؛ ان کے رب العالمین میں عدم شراکت کی وجہ سے، اور نبی کریم ﷺ کے افضل ترین صحابہ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین؛ اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن سے اظہار برأت نہ کرنے کی وجہ سے۔

پس کون سی گمراہی اس گمراہی سے بڑھ کر ہوگی اور کون سی رسوائی اس رسوائی سے زیادہ ہوگی۔ رافضیوں کے عام مسلمانوں کو کافر کہنے پر بہت سی روایات دلالت کرتی ہیں جو ان کی اہم ترین اور ثقہ کتابوں میں وارد ہوئی ہیں۔ برقی نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے: بے شک انہوں نے کہا ہے:

> ''ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر کوئی ایک بھی نہیں ہے سوائے ہمارے اور ہمارے شیعہ کے؛ باقی تمام لوگ اس سے بری ہیں۔'' [1]

اور تفسیر قمی میں ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت ہے:

> ''ملت اسلام پر ہمارے علاوہ اور شیعہ کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ ہم نے اپنے نبی کو کمر بند سے پکڑ رکھا ہے، اور نبی نے اپنے رب کو کمر بند سے پکڑ رکھا ہے، اور ہمارے شیعوں نے ہمیں کمر بند سے پکڑ رکھا ہے؛ اور جو ہم سے جدا ہوا وہ ہلاک ہوگیا۔ اور جس نے ہماری اتباع کی وہ نجات پا گیا۔ اور ہم سے جدا ہونے والا، اور ہماری ولایت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ اور ہمارا پیروکار اور ہمارے اولیاء کا پیروکار مؤمن ہے۔'' [2]

اور حضرت علی بن حسین [رضی اللہ عنہ] سے روایت ہے، آپ نے فرمایا:

> ''ہمارے علاوہ اور ہمارے شیعہ کے علاوہ کوئی بھی فطرتِ اسلام پر نہیں ہے، باقی تمام لوگ اس سے بری ہیں۔'' [3]

کلینی نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے؛ بے شک آپ نے اپنے بعض پیروکاروں سے کہا:

---

[1] المحاسن ص: ۱٤۷۔ [2] تفسیر القمی ۲/ ۱۰٤۔
[3] الإختصاص ص: ۱۰۷۔

'' آگاہ ہوجاؤ! اللہ کی قسم تم ہی حق پر ہو۔ اور بے شک جو کوئی تمہاری مخالفت کرے وہ حق پر نہیں ہے۔'' ❶

اور حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے:

''ہاں اللہ کی قسم! میرے پاس بہت سارے صحیفے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوران کے اہل بیت نے علیحدہ کیے تھے۔ اور بے شک ان میں ایک صحیفہ ہے جس کا نام ہے ''عبیطہ'' اس سے سخت عربوں کے بارے کیں کچھ بھی وارد نہیں ہوا؛ بے شک اس میں عربوں کے ساٹھ متکبر قبیلے [درج] ہیں؛ جن کا اللہ کے دین میں کوئی بھی حصہ نہیں ہے۔'' ❷

ایسے رافضی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں؛ اور اسلام کو اپنی ذات تک خاص کرتے ہیں۔ اور اس بارے میں اہلِ بیت پر وہ جھوٹ بولتے ہیں جس سے وہ بری ہیں۔ پھر جب ان لوگوں نے مسلمانوں پر کفر کا فتوی لگایا تو ان کے ساتھ وہی کفار والا معاملہ کیا۔ پس یہ لوگ مسلمانوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے؛ اس لیے کہ ان کا اعتقاد ہے کہ یہ لوگ مشرک ہیں۔ تفسیر عیاشی میں حمران سے مروی ہے: وہ کہتا ہے: میں ابوعبداللہ علیہ السلام کو یہودی اور ناصبی کے ذبیحہ کے بارے میں کہتے ہوئے سنا:

''اس کا ذبیحہ نہیں کھانا یہاں تک کہ تم سن لو وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کر رہا ہے۔'' ❸

ایسے ہی رافضی اہل سنت کے ساتھ نکاح کو بھی جائز نہیں سمجھتے۔ کافی میں فضیل بن یسار سے منقول ہے؛ اس نے کہا ہے: میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے ناصبیوں سے نکاح کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے کہا: ''نہیں؛ اللہ کی قسم! یہ حلال نہیں ہے۔'' ❹

اور اسی میں عبداللہ بن سنان سے مروی ہے وہ ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کرتا ہے؛ کہا:

''میرے باپ نے سوال کیا، اور میں سن رہا؛ اس نے یہودی اور عیسائی عورت سے نکاح کے بارے میں پوچھا: تو انہوں نے کہا: ''میرے نزدیک اس [یہودی یا نصرانی عورت] سے نکاح ناصبی سے نکاح کی نسبت زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور میں مسلمان مرد کے لیے پسند کرتا ہوں کہ وہ

---

❶ روضة الكافي ٨/ ١٤٥۔ المحاسن ص: ١٤٦۔

❷ بصائر الدرجات ص: ١٦٩۔ بحار الأنوار ٢٦/ ٣٧۔

❸ تفسير العياشي ١/ ٣٧٥۔ ❹ فروع الكافي: ٥/ ٣٥٠۔

یہودی یا عیسائی عورت سے نکاح نہ کریں، اس خوف سے کہ کہیں اس کی اولاد کو یہودی یا عیسائی نہ بنادے۔''❶

اور استبصار میں ہے،فضیل بن یسار نے ابوجعفر سے روایت کیا ہے۔کہا: ''نصّاب [ناصبیوں] کا ذکر کیا گیا،تو آپ نے کہا: ''ان سے نکاح بھی نہیں کرنا،اور نہ ہی ان کا ذبیحہ کھانا،اور نہ ہی ان کے ساتھ رہائش رکھنا۔''❷

محاسن نفسانیہ میں ابوعبداللہ سے مروی ہے،انہوں نے اپنے بعض خراسانی ساتھیوں سے کہا:

''تم اپنے شہر والوں سے ہاتھ ملاتے ہو، اور ان کے ساتھ نکاح کرتے ہو؟ آگاہ ہوجاؤ! جب تم ان سے ہاتھ ملاؤ گے تو اس کی رسیوں میں سے ایک رسی ٹوٹ جائے گی۔اور جب تم نے ان سے نکاح کیا تو تمہارے اور اللہ کے درمیان حائل پردہ چاک ہوجائے گا۔''❸

خمینی اپنی کتاب ''تحریر الوسیلہ'' میں صراحت کے ساتھ اہل سنت کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کرتے ہوئے کہتا ہے:

''کسی مؤمنہ [شیعیۃ] کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے ناصبی مرد سے نکاح کرے جو اعلانیہ اہل بیت کا دشمن ہو۔ اور نہ ہی غالی [سے] جو کہ ان کی نبوت اور الوہیت کا اعتقاد رکھنے والا ہو،اور ایسے ہی مؤمن کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ناصبی عورت سے نکاح کرے؛ اور نہ ہی غالیہ سے۔اس لیے کہ یہ دونوں کفار کے حکم میں ہیں اگر چہ وہ اسلام کی راہ پر چلتے ہوں۔''❹

پرانے اور نئے ہر دور کے رافضی علماء اہل سنت والجماعت کے ساتھ نکاح حرام ہونے پر متفق ہیں۔ جس پر ان کی معتبر روایات اور سابقہ اقوال دلالت کرتے ہیں۔ رہا وراثت کا مسئلہ؛ وہ اس بات کو جائز نہیں کہتے کہ کوئی سنی شیعہ کا وارث بنے۔ جب کہ شیعہ سنی کی وراثت حاصل کرسکتا ہے۔خمینی کہتا ہے:

''مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے،اگر چہ وہ اصول،مذاہب اور عقائد

---

❶فروع الکافی ٥/ ٣٥١۔ ❷الاستبصار للطوسی ٣/ ١٨٤۔

❸المحاسن النفسانیة ازحسین بن محمد آل عصفور ص: ١٥٥-١٥٦۔

❹ تحریر الوسیلة ٢/ ٢٦٠۔

میں اختلاف ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔ ان میں سے حق پر قائم کو اور باطل والے کی وراثت ملے گی۔ اوراس کے عکس بھی ہوگا۔ اور مبطل، مبطل سے وراثت پائے گا۔ ہاں وہ غالی جن پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے، اور خوارج اور نواصب؛ اور جو کوئی ضروریات دین میں سے کسی ایک ضرورت کا انکار کرے؛ اور اس کے ساتھ ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہو، اور اس کے لازم کو اپنے آپ پر لازم کرتا ہو۔ ان کا حکم کفار کا ہے۔ مسلمان ان کی وراثت پائے گا اور وہ مسلمان کی وراثت نہیں پائیں گے۔'' ❶

رہا مسئلہ نماز کا؛ سو وہ اہل سنت کے پیچھے نماز کو جائز نہیں سمجھتے۔ اوران کا عقیدہ ہے کہ اہل سنت کے پیچھے نماز باطل ہے، سوائے اس کے کہ مدارت اور تقیہ کرتے ہوئے پڑھ لی جائے۔

محاسن نفسانیہ میں فضیل بن یسار سے روایت ہے؛ وہ کہتا ہے: میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے ناصبیوں سے نکاح اوران کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے کہا:

''نہ ان سے نکاح کرنا، اور نہ ہی ان کے پیچھے نماز پڑھنا۔'' ❷

اور کتاب ''من لا یحضرہ الفقیہ'' میں ہے: ابوجعفر سے روایت ہے آپ سے پوچھا گیا:

''ایک آدمی امیر المؤمنین سے محبت کرتا ہے، اوران کے دشمنوں سے برأت کا اظہار نہیں کرتا اور کہتا ہے: وہ مجھے ان بڑھ کر محبوب ہے جوان کے مخالف ہیں؟ آپ نے کہا:

''یہ خلط ملط کرنے والا ہے؛ اور وہ دشمن ہے؛ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا، خواہ عزت کے طور پر ہی کیوں نہ ہو، سوائے اس کے کہ تقیہ کرتے ہوئے پڑھ لو۔'' ❸

رافضیوں کا یہ نظریہ عام مسلمانوں کے متعلق بالعموم اور بالخصوص اہل سنت والجماعت کے متعلق ہے؛ جن سے دشمنی اور عداوت میں رافضی حد سے بڑھے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ ان پر کفر کے فتوے لگائے؛ اور انہیں بالکل ہی اسلام سے خارج کر دیا۔ اوران کے ساتھ معاملات کے احکام ایسے ہی مقرر کیے جو کفار کے ساتھ معاملات کے احکام ہیں۔ اس لیے رافضی نہ ہی اہل سنت والجماعت کا ذبیحہ کھاتے ہیں۔ اور نہ ہی ان سے نکاح کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں وراثت دیتے ہیں۔ اور نہ ہی ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔

---

❶ المرجع السابق ۲/ ۳۳۳۔ ❷ المحاسن النفسانية ص؛ ۱٦۱۔

❸ من لا يحضره الفقيه ۱/ ۲٦٥۔

جیسا کہ ان کی ثقہ کتابوں میں وارد ہونے والی سابقہ روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

[شیعہ کی ناصبی سے مراد]:

اس سے پہلے کہ میں رافضیوں کے مسلمانوں کا خون اور مال حلال جاننے کے بیان کی طرف رخ کروں، ہمارے لیے بہت ہی ضروری ہے کہ رافضیوں کے ہاں کلمہ ''ناصبی۔'' کے مختصر سے معانی بیان کر دیے جائیں۔

کلمہ ''ناصبی۔'' یا نواصب۔'' ان القابات اور رموز میں سے ہے جو رمز اہل سنت کے لیے اس وقت استعمال کرتے ہیں جب ان پر طعن کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ان کا یہودیوں کا اقتداء کرنا ہے جو اپنے تمام مخالفین کو ''امیین۔'' کے رمز سے لقب دیتے ہیں۔ ان کے بعض معاصر قلم کاروں نے اہل سنت کو اس کلمہ کا معنی اس مذکورہ معنی کے خلاف سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اور [کہا ہے کہ] ان کی کتابوں میں نواصب سے مراد ''خوارج۔'' ہیں۔ جیسے کہ اہل سنت بھی اس مذہب پر ''خوارج۔'' کا ہی اطلاق کرتے ہیں۔

یہ ان قلم کاروں اور کاتبین کی طرف سے اہل سنت کے ساتھ صرف اور منافقت اور تقیہ کر کے دھوکہ دینے کی کوشش ہے۔ ورنہ جو کوئی ان کی اہم ترین کتابیں پڑھے گا وہ یقینی طور پر جان لے گا کہ نواصب سے مراد اہل سنت ہی کو لیتے ہیں، کوئی اور نہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ ان کے بڑے محقق علماء کے ایک مجموعہ نے اپنی کتابوں میں کلمہ ''نواصب۔'' کے اطلاق کی تحقیق کی ہے، اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ اس سے مراد اہل سنت ہیں۔ حسین درازی کہتا ہے:

> ''ناصب۔'' کی تحقیق میں بہت زیادہ قیل و قال کیا گیا ہے، اور یہ میدان بہت ہی وسیع ہے، اور اس میں کئی اقوال پیش کیے جا سکتے ہیں۔ رہا اس کلمہ کا معنی جس پر کہ اخبار دلالت کرتی ہیں - جو کہ ہم نے پہلے پیش کی ہیں - [یعنی] حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ باقی لوگوں کو مقدم جاننا ہے۔ جیسا کہ ابن ادریس نے کتاب ''مستطرفات السرائر۔'' میں کتاب ''مسائل الرجال۔'' سے سند کے ساتھ محمد بن علی بن موسیٰ سے نقل کیا ہے، اس نے کہا ہے:
>
> ''میں ان کی طرف یعنی علی بن محمد علیہ السلام کی طرف ناصبیوں کے بارے میں لکھا کہ کیا اس کے امتحان کے لیے جبت اور طاغوت [مراد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو لیتے ہیں] کو افضلیت دینے اور ان کی امام ہونے کے اعتقاد سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت ہے؟ انہوں نے جواب

میں لکھا: جس کا یہ اعتقاد ہو، وہ ناصبی ہے۔''

اور راوندی نے شرح نہج البلاغہ میں نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے آپ ﷺ سے آپ کے بعد ناصبیوں کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: ''جو علی رضی اللہ عنہ پر کسی دوسرے کو مقدم جانے۔'' ...... یہاں تک کہ وہ کہتا ہے: بلکہ آئمہ علیہم السلام سے روایات پکار کر کہتی ہیں کہ ناصبی وہ ہے جسے ان کے ہاں ''سنی۔'' کہا جاتا ہے۔''[1]

اس کی تائید نعمت اللہ الجزائری کا کلام بھی کرتا ہے جسے الأنوار النعمانیہ میں ذکر کیا ہے:

''رہے ناصبی، اور ان کے احوال اور ان کے احکام دو چیزوں کے بیان سے پورے ہوں گے:

اول: اخبار میں وارد ناصبی کے معنی کا بیان: یہ کہ ناصبی پلید ہے اور یہودی، نصرانی، اور مجوسی سے بھی برا ہے۔ اور بے شک باتفاق/ اجماع علماء امامیہ وہ [ناصبی] کافر پلید ہے۔

جس قول کو اکثر لوگوں نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ نصب سے مراد آل بیت محمد صلی اللہ علیہ و سلم سے عداوت رکھنا؛ اور ان سے بغض کا اظہار کرنا ہے۔ جیسا کہ خوارج میں اور بعض ماوراء النہر [کے لوگوں] میں موجود ہے۔ اور طہارت ونجاست، اور کفر وایمان اور ناصبی کے ساتھ نکاح کے جائز ہونے یا نہ ہونے کے ابواب میں ان کے احکام مرتب کیے ہیں۔

[نیز وہ کہتا ہے] ہمارے شیخ شہیدِ ثانی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں بعض عجیب اخبار معلوم کی ہیں۔ اور [پھر نتیجہ میں] یہ قول اختیار کیا ہے کہ ناصبی وہ ہے جو اہل بیت علیہم السلام کے شیعہ سے عداوت رکھے؛ اور انہیں کھلم کھلا برا بھلا کہے۔ جیسا کہ اس زمانے میں ہر جگہ پر ہمارے اکثر مخالفین کا حال ہے۔ اس بنا پر ناصبیت سے کوئی بھی خارج نہیں ہوسکتا، سوائے ان کے کمزور لوگوں کے، اور مقلدین اور بیوقوفوں اور عورتوں اور اس طرح کے لوگوں کے۔

یہی معنی زیادہ راجح ہے، اور اس پر ''العلل والشرائع'' میں صدوق رحمہ اللہ کی نقل کردہ وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے قوی سند کے ساتھ صادق علیہ السلام سے روایت کیا گیا ہے؛ فرمایا:

''ناصبی وہ نہیں ہے جو ہم اہل بیت سے دشمنی رکھے؛ اس لیے کہ آپ کسی آدمی کو یہ کہتا نہیں پائیں گے کہ میں محمد ﷺ اور آل محمد سے بغض رکھتا ہوں۔ لیکن ناصبی وہ ہے جو تم لوگوں

[1] المحاسن النفسانية في أجوبة المسائل الخراسانية ص: ١٤٥-١٤٧۔

سے دشمنی رکھے، اور وہ جانتا ہو کہ تم ہم سے دوستی رکھتے ہو؛ اور ہمارے شیعہ میں سے ہو۔''❶

اور اس معنی میں اخبار [روایات] بہت زیادہ ہیں۔

اور ناصبیوں کی علامت یہ روایت کی گئی ہے کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کسی دوسرے کو مقدم سمجھنا۔'' اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ آئمہ علیہم السلام اور خواص لفظِ ناصبی کا اطلاق ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان جیسے لوگوں پر کرتے ہیں۔ حالانکہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اہل بیت سے کوئی دشمنی نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ آپ ان سے محبت کا اظہار کرتے تھے۔ اور ان کی طرف مائل رہتے تھے۔ ہاں رائے میں ان کی مخالفت کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یوں کہا ہے؛ اور میں ایسے کہتا ہوں۔''

اور یہاں سے سید مرتضی اور ابن ادریس اور ہمارے بعض معاصر مشائخ کے اپنے تمام مخالفین کے نجس ہونے کے قول کو تقویت ملتی ہے؛ اس طرف دیکھتے ہوئے کہ کتاب وسنت میں ان پر کفر وشرک کا اطلاق کیا گیا۔ اپنے اطلاق کے اعتبار سے یہ لفظ ان لوگوں کو شامل ہے۔ اس لیے کہ بے شک تحقیق سے [ثابت ہوتا ہے کہ] اس معنی کے اعتبار سے ان میں سے اکثر ناصبی ہیں۔''❷

یہ ان کے علماء کے اقوال ہیں جن میں کھل کر کہا گیا ہے کہ ناصبی سے مراد ان کے نزدیک اہل سنت ہیں۔ اور الدرازی نے صراحت کے ساتھ کہا ہے:

''ناصبی وہ ہیں جنہیں ان کے ہاں سنی کہا جاتا ہے۔''

اور اس لیے کہ ''ناصبی وہ جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو تقدیم دیں، اور ان کے امام ہونے کا اعتقاد رکھیں۔ جیسے نعمت اللہ الجزائری نے صراحت سے کہا ہے کہ: ناصبی وہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کسی دوسرے کو مقدم سمجھے۔''

وہ اپنے اس قول پر آئمہ معصومین سے کئی روایات نقل کرتا ہے جن سے اس کے مذہب کی تائید کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک صدوق کی روایت ہے، جو اس بات پر منصوص ہے کہ ناصبی وہ ہے جو شیعہ سے دشمنی رکھے؛ نہ کہ اہل بیت سے۔ اور وہ اپنے قول پر اس [مقولہ] سے بھی گواہی پیش کرتا ہے کہ ناصبیوں

---

❶ معاني الأخبار ص: ٣٦٥۔ عقاب الأعمال ص: ٢٤٧۔ بحار الأنوار ٢٧/ ٢٣٣۔
❷ الأنوار النعمانية ٢/ ٣٠٦-٣٠٧۔

سے ان کے ہاں مقصود سنی ہیں اس لیے کہ ان کے علماء حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر ناصبی [لقب] کا اطلاق کرتے ہیں۔''

ایسے ان سے لفظِ ناصبی کا اطلاق حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر بھی منقول ہے۔ نویں صدی ہجری کا مشہور شیعہ عالم نباطی امام اُحمد بن حنبل کے بارے میں یوں کہتا ہے:

''پستان بیچنے والی کی اولاد جاہل، بہت بڑا ناصبی تھا۔''[1]

اس نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ عبارت ''کشی۔'' سے نقل کر رہا ہے۔

اس سے واضح ہوگیا ہے کہ نواصب سے ان کے علماء اور متقدمین آئمہ کے ہاں مراد اہل سنت والجماعت ہیں۔ جب کہ معاصرین بھی اس معنی میں ان کے موافق ہیں۔ خمینی اپنی کتابوں میں خوارج اور نواصب کے درمیان فرق بیان کرتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے

نزدیک خوارج ایک علیحدہ قوم ہیں اور نواصب ایک علیحدہ قوم ہیں۔ خمینی تحریرالوسیلہ میں وراثت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے- یہ عبارت ہم پہلے ہی نقل کر چکے ہیں۔

''اور خوارج اور نواصب وہ ہیں جو ضروریات دین میں سے کسی ایک ضرورت کا انکار کریں۔''[2]

اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے:

''اور خوارج اور نواصب ان پر اللہ کی لعنت ہو، یہ دونوں پلید ہیں، بغیر کسی توقف کے۔''[3]

اتنی بحث سے رافضیوں کے ہاں کلمہ ''نواصب۔'' کا حقیقی معنی واضح ہوگیا ہے۔ کہ نواصب سے ان کے ہاں مقصود اہل سنت والجماعت ہیں۔ جس پر ان کی قدیم وجدید کتابوں کی نصوص دلالت کرتی ہیں۔ جب کہ رافضیوں کا ان کے خون اور مال کو مباح جاننے کا موقف/عقیدہ [واضح ہے کہ] وہ مسلمانوں کے خون اور مال کو مباح جانتے ہیں؛ خاص کر اہل سنت والجماعت کا خون اور مال۔ بلکہ ان کی کتابوں میں ایسی روایات موجود ہیں جن میں اہل سنت والجماعت جہاں کہیں بھی پائے جائیں؛ ان کو قتل کرنے اور ان کا مال ہتھیا لینے کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔

---

[1] الصراط المستقیم إلی مستحقی التقدیم ۳/ ۲۲۳۔
[2] تحریر الوسیلہ ۲/ ۳۳۳۔
[3] تحریر الوسیلہ ۱/ ۱۰۷۔

مجلسی نے بحار الأنوار میں اپنی سند سے ابن فرقد سے روایت کیا ہے: وہ کہتا ہے:

''میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے کہا: ''ناصبی کو قتل کرنے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ''اس کا خون حلال ہے؛ [اور اس کا قتل کرنا] تیرے لیے تقوی کا باعث ہے۔ اگر تو اس بات پر قدرت رکھے کہ اس پر دیوار گرادے، یا اسے پانی میں غرق کردے تاکہ کوئی تجھ پر گواہی نہ دے، تو ایسا کر گزر۔ میں نے کہا: اس کے مال کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے: ''جب بھی اس پر قدرت پائے اسے اٹھالے/ یا ختم کردے۔'' [1]

یہ روایات اہل سنت و الجماعت کا خون اور مال مباح ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ بلکہ ان کو ایسے طریقہ سے قتل کرنے کی رہنمائی کی گئی ہے کہ قاتل پر قتل کا الزام یا ثبوت باقی نہ رہے؛ یا ان پر دیوار گرادی جائے، یا پھر انہیں پانی میں غرق کردیا جائے؛ جیسے کہ یہودیوں کا اپنے مخالفین کے ساتھ طریقہء کار ہے۔

نعمت اللہ الجزائری اہل سنت والجماعت کو قتل کرنے کے جواز اور ان کا مال مباح ہونے کی صراحت کرتا ہے؛ اور اپنے علماء کے نزدیک ناصبی کا معنی مقصود بیان کرنے کے بعد کہتا ہے:

''دوم: ان کو قتل کرنے کے جواز اور ان کا مال مباح ہونے کے بیان میں: یقیناً میں نے جانا ہے کہ ہمارے اکثر علماء نے ابواب طہارات اور نجاسات میں ناصبی کا وہ خاص معنی بیان کیا ہے۔ اور ان کے ہاں اس کا حکم یہ ہے: ''وہ اپنے اکثر احکام میں حربی کافر کی طرح ہے۔ اور جو ہم نے اس کی تفسیر بیان کی ہے، تو اس کا حکم شامل/ عام ہوگا، جیسا کہ معلوم ہے۔ اور پھر شیخ الطائفہ -نور اللہ مرقدہ [بنیران جہنم] نے ''کتاب التہذیب۔'' کے باب ''الخمس و الغنائم۔'' میں صحیح سند سے صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا ہے:

''ناصبی کا مال جہاں کہیں بھی پاؤ، اسے لے لو، اور اس کا خمس ہمارے پاس بھیج دو۔''

ابن ادریس نے کہا ہے: ''ان دونوں حدیثوں میں ناصبی کا معنی پیش جنگ (اہل حرب) کا ہے۔ اس لیے کہ یہ مسلمانوں پر جنگ مسلط کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو کسی مسلمان کا، یا کسی ذمی کا مال لینا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔''

اس معاملہ میں غور وفکر کے لیے بڑا وسیع میدان ہے: پہلی بات یہ ہے: ناصبی کا اطلاق حقیقت

[1] بحار الأنوار ۲۷/ ۲۳۱۔

میں غیرِ اہل حرب پر ہونے لگا ہے۔ اور اگر یہی مراد ہوتے تو زیادہ بہتر ہوتا کہ تقیہ کے الفاظ میں ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن امام علیہ السلام کا ارادہ یہ تھا کہ حکمِ واقعی کو بیان کریں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ [امام کا] یہ کہنا: ''کسی مسلمان یا ذمی کا مال لینا جائز نہیں ہے، یہ بات تو یکی/مسلّمہ ہے۔ مگر ان کا اسلام کہاں ہے؟۔ انہوں نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو چھوڑ دیا، اللہ کی محکم کتاب میں جن کی محبت کا انہیں حکم دیا گیا تھا؛ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں:

﴿قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِيْ الْقُرْبَى﴾ (الشوری:۲۳)

''کہہ دو کہ میں اس کا تم سے صِلہ نہیں مانگتا مگر (تم کو) قرابت کی محبت۔''

پس ان لوگوں نے ایسی چیز کا انکار کیا جس کا دین میں ضروری ہونا معلوم شدہ ہے۔ رہا بعض روایات میں ان پر اسلام کا اطلاق؛ وہ تو صرف تشبیہ اور مجاز کی مثال ہے۔ اور تقیہ کا ایک پہلو ہے جو ایسے احکام سے مرتبط/منسلک ہوتا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے، الرشید کا وزیر علی بن یقطین اپنے مخالفین کی ایک جماعت کو قید خانے میں جمع کیا؛ وہ-علی ابن یقطین- خاص شیعوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے لڑکوں کو حکم دیا انہوں نے قیدیوں پر قید خانے کی چھت گرادی جس سے ساری قیدی مر گئے؛ جن کی تعداد پانچ سو کے قریب تھی۔ پھر اس نے ان کو خون سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا۔ تو اس نے ایک آدمی امام کاظم علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ تو انہوں نے اس کو اپنے جواب میں لکھا:

''اگر تو ان کو قتل کرنے سے پہلے میرے پاس آیا ہوتا؛ تو ان کے خون میں کچھ بھی تجھ پر نہ ہوتا، اور اس لیے کہ تو میرے پاس نہیں آیا، ان میں سے ہر آدمی کے بدلے جن کو تو نے قتل کیا ہے ایک مینڈھا کفارہ ادا کرو۔ اور مینڈھا ان سے بہتر ہے۔ پس ان کی اس گراں قدر دیت کو دیکھیے جو ان کے چھوٹے بھائی ''کتے۔'' کی دیت کے برابر بھی نہیں؛ اس لیے کہ کتے کی دیت بیس درہم ہے؛ اور نہ ہی ان کے بڑے بھائی؛ یعنی یہودی اور مجوسی کی دیت کے برابر ہے، اس لیے کہ ان کی دیت آٹھ سو درہم ہے؛ اور آخرت میں ان کا حال زیادہ برا اور گھناؤنا ہے۔''[1]

[1] الأنوار النعمانية ٢/ ٣٠٧-٣٠٨۔

رافضیوں کا اہل سنت و الجماعت کے متعلق یہ نظریہ ہے، جسے الجزائری نے تقیہ کا وہ پردہ چاک کرنے کے بعد پوری جرأت کے ساتھ نقل کیا ہے جس کی وجہ سے ان کے بہت سارے علماء ایسے کھل کر نہیں کہہ سکتے جیسے صراحت کے ساتھ اس نے کہا ہے۔

ورنہ یہ تو ان کا عقیدہ ہے، اور اہل سنت و الجماعت کے متعلق خصوصاً اور باقی مسلمانوں کے متعلق عموماً یہ نظریہ ہے۔ اوران کے مال اور خون کو مباح سمجھتے ہیں۔ اوران کا نظریہ ہے کہ ان کو قتل کرنا یہودی اور مجوسی کے قتل سے بھی کم ہے، بلکہ کتا مارنے سے بھی کم ہے۔ جیسا کہ حسد و بغض سے بھرے ہوئے اس رافضی نے واضح الفاظ میں کہا ہے۔ آج کے رافضی بھی اسی عقیدہ پر ہیں۔ ان کا معاصر امام اور حجت اللہ العظمی آیت اللہ خمینی اپنی کتاب تحریر الوسیلہ میں ''خمس۔'' کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے:

> ''اور زیادہ قوی یہ ہے کہ ناصبی کو ان سے غنیمت حاصل کرنے، اوراس سے خمس متعلق ہونے] کے احکام میں] اہل حرب سے ملایا جائے؛ بلکہ ظاہر [مذہب میں] اس کا مال لے لینے کا جواز ہے، جہاں بھی پایا جائے؛ اور جس طرح بھی ممکن ہو؛ اوراس سے خمس کے اخراج کا واجب ہونا ہے۔''[1]

یہ میاں خمینی ہے جو رافضیوں کو اہل سنت کا مال مباح ہونے کا اور جہاں بھی پایا جائے، اور جیسے بھی ممکن ہو، ہتھیا لینے کا فتوی دیتا ہے۔ اوراس کی اس بات کے ان کے معاصر علماء میں سے کسی ایک نے بھی رد نہیں کیا۔ جو اہل سنت و الجماعت کے متعلق ان کے امام خمینی کے کھلے لفظوں میں ذکر کردہ اس فتوی پر اجماع کی دلیل ہے۔ بس باقی علماء نے تقیہ پر عمل کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرلی؛ ورنہ حقیقت میں اس کے ہم نوا اور موافق ہیں۔

جیسے یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ مخالفین سے سود لینا جائز ہے، ایسے رافضیوں کا بھی عقیدہ ہے کہ ان کے مخالفین اہل ذمہ اور مسلمانوں سے سود لینا جائز ہے۔ ''کافی'' اور " من لا یحضره الفقیه "اور "الاستبصار" میں آیا ہے؛ جسے انہوں نے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے، کہ آپ نے فرمایا:

> ''ہمارے اور اہل حرب کے درمیان کوئی سود نہیں ہے، ہوان سے ایک درھم کے بدلے ہزار

[1] الأنوار النعمانية ٢/ ٣٠٧-٣٠٨۔

درھم لیں گے، ہم ان سے لیں گے،ان کونہیں دیں گے۔''❶

اور "من لا یحضرہ الفقیہ"میں صادق سے روایت ہے:

''مسلمان اور ذمی کے درمیان کوئی سود نہیں ہے۔اور نہ ہی عورت اور اس کے شوہر کے مابین کوئی سود ہے۔''❷

موسیٰ جاراللہ نے وافی سے اس کا قول نقل کیا ہے:

''شیعہ اور ذمی کے درمیان اور شیعہ اور ناصبی کے درمیان کوئی سود نہیں ہے۔''❸

پس رافضی اپنے ہر مخالف سے سود لینا جائز قرار دیتے ہیں، جیسے کہ ان کی روایات میں واضح احکام موجود ہیں۔ جہاں تک اہل سنت والجماعت کی آخرت کی زندگی کا تعلق ہے،تو رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مسلمانوں گروہوں میں سے جو کوئی بھی عقیدہ میں ان کی مخالفت کریں گے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔اور وہ خواہ جتنی بھی عبادت و ریاضت کرلیں؛انہیں قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے نجات نہیں دلا سکے گی۔صدوق نے "عقاب الأعمال " میں صادق سے روایت کیا ہے؛اس نے کہا ہے:

''ہم اہل بیت سے نصب [دشمنی] رکھنے والا ،اس پر کوئی حرج نہیں ہے کہ نماز پڑھے یا روزہ رکھے،زنا کرے یا چوری؛ بے شک وہ آگ میں ہوگا۔ بے شک وہ آگ میں ہوگا۔''❹

اور ابان بن تغلب سے روایت ہے ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا:''ہر ناصبی اگر چہ وہ عبادت و ریاضت ہی کیوں نہ کرے،مگر آخر کار اس کا انجام یہ آیت ہے:

﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۞ تَصْلَى نَاراً حَامِيَةً﴾ (الغاشیة: ۳۔۴)

''سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے۔دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔''

اور''محاسن''میں علی الخدمی سے روایت ہے؛ ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا:

''بے شک پڑوسی پڑوسی کی شفاعت کرے گا ،اور دوست دوست کی ؛ اور اگر اللہ کے مقرب فرشتے،انبیاء اور مرسلین ناصبی کی شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔''❺

---

❶ فروع الکافی ٥/ ١٤٧۔ من لا یحضرہ الفقیہ ٣/ ١٧٩۔ الاستبصار ٣/ ٧٠۔

❷ من لا یحضرہ الفقیہ ٣/ ١٨٠۔ ❸ الوشیعة في نقد عقائد الشیعة ص: ٥٧۔

❹ ثواب الأعمال و عقاب الأعمال ص: ٢١٥۔ بحار الأنوار ٢٧/ ٢٣٥۔

❺ المحاسن : ص: ١٨٤۔

یہ رافضیوں کا عقیدہ ہے۔ سوان کا اعتقاد ہے کہ اہل سنت والجماعت ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، اس سے نہیں نکالے جائیں گے۔ اور اگر ان کے بارے میں انبیاء، مرسلین اور ملائکہ مقربین بھی شفاعت کریں گے تو ان کی شفاعت ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ جنت میں داخل ہونا اعمال کے حساب پر نہیں ہوگا، پس شیعہ جنت میں ہی جائیں گے خواہ وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہوں۔ اور اہل سنت جہنم میں جائیں گے خواہ وہ نیکوکار ہی کیوں نہ ہوں۔

اس عقیدہ کی وضاحت اس روایت میں آئی ہے جو عیاشی نے اپنی تفسیر میں ابوعبداللہ سے نقل کی ہے؛ اس میں ہے:

''أمیرالمؤمنین علی علیہ السلام کے دشمن ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے؛ خواہ وہ اپنے ادیان میں عبادت، زہد اور ورع [تقوی] کے اعلی مقام پر کیوں نہ ہوں۔ اور علی علیہ السلام پر ایمان رکھنے والے ہمیشہ کے لیے جنت میں رہیں گے، اگر چہ وہ اپنے اعمال میں اس کا الٹ گنہگار ہی کیوں نہ ہوں۔''[1]

اور علی رضی اللہ عنہ کے دشمن ان کے نزدیک وہ تمام لوگ ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسی دوسرے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیں۔ اور جناب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی امامت کو سمجھیں۔ رافضی اس اعتبار سے اہل سنت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دشمن سمجھ کر ان پر ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کا حکم لگاتے ہیں۔

رافضی اپنے ان باطل دعووں میں سرکشی کرتے ہوئے اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ان کے اور ان کے آئمہ کے علاوہ باقی تمام لوگ جہنم میں جائیں گے۔ کافی میں روایت ہے ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا:

''اور ہمارے شیعہ کی روحیں ہماری مٹی سے پیدا کی گئیں؛ اور ان کے بدن اس [مٹی] کے نیچے خزانے میں رکھی ہوئی پوشیدہ مٹی سے پیدا کیے گئے۔ اور جس مٹی سے انہیں پیدا کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے کسی کا کوئی نصیب نہیں رکھا سوائے انبیاء کے۔ اس لیے صرف ہم اور وہ انسان بنے، اور باقی تمام بیوقوف لوگ آگ کے لیے ہیں، اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔''[2]

---

[1] تفسیر العیاشي ١/ ١٨٩۔

[2] أصول الکافی ١/ ٣٨٩۔

رافضیوں کا مسلمانوں کے متعلق یہ موقف ہے جس پر ان کے آئمہ معصومین کی روایات؛ قابل اعتبار محققین اور علماء کے اقوال دلالت کرتے ہیں؛ جو کہ ان کی صحیح اور ثقہ کتابوں میں وارد ہوئے ہیں۔ اگر بحث کے طویل ہوجانے کا خوف نہ ہوتا تو ان کی کتابوں میں وارد ان جیسی اور بہت زیادہ اور کثیر تعداد میں نصوص ذکر کرتا[لیکن بحث لمبی ہوجانے کے خوف سے ترک کررہا ہوں]۔

اور یقیناً میں نے یہاں پر جو نصوص ذکر کی ہیں ،وہ مسلمانوں کے بارے میں رافضی موقف کی وضاحت اوراس دین پر ان کے بہت بڑے خطرہ کو بیان کرنے کے لیے کافی ہیں۔

مسلمانوں پر رافضیوں کا خطرہ اگر یہود و نصاری اور باقی تمام اسلام دشمن ملحدین اور زندیقوں کے خطرے سے اگر بڑھ کر نہیں تو کسی بھی طرح یہ خطرہ ان کے خطرہ سے کم بھی نہیں۔ اور تاریخ اس پر گواہ ہے کہ ان لوگوں کی وجہ سے مسلمانوں کو جو ضرر پہنچا ہے۔ اور مسلمانوں پر ان رافضیوں کی وجہ سے جو مصائب کے پہاڑ ٹوٹے ہیں۔ اس کا سبب یا تو براہِ راست مسلمانوں سے جنگ تھا یا پھر مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اور وہ-یعنی رافضی-مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاری اور مشرکین کا ساتھ دیتے ہیں؛ یا منافقوں کی خصلت ہے۔''[1]

نیز آپ فرماتے ہیں:

''یہی لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف تا تاریوں کی مدد کی؛ ہاتھ اور زبان سے، ان کا ساتھ دیکر؛ اور ان سے دوستی کرکے اور اس کے علاوہ بھی جیسے ممکن ہوسکا۔ یہ سب ان کا عقیدہ مسلمانوں کے عقیدہ سے جدا ہونے کا سبب تھا۔ اسی وجہ سے کافروں کا بادشاہ ہلاکو خان ان کے بڑوں کو اہم عہدوں پر تعینات کرتا تھا۔''[2]

یہ موضوع اپنی جگہ پر بہت ہی طویل ہے ،جس کا احاطہ کئی جلدوں میں ہونا ناممکن ہے۔ مگر اگرچہ پوری تفصیل نہ سہی اشارہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

اندلس کے اندر اسلامی خلافت ختم کرنے کے لیے ان لوگوں نے یہودیوں اور عیسائیوں سے ساز باز

[1] مجموع الفتاوی ۲۸/ ۴۸۰۔
[2] مجموع الفتاوی ۲۸/ ۴۸۴۔

کر کے اسلامی حکومت کو کمزور کرتے کرتے ختم کر دیا۔

میسور [ہندوستان] میں شیر اسلام حضرت سلطان فتح علی ٹیپو شہید رحمہ اللہ کی اسلامی حکومت ختم کرنے کے لیے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اور عین گھمسان کی جنگ میں اس کے غدار شیعہ وزیر میرزا جعفر نے قلعہ کے دروازے کھول دیے۔ بنگال میں اسلامی حکومت ختم کرنے کے لیے میرزا صادق علی شیعہ وزیر نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔

دہلی میں بہادر شاہ ظفر رحمہ اللہ کی حکومت ختم کرنے کے لیے میرزا رجب بیگ نے قلعہ کے اندر غداری کرتے ہوئے انگریزوں کا ساتھ دیا اور بادشاہ کو گرفتار کروادیا۔

مختلف ادوار میں جب بھی اور جہاں بھی انہیں موقع ملا ہے انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اور مسلمان ملکوں میں بھی مسلمانوں کا قتل عام مچاتے رہے۔ خانہ کعبہ پر قبضہ، حجر اسود نکال کر لے جانا، اور اس حجر اسود کا بیس سال تک شیعوں کے ہاں؛ اور مصر کی فاطمی شیعہ حکومت کی طرف سے روضۂ رسول ﷺ آپ کے جسد مبارک کو نکال کر مصر لے جانے کی کوشش کرنا۔ ایرانی شیعوں کی مکہ مکرمہ میں ہنگامہ آرائی اور بیت اللہ میں، مکہ کی حرمت کو پامال کرتے ہوئے حجاج پر چھریاں چلانا، اور مدینہ منورہ میں ہنگامے کھڑے کرنا یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس پر ہر عقل مند اور باشعور انسان کو غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ اگر یہ لوگ کافر ملک میں رہتے ہوئے ہنگامہ وفساد نہیں کرتے، اور یہود ونصاری کے قتل سے گریز کرتے ہیں تو پھر مظلوم اہل سنت مسلمانوں کا کیا قصور ہے جو انہیں قتل کرتے ہیں؟ اور مسلمان حکومتوں نے ان پر کون سا ظلم کیا ہے کہ ان کے خلاف ہنگامہ آرائی کرتے ہیں اور انہیں ختم کرنے کی کوششیں کرتے ہیں؟

اصل بات تو یہ ہے کہ ان کا عقیدہ ہی مسلمانوں کو تکلیف دینے میں ثواب؛ اور ان کے مال وخون کے مباح ہونے کا ہے تو پھر کون سی چیز ان کی راہ میں حائل ہوسکتی ہے۔ مترجم۔

تیسری بحث:...... یہود و روافض کی غیروں کی تکفیر اور ان کا مال وخون کے مباح جاننے میں وجوہِ مشابہت

اس عقیدہ میں یہودیوں اور رافضیوں کے ہاں بہت بڑا اتفاق پایا جاتا ہے۔ یہودیوں اور رافضیوں

میں سے ہر ایک اپنے علاوہ باقی لوگوں پر کافر ہونے کا فتوی لگاتا ہے۔ اور ان کا مال اور خون حلال سمجھتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ان کے علاوہ باقی لوگوں کی کوئی حرمت نہیں ہے۔ جیسا کہ اس پر سابقہ نصوص دلالت کرتی ہیں جنہیں دو علیحدہ علیحدہ مباحث میں یہودیوں اور رافضیوں کے اہم ترین اور ثقہ مصادر سے نقل کرتے ہوئے بیان کر چکا ہوں۔

ان –یہود اور روافض– کے مابین اتفاق و اتحاد کو بذیل نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ یہودی اپنے تمام مخالفین کو کافر کہتے ہیں۔ اور ان کا عقیدہ ہے کہ وہ تمام بت پرست ہیں صحیح دین پر نہیں ہیں۔ تلمود میں آیا ہے:

''یہودیوں کے علاوہ جتنی بھی امتیں ہیں [سب] بت پرست ہیں، حاخاموں کی تعلیمات اسی کے مطابق ہیں۔''

اور رافضی بھی اپنے تمام مخالفین کو کافر کہتے ہیں۔ اور گمان کرتے ہیں کہ ان کے علاوہ کوئی بھی ملتِ اسلام پر نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے آئمہ سے روایت کیا ہے:

''ملت اسلام پر ہمارے علاوہ اور شیعہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے؛ باقی تمام لوگ اس سے بری ہیں۔''

۲۔ یہودی گمان کرتے ہیں کہ ان کے علاوہ باقی تمام لوگ جہنم میں جائیں گے، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں ہی رہیں گے۔ تلمود میں آیا ہے:

ایک دوسرے فرمان [نص] کے مطابق: ''نعیم [یعنی جنت] یہودیوں کی روحوں کا ٹھکانہ ہے۔ اور یہودیوں کے علاوہ کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جب کہ جہنم کافروں کا ٹھکانہ ہے، [جو کہ] مسلمانوں اور عیسائیوں میں سے ہیں۔ اور ان کے لیے اس میں رونے کے سوا کوئی بھی حصہ نہیں ہے؛ [اس لیے کہ اس] بدبو اور ندھیرا ہی ہے۔''

اور رافضی یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے علاوہ اور ان کے آئمہ کے علاوہ باقی تمام لوگ جہنم میں داخل ہوں گے۔ انہوں نے اپنے آئمہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں:

''–اس لیے– صرف ہم اور وہ [یعنی شیعہ] انسان بنے، اور باقی تمام بیوقوف لوگ آگ کے لیے ہیں، اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔''

۳۔ رافضیوں اور یہودیوں کا دین تعصب پر قائم ہے۔ یہود اور رافضہ میں سے ہر ایک ایک متعین گروہ کے متعلق دوٹوک کہتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ یہودی مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیے دوٹوک لفظوں میں کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اور رافضی دوٹوک لفظوں میں کہتے ہیں کہ: ''نواصب ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔''

یہ گواہی اعمال پر مبنی نہیں ہے، بلکہ تعصب، عنصریت اور نفس پرستی پر مبنی ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ رافضی حتمی طور پر یقین کے ساتھ ناصبیوں کے جہنم میں داخل ہونے کا کہتے ہیں اگرچہ وہ عبادت اور ریاضت ہی کیوں نہ کریں۔ وہ اپنے آئمہ سے روایت کرتے ہیں: بلا شک انہوں نے کہا ہے:

''ہر ناصبی اگر چہ وہ عبادت و ریاضت ہی کیوں نہ کرے، مگر آخر کار اس کا انجام یہ آیت ہے:

﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴾ (الغاشية: ۳)

''سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے۔''

ایسے ہی یہودی احکام بھی اعمال سے قطع نظر عنصریت پر مبنی ہیں۔ تلمود میں آیا ہے:

''غیر یہود کے نیکوکار لوگوں کو قتل کردو۔''

اللہ تعالیٰ نے اس بات کو باطل قرار دیا ہے کہ کسی خاص گروہ کے باقی لوگوں کو چھوڑ کر کوئی خاص امتیاز ایمان اور نیک اعمال کے بغیر ہو؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَالَّذِيْنَ هَادُواْ وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ (البقرة: ۶۲)

''جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست (یعنی کوئی شخص کسی قوم و مذہب کا ہو) جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان کے (اعمال کا) صلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) نہ ان کو کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔''

سو اللہ تعالیٰ گروہوں کو اور ان کے ناموں کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عملِ صالح کو

پیش نظر رکھا ہے، اور یہ بات یہودیوں اور رافضیوں کے عقیدہ کے خلاف ہے۔

۴۔ یہودیوں اور رافضیوں میں ہر ایک مسلمانوں کے متعلق دوٹوک لفظوں میں یقینی طور پر کہتا ہے کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔ ایسا یہودیوں اور رافضیوں کے درمیان مشترک صفت مسلمانوں کے خلاف بغض وحسد کی وجہ سے ہے۔

۵۔ یہودی اپنے مخالفین کا خون مباح سمجھتے ہیں۔تلمود میں آیا ہے:

''حتیٰ غیرِ یہود کے افضل ترین انسان کو بھی قتل کرنا واجب ہے۔''

اور رافضی اپنے مخالفین کا خون مباح قرار دیتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں آیا ہے: ابوعبداللہ علیہ السلام سے ناصبی کو قتل کرنے کے بارے میں پوچھا گیا؟ تو انہوں نے کہا:

''اس کا مال اور خون حلال ہے۔''

۶۔ یہودی اپنے مخالفین کو قتل کرنے کے لیے دھوکہ بازی؛ اور غدر وغیرہ کے حیلے استعمال کرتے ہیں۔ تلمود میں آیا ہے:

''اور یہودی پر حرام ہے کہ کوئی غیر یہودی ہلاکت سے بچائے۔ یا اس گڑھے سے نکالے جس میں وہ گر پڑا ہے۔ بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ پتھر ڈال کر اس گڑھے کو پاٹ دے۔''

ایسے ہی رافضی اپنے مخالف سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہی طریقے استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے روایت کیا ہے کہ ابوعبداللہ علیہ السلام سے ناصبی کو قتل کرنے کے بارے پوچھا گیا: تو انہوں نے کہا:

''اس کا خون حلال ہے؛ [اور اس کا قتل کرنا] تیرے لیے تقوی کا باعث ہے۔ اگر تو اس بات پر قدرت رکھے کہ اس پر دیوار گرادے، یا اسے پانی میں غرق کردے تا کہ کوئی تجھ پر گواہی نہ دے، تو ایسا کر گزر۔''

۷۔ یہودی اپنے مخالفین کے مال کو مباح سمجھتے ہیں۔ اور اپنے ماننے والوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ کسی بھی وسیلہ سے یہ مال حاصل کرلیں۔تلمود میں یوں آیا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو باقی امتوں کے خون اور مال پر مسلط کردیا ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر یہ حکم آیا ہے:

''تمہارے لیے ممنوع ہے کہ غیر یہودی کا گمشدہ مال اسے واپس کردو، اگر تم نے پالیا ہو۔''

ایسے ہی رافضی مسلمانوں کے مال کو مباح سمجھتے ہیں اور اپنے ماننے والوں کو یہ مال ہتھیا لینے کی ترغیب دیتے ہیں، جہاں بھی پایا جائے اور جس طریقہ سے بھی ممکن ہو۔ صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا ہے:

''ناصبی کا مال جہاں کہیں بھی پاؤ، اسے لے لو، اور اس کا خمس ہمارے پاس بھیج دو۔''

اور خمینی کہتا ہے:

''اور ظاہر [مذہب میں] اس کا مال لے لینے کا جواز ہے، جہاں بھی پایا جائے؛ اور جس طرح بھی ممکن ہو۔''

۸۔ یہودی آپس میں سود کے لین دین کو حرام قرار دیتے ہیں، اور اپنے لیے دوسروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں۔ سفر تثنیہ میں آیا ہے:

''غیر یہودی کے لیے جائز ہے کہ اسے سود پر قرض دو؛ مگر اپنے بھائی کو سود پر قرض مت دو۔''

ایسے ہی رافضی بھی آپس میں سود کے لین دین کو حرام سمجھتے ہیں اور اہل سنت اور اہل ذمہ سے سود لینے کو مباح کہتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں آیا ہے:

''نہ ہی شیعہ اور ذمی کے مابین اور نہ ہی شیعہ اور ناصبی کے مابین کوئی سود ہے۔''

۹۔ یہودی شریعت میں یہودی مرد کا غیر یہودی عورت سے شادی کرنا حرام ہے۔ اور جو کوئی غیر یہودی عورت سے شادی کرے گا بے شک وہ گنہگار ہوگا، اور یہودی تعلیمات کا مخالف ہوگا۔ سفر خروج میں آیا ہے: ''اور اس سے بچ کر رہو کہ زمین پر رہنے والوں کو کوئی عہد و پیمان دو، اور ان کی بیٹیاں اپنے بیٹوں کے لیے لے لو۔''

اور سفر تثنیہ میں ہے: ''انہیں کوئی عہد و پیمان نہ دینا؛ اور ان پر کوئی شفقت نہ کرنا، اور نہ ہی ان کے ساتھ سسرالی رشتہ قائم کرنا۔''

ایسے رافضی اپنے علاوہ باقی لوگوں کے ساتھ شادی کرنے کو حرام قرار دیتے ہے، اور خاص کر اہل سنت کے ساتھ۔ اور وہ خیال کرتے ہیں کہ جس نے ایسا کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کیا۔ ابو عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے:

''تم اپنے شہر والوں سے ہاتھ ملاتے ہو، اور ان کے ساتھ نکاح کرتے ہو؟ آگاہ ہو جاؤ!

جب تم ان سے ہاتھ ملاؤ گے تو اس کی رسیوں میں سے ایک رسی ٹوٹ جائے گی۔ اور جب تم نے ان سے نکاح کیا تو تمہارے اور اللہ کے درمیان حائل پردہ چاک ہوجائے گا۔''

ابوجعفر سے روایت ہے: بے شک ان سے ناصبیوں سے نکاح اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے کہا:

''نہ ان سے نکاح کرنا، اور نہ ہی ان کے پیچھے نماز پڑھنا۔''

اس عقیدہ میں یہودیوں اور رافضیوں کے مشابہت اور اتفاق کی یہ وجوہات ہیں۔ اوران دونوں کے درمیان بہت بڑی مشابہت ملاحظہ کی جاسکتی ہے، یہاں تک عبارتیں بھی آپس میں ملتی ہیں۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس کے بعد ہم یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ خالص یہودی عقیدہ ہے جو کہ یہودی اسفار اور کتاب تلمود سے رافضیوں میں منتقل ہوا ہے۔

پھر اس کے لیے آئمہ اہل بیت کی زبان پر جھوٹی روایات گھڑی گئیں۔ اور عبارت میں بہت تھوڑی سے اتنی ہی تبدیلی کی گئی جو رافضیوں کے اس عقیدہ کے مناسب تھی۔

چوتھی بحث: ......یہود و روافض کی غیروں کی تکفیر اوران کے مال وخون کا مباح جاننے پر رد

کتاب وسنت یہودیوں اور رافضیوں کے ایمان صرف ان کے ساتھ ہی خاص ہونے اور باقی اوران کے مخالفین کی تکفیر اوران کو کافر اور مرتد کہنے اور پھر ان کا خون اور مال حلال جاننے کے تمام دعوے باطل ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کے ان دعووں کے بارے میں قرآن میں خبر دی ہے؛ کہ ہدایت صرف ان کے ساتھ خاص ہے، اورحق ان کے دین کی پیروی کرنے میں ہے، فرمایا:

﴿ وَقَالُواْ كُونُواْ هُوداً أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُواْ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ☆قُولُواْ آمَنَّا بِاللّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالأسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ☆ فَإِنْ

آمَنُواْ بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَواْ وَّإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ (البقرہ: ۱۳۵۔۱۳۷)

''اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ آپ فرمادیں: (نہیں) بلکہ صحیح راہ پر ملتِ ابراہیم والے ہیں؛ جو ایک اللہ ہی کے عبادت گزار تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (مسلمانو) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر جو بھی ہماری طرف اتاری گئی ہے۔ اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اتاری گئی ہے۔ اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو عطا ہوئیں ؛ اور جو پیغمبروں علیہم السلام کو اُن کے رب کی طرف سے دیا گیا؛ (سب پر ایمان لائے) ؛ ہم اُن میں سے کسی کے درمیان کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (معبودِ واحد) کے فرمانبردار ہیں۔ تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یافتہ ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں تو وہ صریح مخالف ہیں اور عنقریب اُن سے اللہ آپ کو کفایت کرے گا؛ ور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ میں ہر ایک گروہ کے ہدایت صرف اپنے اپنے دین کی اتباع تک محدود کرنے کا دعویٰ ذکر کیا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان بودے دعووں پر رد کیا ہے؛ اور فرمایا ہے:

﴿قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

''آپ فرمادیں: (نہیں) بلکہ صحیح راہ پر ملتِ ابراہیم والے ہیں؛ جو ایک اللہ کے عبادت گزار تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

یعنی ہدایت تمہارے طریقہ کی پیروی کرنے میں نہیں ہے۔ بلکہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں ہے، جن کی صفت یہ تھی کہ آپ یکسو تھے-یعنی دین پر استقامت کے ساتھ چلتے تھے-اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ توحید کی جو دعوت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام لے کر آئے، اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پس جو کوئی ان انبیاء کرام علیہم السلام کی لائی ہوئی دعوت پر ایمان لے آیا اس نے ہدایت پالی۔ اور جس نے اعراض کیا اور منہ موڑ لیا، وہ گمراہ ہے ہدایت یافتہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو کسی خاص گروہ تک محدود نہیں کیا۔ بلکہ ان کے درمیان بغیر کسی تفریق کے،

رسولوں کی اتباع اور ان کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان لانے کو ہدایت کی راہ بنادیا ؛ اور جو کوئی اس پر چلا سو وہی ہدایت یافتہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَالَّذِيْنَ هَادُواْ وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (البقرۃ: ٦٢)

''جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست (یعنی کوئی شخص کسی قوم و مذہب کا ہو) جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان کے (اعمال کا) صلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) نہ ان کو کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان گروہوں میں سے کسی ایک گروہ کے ساتھ ایمان کو خاص اور محدود نہیں کیا۔ بلکہ اس بات کی خبر دی ہے کہ جو کوئی بھی ایمان لائے ، اور پھر اس کے بعد نیک عمل کرتا رہے۔ تو وہ ان مؤمنین میں سے ہوگا جن سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا ، اور وہ رنجیدہ بھی نہیں ہوں گے۔ ان دونوں آیتوں میں یہودیوں اور رافضیوں پر رد ہے جو اپنے تمام مخالفین پر کفر کا فتوی لگاتے ہیں۔ اور ایمان اور ہدایت کو اپنی ذات تک محدود سمجھتے ہیں۔ سو یہودی گمان کرتے ہیں کہ ان کے علاوہ باقی تمام لوگ کفار اور بت پرست ہیں۔ اور رافضی اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔

مسلمانوں کو کافر کہنا کبیرہ گناہوں میں سے بڑا اور قبیح گناہ ہے۔ بسا اوقات یہ خود ملت اسلام سے خارج کرنے والا کفر ہوتا ہے؛ اگر یہ بغیر کسی تاویل کے ہو، جیسا کہ صحیح البخاری میں روایت کردہ حدیث میں ثابت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب کوئی انسان اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے، تو وہ کسی ایک کے ساتھ واپس لوٹتا ہے۔''[1]

---

[1] صحیح البخاری ؛ کتاب الأدب ؛ باب من أکفر أخاہ بغیر تأویل ؛ ح: ٦١٠٣۔ دو میں سے کسی ایک ساتھ واپس لوٹنے سے مراد یہ ہے کہ: یا تو وہ انسان واقعی کافر ہوگا، اور اس کی بات حق اور وہ صواب ہوگی۔ اور یہ حق کے ساتھ لوٹے گا۔ یا پھر وہ مسلمان ہوگا، اور یہ بلا وجہ اور بغیر کسی تأویل کے اسے کافر کہہ رہا ہے تو اس صورت میں یہ خود کافر ہوجائے گا اور کفر کے ساتھ واپس لوٹے گا۔

مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب کوئی انسان اپنے بھائی پر کفر کا فتوی لگاتا ہے، تو وہ کسی ایک کے ساتھ واپس لوٹتا ہے۔''❶

یہ تو اس کی سزا ہے جو مسلمانوں میں سے کسی ایک آدمی کو کافر کہے۔ تو اس آدمی کا کیا حال ہوگا جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور سوائے چند ایک کے باقی سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور اکثر امہات المؤمنین کو کافر کہے۔ اور اس امت کے سابقہ سلفِ صالحین کو کافر کہے اور اس کا یہ عقیدہ ہو کہ یہ سلف صالحین یہود و نصاری اور مجوس و مشرکین سے بڑے کافر تھے۔ تو پھر اس میں کوئی شک نہیں رہتا ہے کہ جو ان لوگوں کو کافر کہتا ہے، اس کا یہ کافر کہنا ہی خود اس کے سب سے بڑے کافر ہونے کی دلیل ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب الصارم المسلول کے آخر میں صحابہ کرام کو گالی دینے کے حکم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور جس نے یہ سمجھ کر جائز سمجھا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد سوائے چند ایک لوگوں کے؛ جن کی تعداد دس سے کچھ زیادہ نہیں بنتی؛ باقی سارے صحابہ مرتد ہوگئے تھے، یا ان کے عام لوگ فسق کرنے لگ گئے تھے۔ ایسے [کہنے والے] انسان کے کفر میں بھی کوئی شک نہیں۔ اس لیے کہ قرآن میں کئی جگہ پر بیان ہونے والی نصوص [جن میں اللہ کی طرف سے ان صحابہ کی]: تعریف اور ان پر اللہ کی رضامندی کو جھٹلا رہا ہے۔ [پس ایسے شخص کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں]۔ بلکہ جو کوئی بھی اس جیسے کے کفر میں شک کرے؛ اس کا کافر ہونا بھی متعین ہے۔''❷

رہا یہودیوں اور رافضیوں کا اپنے مخالفین کا خون مباح سمجھنا؛ تو یہ اللہ تعالی کی طرف سے ان کے لیے نری رسوائی ہے؛ اس لیے کہ تمام امتیں قتلِ ناحق کی حرمت پر متفق ہیں [اس میں کوئی اختلاف نہیں]۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَقْتُلُواْ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (الانعام: ۱۵۱)

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب: بيان حال من قال لأخيه المسلم يا كافر، ح: ۱۱۱۔

❷ الصارم المسلول على شاتم الرسول: ۵۸۶۔

''جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کا وہ تمہیں ارشاد فرماتا ہے تا کہ تم سمجھو۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے بنی اسرائیل پر ناحق قتل کو حرام کیا تھا؛ اسکا فرمان ہے:

﴿مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ﴾ (المائدہ: ۳۲)

''اس (قتل) کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اُس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا اور ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں پھر اس کے بعد بھی ان میں بہت سے لوگ ملک میں حد اعتدال سے نکل جاتے ہیں۔''

اور ایسے ہی احادیث بھی کسی جی کو ناحق قتل کرنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سات ہلاکت خیز چیزوں سے بچو۔ [صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین] کہنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! وہ کون سی چیزیں ہیں؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، جادو، اور اس نفس کو قتل کرنا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرمت دی ہے، مگر حق کے ساتھ؛ اور سود کھانا، اور یتیم کا مال کھانا؛ اور جنگ کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا، اور پاک دامن غافل عورتوں پر تہمت لگانا۔''[1]

[1] رواہ البخاری کتاب الوصایا؛ باب قول اللہ تعالیٰ ﴿إن الذين يأكلون أموال اليتامى ظلما﴾۔؛ ح: ۲۷۶۶۔ مسلم، کتاب الإیمان ؛ باب: بیان الکبائر وأبرها؛ ح: ۱٤٥۔

اور نبی کریم ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

''انسان اس وقت تک وسعت میں رہتا ہے جب تک حرام خون نہ بہائے۔''[1]

قرآن وسنت کی نصوص حرمت والے نفس کے قتل کے حرام ہونے پر گواہ ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے بنی اسرائیل پر قتل ناحق کو حرام کیا تھا۔ اور اس امت پر بھی اس کو حرام کیا ہے سوائے حق کے۔ اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس جرم سے خبر دار کیا ہے، اور اسے ہلاک کرنے والے گناہوں میں شمار کیا ہے۔

ان نصوص میں یہودیوں اور رافضیوں کے جھوٹا ہونے کے دلائل ہیں، جنہوں نے معصوم اور بری لوگوں کے قتل کو مباح قرار دیا؛ اور ان کے حرام خون کا بہانا حلال سمجھا؛ اور اس بات کا دعوی کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ امور ان کے لیے مباح کیے ہیں۔ وہ - یہودی اور رافضی - اپنے اس جھوٹ میں دو جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں:

۱۔ قتل کرنے اور ناحق خون بہانے کا جرم۔

۲۔ [اللہ پر جھوٹ گھڑنے کا جرم] کہ انہوں نے اپنے اس جرم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے کہ اللہ نے ان کے لیے یہ قتل کرنا مباح ٹھہرایا ہے۔

کتاب وسنت کے دلائل پر مستزاد وہ واضح اور کھلے ہوئے دلائل ہیں جو کسی جی کے قتل کی حرمت؛ اور خون بہانے کی ممانعت پر دلالت کرتے ہیں، اور خود ان لوگوں کی کتابوں میں موجود ہیں۔

یہودیوں کی کتابوں میں ان دس وصیتوں کے ضمن میں آیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو وصیت کی ہیں؛ ان میں ہے:

''کسی جی کو قتل نہ کرنا؛ اور نہ ہی زنا کرنا، اور نہ ہی چوری کرنا۔''[2]

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غرباء لوگوں پر شفقت کرنے، اور ان پر تنگی نہ کرنے کی وصیت کی ہے۔ اور ان لوگوں کو ڈرایا ہے جو ان کے ساتھ برا سلوک کریں۔ سفر الخروج میں آیا ہے:

''کسی غریب ''غیر یہودی۔'' کو مجبور نہ کرنا، اور نہ ہی اس پر تنگی کرنا؛ اس لیے کہ تم بھی مصر کی

---

[1] رواہ البخاری کتاب الدیات، باب قولہ تعالی: ﴿ ومن یقتل مؤمنا متعمداً فجزاؤ ہ جہنم ﴾۔

[2] فتح الباری ۱۲/ ۱۸۷؛ ح: ۶۸۶۲۔

سرزمین پر اجنبی تھے؛ اور کسی بیوہ اور یتیم کے ساتھ برا سلوک نہ کرنا۔ اگر تم اس کے ساتھ برا سلوک کرو گے ؛ تو بے شک جب بھی وہ میری بارگاہ میں فریاد کرے گا میں اس کی فریاد کو سنوں گا ؛ تو میرا غصہ بھڑک اٹھے گا، اور میں تمہیں تلوار سے قتل کردوں گا۔ تو تمہاری عورتیں بیوہ ہوجائیں گی اور تمہارے بچے یتیم ہوجائیں گے۔'' ❶

[رافضی اور قتل ناحق کی حرمت]:

'' رافضیوں کی کتابوں میں بہت ساری روایات آئی ہیں جو قتل اور خونریزی کی حرم پر دلالت کرتی ہیں، ان میں سے: کلینی نے الکافی میں روایت کیا ہے :

'' بے شک جب نبی کریم ﷺ نے مناسک حج ادا کر لیے تو ''منی۔'' میں کھڑے ہوئے، اور فرمایا:

'' اے لوگو! جو میں تم سے کہہ رہا ہوں، اسے سنو؛ اور مجھ سے اس کی سمجھ حاصل کرو۔ اس لیے کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس سال کے بعد میں تمہیں اس جگہ مل سکوں۔ پھر فرمایا: کون سا دن بڑی حرمت والا ہے؟ کہنے لگے: آج کا دن۔ پھر فرمایا: کون سا مہینہ بڑی حرمت والا ہے؟ کہنے لگے : یہ مہینہ۔ پھر فرمایا: '' کون سا شہر بڑی حرمت والا ہے ؟ کہنے لگے : یہ شہر۔ آپ نے فرمایا: بے شک تمہارے خون اور تمہارے اُموال تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے تمہارے آج کے دن کی حرمت اس شہر اور اس مہینہ میں اس دن تک کے لیے ہے؛ جس دن تم اپنے رب سے ملو گے، اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔

کیا میں نے تم تک یہ بات پہنچادی ہے؟ کہنے لگے : ہاں۔ تو آپ فرمایا: اے اللہ ! گواہ رہنا۔'' ❷

اب یہودیوں اور رافضیوں کا کیا جواب ہے کہ ہم نے ان کے اس فاسد عقیدہ کے باطل ہونے پر خود ان کی کتابوں سے دلائل پیش کردیے ہیں۔

ان کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ حق کی اتباع کرتے ہوئے ان نصوص کے مقتضی کے

❶ سفر الخروج، اصحاح ۲۰؛ فقرات ۱۳-۱۵۔

❷ الفروع من الکافی ۷/ ۲۷۳۔

مطابق عمل کریں جن کے سچا ہونے کی گواہی قرآن کریم اور سنت نبوی نے دی ہے۔ اور ان من گھڑت نصوص واحکام کو ترک کردیں جنہیں شیاطین نے ان کے لیے گھڑ لیا ہے؛ اور وہ نصوص انہیں بے گناہ لوگوں کا خون بہانے اور معصوم لوگوں کو ناحق قتل کرنے پر ابھارتی ہیں۔

رہا یہود اور روافض کا اپنے مخالفین کے مال کو مباح سمجھنا؛ یہ ان فاسد عقائد میں سے ہے جن کے باطل ہونے پر کتاب وسنت اور خود ان کی کتابیں دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا مال ناحق کھانا حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لَا تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ وَلَا تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْماً ☆ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَاناً وَظُلْماً فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَاراً وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْراً﴾ (النساء: ۲۹۔ ۳۰)

''مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ ہو جائے تو وہ جائز ہے) اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔ اور جو تعدی وظلم سے ایسا کرے گا ہم اُس کو عنقریب جہنم میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے۔''

حقیقت میں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ لوگوں کا مال باطل حیلوں بہانوں سے کھاتے ہیں۔ اور سود لیتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کردیا تھا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر دنیا کی زندگی میں کئی پاکیزہ چیزیں حرام کر کے تنگی پیدا کرنے کا سبب تھا۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُواْ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْراً ☆ وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُواْ عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَاباً أَلِيْماً﴾ (النساء: ۱۶۰۔۱۶۱)

''تو ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں جو ان کو حلال تھیں ان پر

حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے رستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے۔ اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کیے جانے کے سُود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

پس ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کے لیے بہت سخت وعید ہے جو لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں۔ اور یہ خبر ہے کہ جو کوئی اس شنیع فعل کا ارتکاب کرے گا، اس کے لیے دنیا اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔ ان دو آیتوں یہودیوں اور رافضیوں پر کھلا ہوا رد ہے جو لوگوں کے اموال کو مباح جانتے ہیں۔ اور ظلم و سرکشی کرتے ہوئے سود کو حلال قرار دیتے ہیں۔

رافضیوں کے لیے یہ بات بہت ہی مناسب تھی کہ وہ یہود سے نصیحت حاصل کریں؛ اس کے بعد کے اللہ تعالیٰ نے ان کے جرائم کی خبر دی؛ اور پھر ان کا اس دنیا کی زندگی میں جو انجام ہوا، جیسے رزق کی تنگی؛ اور پریشان کن زندگی؛ اور اس کے ساتھ ہی آخرت کے جس دردناک عذاب سے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے؛ یہ ان کے ان جرائم کا بدلہ ہے جو انہوں نے گھڑ لیے تھے۔ اور چاہیے کہ وہ ہر طرح ان کی راہ پر چلنے سے بچ کر رہیں۔ تاکہ یہ لوگ اس چیز واقع نہ ہوں جس میں یہود پڑ گئے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے بھی لوگوں پر ظلم کرنے اور ان کا مال باطل طریقوں سے کھانے کئی احادیث میں منع کیا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن الظلم ظلمات يوم القيامة .))

''بے شک ظلم روزِ قیامت اندھیرا ہی ہوگا۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من اقتطع بحق امرىء مسلم بيمينه ، أوجب الله له النار ، وحرَم عليه الجنة ـ۔" قال له رجل : وإن كان شئياً يسيراً يارسول الله ! قال:" وان كان قضيباً من أراك ـ" [2]

---

[1] رواه البخاري كتاب المظالم / باب الظلم ظلمات يوم القيامة ، ح: ٢٤٤٧ ـ مسلم كتاب البر / باب تحريم الظلم ح: ٥٧ ـ

[2] مسلم كتاب الإيمان / باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة بالنار ؛ ح: ٢١٨ ـ

''جو شخص قسم اٹھا کر کسی مسلمان کا حق مارتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم کو واجب کر دیتے ہیں اور اس پر جنت کو حرام کر دیتے ہیں۔'' ایک آدمی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اگر وہ کوئی معمولی چیز ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چہ اراک کی ٹھنی ہی کیوں نہ ہو۔''

جب کہ سود کھانا حرام ہے۔ اور سود کھانے والا اور سود کھلانے والا نبی کریم ﷺ کی مبارک زبان پر ملعون ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں:

((لعن رسول الله ﷺ آكل الربا، وموكله .))

نبی کریم ﷺ نے لعنت کی: ''سود کھانے والے، اور کھلانے والے پر۔'' ❶

یہ احادیث لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کی حرمت؛ اور سود کی حرمت پر صاف واضح دلیل ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں کسی چیز میں کچھ بھی فرق نہیں کیا؛ [یعنی] مسلمانوں اور غیر مسلموں کے اموال کے درمیان [کوئی فرق نہیں]۔ اور نہ ہی سود کو مسلمانوں یا غیر مسلموں کے ساتھ استعمال کرنے میں کوئی فرق کیا۔ بلکہ اسے مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے حق میں حرام قرار دیا۔

جو کہ یہودیوں اور رافضیوں کے مذہب [یعنی] مسلمانوں کے اموال کو مباح جاننے، اور اپنے مخالفین سے سود لینے کو حلال سمجھنے [کے عقیدہ] کے باطل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

خود ان لوگوں کی کتابیں اس فاسد عقیدہ کے باطل ہونے پر گواہی دیتی ہیں۔

حقیقت میں بعض یہودی اسفار میں غریب پر ظلم کرنے اور یہودی اور غیر یہودی کے ساتھ معاملات میں فرق کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ سفر لاویین میں آیا ہے:

''جب کوئی پردیسی/ اجنبی تمہاری سرزمین پر تمہارے پڑوس میں اترے؛ تو اس پر ظلم نہ کرنا۔ جس طرح تم میں سے کوئی وطن کا باشندہ ہے، تمہارے لیے تمہارے پاس اترنے والا پڑوسی بھی اسی طرح ہوگا۔ اور تم اس سے ایسے ہی محبت کرنا جیسے اپنی ذات سے کرتے ہو۔ اس لیے کہ تم بھی مصر کی سرزمین پر پردیسی تھے۔'' ❷

سفر تثنیہ میں غریب پر ظلم کرنے کی ممانعت؛ اور اسے اس دن کی یومیہ اجرت دینے کی ترغیب ہے،

---

❶ مسلم كتاب المساقاة / باب لعن آكل الربا و موكله ؛ ح: ١٠٥۔

❷ اصحاح ١٩؛ فقرات ٣٣-٣٤۔

جس دن کام کرتے ہوئے سورج غروب ہو گیا ہو۔ [نصِ حکم یوں ہے]:

''مسکین مزدور پر ظلم نہ کرنا۔ اور نہ ہی اپنے بھائیوں میں سے فقیر پر، یا ان پردیسی لوگوں میں سے [کسی پر] جو تیری سرزمین پر تیرے دروازے پر نازل ہوئے ہیں۔ اور جس دن میں تو اس کو اجرت دے گا، اور اس پر سورج غروب نہ ہو۔ اس لیے کہ وہ فقیر ہے، اسے اِس کا پر لگانے والا اس کا نفس ہے، تاکہ وہ تم پر بد دعا نہ کرے، اور تم پر گناہ نہ ہو۔''❶

اور ایسے ہی سودی لین دین کرنے کی ممانعت آئی ہے؛ خواہ پردیسیوں کے ساتھ ہو، یا اہل وطن کے ساتھ۔ سفر لاویین میں آیا ہے:

''جب تیرا بھائی فقیر ہو جائے، اور اس کا ہاتھ تیری طرف دراز ہو، تو اس کی مدد کر۔ خواہ وہ اہل وطن ہو یا پردیسی ہو۔ سو وہ تیرے ساتھ ہی گزر بسر کرے گا، پس اس سے سود نہ لینا۔ اور نہ ہی فائدہ لینا۔ بلکہ اپنے معبود سے ڈر؛ سو تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگی گزارے گا۔ اور اسے اپنا چاندی سود پر نہ دینا، اور اپنا کھانا اسے فائدہ پر مت دینا۔''❷

سو ان نصوص میں یہودیوں پر رد ہے جو اپنے علاوہ باقی لوگوں کو مباح سمجھتے ہیں۔ اور جھوٹ گھڑ کر ان نصوص کو اللہ اور اس انبیاء و مرسلین کی طرف منسوب کرتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت مطہرہ میں ان کے لیے غیروں کے ساتھ سودی معاملات کرنے اور ان کا مال باطل طریقہ سے کھانے کو مباح قرار دیتی ہیں۔ ہم تو ان پر ان کی کتابوں میں ہی نصوص کے تعارض کا الزام دیتے ہیں۔

یہ نصوص غریب پر ظلم کرنے؛ اور اس کا مال ناجائز طریقہ سے لینے کو حرام کہتی ہیں۔ اور انہیں تمام لوگوں کے درمیان بغیر تفریق اور تعصب کے عدل کرنے کا حکم دیتی ہیں۔

جب کہ دوسری وہ روایات ہیں جو یہودیوں کے لیے باقی لوگوں کا مال باطل [کسی بھی ناجائز] ذریعہ سے لینے؛ اور ان سے سودی لین دین کرنے کو جائز قرار دیتی ہیں۔ پھر ان کا جواب کیا ہے؟۔

اور ایسے ہی رافضیوں کی کتابیں بھی ان کے اس عقیدہ کے فاسد ہونے پر دلالت کرتی ہیں جس میں وہ باقی مسلمانوں کے اموال کو مباح سمجھتے ہیں۔

---

❶ اصحاح ۲٤؛ فقرات ۱٤-۱٥۔

❷ اصحاح ۲٥؛ فقرات ۳٥-۳۷۔

کلینی نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے: ''جب کسی انسان نے حرام ذریعہ سے مال کمایا، اور پھر حج کے لیے تلبیہ کہا؛ تو اسے آواز دی جاتی ہے:

''نہ ہے تیری حاضری قبول ہوئی اور نہ ہی تیرے لیے کوئی خوش بختی ہے۔'' ❶

اور اس موقع پر کلینی کے روایت کردہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع سے دلیل پیش کرنا بہت ہی خوب ہوگا، جو کہ پہلے ہم پیش کررہے ہیں، اس کا ایک جزء یہ ہے:

''بے شک تمہارے خون اور تمہارے اَموال تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے تمہارے آج کے دن کی حرمت اس شہر اور اس مہینہ میں اس دن تک کے لیے ہے؛ جس دن تم اپنے رب سے ملو گے۔'' ❷

اور ان کے بعض روایات سودی لین دین کے حرام ہونے پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ بلکہ ان کے آئمہ کی زبانی کئی ایک روایات میں سودخور کے لیے بہت سخت وعید آئی ہے۔

کلینی نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے: آپ نے فرمایا:

''سود کا ایک درہم لینا؛ محرم رشتوں سے ستر بار زنا کرنے کے برابر ہے۔'' ❸

اور عبید بن زرارہ سے روایت ہے: ابوعبداللہ علیہ السلام کو ایک آدمی کے بارے میں خبر ملی کہ وہ سود کھاتا تھا، اور اسے ''تھن کا دودھ پینا'' نام دیتا تھا؛ تو آپ نے فرمایا:

''اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غلبہ دیدیا، تو میں اسے قتل کردوں گا۔'' ❹

جیسے ہم نے یہودیوں پر الزام ثابت کیا ہے کہ ان کتابوں کی عبارتوں/ احکام میں تعارض ہے؛ ایسے ہم رافضیوں پر بھی الزام ثابت کرتے ہیں۔

یہ روایات جو کہ ان کی اہم ترین اور ثقہ کتابوں میں وارد ہوئی ہیں؛ ان روایات سے ٹکراتی ہیں جو کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں؛ جن میں کسی بھی طریقہ سے اہل سنت والجماعت کا مال قبضہ کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور ان روایات میں رافضیوں کے لیے غیروں کے ساتھ سودی لین دین کو بھی جائز کہا ہے۔

---

❶ فروع الکافی ٥/ ١٢٤۔ ❷ فروع الکافی ٧/ ٢٧٣۔
❸ فروع الکافی ٥/ ١٤٤۔ ❹ فروع الکافی ٥/ ١٤٧۔

ان میں سے کون سی روایات صحیح ہیں؟وہ روایات جو ان کے مسلمانوں کے مال کو مباح قرار دیتی ہیں۔ اور ان کے اپنے مخالفین سے سود لینے کو جائز کہتی ہیں ؟یا پھر یہ [مذکورہ] بالا روایات جوان تمام چیزوں کوحرام کہتی ہیں؟اس سوال کا جواب بھی رافضیوں سے ہی مطلوب ہے۔

ان دلائل سے رافضیوں اور یہودیوں کے اس فاسد عقیدہ کا باطل ہونا قرآن وسنت کے دلائل اور خود ان کی کتابوں سے ظاہر ہوگیا جس عقیدہ کی روشنی میں وہ اپنے علاوہ باقی لوگوں کو کافر کہتے ہیں اور ان کے مال اور خون کو مباح قرار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے ہی تعریف ہے، اور اسی کا احسان ہے کہ اس نے انعام اور فضل فرمایا حق کا اظہار کرنے اور باطل کی بیخ کنی کرنے کی توفیق دی۔ تاکہ زندہ رہنے والا واضح دلائل کی روشنی میں زندہ رہے۔ اور جس نے ہلاک ہونا ہو وہ بھی واضح اور کھلی راہ پر ہلاک ہو۔

❀❀❀❀

فصل دوم:

یہود و روافض کا اپنے علاوہ سب کو حقیر جاننا

یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث:...... یہود کا اپنے علاوہ سب کو حقیر جاننا

دوسری بحث:......روافض کا اپنے علاوہ سب کو حقیر جاننا

تیسری بحث:...... یہود و روافض کے اس نظریۂ حقارت میں وجوہ مشابہت

چوتھی بحث:...... یہود کے غیروں کو حقیر جاننے کے گمان پر رد

پہلی بحث:...... یہود کا اپنے علاوہ سب کو حقیر جاننا

جب یہودی یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی چنیدہ و پسندیدہ قوم ہیں، اور یہودی عنصر باقی تمام بشری عناصر سے بالا تر ہے ؛ اور یہ وہ اللہ کے ہاں ملائکہ سے زیادہ معتبر ہیں ؛ جیسا کہ پچھلی فصل کی پہلی مبحث میں میں نے بیان کیا ہے۔ یہ دعوی ہمیشہ سے بڑھتا جارہا ہے، اوراس میں تجدید ہوتی جارہی ہے۔ یہاں تک کہ اب وہ دوسری قوموں کی طرف اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ وہ انسانیت کے مقام سے انتہائی گری ہوئی اقوام ہیں۔ بلکہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ باقی اقوام انسانیت کے درجہ تک ہی نہیں پہنچ پائیں؛ بلکہ حقیقت میں وہ حیوانات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ بشری صورت عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے یہودی آقاؤں کی خدمت کریں۔

یہاں سے یہودیوں کے باقی اقوام کو حقیر جاننے کی ابتداء ہوتی ہے۔ پھر ان کے شیطان جو کہ حاخاموں کی صورت میں تھے، کھڑے ہوئے، اوراس گمراہی کی آگ کو بھڑکانے لگے۔ یہاں تک کہ اسے اپنا دین اورعقیدہ بنالیا۔اوراسے وحی کی طرف منسوب کرنے لگے۔اوران باتوں کوانہوں نے دینی کتابوں میں تحریر کیا، گویا کہ الٰہی حقائق اورنبوت کے مقرر شدہ امور ہیں۔

اس مبحث میں میں ان کی کتابوں میں ان نصوص کے کچھ نمونے یہاں پیش کروں گا جن سے یہودیوں کا غیروں کے متعلق نظریہ اوران کی حقارت ظاہر ہوتی ہے۔

ہم یہاں پر بات روحوں سے شروع کرتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ ان کے علاوہ باقی لوگوں کی روحیں شیطانی روحیں ہیں۔ جب کہ وہ اپنی -یہودی -روحوں کے متعلق نظریہ رکھتے ہیں کہ ان کی روحوں کا مصدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

تلمود میں آیا ہے:

''یہودیوں کی روحیں باقی ارواح سے اس لحاظ سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں کہ ان کی روحیں اللہ تعالیٰ کا جزء ہیں؛ جیسا کہ بیٹا والد کا جزء[حصہ] ہوا کرتا ہے۔اور یہودیوں کی روحیں باقی

روحوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کو بہت ہی عزیز ہیں؛ اس لیے کہ غیر یہودی روحیں شیطانی روحیں ہیں۔اورحیوانات کی روحوں سے مشابہ ہیں۔''❶

ایک دوسری نص میں ہے: ان کا خیال ہے کہ غیر یہودی روحوں کا مصدر نجاست/گندگی ہے۔اوران کی نسل نجس روحوں سے چلی ہے۔

تلمود کا ایک کاتب لکھتا ہے: ''اے یہودیو! تم بنی بشر سے ہو۔اس لیے کہ تمہاری روحوں کا مصدر اللہ کی روح ہے۔ جب کہ باقی امتیں ایسے نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ان کی روحوں کا مصدر نجس روح ہے۔''❷

ایک دوسری عبارت/نص میں ہے:

''ان کے وجود کی ابتداء سے لے کر بت پرست اس جہاں کو گندہ کررہے ہیں۔اس لیے کہ ان کی روحیں نجس پہلو سے نازل ہوئی ہیں۔''❸

ان کا غیروں کے متعلق یہ نظریہ ہے۔ان کا خیال ہے کہ ان کی روحیں شیطانی ہیں، اور وہ نجس روحوں سے چلی ہیں۔اس پر ان کا اپنے مخالفین کی نجاست کا عقیدہ مرتب ہوتا ہے۔اور جب تک کہ ان کی اصل نجاست ہے؛ وہ کبھی پاک نہیں ہوسکتے۔

یہودیوں کے مخالفین کے نجس ہونے کے بارے میں نصوص ان کے کئی ایک اسفار اور کتاب تلمود میں کئی مواقع پر آئی ہیں۔

سفر لاویین میں -ان کے گمان کے مطابق - اللہ تعالیٰ یہودیوں کو فحاشی سے منع کرنے کے بعد خطاب فرماتے ہیں؛ ان سے کہتے ہیں:

''ان تمام سے نجس نہ ہوجانا۔اس لیے کہ ان تمام سے قومیں پلید ہوئیں جنہیں میں تمہارے سامنے سے بھگانے والا ہو،سوزمین پلید ہوگئی۔''❹

اس نص کے بعد-ان کے گمان کے مطابق- اللہ تعالیٰ ان سے یوں خطاب کرتے ہیں:

---

❶ إبراهيم خليل : إسرائيل و تلمودص: ٦٧۔
❷ ڈاکٹر روهلنگ : الكنز المرصود ص: ٦٨۔
❸ آئی بی برانایٹس : فضح التلمود ص : ٩٧۔
❹ اللاويين اصحاح ١٨؛ فقرة ٢٤-٢٥۔

''تمہیں بھی تمہارے اس زمین کونجس کرنے کی وجہ سے زمین پھینک نہ دے، جیسا کہ تم سے پہلی قوموں کو پھینک دیا تھا۔'' ❶

اور ایسے ہی تلمود کے کاتب ''غویم ❷ کے نجس ہونے کے بارے میں صراحت کے ساتھ کہتے ہیں۔ بس فقط یہاں پرسوال اٹھایا جاتا ہے کہ ان کی نجاست کا سبب کیا ہے؟

پھر تھوڑی ہی دیر میں اپنی خواہشات کے مطابق اس کی علتیں پیش کرنا شروع کرتے ہیں۔تلمود کا ایک کاتب کہتا ہے:

''غویم نجس کیوں ہیں؟اس لیے کہ وہ ردی کھانے کھاتے ہیں۔اور حیوانات اس کے پیٹ پر جنگ لڑ رہے ہوتے ہیں۔'' ❸

تلمود ہی کی ایک فصل جس کا عنوان ہے:'' أبهو داه زاره ''❹ میں ہے:

''غویم نجس کیوں ہیں؟اس لیے کہ وہ سینا کی پہاڑی پر موجود نہیں تھے۔اور اس لیے کہ جب ناگ ''حواء۔''میں داخل ہوا، تو اس میں نجاست انڈیل دی۔لیکن جب یہودی مسلسل اس پہاڑ پر کھڑے رہے تو اس نجاست سے پاک ہوگئے۔ جب کہ غویم اس وقت سینا کی پہاڑی پر موجود نہیں تھے۔'' ❺

اس نص کا مقتضی یہ ہے کہ تمام بنی آدم نجس ہیں؛ اور ان کی ماں حضرت حواء رضی اللہ عنہا بھی؛ اور ان میں شامل تمام انبیاء اور مرسلین بھی؛ سوائے ان لوگوں کے جو یہودیوں کے ساتھ سیناء پہاڑی پر کھڑے ہوئے؛ اور اس کھڑے ہونے کے سبب وہ نجاست سے پاک ہوئے۔اللہ تعالیٰ ان کو اس جھوٹ پر بدلہ دے۔

یہودی -اپنے مخالفین کی نجاست سے متعلق- اس خیالی کہنے تک ہی نہیں رُکے، بے شک وہ -اپنی خباثتوں کے سبب- اس بات پر بھی مجبور ہوئے کہ اسے ایک مقدس روحانی دین بنادیں جس کا نافذ کرنا

---

❶ اللاویین اصحاح ۱۸؛ فقرۃ ۲۸۔

❷ غویم ایك لقب هے ؛ جس کا اطلاق ہر غیر یہودی پر کرتے ہیں۔

❸ آئی بی برانایٹس : فضح التلمود ص : ۹۰۔

❹ ابهو داه زاره کا معنی ہے: مغربی دین، یابت پرستوں کا دین۔ یہ ایک فصل کا عنوان ہے۔جس میں بت پرستوں کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ فضح التلمود ص : ۷۸۔

❺ فضح التلمود ص : ۹۰۔

واجب ہو، اور اس کی تطبیق لازم ہو۔سو انہوں نے اپنی عبادات اور شعائر کو اسی اساس پر ترتیب دیا۔سو انہوں نے اپنے آپ پر باقی مخلوق سے میل جول کو حرام قرار دیا۔ اور ان کے برتنوں کا استعمال بھی اپنے آپ پر حرام قرار دیا۔ یا ان کے کھانوں میں سے کھانا کھانا، یا ان کے ساتھ کسی بھی چیز میں معاملات کرنا [حرام قرار دیا]۔ابہوداہ زارہ میں ہے:

''یہ آنے والی چیزیں حرام ہیں،خصوصاً جو غویم سے متعلق ہوں، وہ دودھ جسے کوئی غوي یہودی کے غائبانہ گائے سے دھوئے؛ اور ایسے ہی ان کی روٹیاں بھی حرام ہیں۔''❶

تلمود ہی کی ایک دوسری نص میں ہے:

''مشائخ نے آکوم❷ کی روٹی حرام قرار دی ہے؛ اس خوف سے کہ ہم ان کے ساتھ -کھانا شروع کریں تو- کہیں ہم بھی- انہی کی طرح نہ ہو جائیں۔''❸

غیر یہودیوں کے برتن استعمال کرنا ان کے لیے جائز نہیں ہے،مگر دھو لینے کے بعد، اور دھونے میں خوب مبالغہ کیا جائے۔اس کا ہدف اس گندگی کو ختم کرنا ہے جو اس غیر یہودی کی وجہ سے برتن کو لگ گئی ہے۔

تلمود میں آیا ہے: جب یہودی آکوم سے کوئی برتن اپنے میز پر استعمال کرنے کے لیے خریدے،خواہ یہ برتن معدنیات سے بنا ہو، یا چونے یا شیشے کا بنا ہو،حتی کہ وہ نیا برتن ہی کیوں نہ ہو،تو یہودی پر واجب ہوتا ہے کہ اسے بڑے حوض یا تالاب سے دھولے؛ اور چاہیے کہ اس کے دھونے میں نو سے دس گیلن پانی استعمال کرے۔''❹

یہی نہیں، بلکہ ان کے ہاں برتنوں کو غیروں کے فقط چھو لینے سے نجس ہو جاتے ہیں۔تلمود کی روایت میں یوں آیا ہے:

''کوئی آدمی ایک پائپ کے ذریعہ ایک مشک سے دوسری مشک میں نبیذ (سرکہ) ڈال رہا تھا۔ اسی وقت ایک غوی قریب آیا، اور پائپ کو اپنے ہاتھ سے چھو لیا، اس کے نتیجہ میں اس نے دونوں مشکوں سے نبیذ کو بہت دور پھینک دیا۔''❺

---

❶ فضح التلمود ص: ١١٤۔

❷ آکوم کا معنی ہے: کواکب پرست (ستاروں کے پجاری)۔ یہ رمز یہودی اپنے علاوہ باقی لوگوں پر طعنہ زنی کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔فضح التلمود ص: ٨٠۔

❸ فضح التلمود ص: ١١٤۔ ❹ فضح التلمود ص: ١١٦۔ ❺ فضح التلمود ص: ١١٥۔

یہودی اپنی سرکشی میں تجاوز کرتے ہوئے اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں۔ وہ یہودی عورت پر لازم کرتے ہیں کہ جب اسے کوئی امی (غیر یہودی) دیکھ لے تو اسے چاہیے کہ وہ غسل کرے۔

حاخام اریل کہتا ہے: ''جب یہودی عورت حمام سے نکلنے کے بعد کوئی نجس چیز دیکھے، جیسے کتا، گدھا؛ مجنون ؛ یا اُمّی (غیر یہودی) ؛ یا اونٹ، یا خنزیر؛ یا گھوڑا، یا جذامی ؛ یا یہودی دین سے باہر کا کوئی آدمی ؛ اور عموماً سارے حیوانات ؛ اس نے نام لیے ہیں: کتا، گدھا، اور خنزیر؛ اور وہ نطفہ جس سے حیوان کا نطفہ ہے۔''❶

ایسے یہودی اپنی من گھڑت کہانیوں کو دینی رنگ دیتے ہیں اور پھر ان پر شرعی احکام مرتب کرتے ہیں۔ شاید کہ یہی تشریعات وہ اہم ترین سبب ہیں جس کی وجہ سے یہودی باقی امتوں سے جدا رہتے ہیں۔ وہ ان [باقی لوگوں] کے ساتھ میل جول نہیں رکھتے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کی وجہ سے یہ دنیا میں ہی آخرت سے پہلے ان کی سزا ہے؛ کہ انہوں نے اپنے نفسوں پر تنگی پیدا کی ؛ اور اس زندگی میں اپنے نفسوں پر لوگوں سے علیحدگی کو مسلط کر دیا۔ اور آخرت کا عذاب اس سے سخت اور باقی رہنے والا ہے۔

یہودیوں کے اپنے علاوہ باقی لوگوں کو حقیر سمجھنے کی ایک مثال ان کا یہ گمان کرنا ہے کہ باقی مخلوق بشر نہیں ہے۔ بلکہ وہ حیوانات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بشری صورت اس لیے عطا کی ہے تا کہ وہ یہودیوں کی خدمت کریں۔

تلمود میں آیا ہے:

''نوخریم سے نجاست دفن کر کے بھی ختم نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ کہا گیا ہے کہ: تم ایسے ہی میرے ''قطیعی۔'' ہو۔''

اور قطیع میرے مرعاۃ یافتہ ہیں۔؛ تم ایسے ہی بشر ہو، بے شک تمہارا نام بشر رکھا گیا ہے؛ جب کہ نوخریم ایسے نہیں ہیں۔''❷

اور تلمود میں ہی یہ نص بھی آئی ہے:

---

❶ ڈاکٹر روھلنك : الكنز المرصود ص: ٦٨۔

❷ نوخریم: غریب اور اجنبی کو کہتے ہیں؛ یہ نام یہودی غیر یہود کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ فضح التلمود ص : ١١٥۔

فضح التلمود ص: ٩٩۔

''ہم زمین میں اللہ کی قوم ہیں۔اس نے ہم پر واجب کر دیا ہے کہ ہماری منفعت کے لیے ہم میں تفریق کر دے۔ یہ اس کی رحمت اور ہم پر اس کے راضی ہونے کی وجہ سے ہے کہ اس نے ہمارے لیے انسانی حیوان مسخر کر دیے ہیں۔ان کی تمام امتیں اور جنس ہمارے لیے مسخر کردہ ہیں۔اس لیے کہ وہ جانتا ہے ہمیں دو قسم کے حیوانوں کی ضرورت پڑے گی: ایک قسم گونگے جانور، جیسے چوپائے، جانور اور پرندے۔ اور دوسرے بولنے والے جیسے عیسائی، مسلمان، بڈھسٹ اور مشرق و مغرب کی باقی ساری امتیں۔'' ❶

یہودیوں کے درویشوں [احبار] کا یہ نظریہ ان کی مخالف باقی ساری امتوں کے متعلق ہے۔ وہ ان حیوانات کے علاوہ کچھ بھی نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی خدمت کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ اور انہیں انسان صورت عطا کی ہے تاکہ ان کے ساتھ برتاؤ کرنا ان کے اور ان یہودی آقاؤں کے درمیان آسان ہو جائے۔ معاصر یہودی بھی اسی عقیدہ پر قائم ہیں۔ وہ بھی اپنے علاوہ باقی لوگوں کو اسی تلمودی نظریہ سے دیکھتے ہیں۔

ریچرڈ یورتھن اپنی کتاب:" اليهود النور والإسلام۔" جو کہ ۱۸۹۸ء میں نشر کی گئی؛ میں کہتا ہے:

''بے شک جدید یہودی معتقدات میں اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ اجانب -یعنی وہ لوگ جو یہودی دین کی طرف منسوب نہیں ہیں- سوائے وحشی حیوانات کے کچھ بھی نہیں ہیں، اور ان کے حقوق کھیتیوں میں چرنے والے جانوروں کے حقوق سے بڑھ کر نہیں ہیں۔'' ❷

یہودیوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ جو بھی ان کی نسل سے نسبت نہیں رکھتا تھا، اس پر حقیر قسم کے حیوانات کے ناموں کا اطلاق کرنے لگے؛ جیسے: کتا، گدھا، اور خنزیر۔

تلمود میں آیا ہے:

''یہودیت سے خراج امتیں صرف کتے ہی نہیں، بلکہ وہ گدھے بھی ہیں۔'' ❸

حاخام اریل -تلمود کا ایک کاتب- کہتا ہے:

---

❶ اسرائیل و تلمود ص: ۸۰۔

❷ " اليهود النور والإسلام۔" ص: ۷۳؛ بواسطة عبد الله ثل: خطر اليهودية العالمية على الإسلام و المسيحية ص: ۸۰۔

❸ ڈاکٹر روهلنك : الكنز المرصود ص: ٦٨۔

''یہودیوں کے دین سے خراج لوگ نجس خنزیر ہیں جو جنگلوں میں رہتے ہیں۔''❶

اور تلمود میں ہی یہ بھی ہے کہ:

''یہودی دین سے خارج امتوں کے ساتھ کوئی قرابت نہیں ہوسکتی ہے۔اس لیے کہ وہ گدھوں سے مشابہ ہیں،اور یہودی باقی امتوں کے گھروں کو حیوانات کے باڑے خیال کرتے ہیں۔''❷

بس اتنا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ وہ غیر یہود پر حیوانات کو فضیلت دیتے ہیں۔ان کے ایک حاخام سے روایت کیا گیا ہے، بے شک وہ کہتا ہے:

''بے شک کتا اجنبی سے افضل ہے۔اس لیے کہ یہودی کو اجازت ہے کہ وہ عیدوں کے مواقع پر کتے کو کھانا کھلائے ؛مگر کسی اجنبی کو کھانا کھلانے کی اجازت ہرگز نہیں۔اور اس کو اس بات کی اجازت بھی نہیں ہے کہ اس -اجنبی - کو گوشت کا ٹکڑا دیدے؛ بلکہ وہ ٹکڑا کتے کے سامنے ڈالنا چاہیے؛اس لیے کہ کتا ان سے افضل ہے۔''❸

یہی ڈگر جو کہ یہودیوں کی بداخلاقیوں کی خبر دیتی ہے ، اپنے تمام مخالفین پر ان اوصاف کا اطلاق کرتے ہوئے یہودی اسی راہ پر چلتے ہیں۔ان جیسی جو نصوص میں نے ترک کردی ہیں۔وہ ان نصوص سے کئی گناہ زیادہ ہیں جو کہ ذکر کی ہیں۔اس کی وجہ -موضوع کے -طویل ہوجانے کا خوف؛ اور ان باتوں سے اجتناب ہے جن کو ذکر کرنے کی اجازت اخلاق نہیں دیتا ، اور نہ مروت ان کے بیان کی متحمل ہوسکتی ہے۔یعنی یہودیوں کے اپنے مخالفین پر طعنے۔

اور عمومی طور پر میری ذکر کردہ نصوص اس غرض کو پورا کرنے کے لیے کافی ہیں جس کی وجہ سے میں نے یہ مبحث قائم کی ہے۔إن شاء اللّٰہ۔

وہ غرض یہودیوں کے اپنے مخالفین کو حقیر جاننے پر دلیل قائم کرنا تھا۔میرے خیال کے مطابق ان ذکر کردہ نصوص کی روشنی میں یہ مقصد پورا ہوچکا۔

سو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد و ثنا ہے،اسی کا فضل ہے،اور اسی کی توفیق سے یہ ممکن ہوا۔

---

❶ ڈاکٹر روھلنك : الکنز المرصود ص: ٦٨۔

❷ اسرائیل و تلمود ص: ٦٩۔

❸ ڈاکٹر روھلنك : الکنز المرصود ص: ٦٧-٦٨۔

دوسری بحث :.......روافض کا اپنے علاوہ سب کو حقیر جاننا

رافضی اپنے علاوہ باقی لوگوں کو حقارت اور اہانت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کی اپنے علاوہ باقی لوگوں کو حقیر جاننے اور ان کی تحقیر کی حقیقت اس سے ظاہر ہوتی جن صفات اور برے القاب کا اطلاق وہ اپنے مذہب کے ہر مخالف پر کرتے ہیں جو کہ ان کے گروہ سے نسبت نہیں رکھتا۔

رافضی اپنے مخالفین پر جن صفات کا اطلاق کرتے وہ بہت ہی زیادہ ہیں؛ ان کا شمار ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کی کتابوں میں سے کوئی بھی کتاب اس سے خالی نہیں۔ جو امر مجھے اس بحث میں رافضیوں کے اپنے مخالفین کے ساتھ بعض اہم ترین مواقع پر احادیث کا احاطہ کرنے پر ابھارتا ہے؛ جس کے ذیل میں رافضیوں کے اپنے مخالفین پر بہت سارے قوادح اور مطاعن درج ہیں؛ وہ مواقف یہ ہیں :

۱۔ ان کا یہ اعتقاد کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مخالفین کو ان کی مٹی سے ہٹ کر کسی اور مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اور بے شک ان کے یہ مخالفین آگ سے پیدا کیے گئے ہیں۔

۲۔ ان کا اپنے مخالفین کے نجس ہونے کا اعتقاد۔

۳۔ ان کا اپنے مخالفین پر حیوانوں کے ناموں کا اطلاق کرنا، اور حیوانات کو ان پر فضیلت دینا۔

۴۔ ان کا اپنے مخالفین پر ولد الزنا ہونے کی تہمت لگانا۔

پہلا موقف : رافضیوں کا اعتقاد کہ ان کے مخالف آگ کی مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں :

ان کی کتابوں میں کئی ایک نصوص ان کے اس فاسد عقیدہ پر دلالت کرتی ہیں۔ اور ان کے کئی مؤلفین نے اس موضوع پر علیحدہ سے مستقل ابواب قائم کیے ہیں۔

جو روایات اس موضوع میں وارد ہوئی ہیں، ان میں سے :

جو روایت مجلسی نے نقل کی ہے؛ مفید سے روایت ہے اس نے ابن قولویہ سے اس کی سند سے ابو جعفر سے روایت کیا ہے، بے شک وہ کہتا ہے:

''بے شک ہم اور ہمارے شیعہ علیین [جنت] کی مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں، اور ہمارے دشمن جہنمیوں کے پیپ والی بد بودار کالی مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔'' [1]

---

[1] بحار الأنوار ۲۵/ ۸۔

ایک روایت میں ہے ان کے دشمن جہنم سے پیدا کیے گئے ہیں۔ صفار نے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے، بے شک انہوں نے کہا ہے:

''اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنت سے پیدا کیا ہے۔ اور ہم سے محبت کرنے والے اس درجہ سے ذرا کم پیدا کیے گئے ہیں جس سے ہمیں پیدا کیا گیا ہے۔ اور ہمارے دشمن جہنم سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور ان سے محبت کرنے والے بھی اسی سے پیدا کیے گئے ہیں جس سے انہیں پیدا کیا گیا ہے۔ ایسے ہی ہر ایک ہر ایک کی طرف گرتا - نسبت رکھتا - ہے۔''❶

ایک روایت میں ہے نواصب [یعنی اہل سنت] آگ [جہنم] کی مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔ صفار نے ہی ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنت کی مٹی سے پیدا کیا؛ اور ناصبیوں [اہل سنت] کو آگ کی مٹی سے پیدا کیا۔''❷

رافضیوں کا غیروں کے متعلق یہ نظریہ ہے، وہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں گندی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ یا تو انہیں جہنمیوں کی پیپ والی بدبودار مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، یا پھر انہیں آگ سے پیدا کیا گیا ہے؛ جب کہ رافضیوں کو جنت کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ [یہی نہیں] بلکہ رافضی [سرکشی کرتے ہوئے] اس سے بھی آگے بڑھے ہیں؛ اس طرح کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ انسان صرف وہی ہیں؛ جب کہ ان کے علاوہ باقی لوگوں سے وہ اصل انسانیت کی نفی کرتے ہیں۔ اور وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ باقی مخلوق بیوقوف لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ آخرکار جہنم ہے جس سے انہیں پیدا کیا گیا ہے۔

ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت ہے، انہوں نے کہا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی عظمت کے نور سے پیدا کیا ہے، پھر عرش کے نیچے خزانے میں چھپائی ہوئی مٹی سے ہماری صورتیں بنائیں، پھر اس نور کو اس میں سکون دیا۔ سو ہم نورانی مخلوق اور بشر تھے۔ جس سے ہمیں پیدا کیا گیا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے کسی اور کے لیے کوئی حصہ نہیں رکھا۔ اور ہمارے شیعہ کی روحیں ہماری مٹی سے پیدا کی گئیں؛ اور ان کے بدن

---

❶ بصائر الدرجات ص: ٣٦؛ بحار الأنوار ٢٥/١١۔

❷ بصائر الدرجات ص: ٣٦؛ بحار الأنوار ٢٥/٩۔

اس [مٹی] کے نیچے خزانے میں رکھی ہوئی پوشیدہ مٹی سے پیدا کیے گئے۔ اور جس مٹی سے انہیں پیدا کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے کسی کا کوئی نصیب نہیں رکھا سوائے انبیاء کے۔ اس لیے صرف ہم اور وہ انسان بنے، اور باقی تمام بیوقوف لوگ آگ کے لیے ہیں، اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔''❶

اور ایک روایت میں ہے، جسے عیاشی نے اپنی تفسیر میں ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے: اس میں ہے:'' شیعہ ہی انسان ہیں؛ ان کے علاوہ باقی کے متعلق اللہ جانتا ہے کہ وہ کیا ہیں؟❷

ان دونوں روایتوں کی دلالت کے مطابق رافضی اپنے مخالفین کو انسان نہیں سمجھتے۔ پھر یہ کذاب دوسری روایت کے آخر میں توقف اختیار کرتا ہے، اور کہتا ہے: اللہ جانتا ہے وہ کیا ہیں؟

رافضیوں کی کتابوں میں تلاش کرنے سے اس کا جواب ان کی روایات میں سے کئی ایک روایتوں میں ملتا ہے۔ میں نے چند ایک وہ روایات محدود کی ہیں جو اس جنس کو بیان کرتی ہیں جن کے متعلق رافضی خیال کرتے ہیں کہ ان کے مخالف اس جنس سے ہیں۔

[روایات کے نمونے]:

ذیل میں ان روایات کے نمونے دیے جارہے ہیں۔ الصفار نے بصائر الدرجات میں روایت کیا ہے: ابوبصیر سے روایت ہے، وہ کہتا ہے:

> ''میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام کے ساتھ حج کیا، جب ہم طواف کررہے تھے، میں نے ان سے کہا: ''اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے! میں آپ پر قربان جاؤں؛ اللہ تعالیٰ اس مخلوق کی مغفرت کردے گا؟ انہوں نے کہا: اے ابوبصیر! جن کو تم دیکھتے ہو، ان میں سے اکثر بندر اور خنزیر ہیں۔ کہتا ہے: میں نے کہا: انہیں مجھے دکھایئے۔ کہتا ہے: انہوں نے کچھ کلمات پڑھے، اور پھر میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا؛ سو میں نے انہیں بندر اور خنزیر [کی شکل میں] دیکھا۔ اس سے مجھے خوف محسوس ہوا۔ پھر انہوں نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں کے سامنے کیا۔ میں نے لوگوں کو اسی حالت میں دیکھا جس میں وہ پہلی بار تھے۔''❸

---

❶ بصائر الدرجات ص: ٤٠۔ ❷ تفسیر العیاشی ٢/ ٢٦٤۔

❸ بصائر الدرجات ص: ٢٩٠۔

ایک اور روایت میں ہے جسے مجلسی نے بحار میں ابوبصیر سے روایت کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''میں نے امام صادق سے کہا: '' ہمارے مخالفین پر ہماری کیا فضیلت ہے؟ اللہ کی قسم! میں ان کے کسی آدمی کو دیکھتا ہوں، وہ پسندیدہ ہیئت میں ہوتا ہے، زندگی میں زیادہ نعمتیں ہوتی ہیں، اس کا حال اچھا ہوتا ہے؛ اور وہ جنت کی طمع بھی زیادہ رکھتا ہے۔ کہتا ہے: وہ میری اس بات پر خاموش رہے؛ یہاں تک کہ ہم مکہ میں مقام ابطح تک پہنچ گئے۔ اور ہم نے دیکھا کہ لوگ اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا رہے ہیں۔ کہا: کتنی ہی زیادہ یہ آہ و بکا اور چیخ و پکار ہے۔ اور حاجی کتنے ہی کم ہیں۔ اس ذات کی قسم! جس نے محمد ﷺ کو نبوت دیکر مبعوث کیا، اور ان کی روح کو جلدی جنت میں لے گیا؛ اللہ تعالیٰ [یہ حج] نہیں قبول کریں گے مگر تجھ سے اور تیرے خاص ساتھیوں سے۔ کہتا ہے: پھر انہوں نے اپنا ہاتھ میرے چہرہ پر پھیرا؛ میں نے دیکھا کہ اکثر لوگ خنزیر اور گدھے اور بندر تھے۔ مگر کہیں ایک آدمی کے بعد ایک آدمی ہوتا۔'' ❶

ایک دوسری روایت میں ہے، جسے کسی شیعہ آدمی کی سند سے ابوجعفر سے روایت کرتے ہیں، اس روایت میں وہ آدمی کہتا ہے: ''میں نے اس سے کہا:

''میں آپ کا غلام ہوں، اور آپ کے شیعوں میں سے ہوں۔ کمزور اور اندھا ہوں، مجھے جنت کی ضمانت دیدو۔ کہا: کیا تمہیں آئمہ کی نشانی نہ دیدوں؟ آپ کے یہ دونوں چیزیں مجھے دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ کہا: کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو؟ میں نے کہا: تو کیسے پسند نہیں کروں گا؟ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ میری آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور میں نے وہ تمام دیکھا جو اس سقیفہ میں تھا جس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہا: اے ابومحمد! یہ تیری بصارت ہے۔ دیکھ لے جو تو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ کہتا ہے: اللہ کی قسم! میں کتوں، بندروں اور خنزیروں کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ میں نے کہا: اس مخلوق کی شکلیں بگڑی ہوئی ہیں؟ کہا: یہ جو تو دیکھ رہا ہے یہ سواد اعظم ہے۔ اور اگر پردہ چاک کر دیا جائے تو کوئی شیعہ اپنے مخالف کو نہیں دیکھ پائے گا، مگر اس صورت میں......'' ❷

رافضیوں کا مسلمانوں کے متعلق یہ نظریہ ہے۔ ہر کوئی جوان کے مخالف ہو، یہ لوگ اس کے متعلق

---

❶ بحار الأنوار ۲۷/ ۳۰۔ ❷ بحار الأنوار ۲۷/ ۳۰۔

نظریہ رکھتے ہیں کہ اس کی اصل کتوں، گدھوں؛ بندروں اور خنزیروں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا اکرام کیا ہے، اور ایسی باتوں سے عزت دی ہے۔ بلکہ ہم ان لوگوں سے

کہتے ہیں اس چیز کے لوگوں سے بڑھ کر زیادہ حق دار خود تم ہو اور تمہارے یہودی اسلاف ہیں۔ جن کی شکلوں کو اللہ تعالیٰ نے بندروں اور خنزیروں کے روپ میں بگاڑ دیا تھا۔ ان لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللَّهِ مَن لَّعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ﴾ (المائدہ: ٦٠)

''کہو کہ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر جزا پانے والے کون ہیں، وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر غضبناک ہوا اور (جن کو) ان میں سے بندر اور سؤر بنا دیا اور جنھوں نے شیطان کی پرستش کی ایسے لوگوں کا برا ٹھکانا ہے اور وہ سیدھے رستے سے بہت دور ہیں۔''

اور جیسے یہودی ان حیوانات کو باقی لوگوں پر ترجیح دیتے ہیں، ایسے ہی رافضی بھی حیوانات کو مسلمانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ طوسی نے روایت کیا ہے:

''محمد بن حنفیہ سے روایت ہے بے شک وہ اپنے باپ سے حدیث بیان کرتا ہے، انہوں نے کہا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے کتے سے بری کوئی مخلوق نہیں پیدا کی۔ اور ناصبی کتے سے بھی زیادہ برے ہیں۔''[1]

اور برقی نے صدوق سے روایت کیا ہے: ابوعبداللہ سے روایت ہے، وہ کہتا ہے:

''بے شک نوح علیہ السلام نے کشتی میں کتا اور خنزیر بھی سوار کیے۔ مگر اس میں ولد الزنا کو نہیں بٹھایا، اور ناصبی ولد الزنا سے بھی برا ہے۔''[2]

---

[1] امالی الطوسی: ص: ۲۷۹؛ و بحار الأنوار ۲۷/ ۲۲۱۔

[2] المحاسن: ص: ۱۸۵۔ ثواب الأعمال و عقاب الأعمال ص: ۲۵۱۔ اور اس روایت کو مجلسی نے بحار الأنوار میں بھی نقل کیا ھے: ۲۷/ ۲۳۶۔

اہلِ سنت والجماعت کے خلاف ان لوگوں کا حقد وحسد اس انتہاء کو پہنچ چکا ہے۔خواہ کچھ بھی ہو؛ میں رافضیوں کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اہلِ سنت کے متعلق ان کے اس موقف سے بالکل حیران نہیں ہوا، اور نہ ہی اسے کوئی اوپری چیز سمجھتا ہوں ؛ جیسا کہ یہودیوں کے مسلمانوں سے متعلق موقف پر میں حیران نہیں ہوا۔اس لیے کہ میں جانتا ہوں یہ لوگ خواہ جتنا کچھ اور جو کچھ بھی کہہ لیں،اور اور جتنا بھٹک لیں ؛ گویا کہ میں ان کے متعلق محسوس کررہا ہوں کہاانہوں نے مذمت اور قدح کے لیے ایسی عبارات نہیں پائیں جن سے ان کے سینوں میں موجود اہل سنت والجماعت کے خلاف حسد وبغض اور کینہ سے تشفی ہو۔

اور تعجب تو ان پر جو رافضیوں کی ایسی باتیں صحیح ہونے کے بارے میں شک کرتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں فرماتے ہیں:

﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾

(المائدہ : ۸۲)

''تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں۔''

[مخالفوں کی نجاست کا اعتقاد]:

رہا رافضیوں کا اپنے مخالفین کے متعلق نجس ہونے کا عقیدہ؛ تو اس پر کئی روایات دلالت کرتی ہیں :

کلینی نے ابوعبد اللہ علیہ السلام سے نقل کیا ہے :'' بے شک آپ ولد الزنا کا جوٹھا مکروہ سمجھتے تھے۔اور یہودی، نصرانی اور مشرک کا جوٹھا؛ اسلام کے خلاف تمام کا [جوٹھا]؛ اور ان میں سب سے زیادہ سخت ان کے نزدیک ناصبی کا جوٹھا تھا۔''❶

دوسری روایت میں ہے؛ جسے کلینی نے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے، کہا ہے:

''اس کنوئیں میں مت نہانا جس میں حمام کا پانی جمع ہوتا ہو،اس لیے کہ اس میں ولد الزنا کے غسل کا پانی بھی ہوگا ؛ اور وہ -یعنی ولد الزنا کے غسل کا پانی - سات نسلوں تک پاک نہیں ہوتا۔اوراس میں ناصبیوں کے غسل کا پانی بھی ہوتا ہے جو ان دونوں سے برا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق کتے سے بری نہیں بنائی۔اور ناصبی اللہ کے ہاں کتے سے بھی زیادہ

❶ الفروع من الکافی ۳/ ۱۱۔

بے وقعت ہیں۔"[1]

یہ دونوں روایتیں ان کے اس اعتقاد پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کے ہر مخالف کا جوٹھا نجس ہے۔ یہ خود ان کے نجس ہونے کے اعتقاد کی وجہ سے ہے۔ اور یہ کہ وہ پاک نہیں ہوسکتے، جیسا کہ دوسری روایت میں وضاحت ہے کہ ابنِ زنا سات پشتوں تک پاک نہیں ہوسکتا۔ اور یہ کہ ناصبی ان سے بھی برے ہیں۔

ان کے ہاں یہ عقیدہ بھی ہے کہ ان کے مخالفین کی نجاست صرف جوٹھے کے ذریعہ سے منتقل نہیں ہوتی، بلکہ ہاتھ ملانے اور چھونے سے بھی نجاست منتقل ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس پر یہ روایت دلالت کرتی ہے جو کہ کافی میں ہے:

"خالد القلانسی سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: میں ابوعبداللہ علیہ السلام سے کہا: میں کسی ذمی سے ملتا ہوں، اور وہ مجھ سے ہاتھ ملاتا ہے (تو اس کا کیا حکم ہے)؟ کہا: اسے مٹی میں اور دیوار پر مل لے۔ میں نے کہا: اگر وہ ناصبی ہو؟ فرمایا: اسے دھوڈال۔"[2]

یہ روایات رافضیوں کے اپنے مخالفین کے متعلق نجاست کے عقیدہ پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ کہ ان کی یہ نجاست ان جوٹھے سے، اور ان کے ساتھ مباشرت [میل جول] سے، اور کسی بھی مائع چیز سے منتقل ہوسکتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کو چھونے سے اور انہیں ہاتھ ملانے سے بھی یہ نجاست منتقل ہوتی ہے۔

یہاں پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اہل سنت و الجماعت کی نجاست کو یہود و نصاری اور مشرکین کی نجاست سے بھی کتنی زیادہ غلیظ سمجھتے ہیں، جیسا کہ ان روایات میں انہوں نے صراحت کی ہے۔

اور پھر ان کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ جس چیز سے دوسروں کی نجاست کا ازالہ ہوسکتا ہے، اس سے اہل سنت و الجماعت کی نجاست کا ازالہ نہیں ہوسکتا؛ جیسا کہ تیسری روایت میں ہے کہ اہل ذمہ کی نجاست ان سے مصافحہ کرنے کے وقت، ہاتھ کو مٹی پر رگڑنے سے ختم ہوجاتی ہے، جب کہ اہل سنت سے مصافحہ کرنے پر ہاتھوں کو دھونا واجب قرار دیتے ہیں، تا کہ- بزعم خویش- ان کی نجاست سے طہارت حاصل ہو۔

اہل سنت کے نجس ہونے کے بارے میں ان کے بڑے علماء نے حکم جاری کیے ہیں۔ [یہی نہیں] بلکہ نعمت اللہ الجزائری -گیارھویں صدی کا بڑا شیعہ عالم- نے اہل سنت و الجماعت کے پلید اور کافر ہونے پر -شیعہ علماء کا- اجماع نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

---

[1] الفروع من الکافی ۳/ ۱٤۔ [2] الأصول من الکافی ۲/ ٦٥٠۔

''رہے ناصبی اوران کے احوال۔اس کا بیان دو باتوں سے پورا ہوگا:
اول: ناصبی کے معنی کے بیان میں،جس کے متعلق روایات میں آیا ہے کہ وہ نجس ہے۔اور یہ کہ-ناصبی- یہودی؛ عیسائی اور مجوسی سے بھی برا ہے۔اور یہ کہ وہ باجماع علماء امامیہ کافر اور نجس ہے۔''❶

ایسے ہی ان کے معاصر علماء بھی اسی عقیدہ پر قائم ہیں،ان کا عقیدہ ہے کہ اہل سنت والجماعت نجس ہیں؛اوراس کی اپنی کتابوں میں صراحت بھی کرتے ہیں۔

ان کا امام آیت اللہ الخمینی اپنی کتاب ''تحریرالوسیلۃ۔'' میں کہتا ہے:
''رہے نواصب اور خوارج - اللہ تعالیٰ ان دونوں پر لعنت کرے- یہ دونوں پلید ہیں، یہ ان کے اس انکار کی وجہ سے ہے،جس کا مرجع رسالت کا انکار ہے۔''❷

[مخالفین پر دشنام طرازی]:

ان کا اپنے مخالفین پرتہمت لگانا کہ وہ زنا کی اولاد ہیں؛اس پر کئی روایات دلالت کرتی ہیں:

روضۃ الکافی میں آیا ہے:'' عاصم بن حمید سے مروی ہے، وہ ابوحمزہ سے روایت کرتا ہے، وہ ابوجعفر سے روایت کرتا ہے، کہتا ہے: میں نے کہا:
'' ہمارے بعض ساتھی اپنے مخالفین پر جھوٹ باندھتے ہیں،اور ان پر تہمت دھرتے ہیں۔ توانہوں نے مجھ سے کہا: اس بات سے رک جانا بہتر ہے۔ پھر کہا: اے ابوحمزہ! اللہ کی قسم! ہمارے شیعوں کے علاوہ تمام لوگ رنڈیوں کی اولاد ہیں۔''❸

-شیعہ عالم-مفید رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ گھڑتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
''جب قیامت کا دن ہوگا تمام لوگوں کوان کی ماؤوں کے ناموں سے پکارا جائے گا۔سوائے ہمارے شیعوں کے۔ بے شک ان کی پاکیزہ نسل/ پیدائش ہونے کی وجہ سے ان کے آباء کے ناموں سے پکارا جائے گا۔''❹

اور روضۃ الواعظین میں آیا ہے، بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

❶الأنوار النعمانية ٢/ ٣٠٦۔
❷ تحرير الوسيلة ١/ ١٠٧۔
❸الكليني : روضة الكافي : ٨/ ٢٨٥-٢٨٦۔
❹ الإرشاد ص: ٤٠۔

''اے علی! اپنے شیعہ کو دس باتوں کی بشارت دو؛ ان میں سب سے پہلی بات: پاکیزہ ولادت /نسل کی [بشارت]'' ❶

کتاب الکشکول میں یوسف البحرانی نے اس طرح کی روایات کے کئی نمونے جمع کیے ہیں۔ ان میں سے ایک [وہ روایت ہے] جسے وظلم اور جھوٹ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے علی! تجھ سے کوئی بغض نہیں رکھ سکتا سوائے تین کے۔ ولد الزنا؛ منافق، اور جس کو اس کی ماں نے حمل کی حالت میں اٹھایا ہو۔'' پھر بحرانی اس پر اپنے بعض علماء کے اشعار سے دلیل پیش کرتا ہے، جوان کے اس فاسد معتقد کی تائید کرتے ہیں، ان میں وہ شعر بھی ہیں جن میں اہل سنت والجماعت پر زنا کی اولاد ہونے کی تہمت چسپاں کی گئی ہے۔ (شعروں کو حذف کیا جارہا ہے-مترجم)

پھر اس طرح کیغیر معمولی ابیات ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے:

''اوران اخبار سے؛ جن کے نقل کرنے کے لیے یہ جگہ تنگ پڑ رہی ہے؛ یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ نسب کا صحیح ہونا اور اہل بیت کی محبت آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ جیسا کہ ان کے الٹ کا بھی آپس میں یہی حال ہے'' ❷

رافضی ایسے اپنے مخالف مسلمانوں اور دوسرے لوگوں کو الزام دیتے ہیں کہ وہ زنا کی اولاد ہیں۔ وہ اس افترا کے گھڑنے میں یہودیوں سے بھی آگے نکل گئے۔ اس لیے کہ یہودیوں نے اپنے مخالفین سے متعلق جو کہا ہے، سو کہا ہے؛ مگر انہوں نے ایسی تہمتیں نہیں لگائیں، جن جرأت صرف اور صرف رافضی ہی کر سکتے ہیں۔

یہ رافضیوں کا اپنے مخالفین کے متعلق موقف ہے۔ جس پر ان کی سب سے صحیح کتابوں میں وارد ہونے والی روایات دلالت کرتی ہیں۔ اس طرح کہ وہ روایات ان کے اپنے مخالفین کو حقیر جاننے کی حقیقت کو ظاہر کرتی ہیں، خاص کر اہل سنت کو۔

---

❶ محمد بن الفتال النیسابوری ص: ۲۹٤۔
❷ الکشکول ۳/ ۱۲-۱٦۔

اور اس بحث کے آخر میں جس بات پر میں تنبیہ کرنا چاہتا ہوں [وہ یہ ہے کہ]: میں یہ دعوی نہیں کرتا کہ میں نے وہ تمام روایات ذکر کردی ہیں جو رافضیوں کے اپنے علاوہ باقی لوگوں کو حقیر جاننے پر دلالت کرتی ہیں ؛ بلکہ میں نے تو صرف چند ایک وہ مثالیں بیان کی ہیں جو ان کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں ؛ اور ایسا میں نے بحث کے زیادہ طویل ہوجانے کے خوف سے کیا ہے، جیسا کہ شروع میں میں نے اس طرف اشارہ کیا تھا۔

تیسری بحث:...... یہود و روافض کے نظریہ حقارت میں وجوہ مشابہت

شر کی کوئی راہ بھی ایسی نہیں ہے جس پر یہودی چلتے ہوں مگر رافضی اس میں ان کی اتباع کرتے ہیں۔ اور اللہ کے دین میں یہودی کوئی بھی بدعت ایجاد نہیں کرتے ؛ مگر رافضی اس کی تقلید میں لگے ہوتے ہیں۔ جو آدمی یہودیوں کے اپنے مخالفین سے متعلق سابقہ ذکر کردہ موقف پر غور وفکر کرے ؛ اور پھر اسی کے مانند رافضیوں کے ان کے مخالفین سے متعلق موقف پر غور وفکر کرے، تو اس کے لیے ہماری اس دعوی کی صحت ظاہر ہو جائے گی۔ اور بے شک رافضیوں کے اس سابقہ موقف کا تانا بانا یہودی ہاتھوں پر بُنا گیا۔ یہ بات دو امور پر غور کرنے سے واضح ہوجاتی ہے :

پہلا امر :......وہ تمام نصوص جو رافضی کتب میں وارد ہوئی ہیں، جو کہ اپنے مخالفین کے ساتھ سابقہ رافضی موقف کی ترجمانی کرتی ہیں، ان کا اسلام سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں ہے، نہ ہی قریب کا تعلق اور نہ ہی دور کا تعلق۔ بلکہ یہ -موقف- دین اسلام کے اصولوں سے ٹکراؤ رکھتا ہے۔ مٹی کا یہ عقیدہ اسلام میں کہاں ہے؟ اور وہ صحیح دلائل کہاں ہیں جو رافضیوں کے اپنے ہر مخالف پر تہمت لگانے اور الزام دھرنے پر -دلیل ثابت ہوسکیں- کہ حقیقتاً مر میں یہ لوگ بندر اور خنزیر، اور کتے اور گدھے ہیں؟ رافضیوں کے ہر ایک مخالف کے پلید ہونے پر کتاب وسنت سے دلیل کہاں ہے؟ اور کون اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ کتاب وسنت سے منصوص کوئی ایک دلیل اس بات کی لا سکے کہ کوئی معین گروہ -خواہ وہ سب سے بڑے کافر ہی کیوں نہ ہوں، وہ زناء کی اولاد ہیں۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ یہ عقائد مسلمانوں کے عقائد ہوں۔

دوسرا امر :......وہ تمام نصوص جو رافضی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں ؛ جو کہ ان کے علاوہ باقی لوگوں کو حقیر جاننے پر دلالت کرتی ہیں ؛ وہ اپنی روح اور نص کے اعتبار ان یہودی حاخاموں کی تعلیمات کے

ساتھ متفق ہیں جو کہ تلمود میں اور باقی یہودی کتب میں وارد ہوئی ہیں۔

[دلیل تقابل]:

اس عقیدہ میں یہودی اور رافضی اقوال کے درمیان تقابلی جائزہ لیتے ہوئے آپ کے سامنے اس کے دلائل پیش کیے جارہے ہیں:

۱۔ یہودیوں اور رافضیوں میں سے ہر ایک اپنی تخلیق کا مادہ باقی لوگوں کے تخلیق کے مادہ سے جدا ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہودی اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ ان کی روحوں کا مصدر اللہ تعالیٰ کی روح ہے۔ جب کہ ان کے علاوہ باقی لوگوں کی روحوں کا مصدر نجس روح یا شیطانی روح ہے۔

اور رافضی اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ ان کی اصل جنت کی مٹی سے ہے۔ اوران کے دشمن کی اصل جہنم کی مٹی ہے۔ یہودیوں اور رافضیوں کے اس عقیدہ میں ان کے اسلاف بھی موجود ہیں۔ اور وہ ہے ابلیس لعین ؛ جس اپنے رب سے کہا تھا ؛ جب اسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ؛ مگر اس نے انکار کیا ؛ [فرمایا]:

﴿قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ﴾ (ص:٧٦)

" کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں۔تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔"

۲۔ یہودی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے مخالف پلید ہیں ؛ اور ایسے ہی رافضی بھی اپنے مخالفین کے پلید ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

۳۔ یہودی اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے مخالفین کی نجاست ان کی اصلِ پیدائش سے ہی ان کے لیے لازم ہے۔ اور یہ کہ وہ پاک نہیں ہوسکتے۔ اور رافضی بھی اپنے مخالفین سے متعلق ایسا ہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

تلمود میں ہے: "نوخریم -اجنبی/ غیر یہودی- کی نجاست کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔"

اور-شیعہ کی معتبر دینی اساسی کتاب- کافی میں آیا ہے: """اس کنوئیں میں مت نہانا جس میں حمام کا پانی جمع ہوتا ہو،اس لیے کہ اس میں ولد الزنا کے غسل کا پانی بھی ہوگا ؛ اور وہ -یعنی ولد الزنا کے غسل کا پانی - سات نسلوں تک پاک نہیں ہوتا۔ اوراس میں ناصبیوں کے غسل کا پانی بھی ہوتا ہے جوان دونوں

سے برا ہے۔''

۴۔ یہودی عقیدہ رکھتے ہیں کہ غیر یہودی کی نجاست ہر اس چیز میں منتقل ہوتی ہے جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے ہیں۔ اس وجہ وہ ان برتنوں کو دھونا واجب قرار دیتے ہیں جن کو غیر یہودی چھو لے۔ تلمود میں آیا ہے:

''جب یہودی آکوم-کسی بھی اجنبی- سے کوئی برتن خریدے، تو یہودی پر واجب ہوتا ہے کہ اسے بڑے حوض یا تالاب سے دھو لے......''

اور رافضی اعتقاد رکھتے ہیں کہ ناصبیوں کی نجاست ہر اس چیز میں منتقل ہو جاتی ہے جس کو وہ چھوئیں۔ اس وجہ سے وہ ان لوگوں سے ہاتھ ملانے پر ہاتھوں کا دھونا واجب قرار دیتے ہیں۔

کافی میں آیا ہے: ایک آدمی نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے کہا: میں کسی ذمی سے ملتا ہوں، اور وہ مجھ سے ہاتھ ملاتا ہے (تو اس کا کیا حکم ہے)؟ کہا: اسے مٹی میں اور دیوار پر مل لے۔ میں نے کہا: اگر وہ ناصبی ہو؟ فرمایا: پھر اسے دھو ڈال۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس عقیدہ میں رافضیوں کی یہودیوں سے مشابہت ذکر کی ہے۔ وہ امور جن میں رافضی یہودیوں سے مشابہت رکھتے ہیں، ان پر گفتگو کے ضمن میں فرماتے ہیں: ''اور مثال کے طور پر رافضیوں کا اپنے علاوہ باقی مسلمانوں اور اہل کتاب کے ابدان کو نجس جاننا؛ اور ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دینا، اور جس پانی یا مائع چیز کو یہ لوگ چھولیں، اسے پلید گردانا ہے۔ اور ان برتنوں کو دھونا جن میں ان کے علاوہ باقی لوگ کھالیں، یہ سامری یہودیوں سے مشابہت ہے، جو کہ یہودیوں میں سب سے برے ہیں۔ اسی لیے لوگ مسلمانوں میں ان کو ایسے ہی سمجھتے ہیں جیسے سامری یہودیوں میں۔''[1]

۵۔ یہودی اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ انسان صرف وہی ہیں۔ اور اپنے علاوہ باقی لوگوں سے اصل انسانیت کی نفی کرتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں آیا ہے:

''اے یہودیو! بے شک تم ہی بنی بشر ہو۔ اس لیے کہ تمہاری روحوں کا مصدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جب کہ باقی امتیں ایسے نہیں ہیں۔''

اور رافضی دعوی کرتے ہیں کہ بے شک انسان فقط وہی ہیں اور اپنے علاوہ باقی لوگوں سے اصل

[1] منهاج السنة ١/٣٧۔

انسانیت کی نفی کرتے ہیں۔ان کی کتابوں میں آیا ہے:

''شیعہ ہی انسان ہیں، ان کے علاوہ باقی لوگوں کے بارے میں اللہ ہی جانتا ہے۔''

۶۔ یہودی اپنے علاوہ باقی لوگوں کے متعلق کتوں، گدھوں اور خنزیروں کی طرف منسوب کرنے کا دعوی کرتے ہیں۔ جب کے رافضی بھی اپنے علاوہ باقی لوگوں کو ان حیوانات کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور اس میں بندروں کا اضافہ کرتے ہیں۔

۷۔ یہودی اپنے دشمنوں پر کتے کو فضیلت اور برتری دیتے ہیں۔ان کی کتابوں میں آیا ہے: ''بے شک کتا اجنبی سے افضل ہے۔''

رافضی کتے کو اہلِ سنت پر برتری دیتے ہیں۔ان کی روایات میں آیا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے کتے سے بری کوئی مخلوق نہیں پیدا کی۔اور ناصبی اس سے بھی برے ہیں۔''

اور دوسری روایت میں ہے: ''ناصبی اللہ کے ہاں کتے سے زیادہ بے وقعت ہے۔''

۸۔ یہودی اور رافضی اس بات پر متفق ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اہل سنت والجماعت کو حقیر جانتا ہے۔

یہ آٹھ وجوہات ہیں جن میں رافضی یہودیوں کے ساتھ متفق ہیں۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رافضی عقیدہ یہودی دین سے وراثت میں ملا ہوا عقیدہ ہے۔اور اسلام اور مسلمان اس عقیدہ سے ایسے ہی بری ہیں جیسے بھیڑیا حضرت یوسف علیہ السلام کے خون سے بری تھا۔

چوتھی بحث:...... یہود اور روافض کے غیروں کو حقیر جاننے کے گمان پر رد

قرآن کریم اور سنتِ نبوی کسی بھی لحاظ سے لوگوں کا ٹھٹھہ اڑانے، ان کے ساتھ مسخرا پن کرنے اور انہیں حقیر جاننے کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ☆ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ

أَخِيْهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴾(الحجرات: ۱۱)

''اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور آپس میں ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ، اور نہ کسی کو برے لقب دو ایمان کے بعد فسق برا نام ہے، اور جو توبہ نہ کریں وہی لوگ ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت بدگمانی سے بچو، کیونکہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور بھید نہ ٹٹولا کرو، اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا گوارہ کرے گا کہ تم کو اس سے گھن آتی ہو؟ اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اللہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ لوگوں کا مذاق اڑانے، انہیں حقیر جاننے اور ان کا ٹھٹھہ کرنے سے منع کرتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((الكبر بطر الحق[1] و غمص للناس۔" وفي رواية :" غمط [2] للناس .))

''تکبر حق سے آگے بڑھنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔''[3]

اور اس سے مراد ان کو حقیر جاننا اور گھٹیا سمجھنا ہے۔ اور ایسا کرنا حرام ہے۔ بسا اوقات جس کا ٹھٹھہ اڑایا جارہا ہے، اور جسے حقیر سمجھا جارہا ہے اس کی قدر اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی ہوتی ہے، اور وہ ٹھٹھہ اڑانے والے اور حقیر جاننے والے سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب اور پسندیدہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَّكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ

[1] ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: [بطرالحق کا معنی یہ ہے کہ] اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور عبادت میں سے جس چیز کو حق قرار دیا ہو، اسے باطل کردے۔ اور کہا گیا ہے کہ: اس کا معنی ہے: حق بات پر تکبر کرے، اور اسے حق نہ سمجھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حق بات پر تکبر کرے، اور اسے قبول نہ کرے۔''النهاية ۱/ ۱۳۵۔

[2] لغمط: لوگوں کی اہانت کرنا انہیں حقیر جاننا؛ غمص بھی اسی معنی میں ہے۔ النهاية ۳/ ۳۸۷۔

[3] رواه مسلم في كتاب الإيمان / باب: تحريم الكبر وبيانه ؛ ح: ۱٤۷۔

وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَى أَنْ يَّكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ ﴾

''اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، ممکن ہیکہ وہ ان سے بہتر ہوں۔''

اللہ نے مردوں کو ممانعت کا حکم دیا، اور پھر اس کے بعد عورتوں کے لیے حکم کو اس پر معطوف کیا۔ ❶

پھر اللہ تعالیٰ نے ٹھٹھہ کی بعض اقسام سے [خصوصاً] منع کیا؛ جیسے: عیب لگانا، برے نام سے پکارنا وغیرہ؛ فرمایا:

﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾

''اور آپس میں ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ، اور نہ کسی کو برے لقب دو۔''

علامہ شوکانی رحمہ اللہ: ﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اللمز کا معنی ہے عیب۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لمز ہاتھ سے بھی ہوتا ہے، اور آنکھ اور زبان اور اشارہ سے۔ جب کہ ''ھمز۔'' صرف زبان سے ہوتا ہے۔

﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ کا معنی یہ ہوا کہ: تم آپس میں ایک دوسرے کے عیب نہ نکالو؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (النساء: ۲۹) ''اور اپنی جانوں کو قتل مت کرو۔'' [یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو]۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ﴾ (النور: ٦١)

''اور اپنے آپ پر سلام کرو۔'' [یعنی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرو]۔

امام مجاہد اور قتادہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

''تم آپس میں ایک دوسرے پر طعنہ زنی مت کرو۔ اور امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تم آپس میں ایک دوسرے پر لعنت مت کرو۔'' ❷

اور ﴿ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ کے معنی میں علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''التنابز۔'' نَبْز [ب ساکن] کے ساتھ تفاعل کے وزن پر ہے۔ یہ مصدر ہے۔ اور ''نَبَز [ب پر زبر] کے ساتھ لقب ہے۔ اور اس کی جمع ''أَنْبَاز۔'' آتی ہے۔ اور الالقاب لقب کی جمع ہے؛ یہ انسان کا غیرِ مسمی

❶ تفسیر ابن کثیر ٤/ ٢١٢۔ ❷ تفسیر فتح القدير ٥/ ٦٤۔

نام ہے۔ اور یہاں پر مراد برے القاب ہیں۔ اور تنابز بالالقاب کا معنی یہ ہوا کہ آپ میں ایک دوسرے کو برے نام سے پکارا جائے۔ امام واحدی فرماتے ہیں:

مفسرین رحمہم اللہ نے کہا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی سے کہے: اے فاسق؛ اے منافق؛ یا مسلمان ہوجانے والے کے لیے کہے: اے یہودی؛ اے نصرانی۔ حضرت عطاء [ابن ابی رباح] فرماتے ہیں: ہر وہ چیز جو آپ کے بھائی کو اسلام سے خارج کردے؛ جیسے کہ یہ کہنا: اے کتے؛ اے گدھے، اے خنزیر۔'' ﴿ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيْمَانِ ﴾ یعنی جو ایمان میں داخل ہونے کے بعد فسق کی یاد دلائے، وہ برا نام ہے۔ یہاں پر نام یاد دلانے کے معنی میں ہے۔'' [1]

یہ آیت کریمہ یہودیوں اور رافضیوں پر رد ہے؛ جو اپنے مخالفین کا ٹھٹھہ اڑاتے ہیں، اور ان کی شان میں کمی کرتے ہیں، اور ان کو برے القاب سے یاد کرتے ہیں؛ جیسے ان کا اپنے مخالفین کو بندر؛ خنزیر؛ کتے اور گدھے کہنا۔ حالانکہ وہ خود ان القاب کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں مسخ کردیا تھا؛ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَواْ مِنكُمْ فِيْ السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُواْ قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ﴾ (البقرہ:٦٥)

''اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل وخوار بندر ہوجاؤ۔''

نیز فرمانِ الٰہی ہے:

﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللّهِ مَن لَّعَنَهُ اللّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُوْلَئِكَ شَرٌّ مَّكَاناً وَأَضَلُّ عَن سَوَاء السَّبِيْلِ﴾ (المائدہ: ٦٠)

''کہو کہ میں تمھیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر جزا پانے والے کون ہیں، وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر غضبناک ہوا اور (جن کو) ان میں سے بندر اور سؤر بنا دیا اور جنہوں نے شیطان کی پرستش کی ایسے لوگوں کا برا ٹھکانا ہے اور وہ سیدھے رستے سے

[1] تفسیر فتح القدیر ٥/ ٦٤۔

بہت دور ہیں۔''

جیسا کہ اللہ تعالیٰ انہیں تورات کو نہ اٹھانے اوراس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گدھوں سے بھی تشبیہ دی ہے؛ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَاراً بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِىْ الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ﴾ (الجمعه: ۵)

''جن لوگوں (کے سر) پر تورات لدوائی گئی پھر انہوں نے اس (کے بارِ تعمیل) کو نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں جو لوگ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں ان کی مثال بُری ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے [یہودیوں کے] اس آدمی کو کتے سے تشبیہ دی ہے، جس کو اس نے اپنی آیات عطا کی تھیں، مگر وہ ان سے روگردانی کرتا رہا، وہ [آدمی] بنی اسرائیل میں سے تھا۔ ❶ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِىْ آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِيْنَ ☆ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَـكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ذَّلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُواْ بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (الاعراف: ۱۷۵ ۔ ۱۷۶)

''اور ان کو اُس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں (اور ہفت

❶ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عبدالرزاق نے کہا ہے: سفیان ثوری سے روایت ہے، وہ اعمش اور منصور سے؛ اور وہ ابوالضحیٰ سے، اور وہ مسروق سے؛ وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِىْ آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں؛ یہ بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا جس کا نام بلعم بن باعوراء تھا۔ مالک بن دینار کہتے ہیں: یہ شخص بنی اسرائیل کے علماء میں سے ایک تھا؛ اور اس کی دعا قبول کی جاتی تھی۔ مصیبت کے وقت اسے دعا کے لیے آگے کیا کرتے تھے۔ اسے اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے بادشاہ کے پاس دعوتِ دین کے لیے بھیجا۔ اس بادشاہ نے اس کو کچھ عطیات دیے؛ تو یہ موسیٰ علیہ السلام کا دین چھوڑ کر اس بادشاہ کے دین پر لگ گیا۔ تفسیر ابن کثیر ۲/ ۲٦٤۔

پارچہ علم شرائع سے مزین کیا) تو اُس نے اُن کو اتار دیا پھر شیطان اُس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو اُن آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اُس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو (ان سے) یہ قصہ بیان کر دو تاکہ وہ فکر کریں۔''

اور ایسے ہی رافضہ کے متعلق بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ ان میں سے بعض کی شکلیں خنزیروں اور بندروں کی صورت میں مسخ کر دی گئی تھیں؛ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ رافضیوں کی یہودیوں سے مشابہت کے ضمن گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور ان -وجوہ مشابہت- میں ایک یہ بھی ہے کہ یہودیوں کو خنزیروں اور بندروں کی شکلوں میں مسخ کر دیا گیا تھا۔ اور یہ بات نقل کی گئی ہے کہ ایسے واقعات بعض رافضیوں کے ساتھ مدینہ منورہ اور دوسرے علاقوں میں بھی پیش آئے ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ان کی شکلیں اور چہرے موت کے وقت بگڑ جاتے ہیں''[1]۔ واللہ اعلم

جب کہ مسلمان جن کے لیے رافضی اور یہودی یہ اوصاف بیان کرتے ہیں؛ انہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا ہے؛ اور انہیں باقی امتوں پر شرف سے نوازا ہے کہ انہیں بہترین امت بنایا ہے، جنہیں لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''تم سب سے بہترین امت ہو؛ تمہیں نکالا گیا ہے کہ نیکی کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اور نبی کریم ﷺ نے اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جاننے اور اس کی شان میں کمی کرنے سے ڈرایا ہے۔ صحیح مسلم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

[1] الرد علی الرافضة ص: ٤٤۔

((المسلم أخو المسلم، لا يظلمه، ولا يخذله، ولا يحقره، والتقوى هاهنا، - يشير إلى صدره ثلاث مرات- بحسب امرىء من الشرِّ أن يحقر أخاه، كل المسلم على المسلم حرام دمه، وماله، وعرضه .))

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، اور نہ اسے ذلیل کرتا ہے، اور نہ اسے حقیر جانتا ہے، اور تقوی یہاں ہے، - یہ فرماتے وقت اپنے سینہ مبارک کی طرف تین بار اشارہ کیا- اور کسی مسلمان کے لیے اتنا شر ہی کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حقیر جانے، ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر خون حرام ہے، مال حرام ہے، اور اس کی عزت سے کھیلنا حرام ہے۔''[1]

سو نبی کریم ﷺ نے مسلمان کو حقیر جاننا حرام ٹھہرایا ہے، اور یہ بیان کیا ہے کہ لوگوں کے مابین فضیلت کا معیار اللہ تعالیٰ کا تقوی ہے؛ اور دل کی خفیہ باتوں اور سینے کے رازوں کے متعلق کسی ایک کو بھی خبر نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ گویا کہ آپ اشارہ فرمارہے تھے کہ جب تک معاملہ ایسے رہے؛ اور یہ حالت رہے، [یعنی معاملات دل میں پوشیدہ رہیں] تو کسی ایک کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ کسی دوسرے کو حقیر جانے۔ اس لیے کہ تقوی کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ حقیر جاننے والے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اس ایک خصلت کی وجہ سے ''اہل شر'' میں سے ہے؛ یعنی مسلمانوں کو حقیر جاننے کی خصلت [کی وجہ سے]۔ پھر آپ ﷺ نے خبر دی کہ مسلمانوں کے خون، ان کے اموال، اور ان کی عزتیں حرام ہیں۔ کسی ایک کو یہ اجازت نہیں کہ وہ ان عزتوں کو پامال کرے، یا انہیں مباح ٹھہرائے۔

اس حدیث میں یہودیوں اور رافضیوں پر رد ہے جو مسلمانوں کے خون، اموال، اور عزتوں کو حلال جانتے ہیں، اور انہیں انتہائی درجہ کا حقیر سمجھتے ہیں۔

جیسے کتاب الٰہی ان کے لوگوں کو حقیر جاننے کے اس فاسد نظریہ کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے، ایسے ہی خود ان لوگوں کی کتابیں بھی ان کے اس معتقد کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

سفر ارمیا میں فخر جتلانے کی نہی اور مذمت وارد ہوئی ہے:

---

[1] مسلم: کتاب البر والصلة؛ باب: تحریم ظلم المسلم و خذله و احتقاره و دمه و عرضه و ماله؛ ح: ۳۲۔

''رب نے ایسے ہی کہا ہے: حکیم اپنی حکمت کی وجہ سے ہر گز فخر نہ کرے۔ اور نہ ہی جبار اپنی جبروت کی وجہ سے فخر کرے؛ اور نہ ہی مالدار آدمی اپنی تونگری کی وجہ سے فخر کرے۔ بلکہ فخر کرنے والے کو اس چیز پر فخر کرنا چاہیے کہ وہ سمجھتا ہے اور مجھے جانتا ہے؛ بے شک میں ہی رب ہوں، اور رحمت کا بنانے والا ہوں؛ اور زمین میں عدل اور فیصلہ کرنے والا ہوں۔ یہ راز کی باتیں رب کہتا ہے۔''❶

اس نص میں کسی بھی چیز پر فخر کرنے کی نہی آئی ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے تقوی کے۔ اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے قریب تر ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

''اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے، اور ہم نے تمھیں قبائل اور خاندان اس لیے بنایا ہے تا کہ تم پہچان حاصل کر سکو، تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو۔''

اس حکم میں یہودیوں پر واضح رد ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور تقوی کے علاوہ دوسرے بہت سارے امور کی وجہ سے فخر جتلاتے ہیں؛ اور جن کی بنیاد عنصریت؛ قبیلہ اور قوم پرستی پر ہے۔ جیسے ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو اپنا حصہ بنایا ہے، جب کہ باقی لوگوں کی روحیں شیطان سے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی باطل دعوے؛ جن کی وجہ سے وہ لوگوں کو حقیر جانتے ہیں۔

رافضیوں کے ہاں بھی بعض روایات لوگوں پر فخر جتلانے اور ان کو حقیر جاننے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ حرّانی نے ''تحف العقول'' میں روایت کیا ہے، نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: بے شک آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے، اور تم سب آدم سے ہو؛ اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے ہیں ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ اور عربی کو عجمی پر کوئی برتری نہیں سوائے تقوی کے۔''❷

---

❶ اصحاح ۹، فقرات ۲۳-۲۴۔
❷ تحف العقول عن آل رسول ﷺ ص: ۳۰۔

یہ روایت ان روافض پر رد ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اصل خلقت میں باقی لوگوں سے امتیازی حیثیت میں پیدا کیا ہے؛ انہیں عام لوگوں کی پیدائش والی مٹی سے علیحدہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے؛ اور وہ لوگوں کو حقیر جانتے ہیں، اور ان کے حقوق میں کمی کرتے ہیں۔ سو نبی کریم ﷺ نے بیان کر دیا ہے کہ تقوی کے بغیر کسی ایک کی کسی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اور تمام لوگوں کی اصل ایک ہے، اور وہ ہیں حضرت آدم علیہ السلام؛ اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے جسے نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ''تم میں میری مشابہت سے سب سے زیادہ دور بخیل، اور فحش گو، اور بیہودہ انسان ہے۔'' [1]

اور کون سی فحاشی اور کون سی بیہودہ گوئی اس سے بڑھ کر ہوگی کہ رافضی اپنے تمام مخالفین کو زنا کی اولاد ہونے کا الزام دیتے ہیں۔ اور ان کے لیے بندر؛ خنزیر کے اوصاف بیان کرتے ہیں، اور کتوں کو ان پر برتری دیتے ہیں۔

یہ روایات ان پر حجت ہیں، اور ان کے مذہب کے فاسد ہونے کی دلیل ہیں؛ [ایسا مذہب] جو کہ اپنے مخالفین کی تحقیر پر قائم ہے۔ مگر یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

سو اب رافضیوں اور یہودیوں کے باقی لوگوں کو حقیر جاننے کے عقیدہ کا فاسد ہونا کتاب و سنت کی نصوص اور خود ان کی کتابوں کی نصوص سے ثابت ہوگیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

❀❀❀❀

---

[1] تحف العقول عن آل رسول ﷺ ص: ۳۷۔

فصل سوم:

مخالفین کے ساتھ یہودی نفاق اور رافضی تقیہ کا استعمال

یہ فصل چار مباحث پر مشتمل ہے:

پہلی بحث:......یہودیوں میں نفاق

دوسری بحث:......رافضیوں میں تقیہ

تیسری بحث:......تقیہ اور نفاق کے استعمال میں وجوہِ مشابہت

چوتھی بحث:......غیروں کے ساتھ یہودی نفاق اور رافضی تقیہ پر رد

پہلی بحث:...... یہودیوں میں نفاق

منافقت یہودی اخلاقیات میں سے ہے۔جس کے بارے میں یہودی مشہور ہیں، اور یہ اخلاق بھی ان کے ساتھ ازل سے ہی مشہور ہے۔ یہاں تک کہ اب یہودی تاریخ کی ایک واضح علامت بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں یہودی منافقت کی چند ان شکلوں کے بارے میں خبر دی ہے جو یہودی رسول اللہ ﷺ کے دور میں مسلمانوں کے ساتھ اپنایا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُواْ آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْاْ عَضُّواْ عَلَيْكُمُ الأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ﴾
(آل عمران: ۱۱۹)

''اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔''

اور فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا جَآؤُوكُمْ قَالُوَاْ آمَنَّا وَقَد دَّخَلُواْ بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُواْ بِهِ وَاللّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُواْ يَكْتُمُونَ﴾ (المائدہ: ۶۱)

''اور جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ کفر لے کر آتے ہیں اور اسی کو لے کر جاتے ہیں اور جن باتوں کو یہ مخفی رکھتے ہیں اللہ اُن کو خوب جانتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ - جو کہ یہودی نفسیات کو بہت خوب جانتا ہے - نے اپنی مقدس کتاب میں ان یہودی اخلاقیات کو کئی مواقع پر درج کیا ہے؛ اور انہیں اس کی وجہ سے ذلیل کیا ہے؛ تاکہ مسلمان منافقت اور دھوکہ بازی کے ان یہودی اسلوبوں سے بچ کر رہ سکیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انسان اس سے ہیبت کھا جاتا ہے، اور اس کا تعجب اسے کہیں سے کہیں لے جاتا ہے کہ کیسے منافقت ان لوگوں کے دلوں میں رچ بس گئی ہے؛ حتیٰ کہ لگتا ہے کہ یہ ان کی پیدائشی صفت ہے

جو ہر شہر اور ہر دور میں ان کے ساتھ چپکی ہوئی ہے۔

لیکن جب انسان یہودی کتابوں کی طرف رجوع کرتا ہے-خصوصاً کتاب تلمود- تا کہ وہ ان کتابوں میں اس یہودی وصف کی بنیادی تفسیر و وضاحت تلاش کرے،-تو پتہ چلتا ہے کہ-تلمود کے لکھنے والوں نے یہودی نفوس میں نفاق کا بیج بویا ہے۔ جسے انہوں نے شرعی اور دینی رنگ میں رنگ دیا ہے۔ اور اسے انہوں نے ایک شرعی واجب اور اپنے وسائل میں سے ایک وسیلہ بنالیا ہے جس سے وہ اپنی دینی یا ذاتی خواہشات پوری کرسکیں۔

تلمودی تعلیمات کے ضمن میں یہ بھی آیا ہے:

''یہودی کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اپنے مخالفت کے ساتھ مجاملت سے کام لے، تا کہ اس کے شر سے محفوظ رہے۔ اور اس کے لیے شر اور اذیت کو پوشیدہ رکھے۔''❶

تلمود کا ایک کاتب جس کا نام حاخام بشائی ہے؛ کہتا ہے:

''بے شک منافقت جائز ہے؛ اور بے شک انسان - یعنی یہودی - کے لیے ممکن ہے کہ وہ کافروں کے ساتھ مؤدب بن کر رہے؛ اور اس کی محبت کا جھوٹا دعوی کرے؛ جب اس سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔''❷

اور تلمود کی نصوص میں سے ایک اور نص میں ہے:

''یہودی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کافر کو دھوکہ دے۔ اور اس پر حرام ہے کہ کافر کو سلام کرے؛ جب تک اس کی تکلیف پہنچنے یا دشمنی کا اندیشہ نہ ہو۔ اس حالت میں منافقت جائز ہے۔ اور کافر کی محبت کا دعوی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے-خصوصاً-جب یہودی کو اس-کافر- سے تکلیف پہنچنے کا خوف بھی ہو۔''❸

اور حاخام ''اکیبا'' کہتا ہے: ''یہودی پر لازم ہے کہ وہ اپنے حقیقی مقصد کا اظہار نہ کرتے تا کہ اپنی دینی اعتبار باقی امتوں کی نظروں میں کھو نہ دے۔''❹

---

❶ عبد الله تل : جذور البلاء ص: ٨٠۔

❷ د/ روهلنگ : الكنز المرصود ص: ٧٠۔

❸ إسرائيل و تلمود ص: ٦٩۔

❹ د/ روهلنگ : الكنز المرصود ص: ٧٥۔

ایسے یہودی حاخام اپنے ماننے والوں کے لیے منافقت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ غیر یہودی کے ساتھ نفاق جائز ہے۔ بلکہ اسے ایک دینی ضرورت اور شرعی مطلب شمار کرتے ہیں جس پر یہودی حاخاموں کے سابقہ اقوال دلیل ہیں۔

پھر جب ان حاخاموں نے اپنے دین نفاق اور دھوکہ بازی کو مشروع قرار دیا؛ اور اسے ایک دینی واجب بنالیا؛ تو انہوں نے وہ اسلوب بھی وضع کیے جن پر چلتے ہوئے یہودی کو اپنے مخالف کے ساتھ دھوکہ منافقت کا برتاؤ کرنا چاہیے۔

یہودیوں کے ہاں منافقت کے اسلوب میں سے: ان کا اپنے علاوہ باقی لوگوں کو سلام کرنے کا طریقہ ہے۔ تلمود میں آیا ہے:

''یہودی کو اجازت ہے کہ جب اجنبی سے ملے تو اسے سلام کرے، اور اس سے کہے: ''اللہ تیری مدد کرے، اور تیرے لیے مبارک بنائے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ اپنے دل میں اس سے ٹھٹھہ کر رہا ہو۔'' ❶

اور تلمود میں ہی آیا ہے:

''بے شک [عالم] ربانی (شاھاتا) جو کہ دین پر بڑی مضبوطی سے قائم تھا؛ کی عادات میں سے تھا کہ وہ غیر یہودی پر اس طرح سلام کرتا تھا:

''السلام معک'' سلام تیرے ساتھ ہو۔'' اس سے وہ نیت کو اپنے استاذ کی طرف متوجہ کرتا تھا نہ کہ غیر یہودی کی طرف۔'' ❷

ایسے یہودی سلام کرنے کا اظہار کرتے ہیں، اور اپنے جی میں وہ بات پوشیدہ رکھتے ہیں جس کا اظہار نہیں کرتے۔ پس کسی مسلمان کے لیے اس کے بعد مناسب نہیں ہے کہ وہ یہودیوں کے منافقانہ اسلوب سے دھوکہ کھا جائے خواہ وہ جتنی بھی محبت اور پیار کا اظہار کرلیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اسلوب کو رسوا کیا، اور یہ کلی قرآن میں کھول کر بیان کردی فرمایا:

﴿ وَإِذَا جَاؤُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ ﴾ (المجادلہ:۸)

---

❶ د/ روهلنك : الكنز المرصود ص: ٧١۔

❷ همجية التعاليم الصيهونية ص: ٧٢۔

''جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو ایسے سلام کرتے ہیں جو سلام اللہ نے -مشروع- نہیں کیا۔''

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کا سبب نزول روایت کیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے؛ اچانک ان کے پاس ایک یہودی آیا، اوران پر سلام کیا ؛ انہوں نے سلام کا جواب دیا؛ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو اس نے کیا کہا ہے؟

کہنے لگے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے تو سلام کیا ہے۔ فرمایا نہیں، بلکہ اس نے تمہیں موت کی بد دعا دی ہے، یعنی تم اپنے دین میں زہر آلود ہوجاؤ۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے واپس بلاؤ۔ اسے واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تو نے کہا ہے: تم پر موت ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل کتاب کی طرف سے تم پر سلام کیا جائے تو کہو: ''علیک۔'' یعنی: ''تجھ پر۔'' [1]

منافقت میں یہودیوں کے اسلوب میں ایک اپنے مخالفین کی خوشیوں میں شریک ہوکر ان سے محبت کا اظہار کرنا ہے۔ اور منافقت اور دھوکہ بازی سے ان کے لیے خوشی اور سرور کو ظاہر کرنا ہے۔ حاخاموں کی وصیتوں میں یہ بات آئی ہے:

''جب تم کسی گاؤں میں داخل ہو، اور وہاں کے رہنے والے عید منارہے ہوں؛ تم پر واجب ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ اپنی شراکت ظاہر کرو، اور ان بہت بڑی خوشی کا اظہار کرو، تاکہ تم اپنے بغض کو چھپا سکو۔'' [2]

اور ایسے ہی یہودی حاخام اپنے ماننے والوں کو یہودی مخالفین کی تیمار داری کرنے اور ان کے جنازوں میں منافقت اور دھوکہ دہی سے شریک ہونے کی وصیت بھی کرتے ہیں؛ تلمود میں ہے:

''یہودی کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ عیسائی مریض کی تیمار داری کرے۔ اور ان کے

---

[1] تفسیر ابن کثیر ٤/ ٣٢٣۔ بخاری /کتاب استتابۃ المرتدین : باب : إذا عرض الذمي او غيره بسب النبي ﷺ ؛ مع فتح الباری ١٢/ ٢٨٠۔

[2] فضح التلمود ص: ١٢٦۔

مردوں کو دفن کرے۔ [یہ اس وقت ہوگا] جب انہیں ان عیسائیوں سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔''❶

اور یہودیوں کی منافقت کا ایک اسلوب یہ ہے کہ: دوسرے دین کے قبول کو ظاہر کرنا ہے تا کہ اس دین کے ماننے والوں کو دھوکہ دے سکیں، اور ان کے خلاف سازش کر سکیں۔ تلمود میں ہے:

''جب یہودی اس بات کی استطاعت رکھتا ہو کہ وہ بت پرستوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دے کہ وہ ستاروں کا پجاری ہے، تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔''❷

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس یہودی اسلوب کے بارے میں اپنی کتاب میں خبر دی ہے؛ جس کا برتاؤ وہ مسلمانوں کے ساتھ کرتے تھے۔ اور یہ اس طرح کہ جب ان سے ملتے تو ایمان کا دعوی کرتے؛ اور جب ان سے جدا ہو جاتے تو ان کے خلاف سازشیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا لَقُواْ الَّذِيْنَ آمَنُواْ قَالُواْ آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىَ بَعْضٍ قَالُواْ أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾

(البقرۃ: ٧٦)

''اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جو بات اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہے وہ تم ان کو اس لیے بتائے دیتے ہو کہ (قیامت کے دن) اُسی کے حوالے سے تمہارے رب کے سامنے تمہیں الزام دیں۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟''

اس مکر اور دھوکہ بازی میں آگے بڑھنے کے لیے حاخام اپنے ماننے والوں کے لیے جھوٹی قسم اٹھانا جائز قرار دیتے ہیں۔ اور یہودیوں کا خیال ہے کہ اس میں ان کے لیے کوئی گناہ نہیں ہے؛ جب کہ یہ قسم یہودی مصلحت کی خاطر غیر یہودی کے سامنے اٹھائی جائے۔

تلمود میں آیا ہے: ''یہودی کے لیے جائز ہے کہ وہ جھوٹی قسم اٹھائے، خاص کر جب کہ دوسری قوموں کے ساتھ ہو۔''❸

---

❶ د/ روهلنك: الكنز المرصود ص: ٧١۔ ❷ فضح التلمود ص: ١٣٣۔
❸ اسرائيل و تلمود ص: ٧٧۔

اور ایک دوسری نص میں ہے: ''یہودی پر واجب ہے کہ وہ بیس جھوٹی قسمیں اٹھائے اور اپنے کسی یہودی بھائی کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے دے۔'' ❶

یہ وہ بعض اسلوب ہیں جو حاخاموں نے اپنے ماننے والوں کے لیے ایجاد کیے ہیں، تاکہ ہر زمانے اور ہر جگہ کے یہودیوں کے لیے باقی اقوام کے ساتھ دھوکہ دہی اور منافقت کا برتاؤ کرنے کے لیے ایک آسان راہ پیدا ہو جائے۔ یہ صرف یہودی اخلاق ہی نہیں ہے جس پر انہوں نے تربیت پائی ہے؛ بلکہ ان کا دینی دستور اور شرعی منہج ہے؛ جسے یہود نے اپنے لیے گھڑ لیا تاکہ باقی اقوام اور ملتوں کے ساتھ یہ سلوک کر سکیں۔

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ یہودی ان مذموم اخلاقیات کو نسل درنسل وراثت میں پاتے چلے آرہے ہوں۔ جب کہ ہم نے اس اخلاق کا ان کے ہاں دینی مقام و مرتبہ بھی پہچان لیا ہے [پھر تو تعجب کی کوئی بات ہی نہیں]۔

دوسری بحث:......رافضیوں میں تقیہ

وہ عقائد جن میں رافضی باقی اسلامی فرقوں سے جدا ہیں، ان میں ایک تقیہ کا عقیدہ بھی ہے۔ تقیہ کو رافضیوں کے دین میں بہت بڑی منزلت؛ بلند مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ اس پر کئی ایک روایات دلالت کرتی ہیں جو کہ ان کی اہم ترین بنیادی کتابوں میں آئی ہیں۔

کلینی اور دوسرے لوگوں نے جعفر الصادق سے نقل کیا ہے: وہ کہتے ہیں:

((التقية ديني و دين آبائي ؛ ولا أيمان لمن لا تقية له .))

''تقیہ میرا دین ہے اور میرے آباء کا دین ہے، اور اس کا کوئی ایمان نہیں ہے جس کے ہاں تقیہ نہیں ہے۔'' ❷

اور ابوعبداللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے:

''دین کی نو دھائی تقیہ میں ہے۔ اور اس کا کوئی ایمان نہیں ہے جس کے ہاں تقیہ نہیں ہے؛ اور

---

❶ د/ روهلنك : الكنز المرصود ص: ٩٥۔

❷ أصول الكافي ٢/٢١٩؛ المحاسن ص: ٢٥٥۔

تقیہ ہر چیز میں ہے،سوائے نبیذ، اورموزوں پر مسح کے۔''❶

اورطوسی نے اپنی امالی میں جعفر الصادق سے روایت کیا ہے؛ انہوں نے کہا ہے:

'' وہ ہم میں سے نہیں ہے جو تقیہ کو اپنے لیے لازم نہ کرلے اور ہمیں گری ہوئی رعیت سے بچانہ لے۔''❷

اور''المحاسن''میں حبیب بن بشیر نے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے،وہ کہتے ہیں:

'' اللہ کی قسم ہرگز نہیں! زمین پر کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو تقیہ سے بڑھ کر مجھے محبوب ہو۔اے حبیب! جو تقیہ کو اپناتا ہے،اللہ تعالیٰ اسے بلند مقام عطا کرتے ہیں۔اے حبیب! جو تقیہ نہیں کرتا،اللہ تعالیٰ اسے گرا[ذلیل ورسوا کر] دیتے ہیں۔''❸

اور "الأصول الأصلية"میں ہے:علی بن محمد نے مسائل داؤد الصرمی میں نقل کیا ہے:وہ کہتا ہے:

'' اے داؤد! اگر میں تم سے کہوں کہ تقیہ ترک کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے نماز کا ترک کرنے والا؛ تو میں[اپنی بات میں] سچا ہوں گا۔''❹

اور باقر سے روایت ہے اس سے پوچھا گیا: لوگوں میں سب سے کامل کون ہے؟ کہا:

'' جو تقیہ میں سب سے بڑا عالم ہو، اوران سے بڑھ کر اپنے بھائیوں کے حقوق [پورے کے پورے] ادا کرنے والا ہو۔''❺

اوراسی سے روایت ہے، بے شک اس نے کہا ہے:

''ہمارے شیعہ فاضل علماء کا سب سے بہترین اخلاق تقیہ کا استعمال کرنا ہے۔''❻

یہ روایات ان کے ہاں تقیہ کی منزلت اوران کے دین میں اس کے مقام کو واضح کرتی ہیں۔

یعنی تقیہ رافضی دین کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے۔اوراس کا کوئی ایمان نہیں ہوتا جو تقیہ نہیں کرتا۔اور تارک تقیہ ایسے ہی ہے جیسے تارک نماز۔ بلکہ ان کے ہاں باقی سارے ارکان اسلام سے افضل ہے۔تقیہ ان کے ہاں دین کے نو حصوں کے برابر ہے۔اور باقی سارے ارکان اسلام اورفرائض فقط باقی

---

❶أصول الكافي ۲/۲۱۷؛ المحاسن ص: ۲۵۹۔
❷امالي الطوسي ص: ۲۸۷۔
❸المحاسن للبرقي ص: ۲۵۷۔
❹عبد الله شبر : الأصول الأصلية : ص : ۳۲۰۔
❺عبد الله شبر : الأصول الأصلية : ص : ۳۲٤۔
❻عبد الله شبر : الأصول الأصلية : ص : ۳۲۰۔

دسواں حصہ ہیں۔

رافضیوں کے دین میں تقیہ کی یہ منزلت ہے۔[اب دیکھنا یہ ہے کہ] وہ تقیہ کیا ہے جسے ان کے دین میں اتنا بلند و بالا مقام حاصل ہے۔

مفید اپنی کتاب "تصحیح الاعتقاد" میں رافضیوں کے ہاں تقیہ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے کہتا ہے:

"تقیہ حق کو چھپانا، اور اعتقاد کو اس کے پردے میں رکھنا ہے۔ اور اپنے مخالفین سے چھپ کر رہنا ہے۔ اور ان مظاہرات [شرعی امور] کا ترک کرنا ہے جن کے بجالانے سے دین یا دنیا میں تکلیف پہنچنے کا خوف ہو۔"[1]

بارھویں صدی کا ایک شیعہ عالم یوسف البحرانی تقیہ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے کہتا ہے:

"اس سے مراد خوف کی وجہ سے مخالفین کے ساتھ ان کے دین میں موافقت کا اظہار ہے۔"[2]

اور خمینی کہتا ہے: "تقیہ کا معنی ہے کہ: انسان ایسی بات کہے، جو واقع کے خلاف ہو۔ یا کوئی ایسا عمل بجالائے جو میزان شریعت کا الٹ ہو؛ اور وہ اپنے خون، اپنے مال اور اپنی عزت کی حفاظت کے لیے کرے۔"[3]

تقیہ کی یہ تین تعریفیں [معانی] تین مختلف زمانوں کے ان کے تین بڑے علماء سے نقل کی ہیں۔ ان معانی پر غور و فکر اور تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان معانی میں کوئی اختلاف نہیں پاتے؛ اگرچہ الفاظ اور عبارت آپس میں مختلف ہیں۔

[احکام تقیہ]:

ہم دیکھتے ہیں کہ رافضیوں کے ہاں تقیہ کی یہ تعریفات چار اہم ترین احکام کے گرد گھومتی ہیں:

۱۔ تقیہ کا معنی یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے کے لیے اس چیز کے خلاف ظاہر کرے جو وہ [اپنے اندر] پوشیدہ رکھتا ہے۔

---

[1] تصحیح الاعتقاد ص: ۱۱۵۔ [2] الکشکول ۱/۲۰۲۔

[3] کشف الأسرار ص: ۱۴۷۔

۲۔ بے شک تقیہ کا استعمال مخالفین کے ساتھ ہوتا ہے۔اور یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ تمام مسلمان اس عموم میں شامل ہیں۔

۳۔ تقیہ ان امور میں ہوتا ہے جن کو مخالفین دین سمجھتے ہیں۔

۴۔ تقیہ دین، جان اور مال پر خوف کے وقت ہوتا ہے۔

یہ چار احکام رافضیوں کے ہاں عقیدہ ءتقیہ کا محور اور مرکز ہیں۔ اب میں آنے والی سطور میں ان احکام پر دلائل بھی ان لوگوں کی کتابوں سے پیش کروں گا۔

پہلا حکم کہ: ''تقیہ کا معنی یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے کے لیے اس چیز کے خلاف ظاہر کرے جو وہ [اپنے اندر]پوشیدہ رکھتا ہے۔'' اس پر ابوبصیر کی روایت دلالت کرتی ہے۔ وہ کہتا ہے: ابوجعفر علیہ السلام نے کہا ہے:

''ظاہری طور پر ان کے ساتھ میل جول رکھو۔ اور خفیہ طور پر ان کی مخالفت کرو، خصوصاً جب کہ حکومت بھی بچوں والی (یعنی بیوقوف) ہو۔'' ❶

اور ابوعبداللہ سے روایت ہے وہ کہتا ہے:

''اپنے دین کی حفاظت کرو، اور اسے تقیہ کر کے بچاؤ۔ اس لیے کہ جس کا تقیہ نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں۔'' ❷

یہاں تک کہ انہوں نے اللہ کے نبیوں پر بھی تقیہ کی تہمت دھری ہے۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی تھی:

''اے موسیٰ! میرے خفیہ راز کو اپنے راز میں چھپاؤ۔ اور اپنے اعلانیہ میں لحاظ ملاحظہ کا اظہار کرو۔ یعنی میرے اور میری مخلوق میں سے اپنے دشمن کے لیے۔'' ❸

یہ روایات اس ترغیب میں آئی ہیں کہ انسان جس چیز کو دین بناتا ہے یا جس کا عقیدہ رکھتا ہے، اس کے خلاف ظاہر کرے۔ یہ مؤمنین کی صفات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ منافقین کی خصلت ہے۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

❶ اصول الکافی ۲/ ۲۲۰۔ ❷ اصول الکافی ۲/ ۲۱۸۔
❸ اصول الکافی ۲/ ۱۱۷۔

﴿وَإِذَا لَقُواْ الَّذِيْنَ آمَنُواْ قَالُواْ آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْاْ إِلَى شَيَاطِيْنِهِمْ قَالُواْ إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ﴾ (البقرہ: ۱۴)

''اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (اُن سے) کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہم تو ہنسی کیا کرتے ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوبِهِمْ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ﴾ (محمد:۱۶۷)

''منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہیں اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے۔''

رہا ان کا اپنے تمام مخالف مسلمانوں کے ساتھ تقیہ استعمال کرنا؛ اس پر ان کے ہاں سب سے صحیح کتابوں میں وارد روایات؛ اور ان کے مشہور علماء کے اقوال دلالت کرتے ہیں۔ مفید نے علی بن مہر باز بن بکر بن صالح سے روایت کیا ہے؛ اس نے کہا ہے:

''میرے سسر نے ابو جعفر الثانی صلوات اللہ علیہ کی طرف خط لکھا کہ: میرا باپ ایک خبیث الرائے ناصبی ہے۔ اور کبھی میں اس سے بہت ہی شدت اور سخت تکلیف پاتا ہوں۔ آپ کی رائے کیا ہے - میں آپ پر قربان جاؤں - میرے لیے دعا کرنے میں۔ اور آپ کیا خیال کرتے ہیں - میں آپ پر قربان جاؤں - کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں اس سے کھل کر بات کروں؛ یا اس کے ساتھ مدارت [1] سے کام لوں؟ تو انہوں نے جواب میں لکھا: ''میں آپ کا خط سمجھ گیا۔ اور جو کچھ تم نے اپنے باپ کے بارے میں لکھا ہے۔ اور میں تم پر بددعا نہیں کروں گا؛ ان شاء اللہ۔ اور مدارت تمہارے لیے مکاشفت (کھل کر بات کرنے) سے بہتر ہے۔ اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔'' [2]

[1] مدارت کا لفظ پہلے بھی گزرا ہے اور آگے بھی آئے گا۔ یہ ایک اصلاح ہے جب انسان کسی مصلحت کے تحت یا کسی کی دلجوئی کے لیے کوئی معمولی دینی معاملہ ترک کردے، یا اس میں سستی برتے۔ تو کہا جاتا ہے اس نے مدارت سے کام لیا۔ اس کا معنی لحاظ رکھنے سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ مترجم۔

[2] آمالی المفید ص: ۱۲۱۔

یہ لوگ اہل سنت کے ساتھ تقیہ کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں۔یہی نہیں بلکہ یہاں تک بھی جائز ہے کہ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ تقیہ اور نفاق کرے جب کہ باپ سنی ہو۔اس کی کوئی اور وجہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ لوگ جو اپنے اور مسلمانوں کے دین کے درمیان جو فرق محسوس کرتے ہیں؛ یہاں تک کہ انہوں نے بیٹے کے لیے باپ کے ساتھ تقیہ کرنے کو جائز قرار دیدیا۔اگر ایسا نہ ہوتو بیٹے کو باپ سے کون سا نقصان یا تکلیف پہنچنے کا خدشہ ہے۔جب کہ اللہ تعالیٰ نے باپ کے دل میں بیٹے کے لیے شفقت اور رحمت بھر دیہے ۔اگر یہ بیٹا کوئی بہت بڑا مجرم نہ ہو۔

ان کے علماء نے اہل سنت کے ساتھ تقیہ استعمال کرنے کے واجب ہونے کا کھل کر کہا ہے۔حسین بن محمد العصفور -بارھویں صدی کا ایک بڑا شیعہ عالم- کہتا ہے: اور یہ بات جان لینی چاہیے کہ آج کا گھر دارِ تقیہ ہے۔اور تقیہ واجب ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ (آل عمران: ۲۸)

''ہاں اگر تم اُن (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو۔''

خواہ ایسا کرنے پر ابھارنے والا سبب اموال یا جانوں کی اور عزت کی حفاظت ہو، یا نقصان پہنچنے کی توقع ہو، اگر یہ اپنے بھائیوں پر ہی [نقصان کا اندیشہ] کیوں نہ ہو۔''[1]

اہل سنت اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ان کے تقیہ استعمال کرنے کی ان کے ہاں کئی مثالیں ہیں۔نعمت اللہ الجزائری [امام] صادق سے روایت کرتا ہے: بے شک آپ سے خلیفہ کی مجلس میں شیخین [حضرت ابو بکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما] کے بارے میں پوچھا گیا: توانہوں نے کہا:

''وہ دو عادل اور (قاسط) انصاف کرنیوالے امام [حکمران] تھے جو کہ حق پر تھے۔اور اسی پر ان کا انتقال ہوا؛ قیامت کے دن ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔''

جب وہ مجلس سے کھڑے ہوئے تو ان کے بعض ساتھی ان کے پیچھے گئے اور کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے صاحب زادے! آج آپ نے ابو بکر و عمر کی تعریف کی ہے۔توانہوں نے کہا: تم اس کا معنی نہیں سمجھتے جو میں نے کہا ہے: انہوں نے کہا: ہمارے سامنے اس کی وضاحت کرو۔تو انہوں نے کہا: میرا یہ کہنا کہ ''وہ دو امام'' تو یہ اللہ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے:

[1] الأنوار الوضية في العقائد الرضوية ص: ۱۱۰۔

﴿وَمِنْهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ﴾ ❶ ''اوران کوپیشوا ہیں جو(لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔''

اور میرا یہ کہنا کہ ''وہ دونوں عادل تھے''اس سے میرا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف تھا:﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُواْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ﴾ ❷ ''پھربھی کافر (اور چیزوں کو) اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں۔''

اور میرا یہ کہنا کہ :''وہ (قاسط) انصاف کرنے والے تھے'' تو اس سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ مقصود تھا:

﴿وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَباً﴾ (الجن:١٥)

''اور جوظالم ہوئے وہ دوزخ کا ایندھن بن گئے۔''

اور میرا یہ کہنا کہ:"أنهما كانا على الحق ۔" ''وہ دونوں حق پر تھے۔''[یہ " كانا"] المكاونة یا الکون" سے ہے،[جس کا معنی ہے تبدیل کرنا]۔اس کا معنی یہ ہوا کہ ان دونوں نے حق کو بدل ڈالا۔اس لیے کہ خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھی؛ اور وہ اسی پر مر گئے؛ بے شک انہوں نے توبہ نہیں کی۔ بلکہ اپنے خبیث افعال پر مستمر [چلتے] رہے ؛ یہاں تک کہ ان کی موت آ گئی۔

اور میرا یہ کہنا: "عليهما رحمة الله " اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ (الانبیاء:١٠٧)

''اورہم نے آپ کوتمام جہان کے لیے رحمت (بنا کر) بھیجا ہے۔'' آپ اس پر روزِ قیامت قاضی ، حاکم اور گواہ ہوں گے جو کچھ انہوں نے کیا ہے۔تو انہوں نے کہا: تم نے میری مشکل

---

❶ درست آیت اس طرح ہے:﴿ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ﴾(القصص : ٤١) ''اورہم نے ان کوپیشوا بنایا تھا وہ (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے۔''

❷ آیت میں تحریف کی گئی ہے؛ درست آیت یوں ہے:﴿ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ بِرَبِّهِم يَعْدِلُونَ ﴾ (الانعام : ١) ''پھربھی کافر (اور چیزوں کو) اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں۔''

دور کر دی، اللہ تعالیٰ تمہاری مشکل دور کرے۔'' ❶

ان کے تقیہ استعمال کرنے کی ایک دوسری مثال: نباطی نے ''الصراط المستقیم'' میں روایت کیا ہے، وہ کہتا ہے: ''الیاس المعدل نے کچھ لوگوں کو سلام کیا؛ تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ تو اس نے کہا: شائد تم بھی وہی گمان کرتے ہو جو میرے رافضی ہونے کے متعلق کہا گیا ہے؟

''بے شک ابو بکر و عمر اور عثمان اور علی [رضی اللہ عنہم اجمعین] جو ان میں ایک سے بغض رکھے وہ کافر ہے۔ اس پر انہوں نے سلام کا جواب دیا، اور اس کے لیے دعا کی۔'' ❷ یہاں پر ''ایک'' سے اس کی مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ ❸

اور کہتا ہے: الطاقی ❹ ایک خارجی ❺ سے ملا۔ میں تمہیں ہر گز نہیں چھوڑوں گا، یا پھر تم حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تبراء کرو۔ تو اس نے کہا:

أنا من عليٍ؛ ومن عثمانٍ بريءٌ.))

''میں علی سے؛ اور عثمان سے بری ہوں۔'' ❻ اس طرح اس سے نجات پالی۔ اور اس سے مراد یہ لی کہ: ''میں حضرت علی سے ہوں، اور عثمان سے بری ہوں۔''

یہ مثالیں منافقت اور دھوکہ بازی؛ عبارات و الفاظ کے کھیل تماشہ اور کلمات میں تحریف کی صورت میں ان کی کتابوں میں آئی ہیں۔ جو کہ رافضیوں نے یہودیوں سے وراثت میں پائی ہیں۔ اور انہیں جھوٹ وظلم کے ساتھ انہوں نے آل بیت کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اہل بیت ان سے بالکل بری ہیں۔ اور جس نے ان کے بارے میں یہ باتیں گھڑی ہیں، [ہم اس کے متعلق یہی کہہ سکتے ہیں]:

---

❶ اگر مراد یہ سارے لوگ ہوتے تو یوں کہا جاتا ''جو ان میں سے کسی ایک سے......'' مگر اس نے ''ایک'' کہہ کر تقیہ کرتے ہوئے الفاظ کا کھیل ایسے کھیلا کہ سادہ لوح مسلمان اسے نہ سمجھ سکے۔

❷ اس طاقی کا نام ابو جعفر محمد بن نعمان الأحول ''بھینگا'' ہے۔ یہ کوفہ شہر میں اترا۔ اسے اہل سنت والجماعت شیطان طاق کا لقب دیتے ہیں، اور رافضی اسے مؤمن طاق کا لقب دیتے ہیں۔ دیکھیں: الفهرست لابن نديم ص: ٨؛ من الملحق۔

❸ خارجی وہ گروہ ہے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی۔ اور حکمین اور حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ ان کی بڑی تفصیل ہے۔ یہ لوگ حضرت علی کے بارے میں شیعوں کا مکمل الٹ ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ ان کی طرح جھوٹے نہیں۔ مترجم۔

❹ الصراط المستقيم إلى مستحقي التقديم ٣/ ٧٣۔

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ﴾ (الشعراء:۲۲۷)
''ظالم عنقریب جان لیں گے کہ کون سی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں۔''

سو رافضہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ تقیہ استعمال کرنا واجب ہے۔ جیسے کہ اس پر یہ روایات دلالت کرتی ہیں۔ یہ لوگ ان کے احکام پر قائم رہنے کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ پیار و محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں وہ مسلمانوں کے دین سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ - اہل سنت مسلمان - یہود، مجوس اور مشرکین سے بڑے کافر ہیں۔ اور وہ کبھی بھی ان کے ساتھ دین پر جمع نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ نعمت اللہ الجزائری نے اس کی صراحت کی ہے۔ جب اس نے منافقت اور تقیہ کے پردے کو چاک کیا، اور اسلام اور مسلمانوں سے متعلق اپنے واضح موقف کو متعین کیا، تو اس نے کہا:

''ہم ان کے ساتھ ہرگز اکٹھے نہیں ہو سکتے؛ نہ ہی اللہ پر، نہ ہی نبی پر اور نہ ہی امام پر۔ بے شک ان کا رب وہ ہے جس کا نبی محمد تھا اور اس کا خلیفہ ابو بکر تھا۔ ہم اس رب کو نہیں مانتے۔ اور نہ ہی اس نبی کو مانتے ہیں۔ بلکہ ہم کہتے ہیں: بے شک وہ رب جس کے نبی کا خلیفہ ابو بکر ہے، وہ ہمارا رب نہیں ہے، اور نہ ہی وہ نبی ہمارا نبی ہے۔''❶

اس وجہ سے وہ ہر چیز میں مسلمانوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اسے اپنے دین کے اہم ترین اصولوں میں سے قرار دیتے ہیں، جس پر ان کے مذہب کی بنیاد قائم ہے۔ جیسا کہ صدوق نے علی بن اسباط سے روایت کیا ہے؛ وہ کہتا ہے: میں نے رضاء - عَلَيْهِ السَّلَام - سے کہا:

''کبھی کوئی معاملہ پیش آتا ہے جس کی معرفت حاصل کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ مگر جس شہر میں میں رہتا ہوں، اس میں آپ کے موالین (دوستی رکھنے والے مراد شیعہ ہیں) میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے۔ (راوی) کہتا ہے: تو انہوں نے کہا: ''اس شہر کے فقیہ کے پاس جاؤ؛ اور اپنے اس معاملہ میں اس سے فتوی پوچھو؛ جب وہ تمہیں فتوی دیدے تو اس کے خلاف کرو، بے شک حق اسی میں ہے۔''❷

---

❶ الأنوار النعمانية ۲/ ۲۷۸۔
❷ عيون أخبار الرضاء ۲/ ۲۴۹۔

حر العاملی کہتا ہے: ہمارے علماء میں سے بعض متأخر محققین کا کہنا ہے کہ: ''اس حق پرست گروہ پر اللہ تعالیٰ کی جملہ نعمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے انہیں عام لوگوں کے اور شیطان کے درمیان چھوڑ دیا ہے۔اس-شیطان- نے انہیں تمام نظری مسائل ❶ میں گمراہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کے خلاف لینا ہمارے لیے ضابطہ بن گیا۔'' ❷

ہندوستان کا ایک-شیعہ- عالم جسے ''امداد امام'' کہا جاتا ہے، وہ کہتا ہے:

''بے شک امامیہ کا مذہب اور اہل سنت کا مذہب مختلف سمتوں میں بہتے ہوئے دو چشمے ہیں۔ یہ قیامت تک بہتے رہیں گے، ایسے ہی دور دور رہیں گے، کبھی بھی ان کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں۔'' ❸

اس وجہ سے وہ مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں؛ اور ان سے بہت سخت بغض رکھتے ہیں۔ اور اسلام کے دشمنوں سے دوستی رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے خلاف ان کی صفوں میں کھڑے ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وہ مسلمانوں کے خلاف یہود، نصاریٰ اور مشرکین سے دوستی کرتے ہیں۔ اور یہ منافقین کی خصلت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُم مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ﴾ (المائدہ: ۵۱)

''اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے انہیں دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تَرَى كَثِيْراً مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَن سَخِطَ اللّهُ عَلَيْهِمْ وَفِيْ الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ۞وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰه

❶ نظری مسائل وہ ہیں جن میں قیاس کیا جا سکتا ہو۔

❷ الإيقاظ من الهجعة في إثبات الرجعة ص: ۷۰۔

❸ مصباح الظلم ص: ۴۱-۴۲؛ بواسطة احسان الھی ظھیر: الرد علی الدکتور عبد الواحد وافی ص: ۱۷۴۔

والنَّبِیِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاء وَلَكِنَّ كَثِيراً مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾

(المائدہ: ۸۰۔۸۱)

''تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں انہوں نے جو کچھ اپنے واسطے آگے بھیجا ہے بُرا ہے (وہ یہ) کہ اللہ ان سے ناخوش ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں (مبتلا) رہیں گے۔ اور اگر وہ اللہ پر اور پیغمبر پر اور جو کتاب اُن پر نازل ہوئی تھی اُس پر یقین رکھتے تو اُن لوگوں کو دوست نہ بناتے لیکن اُن میں اکثر بدکردار ہیں۔''

نہ ہی ان کا عقل ہے، اور نہ ہی کوئی دلیل؛ اور نہ ہی صحیح دین۔ اور نہ ہی کامیاب دنیا۔ وہ نہ ہی نماز جمعہ پڑھتے ہیں اور نہ ہی جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ اور نہ ہی مسلمان حکمرانوں کے ساتھ مل کر کافروں کے ساتھ جہاد کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ اور نہ ہی ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور نہ ہی ان کے کسی حکم کو مانتے ہیں۔ اس لیے کہ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یہ امور امام معصوم کے علاوہ کسی کے پیچھے جائز نہیں ہیں۔ ...... یہاں تک کہ آپ فرماتے ہیں: اس سے واضح ہوتا ہے کہ تمام خواہشات کے پجاری فرقوں میں یہ سب سے برے ہیں۔ اور خوارج سے زیادہ قتال کے حق دار ہیں۔ یہی وہ سبب ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں میں مشہور ہے کہ اہل بدعت رافضی ہی ہیں۔ چونکہ عام لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ سنی کا مخالف فقط رافضی/ شیعہ ہی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ تمام بدعتی فرقوں میں سے بڑھ کر سنت نبوی؛ اور شریعت دین کی مخالفت کرنے والے ہیں۔''[1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کے عقائد میں ان سے موافقات کا جو اظہار کرتے ہیں، اور ان کے احکام کا التزام کرتے ہیں (مانتے ہیں)؛ اور ان سے پیار و محبت کا اظہار کرتے ہیں؛ یہ فقط مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور منافقت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

رافضیوں کا ایمان ہے کہ ہر چیز میں تقیہ کرنا جائز ہے۔ البرقی نے ابوجعفر الصادق سے روایت کیا ہے، بے شک انہوں نے کہا ہے:

---

[1] مجموع الفتاوی ۲/ ۲۸۰-۲۸۱۔

''ہر اس چیز میں تقیہ کرنا جس کے لیے ابن آدم مجبور ہو، اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔'' ❶

اس وجہ سے وہ عبادات تک میں تقیہ کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ صدوق نے ابو عبد اللہ سے روایت کیا ہے، بے شک انہوں نے کہا ہے:

''تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اپنے وقت میں نماز پڑھتا ہو، پھر ان لوگوں-اہل سنت- کے ساتھ تقیہ کرتے ہوئے نماز پڑھے؛ اور وہ وضوء سے ہو، مگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے پچیس نمازوں کا اجر لکھ دیتے ہیں۔ سو اس میں رغبت رکھو۔'' ❷

صدوق نے کہا ہے: میرے باپ نے مجھے لکھے ہوئے ایک خط میں مجھ سے کہا ہے:

''دو آدمیوں کے علاوہ کسی کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھنا؛ ایک وہ آدمی جس کے دین اور تقوی پر تمہیں یقین ہو۔ اور دوسرا وہ آدمی جس کی تلوار، اس کی طاقت اور دین میں سختی سے بچنا چاہتے ہو۔ اور اس کے پیچھے تقیہ کرتے ہوئے، جان بچانے کے لیے (بطور مدارت) کے نماز پڑھ لو۔'' ❸

صادق سے روایت کرتے ہیں کہ: وہ شک کے دن ❹ ابوالعباس کے پاس گئے۔ آپ دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ تو انہوں نے کہا: یہ تیرے دنوں میں سے نہیں ہے۔ تو صادق نے کہا: میرا روزہ تو فقط آپ کا روزہ ہے، اور میرا افطار بھی آپ کا افطار ہے۔ انہوں نے کہا: قریب ہو جاؤ۔ میں قریب ہوا، اور کھانا کھایا۔ اور اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ وہ دن رمضان کا تھا۔'' ❺

کلینی نے ہشام الکندی سے روایت کیا ہے: وہ کہتا ہے: میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے سنا وہ کہہ رہے تھے:

''خبردار کہ تم کوئی ایسا کام کرو جس کی وجہ سے وہ ہمیں عار دلائیں۔ بے شک برا بیٹا اپنی حرکتوں سے والد کو عار دلاتا ہے۔ جن کی طرف تم کٹ گئے ہو، ان کے لیے زینت بن جاؤ، ان کے لیے برائی نہ بنو۔ ان کی مجلسوں میں نماز پڑھو؛ اور ان کے مریضوں کی عیادت کرو۔

---

❶ المحاسن ص: ٢٥٩۔ ❷ من لا یحضره الفقیه ١/ ٢٦٦۔

❸ من لا یحضره الفقیه ١/ ٢٦٥۔

❹ شک کا دن وہ دن ہے جس میں رمضان کا چاند نظر آنے یا نہ آنے کے بارے میں شک ہو۔

❺ لصراط المستقیم إلی مستحقي التقدیم ٣/ ٧٣۔

اوران کے جنازوں میں شرکت کرو، وہ کسی خیر کے کام پر تم سے سبقت نہ لے جائیں۔تم اس کے ان سے زیادہ حق دار ہو۔ اور اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کی بندگی کسی چیز سے نہیں کی گئی جو اس کے ہاں پوشیدگی (الخبء) سے بڑھ کر پسندیدہ ہو۔ میں نے کہا: پوشیدگی (الخبء) کیا ہے؟ فرمایا: ''تقیہ''❶

اوران کے ہاں ہر چیز میں تقیہ ہے، یہاں تک کہ قسم میں بھی۔ رافضی کے لیے جائز ہے کہ وہ جھوٹی قسم اٹھائے، اس پر اس کا کوئی کفارہ نہیں ہوگا اور نہ ہی قسم ٹوٹے گی۔

ابوعبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا ہے:

''دارتقیہ [تقیہ کی جگہ] تقیہ کرنا واجب ہے۔ نہ ہی قسم ٹوٹے گی، اور نہ ہی اس پر کفارہ ہوگا؛ جس نے تقیہ سے قسم توڑی۔ اس طرح وہ اپنی ذات کا ظلم سے دفاع کرے گا۔''❷

رافضیوں کے ہاں منافقت کا دائرہ ایسے وسیع ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ تمام کو بھی شامل ہوجاتا ہے، جیسے نماز؛ روزہ اوران کے علاوہ دوسرے فرائض۔ پس ان کی نمازیں اوران کے روزے اورعبادات جن میں وہ مسلمانوں کی موافقت کرتے ہیں، بے شک وہ ان کو منافقت سے دھوکہ دینے کے لیے ادا کرتے ہیں۔ اور ایسے ہی مسلمانوں کے ساتھ معاملات بھی منافقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہاں تک جھوٹی قسم کو بھی مباح سمجھتے ہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ وہ اس قسم کو توڑ دیں گے [یا اس کے خلاف کریں گے]۔ جب کہ اس کا ہدف مسلمانوں کو دھوکہ دینا ہو۔

حقیقت میں تو میں نہیں جانتا کہ ان کے اور منافقین کے درمیان کیا فرق ہے؟ منافقین بھی نماز پڑھتے تھے، اور مسلمانو کے سامنے نیک اعمال ظاہر کرتے تھے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُواْ إِلَى الصَّلَاةِ قَامُواْ كُسَالَى يُرَآؤُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلاً﴾ (النساء: ۱۴۲)

''منافق (ان چالوں سے اپنے نزدیک) اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اُس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انہیں دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔ اور جب یہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو

---

❶ أصول الکافي ۲/ ۲۱۹۔

❷ الأصول الأصلیة والقواعد الشرعیة ص/۳۱۹۔

کر (صرف) لوگوں کو دکھانے کیلیے اور اللہ کو یاد ہی نہیں کرتے مگر بہت کم ۔''

لیکن یہ نمازیں ان کو نفع نہ دے سکیں ؛ کیونکہ ان میں اخلاص نہیں تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال کے قبول ہونے کی شرطوں میں سے ہے : اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ، اور نبی کریم ﷺ کی سنت کی پیروی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَداً﴾ (الکھف: ۱۱۰)

'' تو جوشخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے ۔''

رافضیوں کے اعمال میں یہ دونوں شرطیں مفقود ہوتی ہیں۔ ان کی عبادت دو باتوں سے خالی نہیں ہوتی : یا تو وہ بدعت ، اور رسول اللہ ﷺ سے وارد سنت کے خلاف ہوتی ہے۔ اس رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی شرط مفقود ہوئی۔

یا تو وہ عبادت صحیح ہوتی ہے ، اور جس پر عام مسلمان ہیں اس طریقہ کے مطابق ہوتی ہے ؛ بس وہ یہ عبادت نہیں ادا کرتے مگر تقیہ کرتے ہوئے ؛ اور ان - اہل سنت - کی دلجوئی کے لیے۔ اس میں اخلاص کی شرط مفقود ہے۔

یہ ان کے اس من گھڑت اصول کا نتیجہ ہے :'' بے شک حق اہل سنت کی مخالفت میں ہے ۔'' پھر انہوں نے اپنے مذہب کی بنیادیں اس فاسد قاعدہ پر کھڑی کی ہیں۔

تقیہ استعمال کرنے کے مواقع :

یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ تقیہ اس وقت ہوتا ہے جب دین ، یا جان یا مال پر خوف محسوس ہو۔ جیسا کہ تقیہ کی تعریف میں ان کے علماء کے اقوال اس پر دلالت کرتے ہیں۔

برقی نے ابوجعفر سے روایت کیا ہے : وہ کہتا ہے :

'' بے شک تقیہ اس وجہ سے مشروع ہے کہ اس سے خون کی حفاظت کی جائے۔ جب معاملہ خون تک پہنچ جائے تو پھر کوئی تقیہ نہیں ہے ۔'' ❶

---

❶ المحاسن ص: ۲۲۰۔

یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ ہر حال میں تقیہ استعمال کرتے ہیں؛ خواہ خوف کی حالت میں ہوں یا امن کی حالت میں۔ بلکہ وہ اسے اپنا شعار [امتیازی علامت] بناتے ہیں۔ جیسے کہ طوسی نے صادق سے روایت کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''وہ ہم میں سے نہیں ہے جو اسے اپنا شعار اور اپنا اوڑھنا [بچھونا] ❶ نہ بنائے۔ ان لوگوں کے ساتھ جن سے امن میں ہو، تا کہ یہ ان لوگوں کے ساتھ بھی عادت بن جائے جن سے خوف محسوس ہوتا ہو۔'' ❷

اور اس پر ان کے افعال بھی دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ ہر چیز میں اور ہر وقت تقیہ استعمال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ تقیہ ان کی ایک امتیازی نشانی بن گیا ہے۔ جیسا کہ اس پر یہ روایت شاھد ہے۔

ان کی اکثر روایات اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ ابوعبداللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے: ''تقیہ سے بڑھ کر کوئی چیز میری آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں ہوسکتی، بے شک تقیہ مؤمن کی ڈھال ہے۔'' ❸

یہ لوگ تقیہ کو رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی بن ابی طالب حفظہ اللہ؛ اور ان کے بعد ان کے بیٹوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مجلسی نے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے؛ وہ کہتا ہے:

یہ آیت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی:

﴿ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾ (فصلت: ۳۴)

''ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے تقیہ کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک دہائی تک اس پر عمل کرتے رہے، یہاں تک کہ حکم دیا گیا کہ: ''جس چیز کا حکم دیا گیا ہے، اسے کھول کر بیان کرے۔'' اور اس کا حکم علی علیہ السلام

❶ اس کے لیے ''دثار'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے؛ دثار اس مخملی کپڑے کو کہتے ہیں جو سر پر لیا جائے۔ ترجمہ معنوی ہے۔
❷ أمالي الطوسي ص: ۲۲۹۔ ❸ أصول الكافي ۲/ ۲۲۰۔

کو دیا۔ پھر اسی پر عمل پیرا رہے؛ حتی کہ حکم دیا گیا: اسے کھول کر بیان کرے۔ پھر آئمہ آپس میں ایک دوسرے کو اس کا حکم دیتے رہے۔ اور اسی پر عمل پیرا رہے۔ جب ہمارا قائم نکلے گا، اس وقت تقیہ ساقط ہو جائے گا؛ اور تلوار کھینچ لے گا؛ اور لوگوں سے نہ ہی لے گا اور نہ ہی ان کو دے گا سوائے تلوار کے۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر آپ کے اہل بیت پر یہ بہت بڑا الزام اور بہتان ہے۔

اگر ہم تسلیم کرلیں کہ اہل بیت کو حکمرانوں کا خوف ہے۔ تو نبی کریم ﷺ کو کس کا خوف ہے اور کس سے بچنا چاہتے ہیں۔ آپ ہی تھے جو قریش اور اس کے سرکشوں کے خلاف کھڑے ہوئے، اور ان سے ٹکرائے، اور ان کے دین میں ان کی مخالفت کی۔ اور ان کو ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی۔ اور آپ پر ایسا بھی وقت گزرا جب آپ کے ساتھ اس دین پر سوائے ایک یا دو آدمیوں کے کوئی بھی نہیں تھا۔ حتی کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی نصرت کی؛ اور اپنے نبی ﷺ کو ہجرت کی اجازت دی؛ اور آپ ﷺ اپنے مہاجرین و انصار ساتھیوں سے مل کر قریش کے متکبرین اور سرکشوں؛ اور کافر جماعتوں یہود اور منافقین سے جہاد کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور ان کے اصحاب کے لیے ان تمام جماعتوں پر نصرت کو پورا کر دیا۔

نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ نے ان معرکوں اور غزوات میں شجاعت و بسالت کے مثالی نمونے پیش کیے۔ تاکہ بت پرستی کو ختم کیا جائے اور ہمیشہ رہنے والا کلمہ ءتوحید "لا إلــه إلا الــلــه مـحـمد رسول الله" سربلند ہو۔

سو رافضیوں کا نبی کریم ﷺ اور اہل بیت کی طرف تقیہ منسوب کرنا بہت بڑا بہتان ہے۔ جس کی غرض صرف اپنے اس فاسد عقیدہ پر دلیل پیش کرنا ہے جو کہ نفاق، دھوکہ بازی؛ اور اختراع پر قائم ہے۔

اس پر میں اس بحث کو ختم کرتا ہوں اس کے بعد کہ میں نے رافضیوں کے ہاں عقیدہ ءتقیہ کے تمام اہم پہلوؤں ان کی کتابوں میں وارد روایات؛ اور ان کے ثقہ علماء کے اقوال کی بنا پر نقد و جرح کی۔

[اب کسی مسلمان پر رافضیوں کے عزائم اور عقائد مخفی نہیں رہنے چاہیے۔ اور نہ ہی اہل بیت سے محبت کے جھوٹے دعووں کی آڑ میں اپنے ایمان و عقیدہ پر ڈاکہ زنی کا موقع دینا چاہیے]مترجم۔

---

[1] بحار الأنوار ٢٤/ ٤٧۔

تیسری بحث:......تقیہ اور نفاق کے استعمال میں وجوہِ مشابہت

ان دونوں مناہج میں یہود اور رافضہ کئی لحاظ سے آپس میں متفق ہیں۔ خواہ یہ اسباب کے لحاظ سے ہو، یا ان میں ہر ایک کو اپنے مخالف کے ساتھ اس حرکت پر ابھارنے والی وجوہات کی بنا پر ہو، یا اپنے اسلوب اور طریقہ کار کے لحاظ سے ہو جس پر وہ اس منہج کو تطبیق دینے کے لیے عمل کرتے ہیں۔ یا پھر اس کے نتائج کے اعتبار سے ہو:

یہودیوں اور رافضیوں کو اپنے مخالفین کے ساتھ اس دھوکہ اور مکر و نفاق کی راہ پر لانے والے اسباب؛ اس کو ہم- اختصار کے لیے- دو اسباب میں منحصر کرتے ہیں:

پہلا سبب :......یہ کہ یہود اور رافضہ میں سے ہر ایک پر اللہ تعالیٰ نے ذلت اور رسوائی مسلط کر دی ہے۔ مختلف زمانوں اور مکانوں میں زمانہ اور جگہ کے اختلاف کے باوجود یہ انتہائی ذلت اور رسوائی کا سامنا کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہود کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآؤُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُواْ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّيْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَواْ وَّكَانُواْ يَعْتَدُونَ﴾ (البقرۃ: ٦١)

''اور (آخر کار) ذلت (اور رسوائی) اور محتاجی (و بے نوائی) ان سے چمٹا دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوئے یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے (یعنی) یہ اس لیے کہ نافرمانی کیے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُواْ إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنْ اللّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآؤُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُواْ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّهِ وَيَقْتُلُونَ الأَنبِيَاء بِغَيْرِ حَقٍّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُواْ يَعْتَدُونَ﴾

(آل عمران: ١١٢)

''یہ جہاں نظر آئیں گے ذلت (کو دیکھو گے کہ) اُن سے چمٹ رہی ہے بجز اس کے کہ یہ اللہ اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آ جائیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہیں اور ناداری اُن سے لپٹ رہی ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اُس کے) پیغمبروں کو ناحق قتل کر دیتے تھے، یہ اس لیے کہ یہ نافرمانی کیے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔''

سو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ بے شک یہود جہاں کہیں بھی جائیں ان پر ذلت اور رسوائی کو مسلط کر دیا ہے۔ یہ ان کے کفر کرنے اور انبیاء کرام علیہم الصلوات والسلام کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے ہے۔ ایسے ہی رافضیوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے ذلت و رسوائی کو مسلط کر دیا ہے؛ جیسا کہ تاریخ میں معروف اور ظاہر ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نہ ہی ان کے پاس کوئی عقل ہے، اور نہ ہی نقل؛ اور نہ ہی اس کے پاس صحیح دین ہے اور نہ ہی کامیاب دنیا''[1]

اس بات کا ان کے معاصر عالم نے اعتراف بھی کیا ہے۔ اس عالم کا نام ہے محمد رضا المظفر۔

وہ کہتا ہے: ''یہ بات معلوم شدہ ہے کہ -فرقہ- امامیہ اور ان کے آئمہ نے کئی طرح کی آزمائشوں کا سامنا کیا ہے۔ اور انہیں ہر دور میں اپنی آزادی پر ہر طرح کی اتنی تنگی کا انہیں سامنا کرنا پڑا جو کسی بھی زمانے میں اور کسی بھی گروہ یا امت کو ان کا سامنا نہیں رہا۔''[2]

یہود اور رافضہ پر مسلط کردہ ذلت اور مسکنت ان کے اپنے مخالفین کے ساتھ تقیہ اور نفاق کا اسلوب اختیار کرنے بڑا اہم سبب بنی؛ اور ان کے سامنے انہیں ہمیشہ ذلیل اور پست ہی رہنا پڑا۔ یہ تو انہیں دنیا کی زندگی میں عذاب دیا جار ہا ہے، اور آخرت کا عذاب اس سے بہت ہی سخت اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔

یہود اور رافضہ کے درمیان اس مسلط شدہ ذلت اور رسوائی کے مابین مشابہت اور پھر اس کے نتیجہ میں مرتب ہونے والے ذلالت اور دوسروں کے سامنے پستی پر عبد اللہ القصیمی نے متنبہ کرتے ہوئے -یہود اور رافضہ کے درمیان وجوہ مشابہت بیان کرتے ہوئے- کہا ہے:

''اور ان ہی -وجوہ مشابہت- میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں پر ذلت مسلط کر دی ہے۔ یہود کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تو خبر دی ہے۔ اور اسے اپنی کتاب عزیز

[1] مجموع الفتاوی ٢/ ٤٨٠۔ [2] عقائد الإمامية ص ١٢٣۔

میں تحریر کیا ہے۔ یہ خبر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ساڑھے چودہ صدیاں پہلے دی ہے۔ اور اسے کھل کر واضح کیا ہے۔ اس دن سے آج کے دن تک یہود ہمیشہ ذلت؛ مسکنت اور رسوائی کا ہی سامنا کرتے رہے ہیں۔ کبھی ان کو عروج حاصل نہیں ہوا؛ اور نہ ہی ان کے کسی ملک کے قیام کی نوبت آئی۔'' ❶

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا۟ إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۲)

''یہ جہاں کہیں بھی ہوں ذلت (کو دیکھو گے کہ) اُن سے چمٹ رہی ہے بجز اس کے کہ یہ اللہ اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آ جائیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہیں۔''

لیکن آخر کار غلبہ اللہ کی مدد سے مسلمانوں کو ہی حاصل ہوگا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی بشارت دی ہے۔ صحیح بخاری میں جناب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت ہے، بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم یہود سے جنگ کرلو، یہاں تک کہ اگر یہودی پتھر کے پیچھے چھپا ہوگا، وہ پتھر بھی آواز دیگا: ''اے مسلم! آؤ یہ میرے پیچھے یہودی ہے، اس کو قتل کرو۔'' ❷

حالانکہ اس کے لیے انہوں نے کئی بار کوشش کی۔ اور آج کے دن تک اس کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے انہوں نے اپنا بے تحاشا مال اس راہ میں خرچ کیا۔ لیکن انہیں ہر موڑ پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اور جب تک وہ یہودی رہیں گے؛ ان کے اخلاق اور طور طریقے یہودیت

---

❶ عبد اللہ قصیمی رحمہ اللہ کی مذکورہ کتاب جس سے واقعہ نقل کیا جارہا ہے وہ فلسطین کی سرزمین پر اسرائیلی ریاست سے پہلے کی تألیف ہے۔ اب جب کہ ظاہری طور پر ان کی ریاست بھی قائم ہوچکی ہے۔ لیکن اس کے باوجود انتہائی خوف وحراس، قلق اور بے چینی، اور پریشان حالی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور اندرونی طور پر بہت ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ وہ دوسرے کئی بڑے ممالک کی چاپلوسی اور خدمت میں لگے رہتے ہیں تاکہ وہ مسلمانوں کے خلاف ان کا ساتھ دیں۔ بہر حال جو بھی ہو، خواہ ان کی ذلت مسلمانوں کے سامنے ہو، یا عیسائیوں اور کیمونیسٹوں کے سامنے؛ ذلت و رسوائی ہر صورت میں ان پر مسلط ہے۔ اور ان کو اپنا سر خود اٹھانے کی سکت حاصل نہیں ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

❷ بخاری کتاب الجهاد/ باب قتال اليهود (۲۹۲۶)۔

کے ترجمان رہیں گے؛ اور ان کے ہٹ دھرم نفوس یہودیت پر قائم رہیں گے؛ یہ ناکامیاں اور نامرادیاں ان کا مقدر ہی رہیں گی۔

ایسے ہی معاملہ رافضیت کا ہے۔ انہوں نے کئی بار مختلف زمانوں میں انہوں نے ظلم و استبداد کے ذریعہ بادشاہوں اور سلاطین سے حکومتیں چھیننا چاہا؛ اور کبھی کبھار بعض اوقات میں انہیں کسی تھوڑے سے قطعہ ارضی پر محدود وقت کے لیے کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ اور ان کی قوت سامنے کچھ جگہوں کے لوگ ایک مختصر سے وقت کے لیے جھک گئے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ اہل سنت اور غیر اہل سنت سے ڈرتے ہی رہتے ہیں۔ اور آج تک یہ ان لوگوں سے منافقت اور خوشامدی کا معاملہ کرتے رہے ہیں۔ اور ان لوگوں سے اپنے ملک کی بنیادیں قائم رکھنے کے لیے اور حکومت کے ان کے ہاتھوں میں باقی رہنے کے لیے باقی اقوام سے مدد حاصل کرتے رہے ہیں۔

اور کبھی بھی یہ لوگ اہل سنت یا غیر اہل سنت سے مستغنی نہیں ہو سکے کہ خود اپنے بل بوتے پر اپنے ملک کو قائم رکھ سکیں، اور حکومت ان کے ہاتھوں میں باقی رہے۔ کسی بھی زمانے میں ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ ہمیشہ ہمیشہ ہی اپنے تمام امور میں خواہ وہ سیاسی ہوں یا غیر سیاسی؛ دوسروں کی مدد وحمایت کے محتاج رہے ہیں۔ کسی بھی معاملہ میں کبھی خود مختار وخود کفیل نہیں رہے۔ اسی وجہ سے انہیں ہمیشہ ہمیشہ تقیہ یعنی منافقت کی ضرورت رہی ہے۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو انہیں اس پستی؛ ذلت اور رسوائی کا سامنا نہ ہوتا۔ جیسا کہ یہود کو ان چیزوں کا سامنا ہے۔ جب وہ اس تقیہ اور منافقت کو اپنی ضرورت بنائے ہوئے ہیں، تو اللہ تعالیٰ جو اصل میں سب کا حقیقی معاون اور حمایتی ہے؛ اس تقیہ اور منافقت پر راضی نہیں ہوتا؛ اور نہ ہی یہ لوگ اس کی پناہ میں آ سکتے ہیں۔'' اور نہ ہی کوئی ایسا عنصر موجود ہے جس کی وجہ سے وہ اس طرف مضطر ہوں۔ بلکہ وہ جس چیز کی وجہ سے وہ اس طرف جھکتے ہیں، وہ ان کی ذلالت اور بزدلی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت رافضیوں کے اس تقیہ پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ انتہائی ذلت والا نفاق ہے۔ بس یہودی اور رافضی اس نفاق اور تقیہ میں دونوں ہی برابر ہیں۔ [1]

دوسرا سبب :...... یہودی اور رافضی جن اسباب کی بنا پر تقیہ اور نفاق کا التزام کرتے ہیں؛ ان

[1] الصراع بين الاسلام و الوثنيه : ص ٤٩٤-٤٩٦۔

اسباب میں سے ایک یہودیوں اور رافضیوں کے عقائد کا فساد ہے۔ یہودی اور رافضی دونوں یہ بات جانتے ہیں کہ اگر لوگوں کو ان کے ان عقائد کا پتہ چل گیا تو ان کے لیے اور ان کے دین و مذہب کے لیے بہت بڑا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ اس لیے کہ ان کے دین اور عقیدہ میں جو فساد ہے، تمام شرائع، عقول سلیمہ اور فطرت ان کا انکار کرتی ہے۔

یہی وہ اہم سبب ہے جس کی وجہ سے یہود اور رافضہ اپنے ماننے والوں کو ان کے مخالفین کے سامنے کھل کر اپنے دین کا اظہار کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ نفاق اور تقیہ برتنے کی وصیت کرتے ہیں۔ ایک بڑا حاخام یہودی کہتا ہے:

''یہودیوں پر لازم ہوتا ہے کہ اپنے حقیقی قصد کا اظہار نہ کرے۔ یہاں تک کہ باقی امتوں کے سامنے اپنی لادینی -دین کے ضائع ہونے کے بارے میں- معتبر ثابت نہ کردے۔''[1]

ایسے ہی رافضی اپنے ایک امام سے روایت کرتے ہیں:

''تم اپنے دین کے بارے میں ڈر کر رہو، اور اسے تقیہ سے چھپاؤ؛ بے شک جو انسان تقیہ نہیں کرتا اس کا کوئی ایمان نہیں ہے۔''[2]

خمینی اپنے ماننے والوں کو اپنی کفر و نفاق اور الحاد سے بھری ہوئی کتاب ''مصباح الہدایۃ إلی الخلافۃ والولایۃ'' کے آخر میں وصیت کرتا ہے کہ ''اس کتاب کے اسرار کو نشر نہ کیا جائے، وہ کہتا ہے:

''اے میرے روحانی دوست! تمہیں اس اللہ کا واسطہ ہے جو دنیا میں اور آخرت میں تیرا مدد گار ہے؛ کہ اس کتاب کے راز غیروں کے لیے افشاں نہ کرنا۔ اور نہ ہی نا مناسب جگہ پر اس کا اظہار کرنا۔ اس لیے کہ باطن شریعت کا علم نوامیس إلھیہ اور اسرار ربوبیت میں سے ہے۔ اور ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے غیروں کے ہاتھوں اور نظروں سے چھپا کر دور رکھا جائے تا کہ وہ اس کے افکار کی گہرائیوں میں غور نہ کر سکیں۔''[3]

سو ان لوگوں کو اس بات کا احساس ہونا کہ ان کا دین فاسد ہے، انہیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اس مبداء -تقیہ و نفاق- کی طرف رجوع کریں۔ اگر ایسا نہیں ہے؛ ان کا دین اور عقیدہ صحیح اور درست ہے

---

[1] د: روھلنج: الکنز المرصود ص ۷۵۔ [2] الکلینی: أصول الکافی ۲/۲۱۸۔
[3] مصباح الھدایۃ ص ۱۵۴۔

تو وہ کون سی بات ہے جس سے یہودی اور رافضی ڈرتے ہیں کہ لوگوں کو اس کا علم نہ ہوجائے۔ اس لیے کہ صحیح دین کے لوگوں کے درمیان نشر ہونے سے؛ اور اس کی طرف دعوت دینے سے عزت اور رفعت بڑھتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا کہ وہ لوگوں کو اس کے دین کی طرف دعوت دیں۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اذْهَبْ أَنتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي☆ اذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى☆ فَقُولَا لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى﴾ (طه: ۴۲۔ ۴۴)

''تو تم اور تمہارا بھائی دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سُستی نہ کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو رہا ہے۔ اور اُس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔''

اور ہمارے نبی ﷺ کو اپنے دین کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا، فرمایا:

﴿وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَى هُدًى مُّسْتَقِيمٍ﴾ (الحج: ٦٧)

''اور آپ (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلاتے ہو بیشک آپ سیدھے رستے پر ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ (الحجر: ۹۴)

''پس جو حکم آپ کو (اللہ کی طرف سے) ملا ہے وہ (لوگوں کو) سنا دو اور مشرکوں کا (ذرا) خیال نہ کرو۔''

اس وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کو ان کی بڑی محفلوں اور مجلسوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیا کرتے تھے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، جن کی طرف یہودی اپنے دین کو منسوب کرتے ہیں، وہ فرعون کو اور اس کی قوم کو ان کی بڑی محفل میں، اور ان کی عید کے دن ان کے بڑے اجتماع میں زینت کے دن دعوت دے رہے ہیں۔ [فرمان الٰہی ہے]:

﴿قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَن يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ (طه: ۵۹)

''موسیٰ نے کہا کہ آپ (کے مقابلے) کے لیے عید کا دن (مقرر کیا جاتا ہے) اور یہ کہ لوگ اس دن چاشت کے وقت اکٹھے ہو جائیں۔''

اور ہمارے نبی کریم ﷺ صفا کی پہاڑی پر چڑھتے ہیں، اور قریش کے اہم ترین لوگوں کو آواز دیتے ہیں، یہاں تک کہ جب سارے آپ ﷺ کے پاس جمع ہوجاتے ہیں، تو آپ ﷺ ان تک اللہ کی دعوت پہنچاتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۴)

''اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈرائیے۔''

تو نبی کریم ﷺ صفا کی پہاڑی پر چڑھ گئے اور آواز لگانے لگے: اے بنی فہر؛ اے بنو عدی؛ [آپ ﷺ نے قریش کی تمام اہم شاخوں کو بلایا]۔ جب سارے لوگ آپ ﷺ کے پاس جمع ہوگئے؛ اور جو کوئی خود نہیں نکل سکا، اس نے آدمی بھیجا تاکہ دیکھے کہ کیا معاملہ ہے۔ سو ابولہب آیا؛ اور قریش بھی آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کاتم دیکھتے ہو اگر میں تم سے کہوں کہ اس وادی کے پیچھے گھوڑے سوار لشکر تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، کیا تم میری بات کی تصدیق کروگے؟ کہنے لگے: ہاں۔ ہم نے آپ ﷺ پر سچائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں آزمایا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں ایک سخت عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔'' [1]

اگر یہودی اور رافضی جانتے ہیں کہ ان کا دین صحیح ہے۔ تو پھر اس کی طرف دعوت کیوں نہیں دیتے، اور لوگوں کو سامنے اس کو پیش کیوں نہیں کرتے۔ تاکہ لوگوں میں یہ دین پھیل جائے جیسا کہ انبیاء کرام علیہم الصلواۃ والسلام کرتے رہے ہیں۔

ایسے ہی یہودی اور رافضی غیروں کے ساتھ برتاؤ کے اسلوب نفاق اور تقیہ میں بھی متفق ہیں۔ وہ اسلوب جن میں وہ آپس میں اتفاق رکھتے ہیں؛ ان میں سے:

۱۔ یہودیوں اور رافضیوں میں سے ہر ایک کا اپنے مخالفین سے محبت اور دوستی کا اظہار؛ حالانکہ وہ ان کے لیے اپنے دل میں بغض اور نفرت کو چھپائے ہیں۔

تلمود میں آیا ہے:

---

[1] صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب: وأنذر عشيرتك الأقربين ...... ح: ٤٧٧٠۔

''یہودی کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اپنے مخالفت کے ساتھ مجاملت سے کام لے، تا کہ اس کے شر سے محفوظ رہے۔ اور اس کے لیے شر اور اذیت کو پوشیدہ رکھے۔''

اور ایک دوسری عبارت میں ہے:

''بے شک منافقت جائز ہے۔ اور بے شک انسان - یعنی یہودی - اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ کافر کے ساتھ مؤدب رہے اور اس سے محبت کا جھوٹا دعوی کرے۔''

اور رافضیوں کی کتابوں میں آیا ہے:

''ظاہری طور پر ان کے ساتھ میل جول رکھو۔ اور خفیہ طور پر ان کی مخالفت کرو، خصوصاً جب کہ حکومت بھی بچوں والی (یعنی بیوقوف) ہو۔''

۲۔ یہودیوں کے اسلوبِ نفاق ایک ان کے الفاظ اور عبارات کا کھیل تماشا ہے؛ اور کلمات کی اپنی جگہ پر تحریف ہے۔ تلمود میں آیا ہے: ''بے شک ان کا ایک حاخام غیر یہودی کو سلام ان الفاظ میں کرتا تھا:'' سلام تیرے ساتھ ہو، اور اس سے وہ نیت اپنے استاذ کی کرتا تھا؛ نہ کہ غیر یہودی کو سلام کرنے کی۔''

اور یہودی جب مسلمانوں کو سلام کرتے تھے تو کہتے تھے: ''السام علیکم۔'' یعنی تم پر موت ہو۔ ایسے ہی رافضی بھی الفاظ سے کھیلتے ہیں۔ اور ان کی تاویل صحیح معانی سے ہٹ کر کرتے ہیں۔ روایت کیا گیا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک اہل سنت سے ملا، تو ان سے کہا: ''شاید تم گمان کرتے ہو کہ میرے متعلق بھی رافضی ہونے کا کہا گیا ہے: بے شک ابو بکر و عمر عثمان و علی جس نے ایک سے دشمنی رکھی؛ وہ کافر ہے۔ اور ایک سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لیتے ہیں۔

اور انہوں نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ شیطان الطاق - یہ ان میں سب سے بڑھ کر خبیث ہے - ایک خارجی سے ملا؛ تو خارجی نے اس سے کہا: ''میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا، یا تم حضرت علی سے برأت کا اظہار کرو۔ تو کہا: میں علی سے۔ اور عثمان سے بری ہوں۔'' اس سے مراد یہ لی ہے کہ: میں علی کے اصحاب میں سے ہوں، اور عثمان سے بری ہوں۔''

۳۔ یہودی نفاق میں جس اسلوب پر چلتے ہیں، اس میں سے ایک: اپنے مخالفین کے ساتھ دھوکہ بازی سے پیش آنا ہے۔ یہ اس طرح کہ ان کی خوشیوں اور غمیوں میں شرکت کی جائے۔ جیسے کہ ان کی عیدوں میں شریک ہونا؛ ان کے بیماروں کی عیادت کرنا؛ اور ان کے جنازوں میں شریک ہونا۔ تلمود

میں آیا ہے:

''جب تم کسی گاؤں میں داخل ہو، اور وہاں کے رہنے والے عید منا رہے ہوں؛ تم پر واجب ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ اپنی شراکت ظاہر کرو، اور ان بہت بڑی خوشی کا اظہار کرو، تا کہ تم اپنے بغض کو چھپا سکو۔''

ایک دوسری نص میں ہے: ''یہودی کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ عیسائی مریض کی تیمار داری کرے۔ اور ان کے مردوں کو دفن کرے۔ [یہ اس وقت ہوگا] جب انہیں ان عیسائیوں سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اور ایسے ہی رافضی بھی کہتے ہیں: وہ اپنے ماننے والوں کے لیے ان طریقوں کو جائز سمجھتے ہیں تا کہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ دے سکیں۔ ابو عبداللہ سے روایت کرتے ہیں، بے شک اس نے کہا ہے:

''خبردار کہ تم کوئی ایسا کام کرو جس کی وجہ سے وہ ہمیں عار دلائیں۔ بے شک برا بیٹا اپنی حرکتوں سے والد کو عار دلاتا ہے۔ جن کی طرف تم کٹ گئے ہو، ان کے لیے زینت بن جاؤ، ان کے لیے برائی نہ بنو۔ ان کی مجلسوں میں نماز پڑھو؛ اور ان کے مریضوں کی عیادت کرو۔ اور ان کے جنازوں میں شرکت کرو، وہ کسی خیر کے کام پر تم سے سبقت نہ لے جائیں۔''

۴۔ یہودی اپنے نفاق کے جملہ وسائل میں سے دوسروں کو دھوکہ دینے کے لیے جھوٹی قسم اٹھانا بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

تلمود میں آیا ہے: ''یہودی کے لیے جائز ہے کہ وہ جھوٹی قسم اٹھائے، خاص کر جب کہ دوسری قوموں کے ساتھ ہو۔'' اور رافضی بھی ایسے ہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب رافضی تقیہ کرتے ہوئے جھوٹی قسم اٹھائے گا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی (اس پر کفارہ نہیں آئے گا)۔ ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں؛ انہوں نے کہا ہے: ''دار تقیہ [تقیہ کی جگہ] تقیہ کرنا واجب ہے۔ نہ ہی قسم ٹوٹے گی، اور نہ ہی اس پر کفارہ ہوگا؛ جس نے تقیہ سے قسم توڑی۔ اس طرح وہ اپنی ذات کا ظلم سے دفاع کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے کہ یہ اسلوب منافقین کا ہے؛ فرمایا:

﴿وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَـٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ﴾

(التوبہ: ۵۶)

''اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تمہیں میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں اصل یہ

ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾ (التوبہ: ۴۲)

''اور اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے یہ (ایسے عذروں سے) اپنے تئیں ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔''

۵۔ یہودی دوسرے دین اختیار کرنے کا اظہار کرتے ہیں۔ تا کہ اس دین والوں کو منافقت سے دھوکہ دے سکیں۔ تلمود میں ہے:

''جب یہودی اس بات کی استطاعت رکھتا ہو کہ وہ بت پرستوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دے کہ وہ ستاروں کا پجاری ہے، تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔''

رافضی بھی ایسے ہی تقیہ اور نفاق برتتے ہوئے اپنے مخالفین کے ساتھ موافقت کا اظہار کرتے ہیں۔ بحرانی تقیہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ''خوف کے مارے مخالفین کے دین سے موافقت کا اظہار۔''

یہودیوں اور رافضیوں پر اس منہج کی تاثیر کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ان دونوں پر اس منہج کا واضح اثر موجود ہے؛ اس لحاظ سے کہ یہ کسی دوسرے کے عقیدہ اور منہج سے متأثر نہیں ہوتے۔ یہ اگرچہ ظاہری طور پر لوگوں سے میل جول بھی رکھتے ہیں؛ مگر یہ اپنا عقیدہ چھوڑ کر کسی دوسرے کے عقیدہ کا کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے بھیس میں اپنے عقیدہ کو چھپائے رکھتے ہیں۔ اور اس کے گرد نفاق، تقیہ اور مجاملت (دھوکہ بازی) کے پردہ کی آڑ کر لیتے ہیں۔ ان کے اس فعل پر تاریخ گواہ ہے۔ اس کے باوجود کہ یہودیوں کا ایک لمبے زمانہ تک عیسائیوں کے ساتھ میل جول رہا ہے، مگر وہ عیسائی دین سے بالکل متأثر نہیں ہوئے۔ بلکہ ہر قسم کی قوت، مکر اور دھوکہ بازی سے انہوں نے عیسائیت کو بدلنے کی بھرپور کوشش کی۔ اور بعض کو اس میں کامیابی بھی حاصل ہوئی؛ جب انہوں نے خود کو عیسائیت کے بھیس میں ظاہر کیا۔ جیسا کہ پولس نے کیا تھا۔ جس نے اپنی مکاری اور دھوکہ بازی سے اور خباثت کی بدولت تحریف اور تاویل کرتے ہوئے بہت ساری ابتدائی عیسائی تعلیمات کو بدل ڈالا۔

اس نئے زمانہ میں جب کہ مغرب اس نئی تہذیب و ثقافت سے بہت ہی زیادہ متاثر ہوا ہے، جس نے عیسائی میں رہی سہی دین داری کو بھی ختم کرڈالا ہے؛ مگر یہودی اپنے دین اور عقیدہ پر ڈٹے ہوئے ہیں، اور لگاتار خفیہ کوششیں کررہے ہیں کہ کس طرح یہودیت کے علاوہ تمام ادیان کو مٹاڈالا جائے۔

یہودیوں کی مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی روش ہے۔ یہ لوگ زمین کے مختلف کونوں میں زمانہ کے مختلف اوقات میں مسلمانوں کے ساتھ (ان کے پڑوس میں) رہے۔ اور یہودی مسلمانوں کے حسن برتاؤ، اچھی ہمسائیگی کو محسوس بھی کرتے رہے؛ مگر وہ اسلام کی ان شریفانہ اور بردبارانہ تعلیمات جو کہ عقل سلیم اور فطرت کے موافق ہیں؛ سے متاثر نہیں ہوئے۔ اور وہ مسلمانوں کے اچھے اخلاق اور عمدہ سلوک سے فائدہ اٹھانے کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے دور سے لے کر آج تک مسلمانوں اور اسلام کے خلاف سازشیں کرتے چلے آئے ہیں۔

میں نے اس کی شہادتیں ایک خاص بحث میں ذکر کی ہیں، جس کا عنوان ہے: مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی سازشیں۔'' یہ بحث مدخل [کتاب کے شروع] میں موجود ہے۔

ایسے ہی رافضی بھی بہت سارے شہروں [اور ملکوں] میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں، ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں، اور ان کی بھلائیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور عدل وامن اور عیش کی زندگی پاتے ہیں۔ ان ملکوں میں جہاں اہل سنت کی حکومت اور قیادت ہے [رافضیوں کو وہ سب کچھ میسر ہے] جو کہ رافضی ملک میں ان کے اہل سنت برادران کو میسر نہیں ہے۔ ان کو اس حال میں کئی صدیاں گزر گئی ہیں؛ اور غیر معمولی عرصہ دراز گزر چکا ہے؛ مگر اس کے باوجود اہل سنت والجماعت اور ان کے عقیدہ کا کوئی اثر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ بلکہ وہ اپنے ان فاسد عقائد کو نسل در نسل وراثت میں پاتے چلے آئے ہیں۔ اور آج تک مسلمانوں کے خلاف حسد وبغض کو بھی ایسی وراثت میں پاتے آرہے ہیں۔ اس باب میں بھی یہودیوں کے اور ان کے درمیان مشابہت واضح ہے۔

یہودیوں کے اپنے مخالفین کے ساتھ نفاق کا برتاؤ کرنے میں، اور رافضیوں کا اپنے مخالفین کے ساتھ تقیہ کا برتاؤ کرنے میں مشابہت کی یہ بعض وجوہات ہیں۔ وگرنہ یہ موضوع بہت واسع ہے؛ جس کا احاطہ کرنے کی گنجائش نہیں۔ اس کی وجہ یہودیوں اور رافضیوں کے ہاں نفاق کے متعدد اسالیب کا ہونا ہے۔ اور یہ ہر وقت اور ہر جگہ پر بدلتے رہتے ہیں۔ بس یہ تو چند ایک وہ مثالیں تھیں جو ان کی کتابوں میں آئی ہیں۔

جن کو میں نے ان کی تاریخ پیش کرنے کے لیے صرف چھوا ہے؛ ورنہ جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے بڑا اور زیادہ خطرناک ہے۔

چوتھی بحث:......غیروں کے ساتھ یہودی نفاق اور رافضی تقیہ پر رد

[اس بحث میں یہودیوں کے اپنے مخالفین کے ساتھ نفاق کے استعمال کرنے پر اور رافضیوں کے اپنے مخالفین کے ساتھ تقیہ کا برتاؤ کرنے پر رد کیا جا رہا ہے]۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں نفاق کی مذمت کی ہے۔ اور منافقین کو بہت سخت عذاب کی وعید سنائی ہے، اور انہیں کافروں کے ساتھ جہنم میں اکٹھا کیے جانے کی وعید بھی سنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعاً﴾ (النساء: ۱۴۰)

''کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں، سب کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْراً﴾ (النساء: ۱۴۵)

''کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں اور تم اُن کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ (التوبہ: ۶۸)

''اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے آتشِ جہنم کا وعدہ کیا ہے جس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔ وہی ان کے لائق ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب تیار ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی کتاب میں منافقین کی مذمت میں بہت ساری آیات ہیں۔

یقیناً ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کو جہنم کے سب سے نچلے درجوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی وعید سنائی ہے۔ اور انہیں [اس عذاب میں] کفار کا شریک بنایا ہے؛ اور ان سب کو رسوائی والے عذاب میں جمع کرے گا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یعنی جیسے یہ-منافق-کفر میں ان کے ساتھ شریک ہوئے؛ ایسے ہی اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں ان کا شریک بنائے گا۔ اور ان سب کو سزا؛ عبرت؛ قید؛ اور بیڑیوں کے گھر میں؛ اور پیپ کے پینے میں جو کہ گلے سے اترے گا نہیں؛ جمع کرے گا۔''[1]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف ان لوگوں کے لیے بھی ڈراوا اور دھمکی ہے جو کوئی منافقین کی راہ پر چلے۔ اور یہودیوں اور رافضیوں کی اور ان کے منہج پر چلنے والوں کی پیروی کرے۔ رہے یہودی؛ اللہ تعالیٰ نے ان کی منافقت پر قرآن کریم میں کئی جگہ پر گواہی دی ہے۔ اور اس بات کی خبر دی ہے کہ یہ مؤمنین کے لیے ایمان کا اظہار کرتے ہیں؛ حالانکہ وہ اپنے دل میں کفر چھپائے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾

(البقرہ: ٧٦)

''اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جو بات اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہے وہ تم ان کو اس لیے بتائے دیتے ہو کہ (قیامت کے دن) اُسی کے حوالے سے تمہارے رب کے سامنے تمہیں الزام دیں۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ﴾

(آل عمران: ١١٩)

[1] تفسیر ابن کثیر ١/ ٥٦٧۔

''اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ان دو آیات میں نفاق کی بعض حالتوں کے متعلق خبر دی ہے؛ جن کا استعمال یہودی مسلمانوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ تا کہ یہ ان لوگوں پر ان کے نفاق پر قیامت تک کے لیے گواہی باقی رہے۔ اور مسلمان ان کی مکاریوں سے بچتے رہیں۔

میں اسی پر کفایت کروں جو کہ قرآن میں یہودیوں پر رد آیا ہے۔ اس لیے کہ یہ آیات صاف واضح اور غیروں کے ساتھ بررتاؤ کے وقت ان کے منہج؛ جو کہ نفاق کی بنیاد پر کھڑا ہے؛ اور جس میں اعتقاد کے خلاف اظہار کیا جاتا ہے؛ کے باطل ہونے پر کھلی دلیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے کئی ایک مواقع پر یہودیوں کے اس فعل پر ان کی مذمت کی ہے۔ اور ان سے خبردار کیا۔

یہاں پر رد کا مرکز ومحور رافضی ہوں گے۔ اس لیے کہ میرا خیال ہے کہ رافضی منافقت اور دھوکہ بازی میں یہودیوں سے زیادہ ماہر ہیں۔ یہودی اپنی کتابوں میں کھل کر دوسروں کے ساتھ منافقت کرنے کا کہتے ہیں۔ اور مسلمان عوام ان کے مذہب کے باطل اور فاسد ہونے کو جانتے ہیں۔ چہ جائے کہ ماہرین اور علماء (وہ تو جانتے ہی ہیں)۔؛ اس لیے نفاق شرعاً اور عقلاً مذموم ہے۔

رہے یہ لوگ -یعنی رافضی/ شیعہ- ؛ ان کا خطرہ یہودیوں کے خطرہ سے بہت زیاہ بڑا اور بڑھ کر ہے۔ سو یہ مسلمانوں کے ساتھ برتاؤ کے وقت نفاق کو مباح قرار دیتے ہیں ؛ مگر اس کا اعتراف نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے لیے انہوں نے ایک دوسرا نام ایجاد کرلیا ؛ جس سے انہوں بعض ان لوگوں پر تلبیس کی جو ان کے مذہب سے واقف نہیں ہیں ؛ انہوں نے اس کا نام تقیہ رکھا۔ اور انہوں نے اس تقیہ کو اپنے دین کے اصولوں میں سے ایک اصول بنادیا ؛ اور اسے اسلام کی طرف منسوب کرنے لگے۔ اور اس طرح آیات میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ معانی کے خلاف تأویل کرنے لگے۔ اور اللہ اور اس کے رسول اور آل بیت پر جھوٹ بولنے لگے ؛ اور اس طرح انہوں نے اپنے اس نفاق کو اسلام سے نتھی کرنے کی کوشش کی ؛ حالانکہ اسلام اس سے بالکل بری ہے۔

[رافضیوں کا استدلال]:

وہ آیات جن سے رافضی اپنے اس فاسد عقیدہ پر استدلال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ (آل عمران: ۲۸)

''مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اُس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں ہاں اگر اس طریق سے تم اُن (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو۔''

اس آیت سے ان کا اپنے عقیدہ ءتقیہ پر استدلال کرنا ایک باطل استدلال ہے؛ جو کہ صحیح نہیں ہے۔ اس آیت میں وارد [لفظ] تقیہ رافضیوں کا تقیہ نہیں ہے، یہ اور تقیہ ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ جیسے کہ ثری [زمین کی نچلی تہہ] اور ثریا [آسمانوں کے اوپر] میں فرق ہے۔ اس سے پہلے کہ میں وہ فرق بیان کروں جو اللہ تعالیٰ کے مباح کردہ تقیہ میں اور رافضیوں کے تقیہ میں ہے۔ ذیل میں اہل علم کے اقوال پیش کیے جارہے ہیں، جن میں اس میں تقیہ کا مقصود اور اس کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اور رافضی یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اس آیت پر عمل پیرا ہیں:

﴿لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾

(آل عمران: ۲۸)

''مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اُس سے اللہ کا کچھ نہیں ہاں اگر اس طریق سے تم اُن (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے۔''

سو یہ آیت ان پر حجت ہے۔ اس لیے کہ اس آیت میں پہلے ان لوگوں سے کیا گیا ہے جو مؤمنین نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ سو ان سے کہا گیا: کہ مؤمنین کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں مؤمنوں کو چھوڑ کر۔ یہ آیت باتفاق العلماء مدنی ہے۔ اس لیے کہ سورت آل عمران پوری کی پوری مدنی ہے، اور ایسے ہی سورت بقرہ، اور سورت نساء اور سورت مائدہ۔

اور یہ بات تو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مدینہ میں مؤمنوں میں سے کوئی ایک بھی

اپنا ایمان نہیں چھپاتا تھا۔ اور نہ ہی ان میں سے کوئی کافروں کے لیے اس بات کا اظہار کرتا تھا کہ وہ ان میں سے ہے۔ جیسا کہ رافضی جمہور مسلمین کے ساتھ کرتے ہیں۔ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت بعض ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو کفار کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ سو انہیں اس کام سے منع کر دیا گیا۔ پس وہ جمہور سے محبت ظاہر نہیں کرتے۔

ضحاک کی روایت میں ہے، ابن عباس سے روایت کیا گیا ہے: ''بے شک عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے یہودی حلیف تھے؛ انہوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک میرے ساتھ پانچ سو یہودی ہیں، اور میرا خیال ہے کہ ان سے دشمن پر غلبہ پاؤں؛ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابو صالح کی روایت میں ہے: بے شک عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی یہودیوں سے دوستی رکھتے تھے؛ اور ان تک خبریں پہنچاتے تھے۔ اور ان کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فتح کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو ان کے اس فعل کی طرح کرنے سے منع کر دیا۔

اور ابن عباس سے روایت کیا گیا ہے: ''بے شک یہودیوں کے کچھ لوگ خفیہ طور پر انصار کے کچھ لوگوں سے ڈیل کرتے تھے، تاکہ وہ انہیں ان کے دین میں فتنہ میں ڈال [گمراہ کر] سکیں۔ مسلمانوں کے کچھ لوگوں نے انہیں اس حرکت سے منع کیا، مگر وہ نہ مانے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور مقاتل بن حیان اور مقاتل بن سلیمان سے روایت ہے یہ آیت حاطب بن ابی بلتعہ وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی؛ جو کہ کفارِ مکہ کے لیے محبت ظاہر کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

اور رافضی لوگوں میں سب سے بڑھ کر اہلِ سنت سے محبت کا اظہار کرنے والے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی ایک بھی اپنا دین ظاہر نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ انہوں نے فضائلِ صحابہ اور وہ قصائد یاد کیے ہوتے ہیں جو ان کی مدح میں اور رافضیوں کی ہجو (مذمت) میں ہیں۔ جن کے ذریعہ سے وہ اہلِ سنت سے محبت ظاہر کرتے ہیں؛ اور ان میں سے کوئی ایک اپنا دین ظاہر نہیں کرتا جیسا کہ مؤمنین مشرکین اور اہلِ کتاب کے سامنے اپنے دین کو ظاہر کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت پر عمل کے لحاظ سے یہ - رافضی - لوگوں میں سب سے دور ہیں۔ رہا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿إِلَّآ أَن تَتَّقُواْ مِنۡهُمۡ تُقَاةً﴾ (آل عمران: ۲۸)

''ہاں اگر تم اُن (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو۔''

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مگر تصنع کرتے ہوئے۔ اور ''تقاۃ'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اپنی زبان سے جھوٹ بولوں؛ جو کہ میرے دل میں نہیں ہے۔ بے شک ایسا کرنا منافقت ہے۔ مگر وہ کروں جس پر میں قدرت رکھتا ہوں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ سے روایت ہے، بے شک آپ ﷺ نے فرمایا:

((من رأى منكم منكراً فليغيّره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذالك أضعف الإيمان.)) [1]

''جوکوئی تم میں سے برائی کی بات دیکھے اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی طاقت نہ ہوتو اسے اپنی زبان سے منع کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہوتو اسے دل میں برا جانے، اور یہ ایمان کا کم ترین درجہ ہے۔''

پس مؤمن جب کفار اور فجار کے درمیان ہو؛ اور اسے عاجز ہونے کی وجہ سے ہاتھ سے جہاد کرنے کا موقع میسر نہ ہو، لیکن ممکن ہوتو زبان سے روکے؛ ورنہ اس کو دل سے برا جانے؛ اس کے ساتھ ہی وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ اور اپنی زبان سے وہ بات نہیں کہے گا جو کہ اس کے دل میں نہیں ہے۔ یا تو وہ اپنے دین کو ظاہر کرے گا یا اسے چھپائے گا۔ مگر اس کے باوجود وہ ان کے پورے دین پر ان سے موافقت نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کا آخری درجہ یہ ہوگا کہ وہ آل فرعون کے اس مؤمن انسان؛ اور فرعون کی بیوی کی طرح ہو؛ وہ- آلِ فرعون کا مؤمن - ان کے سارے دین پر ان سے موافقت نہیں رکھتا، مگر وہ جھوٹ بھی نہیں بولتا تھا۔ اور زبان سے ایسی بات نہیں کرتا تھا جو اس کے دل میں نہ ہو۔ بلکہ وہ اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔ [اس سے ظاہر ہوا کہ] دین کا چھپانا اور چیز ہے؛ جب کہ باطل دین کا اظہار کرنا اور چیز ہے۔

اس کو اللہ تعالیٰ نے کسی کے لیے مباح نہیں کیا، سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے۔ وہ بھی اس طرح کہ اس کے لیے کلمۂ کفر کا زبان سے نکالنا مباح قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے منافق اور مجبور کے درمیان فرق کیا ہے۔ اور رافضیوں کا حال تو نِرا منافقین کا حال ہے۔ نہ کہ اس مجبور انسان کا حال جسے کلمہ کفر بولنے پر مجبور کر دیا جائے؛ اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ یہ مجبوری جمہورِ بنی آدم میں عام نہیں ہوسکتی۔ حتی کہ

[1] مسلم كتاب الإيمان /باب كون النهي عن المنكر من الإيمان و وأن الإيمان يزيد و ينقص ......ح: ٤٩۔

وہ مسلمان جو کہ قیدی ہو؛ یا کسی کافر ملک میں اکیلا ہو؛ اور اسے کوئی کلمۂ کفر کہنے پر مجبور بھی نہ کرتا ہو؛ تو وہ ایسا نہیں کہے گا۔ اور اپنی زبان سے وہ بات نہیں کہے گا جو اس کے دل میں نہیں ہے۔ اور اسے کبھی اس بات کی ضرورت ہوسکتی ہے کہ وہ کفار کے ساتھ ایسے نرمی برتے کہ لوگ سمجھیں وہ ان ہی میں سے ہے۔ مگر وہ اس کے ساتھ اپنی زبان سے وہ الفاظ نہیں کہے گا جو اس کے دل میں نہیں ہیں۔ بلکہ جو کچھ اس کے دل میں ہے اسے پوشیدہ رکھے گا۔

[یعنی] جھوٹ بولنے اور [حق] چھپانے میں فرق ہے۔ سو چھپانا [کتمان] وہ ہے جو مومن کے جی میں ہے، اس طرح کہ وہ اس کو ظاہر کرنے میں اللہ کے ہاں معذور ہے۔ جیسا کہ آلِ فرعون کا مؤمن۔ جب کہ کفریہ کلام کے ساتھ بات کرنے والا؛ اس کا کوئی عذر نہیں ہے، صرف اس صورت کے کہ اسے مجبور کیا جائے۔ اور منافق کذاب کا عذر کسی بھی حال میں مقبول نہیں ہے۔

پھر وہ مؤمن جو اپنا ایمان چھپاتا ہو، وہ ایسے کافروں کے درمیان ہو، جو اس کا دین نہ جانتے ہوں؛ اور اس کے ساتھ وہ لوگ اس سے محبت کرتے ہوں، اور اس کی عزت کرتے ہوں۔ اس لیے کہ اس کے دل میں موجود ایمان اس چیز کو واجب کرتا ہے کہ ان کے ساتھ سچائی اور امانت داری؛ ان کے لیے خیر خواہی اور ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے۔ اگر چہ وہ ان کے دین پر ان سے موافقت نہ رکھتا ہو۔ جس طرح کہ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام اہل مصر میں کرتے تھے۔ حالانکہ وہ سارے کافر تھے۔ اور جیسے آل فرعون میں سے ایک آدمی اپنا ایمان چھپاتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ موسیٰ علیہ السلام کی تعظیم بھی کرتا تھا اور کہتا تھا: ''کیا تم ایسے آدمی کو قتل کر رہے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب صرف ایک اللہ ہے۔''

رہے رافضی؛ تو ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں رہا جس نے تقیہ کے بغیر زندگی گزاری ہو۔ اس لیے کہ جو دین اس کے دل میں ہے؛ وہ فاسد دین ہے۔ جو اسے خیانت اور جھوٹ؛ لوگوں کے ساتھ دھوکہ دہی؛ اور ان کے ساتھ برے ارادے پر ابھارتا ہے۔ اور کسی کا کوئی لحاظ نہیں رکھتے۔ اور کوئی ایسا شر ترک نہیں کرتے جس کو انجام دینے پر قدرت رکھتے ہوں، مگر اسے کر گزرتے ہیں۔ اور جن لوگوں کو جانتے نہیں؛ ان پر یہ بہت سخت نالاں رہتے ہیں۔ اگر وہ یہ بات نہ جانتے ہوں کہ یہ رافضی ہے۔ ان کے چہرے پر نفاق کی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں؛ اور ان کی چکنی چپڑی باتوں سے بھی۔ اس لیے آپ دیکھیں گے یہ کمزور لوگوں سے؛ اور جن کی انہیں کوئی ضرورت نہ ہو؛ ان سے؛ منافقت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اس کا سبب

اس کے دل میں موجود وہ نفاق ہے جو اس کے دل کو کمزور کر رہا ہے۔'' [1]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ﴾ (آل عمران: ۲۸)

''مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں۔''

اس آیت میں تقیہ کے مشروع ہونے کی دلیل ہے؛ اور اس کی تعریف نفس کی حفاظت، یا عزت اور مال اور دشمن کے شر سے بچاؤ کے معانی میں کی گئی ہے۔''

دشمن کی دو قسمیں:

اول: وہ جس سے دشمنی دینی اختلاف پر مبنی ہو۔ جیسے کافر اور مسلمان۔

دوم: جس کے ساتھ دشمنی دنیاوی اغراض پر مبنی ہو؛ جیسے مال ومتاع؛ ملک، امارت وغیرہ۔

یہاں سے تقیہ کی بھی دو قسمیں بنتی ہیں:

پہلی قسم: اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ ہر وہ مؤمن جو کسی ایسی جگہ پھنس جائے جہاں دشمنوں کی وجہ سے اس کے لیے اپنے دین کا اظہار کرنا ناممکن ہو؛ تو اس پر واجب ہوجاتا ہے کہ ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کر جائے جہاں پر وہ اپنے دین کا اظہار کرسکتا ہو۔ اور اصل میں اس کے لیے یہ جائز ہی نہیں ہے کہ یہ انسان اسی جگہ پر باقی رہے، اور اپنے دین کو چھپائے رکھے۔ اور کمزوری کا عذر پیش کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی زمین بڑی وسیع ہے، [اسے ہجرت کرنا لازم ہے]۔

ہاں وہ لوگ جن کا کوئی شرعی عذر ہو اور ہجرت ترک کر دے، جیسے بچے؛ عورتیں؛ اور اندھے؛ اور قیدی؛ اور وہ لوگ جنہیں مخالف ان کو قتل کرنے، یا ان کی اولاد یا والدین کو قتل کرنے سے ڈراتے ہوں ؛اور وہ خوف محسوس کر رہا ہو کہ جس چیز سے ڈراتے ہیں وہ کر گزریں گے؛ خواہ یہ قتل گردن زنی سے ہو، یا غذا کی بندش سے یا اس طرح کی کوئی اور حرکت۔ تو اس صورت میں اس کے لیے مخالف کے ساتھ رکے رہنا اور بقدر ضرورت اس کی موافقت کرنا جائز ہے۔

اور اس پر واجب ہے کہ وہاں سے خروج کرنے اور دین بچا کر نکل جانے کے لیے کسی حیلہ کی تلاش میں رہے۔ اور اگر یہ ڈراوا کسی نفع کے فوت ہوجانے کا ہو، یا ایسی مشقت میں ڈالنے کا ہو جس کو برداشت

[1] منہاج السنة ٦/٤٢١-٤٢٥۔

کیا جاسکتا ہو، جیسا کہ حبس بے جاء، مگر ساتھ غذا ملتی رہے ؛ اور ایسی تھوڑی مار پیٹ جس سے جان ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ ہو، تو اس صورت میں ان کی موافقت جائز نہیں ہے۔ اور ان کے ساتھ موافقت کے جواز کی صورت میں بھی یہ جواز فقط ایک رخصت ہے، جب کہ اپنے دین کا اظہار کرنا عزیمت ہے۔ اور اگر اس راہ میں وہ اپنی جان بھی دیدے تو وہ یقیناً شہید ہوگا۔

اور جو چیز اس کے رخصت ہونے پر دلالت کرتی ہے ؛ جو حضرت حسن سے روایت کیا گیا ہے، مسیلمہ کذاب نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے دو آدمیوں کو پکڑ لیا۔ ان میں سے ایک سے کہا: ''کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ کہا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟۔ اس نے کہا: ہاں۔ پھر اس نے دوسرے کو بلایا۔ اور کہا: ''کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ کہا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟۔ اس نے کہا: میں گونگا ہوں۔ اس نے تین بار یہ بات کہی۔ اور ہر بار وہ یہی جواب دیتا کہ میں گونگا ہوں۔ تو اس -مسیلمہ- نے اس -صحابی- کی گردن ماردی۔

یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی ؛ تو آپ نے فرمایا: رہا یہ مقتول ؛ تو یہ اپنے صدق و یقین پر گزر گیا، اور اس نے فضیلت پالی ؛ اس کے لیے مبارک ہو۔ اور رہ گیا دوسرا، تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے رخصت دی ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔''

دوسری قسم : علماء کرام کا ہجرت کے واجب ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف رہا ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا ہے: ہجرت واجب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرہ:۱۹۵)

''اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں مت ڈالو۔''

اور اس کی دلیل مال کو ضائع کرنے کی ممانعت بھی ہے۔

اور کچھ لوگوں نے کہا ہے : ہجرت واجب نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس جگہ سے ہجرت کرنا دنیاوی مصلحتوں میں سے ایک مصلحت ہے۔ اور اس کے ترک کرنے سے ؛ اتحاد ملت کی وجہ سے دین میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اور طاقت ور مؤمن کی دشمنی کسی برائی کا سامنا نہیں کرسکتی۔ اس لحاظ سے کہ وہ مؤمن ہے۔ اور بعض نے یہ بھی کہا ہے:

حق تو یہ ہے کہ یہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے جب اسے اپنے نفس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو۔ یا اپنے اقارب کے؛ یا ہتک حرمت کا [اندیشہ ہو]؛ لیکن ایسا کرنا نہ ہی عبادت ہے اور نہ ہی قربتِ الٰہی کا عمل جس پر ثواب ملتا ہو۔ اس لیے کہ اس کا واجب ہونا محض دنیاوی مصلحت کی وجہ سے ہے۔ [1]

اس آیت کے معانی میں یہ اہل علم کے اقوال؛ اور آیت میں وارد تقیہ سے مقصود اور اس کے احکام ہیں۔ جو کہ اس آیت سے رافضیوں کے فاسد عقیدہ تقیہ کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ سو اس آیت میں وارد تقیہ اور رافضیوں کے ہاں عقیدۂ تقیہ میں فرق واضح ہے، جس کا اظہار ان نکات کی صورت میں ممکن ہے:

۱۔ آیت میں وارد تقیہ سے مراد: کفار کے پاس اپنے دین کو چھپانا ہے، ان کے دین کا اظہار؛ اور ان کی موافقت کیے بغیر۔ دین کو چھپانا ایک چیز ہے؛ جب کہ کفار کے دین کا اظہار کرنا ایک اور چیز ہے۔ رافضی نہ صرف اپنا دین چھپاتے ہیں، بلکہ اپنے مخالفین کے اس دین کا اظہار بھی کرتے ہیں جس کا اعتقاد وہ نہیں رکھتے۔ اور اس کا انکار کرتے ہیں کہ ان کا دین کوئی اور ہو۔ اور یہ منافقت کی سب سے سخت قسم ہے۔

۲۔ بے شک اس آیت میں دین کو چھپانا دو شرطوں کے ساتھ مباح قرار دیا گیا ہے۔ یہ کہ ایسا معاملہ کفار کے ساتھ ہو۔

اور مسلمان کو اس بات کا خوف محسوس ہو کہ اگر اس نے اپنے دین کا اظہار کیا تو اسے اپنی جان کا خدشہ لاحق رہے گا۔ جب کہ رافضی پورے طور پر اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ تقیہ کا برتاؤ کرتے ہیں، بغیر کسی خوف کے، یا اپنے عقائد کے اظہار پر کسی ضرر کے اندیشہ کے بغیر۔

۳۔ آیت میں وارد تقیہ رخصت سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے، جس کا ترک کر دینا عزیمت ہے۔ جب کہ رافضی تقیہ کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اور اسے اپنے دین کے اصولوں میں سے ایک اصول قرار دیتے ہیں۔ بلکہ تقیہ ان کے ہاں دین کی دس حصوں میں سے نو حصے ہے۔ اور ان کے ہاں تقیہ پر مضبوطی سے جمے رہنے، اور اس پر ترغیب دینے کے بارے میں بہت بڑے مبالغات ہیں۔

۴۔ رافضی ہر چیز میں تقیہ کو جائز سمجھتے ہیں؛ یہاں تک کہ عبادات میں بھی؛ جیسے کہ نماز؛ اور روزہ وغیرہ

---

[1] روح المعانی ۳/ ۱۲۱۔

مختلف قسم کی عبادات۔ اور یہ بات انہوں نے اپنے آئمہ کی طرف منسوب کی ہے کہ وہ عبادات میں تقیہ کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود کہ اس نسبت میں ان آئمہ کرام کی اہانت اور ان پر تہمت ہے؛ ساتھ ہی یہ اس آیت کے خلاف بھی ہے۔ بلکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی تمام نصوص؛ اور تمام انبیاء کی شریعتوں کی مخالفت ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل کیں، اور رسول مبعوث فرمائے؛ اپنی توحید کی دعوت کے لیے؛ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی مخلصانہ عبادت؛ ریا کاری؛ شرک اور لوگوں کے لیے تصنع ترک کرنے کے لیے خواہ وہ کوئی بھی ہو؛ اور بندوں کے دلوں کا ربط اللہ تعالیٰ سے قائم کرنے کے لیے۔

۵۔ یہ آیت رافضیوں کے ہاں عقیدۂ تقیہ کے باطل ہونے پر بہت بڑی دلیل ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے کفار سے دوستی اور ان سے محبت رکھنے کو حرام کیا ہے۔ اور رافضی بلا ضرورت کفار سے دوست رکھتے ہیں؛ اور ان سے محبت کرتے ہیں۔ اور یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ایسا کرنا ان کے دین کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے۔ اور اس کے بغیر ان کا دین مکمل نہیں ہوتا۔

اس سے رافضیوں کے ہاں عقیدۂ تقیہ سے اسلام کی برأت کی تاکید ہوتی ہے۔ بے شک یہ یہودیوں اور منافقین کے دین کی جنس ہے۔ نہ کہ مسلمانوں کے دین کی جنس سے۔

خود ان کی کتابوں میں بھی بعض نصوص ایسی آئی ہیں جو اس عقیدہ کے باطل ہونے؛ اور آئمہ کی برأت کی گواہی دیتی ہیں۔ جن لوگوں نے اس چیز کا اظہار کیا ہے ان میں سے:

الکشی نے صیرفی سے روایت کیا ہے، وہ کہتا ہے: میں نے سنا ابوعبداللہ علیہ السلام کہہ رہے تھے:

''لوگ گمان کرتے ہیں میں ان کا امام ہوں۔ اللہ کی قسم! میں ان کا امام نہیں ہوں۔ انہیں کیا ہوگیا ہے- اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے- جب بھی میں ان پر پردہ ڈالتا ہوں؛ یہ اس پردہ کو چاک کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا پردہ چاک کرے۔ میں کہتا ہوں: ایسے ہے۔ وہ کہتے ہیں: نہیں اس سے مراد یہ ہے۔ میں تو ان کا امام ہوں جو میری اطاعت کریں۔'' [1]

یہ ان کے امام ہیں جو اُن پر اِن کے جھوٹ بولنے کی شکایت کررہے ہیں۔ اور ان کے کلام کی

[1] رجال الکشی ص: ۱۹٤۔

تأویل تقیہ پرمحمول کرنے کی [شکایت کرتے ہیں]؛ اور یہ کہ اس سے مراد وہ لیتے ہیں جو انہوں نے کہا نہیں۔

یہ لوگ اپنے آئمہ کے کلام کی اس کے معنی مقصود سے ہٹ کر تأویل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں: ان کا مقصود ایسے اور ایسے ہے؛ اور بے شک انہوں نے ایسا تقیہ کرتے ہوئے کہا ہے۔ ذیل میں ان تأویلات کے کچھ نمونے دیے جا رہے ہیں:

طوسی نے روایت کیا ہے: عثمان بن عیسیٰ سے روایت ہے، وہ سماعہ سے روایت کرتا ہے، اس نے کہا ہے: میں نے ان سے پوچھا - یعنی ابوعبداللہ سے -؛ تیمّم کی کیفیت کیا ہے؟ انہوں نے اپنا ہاتھ زمین پر رکھا اور پھر اس سے اپنے چہرے اور کہنیوں تک دونوں بازوؤں کا مسح کر لیا۔ طوسی کہتا ہے: سو چہرہ کی اس خبر کو ہم تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ عام لوگوں کے مذہب سے موافق ہے۔ ❶

اور الاستبصار میں ہی ہے: طوسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھے کے گوشت اور نکاح متعہ کو حرام ٹھہرایا ہے۔''

طوسی کہتا ہے: اس روایت میں سبب یہ ہوسکتا ہے کہ ہم اسے تقیہ پر محمول کریں، اس لیے کہ یہ عام لوگوں کے مذہب کے موافق ہے۔'' ❷

اور طوسی نے ہی روایت کیا ہے: ابوجعفر سے روایت ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے؛ وہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

((لا جمعة إلا في مصر يقام فيه الحدود.))

''کوئی جمعہ نہیں ہوتا سوائے ان شہروں میں جہاں حدود قائم ہوتی ہوں۔''

طوسی کہتا ہے: ''اس حدیث کا سبب تقیہ ہے۔ اس لیے کہ یہ عام لوگوں کی اکثریت کے مذہب کے موافق ہے۔'' ❸

ان کا یہ طریقہ ان تمام روایات کے ساتھ ہے جو ان کے آئمہ سے اہل سنت والجماعت کے مذہب کے موافق ان کی کتابوں میں منقول ہیں۔ اور وہ روایات جو ان کے مذہب سے ٹکراؤ رکھتی ہیں ان کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ: ''بے شک یہ تقیہ پر محمول ہیں۔'' ❹

❶ الاستبصار ۱/ ۱۷۰-۱۷۱۔
❷ الاستبصار ۳/ ۱٤۲۔
❸ الاستبصار ۱/ ٤۲۰۔
❹ الأصول الأصلية ص: ۲۲۲۔

اور جو چیز ان کی کتابوں میں تقیہ کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ کئی ایک مواقع پر ان کے آئمہ سے منقول وہ روایات ہیں جو کہ ان لوگوں کے تقیہ استعمال کرنے کی مذمت میں ہیں۔

عبداللہ شبر نے روایت کیا ہے: بے شک رضا علیہ السلام نے شیعوں کی ایک جماعت سے جفا کی؛ اور وہ ان سے چھپ گئے۔تو وہ کہنے لگے: اے رسول اللہ کے صاحب زادے! اس سخت حجاب کے بعد یہ جفا اور خفتگی کیا ہے؟ کہا: یہ تمہارے اس دعوی کی وجہ سے ہے کہ تم امیر المؤمنین علیہ السلام کے شیعہ ہو۔ اور بے شک تم اپنے اکثر اعمال میں مخالفت کرتے ہو، اور بہت سارے فرائض میں کمی کرتے ہو۔ اور اللہ کے لیے اپنے بھائیوں کے حقوق میں سستی برتتے ہو۔ اور تم تقیہ کرتے ہو، حالانکہ تقیہ واجب نہیں ہے۔ اور ایسے [موقع پر] ترک کرتے ہو جہاں تقیہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اس سے رافضیوں کے ہاں عقیدۂ تقیہ کا باطل ہونا؛ اور آئمہ کی اس فاسد عقیدہ سے برأت ظاہر ہوتی ہے۔

❀❀❀❀

خاتمہ

اس کے بعد کے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے مجھے یہ بحث مکمل کرنے کی توفیق دی۔ اب یہ مرحلہ آ گیا ہے کہ میں بعض وہ نتائج ذکر کروں؛ جن تک اس بحث کے دوران میں پہنچا ہوں۔ [چونکہ اب] بحث (کتاب) لکھنے والوں کی عادت یہ بن چلی ہے کہ اپنی کتاب کے آخر میں اس کے نتائج لکھا کرتے ہیں۔

جب میں اس بحث کو ختم کر رہا ہوں، تو مجھے اس بات کی مشکل محسوس ہو رہی ہے کہ میں ان صفحات میں ان تمام نتائج کا احاطہ کروں جن تک میں پہنچا ہوں۔ جب میں حتمی طور پر اس بحث میں بہت سارے رافضی اور یہودی عقائد کا آپس میں موازنہ کیا ہے، اور اس ضمن میں آنے والی ان کی باریک جزئیات بھی درج کر دی ہیں۔

جس کے نتیجہ میں یہودی اور رافضی عقائد میں جو بہت سی مشابہات سامنے آئی ہیں۔ بس اس بات نے مجھے مجبور کیا کہ میں ہر عقیدہ میں یہودی اور رافضی مشابہت کو علیحدہ بحث میں ذکر کروں۔ یہ مشابہات اپنی حدود کے اندر خود ہی نتائج ہیں۔ اور انہی نتائج پر بحث کا دارو مدار ہے۔ یہاں پر نتائج کا احاطہ کرنا، ان ہی عقائد کی مشابہات کو دوبارہ پیش کرنا ہوگا۔ لیکن ان دونوں امور کے درمیان جمع کرتے ہوئے کہ: بحث کا منہج؛ جس کا تقاضا ہے کہ اس موقع پر نتائج ذکر کیے جائیں؛ اور وہ اسباب جو میرے اور تقاضا کے درمیان حائل ہیں؛ میں بغیر کسی لمبی گہرائی میں جانے کے، اور بغیر کی تشنۂ لب اختصار کے بعض مناسب نتائج کا یہاں پر ذکر کروں گا۔

میں نے مناسب سمجھا کہ اس بحث کے نتائج کو دو قسموں میں تقسیم کر دوں:

❀ عام نتائج ❀ خاص نتائج

عام نتائج سے میری مراد وہ نتائج ہیں جن تک اس بحث میں پہنچا ہو، اور وہ یہودی اور رافضی عقائد میں مقارنہ سے تعلق نہیں رکھتے۔

خاص نتائج سے میری مراد وہ نتائج ہیں جن تک اس بحث میں پہنچا ہو، اور وہ یہودی اور رافضی عقائد میں مقارنہ سے تعلق رکھتے۔

بحث کے آخری نتائج

اب آنے والے صفحات میں یہ نتائج آپ کے سامنے پیش کیے جارہے ہیں۔

پہلے عام نتائج: اس بحث کے دوران میں کئی نتائج تک پہنچا ہوں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ یہ کہ یہودیوں کی مسلمانوں کے خلاف سازشیں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت سے شروع ہوئی ہیں ؛ اور صدیاں گزرنے کے باوجود آج تک جاری ہیں۔ اور مسلمانوں کے خلاف ان سازشوں کی تاریخ میں ان کا اسلوب اور طریق کا مختلف رہا ہے۔

۲۔ مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی سب سے خطرناک سازش ان کے عقیدہ میں بھونچال برپا کرنا؛ اور انہیں صحیح اسلامی عقیدہ سے منحرف کرنا تھا۔ اور مسلمانوں پر کوئی آزمائش اور فتنہ ایسے نہیں آئے جیسے رافضیت اور باطنی فرقوں کا فتنہ تھا۔ یہ دونوں فرقے یہودی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہیں تاکہ وہ مسلمانوں کے عقائد کی دیواروں کو ہلا سکیں۔

۳۔ شخصیت عبداللہ بن سبأ کی حقیقت اور اس کے وجود کا ثبوت۔ اور یہ کہ عبداللہ بن سبأ کے وجود کا انکار پرانے علماء میں سے کسی نے بھی نہیں کیا؛ نہ اہل سنت میں سے اور نہ ہی شیعہ میں سے۔ اس کا انکار بعض معاصر شیعہ علماء؛ اور ان کے ساتھ چلنے والے بعض مستشرقین نے کیا ہے۔ اور وہ نئے قلم کاروں جو دونوں کشتیوں کے سوار ہیں، اور مغرب میں تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے ان کے اُفکار وآراء سے متأثر ہیں۔

۴۔ یہ کہ عبداللہ بن سباء کے متعلق سیف بن عمر سے روایات نقل کرنے میں طبری اکیلا نہیں ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن سباء کے وجود کے منکرین کا خیال ہے۔ بلکہ ابن سباء کی روایات طبری کے علاوہ دوسرے مؤرخین کے ہاں بھی ملتی ہیں ان میں سے : ابن عساکر، محمد بن یحی المالقی اور امام ذہبی وغیرہ شامل ہیں۔

۵۔ یہ کہ سیف بن عمر ابن سباء کی اخبار نقل کرنے میں اکیلا ہی تاریخی مصدر نہیں، جیسا کہ عبداللہ بن سباء

کے وجود کے منکرین کا خیال ہے۔ تاریخ میں ایسی دیگر روایات بھی موجود ہیں، جو عبداللہ بن سباء کے وجود کو ثابت کرتی ہیں۔

۶۔ رافضیت کی ایجاد میں عبداللہ بن سباء کا کردار۔ یہی شخص رافضیت کا موجد ہے۔ اور اس بارے میں فِرق اور مقالات کی کتابوں سے بڑے بڑے رافضی علماء کے اعترافات نقل کیے ہیں۔

۷۔ یہ کہ علماء اہل سنت نے یہودیت اور رافضیت کے درمیان مشابہات ذکر کرکے رافضیت پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ اور ان دونوں کے درمیان ذکر کی جانے والی مشابہات حق ہیں۔ جس کی گواہی دونوں فرقوں کی کتابیں دیتی ہیں۔

۸۔ آئمہء اہل بیت اطہار کی ہر اس الزام سے برأت جو رافضیت نے ان پر دھرے ہیں۔ اور جو فاسد اور گندے عقائد ان کی طرف منسوب کیے ہیں۔ جیسا کہ اس بات کی وضاحت خود رافضیوں کی کتابوں میں موجود ہے۔

۹۔ رافضیوں کے بہت سارے عقائد ایسے ہیں جن کے اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ پرانے رسوا کن اور گندے عقیدہ سے نکلنے کی راہ مل جائے۔ اور نئے ایجاد کردہ عقیدہ سے سابقہ عقیدہ کے درست ہونے پر استدلال۔ اس طرح یہ فاسد عقائد کا ایک مجموعہ تیار ہوگیا۔

سو تحریف قرآن کا عقیدہ وصیت کے عقیدہ کے حتمی ہونے کا نتیجہ ہے۔ جب انہوں نے اس بات کو بطور اصل کے گھڑ لیا کہ وصیت کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے؛ اور یہ کہ ولایت علی رضی اللہ عنہ اسلام کا رکن اعظم ہے۔ اس کے بارے میں قرآن میں کوئی نص نہ ملی؛ اور نہ ہی قرآن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کا ذکر ملا؛ جب کہ قرآن میں نماز؛ روزہ، زکوات؛ حج اور دیگر امور کا بیان موجود ہے، جو شیعہ کے ہاں امامت سے کم تر ہیں۔ تو انہوں نے تحریف قرآن کے متعلق کہنا شروع کردیا۔ اور کہا کہ ولایت علی قرآن میں موجود تھی؛ لیکن صحابہ نے اسے وہاں سے نکال دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصی ہونے کے عقیدہ پر ہی ان کی اور ان کے بیٹوں کی شان میں غلو کا عقیدہ بھی مرتب ہوتا ہے۔ اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسروں سے بڑھ کر امامت کے حق دار ہیں۔ اس عقیدہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے امامت کو ان ہی لوگوں میں محصور کردیا۔ اور یہ کہ قیامت تک امامت ان سے باہر نہیں جائے گی۔

امامت کے ان میں محصور ہونے کے عقیدہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں مہدی کا عقیدہ اختیار کرنا پڑا۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ امامت کو ان آئمہ کی نسل میں ہی چلا رہے ہیں۔ جب ان کا گیارھواں امام حسن عسکری انتقال کر گیا؛ تو اس کی کوئی اولاد نہیں تھی جو اس کے بعد امام بنتی۔ تو اس رسوائی سے نکلنے کا راستہ یہی ملا کہ امام مہدی کی امامت کا کہہ کر ان کے غار میں چھپ جانے کا عقیدہ گھڑ لیا۔

امام مہدی اور ان کے غار میں چھپنے کے عقیدہ پر عقیدۂ رجعت (دوبارہ نکلنے) کا عقیدہ مرتب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب رافضیوں نے دیکھا کہ: امام کا چھپ جانا کوئی معنی نہیں رکھتا اور نہ ہی اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو رہا ہے؛ تو انہوں نے کسی بھی وقت امام کے دوبارہ اس دنیا میں آنے کا عقیدہ ''عقیدہء رجعت'' گھڑ لیا۔ کہ امام اپنے ماننے والوں کی مدد کرنے اور دشمنوں سے بدلہ لینے کے لیے آئے گا۔ یہ عقیدۂ مہدی کی رسوائی سے نکلنے کے لیے انہوں نے ایسے کیا۔

جب خمینی نے دیکھا کہ امام مہدی کے غائب ہونے کا زمانہ بہت لمبا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے ان کے نزدیک بہت سارے دینی اور دنیاوی مصلحتیں پامال ہو رہی ہیں، جس کا نتیجہ آخر کار بقول خمینی یہ ہو سکتا ہے کہ شریعت کے منسوخ ہونے کا کہا جائے۔ تو خمینی نے حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس مشکل سے نجات پانے کے لیے ولایت فقیہ کا عقیدہ ایجاد کر لیا۔ اور یہ عقیدہ اس طرح ہے کہ امام غائب - جس کی غیبوبت طویل تر ہوتی جا رہی ہے - کی غیبوبت میں لازمی طور پر کوئی ایسا بھی ہونا چاہیے جو رعایا کے امور نبھانے میں اس کا نائب اور قائم مقام ہو۔

ایسے اللہ تعالیٰ رافضیوں کو ان کی گمراہیوں میں ڈھیل دیتے رہے؛ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدّاً حَتَّى إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَاناً وَأَضْعَفُ جُنداً﴾

(مریم: ۷۵)

''کہہ دو کہ جو شخص گمراہی میں پڑا ہوا ہے اللہ اس کو آہستہ آہستہ مہلت دیئے جاتا ہے یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے خواہ عذاب اور خواہ قیامت تو (اس وقت) جان لیں گے کہ مکان کس کا بُرا اور لشکر کس کا کمزور ہے۔''

۱۰۔ اہل سنت کے ہاں آخری زمانہ میں امام مہدی کے خروج کا ثبوت۔ اس پر وہ صحیح احادیث دلالت

کرتی ہیں جنہیں کبار صحابہء کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ اور انہیں کبار محدثین کی ایک جماعت نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔ اور یہ کہ اہل سنت کے امام مہدی کا رافضیوں کے مزعوم مہدی سے کسی لحاظ سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوم: خاص نتائج

یہ وہ نتائج ہیں جن تک یہودی اور رافضی عقیدہ میں مقارنہ کے دوران پہنچا ہوں۔ ان میں سے اہم ترین نکات یہ ہیں:

۱۔ عقیدہء وصیت میں یہودی اور رافضی مشابہت۔ اور ان میں سے ہر ایک کا یہ گمان کہ جس کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ ہے، اس کے وصی ہونے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصوص آئی ہیں۔ یہودیوں کا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر نص وارد کی ہے کہ یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصی ہیں۔ اور رافضی یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصی ء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے پر نص وارد کی ہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے امور نبھانے والے ذمہ دار پر وصی کے لقب کا اطلاق۔ یہ عقیدہ بھی رافضیوں نے یہودیوں سے لیا ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں نے اس نام کا اطلاق نہ ہی تو خلفاء الراشدین میں سے کسی ایک پر کیا ہے، اور نہ ہی ان کے بعد کسی دوسرے کو یہ لقب دیا ہے۔ بلکہ مسلمان ان پر لقبِ ''خلیفہ'' کا اطلاق کرتے رہے ہیں۔

۳۔ یہودیوں اور رافضیوں میں بادشاہی اور امامت کے مسئلہ میں مشابہت۔ یہودیوں کا گمان ہے کہ بادشاہی قیامت تک کے لیے آلِ داؤد میں ہی رہے گی۔ اور رافضہ کا گمان ہے کہ امامت قیامت تک آلِ حسین رضی اللہ عنہ میں ہی رہے گی۔

۴۔ واقع الحال یہودیوں کے شاہی آل داؤد میں محصور ہونے اور رافضیوں کے امامت آلِ حسین میں محصور ہونے کے اس عقیدہ کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں؛ اور یہ کہ قیامت تک امامت ان سے باہر نہیں جائے گی۔

ایک بہت لمبا زمانہ گزر گیا کہ شاہی آلِ داؤد سے ختم ہو چکی ہے۔ جب کہ حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کبھی ایک دن کے لیے بھی مسلمانوں کے ولی الأمر نہیں بنے۔

۵۔ یہود اور روافض میں عقیدۂ مسیح منتظر اور مہدی منتظر میں کئی وجوہات کی بنا پر بہت بڑی مشابہت۔ جیسا کہ ان دونوں منتظرین کی صفات اور ان کے خروج کی کیفیت بھی ملتی جلتی ہے۔ اور اپنے خروج کے بعد وہ جو اعمال سرانجام دیں گے وہ بھی بالکل ایک جیسے ہی ہیں۔

۶۔ رافضیوں کا یہودیوں اور ان سے متعلق امور وعقائد سے بہت ہی سخت تمسک وربط۔ اور یہ ان کے ہاں مہدی منتظر کے عقیدہ میں بہت ہی نمایاں ہے۔ جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ جب اس کا خروج ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس کے عبرانی نام سے پکارے گا۔ اور وہ یہودی تابوت کو لے کر شہروں کو فتح کرے گا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی؛ ہاروں علیہ السلام کی قباء، پچیس کلو ''من'' ☆ اور ''سلوی'' کے کچھ ٹکڑے نکالے گا۔ اور اس سے موسیٰ علیہ السلام کے اس پتھر کو بھی برآمد کرے گا جس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے تھے۔ اور وہ آلِ داؤد کے حاکم ہونے کے بارہ میں فیصلہ کرے گا۔

۷۔ عقیدۂ رجعت (دوبارہ آنیکا عقیدہ) میں یہودیوں اور رافضیوں میں کئی پہلوؤں سے بہت بڑا اتفاق او اتحاد اور مشابہت۔ اور یہ کہ رافضیوں میں ''رجعت'' کے عقیدہ کی اصل محض یہودی عقیدہ پر مبنی ہے۔ جو عبداللہ بن سباء کے ذریعہ سے رافضیوں میں منتقل ہوا ہے۔

۸۔ یہودیوں اور رافضیوں میں اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں تحریف کرنے میں مشابہت۔ یہود نے تورات میں تحریف کی؛ اور رافضہ نے قرآن میں تحریف کی۔

۹۔ یہ کہ یہودیوں اور رافضیوں میں اس تحریف کے واقعہ ہونے کا سبب امامت اور بادشاہی ہیں۔ [جو ان کے تصور کے مطابق مخصوص خاندانوں میں ہی جاری رہ سکتے ہیں]۔

۱۰۔ یہ کہ رافضیوں نے قرآن کریم میں تحریف کرنے کے لیے وہی اسلوب اختیار کیا ہے؛ جو اسلوب یہود نے اپنی کتابوں میں تحریف کے لیے اختیار کیا تھا؛ جیسا کہ قرآن نے ان کی حکایات نقل کی ہیں۔ وہ اسلوب یہ ہے:

(الفاظ کو اپنی جگہ پر بدلنا؛ کلمات کے بعد کی جگہ پر تحریف - حق کو باطل کے ساتھ ملانا - زبان مروڑ کر بیان کرنا تاکہ سننے والے سمجھیں کہ یہ بھی قرآن میں سے ہے)۔

۱۱۔ یہودیوں اللہ تعالیٰ کی طرف ندامت اور حزن کو منسوب کرنے کے مابین، اور رافضیوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف بدأ منسوب کرنے کے مابین مشابہت۔ اس لیے کے ان دونوں عقیدوں سے اللہ تعالیٰ کی

شان میں طعن اور اس کی طرف جہالت کی نسبت لازم آتی ہے۔

۱۲۔ یہود اور روافض میں اتفاق ؛ ان کے غیر معتدل ہونے میں : ان کی محبت اور نفرت میں ، اور ولاء اور براء میں۔ اگر وہ محبت کرتے ہیں تو مدح و ثنا میں غلو کرتے ہیں۔ اور اگر کسی سے نفرت کرتے ہیں تو اس کی مذمت اور تنقید میں حد سے گر جاتے ہیں۔ اس بارے میں وہ کسی شرعی دلیل کا سہارا نہیں لیتے بلکہ خواہش نفس کی پیروی کرتے ہے۔

۱۳۔ رافضہ کے ہاں آئمہ کی شان میں غلو اور صحابہ کرام میں طعن کا عقیدہ سب سے پہلے عبد اللہ بن سباء نے ایجاد کیا ہے، جیسا کہ ان کے بڑے علماء اور محققین نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

۱۴۔ یہودیوں اور رافضیوں میں اتفاق کہ ان میں سے ہر ایک گروہ اس بات کا دعویدار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقدس ہے۔ اور ان کی اصل اللہ کی طرف سے ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے خاص مقرب اور چہیتے ہیں۔ اور اس کی مخلوق میں سے چیدہ لوگ ہیں۔

۱۵۔ یہودیوں اور رافضیوں میں اتفاق کہ : ان کا عقیدہ ہے کہ : جنت میں صرف ان کا گروہ ہی داخل ہوگا۔ اور ان کو آگ نہیں چھوئے گی۔ اگر آگ چھوئے گی بھی تو گنتی کے چند دن۔

۱۶۔ یہود اور روافض میں سے ہر ایک کا اس عقیدہ پر اتفاق کہ اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا ہی نہ کرتے۔ اور زمین سے برکت ختم ہوجاتی؛ اور زمین میں جو کچھ ہے وہ ان کی ملکیت ہے ؛ اور ان کے علاوہ کسی اور کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ان میں سے کسی چیز کا مالک بنے۔

۱۷۔ یہودیوں اور رافضیوں کے عقیدہ میں اتفاق کہ وہ ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔

۱۸۔ یہودیوں اور رافضیوں کے عقیدہ میں اتفاق کہ ان کے علاوہ باقی سب کافر ہیں ؛ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، کبھی وہاں سے نہیں نکالے جائیں گے۔

۱۹۔ یہودیوں اور رافضیوں کا اپنے مخالفین کے اموال اور خون مباح جاننے میں اتفاق؛ اور یہ کہ کسی دوسرے کی ان کے ہاں کوئی حرمت نہیں ہے۔

۲۰۔ یہودیوں اور رافضیوں کے عقیدہ میں اتفاق کہ ان کے تمام مخالفین نجس ہیں۔ اور یہ نجاست ان کی پیدائش سے ہی ان پر چپکا دی گئی ہے۔ ان سے کبھی علیحدہ نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے کہ اصل میں ان کی روحیں نجس مٹی سے پیدا کی گئی ہیں۔

۲۱۔ یہودیوں اور رافضیوں کا اپنے مخالفین کو حقیر جاننا؛ اور انہیں کتے، گدھے، خنزیر، اور حیوانات سے موصوف کرنا۔

۲۲۔ یہودیوں اور رافضیوں میں اتفاق کہ ان میں سے ہر ایک فرقہ مسلمانوں کو حقیر سمجھتا ہے۔

۲۳۔ یہودیوں اور رافضیوں میں سے ہر ایک اپنے مخالف کے ساتھ نفاق، دھوکہ بازی؛ اور ان کے ساتھ موافقت اور ان سے محبت کے اظہار کی راہ پر چلتے ہیں، اس کے باوجود کہ وہ [خفیہ طور پر] ان کی مخالفت میں ہوتے ہیں؛ اور ان سے حسد رکھتے ہیں۔

یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک فرقہ پر ذلت اور رسوائی قیامت تک کے لیے مسلط کر دی ہے۔ اور ان کا عقیدہ فاسد ہے۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی نبینا محمد و علی آله و صحبه و بارك و سلم علیه۔

❀❀❀❀

ملحق توثیق مصادر ومراجع رافضہ

جن کتابوں پر اس بحث میں اعتماد کیا گیا ہے، ان کے متعلق رافضی موقف

بہت سے معاصر رافضی جس بات کا انکار کرتے ہیں - جو اہل سنت کے ساتھ تقیہ کی راہ پر چل رہے ہیں - جو اہل سنت اپنی کتابوں میں بطور رد کے ان کی کتابوں میں موجود روایات اور منقولات کو ذکر کرتے ہیں۔ جن روایات نے ان کو رسوا کر کے رکھ دیا ہے۔ اور ان کے مذہب اور عقیدہ میں فساد اور دین سے انحراف کو کھول کر رکھ دیا ہے۔

وہ اس بات کا دعوی کرنے لگے ہیں کہ یہ روایات اور حکایات ان کے ہاں غیر معتمد ہیں۔ اس لیے کہ یہ غیر معتمد کتب میں موجود ہیں۔ یہ کتابیں ان کے علماء کے ہاں ثقہ نہیں، اور نہ ہی ان کے عقیدہ کی ترجمان ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دعوی ان کے نفاق اور تقیہ کے اسالیب میں سے ایک اسلوب ہے۔ اس لیے کہ وہ ان روایات پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان روایات کے صحیح ہونے کا ایمان اور عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور یہی ان کا اصلی دین ہے، جس کو وہ اپنائے ہوئے ہیں۔

اس وجہ سے میں نے مناسب جانا کہ جس چیز سے اس کتاب کا فائدہ مکمل ہوسکتا ہے، اور رافضہ پر حجت ثابت ہوسکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جس قدر ممکن ہو سکے ان کتابوں کی تصدیق وتوثیق رافضی علماء کے نقطۂ نظر سے کر دی جائے؛ جن [کتابوں] پر میں نے اس کتاب کے لکھنے میں اعتماد کیا ہے۔

اس طرح کہ میں نے جتنا میسر ہوسکا، کتاب اور اس کے مؤلف کی توثیق نقل کر دی ہے۔ اور اگر اتنا ممکن نہ ہوسکا تو صرف مؤلف کی توثیق نقل کر دی ہے؛ اور اس کے متعلق ان کے علماء جرح وتعدل کے اقوال اور ان کی زبانی اس مؤلف کی مدح وثنا نقل کر دی ہے؛ اور یہ کہ مؤلف مذکور ان کے ہاں ایسا قابل اعتماد ہے کہ اس کے اقوال لیے جاتے ہیں، اور اس کی رائے قبول کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ مؤلف کی

توثیق ہی اس کی تألیف کی توثیق ہے۔ جیسا کہ یہ بات معروف ہے۔

میں نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ مصادر و مراجع کو ان کے مؤلفین کی تاریخ وفات کے اعتبار سے مرتب پیش کیا جائے۔

درج ذیل میں ان کے مصادر اور مراجع پیش خدمت ہیں:

۱۔ کتاب (سلیم بن قیس الہلالی) یا (السقیفۃ أبجد الشیعۃ)۔ متوفی ۹۰ ھجریۃ۔

اس کتاب کی ان کے بڑے علماء نے توثیق کی ہے۔ کشی نے روایت کیا ہے کہ ابان بن عیاش نے سلیم بن قیس عامری کی کتاب کا نسخہ لیا۔ اور اسے علی بن الحسین علیہما السلام پر پڑھا؛ تو (علی بن حسین نے) کہا:

''سلیم رحمہ اللہ نے سچ کہا، اسی حدیث کو ہم جانتے ہیں۔''❶

محمد بن ابراہیم بن جعفر نعمانی؛ کتاب ''الغیبۃ'' میں کہتا ہے:

''تمام شیعہ میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے أئمہ علیہم السلام سے علم حاصل کیا ہو، اور اسے روایت کیا ہو؛ سوائے اس کے کہ: ''سلیم بن قیس الہلالی کی کتاب ہی اس میں اصل ہے؛ اور وہ علم أصول کی بڑی کتابوں میں سے ہے جنہیں اہل علم اور محدثین نے اہل بیت علیہم السلام سے روایت کیا، اور ان میں سب سے پرانی کتاب ہے۔

اس لیے کہ وہ تمام کتب جو اصل پر مشتمل ہوں، وہ رسول اللہ ﷺ اور امیر المؤمنین علیہ السلام؛ مقداد؛ سلیمان فارسی، ابو ذر؛ اور جو ان کے بابر کے لوگ ہیں، ان سے روایت ہے۔ اور شیعہ کا مرجع یہی کتاب ہے، اور اسی سے حوالہ دیا جاتا ہے۔''❷

مجلسی سلیم بن قیس کی کتاب کی توثیق کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اس کی کتاب ''کتابِ سلیم بن قیس کے نام سے جانی جاتی ہے۔ یہ شیعہ اصول کی اصل ہے۔ عصر تابعین میں اسلام پر لکھے جانے والی پرانی کتاب ہے؛ جو سنن أبی رافع کے بعد لکھی گئی۔ اس کتاب کی وجہ سے مؤلف نے اپنے بعد آنے والوں پر تقدم کا شرف حاصل کیا

❶ رجال الکشي ص ٦٨۔
❷ رجال الکشي ص ٦١۔

ہے۔ یہ کتاب ہر زمانہ میں شیعہ کے لیے اصل رہی ہے، جس کی طرف وہ رجوع کیا کرتے، اوراس پر حوالہ دیا کرتے۔ حتی کہ اس کے بارے میں صادق علیہ السلام سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''ہمارے شیعہ اور محبین میں سے جس کے پاس سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب نہ ہو، اس کے پاس ہماری تعلیمات میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ ہمارے اسباب میں سے کچھ جانتا ہے۔ یہ کتاب أسرار آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہے۔'' ❶

امام صادق سے یہ روایت مقامانی نے تنقیح المقال میں ❷؛ اور علوی الحسینی نے سلیم بن قیس کی کتاب کے مقدمہ ❸ میں نقل کی ہے۔

اور ایسے ہی مجلسی کہتا ہے: سلیم بن قیس کی کتاب شہرت کی بلندیوں کو چھورہی ہے۔ ایک جماعت نے اس میں طعن بھی کیا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ کتاب معتبر اصولوں میں سے ہے۔

ایسے ہی بہت سے شیعہ علماء نے اس کتاب اوراس کے مصنف کی مدح سرائی اور توثیق کی ہے۔ ❹

اردبیلی کہتا ہے: سلیم بن قیس الہلالی، ثم العامری الکوفی؛ امیر المؤمنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہے۔ ''الکشی'' نے روایت کیا ہے کہ اس کی احادیث اس کے شکریہ پر، اور کتاب کی صحت پر گواہ ہیں۔'' ❺

اردبیلی نے ابان بن عیاش سے روایت کیا ہے؛ بے شک اس نے سلیم بن قیس کے متعلق کہا ہے:

''وہ بڑا عبادت گزار شیخ تھا؛ اوراس کا نور اس سے بلند ہو رہا تھا۔'' ❻

مجلسی نے علامہ محلی سے نقل کرتے ہوئے ''بحار'' کے مقدمہ میں؛ سلیم بن قیس کے بارے میں اپنے علماء کے اقوال نقل کرنے کے بعد کہا ہے:

''اس کا سبب میرے نزدیک مشار الیہ (سلیم بن قیس) کی تعدیل ہے۔ اوراس کی کتاب میں موجود فاسد چیزوں سے توقف کرنا ہے۔'' ❼

---

❶ مقدمة بحار الأنوار: ۱۸۹-۱۹۱۔
❷ تنقیح المقال ۲/ ۵٤۔
❸ مقدمة كتاب سليم بن قيس ٤۔
❹ بحار الأنوار: ۱/ ۳۲۔
❺ جامع الرواة: ۱/ ۳۷٤۔
❻ المصدر السابق۔
❼ ص ۱۸۹۔

اور مجلسی صاحب کہتے ہیں: ''علامہ محقق داماد نے ''الرواشح''۔کتاب کا نام۔ میں اسی کی اتباع کی ہے۔ اور اس پر ثقہ اور عادل ہونے کا حکم لگایا ہے۔ اور مصنف نے اسے اپنی کتاب ''الغیبة'' میں عظیم ثقات، اور چوٹی کے علماء میں شمار کیا ہے۔ اگرچہ بعض نے اس کی کتاب کی وجہ سے اس میں توقف بھی کیا ہے۔ ❶

۲۔ الإیضاح : الشیخ ابو محمد ابو الفضل بن شاذان الأزدي النیسابوري متوفی ۲۶۰ هجرية۔

طوسی نے [مصنف کا تعارف کراتے ہوئے] کہا ہے:

''فضل بن شاذان نیشاپوری جلیل القدر متکلم ہے۔ اس کی کئی کتابیں اور تصنیفات ہیں۔ ان میں سے ''کتاب الفرائض الکبیر؛ کتاب الفرائض الصغیر ؛ کتاب الطلاق ؛ اور ''کتاب المسائل الأربعة في الإمامة'' ہیں۔'' ❷

اور اردبیلی کہتا ہے: ''فضل بن شاذان نیشاپوری؛ اس کی کنیت ابو محمد تھی۔ جلیل القدر فقیہ اور متکلم ہے۔ اس گروہ میں اس کی بڑی شان ہے۔ کہا گیا ہے کہ: ''اس کی دوسو اسی سے زیادہ کتابیں ہیں۔ اس کے لیے ابو محمد علیہ السلام نے دو بار رحم کی دعا کی ہے۔'' ❸

۳۔ کتاب المحاسن : تألیف الشیخ الثقة الجلیل الأقدم أبي جعفر أحمد بن محمد بن خالد البرقي متوفی ۲۷٤ هجرية وقیل :متوفی ۲۸۰ هجرية۔

طوسی نے [مصنف کا تعارف کراتے ہوئے] کہا ہے:

''احمد بن محمد بن خالد بن عبد الرحمٰن بن محمد علی البرقی أبو جعفر کوفی الاصل ہیں......خود ثقہ تھا؛ مگر بہت سے ضعفاء سے روایت کیا ہے۔ اور مرسل روایات پر اعتماد کیا ہے۔ اس نے بہت ساری کتابیں تصنیف کی ہیں، ان میں سے ایک محاسن اسلام بھی ہے۔ اور اس کتاب میں زیادہ بھی کیا گیا ہے اور کم بھی کیا گیا ہے۔'' ❹

حلی نے اس کے بارے میں کہا ہے:

---

❶ مقدمة البحار : ص۱۸۹۔ ❷ الفهرست : ص: ١٥٤۔
❸ جامع الرواة: ۲/ ٥۔ ❹ الفهرست : ص:٤٨۔

''ابن فضائری کہتا ہے: ''اس میں اہل قم نے طعن کیا ہے؛ -مگر- اس میں کوئی طعن نہیں ہے۔ طعن ان میں ہے، جو وہ روایت کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اہلِ اخبار کے طریقہ پر کسی سے بھی روایت لینے میں ہچکچاہٹ نہیں محسوس کرتا تھا۔'' ❶

مجلسی نے کہا ہے:

''ابو جعفر أحمد بن محمد بن خالد؛ اس نے بہت کچھ لکھا؛ ان میں سے ایک کتاب ''المحاسن'' ہے۔ یہ سو سے زائد کتابوں پر مشتمل ہے۔ یہ معتبر اصولوں میں سے ہے۔'' ❷

مامقانی؛ برقی کی شان میں علماء سابقین کے اقوال نقل کرنے کے بعد کہتا ہے:

''اور اگر آپ کہیں گے کہ وہ مراسیل اور اس جیسی روایات پر اعتماد کرتا ہے، تو اس پر کوئی اعتماد نہیں کیا جائے گا؛ تو ہر حدیث جس کی وہ روایت کرے، یا اس پر اعتماد کرے، جائز ہے کہ وہ ضعیف ہو یا مرسل ہو، اور اس پر سے اعتماد ساقط ہو جاتا ہے۔ شاید اسی طرف ابن فضائری نے اشارہ کیا ہے کہ: ''طعن تو اس کی روایات میں ہے۔''

میں کہتا ہوں: محدثین کی یہ عادت رہی ہے، خصوصاً پرانے محدثین؛ کہ وہ سند کو ذکر کرتے ہیں، خواہ مرسل ہو یا عن عنہ سے متصل ہو۔ اور اپنے محلِ بحث کے اعتبار سے -حدیث- ان دو قسموں سے باہر نہیں ہوسکتی۔ سو اس سند میں دیکھا جائے گا: ''جیسا ناظر کے سامنے آئے گا اس کے مقتضی کے مطابق عمل کرے گا۔ اس حدیث پر اعتماد کرنے کے لیے مصنف کے ضعیف یا مرسل پر اعتماد کرنے کا کوئی دخل نہیں۔ اور اس کا تقاضا یہ بھی نہیں ہے کہ اعتماد سرے سے ہی ساقط ہو جائے۔ اس پر اعتماد ہونے اور نہ ہونے میں فرق یہ ہے کہ: حدثني فلان؛ وعدمه'' -[مجھ سے فلاں نے حدیث بیان کی، اور اس کے نہ ہونے]- کا قبول کیا جانا ہے۔

اسی لیے اکثر محدثین نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ اگرچہ وہ سارے کے سارے اعتماد کرنے والے نہیں، وجہ یہی ہے جو ذکر کی جا چکی ہے۔ بلکہ یہ بات بہت سارے محدثین کے حق میں کہی گئی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ان کی روایت پر اعتماد کیا گیا ہے۔'' ❸

---

❶ رجال العلامة الحلي ص ١٤؛ جامع الرواة للأردبيلي ١/٦٣۔

❷ مقدمة بحار الأنوار ص ١٢٤۔ ❸ تنقيح المقال: ١/٨٣۔

٤۔ (الغارات) أو الاستنفار والغارات: لأبي اسحق ابراهيم بن محمد بن سعيد بن هلال المعروف بابن هلال الثقفي المتوفى ٢٨٣ هجرية۔

طوسی [مصنف کا تعارف کراتے ہوئے] کہتا ہے:

"ابراهيم بن محمد بن سعيد بن هلال بن عاصم بن سعد بن مسعود الثقفي رضی اللہ عنہ، کوفی الاصل ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے انہیں مدائین کا گورنر بنایا تھا۔ پہلے زیدیہ تھے، پھر امامت کا قول اختیار کیا۔ ان کی بہت ساری تصنیفات ہیں، ان میں سے:

"كتاب المغازی؛ اور كتاب التصفية؛ اور كتاب الردة؛ اور كتاب مقتل عثمان" ہیں۔"❶

مقامانی نے اس کو توثیق کی ہے اور کہا ہے:

''اور ان کی کتب کی کثرت اس کو تقویت دیتی ہے۔ اور شیخ رضی اللہ عنہ کا فہرست کے شروع میں ''رضی اللہ عنہ'' کہنا؛ اور آخر میں رحمۃ اللہ علیہ کہنا؛ - بھی اس کو تقویت دیتا ہے۔ فاضل مجلسی نے ''الوجیزہ'' میں کہا ہے کہ: ''ان کی خوبیاں بہت زیادہ ہیں۔ اور ابن طاؤس نے اس کی توثیق کی ہے۔ اور حق بات یہ ہے کہ اس آدمی کے متعلق تمام خبریں صحیح ہیں۔'' واللہ اعلم ❷

٥۔ بصائر الدرجات الكبرى في فضائل آل محمد علیہ السلام۔ تأليف: الثقة الجليل؛ والمحدث النبيل: أبي جعفر محمد بن الحسن بن فروخ (الصفّار) المتوفى ٢٩٠ هجرية؛ من أصحاب الإمام الحسن العسكري۔

طوسی [مصنف کا تعارف کراتے ہوئے] کہتا ہے:

''محمد بن حسن الصفار القمی کی کتابیں ''حسین بن سعید'' کی کتابوں جیسی ہیں۔ اور کتاب بصائر الدرجات وغیرہ زیادہ ہیں۔''❸

مجلسی نے نجاسی سے صفار کے حالات زندگی نقل کیے ہیں، وہ کہتا ہے:

''قمیوں میں توجہ کا مرکز تھا۔ ثقہ اور عظیم القدر؛ راجح؛ اور روایت میں قلیل السقط تھا۔''❹

---

❶ وتنقيح المقال: ١/٣١۔ ❷ الفهرست: ص: ٣٢۔رجال العلامة الحلي ص ٥۔جامع الرواة ١/٣١۔
❸ الفهرست: ص: ١٧٤۔جامع الرواة ٢/٩٣۔ ❹ مقدمة بحار الأنوار ص ٨٩۔

علامہ کوچہ باغی کتاب ''بصائر الدرجات'' کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

''جان لیجیے یہ ان کتابوں میں سے جس پر چوٹی کے علماء نے اعتماد کیا ہے، جیسے: صاحب الوسائل، اور مجلسی نے بحار الأنوار میں، اور اس کے لیے (یر) کی علامت اختیار کی ہے۔ جس کی صراحت مقدمات بحار کی پہلی فصل میں: ''مدارک البحار'' میں کی ہے کہ:

''عظیم الشان شیخ اور ثقہ محمد بن حسن الصفار کی کتاب بصائر الدرجات......''

عالم جلیل سید محمد باقر جیلانی أصفہانی؛ الملقب حجة الإسلام اپنی کتاب "العدة" میں فاضل استر آبادی کے کلام کی شرح کرتے ہوئے کہتا ہے:

''الصفار بڑے محدثین اور علماء میں سے ہے۔ اور اس کی کتابیں معروف ومشہور ہیں جیسے کہ کتاب ''بصائر الدرجات'' اور باقی کتب۔''❶

اس کے بعد کہتا ہے: ''اس سب کا حاصل کلام یہ ہے کہ: یہ کتاب ہمارے ہاں معتبر اور معتمد اصولوں میں سے ہے۔''❷

٦۔ المقالات و الفرق :تألیف سعد بن عبد الله القمي الأشعري۔ المتوفی ٣٠١ هجرية۔

طوسی [مصنف کا تعارف کراتے ہوئے] کہتا ہے:

''سعد بن عبد اللہ القمی؛ کنیت ابو القاسم؛ جلیل القدر اور وسیع خبر؛ کثرت تصنیف رکھنے والا ثقہ عالم ہے۔ اس کی کتابوں میں سے ایک: "کتاب الرحمت" اور کتاب "مقالات الإمامية" بھی ہے۔''❸

علامہ حلی کہتے ہیں:

سعد بن عبد اللہ بن ابی خلف الأشعری القمی؛ کنیت ابو القاسم؛ جلیل القدر اور وسیع الأخبار؛ کثرت تصنیف رکھنے والا ثقہ عالم اور اس طائفہ کا شیخ؛ فقیہ اور مرجع ہے۔ مولانا ابو محمد العسکری علیہ السلام سے ملاقات بھی ہے۔❹

---

❶ مقدمة بصائر الدرجات بقلم العلامة كوجه باغي ص: ٦۔
❷ المرجع السابق۔
❸ الفهرست: ص: ١٠٥۔
❹ رجال العلامة الحلي ص ٧٨۔

طوسی صاحب کہتے ہیں:

''ابو القاسم سعد بن عبد اللہ بن ابی خلف الأ شعری القمی اجلہ مشائخ اور ثقات میں سے ہیں۔ ...... اور کہا ہے: ''اس کی بہت ساری کتابیں ہیں جنہیں نجاشی اور شیخ نے اپنی اپنی فہرست میں ذکر کیا ہے۔ان میں سے:" كتاب الرحمة " اوربصائر الدرجات ؛ چار اجزاء میں؛ اور المقالات والفرق "بھی ہے۔''❶

۷۔ تفسير فرات الكوفي: تأليف فرات بن ابراهيم بن فرات الكوفي المتوفى ۳۰۷ هجرية۔

مجلسی نے اس کتاب کی توثیق کرتے ہوئے کہا ہے:

''تفسیر فرات'' اگرچہ ہمارے اصحاب نے اس کے مؤلف کے بارے میں مدح یا قدح سے تعرض نہیں کیا،لیکن اس کے واقعات اور تاریخوں کا ہم تم پہنچنے والی معتبر احادیث کے موافق ہونا؛ اور اس کو نقل کرنے میں حسن ترتیب کی وجہ سے اس کے مؤلف کو ثقہ اور حسنِ ظن حاصل ہوتا ہے۔''❷

مامقانی نے کہا ہے:

''فرات بن ابراہیم بن فرات الکوفی ؛ شیخ ابو الحسن علی بن بابویہ کے مشائخ میں سے ہے۔ صدوق رضی اللہ عنہ نے اپنی کتابوں میں اکثر روایات حسن بن محمد بن سعید الہاشمی کی سند سے نقل کی ہیں ؛ اور وہ غالباً حسین بن سعید سے نقل کرتا ہے، اور وہ مجاہد بن أحمد بن علی الہمدانی سے نقل کرتا ہے۔اور اس کی ایک تفسیر اخبار کی زبان میں ہے۔جس کا غالب حصہ أئمہ اطہار کی شان میں ہے۔یہ تفسیر عیاشی اور علی بن ابراہیم قمی کی ہم پلہ شمار ہوتی ہے۔''❸

محمد فروی اوردبادی نے تفسیر فرات پر اپنے مقدمہ میں کہا ہے:

''ہمارے علماء کرام ہمیشہ اس تفسیر کی طرف رجوع کرتے رہے ؛ اس کتاب کے تصنیف کے وقت سے لے کر ہمارے آج کے زمانہ تک۔جیسا کہ ان متقدمین کی ورایات سے ظاہر ہے

---

❶ مقدمة بحار الأنوار ص۱۸۶-۱۸۷۔

❷ بحار الأنوار : ۳۷/۱۔ ❸ تنقيح المقال : ۳/۲۔

جنھوں نے مؤلف کے حالات زندگی تحریر کیے ہیں، اور اسے ثقہ کہا ہے۔'' ❶

۸۔ تفسير القمي: تأليف لأبي الحسن على بن إبراهيم المتوفى ٣٠٧ هجرية۔

مجلسی نے [مصنف کا تعارف کراتے ہوئے] کہا ہے:

''علی بن ابراہیم بن ہاشم؛ ابوالحسن القمی؛ امامیہ کے اجلہ راویوں میں سے ہیں۔ اور ان کے بڑے مشائخ میں سے ہیں، ان کے حالات زندگی لکھنے والوں نے ان کی جلالت اور ثقاہت پر اتفاق کیا ہے۔

نجاشی نے الفہرست میں [مصنف کے بارے میں] کہا ہے:

''حدیث میں ثقہ، ثبت، معتمد؛ صحیح المذہب؛ انہوں بہت زیادہ-احادیث کی سماعت کی ہے، اور کئی کتابیں لکھیں۔ درمیانی عمر میں ہی نابینا ہوگئے؛ ...... اور مجلسی نے ان کی کتابوں میں کتاب التفسیر کو بھی شمار کیا ہے۔'' ❷

آغا بزرگ طہرانی [مصنف کا تعارف کراتے ہوئے] کہتا ہے:

''علی بن ابراہیم بن ہاشم القمی ابوالحسن، صاحب التفسیر؛ کلینی کے بڑے مشائخ میں سے ہیں؛ ...... اور اس سے کلینی کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی روایت کیا ہے۔'' ❸

شیخ طیب موسوی الجزائری نے تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تفسیر جو ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے؛ یہ ہم تک پہنچے والی پرانی تفسیروں میں سے ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا متن اس فن میں اتنا ظاہر اور صاف نہ ہوتا۔ اور نہ ہی علم کے ماہرین اس کی طرف رجوع کر کے سکون حاصل کرتے۔ اور کتنی ہی قیم تفاسیر جنہیں احادیث سے چنا گیا ہے، آپ انہیں اسی تفسیر کے نور سے منور پائیں گے۔ جیسے کہ صافی اور مجمع البیان، اور برہان ......۔ یہاں تک کہ انہوں نے کہا ہے: ''جملہ طور پر یہ تفسیر-تفسیر- ربانی ہے؛ اور ایک شعاعیں بکھیرتی ہوئی روشنی ہے، اور اپنے معانی میں بڑی گہری-تفسیر- ہے؛ الفاظ بڑے قوی ہیں، اپنے ڈھنگ میں بڑی ہی عجیب ہے، اور بہت ہی

---

❶ مقدمة تفسير فرات بن ابراهيم الكوفي بقلم محمد الفروي الأوردبادي ص ٢۔

❷ مقدمة البحار؛ ص: ١٢٨۔ ❸ طبقات أعلام الشيعة (القرن الرابع) ص: ١٦٧۔

گہرائی والی ہے، ایسی تفسیر کوئی عالم ہی لکھ سکتا ہے، اور اس کے معانی کو کوئی عالم ہی سمجھ سکتا ہے۔''❶

۹۔ فرق الشيعة :تأليف للشيخ المتكلم الشيخ ابن موسىٰ النوبختي المتوفى ٣١٠ هجرية۔

طوسی نے -مصنف کی توثیق کرتے ہوئے- کہا ہے:

''حسن بن موسیٰ نوبختی ؛ سہل بن نو بخت کا بھانجا ہے، اس کی کنیت ابو محمد ہے۔ متکلم اور فلسفی ؛ اس کے پاس فلسفہ پڑھنے والوں کی ایک جماعت اکٹھی ہوا کرتی تھی ؛ جیسے ابو عثمان دمشقی ؛ اسحاق، ثابت اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ۔

اور -موصوف- امامیہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، اچھے اعتقاد والا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے بہت کچھ لکھا۔ ان کی علم الکلام ؛ فلسفہ کے رد پر اور اس کے علاوہ بھی کتابیں ہیں۔''❷

مامقانی نے نجاشی سے نقل کیا ہے:

''حسن بن موسیٰ ابو محمد نوبختی ہمارے شیخ، متکلم، اپنے زمانہ میں ہم مثلوں پر نمایاں، تیسری صدی میں اور اس سے کے بعد ؛ اس نے اوائل پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب:" الآراء و الديانات "بھی ہے۔''❸

پھر مامقانی کہتا ہے:

''اسے " الـوجيـزه" اور "بـلـغة" میں اسے ثقہ کہا گیا ہے۔ اور ''الحاوی'' میں اسے قسم الثقات'' میں شمار کیا گیا ہے، اس طرح اس کا ثقہ ہونا مسلمہ ہے۔''❹

آغا بزرگ طہرانی کتاب کی توثیق کرتے ہوئے کہتا ہے:

"فـرق الشيـعة" شیخ متکلم المتقدم، ابو محمد الحسن بن موسیٰ نوبختی ؛ مصنف " الآراء و الديانات " کی کتاب ہے۔ اس کتاب کو " مذاهب الفرق "بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بہت لطیف، جامع، مہذب، اور قابل اعتماد، اور مرجع کتاب ہے۔''❹

---

❶ الفهرست: ص: ٧٥۔جامع الرواة ٢٢٨/١۔أمل لآمل ٧٨/٢-٧٩۔

❷ تنقيح المقال: ٣١٢/١۔ ❸ المصدر السابق۔ ❹ الذريعة ١٧٩/١٦۔

۱۰۔ الكافي: تأليف أبي جعفر محمد بن يعقوب بن اسحاق الكليني المتوفى ٣٢٨ هجرية۔

طوسی نے کہا ہے: محمد بن یعقوب الکلینی کی کنیت ابوجعفر ہے؛ ثقہ اور اخبار کے عارف تھے؛ ان کی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے ایک کتاب ''الکافی'' ہے، جو تیس کتابوں پر مشتمل ہے۔ ❶

اردبیلی کہتا ہے:

''محمد بن یعقوب بن اسحاق ابوجعفر الکلینی ؛ اس کا ماموں علان کلینی الرازی ہے۔ یہ بلاد'' رے'' میں اپنے وقت میں ہمارے ساتھیوں کے شیخ؛ اور ان کی توجہ کا مرکز تھے۔ اور لوگوں میں سب سے ثابت اور ثقہ تھے۔ اس نے بیس سال کے عرصہ میں کتاب'' الکافی'' لکھی ہے۔'' ❷

آغا بزرگ طہرانی الکافی کی توثیق کرتے ہوئے کہتا ہے:

''حدیث میں " الكافي "کتب اربعہ میں سے جلیل القدر؛ اصول کی معتمد کتاب ہے۔'' آل رسول سے منقول میں ثقہ اسلام محمد بن یعقوب بن اسحاق الکلینی - علان کلینی کا بھانجا - ان کی کتاب جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ؛ یہ چونتیس کتب ؛ دوسو چھبیس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کی احادیث کی تعداد سولہ ہزار ہے۔ جن میں سے ۵۰۷۲ صحیح ؛ ۱۴۴ حسن ؛ ۱۷۸ موثق ؛ ۳۰۲ قوی ؛ ۹۴۸۵ ضعیف حدیث ہیں۔'' ❸

محمد باقر الموسوي "كتاب الاحتجاج "للطبرسی پر اپنی تعلیقات میں لکھتا ہے:

''محقق شیخ عباس قمی نے "الكنى والألقاب ج٣/ ص ٩٨ " پر کہا ہے: ''ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق الکلینی الرازی، الملقب ''ثقة الإسلام '' نے " الكافي "لکھی ہے۔ جو اسلام کے نمایاں کتب میں سے ہے؛ اور امامیہ کی عظیم کتاب ہے۔ امامیہ کے لیے اس جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ مولی محمد امین استر آبادی نے اس کے فوائد بیان کرتے ہوئے کہا ہے: ''ہم نے اپنے مشائخ اور علماء سے سنا ہے کہ: '' اسلام میں کوئی کتاب اس

❶ الفهرست: ص: ١٦٥۔ ❷ جامع الرواة ٢/ ٢١٨۔أنظر : رجال العلامة الحلي: ص: ١٤٥
❸ الذريعة ١٧/ ٢٤٥۔

جیسی نہیں لکھی گئی جو اس کے متوازن ہو، یا اس کے قریب ہو۔'' ❶

۱۱۔ تفسير العياشي تأليف: المحدث الجليل أبي النصر محمد بن مسعود بن عياش السلمي السمرقندي المعروف بالعياشي۔

طوسی نے کہا ہے:

''محمد بن مسعود بن محمد بن عیاش سمرقندی ابونضر کنیت؛ اہل مشرق میں کثرت علم وفضل اور ادب، فہم والا اپنے زمانہ میں نبیل-نمایاں شخصیت-؛ جس نے دوسو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔'' ❷

مجلسی نے کہا ہے:

''محمد بن مسعود بن محمد بن عیاش؛ سلمی سمرقندی؛ ابونضر کنیت؛ المعروف بالعیاشی؛ اس گروہ کے سرداروں میں؛ رؤوساء اور بڑوں میں سے ہے۔ جلیل القدر، عظیم الشان وسیع روایت والا؛ حدیث اور رجال کا نقاد؛ اس کا ذکر ہمارے لوگوں نے اپنی کتب'' حالاتِ زندگی'' میں اس کا ذکر کیا ہے، اور اس کی شان میں تعریف اور بڑا بنانے میں مبالغہ کیا ہے۔'' ❸

محمد حسین طباطبائی نے تفسیر عیاشی پر اپنے مقدمہ میں کہا ہے:

'' بے شک علم تفسیر میں ہمیں جو بہترین چیز وراثت میں ملی ہے، تفسیر کی وہ کتاب ہے جو ہمارے شیخ عیاشی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جسے آج اپنے قارئین کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ مجھے میری عمر کی قسم! قدیم وقت میں اپنے موضوع پر لکھی گئی سب سے بہترین کتاب ہے۔ اور کتب تفسیر میں جو ورثہ ہمیں ہمارے پرانے مشائخ سے ملا ہے، ان میں سب سے ثقہ کتاب ہے۔ اس کتاب کو وقت تالیف سے لے کر آج تک علماء کے درمیان مقبولیت حاصل رہی ہے۔ جس پر تقریباً گیارہ صدیاں گزر چکی ہیں کہ اسے بغیر کسی قدح اور بغیر کسی گہرائی میں جانے کے قبول کیا جاتا رہا ہے۔'' ❹

---

❶ حاشية الاحتجاج للطبرسى ص ٤٦٩۔ ❷ رجال الطوسي ص ٤٩٧۔

❸ مقدمه بحار الأنوار ص ١٣٠؛ رجال العلامة الحلى ص ١٤٥۔

❹ مقدمه تفسير العياشى بقلم محمد حسين الطبا طبائى ١/٤۔

۱۲۔ دلائل الإمامة : تأليف أبي جعفر محمد بن جرير بن رستم الطبري۔

طوسی نے کہا ہے:

"محمد بن جرير بن رستم الطبري الكبير ؛ كنيت أبو جعفر" فاضل دیندار ہے۔ یہ مؤرخ طبری نہیں ہے؛ وہ عامی مذہب کا آدمی ہے۔ اور اِس کی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے ایک کتاب "المسترشد" ہے۔ ❶

اردبیلی نے کہا ہے: "محمد بن جرير بن رستم الطبري الآملي أبوجعفر ہمارے اصحاب میں سے کثرت علم والا، حسن الکلام، حدیث میں ثقہ ہے۔ اس کی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے: "كتاب الإمامة" بھی ہے۔ ❷

اور محسن امین نے کہا ہے:

"محمد بن جرير بن رستم الطبري الآملي أبو جعفر چوتھی صدی کے بڑے امامیہ علماء میں سے ہے۔ اور جلیل القدر ثقہ لوگوں میں سے ہے۔ محمد بن جریر عاملی کی کئی کتب ہیں، ان میں سے:

۱۔ الإيضاح ۲۔ المسترشد في الإمامة۔

۳۔ دلائل الإمامة الواضحة ❸

اور مجلسی نے کہا ہے:

"کتاب دلائل الإمامة مشہور اور معتبر کتابوں میں سے ہے، جس سے بہت سارے متأخرین نے لیا ہے۔" ❹

۱۳۔ معرفة أخبار الرجال (المعروف برجال الكشي): تأليف محمد بن عمر بن عبد العزيز الكشي المتوفى ۳٤٠ هجرية۔

طوسی نے کہا ہے:

---

❶ الفهرست : ص ۱۹۱۔

❷ جامع الرواة ۲/ ۸۲-۸۳۔ رجال العلامة الحلي ص ۱٦۱۔

❸ أعيان الشيعة ۹/ ۱۹۹۔ ❹ بحار الأنوار ۱/ ۳۹۔

" محمد بن عمر بن عبد العزيز الكشي ،کنیت ابو عمر، ثقہ ہے۔ اخبار اور رجال کا بڑا ماہر ہے؛ اور اس پر حسن اعتقاد ہے؛ اس کی ایک کتاب ''رجال'' پر ہے۔'' ❶

مجلسی نے مصنف کے بارے میں کہا ہے:

''متقدم اور جلیل شیخ، علم الرجال کا بڑا ماہر، ابو عمرو محمد بن عمر بن عبد العزيز الكشي، ثقہ، ثبت، عالم، اخبار اور رجال کا ماہر بصیر ہے۔ نجاشی نے کہا ہے: ''وہ ثقہ تھا۔ ضعفاء سے بہت زیادہ روایت کیا ہے۔ اس نے عیاشی کی صحبت کی، اور اس سے علم حاصل کیا، اور اسے کی درس گاہ سے فراغت پائی۔ - یہ درس گاہ - اہل علم اور شیعہ کی چراگاہ تھی۔'' ❷

اور اس کی کتاب کے بارے میں کہا ہے: ''علم الرجال پر اس کی ایک کتاب ہے، جس کا نام ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب المعالم میں (بمعرفة الناقلين عن الأئمة الصادقين) ذکر کیا ہے،،۔ یہ کتاب علم الرجال پر لکھی گئی چار اصل کتب میں سے ایک ہے۔'' ❸

۱۴۔ إثبات الوصية للأمام علي بن أبي طالب عليه السلام : تأليف أبي الحسن على بن الحسين بن على المسعودي الهذلي -صاحب كتاب مروج الذهب المتوفى ٣٤٦ هجرية۔

اردبیلی نے کہا ہے:

"على بن الحسين بن على بن الحسين المسعودي الهذلي؛ أبو الحسن" اس کی کتابیں امامت پر اور دوسرے موضوعات میں ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب:" إثبات الوصية للأمام علي بن أبي طالب عليه السلام ' ہے؛ یہی شخص کتاب "مروج الذهب" کا مصنف ہے۔'' ❹

مامقانی نے -مصنف کے بارے میں- علماء کے اقوال نقل کرنے کے بعد کہا ہے:

---

❶ الفهرست ص : ۱۷۱-۱۷۲؛ وجامع الرواة الأردبيلی : ۲/ ١٦٤۔

❷ مقدمه بحار الأنوار ص ۲۰۵۔

❸ مقدمه بحار الأنوار ص ۲۰۵۔

❹ جامع الرواة ۲/ ۲۸۲-۲۸۳۔

''اس میدان میں کلام کا خلاصہ، اور اس آدمی کے بارے میں یہ اقوال ہیں:
''بے شک یہ امامی-شیعہ- اور ثقہ ہے، یہی حقیقی حق بات ہے؛ آثار کی اتباع سے سامنے آئی ہے۔ اس کی وجہ سے اس سے دو نسبتیں بنتی ہیں:
پہلی یہ کہ: اس کا امامی ہونا۔ یہی نجاشی اور فہرست سے ظاہر ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں نے بغیر کسی اشارہ کے-واضح طور پر-ذکر کیا ہے، اور مقدمہ میں ہم نے اس کا ظاہر طور پر امامی ہونا بیان کر دیا ہے۔ بلکہ نجاشی کا کہنا کہ: اس کی ''امامت'' پر کئی کتابیں، اس پر نص ہے-کہ یہ آدمی امامی شیعہ ہے-۔
دوسری بات یہ کہ: یہ قابل تعریف امامی ہے، یہی حکم میں نے الوجیزۃ اور البلغۃ میں سنا ہے۔''[1]

١٥۔ من لا يحضره الفقيه۔

١٦۔ الخصال۔

١٧۔ ثواب الأعمال و عقاب الأعمال۔

١٨۔ أمالي الصدوق۔

١٩۔ علل الشرائع۔

٢٠۔ إكمال الدين وتمام النعمة۔

٢١۔ عيون أخبار الرضا۔

٢٢۔ معانی الأخبار۔

٢٣۔ صفات الشيعة و فضائل الشيعة :تأليف أبي جعفر محمد بن على بن الحسين بن موسىٰ بن بابويه القمي المعروف بالصدوق المتوفى ٣٨١ هجرية۔

طوسی نے-مصنف کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے-کہا ہے:
"محمد بن على بن الحسين بن موسىٰ بن بابويه القمي؛جليل القدر

[1] تنقيح المقال : ٢/ ٢٨٢-٢٨٣۔

کنیت ابو جعفر "بڑا انسان تھا۔ احادیث کا حافظ اور علم رجال پر بڑی نگاہ رکھنے والا، اخبار کا نقاد تھا۔ اہل قم میں اس جیسا ذہین اور بڑا عالم نہیں دیکھا گیا۔ اس کی تقریباً تین سو کتابیں ہیں......''ان میں سے چند کا تذکرہ بھی کیا ہے، ان میں سے:

" کتـاب دعـائم الإسلام ، ، اور كتاب المقنع" اور كتاب المرشد" اور "كتـاب الفضائل " اور " كتـاب علل الشرائع " اور "كتـاب من لا يحضره الفقيه"؛ اور" كتاب عقاب الأعمال " اور " كتاب معاني الأخبار " ہیں۔

مجلسی نے کہا ہے:

"مـحـمـد بـن عـلـي بن الحسين بن موسىٰ بن بـابويه القمي أو جعفر الصدوق " اس کا معاملہ علم وفہم، ثقافت اور فقاہت، جلالت اور ثقاہت، کثرت تصنیف اور عمدگی ءتالیف میں اس سے بلند و بالا ہے کہ قلم اس کا احاطہ کریں، اور بیان اس کو اپنے اندر سمو سکے۔ اس سے جتنے بھی متأخرین ہیں، انہوں اس کی مدح سرائی اور تعریف میں مبالغہ کیا ہے۔ ان میں سب سے آگے علم رجال کا بڑا ماہر، نجاشی ہے، وہ اپنی کتاب ''الفہرست'' میں کہتا ہے:"مـحـمـد بـن علي بن الحسين بن موسىٰ بن بابويه ابو جعفر نـــزيـل رے؛" ہمارے شیخ اور فقیہ، اور اہل خراسان کی نگاہوں کا مرکز۔۳۳۵ ہجری میں بغداد وارد ہوئے؛ اور شیوخ طائفہ سے سماعت کیا؛ اس وقت وہ چھوٹی عمر کے تھے۔'' [1]

مجلسی نے ان کتابوں کی توثیق کرتے ہوئے؛ جن پر اس نے اپنے موسوعہ بحار الأنوار کی تالیف میں اعتماد کیا ہے، کہا ہے:

''اور ان میں صدوق کی کتابیں بھی ہیں۔ اور جان لیں کہ: ہم نے نقل میں جن کتب پر اعتماد کیا ہے، ان میں سے اکثر اپنے مؤلف کی طرف منسوب ہونے میں مشہور ہیں، جیسے صدوق رحمہ اللہ کی کتابیں۔'' بے شک یہ سب برابر ہیں:"الهداية ،اور " صفات الشيعة ،اور فـضائل الشيعة ،اور مصادقة الأخوان ، اور فـضائل أشهر " یہ-کتب-بھی اپنے مشہور ہونے میں ان کتب اربعہ سے کم نہیں ہیں جن پر ان زمانوں میں دارو مدار ہے۔

[1] مقدمه بحار الأنوار ص ٦٨۔

اور یہ ہماری ''اجازت'' میں شامل ہیں۔ اور جتنے بھی بہترین فاضل لوگ صدوق سے متأخر ہیں، انہوں نے اس کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔''❶

۲٤۔ كتاب الغيبة :تأليف محمد بن ابراهيم بن جعفر النعماني۔

علامہ حلی نے کہا ہے:

"محمد بن ابراهيم بن جعفر أبو عبد الله الكاتب النعماني؛ المعروف ابن زينب ''ہمارے اصحاب میں سے بڑے شیخ ہیں۔ بڑی قدر و منزلت والے، صحیح العقیدہ؛ کثرت سے احادیث والے تھے۔ بغداد وارد ہوئے، اور وہاں سے شام چلے گئے، اور وہیں پر وفات ہوئی۔''❷

حر عاملی نے حلی کا یہ سابقہ کلام نقل کرنے کے بعد کہا ہے:

'' نجاشی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، اور اس کی کئی کتابیں زیادہ ذکر کی ہیں؛ ان میں سے: "كتاب الغيبة ؛ كتاب الفرائض ؛ كتاب الرد على الإسماعيلية ؛ بھی ہے۔ میں نے دیکھا کہ ابوالحسن محمد بن علی الشجاعی کاتب ان کو کتاب الغیبۃ پڑھ کر سنا رہا تھا؛ جو کہ محمد بن ابراہیم النعمانی کی ''مشهد العنيقة ''پر تصنیف ہے۔''❸

۲۵۔ تحف العقول عن آل رسول :تأليف الشيخ الثقة الجليل الأقدم أبي محمد الحسن بن على بن الحسين بن شعبة الحراني۔

حر عاملی نے-مصنف کی مدح سرائی میں-کہا ہے:

"شيخ أبو محمد الحسن بن علي بن الحسين بن شعبة، فاضل اور محدث جلیل ہے۔ اس کی کتاب ''تحف العقول ،عن آلِ رسول'' ہے۔ بہت فوائد والی اور مشہور کتاب ہے۔''❹

مجلسی نے کہا ہے:

---

❶ بحار الأنوار ١/٢٦۔ ❷ رجال العلامة الحلی ص ١٦٢۔

❸ أمل الآمل ٢/ ٢٣٢؛ وطبقات أعلام الشيعة (القرن الرابع)؛ ص ٢٣۔

❹ أمل الآمل ٢/ ٧٤۔

''کتاب تحف العقول ''میں سے ہمیں صرف ''کتاب عتیق'' ہی ملی ہے۔اس کی تنظیم وترتیب مؤلف کی اعلی شان پر دلالت کرتی ہے۔اور اس کا اکثر حصہ مواعظ پر اور ان اصولوں پر مشتمل ہے، جن کی سند میں ہمیں ضرورت ہوتی ہے۔''❶

محمد حسین الأعلمی نے کتاب "تحف العقول " پر اپنے مقدمہ میں اس کتاب کی توثیق میں علماء کے ایک مجموعہ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ان میں سے ایک حسن الصدر بھی ہے۔اس نے کہا ہے:

''شیخ ابو محمد حسن بن علی بن حسین بن شعبہ حرانی؛ ہمارا پرانا شیخ اور ہمارا امام اعظم ہے۔اس کی ایک کتاب ہے:" تحف العقول فيما جاء في الحكم و المواعظ عن آل رسول علیہ السلام" جلیل القدر کتاب ہے،اس جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔''❷

٢٦۔ أمالي المفيد۔

٢٧۔ الإرشاد۔

٢٨۔ أوائل المقالات۔

٢٩۔ الاختصاص۔

٣٠۔ تصحيح الاعتقاد بصواب الانتقاد أو شرح عقائد الصدوق:تأليف أبي عبد الله محمد بن محمد بن النعمان المشهور بالمفيد المتوفى ٤١٣ هجرية۔

طوسی نے -مصنف کے تعارف میں- کہا ہے:

''محمد بن محمد بن النعمان المفید ؛ کنیت ابوعبداللہ، اور ابن معلم کے نام سے مشہور ہے۔ جملہ متکلمین امامیہ میں سے ہے۔اپنے وقت میں امامیہ کی شاہی اس پر ختم ہوتی ہے۔
علم اور صناعت کلام میں صف اول میں تھا۔متقدم اور فقیہ تھا۔اس کے بارے میں ہمیشہ اچھا گمان رہا ہے۔انتہائی ذہین اور حاضر جواب تھا۔وعظ وارشاد اور ''امامت'' کی وضاحت میں اس کی چھوٹی بڑی دوسو کے قریب کتابیں ہیں۔''❸

---

❶ بحار الأنوار ١/ ٢٩۔

❷ مقدمه تحف العقول بقلم محمد حسين اعلمى ص ٧۔

❸ الفهرست ص ١٩٠-١٩١؛ أمل الآمل : حر عاملى ٢/ ٣٠٤۔

یوسف البحرانی نے کہا ہے: ''ہمارے شیخ نے ''الخلاصہ'' میں کہا ہے: ''محمد بن محمد بن نعمان کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب ''مفید'' تھا۔ شیعہ کے بڑے جلیل مشائخ اور اکابر میں سے؛ اوران کا استاذ تھا۔ جتنے بھی اس کے بعد آنے والے ہیں، انہوں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ اور اس کے فضائل اس سے زیادہ مشہور ہیں کہ بیان کیے جائیں۔'' ❶

مجلسی نے کہا ہے:

''رہی کتاب "الاختصاص" وہ تو انتہائی لطیف کتاب ہے، جو اصحاب نبی ﷺ اور آئمہ علیہم السلام کے احوال پر مشتمل ہے۔ اس میں بہت ہی غریب خبریں ہیں، میں نے انہیں پرانے نسخہ سے نقل کیا ہے۔ اس کے عنوان میں لکھا تھا:

"کتاب المستخرج من کتاب الاختصاص" تصنیف ابوعلی احمد بن حسین بن احمد بن عمران رحمہ اللہ۔''

لیکن خطبہ کے بعد ایسے لکھا ہوا ہے:

''محمد بن محمد النعمان نے کہا ہے'': مجھ سے ابوغالب اُحمد نے حدیث بیان کی ......آخر سند تک -سارے راوی ذکر کیے-۔ ایسے ہی آخر تک شیخ مفید کے مشائخ سے شروع کرتا ہے۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب شیخ مفید کی تصنیفات میں سے ہے۔ اس کی ساری کتابیں مشہور ہونے کی وجہ سے محتاج بیان نہیں ہیں۔'' ❷

۳۱۔ التهذيب۔

۳۲۔ الاستبصار۔

۳۳۔ التبيان۔

۳٤۔ الغيبة۔

۳٥۔ أمالي الطوسي۔

۳٦۔ الفهرست۔

---

❶ لؤلؤة البحرين ص۳٥٦-۳٥۷۔

❷ بحار الأنوار ۱/۲۷۔

۳۷۔ رجال الطوسي: تأليف أبي جعفر محمد بن الحسن الطوسي المتوفى ٤٦٠ هجرية۔

علامہ حلی نے کہا ہے:

"محمد بن الحسن بن علی الطوسي أبو جعفر ، شيخ الإماميه ؛ قدس الله روحه ؛ رئيس الطائفه ، جليل القدر ، عظيم المنزلت ، ثقه ، صدوق ؛ عارف بالأخبار ، والرجال ، والفقه والأصول و الكلام والادب۔ تمام فضائل اسی کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔اس نے اسلام کے ہرفن کے متعلق تصنیف لکھی ہے۔ اور اصول وفروع میں عقائد کی تہذیب کی ہے۔علم اور عمل میں نفسیاتی کمال اس میں جمع تھے۔" [1]

مجلسی نے کہا ہے:

"شیخ طوسی ؛ ابوجعفر محمد بن الحسن بن علی الطّوسی ؛ شیخ طائفہ اور فقیہ امت ، کی ثقاہت پر ؛ اور علوم وفنون میں تبحر پر اجماع ہے۔" [2]

اس کی کتاب کی توثیق کرتے ہوئے کہا ہے:

"اور محقق طوسی اللہ تعالیٰ اس کی روح قدسی کو آرام پہنچائے ؛ اس کی تالیف چڑھتے ہوئے سورج سے بڑھ کر مشہور ہے۔" [3]

۳۸۔ عيون المعجزات :تأليف المحدث الجليل الشيخ حسين بن عبد الوهاب۔

محسن امین، حسین بن عبدالوہاب سے متعلق کہتا ہے:

"ہمارے بڑے اجلہ معاصر علماء :سیدمرتضیٰ ؛ رضی ؛- کی صف- میں سے تھا۔ اور یہ دونوں موصوف کے ساتھ بعض مشائخ میں شریک ہیں۔ جیسے کہ ابوالتحف ،...... اور اس کے ہم نوا لوگ۔ اخبار اور احادیث پر بڑی نظر رکھنے والا ؛ فقیہ، اور عمدہ شاعر تھا۔اس کی کتاب میں سے "عيون المعجزات" بھی ہے۔" [4]

---

[1] رجال العلامه الحلي : ص ١٤٨۔ [2] مقدمة بحار الأنوار ص ٩١۔ [3] بحار الأنوار ١/ ٤٠۔

[4] أعيان الشيعة ٦/٨٢-٨٣۔ وانظر: مقدمة عيون المعجزات ، بقلم محمد اورد بادى ص ٣-٥۔

مجلسی نے "عیون المعجزات" کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:

"میرے ہاں-اس میں کوئی غلطی یا تہمت - ثابت نہیں ہوئی۔سوائے کے کہ یہ ایک لطیف کتاب ہے،اور ہمارے ہاں اس کا پرانا نسخہ ہے۔" [1]

٣٩۔ روضة الواعظين :تأليف الشيخ العلامة محمد بن الفتال النيسابوري المتوفى ٥٠٨ هجرية۔

مجلسی نے کہا ہے:

"كتاب روضة الواعظين و تبصرة المتعظين " شیخ محمد بن علی بن أحمد الفارسی کی تصنیف ہے۔ پھر جان لے کہ:" بے شک علامہ رحمہ اللہ نے مؤلف کا وہی نام ذکر کیا ہے، جیسیکہ ہم نے ذکر کر دیا۔اور ابن شہر آشوب کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا مؤلف محمد بن حسن بن علی الفتال نیشا پوری ہے۔ اور یہ کہ تفسیر کا مصنف اور روضہ کا مصنف دونوں ایک ہیں۔ اسے ہی کتاب" معالم العلماء" میں ذکر کیا گیا ہے۔ابن داؤد نے کتاب الرجال میں کہا ہے:"محمد بن أحمد بن علی الفتال نیشا پوری؛ المعروف ابن الفارسی؛جلیل القدر متکلم،فقیہ، عالم، زاہد اور متقی انسان ہے۔" [2]

اور مجلسی نے اپنے معتمد علیہ مصادر کی توثیق کرتے ہوئے کہا ہے:

"كتاب روضة الواعظين جس کے بارے میں ہم نے تذکرہ کیا ہے، بے شک یہ علماء أعلام کی"اجازات" میں داخل ہے۔ اور اس سے بہت سارے فضلاء کرام نے نقل کیا ہے۔ اور اس کے موؤلف کا حال مجھے اپنے اسلاف کی تحریروں سے معلوم ہوا ہے۔

٤٠ ۔ إعلام الورى :تأليف لأبي على الفضل بن الحسن الطبرسي المتوفى ٥٤٨ هجرية۔

ابن بابویہ رازی نے کہا ہے: الفضل بن الحسن بن الفضل الطبرسی ؛ ثقہ، فاضل، دین دار ہے۔اس کی کئی کتابیں ہیں؛ان میں سے:" البيان فى تفسير القرآن" دس جلدوں میں ہے۔اور الوسیط ،تفسیر،

---

[1] بحار الأنوار ١/١١۔

[2] بحار الأنوار : ١/٨-٩۔

چار جلدوں میں ہے۔ اور الوجیز ایک جلد ہے۔ اور اعلام الوریٰ بأعلام الہدیٰ دو جلد ہے۔ [1]
اور مجلسی نے کہا ہے:

"الفضل بن الحسن بن الفضل الطبرسی ؛ فخر العلماء الأعلام ؛ امین الملة والإسلام ؛ قدوة المفسرين ، عمدة الفضلاء المتبحرين ، زعماء الدين ؛ اور اس طائفہ کے اجلہ ثقات میں سے تھا۔" [2]

۴۱۔ مناقب آل أبي طالب: تأليف علي بن محمد بن شهر أشوب المتوفى ۵۸۸ هجرية۔

حر عاملی نے ۔مصنف کے متعلق۔ کہا ہے:

"محمد بن علی بن شہر آشوب المازندرانی ، رشید الدین؛ اس طائفہ کے شیخ اور فقیہ؛ بلیغ شاعر تھا۔ اس کی کئی کتابیں ہیں ، ان میں سے: "کتاب الرجال" اور "أنساب آلِ أبی طالب علیہم السلام" بھی ہیں۔" [3]

اور شیخ یوسف البحرانی نے کہا ہے: "زین الدین محمد بن علی بن شہر آشوب ، المازندرانی ، السروی ، عالم و فاضل ، ثقہ؛ محدث ؛ محقق ؛ علم الرجال اور اخبار کا جاننے والا ادیب اور شاعر تھا۔ اس میں کئی خوبیاں جمع تھیں، اس کی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے: "مناقب آلِ ابو طالب" اور کتاب: "مثالب النواصب" بھی ہیں۔" [4]

۴۲۔ فهرست أسماء علماء الشيعة ومصنفيهم :تأليف للشيخ أبي الحسن علي بن عبيد الله بن بابويه الرازي المتوفى ٦٠٠ هجرية۔

حر عاملی نے کہا ہے:

"شیخِ جلیل ، منتجب الدین ، علی بن عبداللہ بن الحسن بن الحسین بن بابویہ القمی ۔ عالم و فاضل ؛ ثقہ ، صدوق ؛ محدث ، حافظ اور روایت کی پہچان ، اس کی ایک کتاب "الفہرست" ہے جس میں شیخ طوسی کے معاصر مشایخ اور ان کے بعد کے لوگوں کے حالات زندگی تحریر ہیں۔ اس

---

[1] فهرست أسماء علماء الشيعة ومصنفيهم ص ١٤٤ ۔جامع الرواة ٢/ ٩٠۔
[2] مقدمة بحار الأنوار ص ١٣٦۔
[3] جامع الرواة ٢/ ١٥٥۔
[4] لؤلؤة البحرين ص ٣٤٠-٣٤١۔

میں جو کچھ ہے، ہم نے اس کتاب میں نقل کر دیا ہے۔'' ❶

مجلسی نے -مصنف کی بابت- کہا ہے:

''شیخ منتجب الدین مشاہیر ثقات اور محدثین میں سے ہے۔ اور اس کی کتاب فہرست شہرت کی انتہا کو چھو رہی ہے۔'' ❷

٤٣۔ الإحتجاج :تألیف أبي منصور أحمد بن علي بن ابي طالب الطبرسی المتوفی ٦٢٠ ھجریة۔

مجلسی کہتا ہے:

" الشیخ الجلیل ، أبو منصور أحمد بن علی بن أبی طالب الطبرسي؛ کتاب "الاحتجاج" کے مصنف۔ عالم و فاضل، محدث و ثقہ ہیں۔ ہمارے پرانے جلیل القدر اصحاب میں سے ہیں۔'' ❸

حر عاملی کہتا ہے:

''الشیخ أبو منصور أحمد بن علی بن أبي طالب الطبرسي؛ عالم و فاضل، فقیہ؛ محدث وثقہ ہیں؛ ان کی کتاب ہے: "الاحتجاج علی أهل اللجاج ، ؛ اچھی و کثیر الفوائد ہے۔'' ❹

٤٤۔ شرح نهج البلاغة :تألیف لأبي حامد عز الدین عبد الحمید بن هبة الله بن أبي الحدید المتوفی ٦٥٥ ھجریة۔

آغا بزرگ طہرانی [مصنف کا تعارف کراتے ہوئے] کہتا ہے:

''شرح نہج البلاغہ عز الدین أبو حامد عبد الحمید بن هبة الله بن أبي الحدید المعتزلی المتوفی ٦٥٥ ھجریة؛ ببغداد؛ کی تألیف ہے۔ یہ بیس اجزاء میں ہے۔ یہ تمام اجزاء دو جلدوں میں ۱۲۷۰ ہجری میں ایران میں طبع ہوئے ہیں۔ اس کے بعد کئی بار مصر میں طبع ہوئی۔ مصنف نے اسے وزیر مؤید الدین أبو طالب، محمد المشہور بابن علقمی کے لیے لکھا تھا۔'' ❺

---

❶ أمل لآمل ٢/١٩٤۔ ❷ بحار الأنوار ١/٣٥۔ ❸ مقدمة بحار الأنوار ص ١٤٠۔

❹ أمل لآمل ٢/١٧۔ و تنقیح المقال: ١/٦٩۔ ❺ الذریعة ١٤/١٥٨-١٥٩۔

محمد ابوالفضل ابراہیم، ابن حدید کی کتاب ''شرح نہج البلاغۃ'' کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

''کتاب ''نہج البلاغۃ'' کا اہتمام بہت سارے علماء وفضلاء نے کیا ہے۔سید ہبۃ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کی شروح پچاس سے زیادہ ہیں۔لیکن ان شروح میں سب سے بڑی اور طویل شرح ؛ جو علوم ؛ آداب اور معارف کو شامل اور ان سے بھر پور شرح عز الدین عبد الحمید بن أبو الحدید المدائنی کی ہے۔اس نے یہ شرح وزیر مؤید الدین ابی طالب محمد بن أحمد علقمی ؛ مستعصم باللہ، آخری عباسی بادشاہ ؛ کے وزیر ؛ کے طلب کرنے پر لکھی۔-موصوف- فاضل شیعہ علماء اور ان کے خواص میں سے تھا۔ادب کی طرف مائل اور ادباء کی قربت رکھنے والا تھا۔اس کی لائبریری میں دس ہزار عمدہ قسم کی کتابیں تھیں۔''❶

٤٥۔ كشف الغمة في معرفة الأئمة : تأليف لأبي الحسن علي بن عيسى الأربلي المتوفى ٦٩٣ هجرية۔

حر عاملی نے مصنف کا تعارف کراتے ہوئے کہا ہے:

''شیخ بہاء الدین ابو الحسن، علی بن عیسی بن ابی الفتح ؛اربلی عالم وفضل تھا۔ثقہ محدث، شاعر، ادیب ؛ جامع الفضائل ومحاسن تھا۔اس کے کئی ایک کتابیں ہیں، ان میں سے ایک:''كشف الغمة في معرفة الأئمة '' جامع اور خوبصورت کتاب ہے۔اس کی تألیف سے سن ٦٨٧ ہجری میں فراغت ہوئی۔اس کی ایک کتاب ''الطیف'' اور ایک شعری دیوان اور ان کے علاوہ کئی کتابیں ہیں۔''❷

مجلسی نے -مصنف کے بارے میں- کہا ہے:

''شیخ بہاء الدین ابو الحسن، علی بن فخر الدین عیسی بن ابی الفتح اربلی نزیل بغداد ؛ اور وہیں کا مدفون ؛ اکابر شیعہ محدثین اور ساتویں صدی کے بڑے علماء اور ثقات میں سے تھا۔''❸

اس کتاب کی توثیق کرتے ہوئے کہتا ہے:

---

❶ مقدمة شرح نهج البلاغة لابن أبي الحديد؛ بقلم محمد أبو الفضل إبراهيم ١/١٠۔

❷ أمل لآمل ٢/١٩٥۔

❸ مقدمة بحار الأنوار ص ١٤٥۔

''اور کتاب " كشف الغمة " مشہور کتابوں میں سے ہے، اور اس کا مؤلف سندِ اجازت میں مذکور علماء امامیہ میں سے ہے۔'' ❶

٤٦ـ رجال العلامة الحلي: تأليف الحسن بن يوسف بن علي بن المطهر الحلي المعروف بالعلامة ؛ المتوفى ٧٢٦ هجرية ـ

حر عاملی نے -مصنف کی بابت- کہا ہے:

''شیخ علامہ جمال الدین أبو منصور حسن بن یوسف بن علی بن المطہر الحلی ؛ فاضل عالم، علامة العلماء ؛ محقق و مدقق ؛ ثقہ ؛ فقیہ، محدث ؛ ماہر متکلم ؛ جلیل القدر ؛ عظیم الشان ؛ عالی منزلت، جس کی علوم و فنون، عقلیات اور نقلیات میں کوئی مثال ہی نہیں ؛ اور اس کے محاسن اور فضائل اس سے زیادہ ہیں کہ انہیں شمار کیا جائے۔'' ❷

مجلسی نے -موصوف مذکور کے بارے میں- کہا ہے:

''بڑا جلیل القدر شیخ ؛ یکتائے زمانہ، وحید دھر، بحر العلوم و الفضائل ؛ منبع الأسرار و الدقائق ؛ مجددِ مذہب ؛ اور اس کو زندہ کرنے والا ؛ گمراہی کے جھنڈوں کو مٹانے والا ؛ امام، علامہ، اللہ تعالیٰ کی نشانی ؛ جمال الدین أبو منصور الحسن بن سدید الدین یوسف بن زین الدین علی بن مطہر الحلی ؛ اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو روشن کرے۔ مرحوم یکتائے زمانہ شیعہ علماء اور بڑے جعفری فقہاء میں سے تھا۔ کئی متفرق علوم کا جامع تھا۔ مختلف فنون پر حاوی تھا۔ اس کی کثرتِ سے عمدہ تصانیف تھیں۔ پوری امت نے اس کی قیمتی کتابوں سے تألیف کے وقت سے استفادہ کیا ہے؛ اور تمام زندگی ان کی بلند نظر سے مستفید ہوتے رہے۔ اور اس کے مرنے کے بعد بھی۔'' ❸

٤٧ـ مختصر بصائر الدرجات: تأليف حسن بن سليمان الحلي المتوفى ٨٠٢ هجرية ـ

حر عاملی نے -مصنف کی بابت- کہا ہے:

---

❶ بحار الأنوار ص ٢٩ـ ❷ أمل لآمل ٢/٨١ـ جامع الرواة للأردبيلي ١/٢٣٠ـ

❸ مقدمة بحار الأنوار ص ٢٣٦ـ

''حسن بن سلیمان بن خالد الحلی فاضل عالم اور فقیہ۔ اس نے سعد بن عبد اللہ کے طلب کرنے پر بصائر الدرجات کا اختصار کیا ہے۔ اور شہید سے روایت بھی کی ہے۔''❶

اور مجلسی نے -مصنف کی بابت- کہا ہے:

''ابو محمد حسن بن سلیمان بن خالد الحلی العاملی ؛ اور اسے قمی بھی کہا جاتا ہے ؛ خواہ جو بھی ہو ہمارے موصوف محترم بزرگ فقہاء میں سے فقیہ اور بہترین علماء میں سے ؛ ہمارے شہید اول کے نامور شاگرد ہیں۔''❷

٤٨۔ مشارق أنوار اليقين في حقائق أسرار أمير المؤمنين: تأليف:للحافظ رجب البرسي۔

حر عاملی نے -مصنف کی بابت- کہا ہے:

''شیخ رجب حافظ البرسی فاضل محدث ؛ شاعر ادیب تھا۔ اس کی کتاب "مشارق الأنوار اليقين في حقائق أسرار أمير المؤمنين" ہے۔ اور توحید وغیرہ میں بھی رسائل ہیں۔''❸

اور مجلسی نے -مصنف کی بابت- کہا ہے:

''شیخ حافظ رضی الدین رجب بن محمد بن رجب البرسی مولداً ؛ اور حلی نسباً ؛ معروف امامیہ علماء اور ان کے محدثین میں سے تھے۔''❹

٤٩۔ الفصول المهمة في معرفة الأئمة : تأليف نور الدين علي بن محمد الصباغ المتوفى ٨٥٥ هجرية۔

آغا بزرگ طہرانی نے -تصنیف کی بابت- کہا ہے:

"الفصول المهمة في معرفة الأئمة الإثنى عشرية وفضلهم ومعرفة أولادهم و نسلهم" شیخ نور الدین علی بن محمد الصباغ المالکی ؛ المکی متوفی ٨٥٥ ہجری -کی تصنیف- ہے۔''❺

---

❶ أمل لآمل ٢/٦٦۔ و تنقيح المقال: ١/٢٨٤۔

❷ مقدمة بحار الأنوار ص ١٩٤۔

❸ أمل لآمل ١/١١٧۔ و تنقيح المقال: ١/٤٢٩۔

❹ مقدمة بحار الأنوار ص ١٥١۔

❺ الذريعة ١٦/٢٤٦۔

توفیق فلیکی ممامی "فـصـول المهمة" کے مقدمہ میں مصنف کے حالاتِ زندگی تحریر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''مرحوم اپنے زمانہ میں مالکی مذہب کے بڑے چوٹی کے علماء میں سے تھا۔ علوم عربیہ، فقہ میں وسیع مطالعہ اور علم حدیث اور روایت نقل کرنے میں امامت کا مستحق تھا۔ اور علم منقول و معقول میں س کی بہت سی درست اور صائب آراء ہیں۔ تحقیق و تدقیق میں ثقہ ہے۔'' ❶

۵۰۔ الـصـراط المستقيم إلى مستحقي التقديم :تأليف زين الدين على بن يونس العاملي النباطي المتوفى ۸۷۷ هجرية۔

حر عاملی نے -مصنف کی بابت- کہا ہے:

"زيـن الـدين على بن يونس العاملي النباطي البياضى " عالم و فاضل، محقق و مدقق، ثقہ، متکلم، شاعر، ادیب؛ متبحر تھا۔ اس کی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے -ایک- "الصراط المستقيم إلى مستحقي التقديم " ہے۔'' ❷

شہاب الدین الحسینی المرعشی نے -مصنف کی مدح سرائی میں- کہا ہے:

''حالات زندگی کے معاجم لکھنے والے جتنے بھی لوگ ہیں انہوں نے اس کی بہت اچھے الفاظ میں تعریف کی ہے۔ اور اسے علم و فضل، فقہ؛ حدیث، اور ادب کا عالم شمار کیا ہے۔ اور یہ کہ موصوف اکابر علماء میں سے تھا۔'' ❸

اور کتاب کی توثیق کرتے ہوئے کہا ہے:

''مجھے اپنی زندگی کی قسم! یہ کتاب اپنے موضوع میں بہت ہی عجیب ہے۔ روضات کے مصنف علامہ صاحب نے کہا ہے: ''میں نے اپنے سردار؛ علَمِ ہدایت کی کتاب کے بعد اس جیسی شافی کتاب نہیں دیکھی۔ بلکہ یہ کئی وجوہات کی بنا پر یہ -دوسری کتابوں پر- راجح (فوقیت رکھتی) ہے۔'' ❹

---

❶ مقدمة الفصول المهمة لابن الصباغ ؛بقلم توفيق الفكيكي ص ٤۔

❷ أمل لآمل ۱/۱۳۵۔مقدمة بحار الأنوار ص ۱۳۹۔

❸ مقدمة الصراط المستقيم ؛ بقلم شهاب الدين الحسيني المرعشي ص ۷۔ ❹ المرجع السابق ص ۹۔

٥١۔ مجمع البحرين : تأليف فخر الدين الطريحي المتوفى ١٠٨٥ هجرية۔
يوسف البحرانی نے -مصنف کے بارے میں- کہا ہے:
'' شیخ فخر الدین بن طریح النجفی فاضل محدث اور لغوی -ماہر زبان- تھے۔ عابد، زاہد، متورع تھے۔ ان کی تصنیفات میں سے :'' مجمع البحرین ومطلع النیرین'' قرآن کے غریب الفاظ کی تفسیر اور ان کی سند سے روایت کردہ احادیث میں ہے۔'' ❶

٥٢۔ تفسير الصافي۔

٥٣ ۔ علـم اليـقين في أصول الدين: تأليف الشيخ محمد ابن المرتضى المدعو بالمولى محسن الكاشاني المتوفى ١٠٩١ هجرية۔
حر عاملی نے -مصنف کی بابت- کہا ہے:
''المولی الجلیل محمد بن مرتضی المدعو: محسن کاشانی ؛ عالم و فاضل ، ماہر متکلم، محدث، فقیہ، شاعر ادیب ؛ اور معاصرین میں سے حسنِ تصنیف -کا ملکہ رکھنے والا تھا-؛ اس کی کئی کتابیں ہیں ؛ ان میں سے :" كتـاب الوافی " ہے، جس میں چاروں کتابوں کو مشکل الفاظ کی شرح کے ساتھ جمع کیا ہے۔ اور کتاب "سـفيـنةالـنجاة فی طريق العمل "اور تین تفسیریں ہیں: کبیر، صغیر اور متوسط۔ اور کتاب "عيـن اليقين" اور کتاب" حـق اليقين" اور کتاب:" علم اليقين" بھی ہیں۔'' ❷

اردبیلی مصنف کے بارے میں کہتا ہے:
''محسن بن مرتضی الکاشانی رحمہ اللہ علامہ محقق و مدقق ؛ جلیل القدر، عظیم شان ، بلند مرتبت فاضل، کامل ادیب ؛ اور تمام علوم میں متبحر تھا۔ اس کی سو سے زیادہ کتابیں ہیں، جن میں سے تفسیر صافی بھی ہے،......اور کتاب علم الیقین -بھی اسی کی تصنیف ہے-'' ❸

٥٤۔ الإيقاظ من الهجعة في إثبات الرجعة۔

٥٥۔ وسائل الشيعة۔

---

❶ لؤلؤة البحرين : ص ٦٦-٦٧۔
❷ أمل لآمل ٢/٣٠٥۔ ❸ جامع الرواة ٢/٩٠۔

٥٦۔ أمل الآمل : تأليف محمد بن الحسن الحر العاملي المتوفی ١١٠٤ هجرية۔

یوسف البحرانی [مصنف کا تعارف کراتے ہوئے] کہتا ہے:

'' شیخ محمد بن الحسن بن علی بن الحسین الحر العاملی المشغری......عالم و فاضل اور حدیث اور اخبار کے ماہر تھے۔ان کی کئی کتابیں ہیں،ان میں سے " الجواهر السنية في الأحاديث القدسية " یہ۔اپنے موضوع پر۔سب سے پہلی تصنیف ہے؛اس سے پہلی کسی نے اس طرح احادیث نہیں جمع کیں۔

اور دوسری کتاب حسین بن علی علیہ السلام کی دعاؤں پر مشتمل ہے،جن کی تخریج"الصحيفة الكاملة" سے کی گئی ہے۔اور ایک کتاب:" تفصيل وسائل الشيعة إلى تحصيل مسائل الشريعة" چھ جلدوں میں ہے۔اوراس کی ایک کتاب " أمل الآمل فی علماء جبل عامل" ہے،جس میں ہمارے متأخرین علماء کے نام ہیں۔اوراس کی ایک کتاب رجعت کے مسئلہ پر ہے،جس کا نام رکھا ہے:" الإيقاظ الهجعة بالبرهان على الرجعة" ❶

اردبیلی نے کہا ہے:

'' محمد بن الحسن الحر العاملی ساکن مشہد مقدسی؛ رضوی ؛ شیخ علامہ محقق مدقق ،جلیل القدر رفیع المنزلت ، عالم و فاضل کامل ،متبحر فی العلوم ؛ اس کے فضائل اور مناقب کوشمار نہیں کیا جاسکتا ؛ ......اس کی کئی ایک کتابیں ہیں ؛ان میں سے کتاب: " رسـائل الشيعة" ایک بڑی کتاب ہے۔اور کتاب "هداية الأمة" اور کتاب " بداية الهداية " اور "كتاب الفوائد الطوسية "اوران کے علاوہ دیگر کتب۔'' ❷

٥٧۔ البرهان في تفسير القرآن :تأليف هاشم بن سليمان البحراني المتوفی ١١٠٧ هجرية۔

حر عاملی [مصنف کے حالات بیان کرتے ہوئے] کہتا ہے:

''سید ہاشم بن سلیمان بن اسماعیل بن عبدالجواد الحسینی البحرانی التوبلی ؛ فاضل عالم، ماہر مدقق ؛ فقیہ،تفسیر عربی ،اوررجال کے عالم ہیں۔ان کی ایک بڑی کتاب تفسیر القرآن ہے۔میں نے

❶ لؤلؤة البحرين : ص ٧٦-٧٨۔ ❷ جامع الرواة ٢/ ٩٠۔

اسے دیکھا اوران سے روایت کیا ہے۔'' ❶

یوسف البحرانی[مصنف کے بارے میں] کہتا ہے:

''سید ہاشم المعروف بالعلامہ ؛ -ابن مرحوم سید سلیمان بن سید اسماعیل۔ سید مذکور فاضل محدث ؛ جامع -العلوم-؛ اخبار پر چلنے والے ،جس پر ان سے پہلے کوئی سبقت لے جانے والا سبقت نہیں جا سکا ؛ سوائے ہمارے شیخ مجلسی کے۔ اس نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں جواس کی شدت اتباع اور وسیع مطالعہ کی گواہی دیتی ہیں۔ اس کتابوں میں سے''البرہان فی تفسیر القرآن'' چھ جلدوں میں ہے۔ اس میں تفسیر میں وارد جملہ اخبار پرانی کتب اوران کے علاوہ دوسری کتابوں سے جمع کر دیے ہیں۔'' ❷

٥٧۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار۔

٥٨۔ جلاء العيون۔

٥٩۔ الأربعين۔

٦٠۔ حق اليقين : محمد باقر المجلسي المتوفى ١١١١ هجرية۔

حر عاملی[مصنف کے حالات بیان کرتے ہوئے] کہتا ہے:

'' مولانا الجلیل محمد باقر بن مولانا محمد تقی المجلسي عالم و فاضل ، ماہر محقق و مدقق ؛ علامہ فہامہ ،فقیہ، متکلم ،محدث ؛ ثقہ ثقہ ، جامع المحاسن والفضائل ؛جلیل القدر ،عظیم الشان ، اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے۔ ان کی کئی مفید کتابیں ہیں ؛ جن میں سے :"بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبــار الأئـمة الأطهـار" بھی ہے؛ جس میں تمام کتب احادیث سے حدیثیں جمع کی ہیں۔ سوائے کتب أربعہ اور نہج البلاغۃ کے ؛ ان سے بہت ہی کم نقل کیا ہے ؛حسن ترتیب اور مشکل الفاظ کی شرح کے ساتھ۔ اس کی پچیس جلدیں ہیں۔ اور کتاب" جـلاء الـعيون" اور کتاب:"حياة القلوب" ......'' ❸

یوسف البحرانی مجلسی جی کی توثیق کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

❶ أمل لآمل ٢/٣٤١۔ ❷ لؤلؤة البحرين : ص ٦٣-٦٤۔

❸ أمل لآمل ٢/٢٤٨۔

''اور یہ شیخ اپنے وقت میں علمِ حدیث اور دوسرے تمام علوم کے امام تھے۔سلطنت اصفہان میں شیخ الإسلام تھے۔ وہاں پر دونوں بڑے دینی اور دنیاوی اداروں کے اعلی ذمہ دار افسر (چیئر مین) تھے؛ اور جمعہ اور جماعت کے لیے امام بھی۔انہوں نے حدیث کو رواج دیا اور نشر کیا ،خصوصاً عجمی دیار میں۔ ہمارے شیخِ مذکور کی کئی مصنفات ہیں۔ان میں سے کتاب "بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار" ہے؛جس میں تمام علوم کو جمع کر دیا ہے۔ یہ کئی جلدوں اور کتابوں پر مشتمل ہے۔'' ❶

اردبیلی صاحب کہتے ہیں:

''محمد باقر بن محمد تقی بن المقصو دعلی ، الملقب بالمجلسی ؛مدظلہ العالی؛ ہمارے استاذ اور ہمارے شیخ؛ شیخ الاسلام والمسلمین ؛ خاتم المجتہدین ، الامام العلامۃ المحقق المدقق ،جلیل القدر ،عظیم الشان صاحب منزلت ، یگانہء دھر ، وحیدِ عصر ، ثقہ ثبت ؛علم کثیر کا منبع ،عمدہ مصنف۔ان کا معاملہ ان کی بلند قدر ،عظیم شان ، عالی مرتبہ ، اورعلوم عقلیہ ونقلیہ میں تبحر ، دقتِ نظر ؛ بالغ رائے ؛ ثقاہت و امامت ؛ اور عدالت میں ؛ اس سے زیادہ مشہور ہے کہ آپ کا تذکرہ کیا جائے۔ان کی کئی ایک عمدہ ونفیس کتابیں ہیں؛ مجھے انہوں نے اجازت دی ہے کہ میں ان سے تمام کتابیں روایت کروں۔ان ہی میں سے ایک کتاب:"بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار" بھی ہے،یہ ایک بڑی کتاب ہے؛جس میں تقریباً دس لاکھ شعر ہیں۔'' ❷

٦١- الأنوار النعمانية :تأليف نعمة الله بن عبد الله الجزائري المتوفى ١١١٢ هجرية-

حر عاملی[مصنف کے حالات بیان کرتے ہوئے] کہتا ہے:

''سید نعمۃ اللہ بن عبداللہ الحسینی الجزائری؛ فاضل عالم اور جلیل القدر محقق ؛ اور استاذ ؛ معاصر علماء میں سے ہے۔اس کی کئی کتابیں ہیں،ان میں سے:

---

❶ لؤلؤة البحرين : ص ٥٥-٥٦-

❷ جمع الرواة : ٢/٧٨-٧٩- وتنقيح المقال : المقاماني ٢/٨٥-

''شرح التہذیب،، اورحاشیہء استبصار؛؛ اور ایک جلد کتاب حدیث میں ہے، جس کا نام'' الفوائد النعمانیہ'' ہے، جو اس کے نام کی طرف منسوب ہے۔'' ❶

یوسف البحرانی کہتا ہے:

''جناب محدث فاضل؛ نعمة الله عبد الله الموسوي الشوشتري۔ آپ جناب بڑے فاضل محدث اور مدقق تھے۔ امامیہ فرقہ؛ اور احادیث معومیہ کی بہت ہی معلومات رکھتے۔'' بڑوں اور حکمرانوں سے بہت صحبت رکھتے تھے۔ اور ان کے ہاں بہت قابل عزت تھے۔ اس نے متأخر بعض فضلاء نے اس وجہ سے ان پر طعن کیا ہے۔ ان کی ایک کتاب شرح تہذیب ہے، جس میں بڑی معلومات ہیں۔ اور کتاب "أنوار النعمانية" بھی کافی بڑی کتاب ہے، جو بہت سارے علوم اور تحقیقات پر مشتمل ہے۔'' ❷

٦٢۔ الكشكول۔

٦٣۔ لؤلؤة البحرين: تأليف العلامة الشيخ يوسف بن أحمد البحراني المتوفى ١١٨٦ هجرية۔

یہ دونوں کتابیں علامہ شیخ یوسف بن أحمد بحرانی متوفی ١١٨٦ ہجری؛ کی تألیف ہیں۔

محسن الأمین کہتا ہے:

''شیخ یوسف بن احمد بن ابراہیم بن احمد بن صالح بن احمد بن احمد بن منصور دارزی بحرانی ہمارے فاضل متأخر علماء میں سے ہے۔ عمدہ ذہن، معتدل سلیقہ، علم فقہ اور حدیث میں مہارت تھی۔ اخباریوں کے طریقہ پر تھے۔ ابوعلی ''الرجال''۔کا مصنف۔ اس کے بارہ میں کہتا ہے:'' عالم و فاضل، متبحر و ماہر، محدث و متقی؛ عابد اور صادق، ہمارے اجلاء معاصر مشائخ، اور متبحر علماء میں سے ہے۔ اس کی کئی ایک نافع کتب ہیں، ان میں سے ...... ایک: لؤلؤة البحرین ہے، جو صدوقین کے زمانہ کے ہمارے اکثر علماء کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔'' ❸

---

❶ أمل الآمل ٣٣٦/٢۔

❷ لؤلؤة البحرين: ص ١١١۔

❸ أعيان الشيعة ٣١٧/١٠۔

٦٤۔ الأنوار الوضية في العقائد الرضوية۔

٦٥۔ المحاسن النفسانية في أجوبة المسائل الخراسانية : تأليف الشيخ حسين بن الشيخ محمد العصفور البحراني الدارزي المتوفى ١٢١٦ هجرية۔

شیخ أبوأحمد بن أحمد بن خلف بن أحمد العصفور البحرانی نے علماء کے اقوال اوران کی مدح سرائی؛ شیخ حسن دارزی کی کتاب ''أنوارالوضیۃ'' پرتحقیق کے مقدمہ میں نقل کیے ہیں۔

ذیل میں ان کے اقوال- میں سے کچھ- ذکر کیے جارہے ہیں:

شیخ علی البحرانی کہتا ہے:'' -شیخ- رحمہ اللہ علماء ربانیین اور فاضل ،متبع ؛ ماہر، اورمتأخرین میں جلیل القدر علماء میں سے تھا۔ دین اور مذہب کا ستون تھا۔ بلکہ بعض بڑے علماء نے اسے بارھویں صدی کا مجدد شمار کیا ہے۔

آغا بزرگ طہرانی کہتا ہے:

'' موصوف اپنے زمانہ میں فرقۂ اخباریہ کے رہنماؤں میں سے اوران کا شیخ ؛ اورجلیل القدر نشانی تھا۔اور کثرت سے لکھنے والے؛ فقہ،اصول اورحدیث کے متبحر مصنفین میں سے تھا۔ وہ متأخر دور میں شیوخ الاجازۃ- مجاز مشائخ - میں سے ایک تھا ،جس کو اس کے چچا نے - حدیث روایت کرنے کی- اجازت دی تھی۔اوراس نے کتاب" لؤلؤة البحرين في الإجازة لقرتي العين " لکھی۔''

محسن الأمین کہتا ہے:

''اپنے زمانہ میں اخباریہ(-خبر لکھنے والے/ تاریخ نگار-)فرقہ کا شیخ اور ان کی نشانی (علامت) تھا۔علم فقہ اور حدیث میں متبحر تھا۔علم کو عام کرنے کثرت مطالعہ والا تھا۔ تدریس کی حدیں اس پرختم ہوتی تھی۔اس علاقے سے اورقطیف اوراحساء اور دوسرے علاقوں کے علاقہ سےطلبہ اس کے پاس جمع رہتے تھے۔''[1]

٦٦۔ الرجعة: تأليف الشيخ أحمد بن زين الدين الأحسائي المتوفى ١٢٤١ هجرية۔

---

[1] مقدمة أنوار الوضية ؛ بقلم: أحمد بن خلف البحراني؛ ص (د-هھ-و)۔

اس کے متعلق خونساری کہتا ہے:'' عارف باللہ حکماء کا ترجمان، متکلمین عرفاء کی زبان، غرۃ-چمک- دہر؛ فلسفی عصر؛ عالمِ اسرار الفاظ و معانی؛ اس متأخر دور میں معرفت؛ فہم، کرامت، عزم، عمدگی، سلیقہ؛ حسنِ طریقہ، صفاء حقیقہ (صاف حقیقت)؛ کثرت معانی؛ علم عربی، اخلاق فاضلہ، اور عادات محمودہ؛ علمی اور عملی حکمت؛ حسن تعبیر، فصاحتِ تقریر؛ اور اہل بیت رسول اللہ ﷺ کے محبت اور خلوص میں اس جیسا کوئی نہیں دیکھا گیا۔ یہاں تک کے بعض ظاہر پرست علماء نے اس پر افراط اور غلو کا الزام لگایا ہے، حالانکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑی اونچی منزلت والا اور جلیل القدر انسان ہے۔''[1]

٦٧۔ حق اليقين في معرفة أصول الدين۔

٦٨۔ الأصول الأصلية: تأليف عبد الله شبر المتوفى ١٢٤٢ هجرية۔

یہ دونوں کتابیں عبداللہ شبر کی تألیف ہیں۔

محمد صادق الصدر ''حق اليقين'' میں مصنف-عبداللہ شبر- کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''سید موصوف شیعہ کے اعلام میں سے ایک تھا، اور آپ کی علمی شخصیت بالکل نمایاں تھی۔ اسے وجہ سے وہ اہل علم کی توجہ کا مرکز تھا۔ وہ نجف أشرف میں ۱۱۸۸ ہجری میں پیدا ہوا۔ وہ کہتا ہے:'' ان کی شخصیت کے متعلق بحث کرتے ہوئے ہم اس بات کا استطاعت نہیں رکھتے کہ ان کے علمی ثروات پیش کرسکیں؛ سوائے اس کے کہ اس عظیم شخصیت کے احترام میں اپنے سر کو جھکا دیں، اور اس زرخیز علمی ثروت کے سامنے اس کے احترام میں اپنی کمر کو خم کردیں۔ [پھر اس کے بعد موصوف کی کئی کتابیں ذکر کی ہیں؛ ان میں سے] ایک کتاب ''حق اليقين والأصول الأصلية'' بھی ہے۔''[2]

کتاب حق الیقین کی توثیق کرتے ہوئے کہتا ہے:

''یہ بات ہمارے لیے مناسب ہے کہ جب ان کے حالات زندگی سے فارغ ہوگئے تو ان کی کتاب ''حق الیقین'' کے بارے میں معروضات پیش کریں۔ جس کے بیک ٹائٹل ہم نے

---

[1] وضات الجنات ١/٨٨-٨٩۔بواسطة إحسان إلهي ظهير : الشيعة و التشيع ص ٣٠٧- ٣٠٨۔

[2] مقدمه كتاب حق اليقين : عبد الله شبر؛ بقلم محمد صادق السيد محمد حسين الصدر : ص (ي)۔

"شیخ الطائفہ امام جعفر – صاحب کاشف الغطاء –، کا ایک بلیغ کلمہ دیکھا ہے۔ ہم اسے ایسے ہی نقل کرتے ہیں تاکہ قاری مؤلف کے معاصر بہت بڑے شیعہ عالم کے ہاں اس کتاب کی بلند و بالا منزلت کو پہچان سکے۔"

وہ – شیخ الطائفہ – بسم اللہ، الحمدللہ؛ اور نبی علیہ السلام پر درود وسلام کے بعد کہتا ہے:

"یقیناً میں وہ چیز لایا ہوں جو عقلوں کو حیرت میں ڈال دے، اور علماء منقول و معقول کو گہرائیوں میں لے جائے؛ جس سے کئی خوابیدہ مسائل کے دروازے کھلیں، اور انہیں شواہد اور دلائل سے ثابت کیا ہے؛ اور اسے درجہ بدرجہ مرتب کیا ہے؛ اور اہم مطالب میں سے کچھ بھی باقی نہیں بچا......"❶

٦٩۔ ينابيع المودة: تأليف سليمان بن إبراهيم البلخي المتوفى ١٢٩٤ هجرية۔

آغا بزرگ طہرانی [مصنف کا تعارف کراتے ہوئے] کہتا ہے:

"ينابيع المودة لذوي القربى" سليمان بن إبراهيم الحنفى القندورى البلخي النقشبندى (۱۲۲۰ ہجری-۱۲۹۴ ہجری) کی تالیف ہے۔ مؤلف کا شیعہ ہونا اگرچہ جانا نہیں گیا، لیکن یہ اپنے بیان کرنے سے غنی ہے، اور اس کتاب کو شیعہ کتب میں شمار کیا جاتا ہے۔"❷

٧٠۔ منار الهدى في إثبات إمامة أئمة الهدى: تأليف الشيخ علي ابن عبد الله البحراني المتوفي ١٣١٩ هجرية۔

آغا بزرگ طہرانی [مصنف کا تعارف کراتے ہوئے] کہتا ہے:

"شیخ علی بن عبداللہ بن علی البحرانی؛ ماہر عالم تھا۔ اس نے سید عبدالحسین بن المیر زا علی اصغر؛ جو زنجبار کا عالم تھا؛ کے طلب کرنے پر ایک کتاب "رسالة السيد الزنجباري في العلم الإلهى" کے رد میں لکھی۔ اس کتاب میں اس نے مستحیل کے ساتھ عدم تعلق کے بارے میں کہا تھا۔ موصوف نے – شیخ علی نے اپنے رد کے رسالہ میں – مستحیل اور معدومات کے ساتھ علم کے تعلق کا دعوی کیا ہے۔ پھر سید زنجباری نے اپنا تیسرا مقالہ لکھا، جس میں

❶ مقدمہ کتاب حق الیقین ❷ الذریعة ۲۵/ ۲۹۰۔

موصوف -شیخ علی - کی کتابوں میں ان کے اعتراضات کا جواب دیا۔ اس کتاب کے لکھنے سے ۱۳۰۹ہجری میں فارغ ہوا۔ یہ رسالہ بھی سید مذکور کے رسائل کے ساتھ ملا ہوا ہے، جو سید جعفر بن محمد المرعشي کے پاس موجود ہے۔ ان رسائل سے اس کی فضلیت اور مہارت ظاہر ہوتی ہے۔ موصوف -شیخ علی- اپنی زندگی کے آخری ایام میں ''بندر'' -ایک ایرانی شہر- چلے گئے تھے وہیں پر ان کا انتقال ۱۳۱۹ہجری ہوا۔'' ❶

۷۱۔ فصل الخطاب في إثبات تحريف كتاب رب الأرباب:تأليف حسين محمد تقي الدين النوري الطبرسي المتوفى ۱۳۲۰ هجرية۔

آغا بزرگ طہرانی [مصنف کا تعارف کراتے ہوئے] کہتا ہے:

'' شیخ میرزا حسین بن المیر زا محمد تقی بن المیر زا علی محمد تقی النوری الطبری۔ پچھلی صدیوں میں اِمام أئمۃ الحدیث والرجال ؛ اور بڑے شیعہ علماء ؛ اور اس صدی میں اسلام کی بڑی شخصیات میں سے تھا۔ شیخ نوری سلف صالحین کا ایک نمونہ تھا؛ جس کا وجود اس زمانہ میں نادر ہے۔ وہ اپنی جداگانہ عبقری شخصیت کی وجہ سے ممتاز تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی عجیب نشانیوں میں سے ایک تھا۔ جس میں مواہبِ غریبہ پوشیدہ تھے۔ اور اس کے شریفانہ ملکات نے اسے اس اہل بنادیا تھا کہ اسے شیعہ کے ان چیدہ چیدہ علماء میں شمار کیا جائے جنہوں نے اپنی عمریں اور لمبی زندگیاں دین اور مذہب کی خدمت میں لگا دیں۔

اس کی زندگی اعمال صالحہ کا ایک روشن باب ہے۔ اس کے علوم ومآثر کی وجہ سے اب یہ لازم ہوگیا ہے کہ اس کی شخصیت زمانے گزرنے کے باوجود ہمیشہ زندہ رہے۔ اور مؤرخین اور موَلفین پر لازم ہوگیا کہ وہ اس کا خیال رکھیں، اور اس کے علوم سے فائدہ حاصل کریں۔ اس نے اپنے جان کو علم کی خدمت کے لیے وقف کردیا تھا۔

اس کی فکر اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھی کہ: بحث اور تنقیب، جان پرکھ، اور تتبع، متفرق اخبار کو جمع کرنا، اور احادیث کے ٹکڑوں کو اکٹھا کرنا، اور متفرق آثار کو منظّم کرنا، اور بکھیری ہوئی سیرتوں کو جمع کرنا۔ توفیق نے اس کا ساتھ دیا، اور مشیت الٰہی نے مدد کی۔ یہاں تک اسکی

❶ طبقات أعلام الشيعة : نقباء البشر في القرن الرابع عشر ٤/ ١٤٧١-١٤٧٢۔

کتابیں دیکھنے والا گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خاص مہربانی سے یہ سب کچھ جمع کر دیا تھا؛ اور اس پر اپنی خاص عنایت کی تھی۔ اور اس کے لیے انتہائی قیمتی خزانوں کا ذخیرہ جمع کر دیا تھا۔ جو احادیث جمع کرنے والے سلف؛ اور علم الرجال کے ماہرین میں سے بھی کوئی ایک نہیں پا سکا۔ بلکہ اس کے حال سے واقف انسان کو یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آل محمد علیہ وعلیہم السلام کی باقی علمی وراثت کی حفاظت کے لیے پیدا کیا تھا؛ ﴿ذَٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (المائدہ: ۵۴) ''یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔''

ہمارے شیخ نے اپنے پیچھے بہت سارا اہم علمی سرمایہ چھوڑا ہے، کسی آنکھ نے حسن تنظیم اور اعلیٰ تالیف میں اس زمانہ میں بہت ہی کم اس کی مثال دیکھی ہوگی؛ جو مؤلف کی کرامت کے لیے کافی ہے۔

ہم اپنی بات کی طرف واپس آتے ہیں؛ اگر انسان اس پر غور کرے کہ نوری نے اپنے پیچھے جو علمی سرمایہ چھوڑا ہے۔ اور وہ خطرناک تألیفات جن سے تحقیق اور تدقیق کا پانی ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اسے ان کے عجیب اور وسیع مطالع کا علم ہو جائے گا؛ اور اس بات میں کوئی شک نہیں رہے گا کہ روح القدس سے اس کی مدد کی گئی تھی۔

ان کی تألیفات میں سے:" فصل الخطاب في مسألة تحريف الكتاب " اس کی کتابت سے ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۲۹۲ ہجری کو فراغت ہوئی۔ اور ۱۲۹۸ ہجری میں اس کی طباعت ہوئی۔

اس کے نشر کے بعد اس میں بعضوں نے اختلاف کیا، اور شیخ محمد طہرانی، المعروف " معرب " نے اس کے رد پر ایک کتاب لکھی؛ جس کا نام رکھا:" كشف ارتياب " عن تحريف الكتاب۔ اس کتاب میں مؤلف نے بعض شبہات ذکر کیے، اور اسے مجدد شیرازی کے پاس بھیجا؛ جنہوں نے اسے شیخ نوری کو دیا، اور شیخ نوری نے علیحدہ سے ایک خاص کتاب میں اس پر جواب دیا، جو فارسی زبان میں ہے۔''[1]

---

[1] نقباء البشر في القرن الرابع عشر ۲/۵۴۳؛ ۵۴۵؛ ۵۴۹؛ ۵۵۰۔

۷۲۔ النصائح الكافية لمن يتولى معاوية : تأليف محمد بن عقيل ابن عبد الله بن عمر العلوي المتوفي المتوفى ۱۳۵۰ھجرية۔

''محمد بن عقیل کی ایک معاصر نے اپنا نام ذکر کیے بغیر؛''النصائح الكافية'' کی دوسری طبع ۱۹۸۱م ؛کے مقدمہ میں بڑی مدح سرائی کی ہے۔وہ کہتا ہے:

''جناب علامہ سید محمد بن عقیل کے ساتھ میرا تعارف نہیں ہوا، اور نہ ہی کبھی بھی کسی وقت میں ان سے ملا ہوں۔مگر اس سے بار بار ملا ہوں، اور میرا تعارف ہوا ہے؛ میں نے انہیں عربی ثقافت کے ثمرات میں سے ایک پختہ ثمر پایا۔علوم دین اور لغت میں بڑی گہری اور شامل مہارت تھی۔حق تو یہ ہے کہ وہ اپنے مواہب میں یکتا تھا۔جو اس نے تالیف کیا، اور لکھا، اس میں اسے علم وہبی عطا ہوا تھا۔میں نے سید محمد عقیل کو آمنے سامنے تو نہیں دیکھا، لیکن مکتبہ میں میرا اس کے ساتھ تعارف ہوا، اور اس عظیم شخصیت کے ساتھ میری ملاقات ہوئی۔ادب میں اس کے وسیع مطالعہ، اور واضح انصاف کے ساتھ......

ہم اس فقیر قسم کے کلمہ سے یہ نہیں چاہتے کہ ہم جمہور قارئین کے لیے مؤلف - کی کتاب - کا پیش لفظ تحریر کریں۔ بے شک اس کی یہ کتاب، اور دوسری کتابیں اسے ایک علامہ اور محقق کے طور پر پیش کرتی ہیں۔اور نہ ہی ہم اس کتاب " النصائح الكافية لمن يتولى معاوية " پر کو تقدیم لکھنا چاہتے ہیں، بلکہ یہ خود ایک مقدمہ ہے جو اپنے آپ کو قارئین کے سامنے پیش کرتی ہے۔''[1]

۷۳۔ تنقيح المقال في علم الرجال: تأليف الشيخ عبد الله بن محمد بن حسن بن عبد الله المقاماني المتوفى ۱۳۵۱ هجرية۔

آغا بزرگ طہرانی [مصنف کا تعارف کراتے ہوئے] کہتا ہے:

''شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن حسن بن شیخ عبداللہ بن محمد باقر بن علی اکبر بن رضا المامقانی النجفی ؛ بڑا عالم اور ماہر فقیہ۔''

۱۲۹۰ ہجری میں نجف اشرف میں پیدا ہوا۔موصوف علماء اجلاء اور افاضل فقہاء میں سے ایک تھا۔نیکو

[1] نقباء البشر في القرن الرابع عشر ۱۱۹۶/۳-۱۱۹۸۔

کار اور متقی انسان تھا جس میں فضل ومعرفت، ورع وتقوی اور زہد کی صفات جمع تھیں، اور ان کی وجہ سے معروف تھا۔ اپنے اس بلند مقام ومنزلت کے ساتھ ساتھ حسن اخلاق سے بہرہ ور تھا۔ موصوف رحمہ اللہ کا انتقال فجر کے قریب ۱۶ شوال ۱۳۵۱ ہجری میں ہوا۔ بڑے ادب واحترام کے ساتھ جنازہ اٹھایا گیا؛ جس کے احترام میں بازار بند کر دیے گئے۔ اس کی سب سے اہم مشہور اور جلیل القدر تالیف (تنقیح المقال فی علم الرجال) ہے۔ یہ بڑی کتاب ہے جو تین ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس کی تالیف، تہذیب اور طباعت کا کام صرف تین سال کے عرصہ میں ہوا۔ ان میں سے دو جلدیں اس کی زندگی میں ہی طبع ہوگئی تھیں، جب کہ تیسری جلد کو پورا کرنے سے پہلے اس کی وفات ہوگئی؛ جوکہ اس کے فاضل سسر شیخ موسیٰ آل اسد اللہ التستری الکاظمی نے مکمل کی۔''❶

۷٤۔ منتهى الآمال: تأليف عباس القمي المتوفى ۱۳۵۹ هجرية۔

محسن الامین مصنف کا تعارف کراتے ہوئے کہتا ہے:

''شیخ عباس بن محمد رضا بن ابو القاسم ۱۲۹۳ ہجری تا ۱۳۵۹ ہجری۔ عالم وفاضل؛ محدث، واعظ؛ عابد وزاہد؛ اس کی کئی کتابیں ہیں۔''❷

۷٤۔ تاريخ الشيعة: تأليف الشيخ محمد حسين المظفري المتوفى ۱۳٦۹ هجرية۔

آغا بزرگ طہرانی [مصنف کے متعلق] کہتا ہے:

''شیخ محمد حسین بن شیخ یونس المظفر النجفی؛ عالم وفاضل۔ نجف میں پیدا ہوا۔ اور وہیں پر تعلیم حاصل کی۔ اور اپنے زمانہ کے علماء کی ایک جماعت کے پاس حاضر ہوا؛ یہاں تک کہ کمال مہارت حاصل کر لی۔ پھر آپ کو بحیثیت رجسٹرار ''قورنہ'' بھیجا گیا۔ جہاں پر وہ اپنے فرائض انجام دیتا رہا، یہاں تک ۱۳٦۹ ھجری میں اس کا انتقال ہوگیا۔''❸

۷۵۔ أصل الشيعة وأصولها: محمد حسين كاشف الغطاء المتوفى ۱۳۷۳ هجرية۔

---

❶ نقباء البشر في القرن الرابع عشر ۳/ ۱۹٦۔ ❷ اعيان الشيعة ۷/ ٤۲۵۔

❸ نقباء البشر في القرن الرابع عشر ۲/ ۸۹۵۔

آغا بزرگ طہرانی [مصنف کے متعلق] کہتا ہے:

''شیخ محمد الحسین بن شیخ أہل عراق شیخ علی بن الجہ الشیخ محمد رضا بن المصلح بین الدولتین - دو ملکوں کے درمیان صلح کرانے والا - الشیخ موسیٰ بن شیخ الطائفہ الشیخ الأکبر جعفر بن علامہ شیخ خضر یحی ابن سیف الدین مالکی، جناحی النجفی، کبار معاصر علماء اسلام اور مشہور مشاہیر شیعہ علماء میں سے تھا۔ مشہور جلیل القدر علمی گھرانے میں اچھی تربیت پائی۔ عیش و راحت کی زندگی میں ایک اعلیٰ گھرانے میں پروان چڑھا۔ ادراکات ومحسوسات نمایاں ہوئے؛ اور فکر حقائق کی گہرائیوں اور علوم کے فضائل پر دسترس رکھنے لگی۔ یہاں تک یہ تمام امور اس کے لفظوں کی خوشبو؛ قلم کی رشحات سے ظاہر ہونے لگے۔ یہ امور بالخصوص آپ کے خطبات، ادب، بلاغت میں بادلوں کی پھوار ہے۔ کہ ان امور میں وسعت حاصل کی؛ اور اپنا پورا کردار ادا کیا۔ اور میں جب یہ کہتا ہوں تو کوئی غلو نہیں کرتا کہ: ''وہ شیعہ خطیبوں کا سب سے بڑا خطیب تھا۔''[1]

۷۵۔ أجوبة مسائل جار الله: تأليف عبد الحسين شرف الدين الموسوي المتوفى ۱۳۷۷ هجرية۔

آغا بزرگ طہرانی [مصنف کے متعلق] کہتا ہے:

''سید عبد الحسین بن سید یوسف بن سید جواد بن سید اسماعیل بن سید محمد بن سید ابراہیم المقلب: شرف الدین الموسوي العاملي۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کے بڑے علماء اور شیعہ کی عبقری شخصیات میں سے تھا۔ موصوف وقت کا ایک سرمایہ تھا، اور ایک بڑی نشانی تھا جس نے عصر حاضر کو روشن کر دیا۔ اس صدی کے فخر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس صدی میں ایسی نادر عبقری شخصیات پیدا ہوئیں ......''

ان کا بہت سارا علمی سرمایہ بھی ہے، جن میں سے کچھ ''مراجعات'' ہیں، جو ۱۳۵۵ ہجری میں طبع ہو چکے ہیں۔ اور کتاب "الفصول المهمة في تاريخ الأمة" ۱۳۳۰ ہجری میں طبع ہو چکی ہے۔ اور اس ۱۳۴۷ ہجری میں اس کی دوسری بار طباعت ہوئی۔ ان میں سے ہی ایک کتاب:

[1] نقباء البشر في القرن الرابع عشر ۲/ ۶۱۲-۶۱۶۔

" أجوبة موسیٰ جار اللہ " بھی ہے؛ جو "صیداء " میں ۱۳۵۵ میں طبع ہوچکی ہے۔ "❶

۷٦- عقائد الإمامية محمد رضاء المظفر المتوفی ۱۳۸۳ هجرية۔

آغا بزرگ طہرانی [مصنف کے متعلق] کہتا ہے:

" (پورا نام): شیخ محمد رضا بن شیخ محمد بن شیخ عبد اللہ آلا مظفر نجفی ہے۔جلیل القدر عالم اور معروف ادیب ہے۔اپنے والد کی وفات کے چھ ماہ بعد ۵ شعبان ۱۳۲۳ ہجری کو نجف میں پیدا ہوا۔اس کے بھائیوں عبد النبی اور شیخ محمد حسن نے اس کی کفالت کی۔ان کے ہاں ہی پرورش پائی ،اورابتدائی تعلیم حاصل کی۔

صاحب موصوف بڑے افاضل اہل علم ؛ اوراہل ادب میں سے تھا۔ابتداء ہی سے بڑی اچھی سیرت کا مالک تھا۔اوراپنے سلوک کی وجہ سے اپنے جاننے والوں میں محبوب تھا۔

یہ ان چند لوگوں میں سے ہے جنہوں نے نجف میں فکری تحریک میں حصہ لیا۔ اور بہت سارے عام دینے مسائل میں مشغول رہا۔اوراس کی کئی عمدہ کتابیں طبع شدہ ہیں ،ان میں سے "السقیفۃ" بھی ہے ، جسے ۱۳۵۲ ہجری میں تألیف کیا۔ یہ دو بار طبع ہوچکی ہے۔اورایک کتاب منطق بھی ہے ،اس کے تین اجزاء ہیں، یہ بھی مطبوع ہیں ؛ اور ایک کتاب عقائد الشیعۃ" ہے، جو ۱۳۷۳ ہجری میں طبع ہوئی۔"❷

۷۷- الذريعة إلی تصانيف الشيعة۔

۷۸- نقباء البشر في القرن الرابع عشر۔

۷۹- طبقات أعلام الشيعة ؛(القرن الرابع): آغا بزرگ تهراني المتوفی ۱۳۸۹ هجرية۔(یہ تینوں کتابیں ایک ہی مصنف کی ہیں)۔

محمد الحسین آل کاشف الغطاء نقباء البشر کے مقدمہ میں کہتا ہے:

" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

❶ نقباء البشر في القرن الرابع عشر ۳/ ۱۰۸۰؛ ۱۰۸۳؛ ۱۰۸٦۔

❷ نقباء البشر في القرن الرابع عشر ۲/ ۷۷۲-۷۷۳۔

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ☆ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ (ابراهيم: ٢٤-٢٥)

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے؛ جیسے پاکیزہ درخت؛ جس کی جڑ مضبوط زمین میں ثابت ہو اور شاخیں آسمان میں۔ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا (اور میوے) دیتا ہو اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔''

ان ہی پاکیزہ درختوں میں سے؛ جن کے فائدہ مند ثمرات اور خوشبودار پھول؛ اور مرغوب غذا؛ اور خوش ذائقہ مشروب ہمیشہ رہا؛ ایک عالم ربانی حجۃ الاسلام شیخ محمد حسین المشہور آغا بزرگ تہرانی ہیں؛ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے؛ صاحب کتاب: "الذريعة إلى تصانيف الشيعة"؛ جو اس گروہ کی کتب کے بارے میں ایک بہت بڑا موسوعہ ہے۔ جس میں محاسن اور عیوب ذکر کیے ہیں۔ اس مبارک درخت کے ثمرات اور نتائج میں سے ایک یہ جلیل کتاب ہے جس میں تین صدیوں سے زیادہ کے علماء کے حالات زندگی لکھے گئے ہیں۔ [1]

٨٠۔ البيان في تفسير القرآن؛ تأليف أبي القاسم الموسوي الخوئي المولود ١٣١٧ هجرية۔

آغا بزرگ طہرانی [مصنف کے متعلق] کہتا ہے:

''سید ابو القاسم بن سید علی اکبر بن میرزا ہاشم الموسوی الخوئی، النجفی، عصر حاضر میں نجف میں لوگوں کا ایک مرجع ہے۔ آذر بائیجان کے شہر ''خو'' میں نصف رجب؛ ۱۳۱۷ھجری کو پیدا ہوا۔ اپنے والد کے ہاں اچھی تربیت پائی۔ ۱۳۳۰ہجری اس کے والد اسے نجف اشرف کی طرف ہجرت کر گئے۔ اور اسے تعلیم حاصل کرنے پر لگا دیا۔ یہ اس وقت سے ہی اپنی ذہانت اور استعداد کی وجہ سے ممتاز تھا۔ تعلیم کے پہلے مراحل اور مقدمات مکمل کیے، اور اپنے زمانے کے اساتذہ کے پاس حاضری دی......''

---

[1] مقدمه نقباء البشر في القرن الرابع عشر؛ بقلم محمد الحسين آل كاشف الغطاء ص : ج -د-

اسے تفسیر وتا لیف میں بڑی مہارت تھی؛اس کی کتابوں میں سے:" نفحات الإعجاز " بھی ہے۔"❶

٨١- الشيعة الإمامية تأليف محمد صادق الصدر المولود ١٣٢٠ هجرية۔

آغا بزرگ طہرانی [مصنف کے متعلق] کہتا ہے:

''سید محمد صادق بن سید محمد حسین بن سید محمد ہادی بن سید علی ؛ جو سید صدر الدین کا سگا بھائی ہے، آل صدر کا دادا؛ الموسوي العاملی الکاظمی عالم واديب......''

۱۳۲۰ ہجری کی حدود میں پیدا ہوا۔ اپنے فاضل چچا کے ہاں کاظمیہ میں پرورش پائی۔ مقدمات اور سطحی علوم حاصل کیے اور ان میں مہارت پائی۔ پھر علماء کی ایک جماعت پر فقہ اوراصول کے علوم حاصل کرنے میں مشغول ہوا۔ ادب میں یدطولی حاصل کیا۔ پھر تا لیف میں مشغول ہوگیا،بعض بہت عمدہ کتابیں لکھیں ،جن کا ہم نے اپنے مقام پر ذکر کردیا ہے۔ جن میں سے ایک "الذريعة" ہے،اور باقی ذہن میں نہیں آرہا؛ سوائے اس کے کہ:' حیاۃ أمیر المؤمنین' اور الشیعۃ'' بھی اسی کی کتابیں ہیں۔ ❷

٨٢- تحرير الوسيلة۔

٨٣- الحكومة الإسلامية۔

٨٤- كشف الإسرار۔

٨٥- مصباح الهداية إلى الخلافة و الولاية۔

یہ چاروں کتابیں آية الله العظمى الإمام الخميني المولود ١٣٢٠ هجرية۔ کی تصنیف ہیں۔ آغا بزرگ طہرانی [خمینی کے متعلق] کہتا ہے:

'' آپ سید آغا روح اللہ بن سید مصطفی خمینی ؛ بڑے عالم و فاضل ہیں۔ ۱۳۲۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ علم کی محبت اور طلب میں پروان چڑھے۔ اوراہل علم وفضل کی ایک جماعت کے پاس حاضر ہوئے۔ اور قم شیخ عبد الکریم یزدی حائری اور دیگر علماء سے علم حاصل کیا۔ ان کی علمی ورثہ میں سے:"سر الصلاة " -نماز کے اسرار- کتاب بھی ہے،جس سے عرفان کی

---

❶ نقباء البشر في القرن الرابع عشر ١/ ٧١-٧٢۔

❷ نقباء البشر في القرن الرابع عشر ٢/ ٨٦٩۔

بوسونگھی جاسکتی ہے۔'' ❶

احمد الفہری اس کی کتاب " مصباح الهدایه " کے مقدمہ میں کہتا ہے:

''امام خمینی عظیم انقلابی رہنما؛ صدی کے اندھیروں کو چاک کرنے والا؛ رات کے اندھیروں میں گونجتی ہوئی آواز ؛ دنوں کا شیر؛ عالمی عفریت تکبر پر برہنہ تلوار؛ جس کے دونوں کناروں سے نجات کی نشانیاں سنائی دیتی ہیں، علمبردار حریت، انسانیت کو ہر قسم کی غلامی اور بندگی سے نجات دلانے والا؛ یہ امام خمینی ہیں، جو کہ زمین میں علی علیہ السلام کا ایک نمونہ ہیں؛ امام غائب کے خصائص سے مرقع، اور اس کی روشن نشانیوں سے تابندہ؛ آپ اسے دیکھیں گے کہ امام مہدی کی حکومت کے لیے راہ ہموار کرنے والا ہراول دستہ ہے۔ ہماری روحیں اس پر نثار ہوں؛ وہ امت کے دل میں ایک مثالی انسان اور قائد کی حیثیت سے پوری امت کے غم اور ان کی امیدیں لیے ہوئے ابھرا۔'' ❷

آغا بزرگ تہرانی کہتا ہے:

''کشف الأسرار از جناب: آغا روح الله بن سید مصطفی الخمینی ، فارسی کی ہے۔۱۳۶۳ھجری میں ایران میں طبع ہوئی۔اس کے ۴۲۸صفحات ہیں۔'' ❸

ان کے معاصر علماء کی ان کے علاوہ کچھ دیگر کتابیں بھی ہیں، جنہیں میں نے یہاں پر اس لیے ذکر نہیں کیا ہے کہ ان کے مؤلفین کے حالات زندگی مجھے نہیں مل سکے، اور ان کتابوں کا مشہور ہونا ہی ان کی توثیق کے لیے کافی ہے۔

❀❀❀❀

❶ نقباء البشر في القرن الرابع عشر ۲/ ۷۸۹۔

❷ مقدمه مصباح الهداية إلى الخلافة بقلم أحمد الفهری۔

❸ الذریعه ۱۸/۱۳۔

مصادر ومراجع

اولاً:...... مصادر و مراجع أهل سنت

دوم :...... مصادر و مراجع أهل تشيع

حرف الف

١ ـ إثبات الوصية للأمام علي بن أبي طالب عليه السلام: تأليف أبي الحسن على بن الحسين بن على المسعودي الهذلي المتوفى ٣٤٦ هجرية ـ من منشورات المكتبة المرتضوية ؛ النجف الأشرف ـ

٢ ـ أجوبة مسائل جار الله: تأليف عبد الحسين شرف الدين الموسوي المتوفى ١٣٧٧ هجرية ـ الطبعة الثانية ؛ انتشارات مكتبة الفقيه / مطبع العرفان ؛ صيداء ـ

٣ ـ الإحتجاج :تأليف أبي منصور أحمد بن علي بن ابي طالب الطبرسى المتوفى ٦٢٠ هجرية ـ منشورات الأعلمي للمطبوعات، بيروت لبنان/ الطبعة الثانية ١٩٨٣م ـ

٤ ـ الاختصاص ـ تأليف أبي عبد الله محمد بن محمد بن النعمان المشهور بالمفيد المتوفى ٤١٣ هجرية ـ تصحيح و تعليق : على أكبر الغفاري ؛ منشورات جماعة المدرسين في الحوزة العليمة في "قم ـ"

٥ ـ أربعين :محمد باقر المجلسي المتوفى ١١١١ هجرية ـ نشر دار الكتب العلمية إسماعيليان نجفى -إيران- قم ـ

٦ ـ الإرشاد :تأليف أبي عبد الله محمد بن محمد بن النعمان المشهور بالمفيد المتوفى ٤١٣ هجرية ـ طبعة إيران ـ

٧ـ الاستبـصـار فيـمـا أُختلِفَ من الأخبار: تأليف أبي جعفر محمد بن الحسن الطوسي المتوفى ٤٦٠ هجرية ـ تحقيق السيد: حسن الخرسان ـ

٨ـ أصـل الشيـعة وأصـولهـا : مـحـمـد حسين كاشف الغطاء المتوفى ١٣٧٣ هـجـرية ـ الـطبـعة الـرابـعة ١٤٠٢ هـجـرية؛ مـنشـورات مـؤسسة الأعلمي للمطبوعات؛ بيروت ـ

٩ـ أصـول الأصلية والقواعد الشرعية : عبد الله شبر ـ منشورات مكتبة المفيد ـ قم (إيران) ١٤٠٤ هجرية ـ

١٠ـ إعـلام الـورى بـأعـلام الهـدى :تأليف: أمين الإسلام لأبي على الفضل بن الـحسـن الـطبـرسـي الـمتـوفـى ٥٤٨ هجرية ـ تصحيح و تحقيق على أكبر الغفارى / دار المعرفة للطباعة و النشر؛ بيروت؛ لبنان ـ

١١ـ أعيان الشيعة :تأليف : محسن الأمين العاملي ـ طبعة دار التعارف – بيروت ـ

١٢ـ إكـمـال الدين وتمام النعمة ـ تأليف أبي جعفر محمد بن على بن الحسن بن موسىٰ بن بابويه القمي المعروف بالصدوق المتوفى ٣٨١ هجرية ـ

١٣ـ أمالي الصدوق ـ صفات الشيعة و فضائل الشيعة :تأليف أبي جعفر محمد بن عـلـى بـن الحسن بن موسىٰ بن بابويه القمي المعروف بالصدوق المتوفى ٣٨١ هـجـرية ـ الطبعة الخامسة: منشورات مؤسسة الأعلمي للمطبوعات؛ بيروت ـ

١٤ـ أمـالـى الطوسي : تأليف شيخ الطائفة أبي جعفر محمد بن الحسن الطوسي الـطبـعة الثـانية ١٤٠١ هـجرية ـ مؤسسة الوفاء بيروت لبنان ـ ـ أمالي المفيد ـ تـأليف أبـي عبد الله محمد بن محمد بن النعمان المشهور بالمفيد المتوفى ٤١٣ هجرية ـ

١٥ـ الأنـوار الـنـعـمانية : تأليف نعمة الله بن عبد الله الجزائري المتوفى ١١١٢ هـجـرية ـ مـطبـعة شـركة جـاب تبـريـز إيـران ـ الأنوار الوضية في العقائد

الرضوية۔ تأليف الشيخ حسين بن الشيخ محمد العصفور البحراني الدارزي المتوفى ١٢١٦ هجرية۔تحقيق أبو أحمد بن أحمد بن خلف بن أحمد العصفور البحراني۔

١٦۔ أوائل المقالات في المذاهب المختارات۔ تأليف أبي عبد الله محمد بن محمد بن النعمان المشهور بالمفيد المتوفى ٤١٣ هجرية۔ نشر دار الكتاب الإسلامى- بيروت لبنان-١٩٨٣م۔

١٧۔ الإيضاح : الشيخ ابو محمد ابو الفضل بن شاذان الأزدي النيسابوري متوفى ٢٦٠ هجرية۔ ١٤٠٢هجرية۔ منشورات مؤسسة الأعلمي للمطبوعات؛ بيروت۔

١٨۔ الإيقاظ من الهجعة في إثبات الرجعة۔ تأليف محمد بن الحسن الحر العاملي المتوفى ١١٠٤ هجرية۔ المطبعة العلمية ؛ قم۔

حرف الباء (ب)

١۔ بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار۔ محمد باقر المجلسي المتوفى ١١١١ هجرية۔ الطبعة الثانية ١٤٠٣ هجرية مؤسسة الوفاء بيروت لبنان۔

٢۔ البرهان في تفسير القرآن : تأليف هاشم بن سليمان البحراني المتوفى ١١٠٧ هجرية۔

٣۔ بصائر الدرجات الكبرى في فضائل آل محمد عليه السلام ۔ تأليف : الثقة الجليل ؛ والمحدث النبيل : أبي جعفر محمد بن الحسن بن فروخ (الصفّار) المتوفى ٢٩٠ هجرية؛ من أصحاب الإمام الحسن العسكرى۔ منشورات الأعلمى طهران طبع ١٣٦٢هجرية۔

٤۔ البيان في تفسير القرآن؛ تأليف أبي القاسم الموسوي الخوئي المولود ١٣١٧ هجرية۔ الطبعة الثامنة ١٤٠١ هجرية ؛ دار الزهراء للطباعة والنشر

بيروت لبنان۔

حرف تاء و ثاء

١۔ تاريخ الشيعة : تأليف الشيخ محمد حسين المظفرى المتوفى ١٣٦٩ هجرية۔

٢۔ تفسير العياشي تأليف: المحدث الجليل أبي النصر محمد بن مسعود بن عياش السلمي السمرقندي المعروف بالعياشي۔

٣۔ تفسير الصافي۔ تأليف الشيخ محمد ابن المرتضى المدعو بالمولى محسن الكاشاني المتوفى ١٠٩١ هجرية۔

٤۔ تفسير فرات الكوفي: تأليف فرات بن ابراهيم بن فرات الكوفي المتوفى ٣٠٧ هجرية۔

٥۔ تفسير القمي: تأليف لأبي الحسن على بن إبراهيم المتوفى ٣٠٧ هجرية۔

٦۔ تحرير الوسيلة۔ آية الله العظمى الإمام الخميني المولود ١٣٢٠ هجرية۔

٧۔ التبيان۔ تأليف أبي جعفر محمد بن الحسن الطوسي المتوفى ٤٦٠ هجرية۔

٨۔ تحف العقول عن آل رسول : تأليف الشيخ الثقة الجليل الأقدم أبي محمد الحسن بن على بن الحسين بن شعبة الحراني۔

٩۔ تصحيح الاعتقاد بصواب الانتقاد أو شرح عقائد الصدوق: تأليف أبي عبد الله محمد بن محمد بن النعمان المشهور بالمفيد المتوفى ٤١٣ هجرية۔

١٠۔ تنقيح المقال في علم الرجال: تأليف الشيخ عبد الله بن محمد بن حسن بن عبد الله المقاماني المتوفى ١٣٥١ هجرية۔

١١۔ التهذيب۔ تأليف أبي جعفر محمد بن الحسن الطوسي المتوفى ٤٦٠ هجرية۔

١٢۔ ثواب الأعمال و عقاب الأعمال۔ تأليف أبي جعفر محمد بن على بن الحسن بن موسىٰ بن بابويه القمي المعروف بالصدوق المتوفى ٣٨١

هجرية۔

من حرف الجيم و إلي الراء

١۔ جلاء العيون۔ محمد باقر المجلسي المتوفى ١١١١ هجرية۔

٢۔ حق اليقين : محمد باقر المجلسي المتوفى ١١١١ هجرية۔

٣۔ الحكومة الإسلامية۔ آية الله العظمى الإمام الخميني المولود ١٣٢٠ هجرية۔

٤۔ حق اليقين في معرفة أصول الدين۔ تأليف عبد الله شبر المتوفى ١٢٤٢ هجرية۔

٥۔ الخصال۔ تأليف أبي جعفر محمد بن على بن الحسن بن موسىٰ بن بابويه القمي المعروف بالصدوق المتوفى ٣٨١ هجرية۔

٦۔ دلائل الإمامة : تأليف أبي جعفر محمد بن جرير بن رستم الطبري۔

٧۔ الذريعة إلى تصانيف الشيعة۔ آغا بزرگ تهراني المتوفى ١٣٨٩ هجرية۔

٨۔ رجال الطوسي: تأليف أبي جعفر محمد بن الحسن الطوسي المتوفى ٤٦٠ هجرية۔

٩۔ رجال العلامة الحلي: تأليف الحسن بن يوسف بن علي بن المطهر الحلي المعروف بالعلامة ؛ المتوفى ٧٢٦ هجرية۔

١٠۔ الرجعة: تأليف الشيخ أحمد بن زين الدين الأحسائي المتوفى ١٢٤١ هجرية۔

١١۔ روضة الواعظين :تأليف الشيخ العلامة محمد بن الفتال النيسابوري المتوفى ٥٠٨ هجرية۔

من حرف الشين إلي حرف غين

١۔ شرح نهج البلاغة :تأليف لأبي حامد عز الدين عبد الحميد بن هبة الله بن

أبي الحديد المتوفى ٦٥٥ هجرية۔

٢۔ الشيعة الإمامية تأليف محمد صادق الصدر المولود ١٣٢٠ هجرية۔

٣۔ عقائد الإمامية : محمد رضاء المظفر المتوفى ١٣٨٣ هجرية۔

٤۔ علل الشرائع۔ تأليف أبي جعفر محمد بن على بن الحسن بن موسىٰ بن بابويه القمي المعروف بالصدوق المتوفى ٣٨١ هجرية۔

٥۔ علم اليقين في أصول الدين: تأليف الشيخ محمد ابن المرتضى المدعو بالمولى محسن الكاشاني المتوفى ١٠٩١ هجرية۔

٦۔ عيون أخبار الرضا۔ تأليف أبي جعفر محمد بن على بن الحسن بن موسىٰ بن بابويه القمي المعروف بالصدوق المتوفى ٣٨١ هجرية۔

٧۔ عيون المعجزات : تأليف المحدث الجليل الشيخ حسين بن عبد الوهاب۔

٨۔ (الغارات) أو الاستنفار والغارات : لأبي اسحق ابراهيم ين محمد بن سعيد بن هلال المعروف بابن هلال الثقفي المتوفى ٢٨٣ هجرية۔

٩۔ الغيبة۔ تأليف أبي جعفر محمد بن الحسن الطوسيالمتوفى ٤٦٠ هجرية۔

١٠۔ الصراط المستقيم إلى مستحقي التقديم :تأليف زين الدين على بن يونس العاملي النباطي المتوفى ٨٧٧ هجرية۔

١١۔ صفات الشيعة و فضائل الشيعة : تأليف أبي جعفر محمد بن على بن الحسن بن موسىٰ بن بابويه القمي المعروف بالصدوق المتوفى ٣٨١ هجرية۔

١٢۔ طبقات أعلام الشيعة : آغا بزرگ تهرانى المتوفى ١٣٨٩ هجرية۔

حرف ف

١۔ فرق الشيعة :تأليف للشيخ المتكلم الشيخ ابن موسىٰ النوبختي المتوفى ٣١٠ هجرية۔

٢۔ فصل الخطاب في إثبات تحريف كتاب رب الأرباب:تأليف حسين محمد

تقي الدين النوري الطبرسي المتوفى ١٣٢٠ هجرية۔

٣۔ الفصول المهمة في معرفة المهمة : تأليف نور الدين علي بن محمد الصباغ المتوفى ٨٥٥ هجرية۔

٤۔ الفهرست۔ تأليف أبي جعفر محمد بن الحسن الطوسي المتوفى ٤٦٠ هجرية۔

٥۔ فهرست أسماء علماء الشيعة ومصنفيهم :تأليف للشيخ أبي الحسن علي بن عبيد الله بن بابويه الرازي المتوفى ٦٠٠ هجرية۔

من حرف الكاف إلي اللام

١۔ الكافي: تأليف أبي جعفر محمد بن يعقوب بن اسحاق الكليني المتوفى ٣٢٨ هجرية۔

٢۔ كتاب (سليم بن قيس الهلالى) يا (السقيفة أبجدالشيعة)۔متوفى ٩٠ هجرية۔

٣۔ كتاب الغيبة :تأليف محمد بن ابراهيم بن جعفر النعماني۔

٤۔ كتاب المحاسن : تأليف الشيخ الثقة الجليل الأقدم أبي جعفر أحمد بن محمد بن خالد البرقى متوفى ٢٧٤ هجرية وقيل :متوفى٢٨٠ هجرية۔

٥۔ كشف الإسرار۔ آية الله العظمى الإمام الخميني المولود ١٣٢٠ هجرية۔

٦۔ كشف الغمة في معرفة الأئمة : تأليف لأبي الحسن علي بن عيسى الأربلي المتوفى ٦٩٣ هجرية۔

٧۔ الكشكول۔ تأليف العلامة الشيخ يوسف بن أحمد البحراني المتوفى ١١٨٦ هجرية۔

٨۔ لؤلوة البحرين: تأليف العلامة الشيخ يوسف بن أحمد البحراني المتوفى ١١٨٦ هجرية۔

حرف ميم

١ـ مجمع البحرين : تأليف فخر الدين الطريحي المتوفى ١٠٨٥ هجرية۔

٢ـ الـمحاسن النفسانية في أجوبة المسائل الخراسانية : تأليف الشيخ حسين بن الشيخ محمد العصفور البحراني الدارزي المتوفى ١٢١٦ هجرية۔

٣ـ مـختـصـر بـصائر الدرجات: تأليف حسن بن سليمان الحلي المتوفى ٨٠٢ هجرية۔

٤ـ مشـارق أنـوار اليقين في حقائق أسرار أمير المؤمنين: تأليف:للحافظ رجب البرسي۔

٥ـ مـصبـاح الهـداية إلـى الـخـلافة و الولاية۔ آية الله العظمى الإمام الخميني المولود ١٣٢٠ هجرية۔

٦ـ مـعـانـى الأخبار۔ تأليف أبي جعفر محمد بن على بن الحسن بن موسىٰ بن بابويه القمي المعروف بالصدوق المتوفى ٣٨١ هجرية۔

٧ـ مـعـرفة أخبـار الـرجـال (الـمـعروف برجال الكشي): تأليف المتوفى ٣٤٠ هجرية۔

٨ـ المقالات و الفرق :تأليف سعد بن عبد الله القمي الأشعري۔ المتوفى ٣٠١ هجرية۔

٩ـ من لا يحضره الفقيه۔ تأليف أبي جعفر محمد بن على بن الحسن بن موسىٰ بن بابويه القمي المعروف بالصدوق المتوفى ٣٨١ هجرية۔

١٠ـ مـنـار الهـدى فـي إثبـات إمامة أئمة الهدى: تأليف الشيخ علي ابن عبد الله البحراني المتوفي ١٣١٩ هجرية۔

١١ـ مـنـاقب آل أبي طالب: تأليف علي بن محمد بن شهر أشوب المتوفى ٥٨٨ هجرية۔

١٢ـ منتهى الآمال: تأليف عباس القمي المتوفى ١٣٥٩ هجرية۔

از حرف النون تا یاء

۱ ـ الـنصائح الكافية لمن يتولى معاوية : تأليف محمد بن عقيل ابن عبد الله بن عمر العلوي المتوفي المتوفى ۱۳۵۰ هجرية۔

۲ـ نـقبـاء البشـر فـي الـقـرن الـرابـع عشر۔ آغا بزرگ تهرانى المتوفى ۱۳۸۹ هجرية۔

۳ـ وسـائـل الشيـعة۔ تـأليف محمد بن الحسن الحر العاملي المتوفى ۱۱۰٤ هجرية .

٤ـ يـنابيع المودة: تأليف سليمان بن إبراهيم البلخي المتوفى ۹٤ سوم :مصادر و مراجع يهود و نصارى

❁❁❁❁